قومی سیرت کانفرنس
۱۴۲۵ھ / ۲۰۰۴ء

مقالاتِ سیرت

"دورِ حاضر میں انتہا پسندی کا رجحان اور اُس کا خاتمہ تعلیماتِ نبوی ؐ کی روشنی میں"

وزارتِ مذہبی امور، زکوٰۃ و عشر،
حکومت پاکستان

فہرست مقالات سیرت ۲۰۰۴ء

(الف) خطبات

(ب) مقالات

عنوان: دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اس کا خاتمہ تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

پیش لفظ

نبی اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ اور تعلیمات عالیہ بنی نوع انسان کے لیے ہر دور میں اور ہر خطہ میں قابل عمل اور باعثِ حسنات وثمرات ہیں۔

ہمارا ایمان ہے کہ تخلیق کائنات میں وہ لمحہ سب سے زیادہ حسین تھا جب اس مادی دنیا میں سب سے عظیم انسان کا ظہور ہوا اور وہ انسان خود حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی تھی۔ منصب نبوت سے سرفراز ہوتے ہی آپ ﷺ نے پیار و محبت و رحمت سے لوگوں کے ذہنوں اور دلوں میں گھر کر لیا۔ اس طرح قلیل وقت ہی میں ایسے عظیم الشان انسانوں کا گروہ وجود میں آیا جو ان کی سیرت و تعلیمات سے پورا آراستہ تھا۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ یہ سب کچھ تاریخ کی روشنی میں ہوا۔ اس میں کسی قسم کے وہم و گمان، قیاس محض، تخمین و ظن اور ماورائے فطرت روایات کا کوئی دخل نہیں۔ آپ ﷺ کی تاریخ حقائق سے آراستہ ہے اور ہم آپ ﷺ کے بارے میں اصل حقیقت آسانی سے معلوم کر سکتے ہیں۔ یہاں ہر چیز دن کی پوری روشنی میں جگمگا رہی ہے۔

آپ ﷺ کی شخصیت کے بہت سے پہلو ہیں اور آپ ﷺ کی سیرت نویسیوں، تذکرہ نگاروں اور محدثین نے آپ ﷺ کے بارے میں تفصیلی معلومات فراہم کی ہیں جن کی وجہ سے ہم آپ ﷺ کے بارے میں ہر چیز جانتے ہیں آپ ﷺ کی بے داغ جوانی، آپ ﷺ کی اٹھان، آپ ﷺ کے عادات و خصائل، ابتدائی حالات اور پہلی وحی کے نازل ہونے تک کا لمحہ، ذہنی سفر اور ارتقاء وغیرہ نیز آپ کی داخلی اور باطنی زندگی سے متعلق مکمل واقفیت رکھتے ہیں۔

وزارت مذہبی امور، حکومت پاکستان نے نبی اکرم ﷺ کی حیات و تعلیمات کے فروغ کے لیے مختلف اقدام اٹھائے ہوئے ہیں کسی ایک موضوع پر مقالات سیرت کی طباعت بھی اسی زمرہ میں ایک قدم ہے۔ اس عمل سے ہمیں سیرت النبی علی صاحبہا التحیۃ والسلام سے اس موضوع سے متعلق راہنمائی میسر آتی ہے۔

سال ۲۰۰۴ء میں قومی سیرت النبی کانفرنس کا موضوع ''دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اس کا خاتمہ۔ تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں'' مقرر کیا گیا تھا۔ جس پر بے شمار مقالات وزارت میں موصول ہوئے۔ البتہ ان میں سے صرف معیاری مقالات کو ہی شائع کر کے وزارت کی طرف سے استفادہ عام کے لیے پیش کیا جا رہا ہے۔ امید ہے کہ وزارت کی یہ کوشش سیرت طیبہ کے فروغ و اشاعت کے ضمن میں جاری مہم میں ممد و معاون رہے گی۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں نبی اکرم ﷺ کے اسوہ حسنہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

سیکرٹری
وزارتِ مذہبی امور، زکوٰۃ وعشر

محترم جناب میر ظفر اللہ خان جمالی، وزیرِ اعظم اسلامی جمہوریہ پاکستان کا خطبہ افتتاحیہ

علماءِ کرام و مشائخِ عظام،

وزیر مذہبی اُمور، محمد اعجاز الحق صاحب،

وفاقی و صوبائی وزراءِ کرام،

منتخب اراکین سینٹ و اسمبلی،

سفراءِ کرام،

معزز خواتین و حضرات،

السلامُ علیکم و رحمة اللّٰہ و برکاتہ!

یہ بڑی سعادت کی بات ہے کہ آج ہم جناب سرورِ کونین ﷺ کی بارگاہ میں ہدیہءِ عقیدت پیش کرنے کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔ مَیں وزارتِ مذہبی اُمور کا ممنون ہوں کہ اُنہوں نے اِس بابرکت محفل کے ذریعے مجھے ملک بھر سے آئے ہوئے علماءِ کرام اور مشائخِ عظام سے ملاقات اور گفتگو کا موقع فراہم کیا۔

وزارتِ مذہبی امور نے اِس سال سیرت کانفرنس کے لئے جس موضوع کا انتخاب کیا ہے وہ انتہائی اہم ہے۔ ''دورِ حاضر میں انتہا پسندی کا رجحان اور اس کا خاتمہ۔ تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں'' بلاشبہ ایک ایسا موضوع ہے جس پر اجتماعی غور فکر کی بے حد ضرورت ہے۔ اگرچہ یہ موضوع اپنی افادیت کے لحاظ سے ہمیشہ ہی اہم رہا ہے لیکن موجودہ عالمی تناظر میں اس کی اہمیت کہیں زیادہ ہوگئی ہے۔

معزز حاضرین:

مسلمانوں کا ماضی اور حال آپ سے ہرگز پوشیدہ نہیں۔ ایک ہزار سال تک مسلمانوں نے تہذیبی، سیاسی، سائنسی غرض یہ کہ زندگی کے ہر میدان میں دنیا کی رہنمائی کی ہے۔ مغرب جس دور کو DARK AGES کہتا ہے، اُس عہد میں مسلمان سائنسدانوں اور اہلِ علم نے سائنس، طب اور فنون لطیفہ کے شعبوں میں نت نئی ایجادات کیں۔ یہ اقتدار اُس وقت تک برقرار رہا جب تک مسلمانوں نے قرآن و سنت پر عمل کرتے ہوئے عدل و انصاف کا جھنڈا سربلند رکھا۔ آج دنیا کی آبادی کا ایک تہائی اور بیشتر قدرتی وسائل کا مالک ہونے کے باوجود ہمیں وہ مقام حاصل نہیں جس کے ہم جائز طور پر حقدار ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟ حضورِ پاک ﷺ نے زمانہ جاہلیت کی جن رسوم کو ختم کر کے اسلام کی روشن اور تابندہ روایات کی بنیاد ڈالی تھی ہم اُنہیں بھلا بیٹھے۔ ہم اپنی اسلامی روایات پر فخر کرتے ہیں مگر اُن پر عمل نہیں کرتے۔

اسلامی تعلیمات اور اُس کے زریں اصولوں کا ذکر تو کرتے ہیں مگر اُن پر کار بند نہیں ہوتے۔ ہم نے ہر اُس عمل کو فراموش کر دیا جو دین و دنیا میں کامیابی کا ضامن ہے۔

اسلام ایک اعتدال پسند دین ہے۔ انتہا پسندی سے گریز اور میانہ روی اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ نے عبادات اور حالت جنگ میں بھی اعتدال کا دامن نہیں چھوڑا۔ آپ ﷺ نے خونریزی سے ہمیشہ اجتناب کیا۔ طاقت کو مدافعت اور دشمن کو مرعوب کرنے کے لئے استعمال کیا۔ جنگ پر صلح کو ترجیح دی۔ صلح حدیبیہ اِس کی ایک روشن مثال ہے۔

ہر انسان کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی زندگی اپنے عقیدہ کے مطابق گزارے۔ کسی کو ہرگز یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے نظریات دوسروں پر ٹھونسنے کی کوشش کرے۔ کیونکہ دین میں کوئی جبر نہیں۔ تلوار کے زور پر علاقے تو فتح کئے جا سکتے ہیں لیکن دلوں کو مسخر نہیں کیا جا سکتا۔ دلوں کی تسخیر کے لئے کردار کی ضرورت ہوتی ہے۔ نبی کریمؐ کی دعوت پر جو اصحابؓ ایمان لائے وہ دراصل اسلام کے نصب العین کے ساتھ آپ ﷺ کے کردار میں اُس کی عملی شکل سے متاثر تھے۔

ایک ہم ہیں جو رحمت العالمین ﷺ کے نام لیوا ہونے کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن اُس کردار سے عاری ہیں جو ایک مومن کی زندگی کا خاصہ ہوتے ہیں۔ انا پرستی، عصبیت اور جاہلیت کے جن بتوں کو نبی کریم ﷺ نے اپنے پیروں تلے روندا تھا وہ ہمارے دل و دماغ کے صنم خانوں میں پھر سے آبسے ہیں

انسانی عظمت اور وحدت کو ان صنم خانوں نے پھر سے پارہ پارہ کر دیا۔ افسوس کہ یہ کسی دشمن کا کام نہیں بلکہ ہمارا اپنا ہی کیا دھرا ہے۔ ہم نے اپنی خواہشات کے حصول میں علاقائیت، لسانیت اور فرقہ واریت کو اُبھارا۔ دین کے نام پر خون بہایا گیا اگرچہ ہمارا ایمان ہے کہ ایک انسان کا قتل پوری انسانیت کا قتل ہے۔ ہمارے اِس طرزِ عمل نے معاشرے میں شدّت پسندی کو فروغ دیا۔ ہم نے اپنی قوت اور صلاحیتوں کو گروہی، مذہبی، نسلی اور لسانی خرافات پر ضائع کیا۔ اِس کے نتیجہ میں ہم ترقی کی دوڑ میں دنیا سے بہت پیچھے رہ گئے۔ اسلام وہ نہیں جس کا مظاہرہ تشدد پسند طبقے کرتے ہیں۔ اسلام اللہ کی وحدانیت پر ایمان رکھتے ہوئے ایک عظیم انسانی معاشرے کے قیام کا نام ہے جس میں ہر شخص کو جان و مال، عزت و آبرو، عدل و انصاف، ترقی کے مواقع حاصل ہوں۔

اختلاف رائے اچھی چیز ہے۔ اِس سے ہر مسئلہ اپنی باریکیوں کے ساتھ سامنے آتا ہے اور اُس کے حل کے لئے کئی راستے دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن اپنی رائے پر اَڑ جانا اور دوسروں کو کفر کے درجے پر فائز کر دینا، وہ رویہ ہے جسے کسی بھی صورت درست قرار نہیں دیا جا سکتا۔ رسول ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ''میری اُمت میں اختلاف رائے رحمت ہے''۔ آپ ﷺ اپنے اصحابؓ سے رائے طلب کرتے اور اُن پر عمل بھی فرماتے تھے۔

اسلام اور ایمان بظاہر دو الفاظ ہیں لیکن اسلامی تعلیمات کا پوری طرح سے احاطہ کرتے ہیں۔ ایک مسلمان کی زندگی انہی دو الفاظ کے گرد گھومتی ہے۔ یہ دونوں الفاظ امن و سلامتی سے ماخوذ ہیں۔ گویا ایمان اور امن، اور اسلام اور سلامتی لازم و ملزوم ہیں۔ ایسے میں تہذیبوں کے ٹکراؤ کی بات اسلام سے لاعلمی کی علامت ہے۔ کچھ مغربی حلقے اِس بحث کے ذریعے مسلمانوں کے خلاف فضاء ہموار کرنے میں مصروف ہیں۔ یہ حلقے تشدد پسندوں کی سرگرمیوں کو بنیاد بنا کر دنیا کے سامنے اسلام کی ایک مسخ شدہ

تصویر پیش کرتے ہیں۔ اِس بناء پر کشمیر اور فلسطین جیسے پرانے انسانی المیوں کو دہشت گردی ثابت کرنے کی کوشش کی گئی۔

معزز حاضرین!

پاکستان اِس وقت جن حالات سے گزر رہا ہے اُن سے آپ بخوبی واقف ہیں ہماری داخلہ اور خارجہ پالیسیوں میں اعتدال پسندی، صلح جوئی اور افہام وتفہیم کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ وقت کے دھارے کے ساتھ عالمی حالات بدلتے رہتے ہیں۔ جس کے ساتھ قومی و بین الاقوامی سطح پر ترجیحات بھی بدلتی ہیں۔ جن کا تعین زمینی حقائق کی روشنی میں کیا جاتا ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ پاکستان اسلام کا قلعہ ہے۔ اِس کی سلامتی، استحکام اور قوم کی خوشحالی ہمارے لیے سب سے مقدم ہے۔ ہم نے موجودہ عالمی حالات کے تناظر میں ایسی پالیسیاں اپنائی ہیں جو اِنشاء اللہ نہ صرف ہماری بقاء اور سلامتی بلکہ معتدل اور خوشحال پاکستان کی ضامن ہونگی۔

ہمارا ایمان ہے کہ قرآن کریم تمام علوم کا سرچشمہ ہے اور تمام جہانوں اور زمانوں کے لئے کامل ہدایت۔ آپ ﷺ کی زندگی قرآن کی مکمل تفسیر ہے اور سیرتِ نبوی ﷺ سے ہمیں مسائل کے حل کے لئے رہنمائی ملتی ہے۔ قرآن وسنت آج بھی انسان کی مادی، اخلاقی اور روحانی ضرورتوں کو پورا کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہے۔ ضرورت اِس امر کی ہے کہ ہم حقیقی اسلامی تعلیمات کو اپنا کر اسلام کا عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کریں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو۔ اللہ کی رسی کیا ہے؟ کیا یہ اللہ تعالیٰ کا حکم اور رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات اور اُن پر عمل کا نام نہیں۔ اس کے برخلاف جو کوئی آپس کے اختلافات کو ہوا دے اس کا ٹھکانا جہنم بنایا گیا ہے۔ اگر ہم اسلام کی سربلندی، اپنے مسائل کا حل اور دنیا میں ایک باوقار مقام چاہتے ہیں تو ہمیں اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کرنا ہوگا۔ اپنے تمام امور اسلامی تعلیمات او زمینی حقائق کی روشنی میں سرانجام دینے ہوں گے۔

مَیں قومی سیرت کانفرنس کے انعقاد پر وزارت مذہبی اُمور کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اِن کے ذریعے علماء کرام کو مل بیٹھنے اور ایک دوسرے کا نکتۂ نظر جاننے اور سمجھنے کا موقع ملتا ہے۔ میری خواہش ہے کہ ایسی کانفرنسوں کا صوبوں بلکہ ضلعوں کی سطح پر بھی انعقاد ہونا چاہئے۔

حاضرین کرام!

مَیں آپ سب حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اپنے حبیب پاک ﷺ کے صدقے ہمیں قرآن اور سنت کی حقیقی سمجھ عطا فرمائے۔ باہمی تفرقات، نفرت وعناد اور دشمنی سے بچائے۔ اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں وطن عزیز کے روز وشب منور کرنے کی توفیق دے۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں زمانہ کی چالوں کا ادراک بخشے اور ملک وقوم کے مفاد میں بروقت اور صحیح فیصلے کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!۔

اِس دعا کے ساتھ مَیں اٹھائیسویں قومی سیرت کانفرنس کے افتتاح کا اعلان کرتا ہوں۔

قومی سیرت کانفرنس ۲۰۰۴ء کے افتتاحی اجلاس کے موقع پر
جناب محمد اعجاز الحق، وفاقی وزیر مذہبی امور، زکوٰۃ وعشر کے استقبالیہ کلمات

محترم جناب میر ظفر اللہ خان جمالی صاحب، وزیر اعظم اسلامی جمہوریہ پاکستان

اسلامی ممالک ک سفیران محترم

وزرائے کرام

علماء ومشائخ عظام

معزز خواتین وحضرات

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

میں آپ سب کو سیرت النبی ﷺ کانفرنس برائے سال ۲۰۰۴ء کے افتتاحی اجلاس میں شرکت پر خوش آمدید کہتا ہوں۔

میں وزیر اعظم میر ظفر اللہ خان جمالی کا خاص طور پر شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس تقریب سعید میں شرکت کے لئے وقت نکالا۔

میرے لئے یہ کانفرنس ایک ذاتی حوالے سے بھی خصوصی اہمیت رکھتی ہے۔ جیسا کہ آپ میں سے اکثر خواتین وحضرات کو علم ہے، سیرت کانفرنس کے سلسلے کا آغاز میرے والد محترم صدر جنرل محمد ضیاء الحق شہید کے دور سے ہوا۔ ۱۹۷۶ء میں سیرت کانگرس کی قرارداد کے تحت ۱۹۷۷ء میں پہلی قومی سیرت کانفرنس منعقد ہوئی اور اللہ کے فضل وکرم سے یہ سلسلہ کسی تعطل کے بغیر آج تک جاری ہے۔ اب یہ کانفرنس ایک اہم قومی، ملی، مذہبی اور روحانی تقریب کا درجہ اختیار کرگئی ہے جو پوری پاکستانی قوم کی طرف سے حضور اکرم ﷺ سے عقیدت ومحبت کی علامت بھی ہے۔

سیرت کانفرنس کا ایک اور جزو، سیرت ونعت کی کتابوں پر خصوصی انعامات بھی ہیں۔ مقابلہ کتب کا مقصد ایسی معیاری کتابوں کی حوصلہ افزائی جن سے حضور ﷺ کی سیرت مقدسہ کے گوشے سامنے آئیں اور آپ سے عقیدت ومحبت کی خوشبو عام ہو۔ فروغ سیرت طیبہ کے اس علمی سلسلے کا آغاز بھی شہید ضیاء الحق کے دور سے ہوا تھا اور الحمد اللہ یہ کام آج بھی جاری ہے۔ اس مقابلہ کتب کی وجہ سے گذشتہ ۲۷ سالوں کے دوران انتہائی معیاری کتب سیرت ونعت سامنے آئی ہے۔ انشاء اللہ یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

کتب کے علاوہ خصوصی مقالات کا سلسلہ بھی اس کانفرنس کے اہم پہلوؤں میں سے ایک ہے۔ ہر سال کسی قرآنی آیت یا حالات حاضرہ کے تناظر میں اہل علم ودانش کو دعوت دی جاتی ہے کہ وہ سیرت طیبہ کی روشنی میں مقالہ تحریر کریں۔ اس طرح ایک ہی موضوع پر صف اوّل کے اہل قلم کی معیاری تحریروں کا ایک گلدستہ تیار ہو جاتا ہے۔ ان میں سے منتخب مقالات کو وزارت مذہبی امور شائع کر کے مختلف لائبریریوں، اداروں اور دانشوروں میں تقسیم کر رہی ہے۔

خواتین کے لئے خصوصی سیرت کانفرنسوں کا انعقاد بھی وزارت مذہبی امور کے اہم فرائض میں سے ایک ہے۔ میں نے وزارت کے حکام کو ہدایت کی ہے کہ وہ مناسب موقع پر اس کانفرنس کے انعقاد کا انتظام کریں۔

جناب وزیراعظم!

اس سال سیرت کانفرنس کے لئے خصوصی عنوان ہے:

''دورِ حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کے رجحان کا خاتمہ۔ تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں''

مجھے یقین ہے کہ علمائے کرام، مشائخ عظام اور اہل علم و دانش اس موضوع پر اپنے گراں قدر افکار و خیالات کا اظہار کریں گے۔ جناب وزیراعظم بھی ہماری راہنمائی کریں گے اس لیے میں کسی تفصیلی تقریر کے بجائے انتہائی اختصار کے ساتھ اپنی گذارشات پیش کروں گا۔

اللہ کے فضل و کرم سے ہم ایک ایسے دین کے پیروکار ہیں جسے دین فطرت کہا گیا ہے۔ ایسا دین جو انسانوں کے خالق نے انسانوں کی نفسیات اور اُن کے فطری تقاضوں کے عین مطابق انسانوں کے لئے پسند فرمایا۔ قرآن کریم کی روشن تعلیمات صرف عقائد و عبادت کا مجموعہ نہیں، زندگی کے ہر شعبہ پر محیط ہیں۔ حضور ﷺ کا اسوہ حسنہ بھی اپنی ساری تفصیلات کے مطابق ہمارے سامنے ہے۔ پس ہمارے لئے لازم ہے کہ ہم قرآن و سنت ہی کو اپنے لئے سرچشمہ ہدایت خیال کریں اور اپنی سوچ، اپنے عمل اور اپنے کردار کو قرآن و سنت کے سانچے کے مطابق ڈھالیں۔

میں عالم دین نہیں ہوں لیکن میں علماء و مشائخ کا خادم ہوں اور میں نے اُنہی سے یہ بات سُن رکھی ہے کہ اسلام اعتدال، توازن اور میانہ روی کا دین ہے۔ سچا اور پکا مسلمان وہی ہے جس کے کردار اور عمل میں تحمل، ضبط، صبر، بردباری اور برداشت کی صفات پائی جائیں۔

حضور پاک ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

(''حسن سیرت، بردباری اور میانہ روی نبوت کے اجزاء میں سے 24واں حصہ ہیں'')

انتہا پسندی کسی طرح بھی اسلام کی تعلیمات سے تعلق نہیں رکھتی۔ یہ اُن لوگوں کا شیوہ ہے جنہیں اپنے دین کی حقانیت پر یقین نہیں۔ جو اندر سے کمزور ہیں۔ جو یہ سمجھتے ہیں کہ اگر انہوں نے غصے، اشتعال اور انتقام کا مظاہرہ نہ کیا تو اُن کا مذہب ختم ہو جائے گا۔ ہمارا دین دین قیمہ ہے جو ہمیشہ باقی رہے گا۔ اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے اوپر لے رکھا ہے اس لئے ہمیں کسی ہلکی حرکت کی ضرورت ہی نہیں۔ ہلکا پن، بے یقین لوگوں میں ہوتا ہے۔ سو ہم تو انتہا پسندی کو اپنے اوپر حرام خیال کرتے ہیں۔ ہم سچائی، امانت، دیانت اور صداقت کی قدروں کے امین ہیں۔ ہم کیسے انتہا پسند ہو سکتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کی زندگی کا پورا عمل، آپ کا اوڑھنا بچھونا، کھانا پینا، سونا جاگنا، چلنا پھرنا گویا کہ زندگی کا ہر ہر لمحہ معتدل رویہ و عمل کا بے مثال نمونہ ہے۔ آپ نے کبھی بھی ایک جیسا کھانا نہیں کھایا اور نہ ہی ایک جیسا لباس زیب تن فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں رہبانیت کی ممانعت ہے۔ ایک عام انسان کو انسان بن کر رہنے میں ہی عافیت ہے۔ اسے ہی قرآن نے رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً کہا ہے۔

انتہا پسندانہ رویہ انسانیت کے خلاف ہے۔ حیوانیت ہے۔ جہالت ہے۔ ہر ایک کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی زندگی اپنے عقیدہ و فکر کے مطابق گزارے کسی دوسرے کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنے نظریات و افکار دوسروں پر ٹھونسنے کی سعی کرے۔ یہ کتنی اچھی بات ہے کہ

اپنا عقیدہ چھوڑو نہیں اور دوسرے کے عقیدے کو چھیڑو نہیں

اگر ہم اسی ایک بات پر کار بند ہو جائیں تو ہماری زندگیوں میں ایک خوشگوار انقلاب آ سکتا ہے اور ہم ایک با مقصد زندگی گزار سکتے ہیں۔

حاضرین کرام!

باہمی اتحاد و اتفاق، اخوت و مساوات اور عدل و احسان کی بنیادی اقدار اور تابندہ روایات کے قیام سے اسلام کی حقیقی، معتدل اور روشن خیال روایات کو زندہ کرنے کی ضرورت سے انکار خود کو موت کے منہ میں دھکیلنے کا مترادف ہے۔ یاد رہے کہ یہی روایات و اقدار وہ سرمایہ تھا جس کے ذریعے رسول ﷺ نے معاشرے کی فکری بنیادیں قائم کیں اور انتہائی مایوس کن حالات اور بہت ناساز گار فضا میں یکہ و تنہا اٹھے اور ایک سوچے سمجھے منصوبے، ایک دُنیا کے گلوبلائزیشن کے عمل کو سامنے رکھ کر انفرادی اور اجتماعی سطح پر ایسی منصوبہ بندی کرنا جس کے نتائج و اثرات مفید اور خوشگوار ہوں آج کا وہ معروف ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے مقابلہ میں محض اپنی ضد، انا اور تسکین نفس کے لئے اور مختلف طریقوں سے مذہبی روایات اور احکامات کو اپنے خاص آئینے اور سانچے میں لوگوں کے سامنے پیش کرنا منکر نہیں تو اسے معروف بھی نہیں کہہ سکتے۔ اس قسم کے طرز عمل سے چھٹکارہ وقت کی آواز ہے تاکہ ہم واقعی دنیا کے سامنے حقیقی اسلام کا نمونہ پیش کر سکیں۔ فرقہ واریت، دہشت گردی، مذہبی شدت پسندی اور انتہا پسندی کو چاہے وہ کسی بھی شکل میں ہو ختم کرنا ہو گا تاکہ ہمارے دشمنوں کو ہمیں بدنام کرنے کا موقع نہ مل سکے۔ ہمیں ایسا خوشگوار اور پُر امن ماحول قائم کرنا ہو گا جس میں کاروباری، تجارتی اور دوسری مثبت سرگرمیاں آگے بڑھ سکیں، ملک میں سرمایہ کاری کی فضا پیدا ہو اور لوگ اطمینان و سکون سے زندگی بسر کر سکیں۔

ہم نے اپنے عمل اور قول سے دنیا پر ثابت کرنا ہے کہ ہم امن پسند قوم ہیں۔ ہم امن کی کوششوں کے لئے کسی بھی حد تک جانے کو تیار ہیں۔ اس لئے کہ ہمارا دین اسلام ہے یعنی سلامتی اور امن، ہمارا ایمان ہے۔ ایمان و سلامتی ہی اللہ کو پسند ہے۔ اس کے رسول اور ہمارے محبوب ﷺ کو پسند ہے۔ امن قرآن کا نعرہ ہے اور اسلام کا مقصود و منزل ہے۔ تاہم اس ضمن میں ہم کسی کو جارحیت کی اجازت نہیں دے سکتے۔ ہم اپنے دفاع کے لئے پوری طرح تیار ہیں۔ اس حوالے سے کسی کو بھی کسی قسم کے دھوکے میں نہیں رہنا چاہیے۔

میں گزارش کروں گا کہ قرآن و سنت کے مطابق ہم جہاد کے لئے تیار ہیں۔ ہم ایک لمحے کے لئے بھی اس سے غافل نہیں۔ وقت آیا تو آپ اور ہم سب مل کر اپنی افواج کے شانہ بشانہ جہاد کریں گے۔ اس وقت ہمارا جہاد جنگ امن کے فروغ کے لئے ہے۔ ہم امن و سکون پر زبانی ہی نہیں عملی یقین بھی رکھتے ہیں۔ ہم امن پسند لوگ ہیں مگر اپنے دفاع سے ہرگز غافل نہیں ہیں۔

آپ کو ٹھنڈے دل سے سوچنا ہو گا کہ پاکستان میں فرقہ واریت اور مذہبی انتہا پسندی کے رجحان کے اسباب کیا ہیں؟ اس معاشرتی روگ کا خاتمہ کیسے ممکن ہے؟ دہشت گردی کا پاکستان کے ساتھ حوالہ ہمارے لئے کیوں شرمندگی اور رسوائی کا باعث بنا ہوا ہے۔ پاکستان جیسی اسلامی نظریاتی مملکت کے لئے اس قسم کے حوالوں کے پیچھے کہیں ہماری اپنی کوتاہ اندیشی اور ذاتی یا جماعتی مفادات کی تہہ میں پوشیدہ اغراض کا ہاتھ تو نہیں؟ کہیں ہم نے اپنی خواہشات کو مختلف مسلکی، لسانی، علاقائی، سیاسی اور نسلی لبادے

تو نہیں پہنا دیئے۔ اس طرزِ عمل نے ملک و قوم کو کیا دیا؟ میں سمجھتا ہوں کہ اس طرزِ عمل نے معاشرے میں عدم برداشت کو فروغ دیا۔ نبی رحمۃ للعالمین کی یہ امت باہمی، گروہی، مذہبی، نسلی اور لسانی فسادات میں اُلجھتی چلی گئی اور اس طرح بالواسطہ اور بلاواسطہ دُشمن کے ہاتھ مضبوط ہوئے۔ اس طرح دُشمن کو ہمارے خلاف مکروہ پراپیگنڈے کا موقع بھی مل گیا۔

حضرات گرامی!

رسول ﷺ کا ارشاد ہے "میری امت میں اختلاف رائے رحمت ہے" ویسے بھی یہ انسانی فطرت کے عین مطابق ہوتا ہے۔ اس سے ہر مسئلہ واضح تر صورت میں سامنے آجاتا ہے لیکن اپنی ہی رائے پر اصرار اور دوسروں کو غلط اور خود سے کم تر عقل والے سمجھ کر اُن کی رائے کو قابلِ عمل اور لائق توجہ نہ سمجھنا ہی، وہ روّیہ ہے جس سے ضد اور ہٹ دھرمی پیدا ہوتی ہے۔ ہم تو اُس نبی کریم ﷺ کی امت ہے جنہوں نے اپنے اصحابؓ کی رائے کا احترام کیا اور اس پر عمل بھی کیا۔ حالانکہ اللہ کے نبی ہونے کی نسبت سے آپ ﷺ کو اس کی ضرورت نہ تھی۔

ذاتی، انفرادی، گروہی، اجتماعی، قومی، ملکی اور بین الاقوامی سطح پر عدم برداشت کے تصور کو جس طرح اسلام نے رد کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اس وجہ سے اسلام نے کسی کے جھوٹے خدا کو بھی بُرا کہنے سے روکا ہے۔ نسلی اور گروہی اور لسانی برتری کے ذکر کو پسند نہیں کیا بلکہ تمام انسانوں کو بحیثیت انسان برابری کے درجے پر فائز کیا ہے۔

موجودہ عالمی حالات ہم سے جذباتی ردِّ عمل کے بجائے حکمت، تدبر اور دانش کا تقاضا کرتے ہیں۔ حضور ﷺ نے حکمت کو مومن کی میراث قرار دیا ہے۔ پتھر کی دیواروں سے سر ٹکرانا اور پھوڑنا مومن کا کام نہیں۔ مومن کی حکمت بھی سب سے جدا ہوتی ہے اور اس کی ضرب بھی سب سے زیادہ کاری ہوتی ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں نہ اسلام کی تعلیمات کو کوئی خطرہ ہے نہ دینی مدارس کو اور نہ اسلامی قدروں کا۔ ایسا ہوا تو میں سب سے پہلے اور سب سے آگے آپ کے ہمراہ میدان میں نکلوں گا۔

آخر میں، میں آپ سب حضرات کا ایک بار پھر شکریہ ادا کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اپنے حبیب پاک ﷺ کے صدقے ہمیں اسلام کی حقیقی تعلیمات کی حقیقی سمجھ عطا کرتے ہوئے باہمی تفرقات، نفرت وعناد اور دشمنی سے بچائے اور ہمیں اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں وطن عزیز کے روز و شب منور کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں زمانہ کی چالوں کا ادراک عطا کرے اور ہمیں ملک وقوم کے مفاد میں درست اور صحیح فیصلے کرنے کی توفیق عطا کرے۔ آمین۔

اس کے ساتھ ہی میں جناب وزیراعظم پاکستان سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس سال مقابلہ کتب و سیرت ونعت اور مقابلہ مقالات سیرت میں انعام کے حقدار قرار پانے والے خوش نصیب خواتین وحضرات میں اپنے دست مبارک سے انعامات تقسیم فرمائیں اور اس کے بعد اپنے افتتاحی خطاب سے اس کانفرنس کا افتتاح فرمائیں۔

شکریہ

مقالات

"دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اس کا خاتمہ تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں"

ڈاکٹر حمید اللہ، لاہور

مذہبی انتہا پسندی کے اسباب:

دور جدید میں ہمارے ہاں آئے دن ایک فرقہ دوسرے فرقے کی تکفیر کرتا رہتا ہے۔ ایک دوسرے پر تبری کرتا ہے اور برا بھلا کہتا ہے۔ قتل وقتال تک کی نوبت آتی ہے۔ اسی طرز عمل کے پیچھے چند بنیادی اسباب کارفرما نظر آتے ہیں۔

(اول): خود اپنے بنیادی عقیدے اور دوسرے مسلک کے عقیدے کے بارے میں معلومات کی کمی اور غیر مصدقہ معلومات پر بھروسہ کرنا۔ حالانکہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم یہ ہے کہ تحقیق وثبوت کے بغیر کوئی بھی بات قابل قبول نہیں ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا۔ (الحجرات ۴۹:۶)

(دوم): ہر فارغ التحصیل بلکہ طالب علم کا اپنے آپ کو مقام افتاء وقضا پر بٹھا دینا نتیجتاً وہ بہت سے مسائل میں بلا تردد وتحقیق اپنا فتویٰ صادر کر دیتا ہے اور وہ بھول جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک جلیل القدر صحابی کو مخاطب کرتے ہوئے یہ بات فرمائی تھی کہ کیا تم نے فلاں شخص کو قتل کرنے سے پہلے اس کے دل کو چیر کر دیکھ لیا تھا کہ اس میں ایمان تھا یا نہیں؟[1] ہر صاحب علم جانتا ہے کہ دوران جہاد ایک شخص نے عین حالت جنگ میں اپنے آپ کو قتل کئے جانے سے پہلے یہ کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ واحدہ لاشریک ہے اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ سربراہ لشکر نے یہ سمجھا کہ یہ شخص محض جان بچانے کے لئے ایسا کہہ رہا ہے اور اس کے قتل سے ہاتھ نہ روکا۔ آپ ﷺ نے اس عمل کو ناپسند کیا۔

لیکن ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ، ہر کس وناکس کے بارے میں محض افواہ اور غیر مصدقہ معلومات کی بناء پر بلا کسی تکلف وتردد یہ فتویٰ صادر کر دیتے ہیں کہ وہ منافق ہے، بدعتی ہے، وہ ضالین ہے لہٰذا اس پر ہاتھ اٹھانا جائز ہے۔

حالانکہ نبی پاک ﷺ نے اس انداز سے سخت منع فرمایا ہے۔ حدیث میں ہے کہ من قال لأخیہ یا کافر فقد باء بھا احدھما[2] جس نے کسی مسلمان کو کافر کہا تو وہ واقعی کافر ہے تو ٹھیک ورنہ کہنے والے کا قول اس کی اپنی طرف لوٹ جاتا ہے۔

(سوم): معلوم یہ ہوتا ہے کہ شاید بین الانسانی تعلقات کو بھی اپنی سیاسی وابستگیوں کے تابع کر دیا ہے اور جب کسی مذہب کے ماننے والوں کا کسی لادینی جماعت کے ساتھ اتحاد ہو جاتا ہے تو وہ اپنے مسلکی اختلافات کو سیاسی وابستگی کی روشنی میں دیکھتے ہیں اگر اس سے آگے بڑھ کر کہا جائے کہ ہمارے ہاں مسلکی تشدد عموماً سیاسی عناصر کے مفادات کی روشنی میں

ہوتا ہے تو غلط نہ ہوگا۔

پاکستان میں شیعہ سنی کھچاؤ کی جڑیں عموماً سیاسی مفادات رکھنے والے افراد تک پہنچتی ہیں اور وہ اختلافات کو ہوا دے کر اور یا ایک دوسرے فرقہ کی پشت پناہی کر کے اپنے لئے مناسب سیاسی فضا پیدا کرتے رہتے ہیں۔ انہیں اس بات کی فکر نہیں ہوتی کہ اس طرح نفرتوں کی جو خلیج ہر تشدد کے عمل کے نتیجے میں گہری ہوتی چلی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی جواب دہی تو کرنی ہی ہوگی، خود اس دنیا میں بھی کسی وقت احتسابی عمل کے نتیجے میں انہیں اپنے کئے پر جواب دہی کرنی نہ پڑ جائے۔

دین کی بنیادوں میں سے ایک بنیاد انسانی جان، خون اور رشتہ کا احترام ہے۔ یہی سبب ہے کہ ایک جان کو بغیر کسی حق کے ضائع کئے جانے کو پوری انسانیت کے قتل سے تعبیر کیا گیا۔ اسلامی شریعت میں ''جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کیا اور جس نے کسی کو زندگی بخشی اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی۔ (المائدہ ۵:۳۲)

قتل نفس کو کبیرہ گناہ قرار دیا گیا ہے پھر کیا وجہ ہے کہ ایسے تشدد پسند گروہ وجود میں آگئے ہیں جو اپنے نام اور اپنی پہچان نبی پاک ﷺ یا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے کرنے کے باوجود وہ کام کر رہے ہیں جسے خود اللہ، اللہ کے رسول اور ان کے صحابہ نے شدت سے منع کیا ہے۔

(چہارم): فقہی اختلافات میں تشدد کا رجحان:

اس صورتحال کو دیکھ کر کہ مسلمان ہی نہیں ایک غیر مسلم بھی سوچتا ہے کہ کیا مسلمانوں میں فرقہ واریت، انتہا پسندی اور آپس کے جھگڑوں کا اصل سبب فقہی اختلافات کا پایا جانا ہے؟ کیا مسلمانوں کو ان کے دین نے ایسا خون آشام بنا دیا ہے کہ باہمی نفرت، تصادم اور خون خرابے کے سوا ان کا کوئی شغل نہیں؟ جب ایک عام تجزیہ نگار مسلمانوں کی صورت حال کا مقابلہ غیر مسلموں کے ساتھ کرتا ہے تو اس کے ذہن میں سوال اٹھتا ہے کہ کیا سبب ہے کہ عیسائیت میں ۲۵۰ سے زیادہ علیحدہ علیحدہ چرچ اور مسلکی و فقہی اختلافات کے باوجود ایک دوسرے کے خلاف ایسی نفرت و دشمنی نہیں پائی جاتی، جیسی کچھ ملکوں اور علاقوں میں آج مسلمانوں کے فرقوں اور مسلکوں میں پائی جاتی ہے۔

اس تاثر کو شدید بنانے میں عالمی ابلاغ عامہ کا بڑا ہاتھ ہے شاید ہی کوئی دن ایسا ہو جب بین الاقوامی ذرائع ابلاغ مسلمانوں کے حوالے سے تشدد، انتہا پسندی اور قوت کے استعمال کا ذکر اپنی سرخیوں میں نہ کرتے ہوں۔

عالمی سطح پر امت مسلمہ کے اختلافات، باہمی دشمنی اور آپس کے خون خرابے اور تشدد وقوت کے استعمال کی کہانیاں جب بار بار نظروں سے گزرتی ہیں تو غیر ہی نہیں اپنوں کو بھی یقین آ جاتا ہے کہ مسلمانوں کے باہمی اختلافات کے بارے میں جو کچھ دکھایا جا رہا ہے اور کہا جا رہا ہے وہ سچ ہی ہوگا اگر جائزہ لیا جائے تو صرف امریکہ کے بڑے بڑے شہروں نیویارک، شکاگو، لاس اینجلس، فلاڈیلفیا اور ڈیٹرائٹ وغیرہ میں جرائم کی رفتار، جن میں قتل، جنسی جرائم، چوری اور ڈاکہ ہر چیز شامل ہے، کسی ترقی

پذیر ملک سے کم نہیں بلکہ کئی گنا زیادہ ہے لیکن اس کے باوجود ٹائم، نیوز ویک یا ایشیا ویک نیز سی این این یا بی بی سی کبھی مسافروں کو یہ مشورہ نہیں دیتے کہ ان شہروں کا سفر اختیار کرتے وقت پہلے قریبی پولیس تھانہ سے رابطہ کریں اور اس کے بعد بازار جائیں جبکہ لاہور، ملتان یا کراچی میں اگر کوئی فرقہ وارانہ واقعہ وقوع پذیر ہو جائے تو اسے عموم کی شکل دیتے ہوئے نہ صرف پاکستان بلکہ پوری دنیا کے مسلمانوں میں پائی جانے والی کسی بھی درج کی تفرقہ بازی، انتہا پسندی زیر بحث آ جاتی ہے اور بین السطور یہ پیغام پہنچا دیا گیا ہے کہ پوری دنیا کے مسلمان تنگ نظری، تشدد اور انتہا پسندی اور لسانی فرقہ بندی کا شکار ہیں اور یہ بات بھی بہت شد و مد سے کہی جاتی ہے کہ دینی مدارس سے فارغ علماء و آئمہ اسلام سے زیادہ اپنے مسلک کو اہمیت دیتے ہیں اور ان کی انتہا پسندی مذہبی منافرت اور تشدد کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے بلکہ اب تو دینی درس گاہوں کو تشدد اور لاقانونیت کی تربیت گاہیں بنا کر پیش کیا جا رہا ہے۔

دوسری طرف یہ امر بھی غور طلب ہے کہ مدارس دینیہ میں بڑی حد تک مشترک نصابی کتب کے باوجود بعض اداروں میں ایک جامد اور متشدد مسلکی ذہن کیوں تعمیر ہوتا ہے؟ جو طلبہ یہاں سے فارغ ہوتے ہیں ان میں سے کسی ایک کے نزدیک بعض روایتی رسموں کے بغیر ایمان نامکمل رہتا ہے اور کسی دوسرے کی نظر میں ایسی تقریبات سے دل پر ایمان کی جگہ ضلالت و گمراہی کا قبضہ ہو جاتا ہے۔ بات اگر یہاں تک رہتی تو شاید نظری گفتگوؤں سے اس کا حل نکالا جا سکتا تھا لیکن نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ ان میں سے بعض آئمہ و علماء نہ صرف اپنے علاوہ دوسرے فرقے اور مسلک کی تضحیک و تذلیل منبر و محراب سے کرتے ہیں بلکہ بعض صورتوں میں دوسرے مسلک کے حاملین کے خون کو بھی حلال قرار دے ڈالتے ہیں۔ ان میں بعض شقی القلب و انتہا پسند تو اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ کر مخالف فقہی کے افراد پر عین حالت قیام وصلوٰۃ و قیام اللیل حتیٰ کہ ماہ رمضان میں حملہ آور ہونے کو بھی ''جہاد'' سمجھتے ہیں اور ایسے افعال کو مسلکی فتح مندی کے رنگ میں پیش کرتے ہیں حالانکہ اللہ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا ہے اور انہیں رحماء بینھم کا مصداق قرار دیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان خوارج کا خون بھی مباح قرار نہیں دیا تھا جو عملاً ریاست سے باغی ہو گئے تھے۔ یہ تمام حالات اور واقعات اس بات پر غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں کہ اس مسئلے کی جڑ کو تلاش کیا جائے کہ آخر ٹیڑھ کہاں ہے۔

مذہبی انتہا پسندی کا علاج:

''اخوت اسلامی کو زیادہ سے زیادہ اجاگر کرنا''

اللہ تعالیٰ کا امت مسلمہ پر بے شمار انعامات میں سے ایک عظیم احسان اہل ایمان کے درمیان رشتہ اخوت و مودت کا قائم فرمانا ہے۔ قرآن پاک میں اس احسان عظیم کا ذکر یوں فرمایا گیا: اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ. (الحجرات ۴۹:۱۰) بلاشبہ اہل ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں پس آپس میں صلح و صفائی سے رہا کرو۔

جب مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں تو ان سب کی اصل ایمان ہوئی۔ اس لئے اس اصل کی اہمیت کا تقاضا یہ ہے کہ

ایک ہی دین پر ایمان رکھنے والے آپس میں نہ لڑیں اور ایک دوسرے کے دست و بازو و غم گسار اور مونس و خیر خواہ بن کر رہیں اور کبھی غلط فہمی سے ان کے درمیان بعد اور نفرت پیدا ہو جائے تو اسے دور کر کے آپس میں دوبارہ جوڑ دیا جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ يُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ۔ (التوبہ ۹:۷۱)

مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے اولیاء اور رفیق ہیں۔ بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں۔ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔

منافقین کی صفات مذمومہ کے مقابلے میں مومنین کی صفات محمودہ کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ پہلی صفت وہ ایک دوسرے کے دوست، معاون اور غمخوار ہیں[1]۔ جس طرح حدیث میں ہے: المؤمن للمؤمن کالبنیان یشد بعضہ بعضاً، و شبک اصابعہ۔[2] مومن مومن کے لئے ایک دیوار کی طرح ہے جس کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کی مضبوطی کا ذریعہ ہے اور آپ ﷺ نے اپنی انگلیوں کو انگلیوں میں ڈال کر اشارہ فرمایا۔

دوسری حدیث میں فرمایا کہ: مومنوں کی مثال آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ محبت کرنے اور رحم کرنے میں ایک جسم کی طرح ہے کہ جب جسم کے ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم تپ کا شکار ہو جاتا ہے اور بیدار رہتا ہے۔[3]

مزید یہ کہ اخوت کا بنیادی تقاضا باہمی صلح، رواداری اور عدل بھی ہے چنانچہ سورۃ النحل میں ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى۔ (النحل ۱۶:۹۰) اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ عدل و احسان کو اختیار کرو اور اقرباء (ماں وغیرہ) کے ساتھ بہتر سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے۔

عدل کے مشہور معنی انصاف کرنے کے ہیں یعنی اپنوں اور بیگانوں سب کے ساتھ انصاف کیا جائے کسی کے ساتھ دشمنی یا عناد یا محبت یا قرابت کی وجہ سے، انصاف کے تقاضے مجروح نہ ہوں۔ اس کے ایک دوسرے معنی اعتدال کے ہیں یعنی کسی معاملے میں افراط یا تفریط کا ارتکاب نہ کیا جائے۔ حتیٰ کہ دین کے معاملے میں بھی کیونکہ دین میں افراط کا نتیجہ غلو ہے جو سخت مذموم ہے اور تفریط دین میں کوتاہی ہے یہ بھی ناپسندیدہ ہے۔

احسان کے ایک معنی حسن سلوک، عفو و درگزر اور معاف کر دینے کے ہیں۔ دوسرے معنی تفضل کے ہیں یعنی حق واجب سے زیادہ دینا یا عمل واجب سے زیادہ عمل کرنا۔ عدل سے معاشرہ میں امن قائم ہوتا ہے لیکن احسان سے مزید خوشگواری اور اپنائیت و فدائیت کے جذبات نشوونما پاتے ہیں۔[4]

مذکورہ آیت کریمہ کی اہمیت کے پیش نظر دنیا کے ہر خطے میں خطبہ جمعہ کا ایک لازمی حصہ بن گئی ہے۔ صلح و آشتی کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ۔ (الحجرات ۴۹:۹)

اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دیا کرو پھر اگر دونوں میں سے ایک دوسری جماعت پر زیادتی کرے تو تم سب اس گروہ سے جو زیادتی کرتا ہے لڑو، یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے اگر لوٹ آئے تو انصاف کے ساتھ صلح کرا دو اور عدل کرو۔

نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: انصرا خاک ظالماً او مظلوماً۔ [ے]

اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ ظالم ہو یا مظلوم تو کسی سائل نے پوچھا کہ یا نبی اللہ! مظلوم کی مدد تو کی جا سکتی ہے لیکن ظالم کی کس طرح مدد کروں، فرمایا کہ اس کو ظلم سے روک دو یہی اس کی مدد کرنا ہے۔

حدیث میں قطع تعلق کو حرام قرار دیا ہے لیکن بہتر آدمی وہ ہے جو سلام وکلام کرنے میں پہل کرے۔ [۸]

مومنین کی تفصیلی صفات کے لئے ملاحظہ ہو سورۃ بقرہ آیت ۱۷۷ یا سورۃ مومنون شروع کی ۱۰ آیات اور سورۃ فرقان کا آخری رکوع۔

انسانوں کا ایک دوسرا گروہ جو ضابطہ اخلاق اور عدل و انصاف کو نظر انداز کرتا ہے پھر یہ گروہ صراط مستقیم اور خالق کائنات کی بندگی کو رد کرتا ہے۔ دوسری طرف طاغوت کو، کبر و انانیت، بغاوت و سرکشی کو ضد اور ہٹ دھرمی کو اختیار کرتا ہے۔ قرآن کریم انہیں ضالین، گمراہ اور گمراہی پھیلانے والے قرار دیتا ہے۔ یہ گروہ اہل ایمان کی مخالف میں کمر بستہ رہتا ہے اور انہیں کبھی قوت سے اور کبھی چالاکی، لالچ، طمع و حرص اور مادی فوائد کے ذریعے ایک دوسرے کے مدمقابل لا کھڑا کرتا ہے نتیجتاً اہل ایمان و تقویٰ عظیم اخلاقی مقام پر فائز ہونے کے باوجود کبھی رنگ، کبھی زبان، کبھی علاقیات و قبیلہ و برادری اور کبھی جزوی فقہی اختلافات میں پڑ کر متفرق و منتشر ہو جاتے ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے اخوت، رواداری اور عدل و انصاف کے علم بردار اہل ایمان مذہب یا انتہا پسندی، منافرت، باہمی جنگ و جدال، قتل و غارت گری کے شکار ہو جاتے ہیں۔

توسط واعتدال کی ترغیب: [۹]

نبی مکرم ﷺ کی آمد سے پہلے انسان کے فکری و مذہبی سرمائے چند رویوں کا غلبہ تھا اگر ایک طرف خوف تمام رویوں کو متعین کرتا تھا تو دوسری طرف امید و مسرت کے جذبے رہنمائی کرتے تھے۔ اس طرح اگر ایک طرف انتقام مسلمہ اصول تھا جس سے اجتماعی زندگی منضبط ہوتی تھی تو دوسری طرف عفو و درگزر تھا جو فرد کی اخلاقی عظمت کی معیار متصور ہوتا تھا۔ افراد اور معاشرے اپنی رویوں اور اصولوں کی بنیاد پر پہچانے جاتے اور منظم ہوتے۔ اسلام نے خوف و رجاء اور انتقام و عفو کے درمیان اعتدال کی راہ کو اخلاقی اصول کے طور پر متعارف کرایا اور انسانوں کو انتہا پسندانہ رویوں اور یک رخے رجحان سے نجات دلائی۔ توسط و اعتدال کا اصول اخلاقی زندگی کی روح اور انسان کو صراط مستقیم پر قائم رکھنے کا ذریعہ ہے۔

خوف و رجاء: اسلام نے خوف و رجاء کے درمیان اعتدال کی راہ اختیار کی ہے۔ خوف و رجاء کو باہم مربوط کر کے ایک معتدل اور مثبت رویہ تشکیل دیا ہے وہ ایک طرف دنیا کی فنا اور زوال کا قصہ بار بار سناتا ہے کہ دل بادہ غفلت میں سرشار نہ ہو اور دوسری

طرف اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونے دیتا وہ آخیر وقت تک اللہ کے سہارے جینے کی تعلیم دیتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرشتہ کے ذریعہ یہ پیغام دیا: قَالُوْآ بَشَّرْنٰکَ بِالْحَقِّ فَلَا تَکُنْ مِّنَ الْقٰنِطِیْنَ. (الحجر۱۵:۵۵) انہوں نے کہا کہ ہم آپ کو بھی خوشخبری دیتے ہیں۔آپ ناامیدوں میں سے نہ بنئے اور اللہ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ لاتقنطوا من رحمة الله. (یوسف۱۲:۸۷) اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔

عفو و انتقام: جس طرح ہر حال میں انتقام کے اصول پر عمل نہیں ہوسکتا اسی طرح عفو و درگزر سے کام لینا بھی ناممکن ہو جاتا ہے۔اسلام نے دونوں کو جمع کر کے توسط و اعتدال کی کیفیت پیدا کی ہے جس سے دونوں پر اپنے اپنے حالات میں عمل کرنا ممکن ہوتا ہے۔قرآن کا ارشاد ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی ط اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی ط فَمَنْ عُفِیَ لَهٗ مِنْ اَخِیْهِ شَیْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَ اَدَآءٌ اِلَیْهِ بِاِحْسَانٍ ط ذٰلِکَ تَخْفِیْفٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَ رَحْمَةٌ ط فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِکَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔(البقرہ۲:۱۷۸)

انتہا پسندی کی حوصلہ شکنی:

عقائد میں:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یٰٓاَهْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ. (نساء۴:۱۷۱) اے اہل کتاب دین کے بارے میں حد سے نہ گزر جاؤ اور اللہ پر بجز حق اور کچھ نہ کہو۔

غلو کا مطلب ہے کہ کسی چیز کو اس کی حد سے بڑھا دینا جیسا کہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کے بارے میں کیا۔ انہیں رسالت و بندگی کے مقام سے اٹھا کر الوہیت کے مقام پر فائز کر دیا اور ان کی اللہ کی طرح عبادت کرنے لگے اس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں کو بھی غلو کا مظاہرہ کرتے ہوئے معصوم بنا ڈالا اور ان کو حلال و حرام کے اختیار سے نوازا۔ دیکھئے۔(سورۃ التوبہ۹:۳۱)

نبی پاک ﷺ نے عیسائیوں کے اس انتہا پسندی کو پیش نظر رکھ کر اپنی امت کو متنبہ فرمایا:

لا تطرونی کما اطرت النصاریٰ عیسیٰ بن مریم فانما انا عبده فقولوا عبدالله و رسوله. [۱]

کہ مجھے حد سے نہ بڑھانا جس طرح عیسائیوں نے عیسی بن مریم کو بڑھایا میں تو صرف اللہ کا بندہ ہوں پس تم مجھے اس کا بندہ اور رسول ہی کہنا۔

عبادات میں:

حدیث پاک میں ہے کہ تین صحابہ کرام نے نیک نیتی سے رہبانیت کا ارادہ فرمایا:

فقال احدهم اما انا فاصلی اللیل ابدا، وقال آخر انا اصوم ولا اُفطر، وقال آخر انا اعتزل النساء فلا اتزوج ابدا.

یعنی ان حضرات نے فیصلہ کیا کہ ایک نے فرمایا میں آئندہ رات بھر قیام کروں گا اور نماز پڑھتا رہوں گا، دوسرے نے کہا کہ مسلسل روزہ رکھوں گا افطار نہیں کروں گا، تیسرے نے کہا کہ میں شادی ہرگز نہیں کروں گا۔

جب نبی پاک ﷺ کو اس بات کا علم ہوا تو آپ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور فرمایا کہ:

لکنی اصوم و افطر، واصلی وارقد، و اتزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی.[۱۱]

یعنی فرمایا کہ میں روزہ رکھتا بھی ہوں اور افطار کرتا بھی ہوں، رات کی نماز پڑھتا بھی ہوں اور سوتا بھی ہوں اور میں شادی شدہ ہوں جس نے میری سنت (طریقہ) سے منہ موڑ لیا وہ میری امت میں سے نہیں۔

اخلاقیات میں:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: اور لوگوں کے سامنے اپنے رخسار نہ پھلا۔ زمین میں اترا اکڑ کر نہ چل کسی تکبر کرنے والے شیخی خورے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔

ایک جگہ اور ارشاد ربانی ہے:

ترجمہ: اپنی رفتار میں میانہ روی اختیار کرو اور اپنی آواز پست کر یقیناً بد سے بدتر آواز گدھوں کی آواز ہے۔

معاشیات میں:

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا. (الاعراف ۷:۳۱) کھاؤ، پیو مگر اسراف نہ کرو۔

اسراف (حد سے نکل جانا) کسی چیز میں حتیٰ کہ کھانے پینے میں بھی ناپسندیدہ ہے۔ ایک حدیث میں نبی پاک ﷺ نے فرمایا: جو چاہو کھاؤ، جو چاہو پیو البتہ دو باتوں سے گریز کرو اسراف اور تکبر سے۔

بعض سلف کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا، اس آدھی آیت میں سارے طب جمع فرما دی۔ (ابن کثیر)

اسراف کی ممانعت کے متعلق دیکھیے۔ (النساء ۴:۶)

اللہ تعالیٰ نے تبذیر سے بھی منع فرمایا: وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا. اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ.

اسراف اور بے جا خرچ سے بچو، بے جا خرچ کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔ (بنی اسرائیل ۱۷:۲۶۔۲۸) بعض کے ہاں تبذیر کا مطلب ناجائز امور پر خرچ کرنا ہیں خواہ تھوڑا ہو۔[۱۲]

رواداری و برداشت کی ترغیب:

اسلام میں رواداری کی ترغیب دلائی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: لَاۤ اِكْرَاهَ فِی الدِّيْنِ . دین کے معاملہ میں کوئی

جبر نہیں۔

رہتی دنیا تک روشن چراغ بن کر جگمگاتے رہیں گے۔ قرآن حکیم نے دیگر مذاہب کو پیش کش بھی کی جس کی نظیر مذاہب عالم کی پوری تاریخ میں نہیں۔ جیسے فرمان الٰہی ہے: کہ آؤ اہل کتاب ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنائیں (اس دعوت کو قبول کرنے سے) اگر منہ موڑیں تو صاف کہہ دو کہ گواہ رہو، ہم تو حکم کے تابع ہیں۔ (آل عمران ۶۴:۳)

قرآن مجید کی مجسم تصویر حضرت محمد ﷺ نے ہجرت کے فوراً بعد یہودیوں اور مدینہ کے اردگرد کے مشرک قبائل کو بقائے باہمی پر امن کے ایک معاہدہ "میثاق مدینہ" میں شریک کیا۔ آپ نے مشرکین مکہ سے حدیبیہ کے مقام پر معاہدہ صلح کیا۔ خانہ کعبہ کو مشرکوں کے قبضہ میں ہی رہنے دیا گیا۔ آپ ﷺ نے نجران کے عیسائیوں سے معاہدہ صلح کیا تو انہیں پوری مذہبی آزادی دیتے ہوئے ان کے گرجا گھروں اور کلیساؤں کی حفاظت کا خود ذمہ لیا۔ اس طرح ان کی عیسائی حکومت کو کمال رواداری سے برقرار رکھا۔ [۱۳]

فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے تمام مشرکین اور کفار کو رواداری اور تحفظ کا ثبوت دیتے ہوئے معاف فرما دیا۔
بنو ثقیف کا وفد جب آپ ﷺ سے صلح کا معاہدہ کرنے مدینہ آیا تو اس وفد کو مسجد نبوی میں ٹھہرانے کا بندوبست کیا۔ نماز اور خطبہ کے دوران وہ مسجد میں موجود رہتے تھے پھر یہ لوگ زکوٰۃ دیتے تھے اور نہ جہاد میں شرکت۔ [۱۴]
آپ ﷺ نے کمال حکمت اور رواداری سے ان کی خامیاں برداشت کیں پھر تھوڑی مدت کے بعد زکوٰۃ بھی دینے لگے اور جہاد میں بھی شرکت کرنے لگے۔ آپ ﷺ نے اہل خیبر کے ساتھ رواداری کا ثبوت دیا اور ان کی زمین انہی کو بٹائی پر دیدی۔ [۱۵]

نبی پاک ﷺ کے منافقین سے چشم پوشی میں صرف ایک ہی بنیادی حکمت پنہاں تھی اور وہ یہ کہ آپ ﷺ اپنی امت کو اپنے عمل سے یہ سنہری سبق دینا چاہتے تھے کہ نیت کی جزا و سزا کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑا جاتا ہے اور اسی بزرگ و برتر پر ہی چھوڑا بھی جانا چاہئے۔

اس وقت امت مسلمہ کا حال یہ ہے کہ ہم اپنے فرقہ کی بنیاد پر ہی دوسرے کی نیت پر شبہ کرتے ہیں اور اسے اس کی "بد نیتی" کی سزا بھی خود ہی دینا چاہتے ہیں۔ نیت کا معاملہ اللہ پر چھوڑ کر دیکھیں تو ہمیں صاف محسوس ہوگا کہ مسلمانوں میں موجود تمام مذاہب (مسالک) ایک اللہ کی واحدانیت، ایک قرآن کی حقانیت اور ایک رسول کی رسالت پر ایمان رکھتے ہیں ایک جیسا کلمہ پڑھتے ہیں ایک جیسی پنجگانہ نماز ادا کرتے ہیں، ایک جیسے ماہ صیام کے روزے رکھتے ہیں اور ایک جیسے حج اور ایک جیسے زکوٰۃ کے نظام پر عمل پیرا ہیں۔ تمام مذاہب کی بنیاد اور سرچشمہ ایک جیسے ہیں کوئی بنیادی اختلاف نہیں صرف فروعی مسائل میں اختلاف کا ہونا کوئی بری بات نہیں۔

فرقہ واریت کی بیخ کنی:

فرقہ بندی کی تردید میں تقریباً قرآن کریم کی اکیس مقامات پر مختلف سیاق میں تذکرہ موجود ہے۔

کہیں یہ بات فرمائی گئی علم وہدایت آنے کے بعد فرقوں میں نہ بٹ جاؤ (آل عمران ۳:۱۰۵) کہیں واضح ترین الفاظ میں یہ بات سمجھائی کہ حق سے منحرف ہونے والے بعض افراد مسجد جیسی جوڑنے والی، اعتصام بحبل اللہ بپا کرنے اور اخوت و احترام کرنے والی جگہ کو اہل ایمان کے درمیان ضرر و افتراق کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ (التوبہ ۹:۱۰۷) اور اسی طرح سورۃ النساء میں فرقوں میں نہ بٹنے کا حکم موجود ہے۔ (۳:۱۰۳)

سورہ الشوریٰ میں فرقہ بندی و انتہا پسندی کو ایک منفی اور سلبی عمل قرار دیتے ہوئے اقامت دین کی جدوجہد کے ذریعے تفرقہ رکھنے والی ذہنیت کو دور کرنے کی تعلیم دی گئی ہے یہاں سے یہ اصول بھی نکلا کہ اقامت دین کے لئے کوشش کرنے والی تحریکات کا ذہن فرقہ پرستی کا نہیں بلکہ دین کے حوالے سے امت مسلمہ کو جوڑنے کا ہوگا چنانچہ ارشاد ہے: اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا (الشوریٰ ۴۲:۱۳) قائم کرو دین کو اور اس میں پھوٹ (تفرقہ) نہ ڈالو۔

گویا اسلام فرقہ بندی، انتہا پسندی اور آپس میں تقسیم ہوکر جتھ بندی کی کھل کر مذمت وممانعت کرتا ہے۔ لیکن یہ سمجھنا درست نہ ہوگا کہ اسلام اختلاف رائے اور فرقہ پرستی اور تفرقہ بازی میں فرق نہیں کرتا۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام، قرآن وحدیث پر غور وخوض کے بعد خلوص نیت سے مختلف تعبیرات اور فقہی آراء قائم کرنے کی مخالفت نہیں کرتا بلکہ قرآن کریم اسے محبوب ومطلوب قرار دیتا ہے۔ جہاں وہ دین کے قیام وغلبہ کے لئے اہل ایمان کی ایک جماعت کا جہاد بالسیف میں مصروف ہونا ضروری قرار دیتا ہے وہاں دوسری جماعت (گروہ) پر دینی مصادر کو سمجھنے فہم دین پیدا کرنے اور دین کی دعوت وتعلیم فرض کر دیتا ہے تاکہ اسلام کی معاشی، سیاسی، معاشرتی، ثقافتی تعلیمات کی وضاحت ہو اور ان تعلیمات کی روشنی میں ایک نقشۂ عمل اور حکمت عملی وضع کی جاسکے۔

سورہ توبہ آیت نمبر ۱۲۲ میں اسے **تفقہ فی الدین** کا عنوان دیا ہے۔ یہاں بھی یہ یاد رہے یہ تقسیم بھی مطلق نہیں ہے کہ مجاہدین اور فقہاء کے ہمیشہ دو الگ الگ طبقات یا گروہ ہوں، مجاہد اور عالم، دونوں اس جہاد کا حصہ ہیں۔

مسلمان پیشواؤں، آئمہ دین میں بہت سی شخصیات ہیں جن میں فکر وفن اور سیف وجہاد کا اجتماع بھی دیکھا جاسکتا ہے۔

ان اصطلاحات کی روشنی میں دیکھا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ تفریق واختلاف ہے کیا؟ کیا یہ مرض اس صدی کا مرض ہے؟ کیا دین میں اس کی گنجائش ہے؟ کیا قرآن وسنت کے علاوہ کسی مسلک کا پیروکار ہونا بھی فلاح وکامرانی کے لئے ضروری ہے؟

قرآن کریم ہر مسلمان مرد وعورت کو حکم دیتا ہے کہ دین کا کم از کم اتنا علم حاصل کر لے کہ حلال وحرام میں فرق معلوم ہو سکے۔ حدیث میں ارشاد ہے: "حلال واضح ہے اور حرام واضح ہے اس لئے اس واضح حلال وحرام کا علم اور اس کی روشنی میں مشتبہ

امور کو معلوم کرنے کے لئے تفقہ اختیار کرنا ہوگا۔" [۱۶]

قرآن کریم کا حکم ہے عام معاملات میں مشاورت کرو اور جب قلب و ذہن ایک مقام پر مطمئن دیکھو ہو جائیں تو عزم الامور کے ساتھ اللہ پر توکل کر کے اس پر عمل پیرا ہو جائیں۔ (آل عمران ۳:۵۹) (الشوریٰ ۴۲:۳۸)

کیا ہر مشورہ، ہر تحقیق اور ہر تعبیر لازمی طور پر اجماع کی شکل اختیار کرے گی؟ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ پورے خلوص نیت، علمی عبور اور جائزے و تجزیے کے بعد ایک سے زائد مسالک و آراء یکساں طور پر دائرہ میں ہوں جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس جماعت کے ساتھ پیش آیا تھا جیسے نبی پاک ﷺ نے حکم دیا تھا کہ "بنو قریظہ میں جا کر نماز عصر ادا کرنا۔" [۱۷]

صحابہ کی ایک جماعت نے قضاء کر کے نماز پڑھی اور دوسرے گروہ نے اس آیت کی روشنی میں کہ نماز کا وقت مقرر ہے نماز اول وقت میں پڑھی۔ آپ ﷺ نے ان کی واپسی پر ان میں سے کسی کی گرفت نہیں فرمائی۔

تو گویا کہ دونوں گروہوں کی عبادت اللہ کے ہاں قابل قبول ہے۔

ہماری تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ نبی پاک ﷺ نے امام و سربراہ ہونے کے باوجود شوریٰ کے اصول کو عملاً اختیار فرمایا۔ بدر میں میدان کے انتخاب [۱۸]، احد میں مدینہ سے باہر جا کر مقابلہ کرنے کا فیصلہ [۱۹]، غزوہ احزاب کے موقع پر خندق کی تعمیر [۲۰]، صلح حدیبیہ کے موقع پر حکمت عملی طے کرنا۔ غرض بے شمار مواقع پر آپ ﷺ نے اپنے فیصلہ کرنے کے اختیار کی جگہ شوریٰ کو اولیت دی۔

ابھی آپ کے وصال کو چند لمحات ہی گزرے تھے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان خلیفہ کے انتخاب پر اختلاف ہوا اور مختلف آراء سامنے آئیں۔ خود آپ کی تدفین کے حوالے سے اختلاف پیدا ہوا [۲۱] کہ تدفین کہاں پر عمل میں لائی جائے۔ ابھی ریاست کے معاملات طے ہو رہے تھے کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے لشکر کی روانگی پر اختلاف پیدا ہو گیا، ساتھ ہی منکرین زکوٰۃ سے جہاد کے مسئلے پر صحابہ میں اختلاف کھڑا ہوا۔ یہ مسئلہ اٹھا کہ جو لوگ زکوٰۃ کے منکر ہوں مگر صلوٰۃ ادا کر رہے ہوں کیا ان پر تلوار اٹھائی جائے گی؟ ابھی یہ معاملات طے ہوئے ہی تھے کہ یہ سوال پیدا ہوا کہ جن مقامات پر جہاد کیا جا رہا ہے اور مسلم افواج بغیر کسی مقابلے کے املاک پر قابض ہو جائیں تو کیا یہ بھی غنیمت کی طرح تقسیم ہوں گی یا اموال فئے کے لئے کوئی اور اصول اختیار کیا جائے گا جو زمینیں اس طرح زیر نگیں آئیں گی، وہ عشری ہوں گی یا خراجی۔ مختصر یہ کہ امور مملکت ہوں یا بنیادی معاشی، اعتقادی، معاشرتی و انتظامی مسائل، ہر نوع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان اختلاف کی واضح مثالیں موجود ہیں۔ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کھلے لفظوں میں فرماتی ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فلاں معاملے میں سہو ہوا۔ اصل بات یوں ہے۔ اسی طرح حضرت عمرؓ اور دیگر خلفائے راشدین تعزیر کے معاملے میں اختلاف کرتے ہیں لیکن کیا ان اہم اختلافات کے باوجود کوئی ایک مثال ایسی ہے کہ جب حضرت ابو بکرؓ نے حضرت علیؓ سے اختلاف کیا ہو تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے پیچھے نماز پڑھنی بند کر دی ہو؟ یا حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ سے بول چال بند کر دی ہو؟ یا ان کے ایمان و خلوص پر کوئی شک و شبہ کیا ہو؟ کیا یہ امر واقعہ نہیں ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر بیرونی افراد یلغار کرتے ہیں تو حضرت علیؓ بنفس نفیس، حضرت حسنؓ

اور حسینؓ کو مسلح پہرہ دینے کے لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر پر مامور کرتے ہیں؟

گویا اختلاف مسلک بجائے خود نہ تو مردود ہے اور نہ نفرت وفساد پیدا کرتا ہے، بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ جب بھی مصنوعی طریقہ سے امت مسلمہ پر کسی ایک مسلک کو مسلط کرنے کا خیال پیش کیا گیا، امت مسلمہ کے خیر خواہ علماء نے اس کی مخالفت کی۔ حضرت امام مالک کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ انہوں نے خلیفہ وقت کی خواہش کو رد کرتے ہوئے حدود مملکت میں فقہ مالکی رائج کئے جانے کی مخالفت کی اور اس معاملے کو امت مسلمہ کے شعور پر چھوڑ دیا کہ وہ جس فقہی رائے کو چاہے اختیار کرے۔

دور صحابہؓ اور بعد کے ادوار میں فقہاء علماء امت کے اختلافات کا جائزہ لیں تو واضح طور پر ان میں خلوص نیت کے ساتھ نصوص قرآن وسنت پر مبنی اختلاف کا رجحان نظر آتا ہے، یعنی وہ اپنی ذات، انا یا اپنے مرشد و شیخ کی اندھی تقلید و پیروی کرتے نظر نہیں آتے۔

امام ابو یوسفؒ اور امام محمد الیبانیؒ سے بڑھ کر امام ابوحنیفہؒ کا احترام ومحبت کس کے دل میں ہوگا۔ دونوں ان کے جانشین اور شاگردان رشید ہیں لیکن وہ بھی بہت سے معاملات میں اپنے استاد سے اختلاف کرتے ہیں۔ کیا اس اختلاف کی بنیاد پر وہ توہین استاد کے مرتکب قرار دیئے جائیں گے؟ گویا ہماری علمی وثقافتی روایت میں اختلاف کا نہ ہونا ایک اجنبی چیز ہے اور دلیل و برہان کی بنا پر اختلاف ایک فطری حقیقت ہے۔

پھر کیا وجہ ہے کہ ہمارے آج کے معاشرے میں تحمل، رواداری، کشادہ دلی، اکرام ومحبت کا فقدان پایا جاتا ہے۔ اختلاف خواہ چھوٹا ہو یا بڑا، مخالف کا خون تک بہانے میں دریغ نہیں کیا جاتا۔ ہماری نگاہ میں مسئلہ چاہے کتنا پیچیدہ نظر آتا ہو اگر خلوص نیت اور دیانت داری کے ساتھ اس پر غور کیا جائے تو اس کا حل نہ صرف ممکن ہے بلکہ ہمیں اسے جلد از جلد اختیار کرنا ہوگا۔ منافرت، مقاطعہ، مقاتلہ اور فساد مستحکم سے مستحکم انسانی معاشرے کی جڑوں کو کھوکھلا کرکے تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ مسلم معاشرے میں جب بھی فروعی اختلافات کو بنیادی اہمیت دی گئی، امت مسلمہ کی ہوا اکھڑی (اور آپس میں جھگڑو نہیں ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ انفال ۸:۴۶) اور وہ تعداد میں کثیر ہونے کے باوجود دشمن کے لئے تر نوالہ بن گئی۔ اس لئے ہمیں خود آگے بڑھ کر اس مسئلے کو حل کرنا ہوگا۔

کیا مسئلہ بنیادی طور پر عقیدے کا ہے؟ کیا ہر مسلک کے ماننے والوں کے اللہ اور رسول مختلف ہیں؟ یا سب اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی واحدانیت اور رسولﷺ کی ختم نبوت پر یقین رکھتے ہیں؟ کیا ہر مسلک کا کعبہ الگ ہے یا سب کا قبلہ حرم کعبہ ہی ہے؟ کیا کسی مسلک کے ماننے والے زکوٰۃ کے قائل ہیں اور کسی کے قائل نہیں؟ کیا کسی مسلک میں روزہ فرض ہے اور کسی میں نہیں؟ ان تمام اور دیگر اس جیسے سوالات پر جتنا غور کیا جائے تو بات واضح ہو جائے گی کہ بنیادی عقیدے کے لحاظ سے معروف سنی و شیعہ مسالک میں کوئی بنیادی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ اس بنا پر ان میں سے کسی کے بارے میں یہ کہنا کہ چونکہ وہ فلاں جزوی معاملے میں یہ رائے رکھتے ہیں اس لئے دائرہ اسلام سے خارج ہو گئے اور اس کے ساتھ تعلقات کی نوعیت وہی ہوگی جو مرتد یا مشرک یا کفار کے ساتھ ہوتی ہے، فکر ونظر کا یہ زاویہ دین سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ کوئی شخص جو دین کا فہم رکھتا ہو ایسی بات نہیں کہہ سکتا۔

مذہبی انتہا پسندی کا سد باب کیلئے عملی تجاویز:

☆ نمائندہ مسالک خواہ شیعہ ہوں، دیوبندی ہوں یا بریلوی ہوں یا اہل حدیث ہوں انہیں مل کر معروضی طور پر ایک تجزیاتی عمل کے ذریعے مسئلے کا تعین کرنا ہوگا کہ اصل سبب کیا ہے؟ اس کی جڑیں کہاں تک پہنچتی ہیں؟ اور اس کے محرکات کیا ہیں؟

☆ فقہی مسالک کے نمائندہ علماء کو ایک مرتبہ نہیں بار بار ایک مستقل فورم کی شکل میں ایک ساتھ بیٹھ کر ٹی وی اور ریڈیو پر اپنے مسلک کے ماننے والوں کو مخاطب کرتے ہوئے امن عامہ کے قیام، نفرتوں کے خاتمے اور اخوت وحق کے قیام کے لئے اپنی مخلصانہ رائے دینی ہوگی، وہ دو عملی اختیار نہیں کر سکتے کہ نجی محفلوں میں یا کسی بین الاقوامی کانفرنس میں ایک مشترکہ اعلامیہ پر قیام امن اور اتحاد امت کی کسی قرارداد پر دستخط بھی کر دیئے جائیں اور ساتھ ان کے مسلک کی ایک سپاہ دوسروں کے اعوان وانصار سے نبرد آزما بھی ہو جائے۔

☆ تشدد، قتل و غارت اور اختلافات کی پیدا کردہ منافرت کو دور کرنے کے لئے علماء اور مسالک کے رہنما افراد کو آگے بڑھ کر ایک مثبت کردار ادا کرنا ہوگا۔ یہ بات باور نہیں کی جاسکتی کہ ایک مسلک کے سربراہ تو ایک متوازن الفکر معروف عالم دین ہوں لیکن اسی مسلک کا ایک عسکری تربیت یافتہ گروہ بھی ہو جو جہاں جب چاہے شب خون مارنے کے لئے آزاد ہو۔ ظاہر ہے ایسے گروہ کی قیادت جن، بھوت یا فرشتے تو کرنے سے رہے۔ کسی مسلکی سربراہ کی رائے کے خلاف ایسے افراد کا کوئی کام کرنا عقل نہیں مان سکتی گویا کہ مسالک سربراہان کو عوامی سطح پر امن کے قیام، انسانی جان کے احترام اور قتل و غارت گری کے خاتمے کے لئے اپنا جوہری کردار ادا کرنا ہوگا اور اپنے مسلک کے پیروکار وافراد کے مثبت اور منفی تمام کاموں کی ذمہ داری قبول کرنی ہوگی۔

☆ ہمیں اس حقیقت کو ماننا ہوگا کہ انسانی مسائل کا حل تنہا قوت کے استعمال سے نہیں ہوسکتا۔ اس لئے وہ مذہبی گروہ بھی جو غیر دانستہ طور پر ایک دہشت پسندانہ طرز عمل کا شکار ہو گئے ہیں، انہیں موجودہ تشدد کی ثقافت کی گرداب سے نکلنے کے لئے جرأت مندی اور خلوص نیت کے ساتھ اصلاح حال کی طرف متوجہ ہونا پڑے گا۔ مسائل کے حل کے لئے حملے اور جوابی حملے کی جگہ عقل و دانش کو استعمال کرتے ہوئے باہمی اعتماد اور مسلکی یکجہتی کے قیام کے لئے ان تلخ دشمنوں کو دفن کرنا ہوگا جو وقتاً فوقتاً کسی کی زندگی کا چراغ گل کرنے کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔ آستین کا لہو زیادہ عرصہ چھپا نہیں رہتا اور جلد یا بدیر حقائق سے پردہ اٹھ کر رہتا ہے۔ اس لیے متعلقہ مذہبی گروہوں کو آنے والی نسلوں کے خیال سے نفرتوں کی اس سلگتی ہوئی آگ کو بجھانا ہوگا خواہ اس عمل میں ان کے اپنے ہاتھوں پر آبلے پڑ جائیں۔

☆ مختلف مسالک کے جید علمائے کرام اور بزرگان دین کو بھی عزم کرنا ہوگا کہ وہ اپنے مسلک کو مزید بدنام نہ ہونے دیں گے اور جو دست شرانگیز ان کے مسلک کے بعض حضرات کو اپنے لئے استعمال کر رہے ہوں، ان کو پہچانتے ہوئے اس

دخل اندازی کو جرأت کے ساتھ بند کرانے میں اپنا کردار ادا کریں گے۔ لازمی طور پر ان معاملات میں حکومت کو خلوص نیت اور مکمل عزم کے ساتھ، اس عمل میں برابر کا حصہ ادا کرنا ہوگا۔ ایک طرف اسے اپنے اداروں کو اس غرض سے حرکت میں لانا ہوگا اور دوسری طرف عدلیہ کے احترام کو بحال کرنا ہوگا۔ ابلاغ عامہ کو بھی ایک تعمیری رخ پر چلنا ہوگا اور اطلاعات کے ذریعے سنسنی پھیلا کر اپنے مذموم کاروبار کو چمکانے کی جگہ ان اداروں اور افراد کو عوام کے سامنے بے نقاب کرنا ہوگا جو انتہا پسندی کی پشت پناہی کر رہے ہیں۔

☆ قومی ابلاغ عامہ کی ذمہ داری بھی اس سلسلے میں غیر معمولی طور پر اہم ہے اگر یہ فرض کر بھی لیا جائے کہ بعض علماء اس انتہا پسندی کی پشت پناہی کر رہے ہیں تو حکومتی ابلاغ عامہ (ریڈیو/ ٹی وی) کو کس نے روکا ہے کہ وہ ملک کے بڑے اور چھوٹے تمام نمائندہ علماء کو یکے بعد دیگرے ٹی وی پر بلا کر خود ان سے براہ راست اس مسئلے کا حل دریافت کریں اور معروضیت اور کشادگی کے ساتھ ان کی آراء کو بغیر کسی ترمیم کے نشر کریں۔ یہ سمجھنا کہ اس طرح کشیدگی بڑھ جائے گی، بنیاد واہمہ ہے۔ ہر فرد اپنی جماعت کی ذات کے حوالے سے خوب سمجھتا ہے کہ کس بات کے کہنے سے مثبت یا منفی تاثر پیدا ہوگا۔ اس لئے براہ راست ان حضرات کا ٹی وی پر آنا خود یہ واضح کر دے گا کہ آخر اس ہنگامے کے پس پردہ کون ہے؟ اگر یہ علماء اپنی بریت کا اعلان کرتے ہیں تو پھر خود بخود ظاہر ہو جائے گا کہ تشدد و انتہا پسندی کا کون ذمہ دار ہے؟ اور یہ قصہ پیدا کس نے کیا ہے؟ اس قسم کے قومی اہمیت کے حساس موضوعات پر بات کھل کر ہونی چاہئے۔ پس پردہ جوانمردی دکھانا اور سامنے بھولے پن کا مظاہرہ کرنا عوام کی نگاہ سے نہیں چھپ سکتا۔ عوام خوب سمجھتے ہیں کہ کون کیا کر رہا ہے اور کیوں کر رہا ہے؟

نسال اللّٰہ العافیة صلی اللّٰہ علی النبی و آلہ وسلّم

اس موضوع سے متعلق بعض اہم مصادر و مراجع

۱۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کی کتب بالخصوص "الانصاف فی بیان سبب الاختلاف" اور "حجة اللّٰہ البالغة"

۲۔ علامہ ابن تیمیہؒ کی کتب بالخصوص "رفع الملام عن ائمة لاعلام" اور "الفرقان بین اولیاء الرحمٰن و اولیاء الشیطان"

۳۔ سید مودودی رحمہ اللہ کی کتب و مؤلفات بالخصوص "تجدید و احیائے دین" اور "رسائل و مسائل"

۴۔ مفتی محمد شفیع کی مؤلفات و تفسیر وغیرہ

۵۔ جناب پیر کرم شاہ رحمۃ اللہ کی تالیفات بالخصوص "ضیاء النبی ﷺ"

۶۔ نعیم صدیقی کی مؤلفات بالخصوص کتاب "باہمی اختلافات"

شعبہ اسلامیات جامعہ پنجاب لاہور کے زیر اہتمام ایم۔ اے اسلامیات کے طلباء سے بہت سی تحقیقی مقالات تحریر کروائی گئی ہیں ان میں اس موضوع سے متعلق درج ذیل مقالات سے بھرپور فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے

نمبر شمار	موضوع	لائبریری مقالہ نمبر
۱۔	مکاتب دیوبند و بریلی کے خصوصی مسائل کا جائزہ	۶/۶۹
۲۔	عصر حاضر میں فرقہ پرستی کے خاتمے کے لئے مثبت تجاویز	۳۰/۸۶
۳۔	اتحاد امت اور شاہ ولی اللہ کی مساعی جمیلہ	۷/۹۰
۴۔	معاشرتی اعتدال و توازن اسلام اور دیگر مذاہب کے تناظر میں	۲۹/۹۰
۵۔	اسلامی تہذیب کے زوال کے اسباب اور اس کے احیاء کی تجویز	۳۰/۹۰
۶۔	بریلوی دیوبندی اختلافات کا تنقیدی جائزہ	۶۷/۹۰
۷۔	مسلمانوں کے موجودہ احوال "کتاب الفتن (کتب حدیث) کی روشنی میں	۷/۹۴
۸۔	دور حاضر میں امت مسلمہ کے مسائل اور ان کا حل	۱۱/۹۵
۹۔	اختلاف و تنقید کی حدود۔ قرآن کی روشنی میں	۱۵/۹۵
۱۰۔	مسلمانوں کے زوال میں فرقہ بندی کا کردار	۲۴/۹۵
۱۱۔	اختلاف فقہاء کی بنیادیں اور عصر حاضر	۱۸/۲۰۰۱

مصادر و حوالہ جات

۱۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب تحریم قتل الکافر بعد قولہ لا الہ الا اللہ، ص ۶۹۴۔ موسوعۃ الحدیث للکتب الستۃ. دارالسلام۔ ریاض

۲۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب من کفر اخاہ بغیر تاویل. ص ۵۱۵ (موسوعۃ الحدیث)

۳۔ مختصر تفسیر ابن کثیر، محمد علی الصابونی ۲/۱۵۴، دار القرآن الکریم۔ بیروت ۱۹۸۱ء

۴۔ صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب تشبیک الاصابع فی المسجد، ص ۴۰ (موسوعۃ الحدیث)

۵۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب رحمۃ الناس و البھائم، ص ۵۰۸ (موسوعۃ الحدیث)

۶۔ تفسیر احسن البیان، دارالسلام، ریاض، ص ۳۶۲

۷۔ صحیح بخاری، کتاب المظالم، باب انصر اخاک ظالما او مظلوما، ص ۱۹۲

۸۔ صحیح بخاری، کتاب الادب، باب الھجرۃ، ص ۵۱۳۔ (موسوعۃ الحدیث)

۹۔ انسان کامل، خالد علوی، ص ۵۹۶، الفیصل ناشر لاہور ۱۹۹۷ء

۱۰۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء،

۱۱۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح. ص ۴۳۸ (الموسوعۃ الحدیث)

۱۲۔ تفسیر احسن البیان، ص ۳۷۲

۱۳۔ سنن ابوداؤد، کتاب الخراج، باب اخذ الجزیۃ، ص ۱۴۵۲ (موسوعۃ الحدیث)

۱۴۔ سنن ابوداؤد، کتاب الخراج، باب ماجاء فی خبر الطائف، ص ۱۴۵۱ (موسوعۃ الحدیث)

۱۵۔ مختصر زاد المعاد، ابن القیم، نشر انصار السنۃ لاہور، ص ۲۵۸

۱۶۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب فضل من استبرأ لدینہ، ص ۶ (موسوعۃ الحدیث)

۱۷۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب مرجع النبی من الاحزاب، ص ۳۳۷ (موسوعۃ الحدیث)

۱۸۔ تہذیب سیرۃ ابن ہشام، عبدالسلام ہارون، ص ۱۴۳، دار الحدیث، الکویت، ۱۹۸۱ء

۱۹۔ نفس المرجع، ص ۱۵۷

۲۰۔ السیرۃ النبویۃ، ابوالحسن ندوی، ص ۲۰۷۔ دار الشروق، السعودیۃ، ۱۹۷۷ء

''دورِ حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اُس کا خاتمہ تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں''

ڈاکٹر حافظ محمد ثانی، کراچی

''مذہب''......لغوی معنیٰ و مفہوم:

مذہب کے لفظی معنیٰ راستہ، طریقہ اور سونے سے ملمع شدہ شے کے ہیں۔ جب کہ انگریزی میں مذہب کے لیے "Religion" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ یہ لاطینی زبان سے ماخوذ ہے۔ اس کا مادہ "Religio" ہے۔ جس کے معنیٰ امتناع، پابندی، عقیدہ اور عبادت کا ایک نظام ہے۔

اسلام نے مذہب کے لیے ''دین'' کی اصطلاح متعارف کرائی ہے، جو ایک ہمہ گیر مفہوم و معنیٰ کا حامل اور ایک ابدی ضابطہ حیات ہے۔ قرآن و سنت میں اسلام اور دین کی اصطلاح بے شمار مقامات پر استعمال ہوئی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

''اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللّٰہِ الْاِسْلَامُ''[۱] ترجمہ: بے شک اللہ کے نزدیک دین تو صرف اسلام ہے۔''

فرید وجدی نے مذہب کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے ''مذہب ان معقول خیالات و تصورات کے مجموعے کا نام ہے۔ جن کا مقصد یہ ہے کہ تمام افرادِ انسانی رشتے میں منسلک ہو جائیں اور وہ جسمانی فائدوں سے اس طرح بہرہ یاب ہوں جس طرح قوت عقلیہ سے وہ ہدایت و راہ نمائی حاصل کرتے ہیں۔ مذہب نوعِ انسانی کے لیے ایک ابدی ضابطہ حیات ہے۔[۲] جب کہ مغربی مفکرین نے مذہب "Religion" کی مختلف الفاظ میں تعریف کی ہے۔ ای۔ بی ٹیلر (E.B.Taylor) نے مذہب کی تعریف ان الفاظ میں بیان کی ہے۔

"Religion means the belief in Spiritual Beings"[۳] ایک اور مغربی مفکر اوسپینسکی (Ospanski) نے مذہب کی تعریف کے حوالے سے لکھا ہے: ''مذہب ایک انسانی تصویر ہے۔ جس قسم کی انسان کی اپنی سطح ہوگی، اسی قسم کا اس کا مذہب ہوگا اس لیے ہوسکتا ہے کہ ایک شخص کا مذہب دوسرے کے لیے قطعی موزوں نہ ہو۔[۴]

دین اور مذہب......اصطلاحی معنیٰ و مفہوم اور دونوں میں فرق:

معروف مغربی مصنف پروفیسر جیمز ایچ لیوبا (James H. Leuba) نے مذہب کی کئی تعریفیں ذکر کی ہیں، جو مذہب کے کسی نہ کسی جزو پر حاوی ہیں۔[۵] اسلام نے مذہب کے لیے دین کی اصطلاح متعارف کرائی ہے اور یہ مخصوص اصطلاح ہی اسلام اور مسلم امہ کی مذہبی علامت ہے۔ امام راغب اصفہانی دین کے لفظی معنیٰ اور مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''الطّاعة و الجزاء و استعیر للشّریعة و الدین کالملّة یقال اعتبار ابالطّاعة و الا نقیاد للشریعة''[6] دین کے معنی اطاعت اور جزا کے ہیں۔اس کا اطلاق شریعت پر بھی ہوتا ہے۔دین اور ملت مترادف ہیں۔شریعت پر اس کا اطلاق ان معنوں میں ہوتا ہے کہ شریعت کی اطاعت اور اس کے سامنے اپنی گردن جھکا دینا اور خم کرنا لازم ہے۔

انتہا پسندی کی اصطلاح:

''انتہا پسندی'' عہد حاضر کی اہم اور حساس اصطلاح ہے۔انتہا پسندی سے مراد انتہا پسندانہ سوچ، بے اعتدالی، غیر متوازن تصور ونظریہ اور ایسی سوچ ہے جس میں انتہا پسندی کا دخل ہو۔اسے انگریزی میں "Extremeism" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔یہ ایک ایسی اصطلاح ہے جسے منافرت، دہشت گردی اور انتہا پسندانہ رویے کی بنیاد قرار دیا گیا ہے۔[7]

دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان......ایک جائزہ:

یہ ایک تاریخی، ابدی اور نا قابل تردید حقیقت ہے کہ اسلام امن وسلامتی کا داعی، تحمل و برداشت، عفوودرگزر، رواداری اور احترام انسانیت کا سب سے عظیم علمبردار ہے۔اس کی نگاہ میں بنی نوع انسان کا ہر فرد بلاتفریق مذہب وملت احترام کا مستحق ہے۔وہ رنگ ونسل، بدامنی اور دہشت گردی، عدم برداشت اور انتہا پسندی کے ہر غیر اسلامی اور غیر انسانی جذبے سے یکسر پاک ہے۔اسلام ''سلامتی'' اور ایمان ''امن'' سے عبارت ہے۔اسلام نے دنیا کو امن وسلامتی اور احترام انسانیت کا درس دیا ہے۔اس نے پرامن بقائے باہم کے لیے بلاتفریق مذہب وملت، ''لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ''[8] کا نظریہ عطا کر کے غیر جانبداری، اعتدال پسندی اور امن وسلامتی کا فلسفہ عطا کیا۔اسلام نے دنیا کو یہ پیغام دیا کہ مسلمانوں کا رب سارے جہانوں کا رب ہے، اس کی بڑی صفت یہ ہے کہ وہ ''رحمٰن و رحیم'' ہے۔انسانیت کے نام اس کے ابدی اور آفاقی پیغام ہدایت، قرآن کریم فرقان حمید کی پہلی سورۃ ہی الحمد اللہ......کے بعد ''الرحمٰن الرحیم'' کے الفاظ سے شروع ہوتی ہے۔اس کی تین سو سے زائد آیات مبارکہ میں اللہ کی صفت رحمت کا ذکر ہے۔انسانیت کے ہادی اعظم، سید عرب وعجم، پیغمبر آخر واعظم، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ''رحمۃ للعٰلمین'' بنا کر مبعوث فرمایا۔آپؐ کی پوری حیات طیبہ، صبر و برداشت، عفوودرگزر، رواداری، میانہ روی اور اعتدال پسندی سے عبارت ہے۔مذہبی انتہا پسندی اسلام کی روح اور اسلامی تعلیمات کے منافی عمل ہے۔غیروں اور اسلام دشمنوں کا تو رونا ہی کیا، آج اسلام اور پیغمبر اسلام ''رحمۃ للعٰلمین'' کے پیکروکار اس خداداد مملکت میں جس طرح مذہبی انتہا پسندی کا شکار ہیں، وہ حد درجہ قابل مذمت عمل ہے۔

پیغمبر رحمت، محسن انسانیتؐ نے تو ہمیں یہ پیغام دیا تھا کہ ''عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: انّ الدین یسر، ولن یشاد الدین احدالا غلبہ، فسدّدوا وقار بوا وابشروا، واستعینوا بالغدوۃ والرّوحۃ و شیئی من الدّلجۃ''۔[9]

آج ایک خدا، ایک دین، ایک کلمہ، ایک قرآن اور ایک نبیؐ کے ماننے والے جس طرح فرقہ واریت، دہشت گردی

اور مذہبی انتہا پسندی کا شکار ہیں، اس نے قومی اور بین الاقوامی سطح پر سوائے اسلام اور مسلم امہ کی بدنامی کے کچھ نہیں دیا۔ شمس العلماء، مولانا الطاف حسین حالی نے عرض حال کے زیر عنوان اپنی تاریخی نظم ''مسدس مدوجزر اسلام'' میں مسلم امہ کے انتشار، اخلاقی اور دینی قدروں کے زوال پر جو لکھا، عہد حاضر میں اسلامیان پاکستان کی مذہبی انتہا پسندی اور فرقہ واریت کے حوالے سے آج اس کا ایک ایک حرف ہم پر صادق آتا ہے۔

اے خاصہ خاصان رسلؐ وقت دعا ہے
امت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے
جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے
جس دین کے مدعو تھے کبھی سیزر و کسریٰ
خود آج وہ مہمان سرائے فقرا ہے
وہ دین، ہوئی بزم جہاں جس سے چراغاں
اب اس کی مجالس میں نہ بتی نہ دیا ہے
جو دین کہ تھا شرک سے عالم کا نگہبان
اب اس کا نگہبان اگر ہے تو خدا ہے
جو تفرقے اقوام کے آیا تھا مٹانے
اس دین میں خود تفرقہ اب آکے پڑا ہے
جس دین نے غیروں کے تھے دل آکے ملائے
اس دین میں خود بھائی سے اب بھائی جدا ہے
جو دین کہ ہم درد بنی نوع بشر تھا
اب جنگ و جدل چار طرف اس میں بپا ہے
دولت ہے نہ عزت نہ فضیلت نہ ہنر ہے
اک دین ہے باقی سو وہ بے برگ و نوا ہے
فریاد ہے اے کشتی امت کے نگہباںؐ
بیڑا یہ تباہی کے قریب آن لگا ہے [۱۱]

پیش نظر مقالہ میں اسی مناسبت سے دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کے رجحان اور اس کے خاتمہ کے حوالے سے تعلیمات نبویؐ کی روشنی میں علمی، تحقیقی اور تقابلی جائزہ پیش کرتے ہوئے اس موضوع پر تفصیلی بحث کے بعد اس کے حل کے

لیے تجاویز پیش کی گئی ہیں۔

بعثت نبویؐ کے وقت عالمگیر مذہبی انتہا پسندی کا رجحان...... تحقیقی اور تقابلی جائزہ:

پیغمبر رحمت، محسن انسانیت، رہبر آدمیت، ہادی اعظم، سید عرب و عجم، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت کے وقت انسانیت مذہبی، نسلی اور طبقاتی لحاظ سے کس طرح تقسیم اور انتہا پسندی کا شکار تھی، اس پر تبصرہ کرتے ہوئے ''محسن انسانیتؐ'' کے مولف نعیم صدیقی کیا خوب لکھتے ہیں: ''محسن انسانیتؐ کا ظہور ایسے حالات میں ہوا، جب کہ انسانیت تاریکیوں میں ڈوبی ہوئی تھی، کہیں دور وحشت تھا اور کہیں شرک اور بت پرستی کی لعنتوں نے مدنیت کا ستیاناس کر رکھا تھا۔ مصر اور ہندوستان، بابل اور نینوا، یونان اور چین میں تہذیب اپنی شمعیں گل کر چکی تھی۔ رومی اور ایرانی تمدنوں کی ظاہری چمک دمک آنکھوں کو خیرہ کرنے والی تھی، مگر ان شیش محلوں کے اندر بدترین مظالم کا دور دورہ تھا اور زندگی کے زخموں سے تعفن اٹھ رہا تھا۔ بالادست طبقوں کی عیاشیوں اور نفس پرستیوں نے اخلاقی روح کو فنا کر دیا تھا۔ بادشاہوں کے ادل بدل، نت نئے فاتحین کے ظہور اور خوں ریز جنگوں کی وجہ سے حالات میں جو تموج پیدا ہوا تھا، اس میں بھی کوئی راہ نجات عام آدمی کے لیے نہ تھی۔ عام آدمی کو ہر تبدیلی کی چکی اور زیادہ تیزی سے پیستی تھی، ہر قوت اسی کو آلہ کار بنا کر اور اسی کا خون صرف کر کے اسی کی محنت سے استفادہ کر کے اپنا جھنڈا بلند کرتی اور پھر غلبہ و اقتدار پانے کے بعد وہ پہلوں سے بھی بڑھ چڑھ کر ظالم ثابت ہوتی تھی۔ خود (اس دور کی دو بڑی عالمی طاقتوں) روم و ایران کے درمیان مسلسل آویزش کا چکر چلتا تھا اور مختلف علاقے کبھی ایک حکومت کے قبضے میں جاتے اور کبھی دوسری سلطنت ان کو نگل لیتی، لیکن ہر بار فاتح قوت عوام کے کسی طبقے کو خوب اچھی طرح پامال کرتی۔ مثلاً رومی حکومت آتی تو آتش کدے کلیسا بن جاتے اور ایرانی راج چھا جاتا تو پھر کلیسا آتش کدے بن جاتے۔ دنیا کے اکثر حصوں میں طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ ٹکراؤ ہوتے، بار بار کشت وخوں ہوتے، بغاوتیں اٹھتیں، مذہبی فرقے خوں ریزیاں کرتے، ان ہنگاموں کے درمیان انسان بہ حیثیت انسان بری طرح پامال ہو رہا تھا۔ اسے مظالم کے کولہو میں پیلا جاتا تھا۔ مگر تشدد کی خوف ناک فضا میں وہ صدائے احتجاج بلند نہیں کر سکتا تھا۔ وہ تلخ احساس رکھتا ہوگا مگر اسے ضمیر کی آزادی کسی ادنیٰ درجے میں حاصل نہ تھی۔ کوئی مذہب اس کی دستگیری کے لیے موجود نہ تھا۔ انبیاء کی تعلیمات تحریف و تاویل کے غبار میں گم ہو چکی تھیں۔ یونان کا فلسفہ سکتے میں تھا، کنفیوشس اور مانی کی تعلیم دم بخود تھی۔ ویدانت اور بدھ مت کے تصورات اور منوشاستر کے نکات سر بگریباں تھے۔ جسٹینین کا ضابطہ اور سولن کا قانون بے بس تھا۔ کسی طرف کوئی روشنی نہ تھی۔ وہ خوف ناک ترین بحران اور انتہا پسندی کا ایک عالم گیر دور تھا، جس کی اندھیاریوں میں محسن انسانیتؐ کی مشعل یکا یک آ ابھرتی ہے اور وقت کے تمدنی بحرانوں کی تاریکیوں کا سینہ چیر کر ہر طرف اجالا پھیلا دیتی ہے۔

خود عرب کا قریب ترین ماحول جو حضورؐ کا اولین میدان کار بنا، اس کا تصور کیجیے تو دل دہل جاتا ہے، عرب پر دور وحشت کی تاریک رات چھائی ہوئی تھی، تمدن کی صبح ابھی جلوہ گر نہیں ہوئی تھی اور انسانیت نیند سے بیدار نہ ہو پائی تھی، ہر طرف ایک انتشار تھا، انسانیت کے محسن اعظم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ عظیم ترین تبدیلی کا پیغام لے کر یکہ وتنہا اٹھتے ہیں اور ایک عظیم

انقلاب برپا کر دیتے ہیں۔"[۱۱] انہی اسباب و وجوہات اور پس منظر کو پیش نظر رکھیے کہ قرآن کس طرح رسول اکرمؐ کی بعثت کو، ایمان کے نور سے منور ہونے والے اہل ایمان کے متعلق فرماتا ہے کہ اللہ نے ان پر احسان عظیم فرمایا، ارشاد ربانی ہے: "لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْبَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ"[۱۲] (ترجمہ) اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر احسان فرمایا جب کہ ان کے اندر خود انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا، جو انہیں اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور یقیناً یہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

ایک اور موقع پر فرمایا گیا: "هُوَالَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ"[۱۳] (ترجمہ) وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں ایک رسول انہی میں سے بھیجا، وہ انہیں اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں (برائیوں سے پاک کرتا ہے اور انہیں سکھاتا ہے کتاب اور دانش مندی کی باتیں، اور یقیناً یہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔ قرآن نے اسے "وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا"[۱۴] "تم آگ کے کنارے تک پہنچ چکے تھے، اللہ نے تم کو اس سے بچالیا" سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

یہ اعلان اس وقت کیا گیا جب مختلف قوموں اور خاندانوں کے مافوق البشر ہونے کا عقیدہ قائم تھا۔ بہت سی نسلوں اور خاندانوں کا نسب خدا سے اور سورج اور چاند سے جوڑا جارہا تھا۔ مذہبی انتہا پسندی کا یہ عالم تھا کہ ہر مذہب اور فرقہ اپنے سوا دوسرے کو گمراہ کہتا اور اسے برداشت کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ قرآن کریم نے یہودیوں اور عیسائیوں کا قول نقل کیا ہے کہ وہ کہا کرتے تھے "ہم خدا کی لاڈلی اور چہیتی اولاد ہیں۔" "وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ"[۱۵] ایک اور موقع پر یہودیوں اور عیسائیوں (جو درحقیقت آسمانی مذاہب ہونے کے دعویدار تھے) کے متعلق قرآن نے ذکر کیا ہے کہ وہ ایک دوسرے کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہ تھے، چنانچہ ان کا کہنا تھا: "وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ"[۱۶]

فراعنہ مصر اپنے آپ کو سورج دیوتا کا اوتار کہتے تھے، ہندوستان میں سورج بنسی اور چندر بنسی خاندان موجود تھے۔ شاہان ایران جن کا لقب کسریٰ (خسرو) ہوا کرتا تھا، ان کا دعویٰ تھا کہ ان کی رگوں میں خدائی خون ہے، اہل ایران انہیں اسی نظر سے دیکھتے تھے، ان کا اعتقاد تھا کہ بادشاہوں کے خمیر میں کوئی مقدس آسمانی جز شامل ہے۔ چینی اپنے شہنشاہ کو آسمان کا بیٹا تصور کرتے تھے۔[۱۷] جب کہ عہد جاہلیت کے عربوں کا یہ نظریہ تھا کہ ہم چونکہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی اولاد، حرم مکہ کے مجاور و پاسبان، بیت اللہ کے نگہبان اور مکے کے باشندے ہیں، لہٰذا بنی نوع انسان کا کوئی فرد ہمارا ہم مرتبہ نہیں اور نہ کسی کے حقوق ہمارے حقوق کے مساوی ہیں۔[۱۸]

ڈاکٹر محمد حمید اللہ "بعثت نبویؐ کے وقت دنیا کی حالت" کے زیر عنوان دنیا کے مذاہب اور ان تہذیبوں کا مذہبی، سیاسی، تمدنی اور تاریخی جائزہ اختصار اور جامعیت کے ساتھ پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "غرض اس زمانے میں جدھر بھی دیکھو،

دنیا میں تباہی اور فتنہ وفساد ہی تھا، کسی جگہ بلند نظرانہ عالی ہمتی اور دردمندانہ انسانیت پروری نظر ہی نہ آتی تھی۔ضرورت تھی کہ پوری دنیا کو اب جھنجھوڑ کر یاد دلایا جائے کہ وہ سب ایک ہی آدمؑ کی اولاد ہیں۔[۱۹] مغربی دانشور دریے ایچ ڈینی سن (J.H. DENISON) رقم طراز ہے: ''پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی میں مہذب دنیا افراتفری کے دہانے پر کھڑی تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چار ہزار سال کی مدت میں جس تہذیب نے بال و پر نکالے تھے، وہ منتشر ہونے والی ہے اور انسان پھر اسی بربریت کی جانب لوٹ جانے والا ہے، جس میں ہر قبیلہ اور فرقہ ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرا ہو جائے اور امن و امان معدوم ہو جائے۔[۲۰]

چناں چہ بعثت نبویؐ جسے قرآن عالم انسانیت پر احسان عظیم قرار دیتا ہے، واقعی انسانیت پر پوری انسانی تاریخ کا سب سے عظیم، سب سے منفرد اور سب سے بڑا احسان تھا۔قرآن کریم نے ''ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ'' کہہ کر اس عہد میں دنیا کی تمدنی، معاشرتی اور مذہبی حالت کی نشان دہی کی ہے۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے بقول: رسولؐ اللہ نے جس وقت اپنی عمر مبارک کے چالیس سال پورے کیے، اس وقت دنیا آگ کی ایک خندق کے بالکل کنارے بلکہ یہ کہنا درست ہوگا کہ لب بام کھڑی تھی، پوری نسل انسانی تیزی کے ساتھ خودکشی کے راستے پر گامزن تھی، یہ وہ نازک وقت تھا جب انسانیت کی صبح صادق طلوع ہوئی، محروم و بدقسمت دنیا کی قسمت جاگی اور بعثت نبویؐ کا وقت قریب ہوا، اللہ تعالیٰ کی سنت بھی ہے کہ جب تاریکی بڑھ جاتی ہے اور قلوب سخت اور مردہ ہونے لگتے ہیں، تو اس کی رحمت کا کوئی جہاں نواز جھونکا چلتا ہے اور انسانیت کے خزاں رسیدہ چمن میں بہار آجاتی ہے۔''[۲۱]

بعثت نبویؐ سے قبل عرب عہد جاہلیت اور مذہبی انتہاپسندی:

ہادی عالم، انسانیت کے محسن اعظم حضرت محمدﷺ جس مقدس سرزمین مکہ معظمہ میں مبعوث ہوئے، اسلام کی آمد اور بعثت نبویؐ کے وقت وہ انتہاپسندی کا مرکز بنا ہوا تھا۔چنانچہ عہد جاہلیت میں طبقاتی تقسیم، نسلی تفاخر اور نسبی عصبیت انسانی تاریخ کے عروج پر تھی، جہاں انتہاپسندی کے نتیجے میں انسانیت کو ناقابل عبور خطوط پر تقسیم کر دیا گیا تھا، وہ انسانی عدم مساوات کا یہ نظریہ عملاً مذہبی، معاشرتی اور قانونی معاملات پر بھی لاگو ہوتا تھا۔مذہبی انتہاپسندی کے حوالے سے مشرکین مکہ کا یہ نظریہ تھا کہ چونکہ ہم حضرت ابراہیمؑ کی اولاد، حرم مکہ کے مجاور، بیت اللہ کے نگہبان اور مکے کے باشندے ہیں، لہٰذا بنی نوع انسان کا کوئی فرد ہمارا ہم مرتبہ نہیں اور نہ کسی کے حقوق ہمارے حقوق کے مساوی ہیں۔چنانچہ دوران حج ارکان کی ادائیگی کے لیے یہ لوگ عرفات نہیں جاتے تھے، بلکہ مزدلفہ میں ٹھہر کر افاضہ کرلیا کرتے تھے۔[۲۲] حج کے بعض مناسک میں قریش عام حجاج سے منفرد اور ممتاز رہتے تھے، وہ عرفات میں عام حجاج کے ساتھ ٹھہرنا ہی باعث عار سمجھتے تھے۔[۲۳] انتہاپسندی کا یہ عالم تھا کہ عرب اپنی بیٹیوں کا نکاح عجمیوں سے نہیں کرتے تھے، اگر کوئی عرب کسی عجمی عورت سے نکاح کر لیتا تو اس سے پیدا ہونے والی اولاد کو کم حیثیت اور کم مرتبہ سمجھا جاتا تھا۔[۲۴]

علامہ شبلی نعمانی عرب عہد جاہلیت کی ''سفاکی و بے رحمی'' پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''رات دن کی لوٹ مار اور کشت و خون سے ان میں درندوں کے تمام اوصاف پیدا ہو گئے تھے، زندہ جانوروں کو درخت وغیرہ سے باندھ دیتے اور ان پر تیر

اندازی کی مشق کرتے، لڑائیوں میں حاملہ عورتوں کے پیٹ چاک کر ڈالتے، کبھی عورتوں کو گھوڑے کی دم سے باندھ کر گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتے کہ ان کے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے اڑ جاتے، اس قسم کی سزائیں اکثر عرب سلاطین اور رؤساء دیا کرتے تھے۔[۲۵]

اسلام سے قبل عرب جاہلیت کی انتہا پسندی کا دوسرا رخ یہ ہے کہ اہل مکہ کی کوئی مرکزی تنظیم نہ تھی، معمولی بات پر جنگ شروع ہوتی اور نسل در نسل جاری رہتی، ان وحشیانہ جنگوں میں سیکڑوں گھرانے برباد ہو چکے تھے۔ ان جنگوں کا تاریک ترین پہلو یہ تھا کہ ان لڑائیوں نے ''ثار'' انتقام خون کی رسم پیدا کر دی تھی، ہزاروں برس کے خون قومی قرض کی طرح باقی چلے آتے تھے۔ جو درج رجسٹر ہوتے اور بچے بچے کی زبان پر رہتے تھے، جو بچہ پیدا ہوتا، وہ ہوش سنبھالتے ہی ''ثار'' انتقام کا لفظ سنتا۔ بچے بچے کی زندگی کا نصب العین ابتدائے زندگی سے ''ثار'' انتقام ہوتا۔[۲۶] وہ جنگ کو اونٹ سے تشبیہ دیتے تھے، جو سب سے زیادہ انتقام کیش جانور ہے اور جب زمین پر اچانک بیٹھتا ہے تو اس کے بھاری بھرکم سینے اور گردن کا بوجھ ہر اس چیز کو چور چور کر دیتا ہے جو اس کے اندر آ جاتی ہے۔ ایک عرب شاعر نے خوب بلاغت سے بھرے ہوئے کلام میں کہا ہے:

انتختم علینا کلکل الحرب مرة   فنحن نیخر ھا علیکم بکلکل

یعنی جس طرح تم نے ہمارے اوپر لڑائی کے اونٹ کو بٹھا کر ہمیں چور چور کر دیا تھا، ہم بھی تمہیں پاش پاش کر دیں گے۔[۲۷] جاہلیت کے عربوں کے جذبہ انتقام کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ عرب جتنے عرصے خوں کے انتقام کے درپے رہتے، اپنے لیے شراب پینا حرام سمجھتے تھے۔[۲۸] جاہلیت کی جنگوں اور خون ریزیوں کو مورخین ''ایام العرب'' سے موسوم کرتے ہیں جن کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز ہے۔ میدانی نیشاپوری المتوفی ۵۱۸ھ نے ''کتاب الامثال'' میں ان میں سے ۱۳۲ جنگوں کے نام گنانے کے بعد لکھا ہے، یہ فن شمار کا استقصاء نہیں کر سکتا۔[۲۹] معروف محقق ''تاریخ الجاہلیۃ'' کے مولف ڈاکٹر عمر فروخ نے عہد جاہلیت کی جنگوں پر نہایت علمی اور تحقیقی بحث کی ہے، چنانچہ موصوف ایک موقع پر لکھتے ہیں: ''اما عدد ایام العرب فعظیم جداً لا یمکن ان یدخل تحت العصر''[۳۰] ''جاہلیت کی جنگیں اتنی زیادہ ہیں کہ جنہیں کسی مخصوص عہد یا زمانے کے ساتھ مخصوص نہیں کیا جا سکتا۔'' اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں: ''ذلک لان حیاۃ العرب الاقتصادیۃ کانت قائمۃ فی الحقیقۃ علی الغذو، و کان ھذا الغدو متصلا''۔[۳۱] اس بناء پر کہ عرب جاہلیت کی اقتصادی زندگی درحقیقت جنگوں کے گرد گھومتی ہے اور یہ جنگیں مسلسل اور پے در پے تھیں۔[۳۲]

عرب محقق جرجی زیدان کے مطابق عہد جاہلیت کی خوں ریز، وحشیانہ اور طویل ترین جنگ کی تاریخ چوتھی صدی عیسوی کے اواسط سے شروع ہوئی ہے اور رسالت مآب ﷺ کی بعثت چھٹی صدی عیسوی کے اوائل تک جاری رہتی ہے۔[۳۳] چنانچہ عہد جاہلیت کی جنگی تاریخ اور اس موضوع سے متعلق تفصیلی اور تحقیقی معلومات ''تاریخ الجاھلیۃ'' ص ۷۷ تا ص ۱۰۶ پر دیکھی جا سکتی ہیں۔ زمانہ جاہلیت کی ان خوں ریزی اور وحشیانہ انسان دشمن جنگوں میں ''حرب بسوس'' اور ''عبس و ذبیان'' کو مرکزی حیثیت حاصل رہی، موخر الذکر جنگ مسلسل چالیس برس تک جاری رہی۔ ایک عرب سردار اس کا نقشہ کھینچتے ہوئے کہتا ہے: دونوں قبیلے مٹ گئے، ماؤں نے اپنی اولاد کھو دیں، بچے یتیم ہو گئے، آنسو خشک نہیں ہوتے، لاشیں دفن نہیں کی جاتیں۔[۳۴] مرنے کے بعد بھی

انتقام کا جوش طرح طرح کی نفرت انگیز صورتوں میں ظاہر ہوتا تھا، مردوں کے ہاتھ، پاؤں، کان، ناک وغیرہ کاٹ لیتے تھے، ہندہ نے جنگ احد میں اسی جذبے کے تحت حضرت حمزہؓ کے اعضا کاٹ کر ہار بنایا اور گلے میں پہنا۔[۳۵] عرب امرؤالقیس نے اپنے والد حجر کے قتل کے انتقام کے جذبے کے تحت قاتلوں کے ناک کان کاٹ ڈالے اور ان کی آنکھوں میں گرم لوہے کی سلائیاں پھروادیں، زرہوں کو آگ میں تپا کر انہیں پہنا دیا۔[۳۶]

مذاہب عالم اور انتہا پسندی

الہامی مذاہب: یہودیت اور انتہا پسندی:

دنیا کی اصلاح کی سب سے زیادہ امید اس قوم سے ہوسکتی ہے، جو حضرت نوح علیہ السلام کے بعد ان کی اولاد میں سب سے پہلے وحی الٰہی کی امانت دار بنی۔ اسی لیے قرآن نے ان سے کہا: ''ولا تکونوا اوّل کافر به''[۳۷] اور سب سے پہلے تم ہی پیغام الٰہی کے منکر نہ بنو۔ مگر یہ قوم سخت جان ہونے کے ساتھ ساتھ سخت دل بھی ثابت ہوئی۔ اس نے مختلف زمانوں میں اپنے پیغمبروں کو جھٹلایا، ان کو تکلیفیں دیں بلکہ ان کو قتل تک کر ڈالا، حضرت موسیٰؑ اور ان کے بعد کوئی پیغمبر ایسا نہ ہوگا، جس نے ان کی سنگ دلی کا ماتم نہ کیا ہو اور ان کی سرکشی پر ان کے حق میں بددعا نہ کی ہو۔ ان کی انتہا پسندی کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے انبیاء کو قتل کرنے سے بھی دریغ نہ کیا۔ قرآن کریم کا بیان ہے:

'' وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ،ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ''[۳۸] اور وہ ناحق پیغمبروں کو قتل کرتے ہیں، اس لیے کہ وہ نافرمان اور حد سے بڑھنے والے ہیں۔ ''سورہ آل عمران'' میں اس سے بھی بڑھ کر ہر حق کے داعی اور خیر کے مبلغ کے قتل کر دینے کا الزام بھی ان پر بجا ہے۔ ''اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْ هُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ''[۳۹] بے شک وہ لوگ جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے اور پیغمبروں کا ناحق قتل کرتے اور ہر اس شخص کی زندگی کے دشمن بن جاتے ہیں جو ان کو انصاف اور نیکی کا حکم دیتے ہیں، تو انہیں دردناک عذاب کی خبر دے دیجیے۔

''سورہ آل عمران'' میں اس سے بھی بڑھ کر ہر حق کے داعی اور خیر کے مبلغ کے قتل کر دینے کا الزام بھی ان پر بجا ہے:
''اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّ يَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْ هُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ''[۳۹] بے شک وہ لوگ جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے اور پیغمبروں کا ناحق قتل کرتے اور ہر اس شخص کی زندگی کے دشمن بن جاتے ہیں، جو ان کو انصاف اور نیکی کا حکم دیتے ہیں، تو انہیں دردناک عذاب کی خبر دیجیے۔

سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران میں یہودیوں کی انتہا پسندی اور ان کے ایک ایک عیب کو کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ ان کی مذہبی انتہا پسندی، سنگ دلی اور تعصب کا سب سے دردناک سانحہ وہ ہے، جو اسلام سے ۵۰، ۶۰ برس پہلے یمن میں پیش آیا کہ یہودیوں نے نجران کے عیسائیوں کو گڑھوں میں آگ جلا کر ان میں جھونک دیا۔ قرآن کریم نے اس مذہبی انتہا پسندی اور ظلم وتشدد

پرمبنی پردرد داستان کو ان لفظوں میں بیان کیا ہے: ''قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ النَّارِ ذَاتِ الْوَ قُوْدِ اِذْهُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ وَّهُمْ عَلٰى مَايَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ''[۴۱] گڑھے والے لوگ مارے گئے، بھڑکتی آگ کے گڑھے جب وہ ظالم ان کے کنارے بیٹھے ایمان والوں کے ساتھ جو کر رہے تھے، اسے دیکھ رہے تھے، ان کا گناہ یہی تھا کہ وہ غالب اور خوبیوں والے خدا پر ایمان رکھتے تھے۔

یہودیوں کی پوری مذہبی تاریخ جبر و تشدد، قتل و غارت گری اور مذہبی انتہا پسندی سے عبارت ہے۔ متعدد انبیائے کرام کو انہوں نے قتل کیا، حضرت عیسیٰؑ اور خود رسول اکرمؐ کے قتل کی کوششوں میں وہ پیہم مصروف رہے۔ ان کی انتہا پسندی اس درجے عروج پر تھی کہ وہ باہم ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے۔ مختلف قبائل اور مختلف فرقوں کے افراد باہم دست و گریبان رہتے۔ بعثت نبویؐ کے وقت ان کی انتہا پسندی اس درجے عروج پر تھی کہ وہ باہم ایک دوسرے کے وجود تک کو برداشت کرنے کو تیار نہ تھے۔ آپس میں قتل و خوں ریزی کا بازار ان میں گرم تھا۔ ایک طاقت ور قبیلہ دوسرے کم زور قبیلے کو قتل اور بے گھر کر دیتا تھا۔[۴۱]

قرآن نے ان کے متعلق اس طرح بیان کیا ہے: ''ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ''[۴۲] پھر تم ہی لوگ آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرتے اور ایک گروہ کو ان کے گھروں سے نکالتے ہو، ان کے برخلاف گناہ اور ظلم سے مدد کرتے ہو۔ ان تمام باتوں کے باوجود انہیں اپنے اوپر اتنا زعم تھا اور مذہبی انتہا پسندی میں وہ اتنا آگے تھے کہ انبیاءؑ کی اولاد ہونے کے ناطے وہ یہ دعویٰ کیا کرتے تھے کہ: ''نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ''[۴۳] ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پسندیدہ ہیں۔ ساتھ ہی انہیں یہ دعویٰ بھی تھا کہ: ''وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً''[۴۴] اور انہوں نے کہا کہ ہمیں دوزخ کی آگ ہرگز نہیں چھوئے گی لیکن چند روز۔ علاوہ ازیں ''تورات'' میں مذہبی انتہا پسندی کے حوالے سے جو تعلیمات ملتی ہیں، وہ درج ذیل ہیں:[۴۵]

☆ جب خداوند تیرا خدا انہیں تیرے قبضے میں کردے، تو وہاں کے ہر ایک مرد کو تلوار کی دھار سے قتل کر...... ان قوموں کے شہروں میں جنہیں خداوند تیرا خدا تیری میراث کر دیتا ہے۔ کسی چیز کو جو سانس لیتی ہو، جیتا نہ چھوڑیو۔[۴۶] ☆ خداوند نے ساؤل کو حکم دیا: سوتو اب جا اور عمالیق کو مار اور جو کچھ ان کا ہے، یک لخت حرم کر (قتل کر) اور ان پر رحم مت کر، بلکہ مرد اور عورت اور ننھے بچے اور شیر خوار، بیل، بھیڑ اور اونٹ اور گدھے تک سب کو قتل کر۔[۴۷] ☆ تورات کے مطابق خدا کی طرف سے حضرت موسیٰؑ کو حکم ملتا ہے: ''جب کہ خداوند تیرا خدا انہیں تیرے حوالے کر دے تو، تو انہیں مار اور حرم کر، نہ تو ان سے کوئی عہد کر اور نہ ان پر رحم کر۔[۴۸]

عیسائیت اور انتہا پسندی:

بعثت نبویؐ کے وقت عیسائی مختلف فرقوں اور گروہوں میں تقسیم تھے، چنانچہ پانچویں صدی عیسوی کے اوائل میں خود عیسائیوں کے دو گروہوں کے درمیان ایک عظیم مذہبی جنگ چھڑی جس میں ۶۵۰۰۰ عیسائیوں کو جلاوطن ہونا پڑا۔ اس جنگ کے علاوہ

ہمہ وقت ہر فریق دوسرے فریق کے خون کا پیاسا رہا کرتا اور بار بار معمولی باتوں پر کشت وخون کی نوبت آجاتی، پادریوں نے اپنے مذہبی منصب کو حصول جاہ کا ایک ذریعہ قرار دے دیا تھا۔ علامہ شبلی نعمانی کے بقول عیسائی پادریوں کے اسقف اعظم سینٹ سرل نے انتہا پسندی کے نتیجے میں جو سفاکیاں کی ہیں، ان کی تفصیل کے لیے پوری ایک کتاب درکار ہے۔ ایک مرتبہ اس نے اپنے مریدوں کو ہمراہ لے کر غیر مسلح یہودیوں پر حملہ کیا اور ان سب کو جلاوطن کر دیا۔ ان کی عبادت گاہیں زمین بوس کر دی گئیں، یہ واقعات ایسے ہیں جن کے ذکر سے آج بھی قلم لرزتا ہے، مگر عیسائی مذہب کے علمبرداروں کے یہ سب سے روشن کارنامے ہیں۔ [۴۹] یہی حالت ان تمام ملکوں کی تھی، جہاں رومیوں کے زیر سایہ عیسوی مذہب پھیلا تھا۔ یعقوبی، نسطوری اور دیگر عیسائی فرقے جو سرکاری عیسوی مذہب سے الگ تھے، وہ دور دراز علاقوں میں پناہ ڈھونڈنے پر مجبور تھے۔ [۵۰]

پانچویں صدی عیسوی میں چرچ کا مشن تھا کہ جہاں جہاں اس کے پاس سیاسی قوت موجود ہے، یعنی مغرب اور مشرق دونوں جگہ وہاں دوسرے مذاہب اور عقائد کا خاتمہ کر دیا جائے۔ ۴۵۳ء میں ایک قانون کے تحت جو لوگ عیسائی نہیں تھے، ان کی اور منحرفین کی جائیدادیں ضبط کر لی گئیں، سزاؤں میں موت کی سزا تجویز ہوئی کہ جس میں انہیں مصلوب کیا جاتا تھا، زندہ جلا دیا جاتا تھا یا جانوروں کے آگے ڈال دیا جاتا تھا۔ [۵۱]

مورخین کا بیان ہے کہ تیسری صدی عیسوی سے ساتویں صدی تک مسیحیت کی جو حالت رہی ہے، وہ اس کے لیے باعث ننگ ہے۔

مستشرق جارج سیل ترجمہ قرآن کے دیباچے میں لکھتے ہیں: ''گرجا کے پادریوں نے مذہب کے ٹکڑے کر ڈالے تھے، امن ومحبت اور نیکی کو مفقود کر دیا تھا...... جسٹینین کے عہد میں انتہا پسندی کا یہ عالم تھا کہ اپنے عقیدے کے مخالفین کو مار ڈالنا کوئی جرم نہیں سمجھا جاتا تھا۔'' [۵۲] قسطنطین اعظم نے جب عیسائیت کو قبول کیا اور مسیحیت ایک مملکت کا مذہب بن گیا تو نتیجہ یہ نکلا کہ مسیحی شمشیر زنوں کے سامنے کوئی اخلاقی حد قائم نہ رہ سکی۔ مسیحیت تلوار کے زور سے پھیلتی گئی انسانی خون سے خدا کی زمین رنگین ہوگئی اور شرانگیزی وفتنہ پردازی، خوں ریزی وغارت گری ہمیشہ کے لیے عیسائیت میں آئین حیات بن گئی۔ ۶۳۰ء میں ہرقل (HERACLIUS) نے عیسائی پادریوں اور مذہبی رہنماؤں کے ایماء پر یہودیوں سے انتقامی جذبے کے تحت بدترین انتقام لیا اور یہودی مفتوحین کا اس طرح قتل عام کیا کہ رومی مملکت میں صرف وہ یہودی بچ سکے جو ملک چھوڑ کر چلے گئے یا کہیں چھپے رہے۔ [۵۳]

جب کہ اس سے قبل ۶۱۰ء میں شہنشاہ فوقا (PHOCAS) نے یہودیوں کی سرکوبی کے لیے انطاکیہ میں مشہور فوجی افسر ابنوسوس (BONOSUS) کو بھیجا، اس نے پوری یہودی آبادی کا اس طرح خاتمہ کیا کہ ہزاروں کو تلوار سے، سیکڑوں کو دریا میں غرق کر کے، آگ میں جلا کر اور درندوں کے سامنے ڈال کر ہلاک کر دیا۔ [۵۴]

غیر الہامی مذاہب: ہندومت اور مذہبی انتہا پسندی:

ہندومت کی مذہبی تعلیمات کی بنیاد ''وید'' اپنے مخالفین اور دیگر مذاہب کے پیروکاروں کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے کی تعلیم دیتی ہیں۔ چنانچہ ہندوؤں کی مقدس کتاب ''یجروید'' کی تعلیم کا خلاصہ سوامی دیانند کے الفاظ میں یہ ہے ☆ دھرم کے مخالفوں کو زندہ آگ میں جلا دو۔[۵۵] ☆ اپنے مخالفوں کو درندوں سے پھڑوا ڈالو۔[۵۶] ☆ جس طرح بلی چوہے کو تڑپا کر مارتی ہے، اس طرح ان کو تڑپا کر مارو۔ ان کی گردنیں کاٹ دو۔ مخالفوں کا جوڑ جوڑ اور بند بند کاٹ دیا جائے۔[۵۷]

ہندومت دیگر مذاہب سے کس قسم کا رویہ اپنانے کی تعلیم دیتا ہے اور ان کے دھرم میں دیگر مذاہب کے حوالے سے مذہبی انتہا پسندی کا کیا نظریہ ہے، ملاحظہ کیجیے! ☆ اے اندر دیوتا تو غیر وید کے دھرموں کو کب یوں کچل کر تباہ کرے گا، جیسے چھتری دار پھول کو پاؤں سے کچل کر تباہ کر دیا جاتا ہے، اے اندر تو کب ہماری دعاؤں کو سنے گا۔[۵۸]

یہ رویہ تو ہندومت کا اپنے دھرم کے مخالفین، دیگر مذاہب کے پیروکاروں کے لیے ہے، جس میں مذہبی انتہا پسندی، ظلم، تشدد اور عدم برداشت انتہا پر ہے، تاہم ہندومت کا اپنے پیروکاروں اور دیگر نچلی ذات کے پیروؤں کے متعلق کیا نظریہ ہے، ملاحظہ فرمائیے! منوشاستر ہندوؤں کی مذہبی اور قانونی دستاویز ہے، جسے درجہ استناد حاصل ہے، اس میں تحریر ہے: ''قادر مطلق نے دنیا کی بہبود کے لیے برہمن کو اپنے منہ سے، چھتری کو اپنے بازوؤں سے، ویش کو اپنی رانوں سے اور شودر کو اپنے پیروں سے پیدا کیا ہے۔[۵۹]

چنانچہ طے پایا کہ اگر کوئی شودر ''وید'' پڑھے تو اس کی زبان کاٹ ڈالی جائے گی، اگر وہ منتروں کو سن لے تو اس کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈالا جائے، اگر کوئی شودر منتروں کو زبانی یاد کر لے تو اسے مار مار کر اس کے ٹکڑے کر دیئے جائیں۔[۶۰]

بدھ مت اور انتہا پسندی:

بدھ مت کا بنیادی فلسفہ یہ ہے کہ رہبانیت، تجرد، نفس کشی اور ترک دنیا کو اختیار کیا جائے۔ وہ زندگی کے محض تاریک پہلو ہی پر اپنی نظر مرکوز رکھتے ہیں۔ بدھ مت کے بانی گوتم بدھ نے اپنے پیروکاروں کو یہ فلسفہ حیات دیا کہ زندگی مصیبت ہے اور خواہش اس مصیبت کا سبب ہے۔ لہٰذا ''یزدان'' یا نجات کا راز فنا، ترک دنیا اور رہبانیت میں مضمر ہے۔ جس کے لیے خواہش احساس اور شعور کو پوری طرح مٹا دینا ضروری ہے۔[۶۱] یہ مذہبی انتہا پسندی ہے، اس تعلیم سے واضح ہے کہ بدھ زندگی کے مسائل کا مردانہ وار مقابلہ نہیں کرنا چاہتے، کشمکش اور انقلاب سے نہیں گزرنا چاہتے، انسانی زندگی کے لیے کوئی اعلیٰ نصب العین مقرر کر کے اس کی خاطر کاوش اور جدوجہد کو اپنا شعار نہیں بنانا چاہتے۔[۶۲] بدھ مت میں غلو اور انتہا پسندی ہے جو رہبانیت اور تجرد کی تعلیم دیتی ہے اور یہ عمل درحقیقت فطرت کی تعلیمات سے انحراف اور اعلان بغاوت ہے۔ لہٰذا جو مذہب ان جذبات کو فنا کرنے کی تعلیم دے، وہ فطری مذہب نہیں ہوسکتا جبکہ اسلام دین فطرت ہے جو انسانی جذبات کو قدر و منزلت سے دیکھتا ہے اور درحقیقت یہی اعتدال اور میانہ روی ہے۔

زرتشت مذہب اور انتہا پسندی:

تاریخی روایات کے مطابق زرتشتی مذہب کے بانی زرتشت نے جوانی کی عمر میں قدم رکھتے ہی اپنے آپ کو خدمت خلق کے لیے وقف کر دیا تھا۔ مصیبت زدہ اور مفلوک الحال طبقے کی خدمت ہی ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ وہ زندگی بھر امن اور انسان دوستی کی تعلیم دیتے رہے، تاہم بعد ازاں ان کے پیروکاروں نے جن کی اکثریت ایران (فارس) میں مقیم تھی، مذہبی انتہا پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے زیر قبضہ عیسائیوں پر بدترین مظالم ڈھائے۔ تاریخی روایات کے مطابق خسرو پرویز نے اپنی پے در پے فتوحات کے باعث مغرور ہو کر عیسائیت کے خلاف مقدس جنگ کا اعلان کیا۔ چھبیس ہزار یہودی اس کی فوج میں شامل ہو گئے، ۶۱۴ء میں ایران اور یہودیوں کے متحدہ لشکر نے یروشلم پر حملہ کر دیا اور نوے ہزار عیسائیوں کو تہ تیغ کر دیا۔ پورے شہر کو بڑی بے دردی سے لوٹا، یروشلم کے بہت سے کلیسا جن میں "کلیسۃ القیامہ" بھی شامل تھا، ان کو جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا گیا اور وہ اصل صلیب جو عیسائی دنیا کی مقدس ترین ہے، ایرانی اسے بھی اٹھا کر اپنے ساتھ لے گئے۔[۶۳] بعد ازاں زرتشت کے پیروکاروں کی جانب سے تاریخ کے مختلف ادوار میں عیسائیوں کو بے دریغ قتل کیا جاتا رہا۔ ان کے کلیساؤں کو تباہ و برباد کیا جاتا رہا۔ راہب مردوں اور راہبہ عورتوں کو خصوصیت کے ساتھ اذیت ناک سزائیں دی جاتیں۔[۶۴] جو لوگ عیسائیت قبول کرتے، ان پر ظلم و ستم کی انتہا کر دی جاتی اور انہیں ایسی سنگین نوعیت کی سزائیں دی جاتیں، جن کے ذکر سے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، کبھی کانوں اور آنکھوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈال دیا جاتا تھا اور کبھی زبان کھینچ کر نکال لی جاتی تھی، انتہا پسندی کا یہ عالم تھا کہ ان بدنصیبوں کے ایک ایک عضو کو کاٹا جاتا تھا، بعض اوقات پیشانی سے ٹھوڑی تک چہرے کی کھال اتار لی جاتی تھی۔ ان کی آنکھوں اور باقی جسم میں سلاخیں چبھوئی جاتی تھیں۔ سب سے زیادہ دہشت ناک سزا یہ تھی کہ جلاد سب سے پہلے ہاتھوں کی انگلیاں کاٹتا، اس کے بعد پاؤں کی، پھر کلائیوں تک ہاتھ کاٹ ڈالتا اور ٹخنوں تک پاؤں۔ اس کے بعد پھر کہنیوں تک بانہیں کاٹتا تھا اور گھٹنوں تک پنڈلیاں، پھر ناک اور کان کاٹتا اور سب سے آخر میں سر۔[۶۵]

مذہبی انتہا پسندی کا خاتمہ اور تعلیمات نبویؐ:

"مذہبی انتہا پسندی" ایک ایسی اصطلاح ہے جس کی اسلام میں قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ یہ دین کی حقیقی تعلیمات، اسلام کے پیغام امن و سلامتی اور پیغمبر رحمت، محسن انسانیتؐ کے اسوۂ حسنہ اور سیرت طیبہ کے منافی عمل ہے۔ "انتہا پسندی" کو قرآن نے "غلو فی الدین" سے تعبیر کیا ہے۔[۶۶] چنانچہ قرآن کریم نے اہل کتاب کی مذہبی انتہا پسندی، مبالغہ آمیزی اور شدت پسندی کو غلو فی الدین اور ناپسندیدگی سے دیکھتے ہوئے واضح طور پر ارشاد فرمایا: "يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ"[۶۷] (ترجمہ) اے اہل کتاب! غلو نہ کرو دین میں اور نہ کہو اللہ کے بارے میں حق کے سوا۔ جبکہ "سورہ المائدہ" میں فرمایا گیا: "قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ۔"[۶۸] (ترجمہ) کہہ دیں اے اہل کتاب! اپنے دین میں ناحق مبالغہ نہ کرو اور ان لوگوں کی

خواہشات کی پیروی نہ کرو جو اس سے قبل گمراہ ہو چکے ہیں اور انہوں نے بہت سوں کو گمراہ کیا اور وہ خود بھی بہک گئے۔

یہودیوں نے مذہبی معاملات میں انتہا پسندی کا جو رویہ اپنایا، قرآن کریم کی ''سورۃ البقرہ'' میں اس کی تفصیلات موجود ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم نے ''وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ''[۶۹] کہہ کر ان کے انتہا پسندانہ رویے کی وضاحت فرمائی، جب کہ عیسائیوں نے مذہبی انتہا پسندی اور غلو کا جس طرح مظاہرہ کیا، وہ بھی کسی پر مخفی نہیں۔ اسلام زندگی کے ہر شعبے اور بندگی کے ہر گوشے میں اعتدال پسندی اور میانہ روی کی تعلیم دیتا ہے۔ قرآن وسنت میں اس حوالے سے واضح ارشادات موجود ہیں۔ نماز کو اسلام کا بنیادی ستون، مومن کی معراج، رسول اکرمؐ کی آنکھوں کی ٹھنڈک قرار دیا گیا ہے۔ تاہم اس میں بھی اعتدال کا حکم دیا گیا۔ ارشاد ربانی ہے ''وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا''[۷۰] قرآن کریم میں حضرت لقمانؑ کی اپنے بیٹے کے نام کئی نصیحتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں میانہ روی، اعتدال اور توازن کی تعلیم دی گئی ہے ارشاد ربانی ہے ''وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ''[۷۱] ترجمہ: اور میانہ روی کر اپنی رفتار میں اور پست کر اپنی آواز کو۔ مذہبی انتہا پسندی درحقیقت اسلامی تعلیمات کے منافی اور دین کی حقیقی روح کے یکسر خلاف ہے۔ قرآن کریم نے دین و مذہب کا جو تصور عطا کیا ہے، وہ اعتدال پر مبنی ہے، مذہبی انتہا پسندی کے مقابلے میں اعتدال پسندی مستحسن عمل اور دین کی روح ہے۔ اس حوالے سے قرآن نے امت مسلمہ کو ابلاغ اور تبلیغ دین کے ساتھ اعتدال پسندی اور غیر جانبداری کا اصول عطا کیا ہے۔ قرآن کی ہدایت ہے: ''عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ''[۷۲] اپنی فکر کرو، جب تم سیدھی راہ پر چل رہے ہو تو جو شخص گمراہ ہے، اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں۔

فرد کی اس ذمے دارانہ حیثیت کو مختلف پیرایوں میں اس طرح بیان کیا گیا: ''وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى''[۷۳] اور جو کوئی برا عمل کرتا ہے تو اس کا نقصان اس کے ذمے ہے اور کوئی شخص کسی کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

پیغمبر آخر و اعظم، ہادی عالم، حضرت محمد ﷺ نے انسانی حقوق و فرائض کے ابدی اور عالمی منشور ''خطبہ حجۃ الوداع'' ذی الحجہ ۱۰ھ بروز جمعہ، ۶ مارچ ۶۳۲ء کے تاریخ ساز موقع پر جو کہ درحقیقت تکمیل دین اور ادائیگی فریضہ رسالت و نبوت کا اہم موقع تھا، ارشاد فرمایا: ''اور سنو، غلو (انتہا پسندی) سے بچنا، کیونکہ دین میں غلو کرنے والے تم سے پہلے بھی ہلاک کر دیے گئے''۔[۷۴] یہ تاریخ ساز خطبہ اللہ کے رسولؐ کا انسانیت کے نام آخری پیغام اور وصیت کی حیثیت رکھتا ہے، اس تاریخی خطبے کے پیش نظر آپؐ نے بار بار فرمایا: ''الاھل بلغت''۔[۷۵] سنو، میں نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا۔ مزید تاکید کے طور پر ارشاد فرمایا: ''فلیبلغ الشاھد الغائب''۔[۷۶] جو اس وقت موجود ہے، وہ میرا پیغام ان تک پہنچا دے جو موجود نہیں ہے۔

رسول اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے: ☆''عن ابن عبّاسؓ قال: قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وایّاکم والغلوّ فی الدّین، فانّما اھلک من کان قبلکم لغولفی الدّین''[۷۷] حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا: اور خبردار، دیکھو دین میں غلو (انتہا پسندی) سے بچنا، کیونکہ بے شک، تم

سے پہلے لوگ دین میں غلو کے سبب (انتہا پسندانہ رویے کی بناء پر) ہلاک کر دیے گئے۔ ایک موقع پر رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: ☆ ’’عن ابی ہریرةؓ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: انّ الدّین یسر، ولن یشاد الدّین احد الّا غلبہ، فسددوا وقار بوا وبشّروا‘‘۴۸☆ عن ابی ثعلبة الخشنیؓ انّہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ’’انّ اللّٰہ فرض فرائض فلا تضیّعو ھا، وحدّ حدود افلا تعتدوھا، حرم اشیاء فلا تقربوھا، وترک اشیاء من غیر نسیان فلا تبحثوا عنھا‘‘۴۹ حضرت ابی ثعلبہ الخشنیؓ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے فرائض تم پر فرض کیے ہیں، تو خبردار، تم انہیں ضائع نہ کرنا اور اپنی حدود کی حد بندی کر دی ہے، تو تم ان سے تجاوز نہ کرنا اور کچھ چیزوں کو حرام کر دیا ہے، تو تم ان کے قریب بھی مت جانا اور کچھ چیزیں دانستہ (بغیر بھول کے) چھوڑ دی ہیں، تو تم ان میں نہ الجھنا، (ان سے متعلق بحث نہ کرنا)۔

☆ رسول اکرم ﷺ نے دین میں شدت پسندی اور انتہا پسند رویے سے گریز کے متعلق یہاں تک ارشاد فرمایا: ’’عن ابن مسعودؓ :قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: ھلک المتنطّعون، قالھا ثلاثاً‘‘۔۵۰

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: دین میں غلو اختیار کرنے والے، حدود سے تجاوز کرنے والے، انتہا پسندی اختیار کرنے والے ہلاک ہوگئے۔‘‘ یہ آپؐ نے تین مرتبہ ارشاد فرمایا۔ علاوہ ازیں دین میں غلو، شدت پسندی، بے اعتدالی اور انتہا پسندی کے متعلق درج ذیل ارشادات بھی مروی ہیں، جن میں آپؐ نے صراحت سے انتہا پسندانہ رویے کی مذمت فرماتے ہوئے اسے دین کے منافی اور غلو قرار دیا۔ چنانچہ متعدد مواقع پر آپؐ نے ارشاد فرمایا: ☆ عن معقل بن یسار رضی اللّٰہ عنہ، انہ قال، قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: صنفان من امّتی لا تنالھما شفاعتی، سلطان ظلوم غشوم و غال فی الدّین، یشھد علیھم ویتبرّا منھم‘‘۔۵۱ عن ابی ہریرةؓ و عبداللّٰہ بن عمر رضی اللّٰہ عنھما، قالا، قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم، یحمل ھذا العلم من کلّ خلف عدولہ ینفون عنہ تحریف الغالین و انتحال المبطلین، وتاویل الجاھلین‘‘ ۵۲☆ عن ابی ہریرة رضی اللّٰہ عنہ، عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال: ان الدّین یسر، ولن یشادّ الدّین احد الّا غلبہ، فسددوا وقار بوا وابشروا، واستعینوا بالغدوة والروحة وشیئی من الدّلجة‘‘۔ ۵۳

صبر و برداشت اور تحمل و رواداری کی اہمیت:

صبر و برداشت اور تحمل و رواداری اسوۂ نبویؐ کا خصوصی امتیاز ہے، عفو و درگزر اور صبر و برداشت کے مثالی پیکر، پیغمبر رحمت ﷺ کے متعلق قرآن کریم نے شہادت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ’’فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا انْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ‘‘۵۴ تو اللہ کی رحمت کے سبب تم ان کے لیے نرم دل ہوئے اور اگر تم مزاج کے اکھڑ اور دل کے سخت ہوتے تو یہ لوگ تمہارے پاس سے تتر بتر ہوگئے ہوتے۔ ۵۵

چنانچہ رحمت عالم، حضرت محمد ﷺ کی سیرت طیبہ میں رافت و رحمت، صبر و برداشت اور تحمل و رواداری کا وصف سب سے نمایاں طور پر ودیعت کیا گیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اسے خاص اپنی رحمت کا نتیجہ قرار دیا۔ علاوہ ازیں قرآن کریم میں متعدد مقامات پر خود رسول اکرمؐ جو پیکر عفوودرگزر اور صبر و برداشت کا عملی نمونہ تھے، آپ کو صبر و برداشت کا حکم ہوا۔ [۸۶]

حضرت عبداللہ بن العاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرمؐ کے متعلق دربار خداوندی سے ارشاد فرمایا گیا: ''انت عبدی ورسولی، سمّیتک المتوکّل، لیس بفظّ ولا غلیظ ولا سخاب الاسواق، ولا یدمغ السّیئة بالسینة ولکن یعفوا ویصفح،ولن یقبضه اللّٰه حتیٰ یقیم به الملّة العو جاء بان یقول لااله الّا اللّٰه فیفتح بها اعینا واذنا صمّا و قلوبا غلفا''[۸۷] تو میرا بندہ اور میرا رسول ہے، میں نے تیرا نام متوکل رکھا ہے، رسول اللہؐ نہ سخت کلام ہیں، نہ سخت طبیعت، نہ بازار میں شور کرنے والے ہیں اور نہ برائی کا بدلہ برائی سے دینے والے ہیں، وہ معاف کرتے اور درگزر کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز اس دنیا سے نہیں اٹھائے گا، جب تک کہ وہ ٹیڑھی قوم کو سیدھا نہیں کردے گا کہ وہ دل سے ''لا الہ الا اللہ'' کہنے لگیں، تا کہ ان کی بند آنکھیں، بہرے کان، اور پردہ پڑے ہوئے دل کھل جائیں۔

مشرکین مکہ، منافقین اور یہود مدینہ نے آپ کو جتنا کچھ ستایا اور تکالیف پہنچائیں، ان کا اندازہ آپؐ کے حسب ذیل بیان سے کیا جاسکتا ہے: ''لقد اوذیت فی اللّٰه وما یوذی احد''[۸۸] مجھے اللہ کے راستے میں ایسا ستایا گیا ہے کہ (انبیاء میں) کوئی نہیں ستایا گیا۔

ہند بن ابی ہالہؓ جو پیغمبر رحمتؐ کے آغوش پروردہ تھے، اپنی معرفت اور طویل مشاہدے کی بنیاد پر آپؐ کی شخصیت کا تعارف ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں: ''آپؐ نرم خو تھے، سخت مزاج نہ تھے...... ذاتی معاملات میں آپ کو نہ کبھی غصہ آیا اور نہ آپؐ نے کسی سے انتقام لیا۔''[۸۹] رسول اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے: ''من کظم غیظا وهو یستیطع ان ینفذه دعاه اللّٰه یوم القیامة علی رئوس الخلائق حتیٰ یخیره فی ای الحور شاء''[۹۰] جو شخص قدرت کے باوجود غصے کو ضبط کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمام لوگوں کے سامنے بلاکر اسے انعام سے نوازے گا۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے رحمت عالم، محسن انسانیت ﷺ کے صبر و برداشت، حلم و بردباری اور تحمل و رواداری کے متعلق کیا خوب لکھا ہے: ''مظلومی میں صبر، مقابلے میں عزم، معاملے میں راست بازی اور طاقت واختیاری میں عفوودرگزر، برداشت و رواداری، تاریخ انسانیت کے وہ نوادر ہیں جو کسی ایک زندگی کے اندر اس طرح کبھی جمع نہیں ہوئے۔ [۹۱]

حقیقت یہ ہے کہ دور حاضر میں انتہا پسندی کے رجحان کے خاتمے کے لیے اسوہ نبویؐ کے اس پہلو پر عمل ہی درحقیقت امن وسلامتی، فرقہ واریت کے خاتمے اور پرامن معاشرے کے قیام کی یقینی ضمانت ہے۔

انتہا پسندی، جبر وتشدد اور عدم برداشت کی ممانعت:

انتہا پسندی خواہ کسی بھی معاملے میں ہو، قرآن وسنت میں اس کی ممانعت ہے، غلو، شدت اور انتہا پسندی وہ عوامل ہیں

جو انتہا پسندانہ رویے کی طرف لے جاتے ہیں، اسلام اسے دین کے خلاف اور اسلامی تعلیمات کے منافی عمل قرار دیتا ہے۔
اعتدال اور میانہ روی ہی درحقیقت وہ راستہ ہے جس کی قرآن وسنت نے نشان دہی کی ہے۔ اسلام نے عبادات، معاملات، اخلاقیات غرض زندگی کے ہر شعبے اور بندگی کے ہر گوشے میں اعتدال اور میانہ روی کی راہ کو اخلاقی اصول کے طور پر متعارف کرایا اور انسانوں کو انتہا پسندانہ رویوں اور ایک رخ رجحانات سے نجات دلائی۔ اعتدال اور میانہ روی کا اصول اخلاقی زندگی کی روح اور انسان کو صراط مستقیم پر قائم رکھنے کا ذریعہ ہے۔ یہ اسلام کا اعجاز ہے کہ اس نے اعتدال اور میانہ روی کی ایسی راہ دکھائی اور وہ تعلیم دی جس سے افراط وتفریط کی گنجائش ہی باقی نہ رہی۔ اعتدال اور میانہ روی ہی دین و دنیا دونوں کی کامیابی کی ضمانت ہے، مذہبی انتہا پسندی کو قرآن ''غلو فی الدین'' اور دینی مزاج کے خلاف قرار دیتا ہے۔[۹۲]

رسول اکرم ﷺ نے تکمیل دین کے آخری مرحلے خطبہ حجتہ الوداع کے تاریخی موقع پر ارشاد فرمایا: اور سنو غلو (انتہا پسندی) سے بچنا، کیونکہ دین میں غلو (انتہا پسندی اختیار کرنے والے) کرنے والے تم سے پہلے بھی ہلاک کردیے گیے۔[۹۳]
رسول اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے: ''عن ابن عباس قال، قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم : وایاکم والغلو فی الدین، فانما اھلک من کان قبلکم لغلو فی الدین''۔[۹۴] حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: اور خبردار، دیکھو، دین میں غلو (انتہا پسندی) سے بچنا، کیونکہ بے شک، تم سے پہلے لوگ دین غلو (انتہا پسندانہ رویے) کی بناء پر ہلاک کردیے گئے۔ متعدد احادیث میں آسانی اختیار کرنے، تنگی اور کجی کی راہ اختیار نہ کرنے، بشارت سنانے اور منافرت کا پیغام عام نہ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

دوسری طرف یہ حقیقت بھی مخفی نہ رہے کہ اسلام ایک استدلالی اور عقلی مذہب ہے، اس کے تبلیغ و دعوت کے اصول، حکمت و دانش مندی، اعتدال اور میانہ روی اور وعظ ونصیحت پر مبنی ہیں۔ اسلام نے یہ تعلیم بھی دی کہ مذہب رضا، خوش دلی اور خود اختیاری جذبے کا نام ہے۔ اس کا تعلق کلب و روح سے ہے اور قلب و روح کو بزور شمشیر تسخیر نہیں کیا جاسکتا۔ ایمان دراصل یقین کا دوسرا نام ہے، دنیا کی زبردست سے زبردست طاقت جبراً کسی کمزور سے کمزور انسان کے دل میں بھی یقین کا ایک ذرہ نہیں پیدا کرسکتی۔ قرآن کا ابدی اصول ہے: ''لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ''۔[۹۵] دین میں کوئی زبردستی نہیں، حقیقت گمراہی سے الگ ہوچکی ہے۔

اسلام مذہب کے معاملے میں یہ اصول واضح کرتا ہے کہ لوگوں کو مذہب کے معاملے میں پوری آزادی حاصل ہو۔ عقل و بصیرت والے چشمہ نور سے فیض یاب ہوں اور نافہم، کج رو محروم رہیں۔ اس حوالے سے ارشاد ربانی ہے: ''وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ''[۹۶] اور اگر تیرا پروردگار چاہتا کہ (لوگوں کو زبردستی مومن بنادے) تو زمین کے تمام لوگ ایمان لے آتے۔ تو کیا پیغمبر! آپ لوگوں کو مجبور کریں گے کہ وہ ایمان لے آئیں۔

اس طرح قرآن وسنت میں انتہا پسندی، غیر مسلموں کے مذہبی معاملات میں مداخلت، جبر وتشدد کے ذریعے اسلام کا پیغام عام کرنے، انتہا پسندی اختیار کرنے اور عدم برداشت کے ہر رویے کی شدید مذمت کرتے ہوئے اسے اسلامی تعلیمات کے

منافی قرار دیا گیا ہے۔

بدامنی، دہشت گردی اور قتل و غارت گری کی ممانعت:

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اسلام سلامتی اور ایمان امن سے عبارت ہے، اس کی تعلیمات امن و سلامتی، پرامن بقائے باہم اور انسان دوستی کی یقینی ضمانت ہیں۔ اسلام امن و سلامتی کا سب سے بڑا علمبردار ہے، وہ معاشرے میں بدامنی، دہشت گردی اور قتل و غارت گری کا شدید مخالف ہے۔ اس نے قیامت تک انسانیت کو ایک اصول عطا کیا، جو اس کی امن پسندی کا یقینی ثبوت ہے۔ ''عن عبداللّٰہ بن عمرؓ ان رسول اللّٰہ قال: من حمل علینا السلاح فلیس منّا''[۹۷] حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: جس نے ہم پر (اہل ایمان پر) اسلحہ اٹھایا، وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

اسلام نے بلاتفریق مذہب و ملت ایک بے گناہ انسان کے قتل کو پوری انسانیت کے قتل کے مترادف قرار دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ''مِنْ اَجْلِ ذٰلِکَ کَتَبْنَا عَلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِ یْلَ اَنَّہٗ مَنْ قَتَلَ نَفْساً بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْفَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَکَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا''[۹۸] اور اسی بناء پر ہم نے بنی اسرائیل پر یہ حکم نازل کیا کہ جو شخص کسی کو (ناحق) قتل کرے گا، (یعنی) بغیر اس کے کہ جان کا بدلہ لیا جائے، یا ملک میں فساد پھیلانے کی سزا دی جائے، اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کیا۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''عن انس بن مالکؓ قال، قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: ''اکبر الکبائر الاشراک باللّٰہ وقتل النفس و عقوق الوالدین وقول الزّور''۔[۹۹]

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا: بڑے گناہوں میں سے سب سے بڑا گناہ اللہ کے ساتھ (غیراللہ کو) شریک کرنا ہے پھر (بے گناہ) انسان کا قتل، پھر والدین کی نافرمانی، پھر جھوٹ بولنا۔

اسلام بدامنی، دہشت گردی اور قتل و غارت گری کے ذریعے انتہا پسندانہ رویے کا ارتکاب کرنے والوں اور فساد فی الارض کے مرتکب انسانیت اور مذہب دشمن افراد کے لیے شدید ترین سزائیں تجویز کرتا ہے، ارشاد ربانی ہے: ''اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ ...... عَذَابٌ عَظِیْمٌ۔[۱۰۰] جو لوگ خدا اور رسولؐ سے لڑائی کریں اور ملک میں فساد کرنے کو دوڑتے پھریں، ان کی یہی سزا ہے کہ قتل کر دیے جائیں، یا سولی چڑھا دیے جائیں، یا ان کے ایک ایک طرف کے ہاتھ اور ایک ایک طرف کے پاؤں کاٹ دیے جائیں، یا ملک سے نکال دیے جائیں، یہ تو دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

فرقہ واریت اور تکفیر کا خاتمہ:

مذہبی انتہا پسندی کا لازمی نتیجہ اور بدترین شکل فرقہ واریت اور تکفیر کی مہم ہے، جس نے اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنے اور اسلام اور مسلمانوں کو انتہا پسند طبقے کے طور پر متعارف کرانے میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ رسول اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے: ''عن انسؓ انہ قال، قال رسول اللّٰہ من صلّٰی صلوتنا واستقبل قبلتنا و اکل ذبیحتنا فذلک المسلم الذی لہ ذمۃ اللّٰہ ورسولہ، فلا تخفروا اللّٰہ فی ذمتہ''[۱۰۱] حضرت انسؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اکرمؐ نے

ارشاد فرمایا: جس نے ہماری نماز پڑھی اور ہمارے قبلے کی طرف رخ کیا اور ہمارا ذبیحہ کھایا تو یہ وہ مسلمان ہے جس کے لیے اللہ اور اس کے رسولؐ کا ذمہ ہے، تو تم اللہ کے ذمے میں خیانت نہ کرو۔

ایک خدا، ایک رسولؐ اور ایک کتاب کے ماننے والے اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اس درجہ مذہبی انتہا پسندی کا شکار ہوئے کہ ایک دوسرے کو کافر کہنے اور ایک دوسرے کے قتل کے درپے ہوئے، نتیجے کے طور پر فرقہ واریت، شدت پسندی اور انتہا پسندی کے باعث ہزاروں بے گناہ افراد قتل ہوئے۔ مساجد اور عبادت گاہیں تک محفوظ نہ رہ سکیں۔ معاشرے کے اہم افراد، علمائے کرام، مذہبی اسکالرز، انجینئرز، ڈاکٹرز، وکلاء، ماہرین قانون اور زندگی کے دیگر اہم شعبوں سے وابستہ افراد فرقہ واریت اور مذہبی انتہا پسندی کی بھینٹ چڑھ گئے، انتہا پسندی اور فرقہ واریت کے نتیجے میں قتل ہونے والے بے گناہ افراد کے اعداد وشمار کا اندازہ لگانا آسان نہیں تو مشکل ضرور ہے۔[۱۰۲]

افسوس ناک امر یہ ہے کہ یہ سب کچھ ایک ایسی مملکت میں ہو رہا ہے، جس کا نظریہ اور بنیاد ہی ''لا الہ'' پر ہے، ایسے افراد کر رہے ہیں جن کے ہادی و پیغمبرؐ نے یہ تعلیم دی کہ ''**سباب المسلم فسوق و قتاله کفر**'' مسلمان کو گالی دینا بدترین گناہ اور اس کا قتل (اسے قتل کرنا) کفر ہے۔

رسول اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے: ''**عن انس**ؓ **قال، قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ثلاث من اصل الایمان الکف عن من قال "لااله الا اللّٰه لا تکفره بذنب ولا تخرجه من الاسلام بعمل**''۔[۱۰۳] حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں اصل ایمان ہیں، ایک یہ کہ جو شخص ''لا اله الا اللّٰه'' کہتا ہو۔ نہ کسی گناہ کی وجہ سے اس کی تکفیر کی جائے، اور نہ کسی (برے) عمل کی وجہ سے اسے دائرہ اسلام سے خارج کیا جائے۔ چنانچہ اس بنیاد پر فقہ اسلامی کا یہ اصول ہے کہ ''**ایما رجل قال لاخیه یا کافر، فقدباء بها احدهما**''۔[۱۰۴] جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کو کافر کہے، یہ قول دونوں میں سے کسی ایک پر ضرور لوٹے گا۔

یہ فقہی اصول اور قاعدہ ہے کہ ''**لا یرمی رجل رجلا بالفسوق ولا یرمیه بالکفر الا ارتدت علیه ان لم یکن صاحبه کذلک**''۔[۱۰۵]

جب بھی ایک شخص دوسرے پر فسق یا کفر کی تہمت لگاتا ہے تو وہ تہمت اس پر لوٹ آئے گی، اگر وہ شخص جس پر تہمت لگائی گئی تھی، درحقیقت کافر یا فاسق نہ ہو۔ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ مذہبی انتہا پسندی کے خاتمے کے لیے ان تعلیمات کو عام کیا جائے۔ اقبال نے کیا خوب کہا ہے!

منفعت ایک ہے اس قوم کی، نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبیؐ، دین بھی، ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلماں بھی ایک

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں[۷۶]

اتحاد و یگانگت اور وحدت امت کا تور:

اسلام نے تمام امت مسلمہ کو جسد واحد اور ایک برادری قرار دیا ہے۔ اخوت و اجتماعیت کا یہ رنگ اسلامی عبادات کا مظہر ہے، خصوصاً حج کے موقع پر بلا تفریق رنگ و نسل امت مسلمہ کا ہر فرد مساوات کا عملی مظاہرہ کرتا نظر آتا ہے۔ نماز بھی مسلمانوں کی اخوت و اجتماعیت کا مظہر ہے، قرآن کریم نے تمام اہل ایمان کو بھائی بھائی قرار دیا ہے، اس کی وحدت، یگانگت اور اخوت و اجتماعیت کا اظہار کیا ہے، ارشاد ربانی ہے: ☆''اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ وَاتَّقُو اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ''[۷۷] بلاشبہ، مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں، تو اپنے بھائیوں میں صلح کرا دیا کرو، اور خدا سے ڈرتے رہو، تا کہ تم پر رحمت کی جائے۔

سورۂ آل عمران میں ارشاد فرمایا گیا: ''وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ...... لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ''[۷۸] اور سب مل کر اللہ کی (ہدایت کی) رسی کو مضبوط پکڑے رہنا اور باہم تفرقہ نہ ڈالنا (متفرق نہ ہونا) اور اللہ کی اس مہربانی کو یاد کرو، جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی بن گئے ادہر تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے، تو اللہ نے تمہیں اس سے بچالیا، اس طرح خدا تمہیں اپنی آیتیں کھول کھول کر سناتا ہے، تا کہ تم ہدایت پاؤ۔

رسول اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے: ''**عن النعمان بشیرؓ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم، مثل المومنین فی تراحمھم و توادھم و تعاطفھم کمثل الجسد اذا شتکی عضو تداعی لہ سائر الجسد بالسھر والحمی**''۔[۷۹] حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا، تو ایمان داروں کو باہمی رحمت و محبت اور مہربانی میں ایک جسم کی مانند دیکھے گا، جب کسی ایک عضو کو تکلیف پہنچتی ہے (تو اس کے سبب) تمام بدن کے اعضاء بیماری اور تپ کو بلاتے ہیں۔

رسول اکرمؐ نے مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد جو اہم اقدام فرمایا، وہ انصار و مہاجرینؓ کے درمیان رشتہ اخوت کا قیام تھا۔ خود دربار نبویؐ مختلف نسلی، نسبی و ملکی پھولوں کا گلدستہ تھا، اس میں عداس نینوائیؓ، صہیب رومیؓ، ذوالکلاع حمیریؓ، ابوسفیان امویؓ، کرز فہریؓ، بلال حبشیؓ، ضماد ازدیؓ، عدی طائیؓ، ابوذر غفاریؓ، ابو حارث مصطلقیؓ، سلمان فارسیؓ، طفیل دوسیؓ، ثمامہ نجدیؓ، ابو عامر اشعریؓ، سراقہ مدلجیؓ پہلو بہ پہلو بیٹھے نظر آتے تھے اور ہر فرد اپنے ملک اور قوم کی نمائندگی کرتا تھا۔[۸۰]

عہد حاضر میں پوری مسلم امہ کے لیے بالعموم اور اسلامیان جمہوریہ پاکستان کے لیے بالخصوص یہی درسِ اتحاد و یگانگت اور جذبہ اخوت و اجتماعیت کامیابی کی ضمانت اور فلاح کی نوید ہے۔ علامہ اقبال کیا خوب کہتے ہیں:

یہی مقصود فطرت ہے، یہی رمزِ مسلمانی
اخوت کی جہاں گیری محبت کی فراوانی
بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر تو ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی، نہ افغانی [۱۱]

آج ملک سے مذہبی انتہا پسندی کے خاتمے، فرقہ واریت سے نجات، دینی اور ملی یگانگت کے لیے ضروری ہے کہ اسلام کے اخوت و مساوات اور اتحاد و یگانگت کے پیغام کو عام کیا جائے۔

فرقہ وارانہ ہم آہنگی کا فروغ، اعتدال پسندی اور میانہ روی:

اسلامی معاشرے میں امن کے قیام، مملکت کے استحکام اور پرامن بقائے باہم کے لیے ضروری ہے کہ تحمل و برداشت، عفو و درگزر، حلم و بردباری اور رواداری کو فروغ دیا جائے، یہی وہ تعلیمات ہیں جن پر عمل کر کے ہم فرقہ واریت سے نجات اور مذہبی انتہا پسندی کا خاتمہ کر سکتے ہیں۔ فرقہ وارانہ ہم آہنگی کا فروغ بھی ضروری ہے۔ ضروری ہے کہ اپنے ''عقیدے کو چھوڑو مت اور دوسروں کے عقیدے کو چھیڑو مت'' بالفاظ دیگر فرقہ وارانہ مسائل اور معاملات میں غیر جانبداری کے اصول کو اپنایا جائے۔

رسول اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے: خطبہ حجتہ الوداع کے تاریخی موقع پر آپؐ نے فرمایا: ''عن ابن عمرؓ انہ سمع النبیؐ یقول: لاترجعون بعدی کفارا یضرب بعضکم رقاب بعض''۔[۱۲] حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اکرمؐ کو یہ فرماتے سنا، خبردار، میرے بعد کفر کی طرف نہ لوٹ جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔

غلو، شدت پسندی اور مذہبی معاملات میں جذباتی پن، مذہبی انتہا پسندی کا حقیقی سبب اور بنیاد ہے۔ مذہبی انتہا پسندی اور فرقہ بندی سے سوائے اسلام اور مسلمانوں کے نقصان کے کچھ حاصل نہیں ہوا۔ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو فروغ دیا جائے۔

قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے: '' وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعاً وَّلَا تَفَرَّقُوْا ''[۱۳] اور سب مل کر اللہ کی رسی (ہدایت کی رسی) کو مضبوطی سے پکڑے رہنا اور باہم تفرقہ نہ ڈالنا۔ ایک موقع پر فرمایا گیا: ''وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ''[۱۴] اور ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جو متفرق ہو گئے اور واضح احکام آنے کے بعد ایک دوسرے کے خلاف اختلاف کرنے لگے، یہ وہ لوگ ہیں جنہیں قیامت کے دن بڑا عذاب ہوگا۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (مرحوم) رسول اکرمؐ کے اسوہ حسنہ کے متعلق کیا خوب لکھتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے رسول اکرمؐ کو جس اعلیٰ درجے کے اخلاق اور اعلیٰ درجے کے طبعی و خلقی موزونیت سے نوازا تھا، وہ آنے والی صدیوں اور موجودہ و آئندہ نسلوں کے لیے معراج کمال ہے اور اسے ہم اعتدال فطرت (اعتدال پسندی، میانہ روی) سلامت ذوق، لطافت شعور، توازن

جامعیت اور افراط وتفریط سے پرہیز سے تعبیر کر سکتے ہیں۔" حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ کو جب دو کاموں میں کسی ایک کو ترجیح دینی ہوتی تو آپؐ ہمیشہ اسے اختیار فرماتے جو زیادہ سہل ہوتا، بشرط یہ کہ اس میں گناہ کا شائبہ نہ ہو۔ اگر اس میں گناہ ہوتا تو آپؐ اس سے سب سے زیادہ دور ہوتے۔[۱۱۵]

دین میں شدت پسندی، انتہا پسندی، غلو، مبالغہ آمیزی تمام ناپسندیدہ ہیں۔ اسلام اعتدال پسندی کا دوسرا نام ہے۔ وہ آسانی، لوگوں کو بشارت دینے اور منافرت سے روکنے کی تعلیم دیتا ہے، اعتدال پسندی اور میانہ روی اسلامی تعلیمات کی روح ہے۔ قرآن کریم نے امت محمدیہؐ کے متعلق "وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا" فرما کر اس کی وضاحت کی[۱۱۶] ور رسول اکرمؐ نے "خیر الامور اوسطها" فرما کر امت مسلمہ کو اعتدال پسندی، میانہ روی اور اعتدال کی راہ اپنانے کی ہدایت فرمائی۔ قرآن کریم کی متعدد آیات مبارکہ میں اعتدال پسندی اور میانہ روی کی تعلیم دیتے ہوئے اسے امت مسلمہ کا خاص وصف قرار دیا گیا ہے۔[۱۱۷]

رسول اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے: "**عن ابی هريرة عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال: ان الذين يسر، ولن يشاد الدين احد الا غلبه، فسددوا وقاربوا وابشروا، واستعينوا بالغدوة والروحة وشيئی من الدلجة**"[۱۱۸]
حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: دین آسان ہے اور جو بھی دین سے زور آزمائی کرے گا، وہ اس پر غالب آئے گا۔ اس لیے میانہ روی (اعتدال پسندی) اختیار کرو اور اعتدال کے ساتھ چلو، قریب کے پہلوؤں کی رعایت کرو اور انبساط رکھو اور صبح وشام اور کسی قدر تاریکی شب کی عبادت سے تقویت حاصل کرو۔

غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق کا تحفظ:

قرآن کریم نے "لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ"[۱۱۹] کا نظریہ عطا کر کے اسلامی مملکت میں غیر مسلموں کے حقوق کے تحفظ کی یقینی اور ہر ممکن ضمانت فراہم کی ہے۔ قرآن وسنت کی تعلیمات احترام آدمیت اور احترام مذاہب پر مبنی ہیں۔ قرآن کریم نے دیگر مذاہب یا غیر مسلموں کے حوالے سے مسلمانوں کا رویہ صاف صاف بیان فرما دیا: "وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ"[۱۲۰] تم ان کے (باطل) معبودوں کو برا مت کہو، جنہیں وہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں۔

گویا ابتدائے اسلام سے ہی یہ تسلیم کر لیا گیا کہ تمام مذاہب خواہ وہ آسمانی ہوں یا غیر آسمانی، سب کو اسلام کے ساتھ زندہ رہنے کا حق حاصل ہے۔

رسول اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے: "**الامن ظلم معاهدا او انتقصه او كلفه فوق طاقته او اخذ منه شيئا بغير طيب نفسه فانا حجيجه يوم القيامة**"۔[۱۲۱] خبردار، جس کسی نے کسی معاہد (غیر مسلم/ اقلیتی فرد) پر ظلم کیا، یا اس کا حق مارا، یا اس کو اس کی استطاعت سے زیادہ تکلیف دی، یا اس سے کوئی چیز اس کی خوشی کے بغیر لی، تو میں روز قیامت اس کی طرف سے (مسلمان کے خلاف) جھگڑوں گا۔ اس طرح قرآن وسنت سے رواداری اور عقیدہ وعمل کی آزادی یا مذہبی آزادی کا

اصول ملتا ہے۔

رسول اکرمؐ نے میثاق مدینہ اور معاہدہ نجران کے ذریعے غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ اور اسلامی مملکت میں ان کے مستقبل اور غیر مسلم اقلیتوں سے تعلقات کی حدود متعین فرمائیں۔ جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مذہبی انتہا پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مملکت میں غیر مسلم اقلیتوں کے جان و مال، ان کی عبادت گاہوں کے درپے ہونا، اسلامی تعلیمات کے یکسر منافی عمل ہے۔

عراق کے مشہور اسکالر ڈاکٹر عبدالکریم زیدان نے اسلامی مملکت میں ''ذمیوں'' اسلامی ریاست کے غیر مسلم باشندوں کے احکام پر ایک مبسوط کتاب لکھی، جس میں عہد بعہد کے فقہی ارتقاء کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے کہ غیر مسلموں کا پرسنل لا مسلمانوں کے ہر دور میں محفوظ رہا ہے، موصوف لکھتے ہیں: ''لا نتعرض لهم فی عقائدهم فحرية العقيدة حق مضمون للذمی'' [۱۲۲] ان کے مذہبی معاملات اور عقائد میں مداخلت نہیں کریں گے، اس لیے کہ مذہبی آزادی اہل ذمہ کا وہ حق ہے جس کی تعلیمات نبویؐ میں یقینی ضمانت فراہم کی گئی ہے۔

تحمل و برداشت اور حلم و بردباری کی تعلیمات عام کرنے کی ضرورت:

تحمل و برداشت اور حلم و بردباری اسلامی تعلیمات کا امتیازی پہلو ہے۔ قرآن وسنت میں اس حوالے سے جابجا ارشادات ملتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ، ابن عمرؓ، حضرت جاریہ بن قدامہؓ، حضرت ابوالدرداءؓ وغیرہ متعدد صحابہ کرامؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہؐ سے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے کوئی نصیحت کیجیے، ارشاد ہوا، غصہ نہ کیا کرو، برداشت سے کام لو، انہیں یہ بات معمولی معلوم ہوئی تو دوبارہ، پھر سہ بارہ سوال کیا تو آپؐ نے ہر دفعہ فرمایا کہ غصہ نہ کیا کرو۔ [۱۲۳] قرآن کریم میں رسول اکرمؐ کے حوالے سے فرمایا گیا: ''فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ'' [۱۲۴] اور برداشت کیجیے جس طرح ہمت اور عزم والے پیغمبروں نے برداشت کیا۔ ایک اور موقع پر فرمایا گیا: ''وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُوْرِ'' [۱۲۵] اور البتہ جس نے برداشت کیا اور معاف کیا، تو وہ بے شک ہمت کے کام ہیں۔ [۱۲۶]

''حلم و بردباری'' کا مفہوم یہ ہے کہ انتقام کی قدرت کے باوجود کسی ناگوار یا اشتعال انگیز بات کو برداشت کر لیا جائے اور زیادتی کرنے والے کو کوئی سزا نہ دی جائے، یہ صفت خداوندی ہے، جو قدرت کے باوجود انسانوں کی برائیوں کو نظر انداز کرتا ہے، اہل ایمان سے بھی اس کا تقاضا کیا گیا ہے کہ وہ بھی حلم و بردباری کو اپنائیں۔ رسول اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے:

''من كظم غيظا وهو يستطيع ان ينفذه دعاه الله يوم القيامة على رئوس الخلائق حتى يخيره فی ای الحور شاء''۔ [۱۲۷]

جو شخص قدرت کے باوجود غصے کو ضبط کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن سب کے سامنے بلا کر انعام کا مستحق قرار ٹھہرائے گا۔

دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کے خاتمے کے لیے قرآن وسنت کی ان تعلیمات کو عام کرنے کی ضرورت ہے، تحمل و

برداشت اور حلم و بردباری اسوہ نبوی کا امتیازی پہلو ہے اور اسوہ نبویؐ ہمارے لیے بہترین نمونہ عمل ہے، اس کی پیروی ہی ہمارے تمام مسائل کا حل اور کامیابی کی ضمانت ہے۔

عفوودرگزر اور اسلام کا پیغام امن وسلامتی:

اسلام زندگی کے ہر موڑ پر عفوودرگزر کی تعلیم اور امن وسلامتی کا پیغام دیتا ہے، انتہا پسندی کا کوئی رویہ بھی اسلام میں قابل قبول نہیں، عفوودرگزر، تحمل و برداشت اور رواداری کی بار بار تعلیم دے کر اسلام نے یہ ثابت کیا کہ وہ امن وسلامتی کا دین اور احترام انسانیت کا علمبردار ہے۔

برطانیہ کی مشہور مصنفہ کارین آرم اسٹرانگ (Karen Armstrong) سیرت طیبہ پر اپنی کتاب: "Muhammad A Western Attempt to Understanding Islam" میں اس تاریخی اور ناقابل تردید حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتی ہے:

"Muhammad...Founded a religion and a tradition that was not based cultural on the sword despite the western myth and whose name Islam, signifies peace and reconciliation"(P-266)

''محمد ﷺ ایک ایسے مذہب اور تہذیب کے بانی تھے، جس کی بنیاد تلوار (جبروتشدد) پر نہ تھی۔ مغربی پروپیگنڈے اور افسانے کے باوجود اسلام کا نام امن (رواداری) اور صلح کا مفہوم رکھنے والا ہے۔''

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے دو جگہ اپنے آپ کو ''غافر'' بخشنے والا، پانچ دفعہ ''غفار'' بڑی بخشائش کرنے والا اور اتنی ہی دفعہ ''عفو'' معاف کرنے والا اور ستر سے زیادہ آیات میں ''غفور'' بخشنے والا کہا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے عفوودرگزر کا سمندر کس زوروشور سے جوش مار رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام صفات کی تجلی کا پرتو اپنے بندوں میں پیدا کرنے کی دعوت دی ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ''اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِیْرًا''[۱۲۸] یا کسی برائی کو معاف کرو تو بے شک، اللہ معاف کرنے والا قدرت والا ہے۔ ایک اور موقع پر فرمایا گیا: ''وَجَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ'' (الشوریٰ/۴۰) اور برائی کا بدلہ ویسے ہی برائی ہے، لیکن جو شخص معاف کردے اور صلح کرلے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے اور وہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

قرآن کریم میں اہل ایمان کا خاص وصف یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ صبر و برداشت سے کام لیتے ہوئے لوگوں سے درگزر کرتے ہیں، ''وَالْكٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ''۔[۱۲۹] اور وہ غصے کو پی جاتے ہیں۔ (باوجود تمام تر غضب اور قوت واختیار کے، برداشت سے کام لیتے ہیں) اور لوگوں سے عفوودرگزر سے کام لیتے ہیں۔

علامہ شبلی نعمانی کیا خوب لکھتے ہیں: انسان کے ذخیرہ اخلاق میں سب سے زیادہ کم یاب، نادرالوجود شے دشمنوں پر رحم اور ان سے عفوودرگزر ہے، لیکن حامل وحی نبوتؐ کی ذات اقدس میں یہ جنس فراواں تھی، آپؐ نے کبھی کسی سے انتقام

نہیں لیا۔ ۱۳۰؎

عفوودرگزر اور اسلام کے پیغام امن وسلامتی کا تاریخ ساز مظہر رسول اکرمؐ کی حیات طیبہ کا اہم موقع "فتح مکہ" ہے۔ جس کی مثال فتوحات کی پوری انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ آپؐ کا اسوہ حسنہ عفوودرگزر کا عملی نمونہ ہے، آج ضرورت اس امر کی ہے کہ قرآن وسنت کی ان تعلیمات کو عام کیا جائے۔ عفوودرگزر کی راہ اپنائی جائے، صبر وبرداشت اور تحمل ورواداری سے کام لیا جائے۔ انہیں اپنا کر اور عام کر کے ہی انتہا پسندی کا خاتمہ کیا جاسکتا ہے۔

محبت کے یوں جس نے دریا بہائے
دل ان کا بھی چھینا جو سر لینے آئے
یہ بندہ نوازی کے جوہر دکھائے
کہ جو کھائے اور جواہر لٹائے
خوشی اپنی غیروں کے غم میں بھلا دی
دیا درد جس نے اسے بھی دوا دی

اٹھائیں جن سے اذیتیں انہی کے حق میں دعائیں مانگیں کسی میں یہ شان حلم بھی ہے ایسا کوئی حلیم بھی ہے

پیغمبر رحمت کا اسوہ حسنہ اور مذہبی انتہا پسندی کا خاتمہ:

رسول اکرمؐ کی سیرت طیبہ امت مسلمہ کے لیے مثالی اسوہ حسنہ اور ابدی نمونہ عمل ہے، آپؐ کی پیروی ہی ہمارے تمام مسائل کا حل اور فلاح ونجات کی کلید ہے، اس میں ہر دور کے مسائل کا حل موجود ہے، آپؐ کی اتباع کر کے ہی ہم ہر دور اور ہر عہد کے مسائل کا حل پاسکتے ہیں۔ "مذہبی انتہا پسندی" دور حاضر کا وہ حساس اور اہم موضوع ہے جس کی اہمیت کسی بھی طرح کم نہیں، اس اہم اور حساس مسئلے کے حل کے لیے ہمیں رسولؐ اکرمؐ کی حیات طیبہ میں بے شمار مثالیں ملتی ہیں، آپؐ نے اپنے اسوہ حسنہ کے ذریعے ہمیں پرامن بقائے باہم، عقیدہ وعمل کی آزادی، مذہبی رواداری کے اعلیٰ ترین اصول عطا فرمائے، رسول اکرمؐ کی سیرت مقدسہ اور حیات طیبہ میں غیر مسلموں سے حسن سلوک اور تعلقات کے حوالے سے بے شمار نظائر اور مثالیں ملتی ہیں، جن سے تحمل و برداشت، عفوودرگزر، رواداری کے قیام اور مذہبی انتہا پسندی کے خاتمے میں بھرپور مدد مل سکتی ہے۔ تاہم ان میں میثاق مدینہ، صلح حدیبیہ، فتح مکہ اور معاہدۂ نجران کو کلیدی اور بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ چنانچہ ذیل میں مذہبی انتہا پسندی کے خاتمے اور رواداری کے فروغ کے حوالے سے ان پر تاریخی، تحقیقی اور تقابلی بحث کی جاتی ہے۔

(۱) "میثاق مدینہ" مذہبی رواداری، عقیدہ ومذہب کی آزادی اور انتہا پسندی کے خاتمے کا تاریخی منشور:

ہجرت مدینہ کے بعد پیغمبر رحمتؐ نے یہود مدینہ کے ساتھ وہ تاریخ ساز معاہدہ کیا جو رواداری، مذہبی اعتدال پسندی اور فراخ دلی کی ایک روشن مثال ہے، جس پر دنیا فخر کرسکتی ہے، موجودہ دور کی اقوام متحدہ بھی فریقین میں رواداری پر مبنی ایسا معاہدہ

نہیں کراسکتی۔ یہ تاریخی معاہدہ محسن انسانیتؐ کی دینی اور سیاسی بصیرت، اعتدال پسندی اور مذہبی رواداری کا شاہ کار ہے، جس سے اسلامی سوسائٹی کے مقاصد پرامن بقائے باہم، رواداری، قیام امن اور اعلیٰ انسانی اقدار کے تحفظ میں بھرپور مدد ملی۔ ایک مثالی اسلامی فلاحی ریاست کی تاسیس جہاں ہر فرد کو بلاتفریق مذہب وملت عقیدہ وعمل کی مکمل آزادی حاصل ہو، عدل کا بول بالا ہو، ہر فرد کو مذہبی اور معاشرتی حقوق حاصل ہوں۔ یہ سرکار دوعالمؐ کا وہ تاریخ ساز کارنامہ ہے جس کی مثال تاریخ عالم پیش نہیں کرسکتی۔

رسول اکرم ﷺ مکہ معظمہ سے ہجرت کے بعد جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپؐ کے سامنے دوراہیں تھیں:

(۱) عصری تقاضوں کے مطابق آپؐ مذہب کی بنیاد پر ایک سیاسی اتحاد کی بنیاد ڈالتے، تاہم انہیں ثانوی حیثیت حاصل ہوتی۔

(۲) دوسرے یہ کہ انصار اور مہاجرین پر مشتمل (جنہوں نے آپؐ کی قیادت قبول کرلی تھی) ایک الگ سیاسی گروہ کی تنظیم کرتے، تاہم آپؐ نے اس قسم کا کوئی علیحدہ گروہ بنانے کا فیصلہ نہیں کیا۔ بلکہ ایک ایسی پرامن جماعت وجود میں لانے کا فیصلہ کیا جس کے ارکان کے بارے میں یقین کیا جاسکے کہ وہ جنگ نہ کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے اختلافات کو بھی پرامن طریقے سے حل کرنے کی کوشش کریں گے۔ آپؐ کے اس ارادے کے نتیجے میں وہ تاریخ ساز دستاویز وجود میں آئی جسے صحیفہ (میثاق مدینہ) کا نام دیا جاتا ہے۔ اس تاریخی معاہدے کے نتیجے میں مدینے سے انتہا پسندی کا خاتمہ ہوا۔ امن کا قیام عمل میں آیا۔ تمام مذاہب کے پیروکاروں کو عقیدہ ومذہب کی آزادی حاصل ہوئی۔ مذہبی آزادی اور رواداری کا اصول وضع ہوا۔[۱۳۱] اس تاریخ ساز معاہدے کی ہر دفعہ معاہداتی دنیا میں اپنی ایک انفرادیت رکھتی ہے، نیز یہ بھی وضاحت ہوتی ہے کہ اسلامی مملکت میں دوسری مذہبی اور سیاسی اقلیتوں کا کیا درجہ ومقام ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ (مرحوم) نے میثاق مدینہ کے متن، اہمیت اور اثرات پر بہت عمدہ اور تحقیقی بحث کی ہے۔ اس حوالے سے متعدد مغربی مصنفین کے مصادر اور مقالہ نگاروں کے حوالے بھی ذکر کیے ہیں۔[۱۳۲] ''میثاق مدینہ'' میں واضح اور دوٹوک الفاظ میں اس امر کی صراحت کردی گئی کہ غیر مسلم یہودیوں کو ان کے دین کی پوری آزادی ہوگی، چنانچہ ایک دفعہ کے الفاظ ہیں: ''للمسلمین دینھم وللیھود دینھم'' یعنی مسلمانوں کے لیے مسلمانوں کا دین اور یہودیوں کے لیے یہودیوں کا دین ہے۔ یعنی مدینے میں جتنے بھی باشندے آباد تھے، ان کو دینی، عدالتی اور قانونی آزادی کا اطمینان دلایا گیا تھا۔[۱۳۳]

اس تاریخ ساز معاہدے کی بدولت مذہبی آزادی اور رواداری کا اصول وضع ہوا، نیز جن بنیادوں پر غیر مسلموں سے اتحاد وتعاون ہوسکتا ہے، ان کی نشاندہی ہوئی۔[۱۳۴]

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ ''میثاق مدینہ'' دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور ہے۔[۱۳۵] چنانچہ موصوف نے اس تاریخی حقیقت کو ثابت کرنے کے لیے انگریزی میں ایک کتاب (THE FIRST WRITTEN

(CONSTITUTION IN THE WORLD) لکھی، جو ۱۹۷۵ء میں لاہور سے شائع ہوئی۔

''میثاق مدینہ'' رسول اکرمؐ کی سیاسی بصیرت اور حسن تدبر کا مثالی شاہ کار ہونے کے ساتھ ساتھ رواداری، امن و سلامتی، مذہبی آزادی اور عدل وانصاف کے ہر جوہر سے مزین ہے، یہ وہ تاریخی منشور ہے جس کی بدولت رسول اکرمؐ نے چودہ سال قبل ایک ایسا ضابطہ انسانی معاشرے میں قائم فرمایا، جس سے شرکائے معاہدہ میں ہر گروہ اور ہر فرد کو اپنے عقیدہ و مذہب پر اسلام کے فلسفہ عدل وانصاف کی بناء پر آزادی اور حصول انصاف کا حق حاصل ہوا، رواداری اور مذہبی آزادی کا اصول وضع ہوا۔ ہر قسم کی انتہا پسندی کا خاتمہ ہوا۔ رواداری، امن سلامتی، مذہبی آزادی اور عدل وانصاف کا ہر جوہر اس میں موجود ہے۔

''میثاق مدینہ'' کی متعدد دفعات میں طے کیا گیا کہ: ☆ غیر مسلموں کے لیے ان کا دین اور اموال ہیں، انہیں دین اسلام قبول کرنے کے لیے مجبور نہیں کیا جائے گا۔

☆ اگر غیر مسلموں کو ظلم کا نشانہ بنایا جائے تو مملکت کی یہ ذمے داری ہوگی کہ وہ اسی طرح ان کی امداد کرے جس طرح ہر مظلوم مسلمان کی مدد کی جاتی ہے۔

☆ طے پایا کہ یہودیوں میں سے جو ہماری اتباع کرے گا، اسے امداد و مساوات حاصل ہوگی، نہ ایسے لوگوں پر ظلم ہوگا اور نہ ان کے خلاف کسی کو مدد دی جائے گی۔[۱۳۶]

اس تاریخی معاہدے کی بدولت بقول ولیم میور (MUIR, SIR WILLIAM) آپؐ نے ایک عظیم مدبر اور سیاست دان کی طرح مختلف الخیال اور باہم منتشر لوگوں کو متحد اور یکجا کرنے کا کام بڑی مہارت سے انجام دیا، آپؐ ایک ایسی ریاست اور معاشرے کے قیام میں کامیاب ہوئے جو بین الاقوامیت کے اصول پر مبنی تھا۔[۱۳۷]

''میثاق مدینہ'' کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں نہ تو کسی فریق کے حق کو غصب کیا گیا ہے اور نہ کسی پر مذہبی آزادی اور عقیدے کے حوالے سے کوئی جبر کیا گیا ہے۔ نہ ان کے معاشرے میں رواج پذیر رسوم و رواج کو چھیڑا گیا ہے اور نہ ان کے نجی معاملات میں کسی قسم کی مداخلت کی گئی ہے۔ مدینے میں آباد مختلف قبائل اور مذہبی گروہوں کے باشندے جو طویل عرصے سے جنگ کی بھٹی میں جل رہے تھے، انہیں امن وسلامتی، رواداری اور عقیدہ و مذہب کی ضمانت فراہم کی گئی۔ یوں انتہا پسندی طوائف الملوکی، بدامنی، ظلم وتشدد اور لاقانونیت کا خاتمہ ہوا، نسلی اور مذہبی لحاظ سے منتشر افراد ایک لڑی میں پرو دیئے گئے۔

بدامنی، انتہا پسندی، جبر وتشدد اور جنگی جنون کے حامل عرب جاہلی معاشرے میں یہ اتنا تعجب خیز انقلاب تھا جسے مغربی مستشرق ہیل (HELL) نے سیاست نبویؐ کا اعجاز قرار دیتے ہوئے اسے رسول اکرمؐ کی سیاسی بصیرت کا شاہکار اور امن پسندی کا نمونہ قرار دیا ہے۔[۱۳۸]

نامور عرب محقق اور سیرت نگار محمد حسین ہیکل لکھتے ہیں: یہ وہ تحریری معاہدہ ہے جس کی بدولت رسول اکرمؐ نے آج سے چودہ سو سال قبل ایک ایسا ضابطہ انسانی معاشرے میں قائم فرمایا، جس سے شرکائے معاہدہ میں ہر گروہ اور ہر فرد کو اپنے اپنے

عقیدہ و مذہب کی آزادی کا حق حاصل ہوا، انسانی زندگی کی حرمت قائم ہوئی۔[۱۳۹]

(۲) صلح حدیبیہ......رسول اکرمؐ کی دینی و سیاسی بصیرت اور مذہبی اعتدال پسندی کا مثالی نمونہ:

''صلح حدیبیہ'' مشرکین مکہ کی ایک ایسی دشمن قوم سے تھا جو ۲۰ برس کے طویل عرصے سے مسلمانوں پر ظلم توڑ رہی تھی اور برسرپیکار تھی، اس کے باوجود ''معاہدہ حدیبیہ'' کی ایک ایک دفعہ پر سرسری نظر ڈالنے سے اندازہ ہوگا کہ نبی رحمتﷺ امن و صلح کے کتنے خواہش مند تھے۔ آپؐ نے پرامن بقائے باہم کے تحت معاہدے کو ترجیح دے کر جنگ سے اتنا گریز فرمایا کہ اس میں عام صحابہؓ بظاہر ذلت محسوس کر رہے تھے، چنانچہ صحابہ کرامؓ نے جب معاہدے کی شرائط سنیں تو ان پر رنج و اندوہ کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ ان کی غیرت ایمانی یہ کب برداشت کرسکتی تھی کہ حق و صداقت کے علمبردار ہوتے ہوئے وہ باطل سے دب کر صلح کرلیں، راہ حق میں جان دینا اور سر کٹا دینا انہیں ہرگز گراں نہ تھا، لیکن یہ بات ان کے لیے ناقابل برداشت تھی کہ کفار من مانی شرائط پر ان سے صلح کرلیں۔ ہر شخص رنجیدہ خاطر تھا، ہر دل میں بے چینی اور بے قراری تھی۔ حضرت عمر فاروق اعظمؓ کے متعلق روایت ہے کہ بارگاہ رسالتؐ میں اپنے دینی جذبات کے اظہار کے بعد آپ سیدنا صدیق اکبرؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے گویا ہوئے: ''یا ابا بکر، الیس ہذا نبی اللہ حقا (اے ابوبکرؓ) کیا حضورؐ اللہ کے سچے نبی نہیں ہیں۔'' قال بلی'' (انہوں نے جواب دیا، بے شک، حضور اکرمؐ اللہ کے سچے نبی ہیں۔

حضرت عمرؓ گویا ہوئے ''السنا علی الحق وھم علی الباطل'' کیا ہم حق پر نہیں، کیا وہ باطل پر نہیں ہیں۔ پھر فرمایا ''الیس قتلانا فی الجنۃ وقتلا ھم فی النار'' کیا ہمارے مقتول جنت میں نہیں، کیا ان کے مقتول دوزخ میں نہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے جواب میں فرمایا ''بلی'' بے شک، ایسا ہی ہے۔ حضرت عمرؓ پھر گویا ہوئے: ''فعلام نعطی الدنیۃ فی دیننا، ونرجع ولم یحکم اللہ بیننا وبینھم'' پھر ہم دین کے معاملے میں یہ ذلت کیوں گوارا کریں اور عمرہ کیے بغیر لوٹ جائیں۔ حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے ابھی ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ نہیں کیا۔[۱۴۰]

معاہدۂ حدیبیہ میں طے پایا کہ:

(۱) مسلمان اس سال بغیر عمرہ ادا کیے واپس چلے جائیں۔ (۲) آئندہ سال آئیں اور وہ بھی صرف تین دن کے لیے (۳) ہتھیار لگا کر نہ آئیں، صرف تلوار ساتھ لائیں، وہ بھی نیام میں۔ (۴) مکے میں جو مسلمان پہلے سے مقیم ہیں، انہیں ساتھ نہ لے جائیں اور اگر کوئی مدینے کا مسلمان باشندہ مکے میں ٹھہرنا چاہے، تو اسے نہ روکیں۔ (۵) اہل مدینہ میں سے کوئی شخص مدینے چلا جائے تو اسے واپس کردیا جائے، لیکن اگر کوئی مسلمان مکے میں آجائے تو وہ واپس نہیں کیا جائے گا۔ (۶) قبائل عرب کو اختیار ہوگا کہ فریقین میں سے جس کیساتھ چاہیں، ہو جائیں۔ (۷) طے پایا کہ دس سال تک مسلمان اور قریش باہم جنگ نہیں کریں گے۔[۱۴۱]

بہ ظاہر معاہدۂ حدیبیہ کی تمام شرائط یک طرفہ تھیں اور ان پر عملدرآمد بھی بعید از انصاف۔ چنانچہ قریش مکہ نے معاہدۂ

حدیبیہ کی تحریر کے وقت ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' لکھنے پر اعتراض کیا، حضور اکرمؐ نے اسے قبول کرتے ہوئے قریشی روایات کے مطابق ''باسمک اللھم'' لکھوا دیا۔ اس کے بعد آپؐ کے اسم گرامی کے ساتھ ''رسول اللہ'' لکھنے پر اعتراض کیا گیا تو آپؐ نے اس کی جگہ ''محمد بن عبداللہ'' تحریر کروایا۔[۱۴۲] پرامن بقائے باہم، مذہبی اعتدال پسندی اور غیر مسلموں سے سفارتی اور علاقائی تعلقات کے قیام کا اس سے بہتر نمونہ ملنا مشکل ہے۔ یہ رسول اکرمؐ کی امن پسندی، اعتدال، رواداری اور انسان دوستی کا شاہکار ہے۔ آپؐ نے اسلام کے مطمح نظر کی تکمیل کے لیے اس معاہدے کی پوری پابندی کی، حالاں کہ صحابہ کرامؓ جو اسلام اور پیغمبر اسلامؐ کے ایک اشارے پر اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے تھے، اس صلح پر بہ ظاہر ناخوش تھے، شیر خدا حضرت علیؓ اور فاروق اعظمؓ جیسے جاں نثار اس میں نظر آنے والی کمزور صلح کے خلاف تھے، جسے بعد ازاں قرآن نے ''فتح مبین'' قرار دیا، جو درحقیقت فتح مکہ کا دیباچہ تھی۔

قرآن کریم نے ''اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحاً مُّبِیْناً'' [۱۴۳] آیت نازل کر کے اس کا اعلان فرمایا۔

امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ ''صلح حدیبیہ'' ایسی عظیم الشان فتح تھی کہ اس سے قبل اس شان کی فتح نصیب نہیں ہوئی۔ باہم جنگ کی وجہ سے دو فریق آپس میں مل نہیں سکتے تھے۔ صلح حدیبیہ کی وجہ سے جنگ ختم ہوئی، امن قائم ہوا اور جو مسلمان اب تک مکے میں اپنے اسلام کو ظاہر نہیں کر سکتے تھے، وہ اعلانیہ احکام اسلام پر عمل کرنے لگے، باہمی منافرت اور دشمنی دور ہوئی۔ بات چیت کا موقع ملا، اسلامی مسائل پر گفتگو اور مناظرے کی نوبت آئی، مشرکین مکہ نے قرآن کو سنا، جس کا اثر یہ ہوا کہ صلح حدیبیہ سے لے کر فتح مکہ تک اس قدر کثرت سے لوگ اسلام لائے کہ آغاز اسلام اور بعثت نبویؐ سے لے کر اس وقت تک اتنے مسلمان نہیں ہوئے تھے۔[۱۴۴]

عرب مصنف محمد احمد باشمیل اپنی کتاب ''صلح حدیبیہ'' میں اضطراب کے وقت ضبط نفس'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں: ''رسول اکرمؐ نے ''صلح حدیبیہ'' کے ذریعے صحابہ کرامؓ کو جو درس دیا، اسے ہر انسان کو یاد رکھنا چاہیے کہ جو ذمے داری اور قیادت کے منصب پر فائز ہو، وہ ضبط نفس اور اعصاب پر کنٹرول کرنے کا زیادہ پابند ہے، جہلاء کی زیادتی اور کم عقلوں کے مضطرب کرنے کے وقت صبر و تحمل اختیار کرنا اسوۂ نبویؐ ہے، اس خلق سے آپؐ آراستہ تھے اور آپؐ نے سخت ترین حالات میں اس کا التزام کیا، حالانکہ اس وقت آپؐ فریق مخالف (اپنے بدترین دشمنوں) کو دگنی سزا دینے پر قدرت رکھتے تھے۔[۱۴۵]

(۳) فتح مکہ...... رواداری، انسان دوستی اور مذہبی آزادی کا شاہکار:

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ پیغمبر رحمت، محسن انسانیتؐ حیات طیبہ عفو و درگزر، تحمل و برداشت اور رواداری سے عبارت ہے، تاہم اس کا تاریخ ساز موقع ''فتح مکہ'' رمضان ۸ھ/ جنوری ۶۳۰ء ہے کہ جب آپؐ کو اپنے بدترین دشمنوں، کفار مکہ پر کامل اختیار اور اقتدار حاصل تھا، اس تاریخی موقع پر محسن انسانیتؐ کی سیرت طیبہ میں عفو و درگزر، تحمل و برداشت اور رواداری کا وہ تاریخی اور شاندار نمونہ نظر آتا ہے جو فتوحات کی پوری انسانی تاریخ میں آپؐ کو ممتاز کرتا ہے۔[۱۴۶]

آپؐ نے اس موقع پر تمام امیدوں اور تصورات کے برخلاف رواداری پر مبنی مثالی انقلابی اعلان فرمایا: ''الیوم یوم المرحمۃ''[۱۴۷] ''آج تو رحم و کرم، عفو و درگزر اور ایثار و رواداری کا دن ہے، آج عفوِ عام کا دن ہے۔''

فتح مکہ کے سلسلے میں ابن اسحاق نے یہ روایت ذکر کی ہے: ''ان رسول اللہ ﷺ لمّا انتھی الی ذی طوی وقف علی راحلته و انّ رسول اللہ ﷺ لیضع راسه تواضعا للّٰہ حین رای ما اکرمه اللہ به من الفتح حتی ان عثنونه لیکاد یمس واسطة الرحل''[۱۴۸] ترجمہ: جب رسول اللہ ﷺ وادی ذی طویٰ میں پہنچے اور آپؐ نے دیکھ لیا کہ اللہ نے آپ کو فتح سے سرفراز کیا ہے، تو آپؐ نے ازراہِ تواضع اپنی سواری پر سر جھکا لیا اور یہاں تک جھکے کہ آپؐ کی تھوڑی قریب تھی کہ کجاوے کی لکڑی سے لگ جاتی۔

صحیح بخاری میں عبداللہ بن مغفلؓ روایت ہے کہ میں نے فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپؐ اونٹنی پر سوار ہیں اور خوش الحانی کے ساتھ ''سورۂ انا فتحنا'' پڑھ رہے ہیں۔ حضرت انسؓ راوی ہیں کہ جب آپؐ مکے میں فاتحانہ داخل ہوئے تو تمام لوگ آپؐ کو دیکھ رہے تھے لیکن آپؐ تواضع کی وجہ سے سر جھکائے ہوئے تھے۔[۱۴۹]

شانِ لطف و احسان کا اس سے بڑا مظاہرہ کیا ہوگا کہ کعبے کی کنجی قیامت تک کے لیے انہی عثمان بن طلحہؓ کو تفویض فرمائی، جن سے ایک بار درِ کعبہ کھلوانے کی خواہش حضورؐ نے دعوتِ اسلام کے ابتدائی دور میں کی، تو انہوں نے سختی سے انکار کر دیا تھا۔[۱۵۰]

"SPIRIT OF ISLAM" کے مصنف سید امیر علی لکھتے ہیں: بالکل بجا طور پر کہا گیا ہے کہ فتوحات کی تاریخ میں اس فاتحانہ ورود کی کوئی مثال نہیں ملتی۔[۱۵۱]

اس موقع کی مرقع آرائی علامہ شبلی نعمانی کی زبانی سنیے: ''آپؐ نے مجمع کی طرف دیکھا تو جبارانِ قریش سامنے تھے۔ رحمتِ عالم ﷺ نے ان کی طرف دیکھا اور خوف انگیز لہجے میں پوچھا: تم کو کچھ معلوم ہے میں تم سے کیا معاملہ کرنے والا ہوں؟ وہ لوگ اگرچہ ظالم تھے، شقی تھے، بے رحم تھے، لیکن مزاج شناس تھے، پکار اٹھے کہ تو شریف بھائی ہے اور شریف برادرزادہ ہے، ارشاد ہوا ''آج تم پر کچھ الزام نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو''۔[۱۵۲] صرف یہی نہیں، محسنِ انسانیت، نبی رحمت ﷺ نے مذہبی رواداری اور عام معافی کے اس مثالی اعلان کے ساتھ ساتھ امن کے قیام اور استحکام کے لیے ہدایات جاری فرمائیں کہ (۱) جو کوئی ہتھیار پھینک دے، اسے قتل نہ کیا جائے۔ (۲) جو کوئی خانہ کعبہ کے اندر پہنچ جائے، اسے قتل نہ کیا جائے۔ (۳) جو کوئی اپنے گھر کے اندر بیٹھ رہے، اسے قتل نہ کیا جائے۔ (۴) جو کوئی ابوسفیان کے گھر جا رہے، اسے قتل نہ کیا جائے۔ (۵) جو کوئی حکیم بن حزام کے گھر جا رہے، اسے قتل نہ کیا جائے، (۶) بھاگ جانے والے کا تعاقب نہ کیا جائے۔ (۷) زخمی کو قتل نہ کیا جائے۔[۱۵۳]

پیغمبرِ اسلام کی رواداری اور انسان دوستی کے اثرات:

رواداری کے حوالے سے نبی رحمت ﷺ کی سیرتِ طیبہ میں ''فتح مکہ'' ایسا تاریخ ساز واقعہ ہے کہ جس کی نظیر تاریخِ عالم

میں نہیں ملتی۔ فتح مکہ کے تاریخ ساز موقع پر مسلم سیرت نگاروں اور دانشوروں سے قطع نظر غیر مسلم ہندو، سکھ، عیسائی اور دیگر مذاہب کے دانشوروں نے پیغمبر رحمت ﷺ کے مثالی کردار، رواداری اور عفو عام پر آپؐ کے حضور جو زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے، وہ ہدیہ ناظرین ہے۔ پیغمبر رحمت ﷺ کا سکھ سیرت نگار جی۔ سنگھ دارا ''فتح مکہ'' کے موقع پر رحمۃ للعالمین ﷺ کے رحم و کرم اور رواداری پر (رسول عربی ﷺ) میں لکھتا ہے: ''رسول اللہ ﷺ نے اپنے قتل کے قصد کرنے والوں، اپنے نور چشم کے قاتلوں، اپنے چچا کے کلیجہ کھانے والوں کو، سب ہی کو معافی دے دی، اور قطعی معافی قتل عام دنیا کی تاریخوں میں اکثر سنتے تھے، مگر قاتلوں کی معافی نہ سنی تھی۔'' ۱۵۴

صلح و آشتی کا بے مثل نمونہ:

مشہور ہندو سیرت نگار سوامی لکشمن پرشاد کہتا ہے: ''جانی دشمنوں کے بارے میں حضور انور ﷺ کی اس انتہائی کریم النفسی اور رواداری کا عہد جدید کی دعویدار تہذیب و تمدن کی حکومتوں کی ان شرمناک عیارانہ چالوں سے مقابلہ کیا جائے جو انہوں نے ۱۹۱۴ء کی عالم سوز جنگ میں ایک دوسرے کو سامان خورد و نوش سے محروم کرنے کے لیے استعمال کیں، تو اس کی قدر و قیمت اور وقعت بدر جہا بڑھ جاتی ہے۔ ۱۵۵ وہ مزید لکھتا ہے: ''اس عدیم المثال حکم سے جو آپؐ نے اپنے لشکر کو دیا، ایسی محبت اور ہمدردی ٹپکتی ہے کہ اس کے تصور سے آج بھی انسان کے اخلاقی احساس میں ایک عجیب رفعت و وسعت پیدا ہوتی ہے...... جذبات صلح و آشتی کا ایسا بدیع المثال نمونہ تاریخ کے صفحات پیش کرنے سے قاصر ہیں۔'' ۱۵۶

یورپین دانشور ارتھر گلیمن (ARTHUR GILLMAN) پیغمبر رحمت، محسن انسانیت ﷺ کی مخالف مذہب دشمنوں کے ساتھ مثالی مذہبی رواداری اور عام معافی کے عملی مظاہرے کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے: ''محمد ﷺ کی فتح درحقیقت دنیا کی فتح تھی، سیاست کی فتح تھی، انہوں نے ذاتی مفاد کی ہر علامت کو مٹا ڈالا اور ظالمانہ نظام سلطنت کو جڑ سے اکھاڑ دیا، اور جب قریش کے مغرور متکبر سردار عاجزانہ گردنیں جھکائے مجرموں کی طرح کھڑے تھے تو محمد ﷺ نے ان سے پوچھا کہ تمہیں مجھ سے کیا توقع ہے؟ ''رحم'' اے سخی و فیاض بھائی ''رحم'' وہ بولے۔ ارشاد ہوا جاؤ، تم سب آزاد ہو۔'' ۱۵۷

فتح مکہ۔ تاریخ انسانی کا بے مثال واقعہ:

ایک اور یورپین دانشور اس تاریخ ساز واقعہ پر اپنے تاثرات یوں قلمبند کرتا ہے: ''یہ ایک عجیب و غریب منظر تھا، ایسا عجیب و غریب جس کی کوئی مثال تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔ حقائق دراصل حقائق ہیں اور اس میں کوئی کلام نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا دشمنوں پر فتح کا دن درحقیقت حضور اکرم ﷺ کا اپنے نفس پر سب سے زیادہ قدرت کا دن تھا، انہوں نے انتہائی فراخ دلی سے قریش مکہ کے تمام مظالم کو معاف کر دیا، مکے کی ساری آبادی کو پناہ دی۔ ۱۵۸

فتح مکہ کی اہمیت و عظمت۔ تاریخی تناظر میں:

مغربی مصنف ڈینی سن (DENISON) اپنی کتاب: ''جذبات بحیثیت اساس تمدن'' "EMOTION OF

*THE BASIS OF CIVILIZATION میں اس تاریخی حقیقت کا اعتراف ان الفاظ میں کرتا ہے: ''اس وقت ایسا دکھائی دیتا تھا کہ تہذیب کا وہ قصر مشید جس کی تعمیر پر چار ہزار سال صرف ہوئے تھے، منہدم ہونے کے قریب پہنچ چکا تھا اور نوع انسانی پھر اسی بربریت کی طرف لوٹ جانے والی تھی، جہاں ہر قبیلہ دوسرے قبیلے کے خون کا پیاسا تھا، اور آئین و اطوار کو کوئی جانتا تک نہ تھا...... عیسائیت نے جن قواعد وضوابط کو رائج کیا تھا، وہ نظم وضبط اور وحدت و یکجہتی کے بجائے انتشار اور تفرقہ، بربادی اور ہلاکت کا موجب بن رہے تھے۔ غرض یہ کہ وہ وقت آچکا تھا کہ جب ہر طرف فساد ہی فساد نظر آتا تھا...... قدیم آئین و رسوم مردہ ہو چکے تھے اور ان ہی جیسے قوانین کو مرتب کرنا صدیوں کا کام تھا۔ [۱۵۹]

یورپین مصنف آرتھر گلیمن (ARTHUR GILLMAN) رقم طراز ہے: ''حضرت محمد ﷺ حد درجہ قابل تعریف ہیں کیونکہ فتح مکہ کے موقع پر آپؐ نے اپنے مخالفوں کی سابقہ بدسلوکی اور قدرتی طور پر اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی انتقام خیز ناراضگی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اپنی افواج کو ہر قسم کی خوں ریزی سے روکا۔'' (ARTHUR GILLMAN/ THE SARACENSP 104) سٹین لے لین پول (STANLEY LANE POOL) لکھتا ہے: ''فتح مکہ کے موقع پر حضرت محمد ﷺ کی اپنے دشمنوں پر عظیم فتح کا دن ان کے عظیم ترین ضبط نفس کا بھی تھا۔ قریش کفار مکہ نے جن کو برسہا برس اپنی مختلف تکلیفوں اور نفرت و حقارت کا نشانہ بنایا، انہوں نے قریش کو معاف کر دیا اور اہل مکہ کو بھی عام معافی سے نوازا۔'' [۱۶۰]

ہندو سیرت نگار سوامی لکشمن پرشاد اس موقع کی مرقع آرائی ان الفاظ میں کرتا ہے: ''فتح مکہ کے تاریخ ساز موقع پر پیغمبر اسلامؐ اور مسلمانوں نے ثابت کر دیا کہ افضل ترین اپنے جانی دشمنوں پر رحم اس وقت ہے، جب تمہارے ہاتھوں میں انتقام لینے کی پوری قدرت ہو۔ یہ وہ فقید المثال مظاہرہ اور واقعہ ہے جس کا جواب تاریخ عالم پیش نہیں کر سکتی۔ [۱۶۱]

مذاہب عالم کی اسیران جنگ و مفتوحین سے متعلق تعلیمات اور وحشیانہ نظریہ ''ثار'' کو تاریخی تناظر میں رکھتے ہوئے نبی رحمت، محسن انسانیت ﷺ کے انسان دوستی پر مبنی کردار پر نظر ڈالیے، آپؐ نے تمام توقعات اور امکانات کے برعکس نہایت وضاحت کے ساتھ کامل رواداری اور عفو عام کا مظاہرہ کرتے ہوئے دوٹوک الفاظ میں فرمایا: ''اليوم يوم المرحمة'' [۱۶۲] ''آج تو رحم و کرم، عفو و درگزر اور ایثار و رواداری کا دن ہے، آج عفو عام کا دن ہے۔'' اس طرح فتح مکہ کے موقع پر آپؐ نے اپنے بدترین دشمن کفار اور مشرکین مکہ سے حسن سلوک، مثالی رواداری، عفو و درگزر کا مظاہرہ کر کے یہ ثابت کر دیا کہ آپؐ دونوں جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں:

سلام اس پر کہ اسرار محبت جس نے سمجھائے
سلام اس پر کہ جس نے زخم کھا کر پھول برسائے
سلام اس پر کہ جس نے خون کے پیاسوں کو قبائیں دیں
سلام اس پر کہ جس نے گالیاں کھا کر دعائیں دی [۱۶۳]

(۴) معاہدۂ نجران، غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق، مذہبی اعتدال پسندی اور رواداری کی تاریخی دستاویز:

اسلام تمام طبقات انسانی کے لیے رحمت بن کر آیا، اس نے غیر مسلم رعایا کو بھی اس سے محروم نہیں رکھا اور ان کو اتنے حقوق دیئے، جس کی نظیر اس سے پہلے نہیں ملتی، آنحضرت ﷺ کے زمانے میں قریب قریب پورا جزیرۃ العرب زیر نگیں ہو چکا تھا، غیر مسلم رعایا کی حیثیت سے سب سے پہلا معاملہ نجران کے عیسائیوں کے ساتھ پیش آیا، ان کو آپؐ نے جو حقوق دیئے اور ان سے جو معاہدات طے پائے، وہ اب تک تاریخ میں محفوظ ہیں۔ ''معاہدہ نجران'' اس حوالے سے بنیادی تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ اس دستاویز اور تاریخی منشور کے ذریعے رسول اکرمؐ نے اسلامی ریاست میں غیر مسلم باشندوں کے حقوق کے تحفظ، ان سے حسن سلوک، رواداری اور اعتدال پسندی کی تعلیم اور ہدایات جاری کیں، ان سے تعلقات کے راہ نما اصول فراہم کیے، اس تاریخی دستاویز کا کم وبیش اسلامی تاریخ اور سیرت کی ہر کتاب میں تذکرہ ملتا ہے۔ ہم اسے بعینہٖ نقل کرتے ہیں: آپؐ نے تحریری فرمان جاری فرمایا:

''نجران اور اس کے اطراف کے باشندوں کی جانیں، ان کا مذہب، ان کی زمینیں، ان کا مال، ان کے حاضر و غائب، ان کے قافلے، ان کے قاصد، ان کی مورتیں، اللہ کی امان اور اس کے رسولؐ کی ضمانت میں ہیں، ان کی موجودہ حالت میں کوئی تغیر نہ کیا جائے گا اور نہ ان کے حقوق میں سے کسی حق میں دست اندازی کی جائے گی، اور نہ مورتیں بگاڑی جائیں گی، کوئی (پادری اپنی پادریت) سے، اسقف اپنی اسقفیت سے، کوئی راہب اپنی رہبانیت سے، کنیسہ کا کوئی منتظم اپنے عہدے سے نہ ہٹایا جائے گا اور جو بھی کم یا زیادہ ان کے قبضے میں ہے، اسی طرح رہے گا، ان کے زمانۂ جاہلیت کے کسی جرم یا خون کا بدلہ نہ لیا جائے گا، نہ ان کو ظلم کرنے دیا جائے گا اور نہ ان پر ظلم ہوگا، ان سے جو شخص سود کھائے گا، وہ میری ضمانت سے بری ہے، اس صحیفے میں جو لکھا گیا ہے، اس کے ایفا کے بارے میں اللہ کی امان اور محمد النبی ﷺ کی ذمے داری ہے، یہاں تک کہ اس بارے میں خدا کا کوئی دوسرا حکم نازل نہ ہو، جب تک وہ لوگ مسلمانوں کے خیر خواہ رہیں گے، ان کیساتھ جو شرائط کیے گئے ہیں، ہم ان کی پابندی کریں گے، ان کو ظلم سے کسی بات پر مجبور نہ کیا جائے گا۔'' [۱۶۴]

اس معاہدے سے (اسلامی ریاست کے غیر مسلم اقلیتوں کے) حسب ذیل حقوق متعین ہوتے ہیں:

۱۔ ان کی جان محفوظ رہے گی۔ ۲۔ ان کی زمین، جائیداد اور مال وغیرہ ان کے قبضے میں رہے گا۔ ۳۔ ان کے کسی مذہبی نظام میں تبدیلی نہ کی جائے گی، مذہبی عہدے دار اپنے اپنے عہدوں پر برقرار رہیں گے۔ ۴۔ صلیبوں اور مورتوں کو نقصان نہ پہنچایا جائے گا۔ ۵۔ ان کی کسی چیز پر قبضہ نہ کیا جائے گا۔ ۶۔ ان سے فوجی خدمت نہ لی جائے گی۔ ۷۔ اور نہ پیداوار کا عشر لیا جائے گا۔ ۸۔ ان کے ملک میں فوج نہ بھیجی جائے گی۔ ۹۔ ان کے معاملات و مقدمات میں پورا انصاف کیا جائے گا۔ ۱۰۔ ان پر کسی قسم کا ظلم نہ ہونے پائے گا۔ ۱۱۔ سود خوری کی اجازت نہ ہوگی۔ ۱۲۔ کوئی ناکردہ گناہ کسی مجرم کے بدلے میں نہ پکڑا جائے گا۔ ۱۳۔ اور نہ انہیں کوئی ظالمانہ زحمت دی جائے گی۔

یہ شرائط تھے اس سندنامے کے، جو پیغمبر اسلامؐ نے عیسائیوں کو عطا کی تھی۔ یہ ایک نہایت وقیع اور عظیم الشان پروانہ آزادی اور دنیا کی تاریخ میں اعلیٰ درجے کی مساوات حقوق کی ایک شریفانہ اور قابل وقعت یادگار ہے۔[۱۶۵]

معاہدۂ نجران پر مغربی دانشور گوبینیو کا تبصرہ:

سید امیر علی مغربی مصنف گوبینیو (GOBINEAU) کے حوالے سے معاہدۂ نجران پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
''مندرجہ بالا دستاویز تمام مسلم فرماں رواؤں کے لیے غیر مسلم رعایا کے ساتھ سلوک کے بارے میں ایک ہدایت نامہ رہی ہے اور اگر کسی فرماں رواں نے اس سے انحراف کیا ہے، تو اس کا سبب اس فرماں روا کی شخصی سیرت میں پایا جاتا ہے۔ اسلامی نظام نے فی نفسہ ہمیشہ پوری پوری رواداری کو قائم رکھا ہے، عیسائیوں اور یہودیوں سے اپنے مذہب پر عمل پیرا ہونے کے بارے میں کبھی مزاحمت نہیں کی اور انہیں کبھی تبدیلی مذہب پر مجبور نہیں کیا گیا۔[۱۶۶]

غیر مسلم مورخ ہنری کوپی کا اعتراف:

مسٹر ہنری کوپی ''تاریخ فتح ہسپانیہ'' [۱۶۷] میں یہودیوں اور عیسائیوں سے پیغمبر اسلامؐ اور مسلمانوں کی مثالی رواداری کے متعلق لکھتا ہے: ''میں اس سے قبل اس برتاؤ کے متعلق جو اسلامی ریاست میں یہودیوں اور عیسائیوں کے ساتھ کیا جاتا تھا، تفصیل کے ساتھ لکھ چکا ہوں۔ از روئے قیاس اگر دیکھا جائے تو یہ مسئلہ کچھ دشوار نہ تھا۔ لیکن عملاً بوجہ تعصب و عناد مذہبی اس میں بڑی بڑی دشواریاں تھیں۔ اس کے باوجود کہ مسلمان اپنے مذہب کی پابندی میں بہت سخت ہیں اور دیگر مذاہب کو باطل سمجھتے ہیں (ان کا برتاؤ بہتر تھا) اس برتاؤ کے مقابلے میں جو عیسائی فرقوں نے آخر زمانہ میں ایک دوسرے کے ساتھ روا رکھا ہے۔ مسلمانوں کا برتاؤ تمام اہل مذاہب سے نہایت مسامحت (درگزر) اور مسالمت (صلح جوئی) کا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ مفتوح اقوام ان کی اطاعت سہولت اور آسانی کے ساتھ برداشت کر لیتی تھیں۔ جو لوگ مطلوبہ خراج ادا کرتے تھے۔ وہ اپنے مذہب میں آزاد تھے۔ یہ مذہبی آزادی یا مسالمت پیغمبر اسلام ﷺ کا ایک فیاضانہ نظریہ اور سیاسی ضابطہ تھا۔[۱۶۸]

خلاصہ بحث:

''مذہبی انتہا پسندی'' عہد حاضر کا اہم اور حساس موضوع ہے، قومی اور بین الاقوامی سطح پر اس موضوع کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ہم اس رسول عربی، پیغمبر رحمتؐ کے امتی ہیں، جنہیں قرآن نے رؤف الرحیم اور رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث فرمایا، آپؐ کی حیات طیبہ کا ہر گوشہ اور اسوہ حسنہ کا ہر پہلو صبر و برداشت، عفو و درگزر، تحمل و بردباری اور رواداری سے عبارت ہے، میثاق مدینہ، صلح حدیبیہ، فتح مکہ اور معاہدۂ نجران سیرت طیبہ کے وہ تاریخی شاہ کار ہیں، جن سے رسول اکرمؐ کی مذہبی اعتدال پسندی، تحمل و برداشت، بردباری اور رواداری کا پتہ چلتا ہے، سیرت طیبہ کے یہ وہ تاریخی اور اہم موڑ ہیں جو انسان دوستی، تحمل و برداشت، احترام انسانیت، پرامن بقائے باہم، غیر جانبداری اور امن و سلامتی کا پیغام دیتے نظر آتے ہیں۔ رسول اکرمؐ کے اسوۂ

حسنہ کے حوالے سے یہ ایک تاریخی نکتہ اور ناقابل تردید حقیقت ہے کہ آپؐ نے دنیا میں امن، رواداری، انسان دوستی اور احترام انسانیت کے کلچر کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا۔ آج معاشرے سے فرقہ واریت، مذہبی، لسانی، گروہی اور علاقائی منافرت اور مذہبی انتہا پسندی کے خاتمے کے لیے تعلیمات نبویؐ کو عام کرنے، سیرت طیبہ کو فروغ دینے اور آپؐ کے اسوہ حسنہ کو اپنانے کی ضرورت ہے۔ یہی ہمارے آج اور ہر عہد کے مسائل کا حل ہے۔ اسی میں ہماری فلاح اور نجات ہے۔ اس کی پیروی کر کے ہی ہم دنیا میں اپنا کھویا ہوا مقام پا سکتے ہیں۔ یہی امن و سلامتی کی یقینی ضمانت ہے۔ ''وصلی اللّٰہ علی النبی الامی وعلی آلہ واصحابہ اجمعین''

تجاویز:

(۱) پیغمبر رحمت، محسن انسانیتؐ کی حیات طیبہ اور تعلیمات مبارکہ صبر و برداشت، عفو و درگزر، حلم و بردباری اور رواداری سے عبارت ہے، ضرورت اس امر کی ہے کہ اسوۂ حسنہ کی اتباع میں اس حساس مسئلے میں آپؐ کی پیروی کی جائے۔ اسوۂ نبویؐ اور آپؐ کی تعلیمات کو عام کیا جائے۔

(۲) تمام مسالک کے علماء کرام اسلام کے پیغام امن و سلامتی کو عام کریں۔ تحمل و برداشت اور رواداری کے کلچر کو فروغ دیں۔

(۳) تحریر و تقریر میں فرقہ وارانہ امور پر گفتگو سے گریز کی جائے۔ تحریر و تقریر میں ''لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنَ'' کے اصول پر عمل کیا جائے۔

(۴) دہشت گردی، فرقہ واریت اور انتہا پسندی کے خاتمے کے لیے ضروری ہے کہ ملک میں قرآن و سنت اور اسلامی شریعت کا نفاذ کیا جائے، قصاص و دیت کے قوانین اور حدود و تعزیرات کے نظام کو موثر اور مربوط بنایا جائے۔

(۵) اپنے مسلک کو چھوڑو مت اور دوسروں کے مسلک کو چھیڑو مت، بہ الفاظ دیگر جیو اور جینے دو، کے فلسفے پر عمل کیا جائے۔

(۶) غربت، جہالت، تشدد پسندی، منافرت اور لاقانونیت کا خاتمہ کیا جائے، ملک میں عدل و انصاف کے قیام اور قانون کی بالادستی کو یقینی بنایا جائے۔

(۷) اسلام دوستی، حب الوطنی، دینی اور ملی یگانگت کے جذبے کو فروغ دیا جائے۔ لسانی، گروہی، علاقائی اور مذہبی منافرت، تعصبات اور انتہا پسندی کے خاتمے کے لیے موثر اقدامات کیے جائیں۔

(۸) فرقہ واریت، انتہا پسندی، مذہبی منافرت کے خاتمے کے لیے قرارداد مقاصد اور ملت کے جلیل القدر علمائے کرام کے متفقہ ۲۲ نکات پر عمل کو یقینی بنایا جائے۔

(۹) وفاقی وزارت مذہبی امور ایک مرکزی ادارہ ہے۔ وہ مذہبی امور میں عوام کی راہ نمائی کرے۔ اتحاد بین المسلمین، فرقہ واریت اور انتہا پسندی کے خاتمے کے لیے مختلف مکاتب فکر کی قومی اور ملک گیر سطح پر ایک مرکزی کمیٹی قائم کی جائے۔ جو مسلمانوں میں صبر و برداشت، تحمل و بردباری اور رواداری کو فروغ دے۔

(۱۰) زندگی کے ہر شعبے اور بندگی کے ہر گوشے میں پیغمبر رحمتؐ کے اسوہ حسنہ پر عمل پیرا ہوتے ہوئے، عفو ودرگزر، صبر برداشت اور تحمل ورواداری کے کلچر کو فروغ دیا جائے۔ اسوۂ حسنہ کی پیروی ہی ہمارے تمام مسائل کا حل اور دین و دنیا کی فلاح کی یقینی ضمانت ہے۔

خلاف پیمبرؐ کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

حواشی حوالہ جات

(۱) آل عمران/۱۹، نیز دیکھیے، الصف/۹، المائدہ/۳

(۲) فرید وجدی/تطبیق الدیانۃ الاسلامیۃ، قاہرہ، ص۱۴

(۳) Encyclopedia Britanica, Vol-19,1929 P-103

(۴) بحوالہ In search of the Miraculous, P-299, London

(۵) دیکھیے James H. Leuba/God or Man , London 193

(۶) راغب الاصفہانی/مفردات القرآن، بیروت، دار صادر (الدین)

(۷) دیکھیے Encyclopedia Britanica, Extremeism, New York

Encyclopedia of Religion and Ethics, New York, 1931

(۸) الکافرون/۶

(۹) البخاری/الجامع الصحیح ۱/۳۹

(۱۰) حالی، الطاف حسین/مسدس حالی، کراچی فضلی سنز ص ۳۱۷

(۱۱) نعیم صدیقی/محسن انسانیتؐ لاہور، اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۷۷ء، ۲۳،۲۲

(۱۲) آل عمران/۱۶۴

(۱۳) الجمعہ/۲

(۱۴) آل عمران/۱۰۳

(۱۵) المائدہ/ ۱۸

(۱۶) البقرہ/۱۱۳

(۱۷) عبدالمعید/عہد نبویؐ کا اسلامی معاشرہ، ماہنامہ دارالعلوم دیوبند، اپریل ۱۹۹۷ء

(۱۸) ابن ہشام/السیرۃ النبویۃ، قاہرہ، مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۹۵۵ء، ۱۹۹/۱

(۱۹) محمد حمید اللہ/ رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، کراچی، دارالاشاعت، ۱۹۸۷ء، ص ۲۹

(۲۰) Denison, J.H/Emotion as the basis of civilization, London, 1928.P.260

(۲۱) ابوالحسن علی ندوی/ نبی رحمتؐ، کراچی، مجلس نشریات اسلام، ۱۹۸۸ء، ص ۵۵

(۲۲) ابنِ ہشام/ السیرۃ النبویۃ ۱/ ۱۹۹

(۲۳) نجم الدین سیوہاروی/ رسوم جاہلیت، لاہور، مکتبہ رشیدیہ، ۱۹۸۸ء، ص ۴۴

(۲۴) جواد علی/ المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، بیروت، ۱۹۷۰ء، ۴/ ۵۴۳، ۵۴۴) مزید تفصیلات دیکھیے: حافظ محمد ثانی، ڈاکٹر/ محسن انسانیتؐ اور انسانی حقوق، کراچی، دارالاشاعت، ۱۹۹۹ء، ص ۲۲۹، ۲۳۰

(۲۵) شبلی نعمانی/ سیرت النبیؐ ۴/ ۱۵۷

(۲۶) شبلی نعمانی/ سیرت النبیؐ ۴/ ۱۷۶

(۲۷) ابوالکلام آزاد/ اسلام کا نظریہ جنگ، لاہور، بساط ادب، ۱۹۸۷ء، ص ۱۲۴

(۲۸) محمود شکری آلوسی/ بلوغ الارب فی احوال العرب، مترجم پیر محمد حسن، لاہور، مرکزی اردو بورڈ، ۱۹۶۷ء، ۳/ ۴۹۱

(۲۹) شبلی نعمانی/ سیرت النبیؐ ۴/ ۱۴۵

(۳۰) عمر فروخ/ تاریخ الجاہلیۃ، بیروت، دارالعلم، ۱۹۶۴ء، ص ۸۹

(۳۱) ایضاً ص ۸۹

(۳۲) ایضاً ص ۸۹

(۳۳) جرجی زیدان/ العرب قبل الاسلام، قاہرہ، ۱۹۵۷ء، ص ۲۵۳

(۳۴) ابوالحسن علی ندوی/ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر، کراچی، مجلس نشریات اسلام، ۱۹۶۷ء، ص ۴۷

(۳۵) شبلی نعمانی/ سیرت النبیؐ، ۱/ ۲۲۹

(۳۶) محمود شکری آلوسی/ بلوغ الارب فی احوال العرب ۳/ ۴۹۱

(۳۷) البقرہ

(۳۸) البقرہ

(۳۹) آل عمران

(۴۰) البروج/ ۴ تا ۸

(۴۱) تفصیل کے لیے دیکھیے Encyclopedia of Jews Religion, 1965

(۴۲) البقرہ۔ ۸۵

(۴۳) المائدہ/ ۱۸

(۴۴) البقرہ/۸۰

(۴۵) تفصیل کے لیے دیکھیے Encylopedia of Religion and Ethics, New York, 1921

(۴۶) استثناء ۲۰، ۱۳، ۱۶

(۴۷) سموئیل اول ۱۵: ۳

(۴۸) استثناء ۷: ۳۲۱ بحوالہ: غلام رسول چوہدری/ مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، لاہور، علمی کتب خانہ، ۱۹۹۸ء، ص ۳۹۴

(۴۹) شبلی نعمانی/سیرت النبیؐ، لاہور، مکتبہ مدنیہ، ۱۴۰۸ھ، ۴/۱۲۲

(۵۰) ایضاً، ۱۲۲

(۵۱) Peter, Edward/Inquistion, University Of California Press, 1989, P.6 نیز دیکھیے ڈاکٹر مبارک علی/ یورپ کا عروج، لاہور، فکشن ہاؤس، ۲۰۰۰ء، ص ۴۷

(۵۲) ایضاً ۴/۱۲۳

(۵۳) ابوالحسن علی ندوی/ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، کراچی، مجلس نشریات اسلام، ص ۴۷

(۵۴) ایضاً ص ۴۷، نیز دیکھیے راقم الحروف کی کتاب رسول اکرمؐ اور رواداری، کراچی، فضلی سنز، ۱۹۹۹ء، ص ۱۵۸

(۵۵) یجر وید ادھیا ۱۳ منتر ۱۲

(۵۶) یجر وید ۱۵، ۱۷، ۱۹

(۵۷) ۱۳/۲۸

(۵۸) سام وید ۱۰ منتر ۳

(۵۹) منوشاستر باب اول/۳۱

(۶۰) گوتم دھرم شاستر ۶۴/۱۲، (مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے: البیرونی/کتاب الہند، مترجم سید اصغر علی، لاہور الفیصل ناشران، ص ۲۰۶، ۲۰۷۔ غلام اکبر ملک/ راجپوت تاریخ کے آئینے میں، لاہور، العقاب پبلی کیشنز، ۱۹۹۶ء، ص ۲۷، عبیداللہ سندھی، مولانا/تحفۃ الہند، کراچی، صدیقی ٹرسٹ، ص ۲۰۱، ۲۰۲، مبارک علی/ اچھوت لوگوں کا ادب، لاہور، فکشن ہاؤس، ۱۹۹۳ء، ص ۲۰، ۲۱، Encyclopedia of Religion and Ethics, New York, 1921, Encyclopedia Britannica 1962, VOL.3,P.1011)

(۶۱) دیکھیے Card, Richard A.ED. Buddhism.New York, George Braziller. New York, Penguin books, 1951

(۶۲) تفصیل کے لیے دیکھیے Encyclopedia of Religion and Ethics, New York, 1921

(۶۳) الازہری، پیر محمد کرم شاہ/ ضیاء النبیؐ ۱/۵۵

(۶۴) ایضاً ۵۷

(۶۵) ارتھر کرسٹن/ ایران بعہد ساسانیاں، مترجم ڈاکٹر محمد اقبال، کراچی، انجمن ترقی اردو، ص ۴۰۸

(۶۶) دیکھیے: النساء/ ۱۷۱، المائدہ/ ۷۷

(۶۷) النساء/ ۱۷۱

(۶۸) المائدہ/ ۷۷

(۶۹) البقرہ/ ۴۲

(۷۰) بنی اسرائیل/ ۱۱۰

(۷۱) لقمان/ ۱۹

(۷۲) المائدہ/ ۱۰۵

(۷۳) الانعام/ ۱۶۴

(۷۴) ابن سعد/ الطبقات الکبریٰ، بیروت، دار صادر، ۲/ ۱۸۱

(۷۵) علی متقی الھندی/ کنز العمال، حیدر آباد دکن، مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ، ۱۹۵۴ء، ۵/ ۱۶۵

(۷۶) حافظ ابوبکر الھیثمی/ مجمع الزوائد، بیروت، ۳/ ۲۷۳

(۷۷) النسائی/ سنن النسائی، بیروت، دار الفکر ۱۹۸۷ء، ۵/ ۲۶۸، احمد بن حنبل/ المسند، ۱/ ۲۱۵

(۷۸) بخاری/ الجامع الصحیح، ۱/ ۳۹

(۷۹) ابن الاثیر/ جامع الاصول فی احادیث الرسولؐ، بیروت، دار الفکر، ۵/ ۵۹، حاکم النیسابوری/ المستدرک، بیروت، دار المعرفہ، ۵/ ۳۷۵

(۸۰) مسلم/ الجامع الصحیح رقم الحدیث، ۲۶۷

(۸۱) المنذری/ الترغیب والترھیب، بیروت دار الکتب العلمیہ، ۳/ ۱۸۵، الھیثمی/ مجمع الزوائد ۵/ ۲۳۶

(۸۲) البزار، حافظ ابن حجر عمر البزار/ مسند البزار، بیروت، موسسۃ علوم القرآن، ۱/ ۸۶، الخطیب التبریزی/ مشکوۃ المصابیح، دمشق، المکتب الاسلامی، ۱۴۰۵ھ

(۸۳) البخاری/ الجامع الصحیح، ۱/ ۳۹)

(۸۴) آل عمران/ ۱۵۹

(۸۵) نیز دیکھیے: آل عمران/ ۱۳۴، الشوریٰ/ ۴۳۔ المومنون/ ۹۶۔ ۹۸۔ الاحقاف/ ۵۳

(۸۶) دیکھیے قرآنی آیات: طٰہٰ/ ۱۳۰، المدثر/ ۱، ۲، ۷، الطور/ ۴۸، الاحقاف/ ۳۵

(۸۷) بخاری/ الجامع الصحیح ۲/ ۱۷، دمشق، دار ابن کثیر، ۱۴۱۰ھ

(۸۸) احمد بن حنبل/ المسند ۳/ ۱۲۰

(۸۹) ترمذی/ الشمائل باب ماجاء فی خلقہ، بیروت، دار احیاء التراث العربی، ص ۲۱

(۹۰) ترمذی/ الجامع ۴/۳۷۲

(۹۱) ابوالکلام آزاد/ رسول رحمتؐ، لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ص ۴۳۹

(۹۲) دیکھیے: النساء/ ۱۷۱، المائدہ/ ۷۷

(۹۳) ابن سعد/ الطبقات الکبریٰ، ۲/ ۱۸۱

(۹۴) النسائی/ سنن النسائی، ۵/ ۲۶۸، احمد بن حنبل المسند ۱/ ۲۱۵

(۹۵) البقرہ/ ۲۵۶

(۹۶) یونس/ ۹۹

(۹۷) حافظ ابن حجر عسقلانی/ فتح الباری ۱۳/ ۲۹

(۹۸) المائدہ/ ۳۲

(۹۹) مسلم/ الجامع الصحیح ۱/ ۶۴

(۱۰۰) المائدہ/ ۳۳، ۳۴

(۱۰۱) مشکوۃ المصابیح، کراچی، قدیمی کتب خانہ، ۱۳۶۸ھ، ۱/ ۱۲، کتاب الایمان

(۱۰۲) اس حوالے سے دیکھیے:

The News, Karachi 7-8-2002, The News, Karachi, 16-8-2002, The Dawn, Karachi, 17-08-2002, The News, Karachi, 23-08-2002 (Pakistan and Terrorism,) The News, Karachi, 15-07-2003 (Home Grown Terrorism)

1994 سے 2003 تک 100 سے زائد ڈاکٹرز کا قتل، متعدد انجینئرز، علمائے کرام، وکلاء، مختلف مکاتب فکر کے دانشور، سرکاری ایجنسیوں کے اہلکار، فرقہ واریت اور انتہا پسندی کے بھینٹ چڑھے۔ دیکھیے جنگ سنڈے میگزین 19 اکتوبر، 2003 (مذہبی دہشتگردی کی حالیہ لہر: انجام کیا ہوگا) روزنامہ خبریں کراچی 31-10-2003 (دہشتگردی اور پاکستان کو درپیش مشکلات)، Sectarian Complex, Special Report, The News, Karachi, 2-11-2003۔ حسن عابدی کی کتاب/ پاکستانی معاشرہ اور عدم رواداری مطبوعہ مشعل، لاہور اور قربان انجم کی کتاب "فرقہ واریت۔ ملی خودکشی، مطبوعہ دارالتذکیر لاہور، ۱۹۹۸ء .... دیکھی جا سکتی ہیں۔

(۱۰۳) ابوداؤد/ السنن ۱/ ۳۴۳

(۱۰۴) مودودی، سید ابوالاعلیٰ/ تفہیمات، لاہور، اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۸۱، ص ۱۸۱

(۱۰۵) ایضاً ص ۱۸۱

(۱۰۶) اقبال/ کلیات اقبال، لاہور، علم و عرفان پبلی شرز، ص ۳۰۰

(۱۰۷) الحجرات/ ۱۰

(۱۰۸) آل عمران...... ۱۰۳

(۱۰۹) مسلم/ الجامع الصحیح ۸/ ۲۰، باب تراحم المومنین

(۱۱۰) حافظ محمد ثانی، ڈاکٹر/ محسن انسانیتؐ، ۱۹۹۹ء، ص ۲۸۸

(۱۱۱) اقبال/ کلیات اقبال، ص ۳۸۳

(۱۱۲) ابن حجر/ فتح الباری ۱۳/ ۲۹

(۱۱۳) آل عمران/ ۱۰۳

(۱۱۴) آل عمران/ ۱۰۵

(۱۱۵) ابوالحسن علی ندوی، مولانا نبی رحمتؐ، کراچی، مجلس نشریات اسلام، ص ۵۸۳

(۱۱۶) البقرہ/ ۱۴۳

(۱۱۷) دیکھیے: بنی اسرائیل/ ۲۹، الفرقان/ ۴، بنی اسرائیل ۲۶، ۲۷

(۱۱۸) بخاری/ الجامع الصحیح ۱/ ۳۹

(۱۱۹) الکافرون/ ۶

(۱۲۰) الانعام/ ۱۰۸

(۱۲۱) ابوداؤد/ السنن ۲/ ۴۳۳، مطبوعہ نامی پریس، کانپور

(۱۲۲) عبدالکریم زیدان/ احکام الذمیین فی الاسلام، بغداد، ص ۵۹

(۱۲۳) المنذری/ الترغیب والترھیب، قاہرہ، ادارۃ الطباعۃ المنیریہ

(۱۲۴) الاحقاف/ ۳۵

(۱۲۵) الشوریٰ/ ۴۰

(۱۲۶) نیز دیکھیے: البقرہ/ ۲۲۵، آل عمران/ ۱۵۵، النساء/ ۱۲، الحج/ ۵۹، البقرہ ۲۶۳

(۱۲۷) ترمذی/ الجامع ۴/ ۳۷۲

(۱۲۸) النساء/ ۱۴۹، نیز دیکھیے: الاعراف/ ۱۹۷، ۱۹۸، المومنون/ ۹۶، النور/ ۲۲

(۱۲۹) آل عمران/ ۱۳۴

(۱۳۰) شبلی نعمانی/ سیرت النبی، ۲/ ۲۱۴

(۱۳۱) میثاق مدینہ کے متن اور دیگر تفصیلات کے لیے دیکھیے: ابن ہشام/ السیرۃ النبویہ، بیروت، دارالفکر، ۲/ ۱۱۹، ۱۲۰، ابن کثیر/ البدایہ والنہایہ، بیروت، دارالمعرفہ ۱۹۶۹، ۳/ ۲۲۴ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر/ الوثائق السیاسیہ فی العہد النبویؐ، قاہرہ، لجنۃ التالیف والترجمہ، ۱۹۴۱ء، ص ۱۔۷

(۱۳۲) دیکھیے: محمد حمید اللہ/ عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی، کراچی، اردو اکیڈمی، ۱۹۸۷ء، ص ۱۹۶۔۱۹۸، دیگر تفصیلات کے لیے دیکھیے۔ راقم الحروف کا تحقیقی مقالہ ''میثاق مدینہ، سیاست نبویؐ کا مثالی شاہ کار'' مطبوعہ السیرہ، ششماہی، ربیع الاول ۱۴۲۱ھ، ص ۱۳۳۔۱۶۶

(۱۳۳) محمد حمید اللہ/ عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی، ص ۱۰۲

(۱۳۴) محمد رسول اللہؐ (مقالات سیرت النبیؐ) لاہور، مطبوعہ شعبہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ۱۹۸۲ء، ص ۱۶۷

(۱۳۵) محمد حمید اللہ/ عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی/ ص ۷۶، ایضاً/ رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، کراچی، دارالاشاعت، ۱۹۸۷ء، ص ۲۵۵، ایضاً/ خطبات بہاولپور، اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی، ۱۹۹۲ء، ص ۲۳۶

(۱۳۶) ابن ہشام/ السیرۃ النبویہ ۲/ ۱۱۹، ۱۲۰، ابن کثیر/ البدایہ والنہایہ/ ۳/ ۲۲۴، محمد حمید اللہ/ الوثائق السیاسیہ فی العہد النبویؐ ص ۱۔۷

(۱۳۷) Ameer Ali/The Spirit of Islam, Karachi, 1969, P.58

(۱۳۸) بحوالہ: پیر محمد کرم شاہ الازہری/ ضیاء النبیؐ، لاہور، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۱۴۱۵ھ، ۳/ ۱۹۹

(۱۳۹) حسین ہیکل/ حیاۃ محمدؐ، قاہرہ، مطبعۃ النھضۃ العصریہ، ۱۹۴۷ء، ص ۲۲۷

(۱۴۰) یوسف الصالحی / الشامی / سبل الھدیٰ والرشاد، قاہرہ، ۱۹۷۵ء، ۵/ ۸۷
(۱۴۱) خالد علوی، ڈاکٹر / انسان کاملؐ، لاہور، الفیصل ناشران، ۲۰۰۱ء، ص ۱۷
(۱۴۲) صلح حدیبیہ کے متن کے لیے دیکھیے: محمد حمید اللہ / الوثائق السیاسیہ فی العہد النبویؐ، ص ۷۹، ۸۰
(۱۴۳) (سورۃ الفتح/ ۱)
(۱۴۴) ابن حجر عسقلانی / فتح الباری / بیروت، دارالمعروفہ ۵/ ۲۵٦
(۱۴۵) محمد احمد باشمیل / صلح حدیبیہ / مترجم، اختر فتح پوری، کراچی، نفیس اکیڈمی، ۱۹۸۵ء، ص ۲۵٦
(۱۴٦) تفصیل کے لیے دیکھیے: ابن سید الناس / عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر، قاہرہ ۱۹۷۰ء، الواقدی / محمد بن عمر / کتاب المغازی، بیروت، موسسۃ الرسالہ، محمود شیث خطاب / الرسول القائد، بغداد، مکتبۃ الحیاۃ، ۱۹٦۰
(۱۴۷) ابن قیم الجوزی / زاد المعاد، بیروت، مکتبۃ الرسالہ، ۱۹۷۹ء، ۱/ ۴۲۳
(۱۴۸) ابن ہشام / السیرۃ النبویہؐ ۴/ ۳۴
(۱۴۹) حاکم / المستدرک، ریاض، مکتبۃ المعارف، ۳/ ۴۷
(۱۵۰) نعیم صدیقی / محسن انسانیتؐ، ص ۴۴۲
(۱۵۱) امیر علی / روح اسلام، ص ۱۲۹
(۱۵۲) شبلی نعمانی / سیرت النبیؐ، ۱/ ۲۹۴
(۱۵۳) محمد سلیمان منصور پوری / رحمۃ للعالمینؐ، کراچی، دارالاشاعت، ۱۴۱۱ھ، ۱/ ۱۲۹
(۱۵۴) جی سنگھ دارا / رسول عربیؐ، لاہور، سیرت اکیڈمی، ۱۹۸۹ء، ص ۱۱۸
(۱۵۵) سوامی لکشمن پرشاد / عرب کا چاند، لاہور، مکتبہ تعمیر انسانیت، ص ۳۵۳، ۳۵۴
(۱۵٦) ایضاً ص ۳۹۴
(۱۵۷) Arther Gillman/ The Saracens, London, P.184,186
(۱۵۸) ماہنامہ فاران، کراچی، سیرت نمبر جنوری ۱۹۵٦ء
(۱۵۹) بحوالہ: ظفر علی قریشی / محسن انسانیتؐ، اسلام آباد، دعوہ اکیڈمی، ۱۹۹۵ء، ص ٦
(۱٦۰) (Stanley Lane Pool/The Speeches and Table Talk of the Prophet Muhammad, London, 1986,P,46)
(۱٦۱) سوامی لکشمن پرشاد / عرب کا چاند، ص ۱٦۲
(۱٦۲) ابن قیم الجوزی / زاد المعاد، ۱/ ۴۲۳
(۱٦۳) ماہر القادری، بحوالہ اردو میں نعتیہ شاعری از رفیع الدین اشفاق، کراچی، اردو اکیڈمی، ۱۹۷٦ء، ص ٦۱٦
(۱٦۴) البلاذری / فتوح البلدان، قاہرہ، دارالنشر، ص ۴۷
(۱٦۵) حافظ محمد ثانی، ڈاکٹر / رسول اکرمؐ اور رواداری، کراچی، فضلی سنز، ۱۹۹۸ء، ص ۱۹۳
(۱٦٦) امیر علی / روح اسلام، ص ۴۲۳
(۱٦۷) ۲/ ۳۲۷، مطبوعہ لندن ۱۸۸۱ء
(۱٦۸) رئیس احمد جعفری / اسلام اور رواداری، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۵۵ء، ۲/ ۳۰۰

مذہبی انتہا پسندی کا خاتمہ
تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

پروفیسر عبدالماجد، ہری پور

ایاکم و الغلو فی الدین فانما ھلک من کان قبلکم بالغلو فی الدین۔[1]

زیرِ نظر موضوع میں مذہبی انتہا پسندی (Religious Extremism) کے خاتمے کا ذکر ہے جبکہ مطلقاً انتہا پسندی خواہ وہ کسی بھی معاملہ میں ہو بری چیز ہے چاہے وہ مذہبی ہو کہ غیر مذہبی (یعنی سیکولر) انفرادی سطح پر ہو کہ اجتماعی سطح پر، قومی سطح پر ہو کہ بین الاقوامی سطح پر، ہر جگہ انتہا پسندی کے برے نتائج ہی ظاہر ہوتے ہیں۔

انفرادی سطح پر جب افراد انتہا پسندی کا شکار ہوتے ہیں تو دوسروں کے حقوق کا خیال نہیں رکھا جا سکتا بلکہ ہر طرح کے ظلم و جور کو روا رکھا جاتا ہے چنانچہ آپس میں فتنہ و فساد اور جنگ و جدال کا آغاز ہو جاتا ہے نتیجتاً بات قتل و مقاتلہ اور خاندانوں کے مٹنے تک پہنچ جاتی ہے اور یہ فساد اور دشمنی کئی خاندانوں تک چلتی رہتی ہے۔

اجتماعی سطح پر انتہا پسندی اور دوسروں کو برداشت نہ کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مختلف قسم کے گروہ اور فرقے بن جاتے ہیں۔ کچھ خاندان اور قبیلے نسلی تفوق کے زعم میں مبتلا ہو جاتے ہیں، کچھ لسانی بنیادوں پر اپنے آپ کو بہتر سمجھنے لگتے ہیں کچھ جغرافیائی حدود کو انتہا پسندی کی وجہ سے اپنے اعلیٰ و افضل ہونے کا سبب گردانتے ہیں اور کچھ مذہبی اور مسلکی بنیادوں پر اپنے آپ کو بہتر سمجھتے ہوئے دوسروں کو حقیر اور کمتر گردانتے ہیں نتیجتاً قومی اور بین الاقوامی لیول پر فتنہ و فساد کا آغاز ہو جاتا ہے۔

چنانچہ انتہا پسندی کی وجہ سے ہمارے ملک میں مختلف لسانی، نسلی، لونی، مذہبی اور مسلکی گروہ اور جماعتیں آپس میں دست و گریباں ہیں، سینکڑوں قیمتی جانیں انتہا پسندی کی وجہ سے ضائع ہو چکی ہیں اور کئی مذہبی مقامات اور عبادت گاہیں بھی اسی انتہا پسندی کی بھینٹ چڑھ چکی ہیں اور یہ مقدس مقامات بھی اس ناسور سے محفوظ نہیں رہے۔

ہندوستان میں ہزاروں مسلمانوں، سکھوں اور عیسائیوں کا بے دریغ قتل اسی انتہا پسندی کا نتیجہ ہے، فلسطین میں اسرائیلیوں کے ہاتھوں ہزاروں بے گناہ اور مظلوم بچوں، عورتوں اور مردوں کا قتل، کشمیر میں انتہا پسند ہندوؤں کے ہاتھوں پچھلے دس پندرہ سالوں میں نوے ہزار مسلمانوں کا قتل عام، کوسوو میں سرب درندوں کے ذریعے مسلمانوں کا بے دریغ قتل اسی انتہا پسندی کی مکروہ شکلیں ہیں۔

یہ انتہا پسندی ہی ہے جس کی وجہ سے روس نے افغانستان میں کئی سال جنگ کر کے سولہ لاکھ افغانوں کا خون بہایا اور امریکہ نے ۱۹۹۰ء کی دہائی اور اکیسویں صدی کی پہلی دہائی میں عراقی عوام پر لاکھوں ٹن گولہ بارود برسا کر ہیروشیما کی تباہی کا ریکارڈ توڑ دیا۔ ان تمام تباہیوں اور ظلم و بربریت کے پیچھے ضروری نہیں کہ مذہبی انتہا پسندی ہی کارفرما ہو یہ تو بظاہر سیکولر طاقتیں

ہیں جو ہر طرف اپنی انتہا پسندانہ پالیسیوں کی وجہ سے ہر طرف تباہی پھیلا رہی ہیں۔

مذہبی انتہا پسندی کا مطلب ومفہوم:

مذہبی انتہا پسندی کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مسلمان انفرادی اور اجتماعی طور پر دین اسلام پر کار بند نہ ہوں اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام پر عمل نہ کریں اگر کوئی اس کا یہ مفہوم لیتا ہے تو وہ صریحاً قرآن وسنت کی واضح نصوص کا انکار کرتا ہے اور اس کا یہ خود ساختہ مفہوم قرآن وسنت سے ٹکراتا ہے کیونکہ قرآن عزیز میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً.

اے ایمان والو اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔[۲]

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ.

جو کوئی بھی اسلام کے علاوہ کسی دوسرے دین کا طالب ہوگا تو اس سے وہ (دین) ہرگز قبول نہ کیا جائے گا بلکہ وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں سے ہوگا۔[۳]

نیز ارشاد فرمایا:

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ.

اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ دین تو اسلام ہی ہے۔[۴]

اور یہ بھی فرمایا کہ: کتاب کے بعض حصے کو ماننا اور بعض کو نہ ماننا دنیا میں رسوائی اور آخرت میں نقصان کا باعث ہے۔[۵]

ہمارے نزدیک مذہبی انتہا پسندی کا مطلب یہ ہے کہ ایک مذہب ومسلک والے یہ سمجھیں کہ سارا حق ان کے پاس ہے اور اس کلی حق کے لئے ضروری ہے کہ اسے دوسروں پر بزور مسلط کیا جائے، اگر مخاطب نہ مانے تو اس پر تشدد کیا جائے اور اس سے بزور طاقت منوایا جائے۔ مذہب اور مسلک کے بارے میں یہ ذہنیت مذہبی انتہا پسندی ہی کی ایک شکل ہے اسے جدید اصطلاح میں Syncretism بھی کہا جاتا ہے۔ اس طرح مختلف مسالک اور فقہائے اربعہ کے مابین جو اختلافات واقع ہوئے ہیں ان کو اس درجہ کا اختلاف سمجھا جانے لگے جس کی وجہ سے ایک دوسرے کو فاسق وفاجر اور کافر تک کہا جانے لگے بلکہ اس سے آگے بڑھ کر ایک دوسرے کے خون کو مباح سمجھا جانے لگے، یہ مذہبی انتہا پسندی کی قبیح ترین شکل ہے جو نہ تو قرآن وسنت سے کہیں ثابت ہے اور نہ ہی اس کی نظیر علماء متقدین ومتاخرین کے ہاں سے ملتی ہے۔ ان علماء کے ہاں مسلکی وفقہی اختلاف نظر وفکر اور فروعی نوعیت کا اختلاف رہا بنیادی عقیدے اور عمل کے اختلاف تک نہ پہنچ سکا، فریقین ایک دوسرے کے حق میں کہا کرتے تھے:

> ''ہماری رائے درست ہے مگر اس میں خطا کا احتمال موجود ہے اور فریق مخالف کی رائے غلط ہے مگر صحت کے احتمال سے خالی نہیں''۔[۶]

اسی طرح یہ سیکولر انتہا پسندی ہے کہ مسلمانوں یا دوسرے مذاہب والوں کو ان کی مذہبی رسومات سے روک دیا جائے اور انہیں آزادانہ طور پر مذہب پر عمل نہ کرنے دیا جائے۔

مثلاً کئی جگہوں پر مسلمانوں کو نماز نہ ادا کرنے دینا، مسلمان بچیوں کو سکارف نہ اوڑھنے دینا، مسلمانوں کے مذہبی شعائر کی بے حرمتی، کعبۃ اللہ کے انہدام کی باتیں کرنا، قتال فی سبیل اللہ کے صحیح مفہوم وحدود کو نہ سمجھتے ہوئے جانے یا انجانے طور پر اس کے خلاف آواز اٹھانا، اکا دکا واقعات کی وجہ سے تمام مسلمانوں کو جنونی Fanatic، متشدد، انتہا پسند اور بنیاد پرست وغیرہ کہہ دینا۔

اسے سیکولر انتہا پسندی کہیں یا مذہبی انتہا پسندی کہ بغیر کسی ٹھوس ثبوت کے دوسرے ملکوں کے خلاف یکطرفہ طور پر کوئی رائے قائم کر کے ان کے خلاف مسلح کارروائی کرنا بلکہ اس سے آگے بڑھ کر کسی دوسرے ملک پر قبضہ کر کے اس ملک کی رعایا کے ساتھ جانوروں جیسا سلوک کرنا، یہ انتہا پسندی بلکہ کھلم کھلا دہشت گردی نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ ایسی دہشت گردی ہے جس کے خلاف خود ان جارح ممالک کے باضمیر عوام سراپا احتجاج بن جاتے ہیں۔ اگر کسی ملک پر کوئی دوسرا ملک مکمل طور پر بلاوجہ قابض ہو جائے اور وہاں کی عوام اپنے دفاع کے لئے ہتھیار اٹھا لے یا اپنی جانوں پر کھیل کر غیر ملکی قابض اور غاصب افواج پر خودکش حملے کرے تو کیا یہ مذہبی انتہا پسندی یا دہشت گردی ہے یا اس کے اصل ذمہ دار وہ بین الاقوامی غاصبین اور قابضین مثلاً امریکہ اور برطانیہ وغیرہ ہیں جو کہ اقتصادی وسیاسی وجوہات کی بناء پر دوسرے ممالک پر قابض ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح اگر اسرائیلی بلا تخصیص فلسطینیوں پر ہیلی کاپٹروں اور جیٹ طیاروں کے ذریعے بم گرائیں تو وہ امن پسند قرار پائیں اور بے گناہ فلسطینی اپنے دفاع کیلئے اگر کوئی حملہ یا خودکش حملہ کر دیں تو وہ جنونی، انتہا پسند اور دہشت گرد قرار پائیں۔

بہرحال مذہبی انتہا پسندی بری چیز ہے لیکن جہاں پر بین الاقوامی دہشت گرد دوسرے ملکوں پر امن کے نام پر چڑھ دوڑیں اور ''مرتا کیا نہ کرتا'' کے مصداق بے چارے عوام ہاتھ اٹھا لیں یا کوئی حملہ کر دیں تو یہ مذہبی انتہا پسندی نہیں بلکہ یہ تو اپنا دفاع ہے جس کی اجازت ہر مذہب دیتا ہے۔

اسی طرح یہ مذہبی انتہا پسندی (بلکہ کھلم کھلا دہشت گردی اور اعلان جنگ ہے) کہ کسی دوسرے مذہب کی کتاب میں شامل بعض بنیادی اور ضروری تعلیمات کے خلاف ایک طوفان بدتمیزی اٹھا لیا جائے اور ان تعلیمات کو اس کتاب سے نکالنے یا مٹانے کی بات کی جائے جیسے بعض ممالک کی طرف سے قرآن حکیم سے آیات جہاد کو نکالنے کی باتیں بلکہ منظم کوششیں ہو رہی ہیں، اسی طرح بعض تحریکوں جیسے صیہونیت کی طرف سے بعض ویب سائٹس کے ذریعے تحریف قرآن کی منظم کوششیں کرنا۔[۷] یہ کھلی انتہا پسندی بلکہ اعلان جنگ ہے۔

بہرحال ہم آئندہ صفحات میں پہلے مذہبی انتہا پسندی کی وجہ سے جو فتنہ وفساد نمودار ہوا اس کا ذکر کریں گے پھر اسلام کی ان تعلیمات کا ذکر کریں گے جو اس طرح کی مذہبی انتہا پسندی کے خاتمے کے لئے عطا کی گئی ہیں اور پھر بین الاقوامی انتہا پسندی کا ذکر کر کے اس کے خاتمے کے لئے تجاویز پیش کریں گے۔

مذہبی انتہا پسندی کا نتیجہ......مسلمانوں کا آپس میں جنگ وجدال:

مذہب کے بارے میں حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات افراط وتفریط سے پاک راہ معتدل کی طرف رہنمائی کرتی ہیں اور بنی نوع انسان کو پرامن بقائے باہمی (Peaceful mutual co-existence) کے اصول کے ذریعے ایک کنبہ بنانے کی صلاحیت رکھتی ہیں لیکن بدقسمتی سے آج مسلمان ان تعلیمات پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے آپس میں ہی دست وگریبان ہیں۔ وہ امت جو ہر لحاظ سے ناقابل تقسیم وحدت تھی اور جسے بنیان مرصوص بن کر زمانے میں اسلام کے پیغام کو پوری انسانیت تک پہنچانا تھا آج وہ افتراق وتشتت کا شکار ہے۔ مسلمانوں کی مختلف جماعتیں اور گروہ مسلکوں کی بنیاد پر ایک دوسرے سے برسر پیکار ہیں اور چھوٹے چھوٹے فروعی اور نقطہ نظر کے اختلافات کی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ غیر مسلموں والا سلوک شروع کر دیا ہے جو انتہائی خطرناک ہے۔ کسی بھی معاملہ میں اختلاف رائے کا ہونا کوئی مذموم چیز نہیں کیونکہ قدرت کے نظام میں سو فیصد یکسانیت (Monotony) محال ہے لیکن اختلاف رائے کو اتنا بڑھا لینا کہ باہمی نزاع اور جنگ وجدال تک بات پہنچ جائے یہ بہرحال مذموم ہے۔ غیر منصوص احکام کے بارے میں اختلاف رائے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں آپ کی مجلس میں بھی ہوتا رہا اور خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عہد میں جب نئے نئے مسائل سامنے آئے جن کا ذکر قرآن واحادیث میں صراحتًا نہ تھا تو اختلاف رائے ہوا اور یہ اختلاف رائے عقل ودیانت کی بناء پر ناگزیر بھی تھا۔[۸] لیکن بات کبھی بھی مستقل جھگڑوں اور ایک دوسرے کی تفسیق وتکفیر تک نہیں پہنچی جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے۔ ایک دفعہ حضرت ابی بن کعب اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا ایک مسئلہ میں اختلاف ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سنا تو غضبناک ہو کر باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ ''افسوس رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے دو ایسے شخص جھگڑ رہے ہیں جن کی طرف لوگوں کی نظریں ہیں اور جن سے لوگ دین کا استفادہ کرتے ہیں'' پھر دونوں حضرات کے اختلاف کا فیصلہ یوں کیا ''صدق ابی فلم یال ابن مسعود'' یعنی صحیح بات تو ابی ابن کعب کی ہے مگر اجتہاد میں کوتاہی ابن مسعود نے بھی نہیں کی۔[۹] حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فیصلے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اجتہادی مسائل واختلافات میں ایک قول صحیح وصواب ہوتا ہے اور دوسرا اگرچہ صواب نہیں ہوتا مگر ملامت اس پر بھی نہیں کی جا سکتی کیونکہ بخاری ومسلم میں عمرو بن العاص سے ایک روایت ہے کہ جب کوئی اجتہاد کرے اور وہ حکم ٹھیک ہو تو اس کو دو اجر ملتے ہیں اور جب وہ اجتہاد میں غلطی کرے تو اس کو بھی ایک اجر ملتا ہے۔[۱۰] دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ایسے اجتہادی مسائل میں اختلاف پر زور دینا اہل علم کیلئے مناسب نہیں جس سے ایک دوسرے پر ملامت یا نزاع وجدال کے خطرات پیدا ہوں۔

امام شافعی رحمتہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ مجتہدین کو آپس میں ایک دوسرے کا تخطیہ نہیں کرنا چاہیئے یعنی ایک دوسرے کو یوں نہ کہے کہ: آپ نے غلطی کی یا آپ غلطی پر ہیں۔[۱۱] کیونکہ مجتہدین کے اختلافات میں جب کوئی جانب منکر نہیں ہوتی تو غیر منکر پر نکیر خود منکر ہے۔ اس لئے نرمی، خیر خواہی سے انسان دوسرے کو متنبہ کر دے اگر وہ قبول کر لے تو بہتر ہے ورنہ جھگڑا اور

بدگوئی نہ کرے، امام مالک رحمتہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے ہو کہ علم میں جھگڑا اور جدال نور علم کو انسان کے قلب سے نکال دیتا ہے کسی نے عرض کیا کہ ایک شخص جس کو سنت کا علم ہو کیا وہ حفاظت سنّت میں جدال کر سکتا ہے؟ فرمایا نہیں بلکہ وہ مخاطب کو صحیح بات سے آگاہ کر دے وہ قبول کر لے تو بہتر ہے ورنہ سکوت اختیار کرے۔[۱۲] (نزاع و جدال سے پرہیز کرے) قرآن حکیم میں وجادلھم بالتی ھی احسن کا یہی مطلب ہے کہ محبت اور دلیل کے ساتھ افہام وتفہیم کی کوشش کی جائے۔[۱۳] اور بقول مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ:

''اجتہادی وفروعی اختلافات کے ساتھ جو معاملہ آج کل کیا جا رہا ہے کہ اسی بحث ومباحثہ کو دین کی بنیاد بنا لیا گیا ہے اور اس پر باہمی جنگ وجدال اور سب وشتم تک نوبت پہنچا دی گئی ہے یہ طرز عمل بلاشبہ ولا تفرقوا کی کھلی مخالفت اور صحابہ وتابعین کی سنت کے بالکل خلاف ہے، اسلاف امت میں کبھی کہیں نہیں سنا گیا کہ اجتہادی اختلافات کی بناء پر اپنے سے مختلف نظریہ رکھنے والوں پر اس طرح نکیر کیا گیا ہو''[۱۴] (جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے)۔

آج حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وارثین کو آپ کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے آپس میں رواداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے افہام وتفہیم پیدا کرنی ہوگی (بمطابق وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعاً وَّلَا تَفَرَّقُوْا) اور بزرگوں کے اس قول پر عمل کرنا ہوگا کہ:

''اپنے مسلک کو چھوڑو نہ اور دوسرے کے مسلک کو چھیڑو نہ''۔[۱۵]

۔کیونکہ امت کا اس پر اتفاق ہے اور عقلاً بھی اس کے سوا کوئی صورت دین پر عمل کرنے کی نہیں کہ جو لوگ اجتہاد کا درجہ نہیں رکھتے وہ اجتہادی مسائل میں کسی امام یا مجتہد کی رائے پر عمل کریں اور اسی طرح دوسرے کسی دوسرے امام مجتہد کی پیروی کریں تو کوئی حرج نہیں جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

''انہیں فقہ کے مذاہب اربعہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یکساں تصور کرنے کی ہدایت کی کیونکہ فقہ کے تمام قوانین کی اصل بنیاد تو عنایت الٰہی ہے اس کے جیسے جیسے زمانہ بدلتا گیا اس کے مطابق اس اصل سے نئی نئی شاخیں اور الگ الگ صورتیں بنتی جاتی ہیں چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روح کے جوہر میں ان تمام فقہی فروعات کا بنیادی علم موجود ہے اس لئے آپ ﷺ کی نظر میں ان میں سے ایک کو دوسرے پر کوئی امتیاز نہ ہو''۔

آگے وہ لکھتے ہیں کہ:

''بات دراصل یہ ہے کہ فقہ کے مذاہب گو ایک دوسرے مختلف ہیں لیکن جہاں تک فقہ کے ضمن میں دین اسلام کے ضروری اصول ومبادی کا تعلق ہے وہ مذاہب فقہ میں سے ہر مذہب میں موجود ہیں''۔[۱۶]

اس لئے آج علماء کرام کو فقہی وفروعی مسائل میں وسیع النظری کا ثبوت دیتے ہوئے ایک دوسرے کو برداشت کرنا ہوگا

اور اپنی تحریر و تقریر کے ذریعے امت کے اندر اتحاد و اتفاق کی فضا پیدا کرنا ہوگی اور اگر تنقید ضروری ہی ہو تو پھر قرآنی حکم......
وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى [۱۷] کے مطابق مخالف کے معاملہ میں عدل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا ہوگا اور دوسروں پر تنقید کرتے وقت یہ بات مستقر رہے کہ رب العالمین کی عدالت میں ہر بات اور دعوے کو ثابت کرنا پڑے گا (کوئی ایسا دعویٰ جزم کے ساتھ نہ کیا جائے جسے شرعی اصولوں کے مطابق ثابت نہ کیا جا سکے)۔

باہمی مسئلہ تکفیر:

مسلمانوں کے درمیان افتراق و انتشار کا بڑا سبب تکفیر کا فتنہ ہے یعنی ایک فرقے یا مسلک کا دوسرے کو برداشت نہ کرتے ہوئے اس کے متبعین کو کافر قرار دے کر خارج از اسلام سمجھنا[۱۸] باہمی تکفیر کا یہ فتنہ اتنا وبائی ہے کہ جس کی زد سے آج کوئی مسلمان محفوظ نہیں کیونکہ ہر مسلمان کا کسی مسلک یا جماعت سے تعلق ہے جو دوسرے کے نزدیک نہ صرف یہ کہ کافر بلکہ مباح الدم اور واجب القتل ہے۔ بعض مفتیوں کے ایسے فتوے موجود ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ جو شخص فلاں فرقے اور اس کے فلاں شخص یا اشخاص کو کافر نہ سمجھے وہ بھی کافر ہے۔ ایسے ہی فتووں اور مناظروں کی وجہ سے امت مسلمہ اس وقت متحارب گروہوں میں تقسیم ہے اور اس مسئلہ کی وجہ سے امت کو جتنا نقصان پہنچا اور عالمی سطح پر مسلمانوں کی جتنی بدنامی ہوئی اتنی کسی اور مسئلہ کی وجہ سے نہیں ہوئی بلکہ اس وجہ سے جدید تعلیم یافتہ طبقے کی علماء اور اسلام سے بعد کی کیفیت پیدا ہوئی ہے۔ یہی وہ فتنہ ہے جس کی وجہ سے آج امت کی پناہ گاہیں (عبادت گاہیں) بھی محفوظ نہیں اور انہیں مسلمانوں کے معصوم خون کے ساتھ رنگین کیا جاتا ہے حالانکہ قرآن و سنت سے جو ہدایات ملتی ہیں ان کے مطابق جو شخص ضروریات دین کا انکار نہ کرتا ہو اور قبلہ کی طرف نماز پڑھتا ہو وہ جتنا بھی گناہگار اور کبائر کا مرتکب ہو اس کی تکفیر کسی طرح سے بھی جائز نہیں۔[۱۹] مسلمان بڑی سے بڑی ناگوار بات بلکہ گالی تک برداشت کر لیتا ہے لیکن جب اسے کافر کہا جائے تو یہ وہ کبھی برداشت نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اس فتنہ کے سدباب کیلئے بڑی واضح تعلیمات عطا کی ہیں۔

عن انس رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم ثلاث من اصل الایمان الکف عن من قال لا اله الا الله لا تکفره بذنب ولا تخرجه من الاسلام بعمل (۲۰)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ تین چیزیں اصل ایمان ہیں ان کا ایمان سے گہرا تعلق ہے ایک یہ کہ جو شخص کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھتا ہو۔ اس کے متعلق زبان کو روکنا نہ کسی گناہ کی وجہ سے اس کی تکفیر کی جائے اور نہ کسی برے عمل کی وجہ سے اسے اسلام سے خارج کی جائے۔ جو شخص کسی کو کافر کہے درانحالیکہ وہ حقیقت میں کافر نہ ہو تو کفر کا فتویٰ تکفیر کرنے والے کی طرف آئے گا۔

ایما رجل قال لاخیه یا کافر فقد باء با حد هما

جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کو کافر کہے تو یہ قول دونوں میں سے کسی ایک پر ضرور پڑے گا۔[۲۱]

لا یرمی رجل رجلا بالفسوق ولا یرمیه بالکفر الا ارتدت علیه ان لم یکن صاحبه کذالک [۲۲] جب کبھی ایک شخص دوسرے پر فسق یا کفر کی تہمت لگاتا ہے تو وہ تہمت اس پر لوٹ آئے گی اگر وہ شخص جس پر تہمت لگائی گئی تھی درحقیقت کافر یا فاسق نہ ہو۔

من دعا رجلا بالکفر اوقال عدو اللّٰہ ولیس کذالک الاحار علیه [۲۳] جو شخص کسی کو کافر یا دشمن خدا کہے جبکہ وہ شخص ایسا نہ تھا تو یہ قول خود قائل پر ضرور پڑے گا من لعن مومنا فھو کقتله و من قذف مومنا بالکفر فھو کقتله [۲۴] جس نے کسی مومن پر لعنت کی اس نے گویا اسے قتل کیا اور جس نے کسی مومن پر کفر کی تہمت لگائی اس نے گویا اسے قتل کر دیا۔

اس طرح فقہاء کرام نے کفر کے حوالے سے یہ اصول بیان کیا ہے من قواعد اھل السنة والجماعة ان لا یکفر واحد من اھل القبلة [۲۵] اہل سنت والجماعۃ کے بنیادی قواعد میں سے ہے کہ اہل قبلہ کی تکفیر نہ کی جائے اور امام ابو حنیفہ نے بھی یہی کہا ہے عن ابی حنیفة لا تکفر اھل القبلة بذنب [۲۶]

اور اہل قبلہ سے کیا مراد ہے؟ اس کا جواب فقہاء نے یہ دیا ہے کہ واعلم ان اھل القبلة الذین اتفقوا علی ماھو من ضروریات الدین کحدوث العالم وحشر الاجساد [۲۷]

مفتی محمد شفیع صاحب نے اپنی کتاب جواہر الفقہ میں ضابطہ کفر کے ذیل میں لکھا ہے ''اگر کسی خاص شخص یا جماعت کے متعلق حکم بالکفر میں تردد ہو خواہ وہ تردد کفر کے اسباب میں علماء کا اختلاف ہو، خواہ قرائن کا تعارض ہو یا اصول کا غموض تو اسلم یہ ہے کہ نہ کفر کا حکم لگایا جائے نہ اسلام کا۔ اس کی نظیر وہ حکم ہے جو اہل کتاب کی مشتبہ روایات کے متعلق احادیث میں وارد ہے کہ:

لا تصدقوا اھل الکتاب ولا تکذبو ھم وقولوا امنا باللّٰہ وما انزل الینا

یعنی اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب اور کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو اس نے اتارا ہم پر [۲۸]

روایات بالا سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مسئلہ تکفیر نہایت نازک مسئلہ ہے اور بقول مولانا مودودی:

''اسلام میں کسی خاص شخص یا گروہ کو کافر کہہ دینے کا معنی یہی نہیں کہ اس کے اعتقاد اور نیت پر حملہ کیا گیا بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اسلامی معاشرے اور اس کے ایک فرد یا چند افراد کے درمیان برادری، محبت، معاشرت اور باہمی تعاون کے جتنے رشتے تھے سب کاٹ دیئے گئے اور امت مسلمہ کے جسم سے ایک عضو یا متعدد اعضاء کو کاٹ کر پھینک دیا گیا۔ یہ فعل اگر خدا اور رسول کے حکم کے مطابق ہو تو یقیناً حق ہے اس صورت میں اس سڑے ہوئے عضو کو کاٹ کر پھینک دینا ہی اسلام کے ساتھ سچی خیر خواہی ہے لیکن اگر قانون الٰہی کی رو سے وہ سڑا ہوا نہ ہو اور محض ظلم سے کاٹ ڈالا ہو تو ظلم خود اس عضو سے بڑھ کر اس جسم پر ہوگا جس سے وہ کاٹا گیا ہو''۔ [۲۹]

یہی وجہ ہے کہ حضورﷺ نے اس دینی رشتہ کے احترام کی سخت تاکید کی ہے اور اس شخص کے بارے میں سخت عذاب کی دھمکی دی ہے جو امت کے افراد میں فتنہ وانتشار کا باعث بنے۔[۳۰]

شیعہ سنی تنازع:

گزشتہ چودہ سو سال سے شیعہ امت مسلمہ میں ایک فرقے کی حیثیت سے موجود ہیں وراس کے باوجود کہ ان میں سے بعض غالی گروہوں کی انتہائی گمراہی پر مشتمل عقائد کی وجہ سے مختلف علماء وفقہاء نے ان کی تفسیق وتکفیر بھی کی ہے لیکن مجموعی اعتبار سے کبھی بھی امت کا تمام اھل تشیع کی تکفیر پر اجماع نہیں ہوا[۳۱] (کیونکہ ان میں کئی فرقے اعتدال پسند اور بعض بین بین ہیں) امت کی تاریخ میں معمولی نہیں بڑے بڑے اختلاف ہوئے لیکن ان کی بنیاد پر کسی کی تکفیر نہیں ہوئی (Tolerance) اسلام کی تاریخ میں رہا ہے۔ اس کی مثال دنیا کے کسی مذہب میں نہیں ملتی جبکہ عیسائیت کے مختلف فرقوں میں اتنا کشت وخون ہوا کہ اس پر خود ان کی گردنیں شرم سے جھک جاتی ہیں لیکن اس کے برعکس اسلام نے اختلافات کو (Absorb) کیا ہے کیونکہ مختلف ادوار میں جتنے فرقے پیدا ہوئے وہ چونکہ بنیادی ایمانی عقائد اور ارکان اسلام کو کسی نہ کسی صورت میں مانتے تھے لہٰذا نہ ان کی تکفیر ہوئی اور نہ انہیں دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا گیا چنانچہ علمائے متقدین نے مختلف فرقوں پر جو کتابیں لکھی ہیں ان میں ان فرقوں (معتزلہ، مرجیہ، قدریہ، روافض اور جہمیہ وغیرہ) کو مسلم قرار دیا اور ان کے عقائد وافکار پر بحث وتحقیق کی، البتہ بعض کتابوں میں ان کو فرق ضالہ یعنی گمراہ اور بھٹکے ہوئے فرقوں[۳۲] سے تعبیر کیا۔ شیخ ابوالحسن الاشعری نے اس طرح کی ایک کتاب لکھی اس کا نام مقالات الاسلامیین رکھا جو اس کتاب میں ذکر شدہ فرقوں کے مسلمان ہونے پر دلالت کرتا ہے۔[۳۳] اسی طرح مصری عالم شیخ ابو زھرہ نے اس موضوع پر ایک عام فہم کتاب (اسلامی مذاہب) لکھی ہے جس میں ان سب فرقوں کو (ماسوائے ان کی چند شاخوں کے) مسلم تسلیم کرتے ہوئے ان کے عقائد ونظریات کو واضح کیا ہے (اس کا اردو ترجمہ پاکستان کے پروفیسر غلام احمد حریری نے کیا ہے)۔

الغرض اگر کوئی شخص یا گروہ کچھ ایسے غلط عقائد کا قائل تھا اور کہیں تکفیر بھی ہوئی ہے لیکن موجودہ دور میں جو قتل وغارت اور جنگ وجدال کا بازار گرم ہوا ہے ایسا کبھی کسی دور میں نہیں ہوا اور نہ ہی کسی فرد یا گروہ کو اسلام اس کی اجازت دیتا ہے کہ قانون اپنے ہاتھوں میں لیکر دوسرے اشخاص یا گروہ پر مسلح حملے کرے اور پھر اس سے آگے بڑھ کر ان کے مقامات عبادت پر حملے کئے جائیں اور اسے جہاد اور کار ثواب قرار دیا جائے۔ اسلام نے تو کھلے کافروں کی معابد کو نقصان پہنچانے یا ان پر حملے کرنے کو حرام اور گناہ کبیرہ قرار دیا ہے جبکہ یہاں اپنے آپ کو مسلمان کہنے والے دوسروں کی معابد پر حملے کرتے اور مسلمانوں کا بے گناہ قتل عام کرتے ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا اسوہ حسنہ اس حوالے سے تمام گروہوں کے لئے مشعل راہ بن سکتا ہے کہ آپ نے اپنے دور کے خوارج (جو اعلانیہ طور پر اسلامی حکومت کے خلاف تھے اور بزور شمشیر اس کو ختم کرنے پر تلے ہوئے تھے اور کئی غلط خیالات

نظریات کے قائل تھے) یہ پیغام دیا کہ:

کونوا حیث شئتم و بیننا و بینکم ان لاتفسکوا دما ولا تقطعوا سبیلا ولا تظلموا احدا

تم جہاں چاہو رہو ہمارے تمہارے درمیان شرط یہ ہے کہ تم خونریزی اور رہزنی سے باز رہو اور ظلم اختیار نہ کرو۔[۳۴]

ایک دوسرے موقع پر انہیں یہاں تک پیغام دیا کہ:

لا نبدء کم بقتال مالم تحدثوا فسادا

جب تک تم فساد کے مرتکب نہیں ہوگے ہم تمہارے خلاف لڑائی کی ابتدا نہیں کریں گے۔[۳۵]

آج امت مسلمہ کے مختلف گروہوں اور جماعتوں کو اعتدال اور تحمل و برداشت کا مظاہرہ کرتے ہوئے (Peacefully) ایک دوسرے کے ساتھ رہنے کی ضرورت ہے اور بجائے سختی، تشدد اور انتہا پسندی کے آپس میں افہام وتفہیم پیدا کرنا وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے کیونکہ زبردستی اور شدت سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہوتا بلکہ مزید الجھ جاتا ہے جیسا کہ اہل سنت کے ایک بڑے عالم اور شیخ الحدیث مولانا سرفراز خان صفدر مدظلہ نے مختلف جماعتوں اور گروہوں کے رہنماؤں اور کارکنوں کے نام اپنے خط میں یہ لکھا کہ:

''نوجوان جذباتی ہوتے ہیں اور جذبات میں بہت کچھ کر اور کہہ جاتے ہیں۔ شدت اور سختی سے کبھی بھی مسائل حل نہیں ہوتے اور نہ قوت و طاقت سے کسی فرد یا (جماعت کے) نظریہ کو ختم کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے گذارش ہے کہ نوجوانوں کو قولاً وفعلاً شدت اختیار کرنے سے سختی کے ساتھ روکیں۔ در و دیوار پر کافر کافر لکھنے اور نعرہ بازی سے بجائے فائدہ کے نقصان ہوگا (اور ہوا ہے) عیاں راچہ بیان''۔[۳۶]

بدقسمتی سے تقلید اور عدم تقلید، دیوبندی اور بریلوی اور حیات وممات وغیرہ کے ضمن چند فروعی اور خالص علمی طرز کے مسائل کو (جن کا عوام سے کوئی تعلق نہ تھا اور نہ ہی ان پر آخرت کی نجات کا مدار تھا) عوامی اجتماعات میں بیان کر کے رہی سہی کی کو بھی پورا کر دیا گیا اور افتراق وتشتت کی وہ فضا قائم کر دی گئی جس کو ختم کرنا (ماسوائے فضل الٰہی کے) بظاہر ناممکن نہ سہی انتہائی مشکل ضرور ہے۔ ان چند مسائل کو (جن کی حیثیت اولیٰ اور غیر اولیٰ سے بڑھ کر ہرگز نہ تھی) اس قدر شدت اور مجادلانہ انداز میں عوام کے سامنے بیان کیا گیا (اور کیا جا رہا ہے) کہ ایک پہلو اختیار کرنے والے دوسرے کے ذبیحہ کو حرام سمجھنے لگے، دوسرے کی اقتداء میں نماز ادا کرنا جرم قرار دیا جانے لگا اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ ایک ہی مسلک ومشرب رکھنے والے ایک دوسرے کی تفسیق وتکفیر پر اتر آئے۔ یہ سب کچھ محض انتہا پسندی ہی کی کرشمہ سازیاں ہیں کہ دین کے ضروری اور بنیادی مسائل (فرائض وضو وغسل، فرائض نماز، طریقہ نماز وغیرہ سے ناواقف بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ کلمہ طیبہ کے صحیح تلفظ سے عاری) بلکہ اس سے ناواقف لوگ بھی ان مسائل میں مناظرے کر کے باہم دست وگریباں ہیں اور انہی مسائل کو ایمان اور کفر کا مدار گردانتے ہیں اور ایک دوسرے کی عبادت گاہوں پر قبضے وغیرہ کو کار ثواب اور حق کی فتح قرار دیتے ہیں۔

چونکہ مسئلہ تکفیر اور فروعی اختلافات میں حد درجہ غلو کی وجہ سے مسلمانوں کے اندر بہت زیادہ فساد اور کشت و خون ہو چکا ہے اس لئے حکومت کو فوراً اس مسئلے کی طرف خلوص نیت کے ساتھ متوجہ ہونا چاہئے اور تمام مسالک اور مکاتب فکر کے سنجیدہ اور جید علماء پر مشتمل ایک بورڈ بنا کر متفقہ ضابطہ اخلاق بنوانا چاہئے جیسا کہ توہین رسالت ﷺ پر سزائے موت ہے اسی طرح کا ایک قانون منظور کروانا چاہئے جس میں صحابہ کرام، اہل بیت عظام اور ازواج مطہرات کی توہین پر سخت سزائیں مقرر ہوں مزید برآں امن و امان کے قیام اور بدامنی ختم کرنے کے لئے تفسیق و تکفیر کے عمل پر پابندی لگائی جائے اور فروعی مسائل کی عوامی سطح پر تحریر و تقریر کے ذریعے نشر و اشاعت کو ممنوع قرار دیا جائے اور بلاوجہ اس کا ارتکاب کرنے والوں پر سخت تعزیری سزائیں مقرر ہوں۔

مذہبی رواداری اور تعلیمات نبویؐ:

اسلام کے خلاف مغرب کے بے جا پروپیگنڈے اور خوف کے بیان کرنے سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حقیقی اسلامی تعلیمات ذکر کر دی جائیں جو دوسرے مذاہب اور اس کے ماننے والوں کو برداشت کرنے کے حوالے سے ہیں۔

معاشرے میں فتنہ و فساد اور بگاڑ و انتشار کی ایک بڑی وجہ تنگ نظری اور تعصب ہے جس سے غلو اور انتہا پسندی کی فضا پیدا ہوتی ہے جبکہ حضور ﷺ نے جو تعلیمات دی ہیں وہ مذہبی تعصب اور تنگ نظری کو ختم کر کے معاشرے کی تشکیل رواداری اور اعتدال کے اصولوں پر کرتی ہیں چونکہ حضور ﷺ اقوام عالم کے لئے رحمت بن کر آئے تھے اور اسلام بھی تمام قوموں کے لئے رحمت ہے اس لئے مذہب کے حوالے سے حضور ﷺ کی تعلیمات بڑی وسعت پر مبنی ہیں آپؐ سے قبل دین کے باب میں قطعاً آزادی نہ تھی بلکہ مذہب تبدیل کرنے کے لئے بڑی سختی برتی جاتی تھی۔ علامہ فرید وجدی نے لکھا ہے:

> ''مذہب کے قبول کرنے پر مجبور کرنے میں بے رحمی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ جو لوگ انکار کرتے تھے وہ بڑھکتی ہوئی آگ کے حوالے کئے جاتے، پھاڑنے والے حیوانات کے آگے ڈالے جاتے تھے یا ان کی دونوں ٹانگیں دو گھوڑوں کے پاؤں میں باندھ کر ان کو مخالف سمتوں میں چھوڑ دیتے تھے، تانبہ پگھلا کر ان پر ڈالتے تھے یا ان کو ہلکی آگ پر کئی روز تک رکھ دیتے اور ان کی چربی پگھل کر بہہ جاتی''۔ [۲۷]

جبکہ اسلام کی مذہبی رواداری کا ذکر گوبینو (Gobineau) نے ان الفاظ میں کیا ہے:

> ''اگر ہم مذہبی اصولوں سے سیاسی ضروریات کو الگ کر دیں جنہوں نے مذہب کے نام پر زبان اور ہاتھ سے کام لیا تو کوئی مذہب اسلام کی مثل روادار اور صلح کل نہیں ملے گا، جس نے دوسروں کو اس قدر مذہبی آزادی دی ہو بلکہ ان کے دین و ایمان سے کوئی سروکار نہ رکھا۔ رواداری مسلمانوں کی طبیعت کا ایک محکم خاصہ اور مکمل مذہبی آزادی ان کے مذہب کا دستور العمل رہا ہے''۔ [۲۸]

اسلام دنیا کا واحد دین ہے جس نے آ کر اعلان کیا کہ مذہب کے معاملے میں کوئی زبردستی اور جبر نہیں:

(لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ) [۲۹]

کیونکہ ہدایت گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے۔ اس لئے جو چاہے اسے قبول کرے اور جو چاہے انکار کرے (فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ) [۴۰]

اسلام نے دیگر مذاہب کے ساتھ پر امن بقائے باہمی کا رشتہ قائم کرنے کے لئے اھل کتاب کو آگے بڑھنے کی دعوت ہے۔ اے اھل کتاب آؤ ایسی بات کی طرف جو ہمارے تمہارے درمیان مشترک ہو اور ہم امن کے ساتھ باہم مل جل کر رہیں۔ [۴۱] بنیادی تعلیم کے ساتھ مذہب کی مختلف شکلوں میں رواداری برتنے کا حکم دیا۔ [۴۲] ہر امت کے لئے عبادت کا ایک خاص طریقہ مقرر کیا ہے جس پر وہ چلتی ہے اس معاملہ میں لوگ آپ سے جھگڑا نہ کریں ہر ایک کے لئے ایک شریعت اور راہ عمل مقرر کیا ہے اگر اللہ چاہتا تو سب کو ایک امت بنا دیتا۔ [۴۳]

دوسرے مذاہب کے پیشواؤں اور بزرگوں کو برا کہنے سے منع کیا گیا۔ [۴۴] اور دوسرے مذاہب کے ہادیان کو یہاں تک کہہ دیا اللہ ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی، ہمارے اعمال ہمارے ساتھ اور ہم جوابدہ ہیں اور تمہارے اعمال تمہارے ساتھ اور تم خود ان پر جوابدہ ہو۔ ہمارا تم سے کوئی جھگڑا نہیں اور تمہارا ہمارے ساتھ کوئی جھگڑا نہیں، اللہ تمہیں اور ہمیں اکٹھا کرے گا' [۴۵] تمہارے لئے تمہارا دین اور ہمارے لئے ہمارا دین ہے۔ [۴۶]

ان تمام آیات سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ سابقہ شریعتیں اصلی شکل میں موجود ہیں یا اب بھی قابل عمل ہیں بلکہ ان آیات میں یہ بتایا جارہا ہے کہ آپ راہ راست پر ہیں آپ (مع مسلمانوں کے) اپنی شریعت کا اتباع کرتے ہوئے دوسروں کے ساتھ رواداری کا برتاؤ کریں، دوسرے مذاہب کو برداشت کریں، آپ کو صاف حکم دیا ان عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ [۴۷] آپ کا فرض صرف پیغام پہنچا دینا ہے۔ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ [۴۸] آپ ان پر کارساز نہیں۔ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ [۴۹] آپ ان پر زبردستی کرنے والے نہیں۔ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ [۵۰] آپ صرف ان کو نصیحت کرنے والے ہیں ان پر داروغہ نہیں (کہ زور سے ان کو ہدایت دیں)۔ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ [۵۱] کیا اے پیغمبر آپ لوگوں پر زبردستی کریں گے کہ وہ ایمان لائیں۔ دوسرے مذاہب اور ان کے مذہبی پیشواؤں اور عبادت خانوں کی حفاظت کا حکم دیا۔ **لا یهدم لهم بیعة ولا یمنعون من ضرب النوا قیس الا فی اوقات الصلوٰة ولا من اخراج الصلبان فی یوم عیدهم** [۵۲] یہودیوں اور عیسائیوں کے عبادت خانے نہ گرائے جائیں۔ یہ لوگ ناقوس بجانے سے نہ روکے جائیں، البتہ نماز کے اوقات مستثنیٰ رہیں گے اور اپنی عید کے دن صلیب نکالنے سے نہ روکے جائیں۔ [۵۳] کسی پادری کو اس کے موقف سے کسی راهب کو اس کی رهبانیت سے، کسی کاہن کو اس کی کہانت سے نہ ہٹایا جائے اور کسی پر کسی قسم کی سختی نہ کی جائے۔ [۵۴] ۱۷۰ھ میں خلیفہ ہارون الرشید کے زمانے میں منہدم شدہ گرجوں کی تعمیر اس وقت کے سرکردہ علماء لیث بن سعد اور عبداللہ بن لہیعہ وغیرہ کے مشورہ سے ہوئی۔ [۵۵] ابو عبیدہ نے کئی ملکوں کے تذکرے کے بعد لکھا ہے کہ ان کے باشندے اپنے اپنے مذاہب اور شریعتوں پر باقی رکھے گئے، فقہ اسلامی میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ اگر کوئی مسلمان غیر مسلموں کے خنزیر یا شراب کو ضائع کردے تو اس کی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔ [۵۶] حالانکہ یہ دونوں چیزیں اسلام میں حرام ہیں نیز ہر مذہب کے ماننے والوں کو پرسنل لاء اور کلچر میں آزادی دی گئی ہے۔ ہم احرار

فی شھاداتھم و مناکحاتھم و مواریثھم وجمیع احکامھم[۵۷] یعنی یہ لوگ اپنی شہادت کے احکام، نکاح کے معاملات، وراثت کے قوانین اور دوسرے تمام پرسنل لاء میں آزاد ہوں گے ولا یحال بینھم و بین شرائعھم ان کے اور ان شریعتوں کے درمیان حائل نہ بنا جائے۔[۵۸] اور ان کے دین میں کسی قسم کی زبردستی نہ کی جائے۔[۵۹]

شام کی فتح کے پندرہ سال بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں ایک پادری نے اپنے دوست کے نام ایک خط میں لکھا:

''یہ طائی (عرب) جنہیں خدا نے آج کل حکومت عطا فرمائی ہے اور وہ ہمارے مالک بن بیٹھے ہیں لیکن وہ عیسائی مذہب سے بالکل برسرپیکار نہیں بلکہ اس کے برخلاف وہ ہمارے دین کی حفاظت کرتے ہیں اور ہمارے گرجاؤں اور کلیساؤں کو جاگیریں عطا کرتے ہیں''۔[۶۰]

ان تمام تصریحات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام نے دوسرے مذاہب کو جس قدر آزادی اور سہولتیں دی ہیں اور جس حد تک برداشت کیا ہے اس کا عشر عشیر بھی اس وقت کی کہلائی جانے والی مہذب قوموں کو حاصل نہیں۔

غیر مسلموں کے بارے میں تعلیمات صبر و برداشت:

اسلام کی معتدل تعلیمات کا نتیجہ تھا کہ عباسیہ اور دیگر مسلمان حکمرانوں کے عہد میں مسلمان غیر مسلموں کے ساتھ پر امن طریقہ سے مل جل کر رہے اور کبھی بھی مذہبی اور تہذیبی ٹکراؤ کی نوبت نہیں آئی لیکن اس وقت مسلمان ردعمل کا شکار ہو کر مختلف قسم کی تخریبی سرگرمیوں کے مرتکب ہو رہے ہیں جس کی وجہ سے مغربی میڈیا اور مفکرین (مغرب) بے جا طور پر انہیں دہشت گرد، بنیاد پرست اور انتہا پسند قرار دیتے ہیں حالانکہ ان تمام تخریبی کارروائیوں کے اصل ذمہ دار خود امریکہ اور اس کے حواری ہیں یہاں صرف یہ بتانا ضروری ہے کہ اسلام مسلمانوں کو ممکنہ حد تک عدل و انصاف کا دامن مضبوطی سے تھامنے کا حکم دیتا ہے اور کسی قوم کی دشمنی میں بھی اس پر ظلم اور ناانصافی کی ہر شکل کو ناجائز قرار دیتا ہے۔ امریکہ اور دیگر یورپی ممالک اگر اسلامی ممالک میں مظالم ڈھاتے ہیں تو تمام اسلامی ممالک کا فرض ہے کہ اجتماعی طور پر ان کو ایسا کرنے سے روکیں لیکن اسلام کسی فرد یا گروہ کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ اسلامی اور غیر اسلامی ممالک میں غیر مسلموں کی جان و مال اور ان کے سفارتخانوں یا معابد کو نقصان پہنچائیں کیونکہ فقہ کی اصطلاح میں ایسے تمام لوگ مستامن کہلاتے ہیں۔[۶۱] اور ان کی حفاظت ضروری ہے جو پاسپورٹ یا ویزے لے کر کسی دینی یا دنیاوی مقصد کے لئے عارضی طور پر اسلامی ممالک میں قیام پذیر ہوں (بشرطیکہ وہ اپنے اس قیام کے دوران مسلمانوں میں ارتدادی سرگرمیوں اور مسلمانوں کے اجتماعی نقصانات کا باعث نہ بنیں) ایسے اشخاص کی جان و مال اور عزت آبرو مسلمانوں کے لئے امانت ہے جس کی حفاظت ضروری ہے۔ اب یہی شخص اگر مستقل طور پر رہنے کا فیصلہ کر لے تو اس کی حیثیت ذمی کی ہو جاتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مستامن اور ذمی کے حقوق کی بڑی تاکید کی ہے اور اگر کوئی مسلمان غیر مسلموں میں سے کسی کو قتل کر ڈالے تو ثبوت کے بعد قصاص میں اس مسلمان کو قتل کیا جائے گا۔[۶۲] اور اس طرح معاہد (مستامن و

ذمی) کے قتل کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑے سخت عذاب کی وعید سنائی ہے من قتل معاھد الم یرح رائحۃ الجنۃ و ان ریحھا لیوجد من مسیرۃ اربعین عاماً[۶۳] جس نے کسی غیر مسلم معاہد کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو سے بھی محروم ہوگا حالانکہ اس کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے بھی محسوس ہوگی دوسری روایت میں ہے کہ جس نے معاہد پر ظلم کیا یا اس کے حقوق میں کمی کی یا اس کی طاقت سے زیادہ اس پر دباؤ ڈالا یا اس کی مرضی کے خلاف اس سے کوئی چیز لی تو قیامت کے دن میں خود اس کے خلاف مستغیث بنوں گا۔[۶۴]

اسی طرح وہ مسلمان جو دوسرے اسلامی یا غیر اسلامی ممالک میں تجارت یا سفارت یا دوسری اغراض سے عارضی طور پر جائے وہ بھی معاہد ہے اور جس طرح وہ اسلامی ممالک میں تمام اسلامی حدود و قوانین کا پابند رہے گا اور وہ نہ تو کسی شہری کی عزت و آبرو اور جان سے کھیل سکتا ہے اور نہ ہی اس ملک یا اس کے شہریوں کی ملک کو نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ ہی دھوکہ دہی سے کوئی مال حاصل کرسکتا ہے اصول یہ ہے کہ المسلم ملتزم باحکام الاسلام حیث ماکان[۶۵] مسلمان جہاں بھی رہے گا اسے اسلامی احکام کا پابند رہنا ہوگا اور حرم تعرضہ بشئی من دمہ ومالہ[۶۶] اور اس کے اوپر کسی کے مال اور جان پر تعرض حرام ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مومن کی پہچان یہ بتائی المؤمن من امنہ الناس علی دمائھم و اموالھم[۶۷] مومن وہ ہے جس سے لوگ اپنے جان و مال کے بارے میں مامون اور بے خوف ہیں۔ تمام علماء غیر مسلموں کے بارے میں متفقہ طور پر لکھتے ہیں ویجب کف الاذی و تحریم غیبتہ کالمسلم[۶۸] مسلمان کی طرح غیر مسلم کو تکلیف سے بچانا واجب ہے اور اسی کی غیبت اسی طرح حرام ہے جس طرح مسلمان کی غیبت۔

یہ ہیں وہ تعلیمات جو رحمۃ للعالمین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانیت کو عطا فرمائیں جن پر عمل پیرا ہو کر تمام انسان مذہب و مسلک کے اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کو برداشت کر کے اعتدال کے ساتھ ایک کنبے کی حیثیت اختیار کر سکتے ہیں اور مذہبی اور مسلکی انتہا پسندی سے نجات پا سکتے ہیں۔

قومی سطح پر انتہا پسندی کے خاتمے کے لئے ...... عملی تجاویز:

سطور بالا سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی ہے کہ انتہا پسندی کی وجہ سے مسلمانوں اور اسلام کو کس قدر نقصان پہنچا اب ذیل کی سطور میں قومی سطح پر اس انتہا پسندی کے سدباب کے لئے چند عملی تجاویز پیش کی جائیں گی اور بعد میں بین الاقوامی سطح پر انتہا پسندی کی وجوہات اور اس کے خاتمے کے حوالے سے بات کی جائے گی۔

انتہا پسندی کے خاتمے کے سلسلے میں مختلف حکومتوں نے مختلف ادوار میں بہت شور و غوغا کیا لیکن کھودا پہاڑ نکلا چوہا کے مصداق (قومی خزانے سے زر کثیر خرچ کرنے کے باوجود) اس سے جو نتائج حاصل ہوئے وہ ہر ذی عقل اور باشعور کے سامنے ہیں کہ انتہا پسندی کم ہونے کے بجائے مزید قوت سے نمودار ہوئی اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ انتہا پسندی کو ختم کرنے کے لئے جو اقدامات کئے گئے ان میں چند بڑی واضح خرابیاں تھیں۔

۱۔ آج تک جو اقدامات بھی اس ضمن میں کئے گئے وہ محض سطحی تھے اور انتہا پسندی کی بنیادوں کو سمجھ کر ان پر وار کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔

۲۔ انتہا پسندی کو ختم کرنے کے لئے قومی سطح پر پہلے فضا ہموار کرنا اور عوام کے ذہنوں میں اس کی قباحت اور نقصانات کو اجاگر کرنا بہت ضروری تھا لیکن بدقسمتی سے ایسا کرنے سے قبل ہی چند افراد یا گروہوں کو انتہا پسند قرار دے کر انہیں تشدد کا نشانہ بنایا گیا اور انتہا پسندی کو انتہا پسندی (تشدد اور طعن) کے ذریعے ختم کرنے کی کوشش کی گئی جس سے اعتدال کی راہ ہموار ہونے کے بجائے مزید نفرتیں پیدا ہوئیں اور انتہا پسندوں کو فضا ہموار کرنے اور عوام کی ہمدردیاں حاصل کرنے کا موقع ملا اور وہ اس ضمن میں کافی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔

۳۔ انتہا پسندی کو ختم کرنے کے نام پر بغیر کسی منصوبہ بندی کے (چند مخصوص سرکاری افسران یا سیاست دانوں کے ایماء پر جو خود بھی کسی خاص مسلک یا گروہ سے تعلق رکھتے تھے ان کے ذاتی یا مسلکی مفادات کی خاطر) یکطرفہ طور پر ایک فریق یا گروہ کو پابند سلاسل یا تختہ مشق بنایا گیا جبکہ اس کے مخالف دوسرے فریق کو کھلی چھٹی اور آزادی بلکہ سرکاری پروٹوکول تک عنایت کیا گیا جس سے تعصب اور نفرت میں مزید اضافہ ہوتا گیا اور نتیجتاً انتہا پسندی میں کمی کے بجائے مزید شدت آتی گئی اور بات نعروں اور افراد کے قتل مقاتلہ سے بڑھ کر معابد و مساجد پر حملوں تک پہنچ گئی۔

۴۔ آج تک انتہا پسندی کے خاتمے کیلئے پارلیمنٹ کی سطح پر کوئی جامع کوشش اور قانون سازی نہیں کی گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس مہم میں تسلسل نہ ہونے کی وجہ سے قومی المیے کے طور پر اس کی طرف توجہ نہ دی جا سکی اور اس قسم کے واقعات کے وقوع سے قبل ان کے تدارک کے لئے کوئی جامع منصوبہ بندی نہ کی جا سکی۔

۵۔ ملک کی تاریخ میں مطلقاً انتہا پسندی کی روک تھام کے لئے ٹھوس اقدامات نہ کئے جا سکے بلکہ انتہا پسندی کو صرف مذہبی طبقے کے کھاتے میں ڈالا جاتا رہا جس سے نسلی، لونی، علاقائی اور جماعتی انتہا پسندوں کو کھلے عام چھٹی مل گئی۔ اس کی مثال میں اتنی بات ہی کافی ہے کہ جب بھی کوئی واقعہ ہوا اسے مذہبی انتہا پسندی کے کھاتے میں ڈال کر دوسرے تمام پہلوؤں کو یکسر فراموش کر دیا گیا یا ان کی طرف خاطر خواہ توجہ نہ دی گئی۔

۶۔ انتہا پسندی کے خاتمے کے حوالے سے دوسرے ممالک کی مداخلت کا مناسب نوٹس نہ لیا گیا اور نہ ہی دوسرے ممالک سے آمدہ لٹریچر کی کوئی خاص چھان بین کی گئی جس سے بیرونی ہاتھ مزید مضبوط ہوتا گیا۔

۷۔ انتہا پسندی کے خاتمے کے لئے تشدد سے ہٹ کر افہام و تفہیم کا راستہ اختیار نہ کیا گیا جس سے اس کی شدت میں اضافہ ہوا۔ اس کے لئے میڈیا کا استعمال انتہائی مفید ثابت ہو سکتا تھا لیکن اس کی طرف خاطر خواہ التفات نہ کیا گیا۔

مذکورہ بالا خرابیوں سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ انتہا پسندی جیسے سنگین اور مہلک و متعدی مرض کے خاتمے کے لئے جس طرح کے ٹھوس اور دیرپا اقدامات کی ضرورت تھی وہ نہیں کئے گئے اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کے سدباب کے لئے قانونی، معاشی، معاشرتی، سیاسی اور مذہبی سطح پر ایسے اقدامات اٹھائے جائیں اور ایسی جامع منصوبہ بندی تمام سطحوں پر کی

جائے جس سے اس ناسور کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو سکے۔ ذیل میں ہم ہر پہلو کا قدرے تفصیل سے جائزہ لیتے ہیں۔

انتہا پسندی کے سدباب کے لئے قانونی اقدامات:

ان اقدامات کے تحت پارلیمنٹ کی سطح پر ایسی قانون سازی کی جاتی جس کی رو سے (بلا تفریق) فرقہ واریت کی مرتکب ہر جماعت غیر قانونی قرار پاتی ایسی مذہبی، لسانی، لونی، علاقائی اور سیاسی جماعتیں اگر دہشت گردی یا انتہا پسندی کی ہمنوا یا پشت پناہ ثابت ہوتیں تو وہ از خود غیر قانونی قرار پاتیں، قانون کی رو سے ایسی مذہبی، لسانی، لونی، علاقائی عصبیت پر مبنی جماعتوں کو مخصوص فرقے یا جماعت کا تشخص اختیار کرنے سے باز رکھا جاتا اور خلاف ورزی کی صورت میں ایسی جماعتوں کو الیکشن کیلئے نا اہل قرار دیا جاتا۔ سیاسی جماعتیں بلا تفریق مذہب و فرقہ اور رنگ و نسل کے قومی سطح پر تشکیل دی جاتیں جن میں ہر مکتبہ فکر کے افراد شامل ہوتے اور جماعتوں کی تشکیل صرف اور صرف سیاسی، اقتصادی اور سماجی بہبود کے پروگرام پر ہوتی تو کافی حد تک موجود حالات ابتر سے ابتر نہ ہوتے۔

چونکہ پاکستان ایک اسلامی جمہوری مملکت ہے اور اس کی عوام میں دین سے گہری وابستگی موجود ہے اور عوام میں سے ہر شخص کسی نہ کسی مسلک یا دینی جماعت سے جڑا ہوا ہے۔ مختلف مسالک اور مکاتب فکر کے ہوتے ہوئے چند فروعی یا علمی مسائل میں اختلاف ایک ناگزیر چیز ہے لہٰذا انتہا پسندی کے خاتمے کے لئے قانون بناتے وقت اس بات کا خاص رکھا جانا چاہئے کہ اختلافی مسائل کو عوام کی سطح تک لانے والے افراد کے بارے میں بھی قانون سازی کی جائے اس سلسلے میں تمام مکاتب فکر کے جید اور سنجیدہ علماء کی کونسل بنائی جائے اور اس کی سفارشات کی روشنی میں ضابطہ اخلاق بنایا جائے جس میں یہ باتیں خاص طور پر قابل ذکر ہوں:

۱۔ مسائل کی اختلافی نوعیت کو اپنی اصلی حالت پر چھوڑا جائے اور انہیں ان کی حیثیت سے بڑھا چڑھا کر بیان کرنے پر سختی سے پابندی ہو مثلاً بہتر اور غیر بہتر کے مسائل کو فرض یا واجب بتلانا وغیرہ۔

۲۔ خالص علمی نوعیت کے اختلافی مسائل (جن کا اعتقاد و عمل سے کوئی خاص تعلق نہ ہو اور نہ ہی ان پر آخرت کی نجات کا مدار ہو) کو عوام تک یا تو لایا ہی نہ جائے اور اگر اس کی از حد ضرورت ہو تو اس کی اختلافی خصوصیات پر زور نہ دیا جائے جیسا کہ اسی قسم کے ایک مسئلہ میں نزاع کے خاتمے کے حوالے سے حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری طیب صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

> اولاً یہ مسئلہ (اور اس جیسے تمام اختلافی مسائل کو) عوام میں لایا ہی نہ جائے اور اگر بیان مسئلہ کی نوبت آئے تو قدر مشترک پیش کر کے اس کی تفصیلات اور اختلافی خصوصیات پر زور نہ دیا جائے بلکہ عوام کو ان گہری خصوصیات میں پڑنے سے روکا جائے تو کم از کم عوام میں سے یہ نزاعی صورت میں ختم ہو جائیں گی جو مضر ثابت ہو رہی ہیں پھر اگر علماء کی حد تک تفاصیل میں کچھ اختلاف باقی رہ جائے جس کا عوام سے کوئی

تعلق نہ ہو تو گروپ بندی کے مضر اثرات ختم ہو جائیں گے جو فتنہ کی اصل بنے ہوئے ہیں"۔[۶۹]

۳۔ کسی مسئلہ میں اگر علماء کا اختلاف ہو تو جب تک علماء کونسل بحث و تمحیص کے بعد کسی نتیجے پر نہ پہنچے اس وقت تک اس مسئلہ کی اشاعت پر پابندی ہو کیونکہ اس طرح عوام میں (جو کہ علماء کے اختلاف کی حقیقت سے بے خبر ہوتے ہیں) گروپ بندی کی فضا ہموار ہوتی ہے اور انتشار پیدا ہونے کا شدید خطرہ موجود ہوتا ہے جیسا کہ عصر حاضر کے ایک بلند پایہ فقیہہ مفتی رشید احمد لدھیانوی فرماتے ہیں:

"جس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہو اس کی عام اشاعت جائز نہیں، اس لئے کہ عوام اختلاف علماء کی حقیقت سے بے خبر ہوتے ہیں اور حدود سے تجاوز کر جاتے ہیں، اس سے انتشار پیدا ہوتا ہے، جو علماء سے بدظنی کا ذریعہ اور دین سے بیزاری کا سبب بنتا ہے، اس لئے اختلافی مسائل کو صرف علماء ہی تک محدود رکھنا ضروری ہے اور ان کی اشاعت کے لئے صرف خالص علمی کتابوں تک تحدید لازم ہے"[۷۰]

معاشی اقدامات:

معاشی اقدامات کے حوالے سے تجویز دینا اس وقت تک بے سود ہے جب تک کہ قومی معیشت کو یہودیت نواز عالمی اداروں کے چنگل سے آزاد نہیں کروا دیا جاتا کیونکہ معاشی نظام میں بنیادی تبدیلی کے بغیر اس کا قبلہ درست کرنا ہی ناممکن ہے۔

معاشرتی اقدامات:

پاکستانی معاشرے کو دہشت گردی، بنیاد پرستی، انتہا پسندی، فرقہ واریت اور گروہیت سے پاک کرنے کے لئے دوررس اقدامات کی ضرورت ہے۔ اس ضمن میں آج تک حکومتوں نے جو اقدامات کئے ہیں وہ صفر ہیں ممکن ہے کچھ کم فہم لوگ اس ضمن میں ٹی وی پر دی گئی ان آزادیوں کو (جن کی وجہ سے پی ٹی وی نے فحاشی اور عریانی میں انڈیا کو بھی مات دے دی ہے یا جن کی وجہ سے حکومت امریکہ اور یورپ کو اپنے تئیں لبرل ہونے کا ثبوت دینا چاہتی ہے) معاشرتی اقدامات کی کامیابی ٹھہرائیں لیکن یہ انداز فکر اپنی معاشرتی اقدار سے مکمل طور پر نابلد ہونے اور صحیح اسلامی معاشرتی اقدار سے بغض و کینہ رکھنے کے مترادف ہے اس سے نہ تو پاکستانی معاشرہ لبرل بنایا جا سکتا ہے اور نہ یہاں سے انتہا پسندی کا مرض مٹایا جا سکتا ہے۔

انتہا پسندی کے انسداد کے لئے معاشرتی سطح پر پہلا تقاضا یہ ہے کہ ملک سے طبقاتی نظام تعلیم کو فی الفور ختم کیا جائے اور ایسا نظام تعلیم رائج کیا جائے جو دین و دنیا کے جداگانہ تصور کو مٹا دے کیونکہ اسلام مذہب اور دنیا کو الگ الگ خانوں میں تقسیم نہیں کرتا۔ اسلام کی رو سے اللہ کے مقابل کسی قیصر کو حصہ دار نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ سارا زور دینی مدارس میں جدید تعلیم لانے کے بجائے ماڈرن سکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں کے نصاب تعلیم میں قرآن و حدیث کے فہم کو جگہ دی جائے، دینی مدارس میں جدید تعلیم (انگریزی، سائنس اور کمپیوٹر) کو ضرور لے جایا جائے لیکن ساتھ ہی جدید تعلیمی اداروں کے نصاب میں قرآن و حدیث اور فقہ اسلامی کو جدید انداز میں شامل کرتے ہوئے دینی تعلیم کے نام پر مخصوص حلقے پر انتہا پسندی کا لیبل لگانے کا سدباب کیا جانا

چاہیئے تا کہ معاشرتی سطح پر اس اقدام سے کسی کے پاس انتہا پسندی کو فروغ دینے کا موقع نہ رہے اور دین اسلام کی معتدل تعلیمات کو پورے معاشرے میں سرایت کرنے کا موقع مل سکے۔

نوجوانوں کے لئے صحت مندانہ نصابی سرگرمیوں کے وسیع پیمانے پر فروغ کا اہتمام کیا جانا چاہیئے، ہمارے مضافات خاص طور پر محرومی کا شکار ہیں اور حقیقت میں انتہا پسندوں کی شکار گاہ بن گئے ہیں۔

مزید برآں ضابطہ اخلاق کے تحت دوسرے مذاہب کی ملکی و غیر ملکی مشنریوں، این جی اوز کو اس بات کا پابند بنایا جانا چاہیئے کہ وہ معاشرے میں تعلیم و ترقی کے نام پر سادہ لوح اور حالات سے مجبور لوگوں کے مذہب سے نہ کھیلیں اور زور و زن کے چمکتے ہوئے ہتھیار سے پسماندہ طبقے کو مذہب تبدیل کرنے پر مجبور نہ کریں، اس ضمن میں ٹھوس اور دیرپا معاشرتی اقدام کی ضرورت ہے ورنہ یہ کہنے سے بات نہیں بنے گی کہ ''ہم ان اداروں کی کارکردگی سے مطمئن ہیں کوئی کسی کے کہنے سے اپنا مذہب نہیں بدلتا'' کیونکہ یہ لوگ زر و زن کے زور پر مسلمانوں کے مذہبی جذبات کو مجروح کرتے ہیں اور اس سے مذہبی انتہا پسندی کی راہ ہموار ہوتی ہے۔

سیاسی اقدامات:

انتہا پسندی کے خاتمہ کیلئے انتہائی ضروری ہے کہ ملک میں جمہوری ادارے فعال ہوں اور جمہوری کلچر کو فوراً بحال کیا جائے اور گذشتہ نصف صدی سے جو کھیل کھیلا جارہا ہے اسے فی الفور بند کیا جائے کیونکہ جب جمہوری ادارے فعال ہوں گے اور ساری قوم سیاسی چہل پہل میں مگن ہوگی اور لوگ خوش باش ہو کر گھٹن سے نجات پائیں گے تو یہ منظر انتہا پسندوں کے لئے موت کا منظر نامہ ہوگا۔ انہیں آکسیجن، خوراک اور خون میسر نہیں آئے گا تو یہ خود دم توڑ جائیں گے، اس مقصد کیلئے حزب اقتدار اور حزب اختلاف کو متانت اور بردباری کا ثبوت دیتے ہوئے آپس کے تنازعات کو فوراً ختم کرنا چاہیئے اور جمہوری تقاضے بحال کئے جانے چاہئیں تا کہ بیرونی دنیا میں ملک کا وقار بحال ہو اور عوام ان سے سبق سیکھ کر آپس میں رواداری سے رہیں۔

مذہبی اقدامات:

امریکہ کے پالیسی سازوں اور حکومتوں کی اسلام سے وابستگی اور تعلق سے ایک عالم آگاہ ہے کہ جب چاہا تو مسلمانوں کو مجاہد کا لیبل دے کر کمیونزم کے حلیف بنا دیا اور جب چاہا تو دہشت گردی، انتہا پسندی اور بنیاد پرستی کا لیبل لگا دیا اور حریف بنا کر صلیبی جنگوں کا آغاز کر دیا۔ ہمارا قومی المیہ یہ رہا ہے کہ ہمارے حکمران اسلام کے بارے میں مخمصے کا شکار رہے ہیں کبھی تو امن، انسان دوستی رواداری اور وحدت انسانیت کا درس دیتے ہوئے اسے اسلام سے موسوم کرتے ہیں (اور حقیقت بھی یہی ہے) لیکن ان کے پاس قرآن وسنت اور جماعت صحابہ کے عمل سے دلائل کا فقدان ہے، ایسی گنجلک اور پیچیدہ صورتحال میں بھی ایک دروازہ کھلا ہے۔ (اگر اخلاص کے ساتھ اور واقعتاً اسلام کی خدمت اور اس سے رہنمائی کی تلاش ہے) وہ یہ کہ اعلیٰ عالمگیر انسانی اقدار و اخلاقیات (کہ جن کے لئے کل انسانیت بے ساختہ اپنائیت کا اظہار کر دیتی ہے مثلاً وحدت انسانیت، عدل و انصاف، رواداری،

انسانیت دوستی، جذبہ ترقی، حریت فکر، اخلاقیات میں پاکیزگی، فیاضی، کمٹمنٹ، عدل معاشی ایسے اوصاف واخلاقیات) کا دنیا میں موجود اسلامی علوم وافکار کے مراکز سے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مقام متعین کرائے اور آراء موصول ہونے کے بعد امریکی اثر ورسوخ سے آزاد اداروں اور ممالک کے علماء، اسلامی علوم پر دسترس کے حامل دانشوروں اور ماہرین قانون وعمرانیات پر مشتمل بورڈ سے جانچ کروا کر منتخب آراء کی بنیاد پر آج کی دنیا میں اسلام کا قابل عمل نظام تشکیل کروایا جائے اور ملکی دفتری مشینری (افرادی قوت) کو تربیت دی جائے۔ اسی صورت میں دنیا کے سامنے اسلام کو روشناس کرانے سے اسلام دشمن قوتوں کے منصوبوں کو خاک میں ملایا جاسکتا ہے اور اسلام کو انسانیت کا مقدر بنایا جاسکتا ہے۔ [۱]

...... قومی سطح پر ایسے افراد اور جماعتوں کے لئے قانون سازی کی جائے جو چند فروعی اور خالص علمی طرز کے مسائل کو ہوا دے کر عوام میں انتہا پسندی کے جذبات کو ابھارتے ہیں اس سلسلے میں ایسی جماعتوں اور افراد پر ان مسائل کی تبلیغ پر یکسر پابندی لگائی جائے (اس پہلو کی کافی تفصیل قانونی اقدامات کے تحت گذر چکی ہے) اور اس کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سخت تعزیری سزائیں دی جائیں۔

...... مدارس اور یونیورسٹیوں کے طلبہ کے لئے ایسے سیمینار منعقد کئے جائیں جن میں وہ مل بیٹھ کر ایک دوسرے کا نقطہ نظر جان کر ایک دوسرے کے قریب آسکیں۔

...... کسی بھی ممکنہ اختلافی مسئلہ کی اشاعت پر پابندی ہو اور اس کے لئے چوٹی کے علماء کی ایک کونسل بنائی جائے (جو ہر جدید یا اختلافی مسئلہ کے بارے میں اجتماعی نقطہ نظر جو قرآن وسنت کی تعلیمات کے عین مطابق ہو) عوام کے سامنے لائے تاکہ عوام اختلاف وانتشار سے محفوظ رہ سکیں۔

...... وسیع تر قومی وملی مفاد میں دینی عسکری تحریکات سے بھی اس ضمن میں برادرانہ اور مشفقانہ گفتگو کی ضرورت ہے جو مختلف محاذوں پر مصروف کار ہیں اور جنہیں دہشت گرد اور انتہا پسند کہہ کر کچلنے کا عمل مسلسل جاری ہے اس تشدد کے راستے کو فوری طور پر بند کیا جانا چاہئے اور اس روش کو بدلتے ہوئے انہیں یہ بات سمجھانے کی ضرورت ہے کہ ہر مسئلے کا حل ہتھیار اور مسلح جدوجہد ہی نہیں بلکہ یہ تو آخری راستہ ہے اور یہ راہ اس وقت اختیار کی جاتی ہے جب ساری راہیں مسدود ہو جائیں، بقول مولانا زاہد الراشدی:

> ''ان تحریکات کے قائدین کو دو باتیں سمجھانے کی ضرورت ہے ایک یہ کہ ہر مسئلے کا حل ہتھیار نہیں اور نہ ہی ہر جگہ ہتھیار اٹھانا ضروری ہے جہاں کسی مسئلے کے حل کا کوئی متبادل راستہ موجود ہے، اگرچہ وہ لمبا اور صبر آزما ہی کیوں نہ ہو وہاں ہتھیار سے کام لینا ضروری نہیں بلکہ بعض صورتوں میں شاید شرعاً جائز بھی نہ ہو۔ ہتھیار تو آخری حربہ ہے جہاں کوئی اور ذریعہ کام نہ دیتا اور کسی جگہ مسلمانوں کا وجود اور دینی تشخص حقیقی خطرات سے دوچار ہو گیا ہو تو آخری اور اضطراری حالت میں ہتھیار اٹھانے کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ اس لئے اضطرار کے بغیر ہتھیار کو ہاتھ میں نہ لیا جائے۔''

دوسری بات ان سے یہ عرض کرنے کی ہے کہ آزادی، تشخص اور خودمختاری کے لئے اضطرار کی حالت میں قومیں ہتھیار اٹھایا کرتی ہیں یہ زندہ قوموں کا شعار ہیں اور آزادی کی عسکری تحریکات سے دنیا کی تاریخ بھری پڑی ہے لیکن غیر متعلقہ لوگوں کو نشانہ بنانا اور بے گناہ لوگوں کا خون بہانا نہ شرعاً جائز ہے اور نہ ہی دنیا کا کوئی قانون اس کی اجازت دیتا ہے۔ ان تحریکات کو اس حوالے سے شرعی احکام وقوانین کی پابندی کا ایک بار پھر عہد کرنا چاہئے اور شرعی احکام بھی وہ نہیں جو خود ان کے ذہن میں آجائیں بلکہ وہ قوانین وضوابط جو امت کے اجماعی تعامل وتوارث کے ساتھ تسلیم شدہ چلے آرہے ہیں اور جنہیں وقت کے اکابر علماء وفقہاء کی طرف سے ضروری قرار دیا جارہا ہو۔ اس کے بغیر کوئی بھی تحریک اور جدوجہد تمام تر خلوص، جذبہ اور ایثار وقربانی کے باوجود خلفشار پیدا کرنے کا باعث بنے گی اور اس سے اسلام اور مسلمانوں کی بدنامی ہوگی۔ اس لئے ایسی تحریکات کو کسی بھی ایسی بات سے قطعی طور پر گریز کرنا چاہئے جو:

☆ معروف اور مسلمہ شرعی اصولوں کے مطابق نہ ہو۔

☆ جس سے مسلمانوں کی مشکلات میں بلاوجہ اضافہ ہوتا ہے۔

☆ جو اسلام کے لئے بدنامی کا باعث بن سکتی ہو۔

☆ اور جس سے خود ان تحریکات کی قوت اور دائرہ عمل متاثر ہوتا ہو۔[۴۲]

اسی حوالے سے سرپرست ماہنامہ الفرقان، انڈیا...... مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی...... کا تجزیہ سو فیصد درست ہے کہ:

''ہمارے نوجوان اپنے غم وغصہ میں اب تک بھی نہیں سمجھ پارہے کہ اس وقت غصہ کے حکم پر عمل کرنا دشمن کے ہاتھوں میں کھیلنا ہے، بلکہ ہمارا غصہ اور اضطراب اس وقت دشمن کا ہتھیار بن گیا ہے۔ ہمارا غصہ اور ہمارا بے حد قیمتی جذبہ جان سپاری دشمن کے کام آرہا ہے۔ وہ اس بہانے سے ہمارے ہر ملک میں من مانی مداخلت کا حق حاصل کر کے اسے کھلی غلامی کا شکار، اپنی طاقت کے بل بنا ڈالتا ہے''۔[۴۳]

آیئے اب دیکھتے ہیں کہ بین الاقوامی سطح پر دنیا کے چوٹی کے دانشور موجودہ انتہا پسندی کی اصل وجہ کیا قرار دیتے ہیں اور اس سے دنیا کیسے نجات پا کر امن کا گہوارہ بن سکتی ہے۔

بین الاقوامی سطح پر انتہا پسندی کی اصل وجہ اور اس کا خاتمہ:

غیروں نے تو کہا ہی، کچھ اپنوں نے بھی اسلام کو انتہا پسندی اور دہشت گردی کے ساتھ جوڑ دیا حالانکہ چند افراد یا گروہوں کے عمل کو امت مسلمہ یا اسلام کا مجموعی عمل یا نقطہ نظر نہیں کہا جاسکتا، اس سلسلے میں کافی کام ہو چکا ہے مثلاً

Center for Muslim-Christian Understanding, Washington کے ڈائریکٹر اسپاسٹو (Esposito) کی کتاب[۴۴] The Islamic Threat: Myth or Reality مشہور عالمی شہرت یافتہ مصنفہ کیرن آرم سٹرانگ کی کتاب The History of God اور[۴۵] The Battle for God ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری اور

اسپاسٹو کی مشترکہ کتاب Muslims and West: Encounter and Dialogue[۷۶] اسی طرح اوشو (گرورجنیش) کی کتاب (جس کا اردو میں ترجمہ خالد ارمان نے) ''مغرب کی منافقت''[۷۷] اور سابق رکن امریکی کانگریس پال فنڈلے کی کتاب (جس کا اردو ترجمہ) ''امریکہ کی اسلام دشمنی''[۷۸] وغیرھم۔

ان کتابوں کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس وقت پوری دنیا میں جو انتہا پسندی اور دہشت گردی کے واقعات رونما ہورہے ہیں ان کے پیچھے اصل محرک ''احساس محرومی ہے، جیسا کہ کیرن آرم سٹرانگ لکھتی ہیں:

The Emergence and rise of fundamentelism may be seen as a reaction to the denial or denigration of mythos by powerful forces of Science that there is no meaning or purpose in life.

Every where the fundamentalists turn, they find nihilism and mockery of their beliefs.

They also experience Coercion and suppression at evey step اسی طرح انتہا پسندی کے مختلف واقعات کی وجہ (جنکی اصل وجہ Suppression and frustration) سے تمام مسلمانوں کو Aggressive, violents, monolithic, Criminals, extremists, fundamentalists اور terrorists کہنا کہاں کا انصاف ہے، حالانکہ اسپاسٹو کے مطابق:

The American Govt, does not equate the actions of Jewish or Christians extremist leaders or groups with Judaism or Christianity.[۷۹]

یعنی امریکی حکومت یہودیوں یا عیسائیوں کے رہنماؤں یا گروہوں کی طرف سے انتہا پسندی کے واقعات کو عیسائیت یا یہودیت کے ساتھ نہیں جوڑتے، لیکن کچھ واقعات کی وجہ سے امریکہ اور مغربی دنیا کے میڈیا نے اتنا زیادہ واویلا مچایا کہ اب ان ممالک کی معصوم عوام بھی یہ باور کرنے لگی کہ واقعی مسلمان ایسے ہیں۔

فنانشل ٹائم کے ایک مقالہ نگار نے "Will Islam Bury us" کے تحت فوکویاما نے "Clash of civilizations" لکھ کر، بوشائن نے "The Muslim Threat is Global in Nature" کہہ کر ایک اور عیسائی دانشور نے Islam has become a new threat to the peace and progress of the World[۸۱] کہہ کر اپنے خدشات کا اظہار کیا ہے، بلکہ گیارہ ستمبر کے واقعہ نے اور اس کے بعد مسلسل مغربی میڈیا نے منظم پروپیگنڈا کے ذریعہ ایسی صورتحال پیدا کر دی ہے جو اس سے پہلے کبھی نہ تھی چنانچہ اب پہلے سے کئی ہزار گنا زیادہ محنت کی ضرورت ہے اور ہر محاذ پر اس پروپیگنڈے کا مسکت جواب دینا نہایت اہم ہے، مگر اس میں جوش سے زیادہ ہوش اور حکمت کی ضرورت ہے، اس کے لئے ہر امتی کو ایک داعی کی حیثیت سے کام کرنا ہے اور داعی اور مدعو کے درمیان جو محبت اور ہمدردی کا رشتہ ہوتا ہے اس کا اظہار عملی طور پر کرنا ہے اور بقول پروفیسر خورشید احمد:

''ہم ایک صاحب دعوت امت ہیں اور مقابلے کے لئے قوت کوئی بھی ہو اور مقابلے کا زمانہ کچھ بھی ہو، ہمارا مقصد دشمن کی تباہی نہیں، انسانیت کی اصلاح اور فلاح ہے اور اللہ کے بندوں کو، خواہ وہ کہیں بھی ہوں اور کسی بھی نظام کے تحت ہوں بالاخر اللہ کے راستے کی طرف بلانا ہے۔ مقابلے، لڑائی اور جنگ میں بھی ہمارا مقصود دوسروں کی تباہی نہیں، ان کو خیر کی طرف بلانا ہے۔ اس لئے آج امریکہ کے استعماری عزائم اور جنگی کارروائیوں کے باوجود ہمیں یہ بات سامنے رکھنی چاہئے کہ امریکی عوام کی تباہی ہمارا ہدف نہیں'' (بلکہ ان کی فلاح مقصود ہے)[۴۲]

یہ بات اب امریکی عوام اور دیگر کفریہ طاقتوں کی عوام کو سمجھانے کی ضرورت ہے تا کہ وہ اسلام سے دور رہ کر اپنی عاقبت نہ خراب کر بیٹھیں اس طرح بین الاقوامی دہشت گردی کے خاتمے کے لئے امت مسلمہ کا اتحاد بھی وقت کی اہم ترین ضرورت ہے تا کہ عالم کفر اور فرعون وقت مسلم دنیا کے کسی ملک پر جب اور جیسے چاہے، نہ چڑھ دوڑے اور بقول پروفیسر خورشید احمد:

''ہمیں خواب غفلت سے بیدار ہونا چاہئے اور سمجھ لینا چاہئے کہ خود انحصاری اور امت مسلمہ کی وحدت کے سوا کوئی راستہ۔ کسی کے بھی بچاؤ کا نہیں ہم مل کر ایک قوت بن سکتے ہیں اور الگ الگ ہر ایک پٹ جائے گا اور خدانخواستہ وہی کچھ ہوگا جو دولت عثمانیہ کے انتشار، تقسیم اور علاقائیت کے ہاتھوں سو سال پہلے ہوا یا شمالی عربوں اور حجازیوں اور یمنی عربوں کی باہمی اویزش اور داخلی نزاعات کے نتیجے میں سات سو سال پہلے اندلس (اسپین) میں ہوا تھا۔

یہ اتحاد دین وایمان اور نظریے اور تہذیب کا تقاضا تو ہے ہی، لیکن آج تو یہ بقائے باہمی کے لئے ایک ناگزیر ضرورت بن گیا ہے۔ مسلم دنیا کے حکمرانوں اور ارباب ثروت کا اپنا مفاد اس میں مضمر ہے کہ وہ امریکہ پر انحصار کم کریں اور اپنے معاملات اور اپنے وسائل اپنے تصرف میں لائیں اور مسلم ممالک میں مقابلے کی قوت پیدا کریں۔ ستم ہے کہ اس وقت مسلم ممالک کا ۱۳ء۱ ٹریلین ڈالر کا سرمایہ امریکہ اور یورپی ممالک میں لگا ہوا ہے۔ جن ممالک اور افراد کا یہ سرمایہ ہے یہ خود ان کے مفاد میں ہے کہ اس کو مغرب کی گرفت سے نکالیں''[۴۳]

مذکورہ صفحات سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ امت مسلمہ کا اتحاد وقت کی اہم ترین ضرورت ہے، اس کے لئے آپس کے اختلافات اور تنوع (Variety) کو خندہ پیشانی سے تسلیم کرنا اور رواداری، برداشت، صبر وتحمل، افہام وتفہیم اور اخوت کو آپس میں رائج کرنا اور تین اہم روایات کو معاشرے میں پروان چڑھانا بنیادی شرائط میں سے ہے:

...... ایک یہ کہ آپس کے اختلافات کو تسلیم کرتے ہوئے باہم متحد رہنے کا جذبہ

...... دوسرا یہ کہ افہام وتفہیم کے جذبے سے اپنوں اور غیروں سے مسلسل تبادلہ خیال، مکالمہ اور مشترکہ نکات کی تلاش۔

...... تیسرا یہ کہ مشاورت اور نصح وخیر خواہی کے نظام کا مسلم معاشرے میں دوبارہ احیاء۔

اسی طرح تمام دنیا سے دہشت گردی اور انتہا پسندی کے خاتمے کے لئے ضروری ہے کہ تمام اقوام اور مذاہب ایک

دوسرے کو برداشت کریں کیونکہ:

A Tolerance for legitimate differences must be achieved if conflicts between nations are to be avoided. A universal Society can only function if individual socities accept adequate standards of tolerance. [۸۴]

یہ برداشت ہی ہے جس کے بارے میں والٹیئر نے کہا تھا:

Tolerance is a law of nature stamped on the heart of all men. [۸۵]

گویا انسان فطرتاً جنگ پسند نہیں بلکہ امن پسند ہے۔[۸۶] ۱۹۹۵ء کو اقوام متحدہ نے سال برداشت "year of Tolerance" قرار دیتے ہوئے یہ اعلان بجا طور پر کیا:

"The ability to be tolerant of the actions, beliefs and opinions of others is a major factor in promoting world peace" [۸۷]

حضور علیہ نے اپنے مبارک دور میں برداشت "Tolerance" کی ایسی مثالیں قائم کیں جن کا عشر عشیر بھی دوسروں کے ہاں نہیں ہے۔

مکی دور کے تیرہ سال تو سراپا صبر و برداشت ہیں ہی، مدنی دور بھی صبر و برداشت اور پر امن بقائے باہمی کے واقعات سے بھرا ہوا ہے۔ نجران کے عیسائیوں کا آپ علیہ کی خدمت میں حاضری کے بعد مسجد نبوی میں اپنے طریقے سے نماز ادا کرنا (صلوا صلاتھم) اور ثقیف کے بت پرست مشرکوں کے وفد کو مدینہ مسجد نبوی کے ایک گوشے میں خیمے لگا کر ٹھہرانا حالانکہ خیمے کے لئے مدینہ میں جگہ کم نہ تھی، بعض حضرات نے کہا یہ ناپاک ہیں، آپ نے فرمایا: لیس علی الارض من نجاستھم شئی یعنی ان کی نجاست سے زمین پر کوئی اثر نہیں پہنچتا۔ ایسے واقعات ذکر کرنے کے بعد مولانا مناظر احسن گیلانی اپنی کتاب ''مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ'' میں لکھتے ہیں:

''ہم اندازہ نہیں کر سکتے کہ ٹوٹی ہوئی انسانیت کو اس کے آخری جوڑنے والے نے جوڑنے میں اپنی سرگرمیوں کو کہاں تک پہنچا دیا۔ انسانیت کے سب سے بڑے بھی خواہ ایسے ہی ہو سکتے ہیں''[۸۸]

اسی حوالے سے محمد حسین ھیکل اپنی کتاب "The life of Muhammad" میں لکھتے ہیں۔

اختتامیہ:

آج دوبارہ تمام انسانیت کو ایسی ہی ''ہستی کی تعلیمات'' کی ضرورت ہے جو اسے تباہی اور بربادی کے گڑھے کے کنارے سے نجات دلا کر سلامتی کے راستے کی طرف رہنمائی کرے اور تمام انسانیت کو آنے والی دینوی اور اخروی ہولناک تباہی سے بچالے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو پکار رہا ہے:

واللہ یدعوا الی دار السلام و یھدی من یشاء الیٰ صراط مستقیم۔[۹۰]

اللہ تعالیٰ تمام انسانیت کو سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور جسے چاہتا ہے اسے سیدھی راہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

تمت بالخیر

مصادر و مراجع

۱۔ سنن نسائی کتاب المناسک: ص ۲۱۷

۲۔ القرآن (۲:۲۰۸)

۳۔ القرآن (۳:۸۵)

۴۔ القرآن (۳:۱۹)

۵۔ القرآن (۲:۸۵)

۶۔ شیخ ابوزھرہ: اسلامی مذاہب: مسلمانوں کے اختلاف کی حدود ص ۳۹

۷۔ قہونیتوں اور یہودیوں نے کئی ویب سائٹس اس مقصد کے لئے بنا رکھی ہیں۔

۸۔ ماہنامہ تدریس القرآن (اگست ۹۸ء) زیر نگرانی جمعیت تعلیم القرآن (ٹرسٹ) عالمگیر روڈ کراچی: ص ۵

۹۔ جامع العلم ج ۲، ص: ۸۴ بحوالہ وحدت امت مفتی محمد شفیع مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور ۱۹۸۵ء ص ۱۷

۱۰۔ مفتی محمد شفیع معارف القرآن ج ۲ ص ۱۴۳

۱۱۔ ملاحظہ ہو حوالہ نمبر ۹

۱۲۔ اوجز المسالک بحوالہ وحدت امت ص ۱۷

۱۳۔ مولانا سرفراز خان صفدر، تبلیغ اسلام مکتبہ صفدریہ نزد مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ ۱۹۹۴ء ص ۴۹

۱۴۔ مفتی محمد شفیع معارف القرآن ج ۲ ص ۱۴۴

۱۵۔ یہ قول مولانا اشرف علی تھانوی کا ہے جو کہ دراسات اسلامیہ (قاضی مجیب الرحمٰنؒ) سے لیا گیا ہے۔

۱۶۔ قاضی جاوید افکار شاہ ولی اللہ ص ۱۷۳ اور ارمغان شاہ ولی اللہ مرتب محمد سرور ص ۱۷۸ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور

۱۷۔ القرآن (۵:۸)

۱۸۔ جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی، میرے والد میرے شیخ اور ان کا مزاج و مذاق ص ۱۱۳......۱۳۴ ادارۃ المعارف کراچی

۱۹۔ باہمی تکفیر کے سلسلے میں مزید تفصیل ملاحظہ ہو مولانا طاسین کا کتابچہ ''مسئلہ ایمان و کفر قرآن و حدیث کی روشنی میں'' تنظیم اسلامی پاکستان ۶۷۔ا۔۷، علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو لاہور ۱۹۹۷ء

۲۰۔ سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۳۴۳ بحوالہ ۱۹ ص ۷

۲۱۔ صحیح بخاری بحوالہ تفہیمات حصہ دوم مولانا مودودی...... اسلامک پبلشر لمیٹڈ لاہور ۱۹۸۱ء ص ۱۸۱

۲۲۔ ایضاً

۲۳۔ صحیح مسلم بحوالہ بالا

۲۴۔ صحیح مسلم بحوالہ بالا

۲۵۔ شرح عقائد نسفیہ بحوالہ جواہر الفقہ مفتی محمد شفیع صاحب ادارۃ المعارف کراچی نمبر ۱۴ ج ا ص ۳۰
۲۶۔ جواہر الفقہ ج ا ص ۳۱
۲۷۔ ایضاً ص ۳۳
۲۸۔ ایضاً ص ۶۳
۲۹۔ مولانا مودودی تفہیمات حصہ دوم ص ۱۸۱، ۱۸۲
۳۰۔ امت مسلمہ میں فتنہ و انتشار پھیلانے پر اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے عذاب کی وعیدوں کے لئے ملاحظہ ہو ڈاکٹر اسرار احمد کی کتاب ''امت مسلمہ کیلئے سہ نکاتی لائحہ عمل'' میں طبع شدہ تقریر حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ
۳۱۔ شیخ ابوزھرہ اسلامی مذاہب ص ۴۳، ۴۷
۳۲۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مولانا محمد طاسین صاحب کا کتابچہ ''مسئلہ ایمان و کفر قرآن و حدیث کی روشنی میں''
۳۳۔ شیخ ابوالحسن الاشعری، مقالات الاسلامیین ص ۲
۳۴۔ نیل الاوطار ج ۷، ص ۴۹ بحوالہ اسلام اور جدید دور کے مسائل مولانا محمد تقی امینی قدیمی کتب خانہ مقابل آرام باغ کراچی ص ۲۹۲
۳۵۔ ایضاً ص ۲۹۷
۳۶۔ مولانا سرفراز خان صفدر...... مکتوب گرامی شائع کردہ مدرسہ فیضان سرفراز پل نوشہرہ جناح روڈ گوجرانوالہ ۱۹۹۲ء ص ۳، ۴
۳۷۔ المدینہ والاسلام بحوالہ انعام یافتہ مضامین وزارت مذہبی امور ۱۹۸۷ء ص ۴۱
۳۸۔ پروفیسر ٹی ڈبلیو آرنلڈ دعوت اسلامی، محکمہ اوقاف پنجاب لاہور ۱۹۷۲ء ص ۳۹۸
۳۹۔ القرآن (۲۵۶:۲)
۴۰۔ القرآن (۲۹:۱۸)
۴۱۔ القرآن (۲۴:۳)
۴۲۔ القرآن (۶۷:۲۲)
۴۳۔ القرآن (۴۸:۵)
۴۴۔ القرآن (۱۰۸:۶)
۴۵۔ القرآن (۱۵:۴۲)
۴۶۔ القرآن (۶:۱۰۹)
۴۷۔ القرآن (۴۸:۴۲)
۴۸۔ القرآن (۶:۴۲)
۴۹۔ القرآن (۴۵:۵۰)
۵۰۔ القرآن (۲۲:۸۸)
۵۱۔ القرآن (۹۹:۱۰)
۵۲۔ کتاب الخراج امام ابو یوسف ص ۱۴۳ بحوالہ اسلام اور جدید دور کے مسائل مولانا تقی امین ص ۳۳۵
۵۳۔ ایضاً

۵۴۔ ایضاً

۵۵۔ ایضاً

۵۶۔

۵۷۔ ردالمختار ج ۳ ص ۳۷۳ بحوالہ اسلامی ریاست میں ذمیوں کے حقوق مولانا مودودی ص ۱۶

۵۸۔ الاموال ص ۱۴۰ بحوالہ اسلام اور جدید دور کے مسائل ص ۳۳۶

۵۹۔ طبری بحوالہ مذکورہ ص ۳۳۷

۶۰۔ ایضاً

۶۱۔ عہد نبوی کا نظام حکمرانی بحوالہ اسلام اور جدید دور کے مسائل ص ۳۳۷

۶۲۔ مجیب اللہ ندوی اسلام کے بین الاقوامی اصول وتصورات ص ۱۲۰

۶۳۔ الحدیث تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۱۹۳

۶۴۔ ابوداؤد کتاب الجہاد بحوالہ الجہاد فی الاسلام مولانا مودودی ادارہ ترجمان القرآن لاہور ص ۲۷۶

۶۵۔ سرخسی ج ۱۰ ص ۶۵ حوالہ ۶۲

۶۶۔ ایضاً (سورہ ممتحنہ کی آیت نمبر ۸ سے بھی کفار کے ساتھ تعلقات کی حدود کا پتہ چلتا ہے ملاحظہ ہو معارف القرآن ج ۲ ص ۵۰،۵۱)

۶۷۔ بحوالہ الجہاد فی الاسلام ص ۱۸۹

۶۸۔ ایضاً

۶۹۔ حکیم الاسلام قاری محمد طیب: خطبات حکیم الاسلام مکتبہ امدادیہ ملتان ج ۷ ص ۱۸۵

۷۰۔ مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی جواہر حکمۃ صد پند لقمان دار الافتاء والارشاد کراچی ص ۴۹،۵۰

۷۱۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سہ ماہی فقیہہ مدیر سیف اللہ خالد ج ۱۳، ۲۰۰۳ (۶ تا ۱۴)

۷۲۔ مولانا زاہد الراشدی: اداریہ الشریعہ (کلمہ حق) ماہنامہ الشریعہ نومبر ۲۰۰۳، الشریعہ اکیڈمی گوجرانوالہ

۷۳۔ مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی: ان کی پرکاری اور ہماری سادگی الشریعہ جنوری، فروری ۲۰۰۴ ص ۳۵

۷۴۔ Esposito, John: The Islamic Threat: Myth or Realty, Oxford: Oxford University Press- 1992-p-175

۷۵۔ Armstrong, Karen: The History of God

۷۶۔ Dr Zafar Ishaq Ansari and the Esposito:b Muslims and West

۷۷۔ خالد ارمان (مترجم) مغرب کی منافقت نگارشات مزنگ روڈ لاہور ۲۰۰۲ء

۷۸۔ پال فنڈلے (مترجم محمد حسن بٹ) امریکہ کی اسلام دشمنی نگارشات لاہور ۲۰۰۳ء

۷۹۔ Karen Armstrong Interview in ideas and Beliefs: the Globe and Mail, March Myline) 2000,p-5 سے اس کی مراد مذہب اور اخلاقیات ہیں۔

۸۰۔ Esposito, op.cit; p,196

۸۱۔ تفصیل ملاحظہ ہو راقم الحروف کی کتاب اسلام اور عصر حاضر کے مسائل وحل HSSRD مانسہرہ ۲۰۰۳ء ص ۳۳۔۵۰

۸۲۔ پروفیسر خورشید احمد: شذرات ماہنامہ ترجمان القرآن فروری ۲۰۰۳ء ص ۱۹

۸۳۔ ایضاً ص ۲۶

Ruch, F.L: Psychology and life, New York: F and company, p. 682۔۸۴

۸۵۔ Quoted in Wahiduddin Khan: Islam and Peace, New Delhi: Goodword Books, 2000, p.82

۸۶۔ Ruch, Op.cit, p.680

Quoted in Islam and Peace, Op.cit, p.83 ۔۸۷

۸۸۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو راقم کی کتاب اسلام اور عصر حاضر کے مسائل و حل ص ۶۵، ۶۷ اور مناظر احسن گیلانی کی کتاب مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ

۸۹۔ Quoted in Islam and Peace, p.92

۹۰۔ القرآن (۱۰:۲۵)

۹۱۔ Dr, Maytin Tuther King, Jr. quoted in Stephen G. Post: Unlimited Love: Attruism, Compassion and Service, (Philadelphia: Temple ten Foundation Press. 2003), 7p-vii

دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اس کا خاتمہ تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

پروفیسر ڈاکٹر غلام محمد جعفر، کوئٹہ

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ[۱] بے شک اللہ کے نزدیک دین اسلام ہے۔ اسی طرح ایک دوسری آیت میں ارشاد ربانی ہے وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ[۲] ایک اور مقام پر قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا[۳] آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا۔ ایک اور مقام پر قرآن مجید میں آتا ہے اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً[۴] اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔ جہاں تک اسلام کے معنی اور مفہوم کا تعلق ہے تو اس کے مختلف معنی بیان کئے گئے ہیں۔ اسلام کا لفظ ''س ل م'' سے مشتق ہے۔ اس کے لغوی معنی بچنے۔ محفوظ رہنے مصالحت اور امن وسلامتی کے ہیں۔ حدیث شریف میں اس لغوی معنی کے لحاظ سے نبی پاک کا ارشاد ہے'' المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ'' مسلمان وہ ہے کہ جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمانوں کی جان و مال محفوظ رہے۔ ڈاکٹر علامہ محمد طاہر القادری نے اپنی کتاب سیرۃ الرسول جلد ہفتم میں اسلام کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھا ہے''اسلام کا پہلا لغوی معنی خود امن وسکون پانا۔ دوسرے افراد کو امن وسلامتی دینا اور کسی چیز کی حفاظت کرنا ہے۔ اس اعتبار سے اسلام کا معنی لازم بھی ہے اور متعدی بھی۔ اس کے مفہوم میں خود امن وسلامتی پالینا بھی شامل ہے اور دوسروں کو امن مہیا کرنا بھی''۔[۵]

اسلام سلامتی وامن کا دین ہے اور سلامتی کا درس دیتا ہے۔ اسلام میں داخل ہونے سے جہاں انسان خود امن و عافیت کو پالیتا ہے اور ہر قسم کے خطرے سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ وہاں دوسروں کو بھی امن وسلامتی اور حفاظت مہیا کرنے کا ذمہ دار بن جاتا ہے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر امن وسلامتی کی ضمانت لوگوں کو کچھ اس طرح عنایت فرمائی'' من دخل دار ابی سفیار فھو امن و من غلق بابہ فھوا من و من دخل المسجد فھوا من[۶] جو کوئی ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا یا اپنے گھر کے دروازے بند کر کے بیٹھ جائے گا یا بیت اللہ شریف میں داخل ہو گا وہ امن و عافیت سے ہو گا۔ ابوسفیان کے گھر کو دارالامن اس وجہ سے قرار دیا تھا کہ وہ اسلام قبول کر کے خود مامون ہو گیا۔ جہاں اسلام کی بدولت اسے امن و سلامتی نصیب ہوئی وہاں دوسروں کے لئے بھی اس کا گھر حفاظت اور پناہ کا مرکز بن گیا۔ یہ سب کچھ اسلام کی بدولت ممکن ہوا۔ آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعدد ارشادات اسلام کے اس لغوی مفہوم کو واضح کرتے ہیں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا''المسلم اخو المسلم لا یظلمہ ولا یسلمہ''[۷] مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس کو کسی ظالم کے سپرد کرتا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں اسی طرح کا مضمون بیان ہوا ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اسے رسوا کرتا ہے نہ اس کی تحقیر کرتا ہے۔ اپنے سینہ اقدس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نبی پاکؐ نے فرمایا۔ تقویٰ اس جگہ ہے بندے کے شر کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ کسی مسلمان کی تحقیر کرے۔ ایک مسلمان کا خون، مال وعزت دوسرے مسلمان پر حرام ہے''۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعدد دیگر ارشادات میں انسانی جان کی حرمت کو بیان کیا گیا ہے۔ آپؐ نے خطبہ حجتہ الوداع میں فرمایا تمہارا خون اور تمہارا مال تا قیامت اسی طرح حرام ہے جس طرح یہ دن اس مہینہ میں اور اس شہر میں حرام ہے[۹] نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان ارشادات سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام کو امن وآشتی کس قدر عزیز ہے۔ اسلام نہ صرف مسلمانوں کے مابین سلامتی اور آشتی کا خواہاں ہے۔ بلکہ غیر مسلموں کی طرف دوستی کے ہاتھ بڑھانے کو تحسین کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے۔ ''وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ط اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ''[۱۰] اگر دشمن صلح وسلامتی کا ہاتھ پھیلائیں تو تم بھی اپنا ہاتھ آگے کر دو اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔ بے شک وہی سنتا اور جانتا ہے۔ آنحضور اکرمؐ کے فرمودات اور ارشادات ربانی اس بات کے مظہر ہیں کہ اسلام امن وآشتی کا دین ہے اور چاہتا ہے کہ بنی آدم کرہ ارضی پر محبت ومودت کے ساتھ زندگی بسر کریں اور یہ دنیا جنت کا ایک عملی نمونہ بن جائے اور دنیا میں فتنہ وفساد کا نشان تک بھی باقی نہ رہے۔ فتنہ کے بارے میں قرآن مجید میں آیا ہے''اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ''۔[۱۱] ایک اور مقام پر آتا ہے''وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ''[۱۲]

فتنہ وفساد کی بیخ کنی اور امن کا قیام دین اسلام کا مقاصد میں سے ایک اہم مقصد ہے۔ اسلام نے معروفات کی ترویج اور منکرات سے رکنے کا بار بار حکم دیا ہے۔ مسلمانوں کے بارے میں قرآن مجید میں آتا ہے''كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ''[۱۳] تم بہتر امت ہو اور تمہاری ذمہ داری یہ ہے کہ تم اچھائی اور نیکی کا حکم لوگوں کو دو اور انہیں برائی اور ہر بے انصافی سے روکو''۔ مولانا کوثر نیازی کے بقول''قرآن ہر اس شے کو معروف قرار دیتا ہے جس سے فتنہ وفساد رکتا اور امن وسلامتی اور انصاف کی ترویج ہوتی ہے۔ قرآن ہر بے انصافی، بدامنی اور فتنہ وفساد اور ظلم وزیادتی کو منکر ٹھہراتا ہے''۔[۱۴] اسلام میں معروف کی ترویج۔ منکرات کے خاتمے اور فتنہ وفساد کے سدباب کو جہاد قرار دیا گیا ہے۔ جہاد کا مقصد فتنہ وفساد کا خاتمہ اور اللہ کے دین کو اس دنیا میں غالب کرنا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے''وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ''[۱۵]

آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام نے ہمیشہ اس امر کی کوشش کی کہ انسانیت کو فتنہ وفساد، کفر وشرک، جہالت وگمراہی، اثم وعدوان اور ظلم وبے انصافی کی تاریکیوں سے نکال کر امن وآشتی۔ خدا کی واحدانیت، محبت ومودت، معرفت الٰہی اور علم وعرفان کے نور سے منور کیا جائے تاکہ بنی آدم صحیح معنوی میں انسانیت کے درجہ پر فائز ہو۔ سید سلیمان ندوی خطبات مدراس کے پہلے خطبہ میں فرماتے ہیں''آج ہر قوم اور ہر ملک میں ان (انبیا کرام) ہی کی برکتوں کا اجالا نظر آتا ہے۔ اور ہر طرف ان ہی کی پکاروں کی آواز بازگشت سنائی دیتی ہے۔ افریقہ کے وحشی ہوں یا یورپ کے مہذب سب کے دلوں کی صفائی ان ہی کے سرچشموں سے ہوتی ہے اور ہو رہی ہے'' اسی خطبہ میں ایک اور جگہ فرماتے ہیں''انسانوں کی عمدہ

معاشرت، صحیح تمدن اور اعلیٰ مسرت کی تکمیل اور کائنات کے اندر اس کو اشرف المخلوقات کا مرتبہ حاصل کرانے میں یقیناً تمام کارکن طبقات انسانی کا حصہ ہے۔ ہیئت دانوں نے ستاروں کی چالیں بتائیں۔ حکماء نے چیزوں کے خواص ظاہر کئے۔ طبیبوں نے بیماریوں کے نسخے ترتیب دیئے۔ مہندسوں نے عمارتوں کا فن نکالا۔ صناعوں نے ہزار فن پیدا کئے۔ اب سب کی کاوشوں سے مل کر یہ دنیا تکمیل کو پہنچی۔ اس لئے ہم سب ان کے شکر گزار ہیں مگر سب سے زیادہ ممنون ہم ان بزرگوں کے ہیں۔ جنہوں نے ہماری اندرونی دنیا کو آباد کیا۔ جنہوں نے ہماری حرص و ہوس کی اندرونی چالیں درست کیں۔ ہماری روحانی بیماریوں کے نسخے ترتیب دیئے۔ ہمارے نفوس و قلوب کے عروج و زوال کا فن ترتیب دیا۔ جس سے دنیا کے صحیح تمدن اور صحیح معاشرت کی تکمیل ہوئی۔ اخلاق و سیرت انسانیت کا جوہر قرار دیا۔ نیکی اور بھلائی ایوان عمل کے نقش و نگار ٹھہرے خدا و بندہ کا رشتہ باہم مضبوط ہوا اور روز الست کا بھولا ہوا وعدہ ہم کو یاد آیا۔ اگر ہم انسانی سرشت کے ان رموز و اسرار اور نیکی و سعادت کی ان پیغمبرانہ تعلیمات سے ناواقف ہوتے تو کیا یہ دنیا کبھی تکمیل کو پہنچ سکتی۔ اس لئے اس برگزیدہ اور پاک طبقہ انسانی کے احسانات ہم انسانوں پر سب سے زیادہ ہیں اور اس لئے ہر فرد انسانی پر خواہ وہ کسی صنف سے تعلق رکھتا ہو ان کی شکر گزاری کا اظہار واجب ہے۔ اس کا نام اسلام کی زبان میں صلوٰۃ وسلام ہے۔ جو ہمیشہ سے انبیائے کرام کے نام نامی کے ساتھ ساتھ ہم ادا کرتے ہیں۔ اللھم صلی علیھم وسلم...... یہ حضرات قدسیہ اپنے اپنے وقت پر آئے اور گزر گئے۔ اس عالم فانی کی کوئی چیز ابدی نہیں۔ ان کی زندگیاں خواہ کتنی ہی مقدس اور معصوم ہوں تاہم وہ دوام اور بقا کی دولت سے سرفراز نہ تھیں۔ اس لئے آئندہ آنے والے انسانوں کے لئے جو چیز رہبر ہو سکتی ہے۔ وہ ان کی زندگیوں کی تحریری اور روایتی عکس اور تصویریں ہیں۔ ہمارے پاس اس کے سوا اس سرمایہ سعادت کی حفاظت کا کوئی اور طریقہ نہیں''[16]

آنحضور اکرمؐ سے قبل جو انبیاء کرام اس دنیا میں تشریف لائے۔ ان کے صحیح احوال زندگی اور تعلیمات چونکہ محفوظ نہیں رہیں۔ اس وجہ سے انسانیت اگر اپنے آپ کو ظلم و عدوان ضلالت و گمراہی اور منکرات سے محفوظ رکھنا چاہتی ہے تو اسے نبی آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ حسنہ سے راہنمائی حاصل کرنا ہوگی۔ آپؐ کو ساری انسانیت کے نبی رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ''وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِينَ'' [17]

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکی زندگی ہو یا مدنی۔ اگر ہم اس کا جائزہ لیں تو یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ آپؐ نے ہمیشہ انسانیت کو پیار و محبت، رواداری، برداشت، صبر تحمل، بھائی چارہ، عدل و انصاف اور عفو و درگزر کا درس دیا۔ آپؐ کی تعلیمات کا محور اور مقصود یہی تھا کہ انسان کفر و ضلالت اور شرک کی ظلمت سے نکل کر خدا شناس بن جائے اور صحیح معنوں میں انسان کہلانے کا مستحق بن جائے۔ نبی پاکؐ کی مکی زندگی کے واقعات میں حجر اسود کی تنصیب کا واقعہ ملاحظہ فرمائیں۔ کہ کس طرح آپؐ نے اپنے تدبر اور بصیرت سے انسانوں کو جو کشت و خون کے لئے تیار کھڑے تھے۔ انہیں خون ریزی سے محفوظ رکھا۔ حلف الفضول میں آپؐ کی شرکت اس بات کا بین ثبوت ہے کہ آپؐ کو عدل و انصاف اور امن و آشتی کس قدر عزیز تھی۔ آپؐ فرمایا کرتے تھے اگر ظہور اسلام کے بعد کوئی ایسے معاہدے کے لئے دعوت دے تو میں تیار ہوں۔ [18] مولانا ابوالحسن علی

ندوی نے اپنی کتاب ''نبی رحمتؐ'' میں نبی اکرمؐ کے الفاظ کو کچھ یوں بیان فرمایا ہے ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس معاہدہ سے بہت خوش تھے اور بعثت کے بعد بھی آپؐ نے اس کی تعریف وتحسین کی اور فرمایا کہ میں عبداللہ بن جدعان کے مکان پر ایک ایسے معاہدہ میں شریک تھا۔ جس میں اگر اس کے نام پر اسلام کے بعد مجھے بلایا جائے تو میں اس کی تکمیل کے لئے تیار ہوں۔ انہوں نے اس پر یہ معاہدہ کیا تھا کہ وہ حق حق تک پہنچائیں گے اور یہ کہ کوئی ظالم مظلوم پر غلبہ نہ حاصل کر سکے گا''۔ [19] بعض روایات کے الفاظ کچھ یوں ہیں ''میں عبداللہ بن جدعان کے مکان پر ایک ایسے معاہدے میں شریک تھا کہ مجھے اس کے عوض سرخ اونٹ بھی پسند نہیں اور اگر دور اسلام میں اس عہد و پیمان کے لیے مجھے بلایا جاتا تو میں لبیک کہتا''۔ [20]

مکی زندگی میں آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قریش مکہ نے اسلام کی پاداش میں کس قدر ستایا۔ اس کا تصور کر کے آج بھی رونگھٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور انسان کانپ اٹھتا ہے لیکن آپؐ نے نہایت صبر اور استقامت کے ساتھ قریش مکہ کے مظالم برداشت کئے۔ اسی طرح مدنی زندگی کے ابتدائی سال نہایت ابتلاء و آزمائش میں گزرے۔ ایک طرف تو قریش مکہ کی مدینہ منورہ پر یلغار تھی۔ تو دوسری طرف منافقین کی سازشیں اور مذموم منصوبے کہیں یہود مدینہ کی اسلام دشمن سرگرمیاں تھیں تو کہیں رومیوں کا مدینہ پر حملے کا اندیشہ لیکن رسول اکرم ﷺ نے نہ صرف ان خطرات و مشکلات کا عزم اور استقلال کے ساتھ مقابلہ کیا بلکہ اپنے مدمقابل تمام حریف طاقتوں کو بالآخر مغلوب کر کے مدینہ منورہ میں ایک مستحکم اسلامی ریاست کی بنیاد بھی رکھی۔ اس نوزائیدہ ریاست میں بھائی چارے اور امن وآشتی کو فروغ دینے کے لئے آپؐ نے ایسے اقدامات کئے کہ دنیا نبی پاک کی سیاسی بصیرت کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ ہجرت مدینہ کے بعد کے واقعات میں مواخات مدینہ، میثاق مدینہ اور صلح نامہ حدیبیہ۔ یہ سارے اقدام اس لئے کئے گئے کہ مدینہ میں بسنے والے لوگ بلاتخصیص مذہب وملت امن وآشتی کے ساتھ زندگی گذار سکیں۔ میثاق مدینہ میں شامل تمام گروہوں اور طبقات کو مذہبی آزادی کی ضمانت فراہم کی گئی۔ امن و آشتی کو فروغ دینے کے لئے نبی پاکؐ نے صلح نامہ حدیبیہ پر دستخط کئے۔ بظاہر یہ معاہدہ مسلمانوں کے حق میں نہیں تھا۔ صحابہ کرام اس معاہدہ کی وجہ سے نہایت مغموم اور بے چینی کے عالم میں تھے۔ بقول مولانا کوثر نیازی ''مگر اسلام کے ہادی اور ان کو مبعوث کرنے والے رب العالمین، رب الناس اور مالک الناس کے نزدیک اس غم کی کوئی حقیقت نہ تھی۔ اس خون ریزی اور اس بدامنی کے مقابلے میں جو جنگ کی صورت میں رونما ہوتی۔ اس لئے صلح حدیبیہ کی ایک ایک دفعہ پر عمل ہوا اور نہ صرف اس وقت ہوا۔ دوسرے سال یعنی 7 ہجری میں بھی ہوا۔ جب حضورؐ پہلے سے کہیں زیادہ طاقت ور فوج اپنے ساتھ لے کر مکہ تشریف لائے تھے اور بیت اللہ کے طواف کا شرف پایا تھا۔ حضورؐ نے ابھی کچھ مدت پہلے قریش کے ایک بہت بڑے حلیف گروہ یہودان خیبر کا دم خم توڑا تھا اور اُن کے گلوں میں اپنی ماتحتی کے طوق ڈالے تھے۔ ابھی چند دن پیشتر حضورؐ نے ہوازن۔ بنی فزارہ ابن مرہ اور غطفان جیسے بڑے عرب سرکش قبائل کی گردنیں اپنے حضور خم کی تھیں اور قریش کے سوا پورے وسطی عرب پر حضورؐ کا کوئی بڑا حریف باقی نہ رہا تھا۔ اس کے باوجود تاریخ بڑے فخر اور انبساط کے ساتھ اعلان کرتی ہے کہ مکہ میں قیام فرما ہونے کے بعد یہ چوتھے دن کی پہلی گھڑی تھی کہ سہیل بن عمرو نے جو قریش کا سفیر تھا۔ مکہ کی ایک اونچی پہاڑی پر چڑھ کر حضورؐ کو آواز دی۔ ''محمد بن عبداللہ ہمارے

شہر سے نکل جاؤ۔ معاہدہ کے مطابق تین دن پورے ہو گئے''۔ محمد مصطفیٰؐ سرور دو عالمؐ کی بجائے اگر کوئی دوسرا سیاست دان ہوتا یا اگر محمد مصطفیٰؐ کو امن و سلامتی کی فضا حد درجہ عزیز نہ ہوتی تو وہ مکہ پر زبردستی قبضہ کر سکتے تھے۔ کہ اس وقت وہ مکہ کے ایک ایک گھر پر متصرف تھے اور سارے قریش اپنے گھروں کو خالی کر کے مکہ سے باہر چلے گئے تھے مگر محمد مصطفیٰؐ نے جن کے نزدیک امن و سلامتی کے معاہدوں کی پابندی حکم خدا کی پابندی کا وزن رکھتی تھی۔ سہیل بن عمرو کی یہ ہانک سنی تو مکہ کو خالی کر دیا اور تلواروں کا کھیل بالکل نہیں کھیلا''۔ [۲۱] نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے معاہدے پر نہ صرف دستخط کئے بلکہ اس پر عملدرآمد کو بھی یقینی بنانے کی ہر ممکن کوشش کی سن ۸ ہجری میں مکہ مکرمہ کو بغیر کشت وخون کے فتح کیا گیا۔ قریش مکہ کے سابقہ اعمال اس بات کے متقاضی تھے کہ اُن سے چن چن کر انتقام لیا جاتا۔ اُن کے سر قلم کر دیئے جاتے۔ ان کو اور ان کے بیوی بچوں کو غلام اور قیدی بنالیا جاتا۔ ان کی املاک ضبط کر لی جاتیں۔ دنیا کی کوئی طاقت مسلمانوں کو ایسا کرنے سے روک نہیں سکتی تھی لیکن نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر عفو و درگزر اور رواداری کا ایسا مظاہرہ کیا کہ دنیا ایسی مثال پیش کرنے سے آج تک قاصر ہے۔ آپؐ نے لاتثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم طلقاء فرما کہ نہ صرف انہیں معاف کر دیا بلکہ ان کی دلوں کی دنیا کو بھی مسخر کر دیا۔ ان کی روحانی دنیا میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔ آپؐ کے اس عفو و درگزر اور کریمانہ سلوک کو دیکھ کر قریش مکہ خود بخود حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ آج سے چودہ سو سال قبل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تعلیمات اور اسوہ حسنہ سے جزیرہ نما عرب میں ایک پرامن انقلاب برپا کر دیا۔ امن و آشتی کو فروغ نصیب ہوا۔ آج بھی اس امر کی شدت سے ضرورت ہے کہ ایک بار پھر انسانیت کو جادہ مستقیم پر گامزن کیا جائے۔ امن و آشتی کے بھولے ہوئے درس کو دوبارہ زندہ کیا جائے تاکہ دلوں کی کدورتیں، تعصبات، انتہا پسندی، شدت پسندی اور منکرات کا خاتمہ کیا جا سکے۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ"[۲۲] تمہارے لئے نبی پاکؐ کی زندگی میں نمونہ ہے اگر ہم انفرادی اور اجتماعی طور پر آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ حسنہ کو نمونہ بنائیں اور اس کی مکمل اتباع کریں آخرت میں نجات کے ساتھ اپنی دنیا کو بھی جنت نظیر بنا سکتے ہیں۔ نبی پاکؐ کی مکی زندگی میں جہاں آپؐ اور مسلمان کمزور اور اقلیت میں تھے۔ اقتدار اور سیاسی غلبہ بھی اُن کے پاس نہیں تھا لیکن آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اخلاق اور سیرت سے مکہ مکرمہ میں اپنی حیثیت کو تسلیم کروا لیا یہی اخلاق اور کردار کی قوت تھی جو مکہ میں اسلام کے فروغ اور ترویج کا باعث بنی۔ آج جہاں مسلمان کمزور اور اقلیت میں ہیں۔ انہیں نبی پاکؐ کی مکی زندگی سے راہنمائی حاصل کرنا ہوگی کہ کس طرح آپؐ نے صبر اور استقامت کے ساتھ اپنے مشن کو آگے بڑھایا۔ مدنی زندگی کا جائزہ لیں تو یہاں اقتدار مسلمانوں کے پاس ہے۔ ایک ریاست کا وجود عمل میں آچکا ہے۔ نبی پاکؐ اس ریاست کے سربراہ ہیں اور مسلمان تعداد میں بھی زیادہ ہیں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس طرح ریاست کے نظم و نسق کو چلایا۔ اکثریت اور طاقت کے باوجود کسی پر زیادتی نہیں کی اور نہ ہونے دی۔ عدل و انصاف کے دامن کو ہمیشہ مضبوطی سے تھامے رکھا۔ کسی کو تبدیلی مذہب پر مجبور نہیں کیا گیا۔ کسی کو بنیادی حقوق سے محروم نہیں کیا گیا۔ آج جہاں جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں اور عنان اقتدار بھی ان کے اپنے ہاتھوں میں ہے۔ انہیں نبی پاک

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدنی زندگی سے راہنمائی حاصل کرنی چاہیے تاکہ وہ اپنی دنیا وعقبیٰ سنوار سکیں۔

مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی راہنمائی کے لئے قرآن مجید اور سنت نبویؐ دو بڑے بنیادی ماخذ ہیں۔ نبی پاکؐ کی ذات اقدس مجسم قرآن تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے جب آپؐ کے اخلاق کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپؓ نے فرمایا ''کان خلقه القرآن'' [۲۳] یعنی آپؐ کی ذات قرآنی اخلاق کا مجموعہ تھی۔ قرآن مجید میں جن جن امور کے سرانجام دینے کا حکم دیا گیا ہے۔ نبی پاکؐ نے وہ امور پہلے خود سرانجام دیئے۔ آپ کا عمل، آپؐ کی گفتگو سراپا قرآن تھی۔ اسی بات کو خود کلام الٰہی یوں بیان کرتا ہے'' وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى'' [۲۴] مسلمانوں کے تمام مسائل ومشکلات کا حل قرآن و سنت کی مکمل پیروی اور اتباع میں مضمر ہے۔

دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا جو رجحان پایا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے بعض عناصر مذہب کے نام پر نہ صرف ایک دوسرے کی تکفیر کر رہے ہیں [۲۴] بلکہ ایک دوسرے کا گلہ کاٹنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ ایسے لوگ اپنے علاوہ کسی دوسرے کو حق پر تسلیم نہیں کرتے۔ ان کی نگاہ میں دوسروں کے خیالات ونظریات باطل ہیں۔ ان میں رواداری اور برداشت نام کی کوئی چیز ہی نہیں ہے۔ یہ سب کچھ ان کی کم فہمی، دین کے فہم سے دوری اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ نبی پاکؐ سراپا رحمت اور عفو و درگزر کے پیکر تھے۔ ایسے لوگوں کی انتہا پسندی کی وجہ سے اسلام اور مسلمان دنیا میں بدنام ہو رہے ہیں۔ مسلمانوں پر بحیثیت مجموعی انتہا پسندی اور تشدد کا الزام عائد کیا جا رہا ہے حالانکہ اسلام کو جو امن وسلامتی کا دین ہے انتہا پسندی اور تشدد سے کسی قسم کا تعلق نہیں۔ اسلام کے صدر اول میں خوارج نے اسلام کی ایسی توجیہہ پیش کی تھی جس کی وجہ سے انتہا پسندی اور تشدد کو راہ ملی تھی۔ وہ اپنے علاوہ کسی دوسرے کو مسلمان تسلیم نہیں کرتے تھے۔ اگر کوئی اُن کے خیالات سے متفق نہ ہوتا تو اسے قتل کرنے سے دریغ نہ کرتے۔ ان کی انتہا پسندانہ روش کی وجہ سے اسلام اور مسلمانوں کو ناقابل تلافی نقصان اٹھانا پڑا۔ ایک خلیفہ راشد اُن کے ہاتھوں شہید ہوا۔ مسئلہ خلق قرآن میں بعض لوگوں نے انتہا پسندی کی راہ کو اپنایا۔ جو لوگ ان کے خیالات و نظریات سے متفق نہیں تھے۔ انہیں قید و بند کی صعوبتوں سے گزرنا پڑا۔ حضرت امام احمد بن حنبل کو مسئلہ خلق قرآن کے سلسلہ میں صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں۔ یہ سب کچھ دین کے فہم سے عدم واقفیت اور عدم برداشت کا نتیجہ تھا۔ ان لوگوں یعنی انتہا پسند طبقہ کی وجہ سے ملت اسلامیہ کا اتحاد پارہ پارہ ہوا اور دشمنوں کو ان کے خلاف کارروائی کرنے کا موقع ملا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ''لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ'' [۲۵] دین کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں۔ مولانا مودودی نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے ''یہاں دین سے مراد اللہ کے متعلق وہ عقیدہ ہے جو آیت الکرسی میں بیان ہوا ہے اور وہ پورا نظام زندگی ہے جو اس عقیدے پر بنتا ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کا یہ اعتقادی اور اخلاقی وعملی نظام کسی پر زبردستی نہیں ٹھونسا جا سکتا۔ یہ ایسی چیز ہی نہیں ہے جو کسی کے سر پر جبراً منڈھی جا سکے'' [۲۶] نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپؐ نے کسی کو تبدیلی مذہب پر مجبور نہیں کیا۔ آپؐ کے غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات رواداری اور انصاف پر مبنی تھے۔ مدینہ منورہ میں آپؐ کے پاس نجران سے نصاریٰ کا ایک وفد آتا ہے۔ آپؐ انہیں مسجد نبوی میں ٹھہراتے ہیں۔

جب ان کی عبادت کا وقت قریب آتا ہے تو آپؐ انہیں اُن کے طریقے کے مطابق مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی اجازت عطا فرماتے ہیں۔ اسی واقعے کو شبلی نعمانی نے سیرت النبی جلد دوم میں کچھ یوں بیان کیا ہے۔

''نجران مکہ معظمہ سے یمن کی طرف سات منزل پر ایک وسیع ضلع کا نام ہے۔ جہاں عیسائی آباد تھے۔ یہاں عیسائیوں کا ایک عظیم الشان کلیسا تھا۔ جس کو وہ کعبہ کہتے تھے اور حرم کعبہ کا جواب سمجھتے تھے اس میں بڑے بڑے مذہبی پیشوا رہتے تھے۔ جن کا لقب سید اور عاقب تھا۔ عرب میں عیسائیوں کا کوئی مذہبی مرکز اس کا ہمسر نہ تھا۔ آنحضرتؐ نے اُن کو دعوت اسلام کا خط لکھا تو اس کعبہ کے محافظ اور آئمہ مذہب ساٹھ آدمیوں کے ساتھ مدینہ میں آئے۔ آنحضرتؐ نے ان کو مسجد میں اتارا۔ تھوڑی دیر کے بعد نماز کا وقت آیا تو ان لوگوں نے نماز پڑھنی چاہی۔ صحابہ نے روکا۔ لیکن آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ پڑھنے دو چنانچہ ان لوگوں نے مشرق کی طرف منہ کر کے نماز ادا کی''۔ [۲۶ بی]

میثاق مدینہ کی دفعات میں ایک دفع مذہبی آزادی کے بارے میں تھی۔ جو یہود مدینہ کو عطا کی گئی تھی۔ میثاق کے مطابق ''بنو عوف کے یہود مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک ہی امت ہوں گے۔ یہود اپنے دین پر عمل کریں گے اور مسلمان اپنے دین پر خود ان کا بھی یہی حق ہوگا اور اُن کے غلاموں اور متعلقین کا بھی اور بنو عوف کے علاوہ دوسرے یہود کے بھی یہی حقوق ہوں گے''[۲۷] آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ آلہ وسلم نے سنہ ۶ ہجری اور اس کے بعد مختلف علاقوں کے بادشاہوں اور رؤسا کو تبلیغی خطوط ارسال کیئے۔ ان خطوط میں انہیں اسلام کی دعوت نہایت احسن انداز میں دی گئی۔ قرآن مجید کی آیت ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ و الموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن[۲۸] کو مدنظر رکھتے ہوئے انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی۔ قیصر روم کے نام پر جو خط ارسال کیا گیا۔ اس کا متن کچھ یوں ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمدؐ کی طرف سے جو خدا کا بندہ اور رسول ہے یہ خط ہرقل کے نام جو روم کے رئیس اعظم ہیں ان کو سلامتی ہو جو ہدایت کا پیرو ہو۔ اس کے بعد تم کو اسلام کی طرف بلاتا ہوں۔ اسلام لاؤ تم سلامت رہو گے۔ خدا تم کو دگنا اجر دے گا اور اگر تم نے نہ مانا۔ تو اہل ملک کا گناہ تمہارے اوپر ہوگا۔ اے اہل کتاب ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو تم میں اور ہم میں یکساں ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہم خدا کے سوا کسی کو نہ پوجیں اور ہم سے کوئی کسی کو (خدا کو چھوڑ کر) خدا نہ بنائے۔ اور تم نہیں مانتے تو گواہ رہو کہ ہم مانتے ہیں۔ [۲۹]

تقریباً اسی مضمون کا مکتوب نجاشی حاکم حبشہ اور قبطیوں کے بادشاہ مقوقس کو ارسال کیا گیا جس میں انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی۔ انہیں کہا گیا۔ اسلم تسلیم۔ [۳۰] یعنی اسلام قبول کرلو۔ سلامت رہو گے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہودیوں کے ساتھ نہایت رواداری اور حسن سلوک کے ساتھ پیش آتے تھے۔ ایک دفعہ چند یہودی آپؐ کی خدمت میں آئے اور شرارت سے سلام علیکم کی بجائے السلام علیکم (تم پر موت) کہا۔ حضرت عائشہؓ نے غصہ میں آ کر ان کو بھی سخت جواب دیا۔ لیکن آپؐ نے فرمایا عائشہ بدزبان نہ بنو۔ نرمی کرو۔ اللہ تعالیٰ ہر بات میں نرمی پسند کرتا

ہے۔[۳۱]

ایک دفعہ ایک یہودی نے بر سر بازار کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے موسیٰ کو تمام انبیاء پر فضیلت دی۔ ایک صحابی یہ کھڑے سن رہے تھے۔ ان سے رہا نہ گیا۔ انہوں نے پوچھا کیا محمدؐ پر بھی؟ اُس نے کہا ہاں۔ انہوں نے غصہ میں ایک تھپڑ اس کے مار دیا۔ آنحضرتؐ کے عدل اور اخلاق پر دشمنوں کو اس درجہ اعتبار تھا کہ وہ یہودی سیدھا آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور واقعہ عرض کیا۔ آپؐ نے اس صحابی پر برہمی ظاہر فرمائی۔[۳۲] باوجود یہ کہ یہودی سازشی الطبع تھے لیکن نبی اکرمؐ نے ہمیشہ اُن کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ فرمایا۔ صحیح مسلم اور صحیح بخاری میں ایک روایت ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ فرماتے ہیں کہ ایک دن سہیل بن حنیف اور حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہما قادسیہ میں ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے کہ اُن کے سامنے ایک جنازہ گزرا۔ جسے دیکھ کر یہ دونوں حضرات کھڑے ہو گئے۔ ان سے کہا گیا یہ جنازہ اہل زمین یعنی ذمی کا ہے۔ دونوں صحابہ نے فرمایا کہ اس طرح ایک دن رسول کریمؐ کے سامنے سے ایک جنازہ گزرا۔ آپؐ اسے دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔ آپؐ سے عرض کیا گیا "یہ تو ایک یہودی کا جنازہ ہے"۔ آپؐ نے فرمایا کہ (تو کیا ہوا) کیا یہ جاندار نہیں ہے۔[۳۳]

آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حسن سلوک، عفو و درگزر، رحمت و شفقت اور دیگر اخلاق حمیدہ لوگوں کو دین اسلام کی طرف راغب کرنے کا سب سے بڑا سبب بنے۔ قرآن مجید میں آپؐ کی ان صفات اور اخلاق کریمانہ کا ذکر کچھ اس طرح کیا گیا۔ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ[۳۴] تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک رسول آئے ہیں۔ انہیں تمہاری تکلیف گراں گزرتی ہے ان کو ہر لحظہ تمہاری بھلائی کا خیال ہے اور وہ ایمان والوں پر بہت شفیق و مہربان ہیں۔ ایک دوسری آیت میں آپؐ کی شفقت و نرمی کا ذکر یوں کیا گیا "فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ"۔[۳۵] اللہ کی عنایت سے آپؐ لوگوں کے نرم ہیں اور اگر آپؐ کہیں سخت کلام اور سخت دل ہوتے تو لوگ آپؐ کے گرد و پیش سے ہٹ جاتے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے بھائی انیس نے نبی پاکؐ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے اور مشاہدہ کرنے کے بعد جو رپورٹ دی تھی۔ اس کے الفاظ میں مکارم اخلاق کا ذکر موجود ہے۔ انہوں نے کہا تھا "رايته يامر بمكارم الاخلاق"[۳۶] میں نے انہیں لوگوں کو اخلاق حسنہ کی تعلیم دیتے دیکھا۔ اگر نبی پاک کا رویہ لوگوں کے ساتھ مشفقانہ نہ ہوتا تو اسلام کی اشاعت و ترویج سُرعت کے ساتھ ممکن نہ ہوتی۔

قرآن مجید میں مسلمانوں کو اس امر کا حکم دیا گیا ہے کہ برائی کا بدلہ احسان اور نیکی کے ساتھ دو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے "وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ وَمَا يُلَقّٰهَا اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلَقّٰهَا اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ"[۳۷] برائی اور بھلائی دونوں یکساں نہیں ہوسکتیں۔ برائی کو بھلائی سے دفع کرو تو تم دیکھو گے کہ جو تمہارا دشمن تھا۔ اب وہ تمہارا دلی دوست بن گیا۔ اور یہ حکمت صرف ان لوگوں کو ملتی ہے جو صبر کرنے والے ہوتے ہیں اور ان کو ملتی ہے جو بڑے نصیب ور ہوتے ہیں"۔ قرآن مجید میں جہاں اس امر کا حکم دیا گیا ہے کہ برائی کو بھلائی کے ساتھ دفع کرو۔ وہاں مسلمانوں سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ کفار کے باطل خداؤں کو بھی برا بھلا نہ کہو کہیں وہ انجانے

میں تمہارے خدائے برحق کو برا نہ کہہ بیٹھیں۔قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے''وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ'' [۳۸]

''اور جن کو وہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں ان کو گالی نہ دو کہ وہ تجاوز کر کے بے جانے بوجھے اللہ کو گالی دے بیٹھیں''۔اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا مودودی تحریر کرتے ہیں یہ نصیحت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروؤں کو کی گئی ہے کہ اپنی تبلیغ کے جوش میں وہ بھی اتنے بے قابو نہ ہو جائیں کہ مناظرے اور بحث وتکرار سے معاملہ بڑھتے بڑھتے غیر مسلموں کے عقائد پر سخت حملے کرنے اور اُن کے پیشواؤں اور معبودوں کو گالیاں دینے تک کی نوبت پہنچ جائے کیونکہ یہ چیز اُن کو حق سے قریب لانے کے بجائے اور زیادہ دور پھینک دے گی۔ [۳۹]

آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مخالفین کو نہ صرف معاف کیا بلکہ ہمیشہ اُن کے ساتھ رواداری اور حسن سلوک کا معاملہ فرمایا۔اس سے بڑھ کر حسن سلوک کی اور کیا مثال ہوسکتی ہے کہ عبداللہ بن ابی جو کہ رئیس المنافقین اور اسلام دشمنی میں پیش پیش تھا جب اس کی موت واقع ہوئی اور ان کی میت کو قبر میں اتار دیا گیا۔آپؐ وہاں تشریف لے گئے حکم دیا کہ اس کو قبر سے نکالا جائے اس کے بعد آپؐ نے اس کو اپنے گھٹنوں پر رکھا۔اپنا لعاب دہن اس پر ڈالا اور اپنی قمیض مبارک اس کو پہنائی۔ [۴۰]
صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے بھی ہمیشہ آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ حسنہ کو نمونہ بناتے ہوئے غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک اور رواداری کا معاملہ فرمایا۔حضرت عمر فاروق جن کے رعب و دبدبہ سے دنیا خوف کھاتی تھی۔جب انہوں نے اپنے غلام کے سامنے دین اسلام کی دعوت کو رکھا۔تو غلام نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا۔شبلی نعمانی نے الفاروق میں اس واقعے کو کچھ اس طرح بیان کیا ہے''حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اسلام کی اشاعتؐ کی اگرچہ نہایت کوشش کرتے تھے اور منصب خلافت کے لحاظ سے ان کا یہ فرض تھا لیکن وہیں تک جہاں تک وعظ و پند کے ذریعے سے ممکن تھا ورنہ یہ خیال وہ ہمیشہ ظاہر کر دیا کرتے تھے کہ مذہب کے قبول کرنے پر کوئی شخص مجبور نہیں کیا جا سکتا۔استق ان کا ایک عیسائی غلام تھا۔اس کو ہمیشہ مذہب اسلام کے قبول کرنے کی ترغیب دلاتے تھے لیکن جب اس نے انکار کیا۔تو فرمایا''لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ''[۴۱] یعنی مذہب میں زبردستی نہیں۔مفتی محمد شفیع اپنی تفسیر معارف القرآن جلد اول میں تحریر کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے ایک نصرانی بڑھیا کو اسلام کی دعوت دی تو اس کے جواب میں اس نے کہا انا عجوز كبيرة و الموت الي قريب یعنی میں ایک قریب المرگ بڑھیا ہوں۔آخری وقت میں اپنا مذہب کیوں چھوڑوں حضرت عمر نے یہ سن کر اس کو ایمان پر مجبور نہیں کیا بلکہ یہی آیت تلاوت فرمائی لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ یعنی دین میں زبردستی نہیں ہے۔ [۴۲]

اسی طرح بزرگان دین اور آئمہ مذاہب نے ہمیشہ رواداری اور برداشت کا مظاہرہ کیا۔بعض مسائل اور نظریات میں اختلاف کے باوجود وہ ایک دوسرے کی عزت وتکریم اور احترام کیا کرتے تھے۔انسانوں کے مابین نظریات وخیالات کا اختلاف کوئی عجیب بات نہیں۔یہ حقیقت ہے کہ تمام بنی نوع انسان کا ایک نقطہ نظر پر متحد ہو جانا ممکن نہیں اس لئے افراد اور اقوام کی طبیعتوں کے اختلافات کو مدنظر رکھتے ہوئے عالی ظرفی اور خندہ پیشانی سے دوسروں کے جذبات کا احترام ہمارا اخلاقی و انسانی

فرض ہے۔ عقائد کا اختلاف بھی اسی ذیل میں آتا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ تمام انسان ایک ہی نظام فکر کے پابند ہو جائیں اور تفصیلات میں بھی اُن کے اندر اختلاف نہ پایا جائے۔ اس لئے محض اختلاف عقائد کی بناء پر کسی سے بغض وعناد رکھنا، انتہائی ناپسندیدہ عمل ہے۔ جہاں تک اختلافات کا تعلق ہے تو اختلافات ہمیں صحابہ کرام کے مابین نظر آتے ہیں۔ اساتذہ اور شاگردوں کے مابین اختلاف موجود رہا ہے۔ نبی پاکؐ نے فرمایا اختلاف امتی رحمت (میری امت کا اختلاف رحمت ہے) ہمارے بزرگان بعض مسائل جیسے سماع موتی کا مسئلہ۔ معراج جسمانی ومنامی کا مسئلہ۔ رویت باری تعالیٰ کا مسئلہ میں آپس میں اختلاف رکھتے تھے۔ اسی طرح فقہا ومحدثین کرام کے درمیان ہزاروں مسائل میں اختلاف ہوا۔ امام ابوحنیفہ کی رائے کچھ اور ہوتی اور ان کے شاگردوں امام ابو یوسف اور امام محمد کی رائے کچھ اور امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے مابین بعض مسائل میں اختلاف تھا۔ امام ابو حنیفہ قرات خلف الامام کے مخالف ہیں جبکہ امام شافعی اسے ضروری قرار دیتے ہیں۔ محدثین میں سے بعض محدث کسی روایت کو لائق ترجیح قرار دیتے ہیں اور بعض اسے رد کر دیتے ہیں۔ طبقہ صوفیا کے طرق وسلاسل کا جائزہ لیں تو وہاں بھی اختلاف نظر آئے گا۔ قادری اور چشتی اکابر ذکر جہر کے قائل ہیں۔ جبکہ نقشبندی مشائخ ذکر خفی کے قائل۔ ان حضرات و بزرگان کے مابین اختلافات علمی سطح کے تھے۔ وہ ایک دوسرے کا احترام کرتے اختلافات کو وجہ نزاع نہ بناتے۔ مسائل میں امام ابوحنیفہ اور امام شافعی میں اختلافات ہونے کے باوجود امام شافعی جب امام ابوحنیفہ کے مزار پر تشریف لے گئے تو انہوں نے اپنے بہت سے شاگردوں کے ہمراہ امام ابوحنیفہ کے مزار کے احاطہ میں نماز پڑھی۔ امام صاحب نے نہ رفع یدین نہ قنوت نازلہ پڑھی۔ اس پر ان کے شاگردوں نے دریافت کیا کہ امام کیا آپ نے اپنے مسلک سے رجوع کر لیا ہے۔ امام شافعی کا جواب تھا نہیں میں اپنے مسلک پر قائم ہوں البتہ میں صاحب مزار (ابوحنیفہ) سے شرم کی ہے کہ اُن کے قریب کھڑے ہو کر اُن کے مسلک کے خلاف عمل کیسے کروں۔[۳۲] فقہا اور مجتہدین کے مابین اختلافات کی وجہ سے علم کو ترقی نصیب ہوتی ہے مختلف مسائل کا حل تلاش کرنے میں مدد ملتی ہیں۔ بقول مولانا فضل ربی ''جب مختلف فقہا اجتہاد کرتے رہیں گے تو اس سے اختلاف رائے ضرور جنم لے گا مگر دوسری جانب یہ اختلاف رائے علم فقہ اور شرعی قانون میں وسعت اور کمال کا سبب بھی بنتا جائے گا کیونکہ ہر مجتہد اپنے قول اور رائے کا اظہار مکمل غور وخوض اور چھان پھٹک کے بعد کرتا ہے۔ اس طرح وہ ہر مسئلہ میں کتاب اللہ۔ سنت مطہرہ، اجماع امت، قیاس، مصالح مرسلہ، عرف، استحسان اور تمام مصادر شرعیہ کا بغور مطالعہ کر کے ایک رائے پر پہنچتا ہے۔ اسی طرح تحقیق کا میدان روز بروز وسیع ہوتا جاتا ہے اور ہر مجتہد اپنی رائے کی تائید وتوثیق کے لئے دلائل و براہین اور دوسری آراء کے جوابات علمی حقائق کو پیش نظر رکھ کر دیتا ہے۔ اس طرح اختلاف کے سبب علم کو ترقی نصیب ہوتی ہے۔ یہ اختلاف مختلف النوع ہونے کے معنی میں ہوتا ہے یعنی ورائٹی پیدا ہوتی ہے۔ جس میں آپس میں ایک دوسرے کی مخالفت یا تعصب یا دشمنی کا کوئی دخل نہیں ہوتا بلکہ یہ اختلاف گلشن علم دین کے لئے باعث زینت بن جاتا ہے۔

گل ہائے رنگ برنگ سے ہے زینت چمن
اے ذوق! اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اختلاف اُمتی رحمۃ۔ اس لئے کہ یہ باعث زینت اور سبب زیادتی علم ہے۔ حضورؐ نے اپنے دور میں اس قسم کے اختلاف کی تحسین فرمائی۔ اس لئے کہ اختلاف تو اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ جماعت میں غور و فکر اور تحقیق و تجسس اور فہم و تفقہ کی صلاحیتیں موجود ہیں''[۴۴]

دور حاضر میں بعض ناعاقبت اندیشوں نے مسلکی اختلافات کو ذاتی مفادات کے حصول کی خاطر جدل و مناظرہ کی صورت میں کبھی عوام الناس کے مجمع میں اچھالا تو کبھی انہیں اپنی تحریروں کا موضوع بنایا۔ مسلکی اختلافات یا نظریاتی اختلافات جو پہلے خواص تک محدود تھے اور خالصتاً علمی اختلافات تھے۔ ان کم فہموں اور کوتاہ بینوں کی ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے بغض و عناد، شدت پسندی اور انتہا پسندی کا باعث بنے۔ ایک دوسرے کی تکفیر کی گئی۔ عبادت گاہوں کو جہاں انسانیت کو سکون نصیب ہوتا تھا نشانہ بنایا گیا۔ ان کے تقدس کو پامال کیا گیا۔ عبادت گاہوں کے تقدس کو برقرار رکھنے کے لئے ہر مذہب نے تلقین کی ہے۔ اسلام تو کسی مذہب کے مقدس مقام کی حرمت کو پامال کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ حضرت ابوبکر صدیق نے لشکر اسامہ روانہ کرتے وقت انہیں ہدایات دیتے ہوئے فرمایا تھا۔ ''تم لوگوں کا گزر ایسے لوگوں پر ہوگا جنہوں نے اپنے آپ کو گرجوں میں عبادت کے لئے وقف کر رکھا ہے۔ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دینا اور ان کو وہ کام کرنے دینا جس کے لئے وہ یکسو ہو گئے ہیں''[۴۵]

حضرت عمرؓ نے جب فلسطین کو فتح کیا تو بیت المقدس کے نصاریٰ کے ساتھ جو معاہدہ کیا گیا تو اس کے الفاظ کچھ یوں تھے ''یہ وہ امان ہے جو خدا کے غلام امیر المومنین عمر نے ایلیا کے لوگوں کو دی یہ امان ان کی جان، مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے تمام مذہب والوں کے لئے ہے۔ اس طرح پر کہ اُن کے گرجاؤں میں نہ سکونت کی جائے گی نہ وہ ڈھائے جائیں گے نہ ان کے احاطہ کو کچھ نقصان پہنچایا جائے گا نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کی کی جائے گی مذہب کے بارے میں ان پر جبر نہ کیا جائے گا نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا''[۴۶] آج انتہا پسند عناصر جہاں عبادت گاہوں کے تقدس کو پامال کرتے ہیں وہاں انسانی جان کی حرمت کو پامال کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ مذہب کے نام پر ایک دوسرے کو قتل کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے کردار اور رویوں کو دیکھ کر جہاں لوگ اسلام سے دور ہوئے۔ وہاں اسلام کے پیروکاروں پر انتہا پسندی اور شدت پسندی کے الزام بھی عائد کئے گئے حالانکہ اسلام میں تشدد اور انتہا پسندی کی کہیں گنجائش نہیں ہے اسلام تو یہ کہتا ہے کہ ایک انسان کا قتل ساری انسانیت کے قتل کے مترادف ہے اور جس نے ایک انسان کو بچایا گویا اس نے پوری انسانیت کو بچا لیا۔ قرآن کے الفاظ میں ''مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا''[۴۷] انتہا پسند عناصر نے اسلام کے اس درس کو بالائے طاق رکھ دیا اور افراط اور تفریط کا شکار ہو گئے۔ جب جب معاشرے میں توازن اور اعتدال نہ رہے تو فساد اور بے راہروی پیدا ہوتی ہے۔ نبی پاکؐ نے ہمیشہ اعتدال، میانہ روی اور رواداری کا درس دیا ہے۔ دنیاوی معاملات ہوں یا عبادات۔ کسی صورت میں انسان کو جادہ اعتدال سے انحراف نہیں کرنا چاہئے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمرو بن العاص کہتے ہیں کہ ایک دن رسول کریم نے مجھ سے فرمایا کہ عبداللہ کیا مجھے یہ اطلاع نہیں ملی ہے (یعنی مجھے معلوم ہوا ہے) کہ تم روزانہ دن میں روزے رکھتے ہو اور ہر رات میں

پوری شب اللہ کی عبادت اور ذکر و تلاوت میں مشغول رہتے ہو۔ میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ ایسا ہی ہے۔ آپؐ نے فرمایا ایسا نہ کرو بلکہ روزہ بھی رکھو اور بغیر روزہ بھی رہو۔ رات میں عبادت خداوندی بھی کرو اور سویا بھی کرو۔ تمہارے بدن کا بھی تم پر حق ہے (لہٰذا اپنے بدن کو زیادہ مشقت اور ریاضت میں مبتلا نہ کرو تاکہ بیماری یا ہلاکت میں نہ پڑ جاؤ۔ تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے اس لئے رات میں سویا بھی کرو تاکہ تمہاری آنکھیں آرام و سکون پائیں) تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے۔ اس لئے اس کے ساتھ شب باشی اور صحبت و مباشرت کرو اور تمہارے مہمان کا بھی تم پر حق ہے''[۴۸] اس حدیث کے ذریعے سے مسلمانوں کو اعتدال، میانہ روی اور توازن کا درس دیا گیا ہے۔ انتہا پسندی کی کوئی بھی صورت اسلام میں قابل قبول نہیں۔ مسلکی اختلافات کو عوامی سطح پر جدل و مناظرہ کا موضوع نہ بنایا جائے۔ تحریر و تقریر جس میں کسی بھی مذہب کی تحقیر ہوتی ہو۔ اس کی حوصلہ شکنی کی جائے۔ تمام انسانوں کو اللہ کے کنبے کے افراد تصور کرتے ہوئے ہر ایک کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں تاکہ یہ دنیا جیسا کہ اسلام چاہتا ہے امن و آشتی کا گہوارہ بن جائے۔

دور حاضر میں انتہا پسندی کے جو رجحانات پائے جاتے ہیں۔ ان کا علاج صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ جب ہم صحیح معنوں میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات اور اسوہ حسنہ کی پیروی کریں گے۔ نبی پاکؐ نے رواداری، برداشت، میانہ روی، عفو و درگزر، صبر، عدل و انصاف اور بھائی چارہ کا درس دیا ہے۔ ہم بھی اپنوں اور غیروں کے ساتھ رواداری اور مساوات کا سلوک روا رکھیں۔ کسی کے مذہبی معاملات میں مداخلت نہ کریں۔ اگر کسی کو دین اسلام کی دعوت دینی ہے۔ تو قرآن مجید میں تبلیغ کا جو انداز بتلایا گیا ہے یا نبی پاکؐ نے جو انداز اختیار کیا تھا۔ اس کو اپنائیں۔ کسی مذہب کے پیروکار کی دل آزاری نہ کریں۔ اعتدال، توازن اور میانہ روی کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھیں۔ بقول شاعر

خیر الامور الوسط

حب التناهي غلط[۴۹]

سب سے بہتر امور وہ ہیں جو معتدل ہوں کسی صورت میں انتہا پسندی غلط طریقہ ہے۔ ہمیں چاہئے کہ انسانوں سے محبت کریں تمام انسان نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق اللہ تعالیٰ کے کنبے کے فرد ہیں۔[۵۰] کنبے کا خالق اپنے ہر فرد کو عزیز رکھتا ہے لہٰذا ہمیں بھی عیال اللہ سے محبت اور پیار کرنا چاہئے۔ انتہا پسندی انسانوں کے مابین نفرتیں اور عداوت پیدا کرتی ہے اگر ہم نے دنیا کو امن و آشتی کا گہوارہ بنانا ہے تو اس کا علاج نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کی اتباع اور آپ کی تعلیمات کی پیروی میں مضمر ہے۔ رواداری، حسن سلوک، پیار اور محبت اور عدل و انصاف سے انتہا پسندی کے رجحانات کا تدارک کیا جا سکتا ہے۔

حواشی

۱۔ القرآن۔ آل عمران آیت نمبر ۱۹

۲۔ القرآن۔ آل عمران آیت نمبر ۸۵

۳۔ القرآن۔ المائدہ آیت نمبر ۳

۴۔ القرآن۔ البقرہ آیت نمبر ۲۰۸

۵۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری، سیرۃ الرسول جلد ہفتم لاہور (منہاج القرآن پبلی کیشنز) ۱۹۹۹ء ص ۴۶۹

۶۔ ایضاً ص ۴۷۴ بحوالہ السیرۃ النبویہ لابن ہشام ۲: ۴۰۳

۷۔ امام محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی، ریاض الصالحین مترجم علامہ عبدالرسول جلد دوئم دہلی (اعتقاد پبلشنگ ہاؤس) ۱۹۸۷ء ص ۲۷۸

۸۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری سیرۃ الرسول جلد ہفتم ص ۴۷۵ بحوالہ الصحیح المسلم ۲: ۳۱۷

۹۔ علامہ شبلی نعمانی سیرۃ النبی جلد دوئم لاہور (سروسز کلب) ۱۹۸۵ء ص ۱۔۱۰۶

۱۰۔ القرآن۔ سورہ انفال آیت نمبر ۶۱

۱۱۔ القرآن۔ سورہ البقرہ آیت نمبر ۱۹۱

۱۲۔ القرآن۔ سورہ البقرہ آیت نمبر ۱۱۷

۱۳۔ القرآن۔ سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۱۰

۱۴۔ مولانا کوثر نیازی اسلام ہمارا دین ہے لاہور (جنگ پبلشرز) ۱۹۹۲ء ص ۵۵۔۵۴

۱۵۔ القرآن۔ سورہ انفال آیت نمبر ۳۹

۱۶۔ سید سلیمان ندوی خطبات مدارس لاہور (ادارہ اسلامیات) ۱۹۸۳ء ص ۲۴۔۲۳

۱۷۔ القرآن۔ سورہ انبیاء آیت نمبر ۱۰۷

۱۸۔ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری رحمت للعالمین کراچی (دارالاشاعت) جلد اول ۲۰۰۱ ص ۴۲

۱۹۔ ابوالحسن ندوی نبی رحمت کراچی (مجلس نشریات اسلام) سن ندارد ص ۱۴۰

۲۰۔ مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری الرحیق المختوم لاہور (المکتبۃ السلفیۃ) سن ندارد ص ۹۰ بحوالہ ابن ہشام ۱: ۱۳۳

۲۱۔ مولانا کوثر نیازی اسلام ہمارا دین ہے ص ۶۰

۲۲۔ القرآن۔ سورہ احزاب آیت نمبر ۲۱

۲۳۔ علامہ شبلی نعمانی سیرۃ النبی جلد دوئم ص ۲۹۵ بحوالہ ابو داؤد باب الصلوۃ اللیل پروفیسر ڈاکٹر خالد علوی، خلق عظیم اسلام آباد (دعوۃ اکیڈمی) ۲۰۰۲ء ص ۱۸

۲۴۔ القرآن۔ سورہ النجم آیت نمبر ۴

۲۴ بی۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے ''مسلم بن عبداللہ سے روایت ہے کہ حضرتؐ نے فرمایا کہ جب کسی مرد نے اپنے بھائی کو کافر کہا تو وہ بات دونوں میں کسی پر ضرور پلٹتی ہے''۔ اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے مولانا خرم علی بلہوری نے لکھا ہے ''اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدمی اپنی زبان کو روکے۔ ہر ایک کو بے دلیل یقینی کافر نہ کہے۔ شاید اس پر پلٹ پڑے اور خدا کے غضب میں گرفتار ہووے''۔
امام رضی الدین حسن صغانی مشارق الانوار ترجمہ مولانا خرم علی مرتب مولانا عبدالحلیم چشتی حدیث نمبر ۴۹ کراچی (میر محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی) سن ندارد ص ۱۹

۲۵۔ القرآن۔ البقرہ آیت نمبر ۲۵۶

۲۶۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن جلد اول لاہور (مکتبہ تعمیر انسانیت) ۱۹۷۹ء ص ۱۹۶

۲۶ب۔ علامہ شبلی نعمانی سیرۃ النبی جلد دوئم ص ۵۰
۲۷۔ مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری الرحیق المختوم ص ۲۶۳
۲۸۔ القرآن۔سورہ النحل آیت نمبر ۱۲۵
۲۹۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، نبی رحمتؐ ص ۲۷۳۔۲۷۴
۳۰۔ ایضاً ص ۲۷۴، ۲۷۶
۳۱۔ علامہ شبلی نعمانی سیرت النبی جلد دوئم ص ۳۸۲ بحوالہ صحیح مسلم کتاب الادب جلد دوم
۳۲۔ ایضاً ص ۳۸۱ بحوالہ صحیح بخاری
۳۳۔ نواب محمد قطب الدین خان دہلوی، مظاہر حق جدید شرح مشکوٰۃ شریف، تزئین وترتیب جدید مولانا عبداللہ جاوید غازی پوری جلد دوم کراچی (دارالاشاعت) ۱۹۹۴ء ص ۱۲۱
۳۴۔ القرآن۔سورہ التوبۃ آیت نمبر ۱۲۸
۳۵۔ القرآن۔سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۵۹
۳۶۔ پروفیسر ڈاکٹر خالد علوی، خلق عظیم، اسلام آباد (دعوۃ اکیڈمی) ۲۰۰۲ء ص ۱۸ بحوالہ صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابہ
۳۷۔ القرآن۔سورحم السجدہ آیت نمبر ۳۴ تا ۳۶
۳۸۔ القرآن۔سورہ الانعام آیت نمبر ۱۰۸
۳۹۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی تفہیم القرآن جلد اول ص ۵۷۱
۴۰۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نبی رحمت ص ۵۹۳ بحوالہ صحیح بخاری کتاب الجنائز
۴۱۔ علامہ شبلی نعمانی الفاروق اسلام آباد (نیشنل بک فاؤنڈیشن) سن ندارد ص ۳۔۳۹۴
۴۲۔ مفتی محمد شفیع معارف القرآن جلد اول کراچی (ادارہ المعارف) ۱۹۸۲ء ص ۶۱۷
۴۳۔ مولانا سید محمد متین ہاشمی افادات ہاشمی جمع وترتیب محمد اقبال رانا جلد دوم لاہور ۲۰۰۰ء ص ۳۱۲
۴۴۔ مولانا فضل ربی ''اسلام میں اختلاف رائے کی حقیقت'' ماہنامہ دعوہ (دعوۃ اکیڈمی اسلام آباد) جلد نمبر ۱ شمارہ ۸۔۹ جنوری۔فروری ۱۹۹۵ء ص ۲۹
۴۵۔ محمد عبدالجبار ''اسلام اور رواداری'' دعوۃ (دعوہ اکیڈمی اسلام آباد) جلد ۴ شمارہ ۶ نومبر ۱۹۹۷ء ص ۲۳ بحوالہ محمد حسین ہیکل ابوبکر ترجمہ شیخ محمد احمد پانی پتی لاہور ۱۹۸۲ء ص ۱۴۱
۴۶۔ علامہ شبلی نعمانی الفاروق، ص نمبر ۳۸۷
۴۷۔ القرآن۔سورہ المائدہ آیت نمبر ۳۲
۴۸۔ نواب محمد قطب الدین خان مظاہر حق جدید جلد دوم ص ۳۵۷
۴۹۔ شیخ محمد رضا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ترجمہ مولوی محمد عادل قدوسی کراچی (تاج کمپنی) سن ندارد ص ۷۷۹
۵۰۔ نبی پاک کا ارشاد ہے الخلق کلھم عیال اللہ و احب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ ''تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اور اللہ کے نزدیک محبوب وہ ہے جو اس کے کنبہ کے ساتھ اچھا سلوک کرے'' مشکوٰۃ کتاب الادب باب الشفقہ و الرحمۃ علی الخلق ۲:۶۳۱ پروفیسر ڈاکٹر خالد علوی خلق عظیم ص ۵۰

دور حاضر میں مذہبی انتہاء پسندی کا رجحان اور اس کا خاتمہ تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

پروفیسر محمد طاہر مصطفیٰ، اسلام آباد

میں حرف آغاز سے ہی اس الزام کی تردید کرتا ہوں کہ ہمارے مذہب اسلام اور ہم ہرگز انتہاء پسند نہیں ہیں کیونکہ اس الزام کا بنیادی مرکز ومحور ''مذہب'' ہے اس لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے مذہب کے تصور اور روح کا نظریاتی اور عملی پہلو سے تجزیہ کیا جائے کہ کیا کہیں بھی اس تصور میں کوئی انتہاء پسندی کا پہلو نکلتا ہے؟

مذہب کا لغوی و اصطلاحی مفہوم اور مقصد و مدعا:

مذہب کا مادہ "ذھب" ہے جس کے لغوی معنی چلنے کا راستہ یا زندگی گذارنے کا طریقہ ہے۔ انگریزی زبان میں مذہب کا مترادف لفظ Religion ہے۔ جو لاطینی زبان سے ماخوذ ہے اور اس کا مفہوم عقیدہ، نظریہ اور پوجا پاٹ کا نظام ہے۔ قرآن حکیم میں مذہب کے معنی ومفہوم کے بارے میں ''دین، منہاج اور سبیل'' کے لفظ استعمال ہوئے ہیں۔ جن کا مجموعی اصطلاحی مفہوم وہ راستہ یا ضابطہ حیات ہے جس پر چل کر انسان دنیا میں کامیاب اور آخرت میں فلاح یاب ہوسکتا ہے۔

مغربی مفکرین کے نزدیک مذہب کا تصور اور مفہوم:

زندگی کی بعض حقیقتیں ایسی ہیں جن کو صرف سمجھا اور محسوس کیا جا سکتا ہے مگر ان کی جامع تعریف مشکل ہوتی ہے۔ مثلاً محبت، سچائی، رعنائی اور عقل و دانش وغیرہ۔ یہی معاملہ مذہب کا ہے۔ اس کی تعریف مختلف مفکرین نے مختلف کی ہے۔ مغربی مفکرین میں سے ای بی ٹیلر کا موقف ہے:

[۱] "Reiligion means the belief in spiritual beings".

یعنی مذہب سے مراد ہے روحانی مخلوقات پر ایمان لایا جائے۔

برونائیٹ ہیڈ لکھتا ہے ''مذہب اعتقاد کی اس قوت کا نام ہے جس میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ انسان اور اس کے کردار میں انقلاب پیدا کر دے بشرطیکہ اسے خلوص کے ساتھ قبول کیا جائے اور بصیرت کے ساتھ سمجھا جائے''۔ [۲]

اسی طرح مشہور عالم نفسیات پروفیسر جیمز ایچ لیوبا James H. Leuba نے اپنی ایک تصنیف میں مذہب کی مختلف تعریفات نقل کی ہیں جو مذہب کے کسی نہ کسی ضروری جزو پر حاوی ہیں مثلاً

☆ ''مذہب اس احساس کا نام ہے جو کسی مقدس، بالاتر اور ان دیکھی ذات کا وجود انسان کے قلب و دماغ پر پیدا کرتا ہے''۔

☆ ''مذہب ایک ایسی ازلی اور ابدی حقیقت پر ایمان لانے کا نام ہے جس کی حیثیت اور ارادہ انسانی منشاء اور ارادے سے

بالاتر ہے اور جس کا تعلق انسان کی زندگی کے ساتھ بہت گہرا ہے''۔

☆ ''مذہب ایک روحانی اور نفسی حاسہ ہے۔ جس کی بنیاد یہ عقیدہ ہے کہ انسان اور کائنات میں ہم آہنگی پائی جاتی ہے''۔

☆ ''مذہب ان مافوق الانسانی قوتوں کی رضا جوئی کا نام ہے جو انسانی زندگی پر حکمران ہیں''۔

☆ ''مذہب اس جستجو کا نام ہے جو انسانی زندگی کے حقیقی مقاصد کے ادراک کے لئے کی جاتی ہے''۔ [۳]

سوچنے کی بات یہ ہے کہ مذہب کے بارے میں یہ تمام مغربی افکار ہیں۔ ہمیں بحیثیت مسلمان ان افکار کی ماہیت سے نظریاتی اختلاف ضرور ہوسکتا ہے مگر ان افکار کے اندر کہیں بھی مذہب کی تعریف میں تشدد، ظلم و زیادتی اور انتہا پسندی کا پہلو سامنے نہیں آتا ہے۔

مذہب کا قرآنی تصور:

اب اگر ہم مذہب کے تصور کا قرآن حکیم کی تعلیمات و ارشادات کی روشنی میں تجزیہ کریں تو ہمیں اس مفہوم میں دین، شریعت، ہدایت، صراط اور طریق کی اصطلاحات ملتی ہیں۔ اسلام کے تصور مذہب کو سمجھنے کے لئے مختصر طور پر ان اصطلاحات کا فہم بھی بہت ضروری ہے۔

دین کے لغوی معنی ہیں انقیاد و اخلاص، مگر استعارۃً و اصطلاحاً اس سے مراد ملت اور شریعت ہے۔[۴] قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ [۵]

یعنی بے شک اللہ کے نزدیک اگر کوئی دین ہے تو وہ اسلام ہے۔

اسی طرح قرآن مجید میں اسلام کے لئے دِيْنِ الْحَقِّ [۶] دِيْنِ اللّٰهِ [۷] الدِّيْنُ الْقَيِّمُ [۸] کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ 10 ہجری میں جب وحی کے ذریعے دین کے کامل ہونے کی خوشخبری سنائی گئی تو اس وقت بھی اسلام کے لئے دین کی اصطلاح استعمال کی گئی۔ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا [۹] بقول امام ابوحنیفہ لفظ دین کا اطلاق ایمان، اسلام اور جملہ احکام شریعہ پر ہوتا ہے۔[۱۰] علامہ جرجانی کے نزدیک دین اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ دستور حیات ہے۔ جو اصحاب اہل فکر آنحضرت ﷺ کے پیش کردہ لائحہ عمل کو قبول کرنے کی دعوت دیتا ہے۔[۱۱]

اس بحث سے یہ واضح ہوا کہ اسلام عقیدہ و اقرار بھی ہے اور عمل بھی، مکمل ضابطہ حیات بھی ہے اور دستور العمل بھی اور اس کا مجموعی نام ''دین'' ہے۔ جس میں عقائد، عبادات، معاملات، انفرادی، اجتماعی، سیاسی، اقتصادی، عسکری، عدالتی اور بین الاقوامی تمام امور شامل ہیں مگر اس میں انتہا پسندی کا کہیں کوئی عنصر سامنے نہیں آتا۔

مذہب کے مفہوم میں قرآن حکیم نے دوسرا لفظ ''شریعت'' استعمال کیا ہے۔

''شریعت'' عربی زبان کا اسم المصدر ہے۔ جس کے لفظی معنی ہیں گھاٹ، پنگھٹ، وہ جگہ جہاں سے آسانی کے ساتھ

پانی کے لئے پہنچا جا سکے۔ دریا اور سمندر کے کنارے ایسی جگہ جہاں جانور پانی پینے کے لئے وارد ہو سکیں۔ دہلیز، چوکھٹ، عادت، بیان، اظہار اور وضاحت[۱۲] دین، ملت، منہاج، راستہ، مثال، نمونہ اور مذہب کو بھی شریعت کہتے ہیں۔[۱۳] دینی اصطلاح میں شریعت سے مراد وہ طریقہ زندگی ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لئے مقرر کردے اور اس پر چلنے کا حکم دے۔[۱۴]

علامہ الشریف الجرجانی لکھتے ہیں لغت کے اعتبار سے ''شرع'' کی معنی ہیں ''اظہار و بیان''۔ جس طرح کہا جاتا ہے کہ شرح اللہ کذا یعنی اللہ نے یہ ایک راستہ اور مسلک ظاہر فرما دیا۔ اسی طرح شریعت ایک مذہبی راستہ ہے۔ جہاں بندہ اپنی زندگی کے پورے اظہار کے طور پر اللہ کا حکم بجالاتا ہے۔[۱۵]

علامہ عبدالنبی احمد نگری شریعت کے اصطلاحی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''شرع'' اور ''شریعت'' سے مراد دین کے وہ معاملات ہیں جو اللہ نے اپنے بندوں کے لئے ظاہر کئے ہیں اور جن کا حاصل وہ متعارف طریقہ یا ضابطہ حیات ہے جو آنحضرت ﷺ سے ثابت ہوتا ہے۔[۱۶]

الغرض شریعت اور شرعہ سے مراد وہ راستہ جو دنیاوی بھلائی کے لئے بھی استعمال ہو سکتا ہے اور اس صورت میں یہ اصلاح و تعمیر اور امن و سکون پر منتج ہوگا یا دنیاوی اور اُخروی بھلائی کے لئے اور اس طرح یہ روح اور سیرت کی تعمیر پر منتج ہوگا۔[۱۷]

قرآن مجید میں یہ لفظ اور اس کے مشتقات چار مقامات پر وارد ہوئے ہیں۔ جن سے اس لفظ کے مفہوم اور معنی کے تعین میں بڑی مدد ملتی ہے۔

۱. شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ[۱۸]

یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے دین کا وہی راستہ مقرر کیا ہے جس کا حکم نوح کو دیا تھا اور جو ہم نے آپ کی طرف وحی کی اور جس کا ہم نے ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو حکم دیا کہ دین کو قائم رکھو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو۔

۲. أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُم مِّنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَن بِهِ اللَّهُ[۱۹]

یعنی یا کہ ان کے کوئی شریک ہیں جنہوں نے دین کا کوئی ایسا رستہ مقرر کردیا ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی۔

۳. ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَىٰ شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ[۲۰]

یعنی پھر ہم نے تجھے اس معاملے میں کھلے رستے پر لگا دیا سو اس کی پیروی کرو اور اُن لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو جو علم نہیں رکھتے۔

۴. لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا[۲۱]

یعنی ہم نے آپ میں سے ہر ایک کے لئے ایک شُریعت اور طریق بنا دیا ہے۔

ان آیات سے واضح ہوتا ہے کہ شریعت کا تعلق دین اور طریقہ زندگی سے ہے موخر الذکر آیت کے ضمن میں حضرت

عبداللہ بن عباسؓ کا ایک قول نقل کیا جاتا ہے کہ شرعۃ سے مراد وہ احکام ہیں جو قرآن مجید میں وارد ہوئے ہیں اور منہاج سے مراد وہ مسائل شریعت ہیں جو حدیث نبوی میں آتے ہیں گویا نصوص قرآنیہ بنیادی اصول اور اساسی عقائد مہیا کرتی ہیں جبکہ احادیث نبویہ ان اصول وعقائد کی تفصیل اور ان کی عملی تطبیق کا لائحہ عمل ہیں۔[۲۲]

اسی طرح ملت کے مفہوم میں قرآن حکیم بیان کرتا ہے:

قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔[۲۳]

یعنی کہہ دیجئے اللہ نے سچ فرمایا ہے پس راست رو ہو کر ابراہیم کے دین کی پیروی کرو اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھے۔

قرآن مجید کے اس ارشاد میں لفظ ''ملت'' دین اور مذہب کے مترادف کے طور پر استعمال ہوا ہے۔

امام راغب بھی ملت کے لفظ کی شرح میں لکھتے ہیں کہ ملت دین ہی کا مترادف ہے اور یہ نام اللہ تعالیٰ کے اس طریق کا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لئے انبیا علیہم السلام کی زبان سے بیان کیا ہے تاکہ بندے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کریں۔

قرآن مجید نے مذہب کے مفہوم کو سبیل کے لفظ سے بھی تعبیر کیا ہے مثلاً ارشاد ہے:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ [۲۴]

یعنی اپنے رب کے رستے کی طرف حکمت اور اچھے وعظ کے ساتھ دعوت دو اور ان کے ساتھ اس طریق سے بحث کرو جو عمدہ ہو۔

حضرت امام راغب نے السبیل کے معنی الطریق یعنی راستہ کے لئے ہیں مثلاً سبیل السلام کے معنی طریق الجنۃ کے ہیں یعنی وہ راستہ جو جنت کی طرف لے جاتا ہے۔

الختصر مذہب کی ان تمام لغوی اور اصطلاحی تعریفات و توضیحات پیش کرنے کا بنیادی اور تمہیدی طور پر محض یہ مقصد تھا کہ مغربی تصور مذہب کو پیش نظر رکھیں یا اس بارے میں اسلامی طرز فکر کو، ہر دو افکار کے تجزیے میں کہیں بھی مذہب کے قیام و دوام یا اس کی دعوت میں تشدد اور انتہا پسندی کا عنصر نہیں ملتا۔

انسانی طبیعت میں متضاد قوتیں:

بات یہ ہے کہ انسان میں اللہ تعالیٰ نے متضاد قوتیں ودیعت کی ہیں۔ جہاں اس میں دور اندیشی و احتیاط اور فرض شناسی کے جوہر مضمر ہیں وہیں اس کا مزاج فتنہ و فساد، عجلت پسندی اور خود غرضی سے بھی گریز نہیں کرتا۔ جس طرح اس کی طبیعت میں متانت و سنجیدگی ہے اسی طرح یہ اپنے جذبات سے جلد ہی انتقام کے درپے بھی ہو جاتا ہے۔ ایک طرف اگر یہ پیکر انس و محبت ہے تو دوسری طرف بغض و حسد کا پتلا بھی، جہاں آدم کا بیٹا جان پر کھیل کر مظلوم کی حمایت کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے، وہیں اس میں عیب ہے کہ اقتدار حاصل کرنے کے لئے یا اپنی فوقیت کو تسلیم کرانے کے لئے لاکھوں بے گناہ انسانوں کا خون بہانے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔

بعثت انبیاء کا بنیادی مقصد:

اللہ رب العزت نے انسانی مزاج کی اسی افراط و تفریط کی اصلاح اور حق و صداقت کی نشاندہی کے لئے انبیاء و رسل کو مبعوث کرنے کا سلسلہ قائم فرمایا اور بلاشبہ اس ذات باری تعالیٰ نے اپنے ان برگزیدہ پیغمبروں کے ذریعے انسانیت کو عدل، اعتدال، عزت و احترام، محبت اور رواداری کا عملی نمونہ پیش کیا تا کہ انسان روئے زمین پر قتل اور خون ریزی کی بجائے امن و امان کا داعی اور ظلم و جور کی جگہ عدل و احسان کا پیکر ہو اور اس کے نتیجے میں زمین پر بسنے والی ساری مخلوق اطمینان و سکون کی زندگی بسر کرے۔

رسول اللہ ﷺ نے آخری نبی کی حیثیت سے دنیا کو جو ضابطہ حیات عطا کیا ہے وہ ہر پہلو سے مکمل و جامع ہے۔ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس کے متعلق اس ابدی ضابطہ حیات میں مکمل رہنمائی موجود نہ ہو۔

لیکن آج دنیا امن و امان اور سکون و سلامتی کا مکمل ضابطہ رکھنے کے باوجود ظلم و تعدی میں جس طرح الجھی ہوئی ہے وہ کسی سے ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ آج دنیا کے گوشے گوشے میں قتل و خون ریزی سے انسانیت جس طرح کانپ اٹھی ہے اس سے کوئی ذی شعور انکار کرنے کی جرات نہیں کر سکتا۔

اسلام سے پہلے دنیا کی معاشرتی اور مذہبی حالت:

یہ بھی سب جانتے ہیں کہ اسلام کا مکمل آئین زندگی دنیا میں اس وقت آیا تھا جب دنیا بربادی کے انتہائی نقطہ پر پہنچ چکی تھی۔ پوری دنیا سے امن و امان کا نام حرف غلط کی طرح مٹ چکا تھا۔ دنیا ظلمت و ضلالت کے سمندر میں غرقاب ہو رہی تھی۔ کہیں دور وحشت چل رہا تھا اور کہیں شرک و بت پرستی کی لعنتوں نے مدنیت کا ستیاناس کر رکھا تھا۔ زندگی کے زخموں سے تعفن اٹھ رہا تھا۔ عقل و خرد رخصت ہو چکی تھی۔ عرب سمیت پوری دنیا کا یہی حال تھا۔ بیرون عرب کے حالات یہ تھے کہ آریوں نے طاقت پا کر غیر آریوں کو پامال کیا۔ برہموں اور چھتریوں نے شودروں کو غلام بنایا۔ رومیوں نے افریقیوں پر غلبہ پا کر ان کو معاف نہیں کیا۔ یونانیوں نے ایرانیوں کو کمزور پا کر خون ریزی کی۔ فرعون مصر نے خدائی دعویٰ کر کے انسانیت پر ظلم ڈھایا بخت نصر دنیا میں ہر طرف فتنہ و فساد، قتل و خون ریزی، چیخ و پکار اور تڑپتی ہوئی لاشیں تھیں۔ امن و امان تھا نہ سکون و اطمینان، عدل و مساوات اور محبت و اخوت یا رواداری کسے کہتے ہیں کوئی نہیں جانتا تھا۔ غضب یہ کہ کوئی خدا کا بیٹا بنا ہوا تھا اور کوئی اس کا دوست، کسی کا دعویٰ تھا کہ ہماری رگوں میں خدائی خون ہے اور کوئی یقین دلا رہا تھا کہ دنیا میں جو کچھ ہے وہ ہماری وجہ سے اور ہماری ہی ذات کے لئے ہے۔

تاریکی سے روشنی کی طرف لانے کے لئے رسول اللہ ﷺ کا کردار:

پیغمبر اسلام ﷺ نے اس نازک موقع پر انسانیت کی رہنمائی فرمائی۔ یہ دستور ہے کہ جب کسی معاشرے میں بگاڑ پیدا

ہوتا ہے تو اس کی اصلاح بنیاد سے کی جاتی ہے پہلے ساری چیزوں کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ تمام اسباب ومحرکات کا تجزیہ کیا جاتا ہے۔ آخر میں پورے ڈھانچے کی اصلاح کا سوال سامنے آتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اللہ رب العزت کے نازل کردہ دین کے ذریعے صرف جزوی اصلاحات پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنی قدرت اور علم کے پیش نظر انسانوں کے سارے روگ کی اصلاح کی چنانچہ سب سے پہلے آپ ﷺ نے انسانوں کو تنگ نظری، احساس کمتری اور انتشار ذہنی سے نکالا اور اعلان کیا کہ یہ ساری کائنات تمہارے لئے پیدا کی گئی ہے۔ زمین و آسمان، آفتاب و ماہتاب، ستارے اور سیارے سب تمہارے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ انسان ان تمام چیزوں سے بالاتر ہے۔ یہ اس کے منصب ہی کے خلاف ہے کہ وہ ٹولیوں میں بٹ کر محدود ہو جائے اور مذہبی فروعی اختلافات میں مبتلا ہو کر یا رنگ و نسل اور جغرافیائی حدود کے جال میں الجھ کر اپنے شرف اور عزت کو ہلاکت و تباہی کے سمندر میں ڈبو دے۔

امن وامان کی تباہی کی بنیادی وجہ تنگ نظری:

تاریخ شاہد ہے کہ امن وامان کو جو چیز تباہ کرتی ہے اس کی بنیاد انسان کی تنگ نظری ہے۔ کوئی مذہب کے نام پر تشدد کی تلوار اٹھاتا ہے کوئی رنگ و نسل کے نام پر معرکہ آرائی کے لئے میدان میں اترتا ہے اور اس طرح کوئی وطن اور ملکی حدود کے تعصب میں مبتلا ہو کر انسانی خون سے ہولی کھیلتا ہے۔

موجودہ حالات میں مذہبی طبقے کی تنگ نظری:

ان مفاسد میں ایک بدقسمتی کی بات یہ ہوگئی کہ آج ہمارے مذہبی طبقے کو بھی اپنے بارے میں یہ زعم ہو گیا کہ نوع انسانی کا معلم اور مصلح صرف وہی طبقہ ہے۔ ایسے مصلحین کو جب قوت ہاتھ آتی ہے تو وہ اپنے آپ کو عقل کل سمجھ بیٹھتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو بہترین مفکر سمجھتے ہیں۔ وہ ہر سرچشمہ علم سے بے نیاز ہو کر اور معاشرہ کے بہترین زیرک اور حساس عناصر کو برطرف رکھ کر اندھا دھند محیر العقول اقدامات کرنے لگتے ہیں جن میں سے ہر ایک قدم ایک خوفناک حادثہ ثابت ہوتا ہے۔ وہ تشدد کے ہتھیاروں سے انسان کو انسان بنانا چاہتے ہیں اور زندگی کی پیٹھ پر کوڑے برسا کر اس کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں۔ بسا اوقات اصلاح و انقلاب کے ایسے مدعیوں کو سرے سے انسان کی فطرت کا پتہ نہیں ہوتا۔ انہیں زندگی کے بناؤ اور بگاڑ کے موجبات کا مبتدیانہ علم بھی نہیں ہوتا۔ انہوں نے کبھی یہ سمجھنے کی کاوش ہی نہیں کی ہوتی کہ انسان کو انسانیت سکھانے کے صحیح طریق کیا ہیں اور بگاڑ کا سرچشمہ کہاں واقع ہے اور اس کی اصلاح کا آغاز کہاں سے ہوتا ہے اور اس کی تکمیل کہاں جا کر ہوتی ہے۔ وہ سابق تجربات سے فائدہ اٹھائے بغیر اپنا تجربہ "الف با" سے شروع کرتے ہیں۔ وہ مشورہ و تنقید کے دروازے بند کر دیتے ہیں تاکہ ان کا کوئی خیر خواہ اور انسانیت کا کوئی محب ان کے مہلک تجربہ کی تکمیل میں رکاوٹ نہ ڈال سکے۔ ان کے پاس ہر دور کی ایک ہی دوا ہوتی ہے۔ جبر و تشدد[25] اور اپنے افکار و اعمال میں انتہا پسندی۔

رسول اللہ ﷺ کے انقلاب کی روح:

رسول اللہ ﷺ نے جو انقلاب برپا کیا اس کی روح تشدد کی روح نہیں تھی بلکہ محبت و خیر خواہی کی روح تھی۔ آپ ﷺ کی دعوت کی بنیاد قرآن حکیم کا یہ پیغام تھا:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّ نِسَآءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ [۲۶]

یعنی اے لوگو اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو جس نے تمہیں نفس واحدہ سے پیدا کیا پھر اس کا جوڑا بنایا اور اس سے پھر کئی مرد اور عورت پھیلا دیئے اور اللہ سے ڈرو جس کی ذات کے حوالے سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور اپنی قرابت ظاہر کرتے ہو۔

قرآن حکیم کی اس آیت سے دو اصول نکلتے ہیں:

۱۔ تمام انسان نفس واحدہ سے پیدا ہوئے ہیں لہٰذا برابر ہیں۔

۲۔ انسانی احترام کا قیام و دوام تعلق باللہ پر منحصر ہے۔

اسلامی معاشرہ انہیں دو اصولوں پر قائم ہوتا ہے یعنی تمام نسل انسانی کا بنیادی احترام اور اس کے لئے روحانی حوالہ مذہب ہے لہٰذا ان دونوں اصولوں کا نصب العین یہ ہے کہ زندگی کی ضرورتوں اور کفالتوں میں جملہ نوع انسانی ایک برادری کی مانند ہے اور اس خاص دائرے میں زندہ رہنے اور پھلنے پھولنے کا حق سب کو حاصل ہے۔ ان مقاصد کے حصول کے لئے مذہب ایک مضبوط قوت ہے کیونکہ صرف مادی وسائل کے ذریعے سے جو شیرازہ بندی ہوتی ہے وہ دائمی نہیں ہوتی لہٰذا اسی لئے دین اسلام میں مذہب کے ذریعے وحدت و تنظیم پر زور دیا گیا ہے۔

اس ضمن میں اسلام نے مذہبی رواداری اور آزادی ضمیر کا اعلان کیا ہے۔ دوسرے مذاہب کی عبادت گاہوں کے تحفظ کا یقین دلایا ہے۔ ایک دوسرے کے مذہبی جذبات کا احترام سکھایا ہے۔ فروعی اختلافات کو فروع کی حدود تک محدود رکھا ہے۔ برتری کا معیار صرف تقویٰ کو قرار دیا ہے۔ [۲۷] دین اسلام نے احترام انسانیت کا پاس یہاں تک رکھا کہ غیر مسلم قوموں کے ساتھ بھی نیک برتاؤ کرنے کا حکم دیا اور ان کے حقوق کی حفاظت کی یعنی ان کی جان و مال اور دین کی حفاظت کا ذمہ لیا۔ مثال کے طور پر حضرت عمرؓ بن خطاب نے اپنے دور خلافت میں بیت المقدس کے عیسائیوں کو از روئے معاہدہ جو حقوق دیئے ان کی تفصیل یہ ہے:

''یہ وہ امان ہے جو اللہ کے بندے امیر المومنین عمرؓ نے اہل ایلیا کو دیا۔ یہ امان جان، مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے تمام اہل مذہب کے لئے ہے۔ اس لئے نہ ان کی معبدوں میں سکونت اختیار کی جائے گی اور نہ ہی وہ منہدم کئے جائیں گے نہ ان کے احاطے کو نقصان پہنچایا جائے گا نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ تخفیف کی جائے گی۔ مذہب کے بارے میں کوئی جبر نہیں کیا جائے گا۔ [۲۸]

دین اسلام کی ان تمام سنہری تعلیمات کے باوجود آج دنیا میں بالعموم اور ہمارے معاشرے میں بالخصوص جو مذہب کے نام پر انتشار، بے چینی، ظلم، فساد، زیادتی، قتل و غارت گری ہو رہی ہے اس کے بنیادی اسباب و محرکات دراصل دو ہیں۔

۱۔ اسلام کے تصور جہاد کے بارے میں غلط فہمی

۲۔ مذہبی فروعی اختلافات میں متشدد ہونا۔

اب ان دونوں تصورات کے بارے میں دین اسلام کی روشنی میں صحیح تصویر دیکھنا بہت ضروری ہے۔

اسلام کا تصور جہاد:

جہاد کا مادہ ج ھ د سے مشتق ہے۔ اس کے لغوی معنی ''ہر وہ کوشش ہے جو کسی معین مقصد کے لئے کی جائے''۔ یہ لفظ قرآن مجید میں کبھی لغوی معنوں میں اور کبھی اصطلاحی معنوں میں متعدد مرتبہ آیا ہے۔

اصطلاح میں جہاد سے مراد وہ محنت اور کوشش ہے جو اللہ کے لئے اس کی راہ میں، دین اسلام اور ملت کے استحکام کے لئے کی جائے۔ خواہ یہ کوشش جہاد بالقرآن کی صورت میں ہو یا جہاد بالسنّت کی صورت میں، جہاد باللسان کی صورت میں ہو یا جہاد بالقلم کی صورت میں، جہاد بالمال کی صورت میں ہو یا جہاد بالاعمال کی صورت میں، جہاد بالنفس کی صورت میں ہو یا جہاد بالسیف کی صورت میں لیکن زیادہ معین معنوں میں جہاد اسلام کا ایک اجتماعی فریضہ ہے اور اس کی انجام دہی میں بطور عبادت ہر وہ کوشش شامل ہے جو ملت اسلامیہ کے استحکام کے لئے کی جائے۔ اس سے یہ ظاہر ہوا کہ جہاد صرف قتال کا نام نہیں بلکہ استحکام ملت کے لئے ہر کوشش جہاد ہے۔ مقاصد کے حصول کے لئے قتال جہاد میں شامل ہے لیکن یہ ایک انتہائی اور آخری صورت ہے۔ یہ قطعی طور پر غیر منطقی بات ہوگی کہ اگر کوئی مریض کسی طبیب یا ڈاکٹر کے پاس پیٹ میں درد کا عارضہ لے کر جائے اور وہ طبیب پہلے ہی دن آپریشن یا عمل جراحی کا عمل شروع کر دے۔ عقلی اور اصولی بات یہ ہے کہ اگر کسی نے پیٹ کے درد کی شکایت کی تو طبیب پہلے دن اسے کوئی کھانے کی دوا تجویز کرے۔ کچھ دن اگر وہ دوا کھانے سے آرام نہیں آیا تو دوسری دوا تجویز کرے۔ اس سے بھی فرق نہیں پڑتا تو ٹیسٹ کروائے۔ اب اگر ٹیسٹ کی رپورٹ ظاہر کرتی ہے کہ پیٹ میں کینسر ہے تو اب آخری حربے کے طور پر آپریشن یا جراحی کرے۔ کیونکہ زندگی بچانے کے لئے اب ''خون بہانا'' لازمی ہے اور مقصد ''زندگی بچانا ہے''۔ قاتل جب کسی کے پیٹ میں چھرا گھونپتا ہے تو یہ ''موت کی علامت ہے'' اور طبیب جب کسی کے پیٹ میں نشتر گھونپتا ہے تو یہ ''زندگی کی علامت ہے''۔ بعینہ اگر کسی برائی کے خاتمے کے لئے جہاد مطلوب ہے تو اس کا بھی یہ تقاضا نہیں ہے کہ سب سے پہلے جہاد بالسیف یعنی قتال سے آغاز کیا جائے بلکہ عقل و دانش کا تقاضا ہے کہ پہلے جہاد بالقرآن یا جہاد بالسنّت، جہاد باللسان، جہاد بالقلم اور جہاد بالمال کے نسخہ ہائے اکسیر کو آزمایا جائے۔ جب یہ تدابیر کارگر ثابت نہ ہوں سکیں تب آخری تدبیر کے طور پر جہاد بالسیف یا قتال کو بروئے کار لایا جائے۔

جہاد کے بارے میں مستشرقین کا پروپیگنڈہ اور اصل حقیقت:

آج مستشرقین کی ایک بڑی جماعت نے یہ غلط فہمی پھیلا دی ہے کہ جہاد محض تبلیغ یا ملک گیری کی اندھا دھند لڑائی کا نام

ہے۔ یہ خیال حقائق قرآنی اور واقعات تاریخ کے خلاف ہے۔[28] اس میں کچھ شبہ نہیں کہ جہاد میں قتال شامل ہے لیکن ہر قتال کو جہاد نہیں کہا جا سکتا۔ جہاد اپنے مقصد طریق کار اور نصب العین کے اعتبار سے محض اعلائے کلمۃ اللہ اور تحفظ غایات اسلامی کے لئے ہوتا ہے۔ یہ اندھا دھند جنگ و جدال نہیں بلکہ مقاصد ملت کی خاطر ایک با اصول جنگ ہے۔ جو معین اصولوں، پابندیوں اور احتیاطوں کے ساتھ لڑی جاتی ہے اور ان احتیاطوں کا ذکر بتصریح قرآن مجید میں موجود ہے۔ جنگ کے باوجود صلح و آشتی کی اہمیت، جنگ میں بھی عدوان اور زیاتی سے بچنے کی تلقین، معاہدات کی سختی سے پابندی، عورتوں، بچوں، بوڑھوں سے نیک سلوک، عبادت گاہوں کا احترام، درختوں، فصلوں اور پانی کے چشموں کی حفاظت، گرے ہوئے دشمنوں سے نرمی، قیدیوں سے حسن سلوک وغیرہ سب اس امر کی توثیق کرتے ہیں کہ وہ قتال جو جہاد کی آخری صورت ہے، وہ بھی ایک تعمیری اور حد درجہ اصولی قسم کی جنگ ہے۔ اس کی اخلاقی حدود متعین ہیں اور ان میں اشتعال، بے جا تشدد اور ناجائز تجاوز سے منع کیا گیا ہے۔

جہاد کی اصل روح تو یہ ہے مگر ہم نے اسلام کے متعلق ہر مسئلے کا حل جہاد کی آخری تدبیر قتال کو اول نسخہ اکسیر بنا کر ڈھونڈنا شروع کر دیا۔ ہم نے عالم اسلام کے مسائل سے لے کر مقامی سطح کے اختلافات تک کو دانش مندی، فہم و ادراک، بات چیت، تحمل، برداشت اور دور اندیشی سے نہیں بلکہ ٹکرا کر، سر پھوڑ کر، مساجد اور امام بارگاہوں میں خون کی نہریں بہا کر حل کرنا چاہا۔ نتیجہ کیا ہوا؟ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ اور آج ہم اسی مذہبی انتہا پسندی کے رجحان کی وجہ سے دنیا میں دہشت گرد مشہور ہو گئے اور مذہبی انتہا پسند کہلائے جانے لگے۔ الحمد للہ میں انتہا پسندی کے اس الزام کی واشگاف تردید کرتے ہوئے دعویٰ کرتا ہوں کہ میرا مذہب اور دین اسلام اتفاق و اتحاد کا مذہب ہے۔[29] یہ اخلاق اور محبت کا پیغام ہے۔[30] انسان کا ناصح ہے۔[31] یہ اخوت و بھائی چارے کا پیغام بر ہے۔[32] یہ آزادی فکر کا حامی ہے۔[33] یہ دین، معتدین[34] کافرین[35] ظالمین[36] مفسدین[37] مسرفین[38] خائنین[39] مستکبرین[40] فرحین[41] کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ اس کی بجائے یہ مذہب محسنین[42] متطہرین[43] صابرین[44] متوکلین[45] مقسطین[46] متقین[47] مطہرین[48] سے محبت رکھتا ہے۔ یہ دین کسی پر ظلم و تشدد ہوتا نہیں دیکھ سکتا[49] بلکہ زندگی کے ہر لمحے میں امن و سلامتی چاہتا ہے[50] اور اس مقصد کے لئے امر بالمعروف و نہی عن المنکر اپنے اصولوں اور فرائض میں شامل کرتا ہے۔[51] یہ دین مذہبی انتہا پسندی کی آڑ میں کسی پر ظلم و زیادتی یا تشدد کا روادار ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ فلسفہ انسانیت میں یہ انسان کو اللہ کا نائب اور خلیفہ تصور کرتا ہے۔[52] یہ مذہب انسان کی عزت و عظمت کے بارے میں اس قدر حساس ہے کہ یہ ایک انسان کی دوسرے کے ساتھ بدکلامی[53] بدگمانی[54] بدی[55] بہتان[56] بے حیائی[57] کو نہ صرف انسانی قدروں کے خلاف سمجھتا ہے بلکہ ان رزائل کو گناہ تصور کرتا ہے۔ اس کے برعکس انسان کے لئے پاک دامنی[58] پاکیزگی[59] تقویٰ و پرہیزگاری[60] تزکیہ نفس[61] نیکی[62] ثابت قدمی[63] حسن سلوک[64] خشیت الٰہی[65] رضائے الٰہی[66] صدق[67] مساوات[68] عفو درگزر[69] عمل صالح[70] کو انسانی قدر و منزلت کی علامات اور صفات و وقار دیتا ہے اور یہ سارے حوالے میرے نبی ﷺ کی سیرت و کردار کے روشن حوالے ہیں۔

مقام غور و فکر ہے جو مذہب انسان کی عزت و احترام کے بارے میں اس قدر حساس اور محافظ و ضامن ہو وہ کس طرح

انتہا پسند ہوسکتا ہے۔ یہاں ہم یہ دعویٰ بھی پورے وثوق سے کر سکتے ہیں کہ جو مذہب اسلام کی آڑ میں انتہا پسندی کو بروئے کار لا کر مسائل کا تشدد کے ذریعے سے حل نکالنے کی کوشش کرتے ہیں وہ یا تو اسلام کے متبعین ہی نہیں ہیں یا وہ اسلام کی اصل مذہبی روح کو سمجھنے سے قاصر رہے ہیں۔

الحمدللہ ہمارا دین اسلام خود اس پوزیشن میں ہے کہ وہ غیر اسلام مذاہب میں انتہا پسندی کو ثابت کر سکے مگر خود یہ مذہب کسی بھی معنی و مفہوم میں انتہا پسندی کے تصورات کا حامل ہوسکتا ہے نہ امین۔

مثلاً ہم کہہ سکتے ہیں کہ بھارت میں مذہبی انتہا پسندوں نے ہماری بابری مسجد کو شہید کر دیا۔ سانحہ چرار شریف میں مذہب اور عقیدے کی بنیاد پر ہندوؤں نے مسلمانوں کے کئی مزار، گھروں، دکانوں اور درگاہوں کو آگ لگا دی۔ 1984ء میں گولڈن ٹمپل آپریشن میں پینتیس ہزار سکھوں کو مار ڈالا گیا، اڑیسہ، اتر پردیش، کشمیر میں مذہب کے نام پر آئے دن قتل عام جاری ہے۔ مذہب کی بنیاد پر فرانس میں مسلمان لڑکیوں کو سر پر رومال باندھنے کی وجہ سے سکول سے نکال دیا گیا۔ اسی طرح یہ ہمارا احتجاج ہے کہ اسرائیل نے مذہب دشمنی کی آڑ میں مسلمانوں کے قبلہ اول پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے۔ اس کے برعکس اسلام کے ماضی و حال کا دامن ایسے کسی بھی داغ سے پاک ہے جو مذہب دشمنی کی بنیاد پر کسی تشدد یا ظلم و بربریت کو نمایاں کرتا ہو۔ دین اسلام اور اس کے لیڈر حضرت محمد ﷺ نے صلح حدیبیہ اور میثاق مدینہ کے ذریعے اپنے سے غیر مذہبیوں کے ساتھ امن قائم کر کے دکھایا ہے اور قرآن مجید کی رہنمائی کے ذریعے آپ ﷺ کو ہر قسم کے مذہبی تعصب سے منہ موڑنے کی ہدایات عظمیٰ بھی اس موقف کی ٹھوس دلیلیں ہیں۔ [۴۱]

مثلاً:

☆ دنیا کے تمام انسان ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں۔ ان کا خالق بھی ایک ہی ہے اس لئے نسلی یا علاقائی اختلافات کی کوئی حیثیت نہیں۔ تمام انسان بحیثیت انسان برابر ہیں۔ رنگ و نسل و زبان کا فرق باہمی تعارف کے لئے ہے۔ عزت و شرف اور فضیلت کا معیار تقویٰ ہے۔ [۴۲]

☆ مسلمانوں اور اہل کتاب کو قریب لانے کو کہا گیا ہے کہ تمام انبیاء ایک ہی دین کی دعوت لے کر آئے تھے۔ تمام انبیاء پر ایمان لانا لازمی ہے۔ ان کے درمیان تفریق کرنا کسی بھی طرح روا نہیں ہے بلکہ کسی مسلمان کا اس وقت تک ایمان مکمل نہیں ہوسکتا جب تک وہ تمام انبیاء پر ایمان نہ لائے۔ اس کے علاوہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ تمام آسمانی کتابیں برحق ہیں اور ان سب پر ایمان لانا بھی تکمیل ایمان کے لئے ضروری ہے۔ [۴۳]

☆ دشمنوں کے مقابلے میں بھی عدل و انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے۔ [۴۴]

☆ اگر وہ (دشمن) فساد سے باز آ جائیں تو ان پر کسی طرح کی زیادتی نہیں کرنی چاہئے۔ [۴۵]

☆ اگر کفار صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی ان کی طرف جھکو اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔ [۴۶]

☆ ناحق ایک انسان کا قتل پوری انسانیت کے قتل کے برابر ہے اور ایک انسان کی جان پوری انسانیت کی جان بچانے کے

مترادف ہے۔[۷۷]

☆ اگر اللہ ان میں سے بعض کو بعض کے ذریعے سے باز نہ رکھتا تو گرجے، یہودیوں کی عبادت گاہیں اور مسجدیں جہاں اللہ کا کثرت سے نام لیا جاتا ہے برباد کر دیئے جاتے۔[۷۸]

☆ اور اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہو گا جو اللہ کی مسجدوں میں اس کا نام لینے سے روکے اور ان کی ویرانی کی کوشش کرے۔[۷۹]

یہ تھیں وہ الٰہی تعلیمات جس کو بنیاد بنا کر رسول ﷺ نے انسانیت کے مختلف طبقوں کے درمیان مذہبی رواداری اور محبت و آشتی کی فضا قائم کی۔

''بات تو سچ ہے مگر بات ہے رسوائی کی'' کہ ہم نے اپنے پُر امن دین کی پُر امن تعلیمات کا خود جنازہ نکالا ہے۔ کبھی جہاد کرنے کے لئے دوسرے ہمسایہ ممالک کا رخ کرتے ہیں اور کبھی اپنے ہی ملک کی مسجدوں اور امام بارگاہوں میں شیعہ سنی دشمنی میں خون کے دریا بہا دیتے ہیں۔

کیا اپنے ملک میں برائیوں کے خلاف جہاد کی ضرورت نہیں؟

جہاد اللہ کی رضا کے لئے برائی کو مٹانے اور نیکی و عدل کے قیام کا نام ہے اور اس کے لئے ترتیب وہی ہے جس کا ہم گذشتہ صفحات میں تذکرہ کر چکے ہیں کہ پہلے جہاد بالقرآن، جہاد بالسنت، جہاد باللسان، جہاد بالقلم، جہاد بالمال وغیرہ اور آخر پر جہاد بالسیف۔ غیر ملک میں جہاد کے لئے جانے سے پہلے سوچنے کی بات ہے کہ کیا ہم نے اپنے ملک میں دور صحابہ کا تقویٰ اور عدل قائم کر دیا ہے؟ کیا اپنے ملک میں غربت، ناخواندگی، بیروزگاری، مہنگائی، بیرونی قرضوں کا بوجھ، معاشی عدم استحکام، طبقاتی کشمکش، عائلی نظام میں شکست و ریخ، منشیات کا استعمال، روحانیت سے دوری، لاقانونیت، دہشت گردی، کرپشن، مذہب سے بے زاری، بے چینی و بے سکونی جیسی بیماریاں اور برائیاں ختم ہو گئی ہیں؟ کیا ہمارے دین اسلام میں اپنے ملک کے ان اندرونی مسائل کے تدارک کے لئے فلسفہ جہاد میں کوئی حل نہیں ہے؟ غیر ملک میں جا کر تو ہم تب جہاد کریں جب ہمارے اپنے ملک میں اس طرح کی کوئی بھی برائی باقی نہ رہی ہو۔ باقی رہا اندرونی طور پر مذہبی اختلافات کا مسئلہ تو کیا ان اختلافات کے حل کے لئے قرآن وسنت ہمیں کوئی پر امن حل پیش نہیں کرتے؟ اگر ہمارے مذہبی طبقے (جن کا خدا ایک، رسول ایک، کعبہ ایک، کتاب ایک ہے) یہ اقرار کرتے ہیں کہ ہمارے دین کی تعلیمات یقیناً پر امن ہیں تو پھر یہ خون ریزی کا جواز کیا ہے؟ ہمارے نبی ﷺ کے اسوہ حسنہ سے کوئی ایک بھی مثال ایسی ہے؟ جس میں فروعی اختلافات کی بنیاد پر ایک دوسرے کو قتل کیا گیا ہو؟

اگر ہم نے شیعہ سنی اختلافات کی نفی ہی کرنی ہے تو خون ریزی کی بجائے حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ بن خطاب، حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علی بن ابی طالبؓ کے درمیان محبت کو ثابت کیا جائے۔ کیا اس سے شیعہ سنی اختلافات کی نفی نہیں ہو گی؟

آخری بات:

ہمارا مذہب اور ہم انتہا پسند نہیں ہیں لیکن پھر بھی افسوس کا مقام ہے کہ تقریباً دو صدیوں سے امت مسلمہ قسمت کے

ایسے پھیر میں آئی ہوئی ہے کہ ہر صبح اس کے لئے ایک نیا فتنہ نمودار ہوتا ہے اور ہر شام غم والم کی ایک نئی تاریکی جنم لیتی ہے۔ سیاسی طور پر کفر کی تمام طاقتیں اسے ہمیشہ کے لئے اپنا غلام بنا لینے کی فکر میں ہیں۔ معاشی طور پر یہ امت دنیا کے بہترین قدرتی وسائل سے مالا مال ہونے کے باوجود غیروں کی دست نگر بنی ہوئی ہے۔ اخلاقی طور پر اس نے وہ تمام اعلیٰ اوصاف گم کر دیئے ہیں جنہوں نے کبھی اس کو اقوام عالم کی امامت عطا کی تھی۔ مذہبی طور پر اس کے دشمنوں کی طرف سے دہشت گردی کے تابڑ توڑ حملے ہو رہے ہیں، اور ذہنی طور پر یہ خود ان حملوں سے سہم کر فکر ونظر کے دوسرے راستے تلاش کرنے کی فکر میں ہے۔ جس طرف بھی دیکھیں فتنوں کی ایک بارش ہے جو اس پر برس رہی ہے۔

حیرت ہے کہ دشمنوں نے چاروں طرف سے ہمیں گھیرا ہوا ہے۔ اس کے باوجود ہم باہمی خانہ جنگیوں میں مصروف ہیں۔ اپنی ساری توانائیاں اصل دشمن کا مقابلہ کرنے کی بجائے فروعی مسائل پر خون ریزیاں کرنے پر صرف کر رہے ہیں۔

اتفاق واتحاد کا مطلب ہمارے ایک محدود مگر نام نہاد مذہبی طبقے نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ہر شخص اپنے مسلک پر رہے مگر اسے بیان نہ کرے۔ لہٰذا جب کوئی شخص کہیں پر اپنی رائے بیان کرتا ہے تو دوسرا اسے اتحاد امت پر ضرب سمجھتا ہے۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ جہاں تک فروعات میں اختلاف رائے کا تعلق ہے ان کا ختم ہونا ناممکن ہے اور فروعات میں اختلافات ہونا کوئی بری چیز بھی نہیں ہے۔ صحابہ کی مقدس جماعت میں بھی یہ اختلافات رہے ہیں۔ یہ اختلافات امت کی فکری بیداری کی علامت ہیں۔ انہی اختلافات کو امت کے لئے ''رحمت'' قرار دیا گیا تھا مگر آج یہ ''زحمت'' بنے ہوئے ہیں اور انہی کی وجہ سے دین کے اصل مقاصد بری طرح سے متاثر ومجروح ہو رہے ہیں۔

ہماری طرف سے چند تجاویز:

لہٰذا ہماری تجاویز یہ ہیں کہ:

☆ ہر فرقہ اپنے حلقوں میں اپنے مسلک کو ضرور واضح کرے لیکن اس وضاحت میں دوسرے پر طعن تشنیع اور کافر کافر کی رٹ نہ لگائے کیونکہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتا ہے ہمارے پاس اختیار نہیں ہے کہ ہم اسے کافر قرار دیں۔

☆ ان اختلافات کو عوامی جلسوں اور اخبارات ورسائل کا موضوع نہ بنایا جائے۔

☆ ملک میں رائج اسلامیات کے نصاب میں میٹرک کی سطح سے لے کر ڈگری لیول تک مذہب کے اصل معنی ومفہوم، اس کے مقاصد اور مذہب کے تصور رواداری، اور تحمل و برداشت، نیز جہاد کے اصل مفہوم اور اس کے درجہ وار مراحل پر تفصیلی موضوعات شامل کئے جائیں (جہاد کو شجر ممنوعہ سمجھ کر نصاب سے خارج نہ کیا جائے بلکہ اس کی اصل روح کو نصاب میں شامل کیا جائے)۔

☆ ماڈرن ازم کی آڑ میں نوجوان نسل کے ذہنوں میں مذہب سے دوری نہ پیدا کی جائے بلکہ تمام دنیاوی چیلنجوں کا مذہب کی روشنی میں حل تعلیمی نصاب کی زینت بنایا جائے۔

☆ اپنے مذہب کی حقانیت اور اس کی اصل روح کو اجاگر کرنے میں کسی ہچکچاہٹ یا مرعوبیت کو محسوس نہ کیا جائے بلکہ پورے جاہ وجلال اور رعب کے ساتھ اپنے مذہب کی سچائی کو اجاگر کیا جائے۔

☆ اپنے مذہب کی اصل روح اور اس کے تصورات الفت ومحبت اور تحمل ورواداری پر مشتمل معقول اوقات میں ریڈیو، ٹی وی پر پروگرام نشر کئے جائیں۔

☆ ٹیلی ویژن پر ہر روز عشق ومحبت اور ''دوسری شادی'' کے افسانوں کی بجائے ڈراموں میں ایسے موضوعات پر ڈرامے اور کھیل ترتیب دیئے جائیں جن میں مذہبی انتہا پسندی کی نفی ہوتی ہو اور آپس میں معاشرتی و معاشی محبت و ہمدردی کی فضا پیدا ہو۔

☆ دیار غیر میں جہاد بالسیف کرنے والوں پر مکمل پابندی لگائی جائے اور ان کی اندرونی سرگرمیوں پر کڑی نظر رکھی جائے۔

☆ وزارت مذہبی امور کی جانب سے ''مذہب کا اصل تصور'' اور ''خلفائے راشدین کی آپس میں محبت و الفت'' کے موضوع پر صوبائی اور قومی کانفرنسز منعقد کروائی جائیں۔

☆ ریڈیو، ٹی وی پر جہاد کی اقسام اور مراحل پر مذاکرات نشر اور ٹیلی کاسٹ کئے جائیں۔

☆ وزارت مذہبی امور کی جانب سے نوجوان نسل میں مذہب کے اصل تصور کا شعور بیدار کرنے کے لئے اس موضوع پر انعامی مقابلے کروائے جائیں۔

حوالہ جات

۱۔ انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا ج ۱۹ ایڈیشن ۱۴ طبع ۱۹۲۹ ص: ۱۰۳

۲۔ قادری سید حسین ڈاکٹر امام غزالی کا فلسفہ مذہب واخلاق ص: ۱۸۱

۳۔ God or man, London 1934

۴۔ مفردات بذیل دین و شریعت

۵۔ آل عمران: ۱۹

۶۔ التوبہ: ۳۳

۷۔ النصر: ۲

۸۔ الروم: ۳۰

۹۔ المائدہ: ۳

۱۰۔ الفقہ الاکبر مع شرح ملا علی قاری ص: ۹۰

۱۱۔ الجرجانی الشریف علامہ کتاب التعریفات ص: ۷۳

۱۲۔ الجوہری: الصحاح لسان العرب تاج العروس بذیل ''مادہ شریعت''

۱۳۔ ایضاً

۱۴۔ایضاً

۱۵۔الجرجانی الشریف علامہ کتاب التعریفات ص:۱۳۲

۱۶۔احمد نگری عبد النبی دستور العلماء جلد ۲ ص:۳۰۹

۱۷۔کشاف: اصطلاحات الفنون ص:۷۶۱ امام راغب مفردات القرآن بذیل مادہ ابن الاثیر النہایہ بذیل مادہ

۱۸۔الشوریٰ:۱۳

۱۹۔الشوریٰ:۲۱

۲۰۔الجاثیہ:۱۸

۲۱۔المائدہ:۴۸

۲۲۔مفردات القرآن بذیل مادہ فی التشریح الاسلام ص:۱۱۳ القرطبی: الجامع الاحکام القرآن ج ۴:۲۸۸ فی ظلال القرآن ۶:۸۸ بحوالہ دائرۃ المعارف اسلامیہ ج ۱۱ ص: ۷۰۴ بذیل شریعت

۲۳۔آل عمران:۹۵

۲۴۔النحل:۱۲۵

۲۵۔نعیم صدیقی: محسن انسانیت اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور ۱۹۷۶ ص:۴۵

۲۶۔النساء:۱

۲۷۔الحجرات:۱۳

۲۸۔الطبری ج ۱ ص:۲۶۰۸: البلاذری ص:۱۲۵

۲۹۔البقرہ:۲۱۳، آل عمران:۱۹، ۱۰۳، الانعام:۱۵۳، ۱۵۹، التوبہ:۱۰۷، یونس:۱۹، الشوریٰ:۱۳، الحجرات:۹، ۱۰

۳۰۔النساء ۸۶۔۱۱۴، ۱۴۸، ۱۴۹، اعراف: ۵۶، الحجر ۸۸، النحل: ۱۲۵، ۱۲۶، بنی اسرائیل: ۲۶ تا ۲۹، ۳۵ تا ۳۸، ۵۳ الحج: ۳۰، المومنون: ۹۶، النور: ۲۲، ۵۸، الفرقان: ۶۳، القصص: ۵۵، العنکبوت: ۴۶، لقمان: ۱۸۔۱۹، حم سجدہ: ۳۳، ۳۶، الشوریٰ: ۳۷ تا ۴۳، الزخرف: ۸۹، الحجرات: ۱۱، ۱۲، النجم: ۳۲، المجادلہ: ۱۱، التغابن: ۱۴۔

۳۱۔البقرہ:۸۳، آل عمران:۱۷۲، الاعراف:۵۶، التوبہ:۱۰۰، ۱۰۲، یونس:۲۶، النحل:۹۰، بنی اسرائیل:۷، النجم:۳۱

۳۲۔البقرہ:۲۲۰، آل عمران:۱۰۳، التوبہ:۱۱، الاحزاب:۵، الحجرات:۱۰

۳۳۔البقرہ:۲۵۶، یونس:۹۹۔۱۰۰

۳۴۔البقرہ:۱۹۰

۳۵۔آل عمران ۳۲

۳۶۔آل عمران ۵۷

۳۷۔المائدہ ۶۴

۳۸۔الانعام ۱۴۱

۳۹۔الانفال ۵۸

۴۰۔النحل ۲۳

۴۱۔القصص ۷۶

۴۲۔البقرہ ۱۹۵

۴۳۔البقرہ ۲۲۲

۴۴۔آل عمران ۳۶

۴۵۔آل عمران ۱۵۹

۴۶۔المائدہ ۴۲

۴۷۔التوبہ ۷

۴۸۔التوبہ ۱۰۸

۴۹۔آل عمران ۱۱۷۔۱۸۲، النساء ۴۰، الانعام ۱۳۱، یونس ۴۴، مومنون ۶۲، الجاثیہ ۲۲، الاحقاف ۱۹،

۵۰۔النساء ۸۳، المائدہ ۱۵، ۱۶، الانعام ۸۱، ۸۲، ۱۲۷، الانفال ۶۱، النور ۵۵، الفرقان ۶۳

۵۱۔آل عمران ۱۱۴، ۱۱۰، الاعراف ۱۹۹، التوبہ ۶۷، الحج ۴۱، لقمان ۱۷

۵۲۔البقرہ ۳۰، الانعام ۱۶۵، النور ۵۵، النمل ۶۲، فاطر ۳۹

۵۳۔البقرہ ۸۳، لقمان ۱۹، المجادلہ ۹

۵۴۔الانعام ۱۱۶، ۱۴۸، یونس ۳۶، الحجرات ۱۲

۵۵۔البقرہ ۸۱، النساء ۳۱، الانعام ۱۶۰، یونس ۲۷، ہود ۱۱۴، المومنون ۹۶، القصص ۴۸، حم سجدہ ۳۴، الجاثیہ ۲۱

۵۶۔النساء ۱۱۱، النور ۶، ۴، ۱۱، ۱۲، ۲۳، الاحزاب ۵۸، الممتحنہ ۱۲

۵۷۔الاعراف ۲۷، ۲۸، النحل ۹۰، النور ۱۹، الطلاق ۱

۵۸۔المومنون ۵، ۶، النور ۳۰، ۳۱، ۳۳

۵۹۔البقرہ ۲۲۲، المائدہ ۶، الذاریات ۱ تا ۵

۶۰۔البقرہ ۱۱۷، ۱۸۹، ۱۹۷، المائدہ ۸۸، الاعراف ۲۶، التوبہ ۱۸، ۱۰۸، ۱۰۹، طہ ۱۳۲، الحج ۳۲، القصص ۸۳، الروم ۳۱، الزمر ۳۳،

۶۱۔النساء ۴۹، فاطر ۱۸، الجمعہ ۲، الشمس ۷ تا ۱۰

۶۲۔البقرہ ۴۴، ۱۴۸، ۱۷۷، ۱۸۹ آل عمران ۹۲، ۲۳۴، النساء ۳۵، المائدہ ۲، النحل ۳۰، ۹۰، حم سجدہ ۳۴، ۳۵، ۴۶

۶۳۔آل عمران ۲۰۰، ہود ۱۱۲، الطور ۴۸، ۴۹

۶۴۔البقرہ ۸۳، ۱۷۸، النساء ۸۶، بنی اسرائیل ۵۳، النور [illegible] تا ۳۱، ۵۸ تا ۶۲ لقمان ۱۷ تا ۱۹

۶۵۔البقرہ ۴۷، المائدہ ۹۴، الاعراف ۳۵، الانبیاء ۴۸، ۴۹، السجدہ ۱۵، ۱۶، فاطر ۲۸، یٰسین ۱۱، الاحکاف ۱۳، ۱۴، الرحمٰن ۴۶، ۴۷، الحشر ۲۱، الملک ۱۲،
النزعت ۴۰، ۴۱

۶۶۔المائدہ ۱۹۹، التوبہ ۷۲، ۱۰۰، البینہ ۷، ۸

۶۷۔المائدہ ۱۱۹، الاحزاب ۲۳، ۲۴، الزمر ۳۳ تا ۳۵

۶۸۔ المائدہ ۱۰۰، الانعام ۵۰، الرعد ۱۹، السجدہ ۱۸، فاطر ۱۹ تا ۲۲، الزمر ۹، المومن ۵۸، حم سجدہ ۳۴، الجاثیہ ۲۱، الحشر ۲۰

۶۹۔ آل عمران ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۵۹، النساء ۱۴۹، الاعراف ۱۱۹، النحل ۱۲۶

۷۰۔ آل عمران ۱۸۸، النساء ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۷۳، النحل ۹۷، الکھف ۳۰، ۱۰۳، ۱۰۵، القصص ۸۴، العنکبوت ۷

۷۱۔ البقرہ ۸۷، ۸۸، ۱۰۵، ۱۰۹، ۱۱۱، ۱۱۳، ۲۱۷ آل عمران ۷۲ تا ۷۴ النساء ۵۱

۷۲۔ خلاصہ آیات سورۃ النساء ۱، الحجرات ۱۳، وخطبہ حجۃ الوداع۔

۷۳۔ خلاصہ آیات قرآن البقرہ ۴، النحل ۳۶، الشوریٰ ۱۳

۷۴۔ المائدہ ۸

۷۵۔ البقرہ ۱۹۶

۷۶۔ الانفال ۶۱

۷۷۔ المائدہ ۳۲

۷۸۔ الحج ۴۰

۷۹۔ البقرہ ۱۱۴

''دورِ حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اُس کا خاتمہ تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں''

ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی، لاہور

الحمد اللّٰہ والصلاۃ والسلام علیٰ رسول اللّٰہ وعلیٰ آلہ و اصحابہ ومن ولاہ. اما بعد

ہادی دین مبین، سرور کونین، رحمتہ للعالمین، سید الاولین والآخرین، ہمارے آقا اور پیشوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، رسول اعظمؐ، مبلغ اعظم، خلق عظیم، رہبر تقویٰ و رہنمائے کاروان انسانیت کی سیرت طیبہ، مکارم اخلاق، انداز اطاعت، عبادت، حالات جلوت وخلوت، تمام اعمال واقوال اور تعلقات ومعاملات زندگی، ہر قوم، ہر طبقہ، ہر جماعت اور ہر فرد کے لئے۔ ہر زمانہ اور ہر وقت میں بہترین نمونہ ومثال ہے۔ سرور کائنات نبی الرحمتہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاکیزہ خصائل وشمائل، عادات وعبادات کا پورا ذخیرہ انسانیت کی فلاح وسعادت کا نصاب کامل اور مکمل ضابطہ حیات ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شاہراہ سنت ہر خطرے سے مامون اور قابل تقلید ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام آداب وخصائل اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شاہراہ سنت طیبہ تا قیامت باقی رہنے والا توشہ ہے۔ سنت نبویہ مطہرہ میں قائدین ومتبعین، حکام ومحکومین، رہبران و مرشدین اور مجاہدین کے لئے رشد وہدایت ہے۔ تعلیمات نبویہ میں سیاست وحکومت، معاشرتی معاملات، انسانی تعلقات، اخلاق فاضلہ اور بین الاقوامی روابط کے جملہ میدانوں کے لئے اُسوہ ونمونہ ہے۔ سیرت طیبہ دراصل اس پیغام ربانی کے عملی پرتو سے عبارت ہے جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانیت کے سامنے پیش کیا تھا۔ اسی سیرت طیبہ کے بارے میں قرآن حکیم نے اعلان فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

''یقیناً تمہارے لئے رسولؐ اللہ میں عمدہ نمونہ موجود ہے۔'' (سورۃ احزاب:۲۱)

اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق کیسے تھے؟ تو آپؓ نے فرمایا:

کان خلقه القرآن

''پس قرآن ہی آپ کا اخلاق تھا۔''

قرآن حکیم، کتب حدیث، کتب تاریخ، کتب تفاسیر، کتب مغازی وسیر، کتب اسماء الرجال، کتب شمائل، کتب دلائل، کتب آثار واخبار میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مذہبی عدم انتہا پسندی کے بارے میں ارشادات عالیہ اور اسوہ حسنہ کی مکمل تفصیل ملتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مذہبی عدم انتہا پسندی، رواداری اور لطف وکرم کی تعلیمات واسوہ حسنہ کو احمد بن حجر العسقلانی نے بلوغ المرام من ادلۃ الاحکام، ابوالفرج عبدالرحمٰن بن الجوزی نے تلقیح فہوم اہل الاثر، ابوعیسیٰ الترمذی نے

جامع سرمذی، محب الدین ابو جعفر احمد بن عبداللہ الطبری نے خلاصۃ السیر، محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ نے رحمۃ للعالمینؐ اور ابو القاسم السہیلی نے الروض الانف میں اجاگر فرمایا۔ علاوہ ازیں حافظ ابن قیمؒ، سید ابو الاعلیٰ مودودی، محمد احمد باشمیل، مولانا صفی الرحمن مبارکپوریؒ مصطفیٰ سباعی اور سر تھامس آرنلڈ وغیرہ نے اپنی کتب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ حسنہ کو اجاگر کیا ہے جو عفو و درگزر اور رفق و محبت کی بے پایاں مثال ہے۔

دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان عروج پر ہے۔ فرقہ بندی کے بھیانک نتائج ہمارے سامنے ہیں۔ عناد، حسد، بغض، محتاجی، محکومی، خوف و حزن، عزت نفس کی تباہی، پریشان حالی، پریشان خیالی، یاس و ناامیدی، جنگ و جدل، علماء کی تکفیر، علماء کا قتل اور وحدت و اتفاق کے فقدان نے امت مسلمہ کو مضمحل کر دیا ہے۔ امت مسلمہ قرآن کے اس درس اور تعلیمات نبویہ کو بھول گئی:

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ لا وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ط كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ج فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۔ (سورۃ بقرہ: آیت نمبر ۱۱۳)

''یہود کہتے ہیں کہ نصرانی حق پر نہیں اور نصرانی کہتے ہیں کہ یہودی حق پر نہیں، حالانکہ یہ سب لوگ تورات پڑھتے ہیں۔ اسی طرح ان ہی جیسی بات بے علم بھی کہتے ہیں۔ قیامت کے دن اللہ ان کے اس اختلاف کا فیصلہ ان کے درمیان کر دے گا۔''

مذہبی انتہا پسندی اور تشدد کی کئی مثالیں ہمیں ماضی میں بھی ملتی ہیں۔ تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ انسانی خون کتنا ارزاں رہا ہے:

۱۔	۱۰۷۰ قبل از مسیح (یروشلم)	۴۰ ہزار اشخاص ذبح کر دیئے گئے
۲۔	۱۱۰۷ قبل از مسیح (یروشلم)	ایک لاکھ ۲۰ ہزار اشخاص مارے گئے
۳۔	۹۵۷ ق۔م (یروشلم)	۵ لاکھ یہودی مارے گئے
۴۔	۷۰ ق۔م (یروشلم)	۱۱ لاکھ یہودی ذبح کئے گئے
۵۔	۶۔۱۳۵ ق۔م (یروشلم)	۵ لاکھ ۸۰ ہزار یہودی ذبح کئے گئے

مذہبی انتہا پسندی کے علاوہ بھی انسانی خون کے ارزاں ہونے کی کئی مثالیں دی جا سکتی ہیں مثلاً:

۱۔	جنگ عظیم اول	۷۳ لاکھ ۳۸ ہزار اشخاص مارے گئے
۲۔	جنگ عظیم دوم	۴ کروڑ اشخاص مارے گئے

(بحوالہ: نقوش، رسولؐ نمبر، جلد نمبر ۴، صفحہ ۳۱۳)

اس کے برعکس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مذہبی انتہا پسندی اور تشدد سے ہرگز کام نہیں لیا، اب نبی اکرمؐ کے

غزوات اور سرایا کی تفصیل ملاحظہ ہو۔ (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کس طرح ابر رحمت بن کر انقلاب سے انسانی تاریخ کا دھارا موڑ دیا)۔

۱۔	قریباً ۹ سال کے عرصہ میں کل غزوات وسرایا:	۸۱
۲۔	حضورؐ کی غزوات میں شرکت	۲۷
۳۔	عہد نبویؐ میں مجموعی مسلمان شہداء کی تعداد	۲۵۹
۴۔	کفار مقتولین کی تعداد	۷۵۹

(ملاحظہ ہو قاضی سلیمان منصور پوری کی تحقیق در مقالہ نبیؐ بحیثیت ایک مدبر اور ماہر سیاست از مولانا امین احسن اصلاحی، نقوش، رسول نمبر، جلد سوم، صفحہ ۶۲۶)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالٰی نے ہر معاملہ میں آسانی کی ہدایت کی ہے۔'' حضورؐ نے غیر ضروری ظالمانہ اور تکلیف دہ قتل سے منع فرمایا۔

جنگ کے باوجود صلح وآشتی کی اہمیت، جنگ میں بھی عدوان اور زیادتی سے بچنے کی تلقین، معاہدات کی سختی سے پابندی، عورتوں، بچوں بوڑھوں سے نیک سلوک، عبادت گاہوں کا احترام، درختوں، فصلوں اور پانی کے چشموں کی حفاظت، گرے ہوئے دشمنوں سے نرمی، قیدیوں سے حسن سلوک اور دیگر امور، سب اس امر کی توثیق کرتے ہیں کہ وہ قتال جو جہاد کی ایک صورت ہے ایک تعمیری اور حد درجہ اصولی قسم کی جنگ ہے۔ اس کی اخلاقی حدود متعین ہیں۔

(تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: ابن ہشام، سیرت النبویہؐ)

دور جدید میں مذہبی تشدد پسندی ان صورتوں میں ظاہر ہوتی ہے:

(i)	Arson (نذر آتش کرنا)	(ii)	خونی جھڑپیں Blood Feuds
(iii)	آزادی کیلئے جنگ لڑنا Freedom Fighting	(iv)	Genocide (نسل کشی)
(v)	گوریلہ جھڑپیں Guerrilla Warfare	(vi)	طیاروں کا اغواء Hijacking
(vii)	To Keep as Hostage (یرغمال بنانا)	(viii)	بھوک ہڑتال
(ix)	جہاد Jihad	(x)	Martyrdom (شہادت)
(xi)	مارکسیت Marxism	(xii)	نازی ازم Nazism
(xiii)	(فاشزم) Neo-fascism or Neo-nazims	(xiv)	ہر اخلاقی و مذہبی اصولوں کو مسترد کر دینے کا عمل Nihilism
(xv)	تخریب کاری Sabotage	(xvi)	سوشلزم Socialism

(xvii)	ریاستی دہشت گردی State Terrorism	(xviii)	خودکش حملے Suicide Attack
(xix)	Totalirianism		

1.(Philip Steele, The Tactics Terror, P.10.)

2. Vernon Bogdanor, The Blackwell Encyclopaedia of Political Science, pp. 254-255)

مذہبی انتہا پسندی سے کیا مراد ہے؟

مذہبی انتہا پسندی میں فرقہ واریت، خودکش حملے، مذہبی دہشت گردی، قتل اور بے شمار اقسام کے وہ افعال جن کی تعلیم نہ دی گئی اور نہ ہی رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی۔

انتہا کے معنی ہیں: ''اخیر، انجام، خاتمہ، حد، نہایت'' (فیروز اللغات اردو، حصہ اول، صفحہ نمبر ۱۲۲)

پسند کے معنی ہیں: ''مقبول، حسب خواہش، خاطر خواہ'' (فیروز اللغات اردو، حصہ اول، صفحہ ۲۹۴)

پسند سے مراد ہے: ''جس کی طرف رغبت ہو، مرغوب، خواہش کے مطابق، جو دل یا نگاہ کو اچھا یا بھلا لگے، من بھاتا، منظور نظر''۔

کیا پسند آئی اپنی جور کشی
چرخ کے انتخاب نے مارا (مومن)

(اردولغت (تاریخی اصول پر، جلد چہارم، تاصفحہ ۵۲) ترقی اردو بورڈ، کراچی ۱۹۸۲)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مذہبی رواداری کی تعلیم دی اور مذہبی انتہا پسندی سے منع فرمایا:

سباب المسلم فسوق، وقتاله كفر (دواء الشيخان عن ابن مسعود)

(السید احمد الہاشمی، مختار الاحادیث النبویہ والحکم المحمدیہ، حدیث نمبر: ۶۹۱)

مذہبی انتہا پسندی میں انسانی قتل ایک بھیانک گناہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

كل ذنب عسى الله ان يغفره الا من مات مشركا. وقتل مؤمنا متعمدآ.

(رواه الحاكم عن معاوية)

''ہر گناہ میں یہ امید ہے کہ اللہ اسے معاف کر دیں ماسوائے اس شخص کے گناہ کے جو مشرک ہونے کی حالت میں مرا اور (اس کا گناہ) جس شخص نے کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کیا۔''

(۲) مذہبی انتہا پسندی کی ممانعت قرآن کی روشنی میں:

قرآن حکیم میں مذہبی انتہا پسندی کی سخت ممانعت ہے۔ مذہبی انتہا پسندی کی ایک صورت دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کو زبردستی مسلمان بنانے کی ہے۔ سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۲۵۶ میں ایسے عمل سے منع فرمایا گیا:

لَآ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ ج فَمَنْ یَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ یُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰی لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ۔(سورۃ بقرہ، آیت:۲۵۶)

''دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں، ہدایت ضلالت سے روشن ہو چکی ہے، اس لئے جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے معبودوں کا انکار کر کے اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا، جو کبھی نہ ٹوٹے گا اور اللہ تعالیٰ سننے والا، جاننے والا ہے''

مذہبی انتہا پسندی کی ایک صورت فرقہ واریت ہے اور آپس میں اختلاف کا عنصر ہے جس سے فسادات پیدا ہوتے ہیں۔ سورۃ الانفال کی آیت نمبر ۴۶ میں ارشاد ہے:

وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِیْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ط اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ۔

''اور اللہ کی اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرتے رہو، آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر و سہار رکھو، یقیناً اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''(سورۃ انفال، آیت:۴۶)

فرقہ واریت مذہبی انتہا پسندی کی ایک شکل ہے اس سے دین ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے اور مسلمان مختلف گروہوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ سورت الروم کی آیت نمبر ۳۲ میں ارشاد ہے:

مِنَ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِیَعًا كُلُّ حِزْبٍ م بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ

''ان لوگوں میں سے جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور خود بھی گروہ گروہ ہو گئے۔ ہر گروہ اس چیز پر جو اس کے پاس ہے مگن ہے۔''

سورت الانعام کی آیت نمبر ۱۵۹ میں ارشاد ربانی ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَی اللّٰهِ ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ۔(سورۃ انعام، آیت ۱۵۹)

''بے شک جن لوگوں نے اپنے دین کو جدا جدا کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے، آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ بس ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے ہے پھر ان کو ان کا کیا ہوا جتلا دیں گے۔''(سورۃ انعام، آیت:۱۵۹)

(۳) مذہبی انتہا پسندی کی ممانعت احادیث کی روشنی میں:

حدیث میں مذہبی انتہا پسندی کی ممانعت فرمائی گئی۔ حدیث میں فرقہ واریت اور باہمی نفرتوں سے منع فرمایا گیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

المومن اخو المومن لا یدع نصیحته علی کل حال (رواہ ابن النجار)

"مسلمان مسلمان کا بھائی ہے جو کسی حالت میں اپنی نصیحت نہیں چھوڑتا۔"

کسی مسلمان سے تین دن سے زیادہ ناراضگی بھی جائز نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا تباغضوا، ولا تحاسدوا، ولا تدابروا، وکونوا عباد اللہ اخوانا، ولا یحل لمسلم ان یھجر اخاہ فوق ثلاثہ ایام. (رواہ انس)

"نہ ایک دوسرے کے ساتھ بغض رکھو اور نہ ہی ایک دوسرے سے حسد کرو اور نہ ہی کسی کی پیٹھ پیچھے غیبت کرو، اللہ کے بندو بھائی بھائی بن جاؤ۔ کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے کہ تین دن سے زیادہ اپنے بھائی کو چھوڑے۔"

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باہمی اختلاف اور فرقہ واریت سے منع فرمایا۔ اس سے اقوام ہلاک ہو جاتی ہیں:

لا تختلفوا. فان من قبلکم اختلفوا فھلکوا. (رواہ ابن مسعود)

"آپس میں مت اختلاف رکھو۔ بیشک تم سے پہلے جن لوگوں نے اختلاف کیا وہ ہلاک ہو گئے۔" نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اتحاد کا درس دیا:

ان اللہ تعالیٰ یرضی لکم ثلاثا، ویکرہ لکم ثلاثا: فیرضی لکم ان تعبدوہ ولا تشرکوا بہ شیئا، وان تعصبموا بحبل اللہ جمعا ولا تفرقوا، ویکرہ لکم: قیل وقال، وکثرۃ السوال، واضاعۃ المال. (رواہ مسلم)

"اللہ تعالیٰ تمہارے لئے تین چیزوں کو پسند فرماتے ہیں اور تین چیزوں کو ناپسند (فرماتے ہیں) اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اس بات پر راضی ہیں کہ تم اس کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور تمام اللہ کی رسی کو پکڑ لو اور آپس میں تفرقہ بازی نہ کرو اور اللہ تعالیٰ تمہاری فضول گفتگو، کثرت سوال اور مال کے ضائع کرنے کو ناپسند کرتا ہے۔"

(۴) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور مبارک میں مذہبی رواداری:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور مبارکہ میں مذہبی رواداری کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔ رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مذہبی انتہا پسندی سے ہمیشہ اجتناب فرمایا۔

اسلام میں مذہبی رواداری کے بارے میں یہ وہ اسلامی بنیادیں ہیں جن پر ہماری تہذیب کی عمارت اٹھی ہے۔ یہ اصول ہر مسلمان کے لئے ضروری قرار دیتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء و رسل پر ایمان لائے اور ان تمام کا تذکرہ عظمت و احترام سے کرے۔ ان میں سے کسی نبی کے پیروکاروں پر کوئی زیادتی نہ کرے۔ ان کے ساتھ معاملات اور تعلقات اچھے رکھے، ان کے ساتھ نرمی سے پیش آئے، نرمی سے بات کرے، ان کا ایک اچھا پڑوسی ثابت ہو اور ان کی ضیافت قبول کرے، اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح بھی کر سکتا ہے تا کہ خاندانوں کے درمیان تعلقات پیدا ہوں اور خونی رشتے قائم ہوں پھر اسلام نے اسلامی حکومت پر یہ بھی فرض کیا ہے کہ وہ ان کی عبادت گاہوں کی حفاظت کرے، ان کے عقائد میں مداخلت نہ کرے، کسی مقدمہ کے فیصلے میں ان پر زیادتی نہ کرے اور عام حقوق اور فرائض کے باب میں ان کو مسلمانوں کے مساوی درجہ دے، ان کی

زندگی، ان کی آبرو اور ان کے مستقبل کی حفاظت کی اس طرح ضمانت دے جس طرح وہ ایک مسلمان کی زندگی، اس کی آبرو اور اس کے مستقبل کی حفاظت کی ضمانت دیتی ہے۔

بعض اہل کتاب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پڑوسی بھی تھے۔ آپ ہمیشہ ان کے ساتھ حسن سلوک فرماتے تھے۔ ان کو ہدیے بھیجتے۔ ان کے ہدیے قبول فرماتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس طرز عمل سے ایک یہودی عورت کی ''یہودیت'' نے اپنی عداوت کو بروئے کار لانا چاہا، چنانچہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک دن بکری کی ایک بھنی ہوئی دستی زہر آلود کر کے بھیجی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے یہاں سے آئے ہوئے ہدیے قبول فرمالیا کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ایک اچھے پڑوسی جیسے تعلقات رکھتے ہیں۔ جب حبشہ کے عیسائی مدینہ طیبہ آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو مسجد نبوی میں ٹھہرایا اور ان کی مہمان نوازی اور خدمت خود اپنے ذمہ لی اور اس دن جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس میں سے یہ فقرہ قابل غور ہے:

''یہ لوگ ہمارے ساتھیوں کے لئے معزز حیثیت رکھتے تھے اس لئے میں نے پسند کیا کہ میں بذات خود ان کی تعظیم و تکریم کروں۔''

ایک دفعہ نجران کے عیسائیوں کا وفد آیا۔ اس کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد نبوی میں ٹھہرایا اور ان کو اجازت دی کہ وہ اپنی نماز اپنے طریقہ پر مسجد نبوی ہی میں ادا کریں چنانچہ وہ لوگ مسجد نبوی کی ایک جانب اپنی نماز پڑھتے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کے ساتھ دوسری جانب نماز پڑھتے۔ جب ان لوگوں نے اپنے دین کے حق میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بحث کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہایت توجہ سے ان کی باتیں سنیں اور بڑی نرمی، احترام اور حسن اخلاق سے بحث کا جواب دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقوقس کا ہدیہ قبول فرمایا اور اس کی بھیجی ہوئی ماریہ قبطیہ کو بھی قبول فرمایا جو ام المومنینؓ بنیں۔ ان کے بطن سے آپ کے صاحبزادے ابراہیم پیدا ہوئے جو چند مہینے زندہ رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصیحتوں میں سے ایک یہ بھی ہے:

''قبطیوں کے خیر خواہ رہو کیونکہ ان میں تمہارے رشتے ہیں۔'' (بحوالہ: مصطفیٰ سباعی، من روائع حضارتنا، صفحات: ۱۱۶۔۱۱۴)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس طرح اپنوں کے لئے پیکر حلم و بردباری تھے، اسی طرح دشمنوں کیلئے سراپا جود و کرم تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیات مبارکہ میں کسی بھی ذاتی دشمن سے انتقام نہیں لیا۔ (الترمذی: شمائل)

فتح مکہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خون کے پیاسے دشمنوں کو معاف کر دیا، اپنے قتل کے لئے آنے والے قاتلوں کو بار بار چھوڑ دینا، ابوسفیان کے گھر کو پناہ گاہ بنا دینا۔ (سیرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صفحہ ۲۵۲)

مدینہ منورہ میں کافی تعداد منافقوں کی بھی تھی جن کے رئیس عبداللہ بن ابی نے نہ صرف ہمیشہ در پردہ دشمنوں کی حمایت کا جرم کیا تھا بلکہ مختلف اوقات میں وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف بغاوت، جھوٹی الزام تراشی، پروپیگنڈہ اور صحابہ کرامؓ کے مابین منافرت پیدا کرنے وغیرہ کے جرائم میں براہ راست ملوث بھی رہا مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ صرف اسے

معاف کیا، بلکہ مرنے کے بعد اسے اپنی قمیص بطور کفن پہنائی اور ستر سے زیادہ مرتبہ استغفار کرنے کا وعدہ فرمایا۔

(البخاری، ۱: ۳۴۳، کتاب الجنائز)

متعدد مرتبہ صحابہ کرامؓ نے اسے قتل کرنے کی اجازت طلب کی مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سختی سے منع فرمایا دیا۔

(الترمذی، تفسیر المنافقون، ۵: ۴۱۵۔ ۴۱۸۔ حدیث ۳۳۱۲ تا ۳۳۱۵)

(۵) بنیاد پرستی کا نظریہ تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں:

دی نیو انسائیکلو پیڈیا بریٹنکانیکا جلد ۷(۱۹۷۹ء ایڈیشن) کے صفحات ۷۷۷ سے ۷۸۰ تک بنیاد پرستی (Fundamentalism) نظریے کی وضاحت کی گئی ہے۔ فاضل مقالہ نگار کے مطابق:

''بنیاد پرستی (Fundamentalism) کا مطلب عیسائیت کے پرانے اعتقادات پر یقین رکھنے کے ہیں۔''

موجودہ عیسائیت چونکہ سائنس سے متاثر ہے لہٰذا اس کے مقابل پرانی تعلیمات اور بائبل کے اصل الفاظ کو ماننا عیسائیت میں بنیاد پرستی سمجھی جاتی ہے۔ عیسائیت میں ایسے طبقے نے ۱۹۲۰ء میں جنم لیا۔ بنیاد پرستوں کا یہ خیال تھا کہ جدید ذہن کا طبقہ (جدت پسند جو بنیاد پرستی کی ضد ہے جسے Modernist کہا جاتا ہے) عیسائیت کی تعلیمات سے باغی ہے۔ ان کے خیال کے مطابق جدت پسند بائبل کی تعلیمات کو فرسودہ گردانتے ہیں اور سائنس کی تعلیمات کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔

ڈاکٹر صفدر محمود اپنے مقالہ (مغربی میڈیا، انسانی حقوق، اسلامی بنیاد پرستی اور ہم) میں فرماتے ہیں:

''مغربی میڈیا نے نہایت ہوشیاری سے بنیاد پرستی کا مطلب جاہل، ترقی دشمن، دہشت گرد، دقیانوسی اور کٹر نظریات کے مفہوم کے طور پر پیش کیا بلکہ اس قدر زور وشور سے اس کا شور مچایا کہ ہر مسلمان ہاتھ باندھ کر کہنے لگا کہ حضور میں بنیاد پرست نہیں ہوں حالانکہ بنیاد پرستی کا مطلب اسلام کے بنیادی عقائد پر عمل کرنا ہے اور اس کا مطلب فقط ہرگز دہشت گردی یا دقیانوسی نہیں۔''

(روزنامہ جنگ، ۲۲ جنوری ۱۹۹۳ء، صفحہ ۱)

چنانچہ مغربی ذرائع ابلاغ نے اسلام کی بنیاد پرستی کے تصور کو جس طرح مسخ کر کے پیش کیا ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔

درحقیقت مغربی ذرائع ابلاغ نے اسلام میں بنیاد پرستی کی اصطلاح ایجاد کر کے مسلمانوں کی تضحیک کی ہے جو بنیادی عقائد پر عمل پیرا ہیں وہ نفرت اور تضحیک کے قابل ہیں۔ نماز پڑھنے والے مسلمان، حج کرنے والے مسلمان، روزہ رکھنے والے مسلمان اور زکوٰۃ دینے والے مسلمان بنیاد پرست ہیں لہٰذا قابل نفرت ہیں حالانکہ وہ تو صحیح مومن ہیں جو اسلام کے بنیادی ارکان پر عمل پیرا ہیں نہ تو وہ دہشت گرد ہیں اور نہ ہی وہ دقیانوسی ہیں۔

مسلمانوں پر دہشت گردی کا الزام بے بنیاد ہے۔ بوسنیا میں مسلمانوں پر مظالم، کشمیر میں مسلمانوں پر بے پایاں مظالم، عراق اور افغانستان میں معصوم شہریوں پر بمباری اور خون کی ہولی...... یہ سب دہشت گردی نہیں تو اور کیا ہے؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر ۱۷ دشمنوں کے سوا جنہوں نے مکہ میں داخلہ کے وقت حضرت

خالدؓ بن ولید کے دستے کے ساتھ جھڑپ کی، سب کو معاف کر دیا۔ اسلام میں دہشت گردی کا تصور نہیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی نہ تعلیم دی اور نہ ہی امت مسلمہ کے افراد اس تعلیم کے برعکس عمل پیرا ہیں۔ یہ اہل مغرب کا سراسر پراپیگنڈہ ہے کہ مسلمان دہشت گرد ہیں۔

خواتین کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کو اسلامی بنیاد پرستی کے بڑھتے ہوئے رجحان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اہل مغرب کا یہ پراپیگنڈہ انتہائی خطرناک بھی ہے اور زہریلا بھی اور غلط بھی۔

اسلام میں تو تعصب نام کی کوئی چیز نہیں۔ اسلام تو سلامتی اور امن کی تعلیم دیتا ہے۔

اگر ہم تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سامنے رکھیں تو ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ دہشت گردی اور قتل انسانی کبیرہ گنا ہیں اور ان سے بچنا مومنوں پر لازم ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

اکبر الکبائر الاشراک باللّٰہ، وقتل النفس، وعقوق الوالدین، وقول الزور. (رواہ البخاری)

ایک اور جگہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اجتنبوا السبع الموبقات: الشرک باللّٰہ، والسحر، وقتل النفس التی حرم الا بالحق، واکل الربا، واکل مال الیتیم، والتولی یوم الزحف، وقذف المحصنات الغافلات المومنات. (رواہ الشیخان)

''سات مہلکات سے بچو: ایک اللہ کے ساتھ شرک کرنے سے، دوسرا جادو سے، تیسرا کسی شخص کو قتل کرنے سے جس کا قتل اللہ نے حرام کیا ہو مگر حق کے ساتھ، چوتھا سود کھانے سے، پانچواں یتیم کا مال کھانے سے، چھٹا میدان جنگ میں بھاگنے سے اور ساتواں پاک دامن گناہوں سے دور اور مومن عورتوں پر تہمت لگانے سے۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلحے کے ناجائز استعمال سے منع فرمایا۔ وہ مومن ہی نہیں جو دوسرے بھائی پر اسلحہ تان لے:

من حمل علینا السلاح فلیس منا، ومن غشا فلیس منا. (رواہ مسلم)

''جس آدمی نے ہمارے خلاف اسلحہ اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں اور جس نے ملاوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ مسلمان دوسرے مسلمانوں پر دست درازی نہ کریں:

وروی الشیخان عن عبداللّٰہ بن عمر قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ: المسلم من سلم الناس من لسانہ ویدہ، والمھاجر من ھجر مانھی اللّٰہ عنہ.

(السید احمد الھاشمی، مختار الاحادیث النبویہ والحکم المحمدیہ، حدیث نمبر: ۲۱۰)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

قتل المومن اعظم عند اللّٰہ من زوال الدنیا. (رواہ النسائی)۔

''اللہ کے نزدیک مومن کا قتل پوری دنیا کے زوال سے بڑا گناہ ہے۔''

(۶) فرقہ واریت کا سدباب:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرقہ واریت سے منع فرمایا کیونکہ یہ مذہبی انتہا پسندی کی ایک شکل ہے۔

''فرقہ بندی سے مراد ہے: مذہب وغیرہ کے فرق کی بنیاد پر گروہ اور جتھا بنانے کا عمل، جماعت بنانا، کسی گروہ کی تنظیم، مذہبی گروہ بندی۔'' (بانگ درا)

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں!
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟

احکام الٰہی یہ ہیں کہ آپس میں فرقہ بندی اور جتھہ بندی کرنا، قطعی ناجائز کارکردگی ہے۔

(بحوالہ: اردو لغت، جلد سیز دہم، صفحہ ۹۱۴)

فرقہ سازوں کے بارے میں علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا: (بانگ درا)

یہ ہند کے فرقہ ساز اقبال آذری کر رہے ہیں گویا
بچا کے دامن بتوں سے اپنا غبار راہ حجاز ہو جا

فرقہ واریت یا فرقہ پرستی کی تعریف ملاحظہ ہو:

''جب فرقے باہم متصادم ہوں اور نزعی نقطہ نظر پر ایسی استقامت اختیار کی جائے فرقہ کو مذہب کی ایک ممکن تعبیر کی بجائے عین مذہب بنا ڈالا جائے۔''

(بحوالہ: فرقہ واریت، ایک تجویز از شجاعت ترمذی عارفی، دائرۃ الفکر، لاہور، ۱۹۹۲ء ایڈیشن، صفحہ ۲۳)

امام ابوزہری نے اسلامی فرقوں کو تین حصوں یا اقسام میں بانٹا ہے:

۱۔ سیاسی فرقے

۲۔ اعتقادی فرقے

۳۔ فقہی مذاہب اور مسالک (بحوالہ: المذاہب اسلامیہ)۔

اردو دائرہ معارف اسلامیہ (دانش گاہ پنجاب لاہور، طبع اول، جلد ۱۵، صفحہ ۲۹۶) کا فاضل مقالہ نگار لکھتا ہے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس طرح ایک دینی پیشوا تھے، اسی طرح ایک سیاسی رہنما بھی تھے اس لئے یہ امر تعجب انگیز نہیں کہ اسلامی فرقوں کی ابتدائی تاریخ میں علم دین سیاسیات (سیاسی واقعات) سے مخلوط ہے۔''

اسلام میں فرقوں کی ابتداء حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے درمیان جنگ صفین سے ہوتی ہے۔ الاشعری (مقالات

الاسلامین مطبوعہ رٹر، استنبول، ۱۹۲۹ء) میں کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد امامت کے مسئلے کی وجہ سے یہ ابتداء ہوئی جب حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ چنا گیا۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت سے بھی اس کے خیال کے مطابق مسلمان بٹ گئے۔ خوارج وہ لوگ تھے جنہوں نے حضرت علیؓ کا ساتھ دیا پھر جنگ صفین کے بعد آپؓ کو چھوڑ گئے۔ شیعہ وہ لوگ تھے جنہوں نے حضرت علیؓ کا ساتھ دیا یعنی شیعان علیؓ یا حضرت علیؓ کا گروہ۔ بعد میں تخفیف کے ساتھ صرف شیعہ کہلائے۔ المرجۂ وہ گروہ تھا جو بنوامیہ کے دور میں نمودار ہوا۔ معتزلہ بنیادی طور پر عباسیوں کے حامی نہ تھے۔ انہوں نے قرآن کو خلق کہا۔ ان کا بانی واصل بن عطاء تھا۔

امام احمد بن حنبلؒ نے خلق قرآن کے عقیدے کو ماننے سے انکار کیا۔ فرقوں کی تفصیل البغدادی کی کتاب الفرق بین الفرق، قاہرہ (۱۳۲۸ء) اور الشہرستانی کی کتاب الملل والنحل (مطبوعہ لنڈن، ۱۸۴۶ء) میں دیکھی جا سکتی ہے۔

سورۃ شوریٰ کی آیت نمبر ۱۴ میں ارشاد ربانی ہے:

وَمَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَاجَآءَ هُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى لَّقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ.

''ان لوگوں نے اپنے پاس علم آ جانے کے بعد اختلاف کیا (اور وہ بھی) باہمی ضد بحث سے اور اگر آپ کے رب کی بات ایک وقت مقرر تک کے لئے پہلے ہی سے قرار پا گئی نہ ہوتی تو یقیناً ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا اور جن لوگوں کو ان کے بعد کتاب دی گئی ہے وہ بھی اس کی طرف سے الجھن والے شک میں پڑے ہوئے ہیں۔''

تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے:

''الغرض احکام شرع میں گو جزوی اختلاف ہو لیکن اصولی طور پر دین ایک ہی ہے اور وہ توحید باری تعالیٰ ہے۔ جماعت بندی کے ساتھ اتفاق سے رہو۔ اختلاف اور پھوٹ نہ کرو۔''

(تفسیر ابن کثیر، اردو ایڈیشن، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، جلد پنجم، صفحات ۱۹۔۱۸)

اشرف ظفر اپنی تالیف ''مذہبی اور سیاسی فرقہ بندی، قرآن حکیم کی روشنی میں...... ایک جائزہ...... ایک تجزیہ'' النور پرنٹرز، لاہور ۱۹۸۷ء کے صفحات ۳۱۔۳۰ پر رقمطراز ہے کہ فرقہ بندی کے نتائج بھیانک ہیں۔ ان کی وجہ سے عناد، حسد، بغض، محکومی، محتاجی، خوف وحزن کا زہر ہلاہل اور عزت نفس کی تباہی، اصول پرستی کی بجائے شخصیت پرستی اور شخصیت پرستی میں پھر انتہا پرستی نتیجتاً سرکشی، دلوں کی پژمردگی، دل گرفتاری اور پریشان حالی اور پریشان خیالی، یاس و ناامیدی، صلاحیت سلبی اور جنگ و جدل تک نوبت آتی ہے۔ اس مقصد کے لئے کتنی فقہیں مرتب ہوئیں اور ان فقہوں کی بنیاد پر کئی فرقوں کا وجود مستقل طور پر قائم کر دیا گیا اور آہستہ آہستہ یہ دوری کفر کے فتوؤں تک جا پہنچی تھی کہ ہر مسجد کی پیشانی پر فرقہ کے بت کا بورڈ چسپاں کر دیا گیا۔

مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیعؒ معارف القرآن (جلد ششم، صفحات ۷۴۹۔۷۴۸) پر ارشاد فرماتے ہیں:

''یعنی یہ مشرکین وہ لوگ ہیں جنہوں نے دین فطرت اور دین حق میں تفریق پیدا کر دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مختلف پارٹیوں میں بٹے۔ ان کی ہر پارٹی اپنے اپنے اعتقادات وخیالات پر مگن ہے اور خوش ہے اور دوسروں کو غلطی پر بتاتی ہے حالانکہ

یہ سب کے سب گمراہی کے غلط راستوں پر پڑے ہوئے ہیں۔"

مسلمان فرقہ بندی کی وجہ سے مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔ شیعہ، سنی، حنفی، دیوبندی، بریلوی، اہلحدیث اور نقشبندی وغیرہ کہلانے لگے۔ قرآن حکیم نے وحدت اور اتفاق کا درس بار بار دیا۔ تمام انسانیت کو آدم کی اولاد ہونے کی بنیاد پر وحدت کا سبق دیا نیز داخلی طور پر تمام مسلمانوں کو یہ حکم دیا:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا. (النساء آیت نمبر ۱)

"اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو، جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی کو پیدا کر کے ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں، اس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور رشتے ناطے توڑنے سے بھی بچو بے شک اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے۔"

تمام انبیائے کرام کی تعلیم یہی رہی کہ تفرق سے بچتے رہو۔ قرآن حکیم میں آیا ہے کہ تفرقے بازی سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی تعلق اور واسطہ نہیں۔ سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۱۰۵ میں ارشاد ہے:

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۚ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ.

"تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے پاس روشن دلیلیں آ جانے کے بعد بھی تفرقہ ڈالا اور اختلاف کیا، انہیں لوگوں کیلئے بڑا عذاب ہے۔"

سورۃ شوریٰ کی آیت نمبر ۱۳ میں ارشاد ربانی ہے:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِىْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۚ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۚ اَللّٰهُ يَجْتَبِىْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِىْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ.

"اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے وہ دین مقرر کر دیا ہے جس کے قائم کرنے کا اس نے نوح (علیہ السلام) کو حکم دیا تھا اور جو (بذریعہ وحی) ہم نے تیری طرف بھیج دی ہے اور جس کا تاکیدی حکم ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ (علیہم السلام) کو دیا تھا، کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا جس چیز کی طرف آپ انہیں بلا رہے ہیں وہ تو (ان) مشرکین پر گراں گزرتی ہے، اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنا برگزیدہ بناتا ہے اور جو بھی اس کی طرف رجوع کرے وہ اس کی صحیح رہنمائی کرتا ہے۔"

سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۱۰۳ میں ارشاد ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۪ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۗ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ.

"اللہ تعالیٰ کی رسی کو سب مل کر مضبوط تھام لو اور پھوٹ نہ ڈالو اور اللہ تعالیٰ کی اس وقت کی نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی، پس تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پہنچ چکے تھے تو اس نے تمہیں بچا لیا۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح تمہارے لئے اپنی نشانیاں بیان کرتا ہے تا کہ تم ہدایت پاؤ۔"

احادیث میں بھی اتفاق اور اتحاد کا حکم دیا گیا۔ صحیح مسلم میں ہے:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں، تین باتوں سے خدا خوش ہوتا ہے اور تین باتوں سے ناخوش ہوتا ہے۔ ایک تو یہ کہ اسی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ دوسرے اللہ تعالیٰ کی رسی کو اتفاق سے پکڑو اور فرقوں میں نہ بٹو۔"

(بحوالہ: تفسیر ابن کثیر، اردو ترجمہ، جلد اول صفحہ ۴۶۲)

بخاری شریف میں بھی اتحاد و اتفاق کے لئے کتاب و سنت کو اساس قرار دیا گیا۔

ابن ماجہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کے ۷۲ فرقوں کا جو ذکر فرمایا تھا اس کا مقصد مسلمانوں کو تفرقہ بازی سے ڈرانا تھا اس حدیث سے فرقہ بندی کا جواز نہیں نکلتا تھا، اختلافات دیانت دارانہ بھی ہو سکتے ہیں۔ وہ اختلافات حدیث کی رو سے رحمت بن سکتے ہیں مثلاً:

۱۔ اصولی دینی اختلافات جیسے مسالک، یہ فرقے نہیں کہلاتے۔

۲۔ فروعی فقہی تعبیرات پر مبنی گروہ مثلاً اہل سنت والجماعت کے اندر مذاہب اربعہ یا شیعہ کے ذیلی فرقے۔

شیعہ اور سنی فرقوں کا اختلاف مسئلہ امامت و خلافت پر ہوا۔ یہ اسلام کے سیاسی نظام کے بارے میں عقیدے کی دو تعبیریں ہیں۔ یہ اختلافات قدرتی تھے۔ مسلمانوں کے نظام قانون کے ارتقاء میں انہوں نے تعمیری کردار ادا کیا۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام ابو حنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ نے اسلامی قانون کی خوب وضاحت کی۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنے رسالہ الانصاف فی مسائل الاختلاف میں فرقوں کے اختلافات محدود کرنے کے لئے مسلک وحدت کا تصور پیش کیا۔ یہ وحدت میں پرونے کا ایک فارمولا ہے تا کہ دین سے زیادہ سے زیادہ رہنمائی حاصل کی جا سکے۔

شجاعت ترمذی عارفی اپنی تصنیف فرقہ واریت: ایک تجزیہ" مطبوعہ دائرۃ الفکر، لاہور، ۱۹۹۲ء ایڈیشن کے صفحہ ۲۷ پر رقمطراز ہے:

"عہد نبوت میں اختلافی مسائل نہ تھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شارح تھے۔"

مولانا سید مناظر احسن گیلانی اپنی تصنیف "مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ" میں لکھتے ہیں

"بنی نوع انسانی کے افراد میں وحدت کے ساتھ کثرت اور اختلاف کے پہلوؤں کا پایا جانا ایک ناگزیر قدرتی واقعہ ہے لیکن اختلاف کے ان پہلوؤں کے استعمال میں آپ کو اختیار ہے چاہے فتنہ و فساد کے بھڑکانے میں ان کو استعمال کیجئے، چاہے گلہائے رنگ کو زینت چمن قرار دے کر ان سے منافع حاصل کریں۔" (صفحہ ۱۲۴)

دیگر مذاہب میں بھی فرقے ہیں جیسے عیسائیوں میں رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ نیز بدھ مت میں ہنایانا اور مہایانا۔

ایک ارب مسلمانوں میں صرف دو یا تین مذہبی فرقوں کا پایا جانا کوئی عجیب بات نہیں۔ بقول سید ابو الاعلیٰ مودودی:

''ہمارے ملک میں فالفعل صرف تین فرقے پائے جاتے ہیں:

۱۔ حنفی جو دیو بندیوں اور بریلویوں میں تقسیم ہونے کے باوجود (فقہ پر متفق ہیں)۔

۲۔ اہل حدیث

۳۔ شیعہ

ان تینوں فرقوں کے اختلافات عملاً ایک اسلامی ریاست کا نظام بننے اور چلنے میں کوئی مشکل پیدا نہیں کرتے۔

واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے فرقوں کی وہ کثیر تعداد جس کا ذکر کتابوں میں ملتا ہے اس کا بڑا حصہ کاغذی وجود کے سوا نہ کوئی وجود رکھتا تھا اور نہ اب رکھتا ہے...... اب دنیا میں مسلمانوں کے بمشکل ۷۔۶ فرقے (چھ یا سات فرقے) باقی ہیں جنہیں اصولی اختلافات کی بناء پر مستقل فرقہ کہا جا سکتا ہے۔ دنیا میں بڑے فرقے صرف دو ہی ہیں ایک سنی دوسرا شیعہ۔ یہ صرف مذاہب فکر ہیں جن کو مناظرہ بازیوں نے خواہ مخواہ فرقوں کی شکل دے رکھی ہے۔'' (اسلامی ریاست، صفحات ۴۹۲۔۴۹۱)

قرآن حکیم اور تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مذہبی انتہا پسندی سے منع فرمایا، فرقہ واریت کی بیخ کنی کی اور صلح وامن کا حکم دیا۔ سورۃ الحجرات کی آیت نمبر ۱۰ میں ارشاد ربانی ہے:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ.

''(یاد رکھو) سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں پس اپنے دو بھائیوں میں ملاپ کرا دیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔''

(۷) اسلام میں غیر مسلموں کے معبدوں کا احترام:

دوسروں کی مذہبی عبادت گاہوں کو ڈھا دینا بھی مذہبی انتہا پسندی کے زمرے میں آتا ہے۔ سورت حج کی آیت نمبر ۴۰ میں ارشاد ہے:

الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ۗ وَلَيَنْصُرَنَّ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ.

''یہ وہ ہیں جنہیں ناحق اپنے گھروں سے نکالا گیا، صرف ان کے اس قول پر کہ ہمارا پروردگار فقط اللہ ہے اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو آپس میں ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا رہتا تو عبادت خانے اور گرجے اور مسجدیں اور یہودیوں معبد اور وہ مسجدیں بھی ڈھا دی جاتیں جہاں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے جو اللہ کی مدد کرے گا اللہ بھی ضرور اس کی مدد کرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑی قوتوں والا بڑے غلبے والا ہے۔''

ہندوستان میں ماضی قریب میں بابری مسجد کی شہادت کا واقعہ بھی مذہبی انتہا پسندی کی ایک مثال ہے جس کا مظاہرہ ہندو انتہا پسند عناصر نے کیا۔

بابری مسجد پر لاکھوں ہندوؤں نے ہلا بول دیا۔ گنبد شریف کو شہید کر دیا پھر مینار مبارک بھی شہید کر دیا گیا۔ آناً فاناً مسجد شریف ملبے کا ڈھیر بن گئی۔ جنونی ہندوؤں نے اس جگہ اپنا جھنڈا الہرایا اور مندر بھی تعمیر کر لیا اور بت بھی سجا دیا۔ اس المناک واقعہ نے دنیائے عالم کے سینے میں چھرا گھونپا ہے، حمیت اور غیرت کو للکارا ہے اور ہندوؤں نے اپنے متعصبانہ رویے کا اظہار کر کے اپنی ہی ساکھ بین الاقوامی برادری میں برباد کی ہے۔ اسی سرزمین پاک و ہند سے شاعر مشرق حضرت علامہ اقبالؒ نے مذہبی رواداری کے گیت الاپے تھے۔ بانگ درا کی نظم "نیا شوالہ" کے درج ذیل اشعار بطور مثال پیش ہیں:

آ غیرت کے پردے اک بار اٹھا دیں
بچھڑوں کو پھر ملا دیں، نقش دوئی مٹا دیں
سونی پڑی ہوئی ہے، مدت سے دل کی بستی
آج، اک نیا شوالہ اس دیس میں بنا دیں
دنیا کے تیرتھوں سے اونچا ہو اپنا تیرتھ
دامان آسماں سے اس کا کلس ملا دیں
ہر صبح اٹھ کے گائیں منتر وہ میٹھے میٹھے
سارے پجاریوں کو مے پریت کی پلا دیں
شکتی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے
دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے

مسجد بابری کو شہید کر کے ہندوؤں نے مذہبی رواداری کے اصولوں کو پاش پاش کر دیا۔ پاکستان میں ہر مسلمان دکھی تھا اور اس دکھ میں آنسو بہاتا رہا ہے۔

سید ابو الاعلیٰ مودودی اپنی تصنیف (اسلامی ریاست) کے صفحہ نمبر ۵۸۹ پر رقمطراز ہیں:

"احصار مسلمین میں ذمیوں کے جو قدیم معابد ہوں ان سے تعرض نہیں کیا جا سکتا۔ اگر وہ ٹوٹ جائیں تو انہیں اسی جگہ دوبارہ بنا لینے کا حق ہے لیکن نئے معابد بنانے کا حق نہیں ہے۔"

اس ضمن میں علامہ کاسائیؒ کی کتاب البدائع والصنائع بھی ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔ (ملاحظہ ہو: جلد ۷، صفحہ ۱۱۴)

ایک اسلامی مملکت میں اگر کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کا مال چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اگر کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کا سُور یا شراب تلف یا ضائع کر دے تو اسے اس کی قیمت ادا کرنا ہوگی۔ اسی طرح غیر مسلم کی غیبت بھی حرام قرار دے دی گئی ہے نیز اس کو تکلیف دینے سے باز رہنا واجب ہے۔ (در المختار، جلد ۳، صفحہ ۲۷۳)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور مبارکہ میں ایک مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قصاص میں مسلمان کو قتل کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اپنے اہل ذمہ کو وفا کرنے کا سب سے زیادہ حق دار میں ہوں۔'' (بحوالہ: عنایہ شرح ہدایہ، جلد ۸، صفحہ ۲۵۶)

ابو بصرہؓ غفاری کا بیان ہے کہ جب وہ کافر تھے، مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آ کر مہمان رہے، رات کو گھر کی تمام بکریوں کا دودھ پی گئے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ نہ فرمایا، رات بھر تمام اہل بیت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھوکے رہے۔ (سیرت النبی، جلد دوم، از سلمان ندویؒ و شبلی نعمانی، صفحہ ۲۱۷)

حضرت عمرؓ کے دور میں قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے ذمی کو قتل کر دیا۔ آپؓ نے بھی اس کے قتل کا حکم دے دیا۔ چنانچہ وہ شخص قتل کر دیا گیا۔ حضرت عثمان کے زمانہ میں خود عبید اللہ بن عمرؓ کے قتل کا فتویٰ دے دیا گیا تھا کیونکہ انہوں نے ہرمزان اور ابو لولو کی بیٹی کو اس شبہ میں قتل کر دیا تھا کہ شاید وہ حضرت عمرؓ کو قتل کرنے کی سازش میں شریک تھے۔ اسی طرح حضرت علیؓ کے دور مبارک میں بھی ایک مسلمان ایک ذمی کے قتل میں ماخوذ ہوا۔ (بحوالہ: اسلامی ریاست: صفحہ ۸۵۳)

مذہبی رواداری کا اس حد تک حکم ہے کہ اگر جنگ بھی ہو رہی ہو تو پھر بھی مسلمان فوج اپاہج لوگوں، عورتوں، بچوں اور عبادت گاہوں کے خادموں اور راہبوں کو قتل نہ کرے۔ (کتاب الخراج: امام محمد یوسف)۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جتنے ممالک فتح ہوئے ان میں کوئی معبد نہیں توڑا گیا۔ امام یوسف کتاب الخراج کے صفحہ ۸۳ پر رقمطراز ہیں:

''ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا گیا، نہ مسمار کیا گیا اور نہ ہی ان سے کسی قسم کا تعرض کیا گیا۔''

بدائع الصنائع میں امام کاسانی لکھتے ہیں کہ قدیم عبادت گاہوں کو مسمار کرنا بہرحال ناجائز ہے۔ حضرت عمرؓ نے بیت المقدس کے عیسائیوں کو ازروئے قانون جو حقوق دیئے تھے وہ تاریخ طبری میں درج ہیں: ''یہ وہ امان ہے جو اللہ کے غلام امیر المومنین عمرؓ نے بیت المقدس والوں کو دی۔ یہ امان جان، مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے تمام اہل مذہب کے لئے ہے۔ نہ ان کے گرجا میں سکونت اختیار کی جائے گی۔ نہ وہ منہدم کئے جائیں گے نہ ان کے احاطہ کو نقصان پہنچایا جائے گا۔ نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی۔ مذہب کے معاملے میں ان پر جبر نہ کیا جائے گا۔ نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا۔''

اس قسم کا معاہدہ حضرت عمرؓ نے اہل جرجان سے بھی کیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے تو ہر نادار، بے کس اور معذور ذمی کی بیت المال سے کفالت فرمائی۔

(۹) مذہبی انتہا پسندی دور حاضر میں، عیسائی دنیا، ہندومت اور اسلام:

(اعداد و شمار کے آئینے میں):

ایک مسلمان کی یہ شان نہیں کہ وہ مذہبی انتہا پسندی کی رو میں بہہ کر اخلاقی قدروں کو پامال کر دے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

لیس المومن بطعان ولا لعان ولا فاحش. ولا بذی. (رواہ مسلم)

''مومن لعن اور طعن کرنے والا نہیں ہوتا اور نہ ہی مومن فطری فحش گو اور نہ ہی تکلفاً فحش گو ہوتا ہے۔''

(السید احمد الہاشمی، مختار الاحادیث النبویہ والحکم المحمدیہ، حدیث نمبر ۱۳۷۹ء)

دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کی وجہ سے امن عالم مفقود ہے۔ فرقہ واریت کے عفریت نے ہر سو تباہی پھیلائی ہوئی ہے۔ دنیا کا شاید کوئی خطہ فرقہ واریت سے پاک ہو۔ برطانیہ اور پاکستان میں فرقہ واریت کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

برطانیہ میں مختلف مسیحی فرقوں کی تفصیل آبادی

(مندرجہ ذیل اعداد و شمار انگلینڈ اور ویلز کے ہیں):

نمبر شمار	فرقوں کی آبادی
۱	۱.۴ ملین
۲	۱.۶۵ ملین
۳	۰.۶۱ ملین
۴	۰.۲۷ ملین
۵	۱۲۳۶۷۷
۶	۴۰۸۹۹۹
۷	۰.۲ ملین
۸	۶۹۶۵۸
۹	۱۷۳.۸۰۰
۱۰	۰.۱۲ ملین
۱۱	۶۰.۰۰۰ ملین

ماخذ:(Barry Turner, The Statesman's Year Book 2004' Pages, 1625, 1659,-1661)

پاکستان:

فرقوں کی تفصیل	فرقوں کی آبادی کا تناسب
مسلمان	۹۷ فیصد
شیعہ	۵.۲۰ فیصد
عیسائی، ہندو، پارسی، بدھ مت کے پیروکار، قادیانی و متفرق فرقے	۲ فیصد

ماخذ:(Barry Turner, The Statesman's Year Book 2004' Pages, 1263, 907, 909, 914)

ایران:

آبادی ۶۶.۶۳ ملین

شیعہ	۸۹ فیصد	سنی	۱۰ فیصد

عراق:

آبادی ۲۲.۹۵ ملین	مندرجہ ذیل اعداد و شمار ۱۹۹۳ء کے ہیں:
شیعہ	۱۱.۹ ملین
سنی	۶.۶ ملین

ماخذ:(Barry Turner, The Statesman's Year Book 2004' Pages, 1263, 907, 909, 914)

دور جدید میں کئی مذہبی انتہا پسند تنظیمیں ہیں جن کا اجمالی خاکہ درج ذیل ہے۔ ان میں سے مسلم ممالک سے متعلقہ تنظیمیں جہادی تنظیمیں اپنے بقا کے لئے لڑ رہی ہیں جبکہ مغربی میڈیا انہیں دہشت گرد قرار دے رہا ہے۔ مسلم ممالک کے لئے دیگر ممالک کی مغربی انتہا پسندی کا بھی تذکرہ ملاحظہ ہو:

دنیا کی چند انتہا پسند تنظیمیں

نمبر شمار	نام تنظیم	ملک
۱	شیوسینا (بال ٹھاکرے)	ہندوستان
۲	RSS	ہندوستان
۳	القاعدہ	بین الاقوامی
۴	Red Brigades	اٹلی
۵	حزب اللہ	لبنان
۶	Irish Republican Army	آئرلینڈ
۷	Ulster Volunteer Force	آئرلینڈ
۸	Colombian Death Squads	کولمبیا
۹	حماس	فلسطین
۱۰	اسلامک جہاد	فلسطین
۱۱	جیش محمد	کشمیر

۱۲	لشکر طیبہ	کشمیر
۱۳	Independent Movement of Uzbekistan (IMU)	سنٹرل ایشیاء
۱۴	حرکتہ الطاہر	سنٹرل ایشیاء
۱۵	Abu Sayyaf Group	فلپائن
۱۶	Maoists	نیپال

ماخذ: (یہ معلومات پروفیسر ڈاکٹر محمد اعجاز بٹ، شعبہ سیاسیات، پنجاب یونیورسٹی لاہور سے بذریعہ انٹرویو حاصل کیں نیز Newsweek کے شمارے ملاحظہ کیجئے۔)

(۹) مذہبی انتہا پسندی کے خاتمے کیلئے تجاویز:
(تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں)

داعی امن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رواداری اور بھائی چارے کا درس دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مذہبی انتہا پسندی کی بیخ کنی کی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

المسلم من سلم المسلمون من لسانه والمومن من امنه الناس علی دمائهم، والمهاجر من هجر ما نهی الله عنه. (رواہ احمد عن ابی ہریرۃ)

''مسلمان وہ شخص ہوتا ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔ مومن وہ ہوتا ہے جس سے لوگوں کے خون اور مال محفوظ رہیں اور مہاجر وہ شخص ہوتا ہے جو اس چیز کو ترک کر دے جسے اللہ نے منع کیا ہے۔''

(السید احمد الھاشمی، مختار الاحادیث النبویہ والحکم المحمدیہ، صفحہ ۱۲۷)

ایک اور جگہ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

المسلم اخو المسلم لا یظلمه ولا یسلمه، ومن کان فی حاجة اخیه کان الله فی حاجیه. ومن فرج عن مسلم کربة، فرج الله عنه کربة من کرب یوم القیامة، ومن ستر مسلماً ستره الله یوم لقیامة.

(متفق علیہ)

''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ تو اس پر ظلم کرتا ہے، نہ ہی اسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے۔ جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت میں ہو، اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت میں ہوتا ہے۔ جس شخص نے کسی مسلمان سے کوئی مصیبت دور کی تو اللہ تعالیٰ قیامت کی تکلیفوں میں سے ایک تکلیف دور کرے گا۔'' (السید احمد الھاشمی، مختار الاحادیث النبویہ والحکم المحمدیہ، حدیث نمبر: ۱۲۷۷)

مذہبی انتہا پسندی، عدم برداشت اور فرقہ واریت کی آگ نے تمام مسلم امہ کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے۔ پاکستان بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ فرقہ واریت کوئی معمولی مسئلہ نہیں۔ یہ فتنوں کی جڑ ہے۔ اس سے خانہ جنگی بھی پیدا ہوتی ہے اور نفرتوں کے

خلیج بھی حائل ہوتے ہیں۔اس سے اقتصادی حالت بھی تباہ ہوتی ہے اور اسلامی ریاست کی جڑیں بھی کھوکھلی ہوتی ہیں۔علماء کی تکفیر، علماء کا قتل، عبادت گاہوں میں اسلحہ کا استعمال نیز متشدد رویہ اسلام کی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے۔اس سے مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا ہوتا ہے۔فتویٰ گری اور تکفیر کے خنجر سے اتحاد پارہ پارہ ہوتا ہے۔ بغداد میں مسلمانوں کا کیا حشر ہوا؟ تاریخ گواہ ہے یہ باہمی افتراق اور انتشار کی وجہ سے تھا۔امام بارگاہوں اور مساجد پر فائرنگ، بم پھینکنا اور نمازیوں کو جان بحق کرنا اور علمائے دین کا قتل کہاں جائز ہے۔ایسے حالات میں غیر ملکی عناصر اور طاقتیں بھی فائدہ اٹھاتی ہیں۔ پاکستان میں فرقہ واریت اور مذہبی انتہا پسندی کو ختم کرنے کے لئے حسب ذیل تجاویز پیش کی جاتی ہیں:

۱۔ وفاقی اور صوبائی سطح پر فرقہ واریت کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا جائے۔حکومت اس ضمن میں تہیہ کرلے کہ اس مسئلے کو فی الفور حل کرنا ہے۔

۲۔ علماء، فقہا، سیاسی لیڈر، سماجی و سیاسی کارکن، اساتذہ، وکلاء، اہل دانش وفکر، صحافی اور دیگر باشعور شہری اس مسئلے کو ختم کرنے کا تہیہ کرلیں، علماء بردباری سے کام لیں۔

۳۔ انگریز نے جداگانہ نظام تعلیم سے ملک کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیا۔ دینی اور دنیوی تعلیم کو الگ کر دیا۔علماء کی ایک کھیپ مساجد کے محراب و منبر سے دین کے صرف فروعی امور کا پرچار کرنے لگی۔سیکولر نظام تعلیم بھلا کر کیونکر کوئی فارابی، رومی، جامی اور ابن رشد پیدا کرسکتا ہے۔ یہ نظام (دین و دنیا کی تعلیم کا علیحدہ علیحدہ نظام) نکاح خواں اور مردوں کی تجہیز و تکفین کرنے والے مولوی تو پیدا کرسکا لیکن ہمہ جہت عالم، دانشور، مفکر اور سکالر پیدا نہ کرسکا۔مسجد اور مکتب اختلافی مسائل کا مرکز بن گئے۔فرقہ واریت کو ہوا دی جانے لگی۔علماء نور و بشر اور حاضر و ناظر جیسے موضوعات میں الجھ گئے۔ یہ نظام ایسے مذہبی سکالر نہ پیدا کرسکا جو اسلام کے معاشی نظام میں گہری نظر رکھتے ہوں، اسلامی تہذیب و ثقافت سیاسی پالیسی اور جنگ وصلح کے ضابطوں کے ماہر ہوں، اسلام کے بین الاقوامی تعلقات اور تعلیمات کے ماہر ہوں۔فرقہ پرست علماء کیونکر اتحاد کا سبق دے سکتے ہیں۔علماء کو جدید تعلیم سے آراستہ کرنے کی ضرورت ہے۔علماء کرام اور مشائخ عظام مذہبی رواداری سیکھیں، مبلغین اور علماء ایسے اداروں میں تعلیم حاصل کریں جہاں مسلکانہ تنگ نظری سے دوری پیدا کی جائے، جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ، اصحاب صفہؓ، تابعین اور تبع تابعین اور صوفیائے کرام کی رواداری کا سبق یاد دلایا جائے۔

۴۔ معاشرے کی اجتماعی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے بچوں کو اونچے عہدوں کے لئے جدید تعلیم سے آراستہ کریں وہ فنی تعلیم ضرور دلوائیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہیں اسلامی علوم سے بھی آراستہ کریں تاکہ بہتر صلاحیتوں کے مالک بچوں کو بہتر طور پر بطور علماء تیار کیا جاسکے۔

۵۔ متنازعہ امور میں اجتہاد کی ضرورت ہے تاکہ معاشی، اقتصادی، سیاسی اور بین الاقوامی مسائل اسلام کی روشنی میں حل ہوں۔اجتہاد سے تنگ نظری دور ہوگی۔

۶۔ علماء کی بہتر روحانی تربیت کی جائے۔ وہ روحانی تربیت اور اخلاقی تربیت اور کردار سازی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے عمل مبارکہ کا بغور مطالعہ کریں اور رہنمائی حاصل کریں تا کہ مذہبی اور مسلکی رواداری پیدا ہو۔ مسلمانوں کو اب بھی جنیدؒ و بایزیدؒ، جیلانیؒ، رومیؒ، ہجویریؒ، سرہندیؒ، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، جمال الدین افغانیؒ، شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور اقبالؒ اور قائداعظمؒ جیسی نابغہ روزگار ہستیوں کی تعلیمات اور پیغامات پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت ہے جنہوں نے مسلم امہ کو اتحاد کا سبق دیا تھا۔ اسی اتحاد میں برکت بھی ہے، روحانی اور مادی ترقی بھی ہے۔ مسلم ممالک کی سلامتی کا راز بھی اس اتحاد کے سبق میں مضمر ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

ترى المومنين فى تراحمهم، وتوادهم، وتعاطفهم، كمثل الجسد اذا آشتكى عضو تداعى له سائر جسده بالسهر والحمى. (رواه البخاری) (السید احمد الہاشمی، مختار الاحادیث، حدیث نمبر ۴۶۱)

ایک اور جگہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

المومن للمومن كالبنيان يشد بعضه بعضاً. (رواه الشيخان عن ابى موسى)

''مسلمان مسلمان کے لئے ایک عمارت ہے جو ایک دوسرے کو مضبوط کرتی ہے۔''

(۱۰) حاصل کلام:

مذہبی انتہا پسندی سے دنیا میں امن اور سکون برباد ہو کر رہ گیا ہے چاہے وہ مسلم ممالک میں ہے یا ہندوؤں کے ہاں ہے یا مغربی ممالک میں ہے۔ داعی امن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر معاملے میں نرم رویے کا حکم صادر فرمایا تھا۔

حدثنا موسى بن اسمعيل حدثنا حماد عن يونس و حميد عن الحسن عن عبدالله بن مغفل ان رسول الله ﷺ قال ان الله رفيق بحب الرفق و يعطى عليه مالا يعطى على العنف. (ابوداؤد، جلد سوم، صفحہ ۵۷۴)

''موسیٰ بن اسماعیل، حماد، یونس، حسن، حمید، یونس، حمید، عبداللہ بن مغفل سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نرم ہے (وہ) ملائمت اور نرمی کو پسند فرماتا ہے اور نرمی پر جو کچھ عطا فرماتا ہے، وہ تند خوئی اور سختی پر عطا نہیں فرماتا''

ایک اور جگہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان الله يحب الرفق فى الامر كله. (رواه البخاری) (السید احمد الہاشمی، الحکم المحمدیہ، حدیث نمبر: ۲۷۸)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فاتح بن کر، مفتوح ہو کر نہیں، حاکم ہو کر محکوم بن کر نہیں، ایک دفعہ مکہ کے ان ہزاروں دشمنوں کو معاف فرما دیا جن میں سے ہر ایک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خون کا پیاسا رہ چکا تھا۔ وہ ذات گرامی جنہوں

نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل یا گرفتاری کے لئے اہل مکہ کا اشتہار وانعام سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعاقب کیا تھا وہ ذات اقدس جنہوں نے خیبر میں اپنی زہر دینے والی یہودیہ کو معاف کیا تھا۔ وہ ہستی جنہوں نے اپنے چچا کے قاتل کو معاف کیا تھا۔ وہ ذات بابرکات جنہوں نے حمزہؓ کی لاش کو بے حرمت کرنے والی اور ان کے کلیجہ کو چبانے والی کو معاف فرما دیا تھا۔ وہ پاک ذات جنہوں نے تنعیم کی وادی میں قریش کے اس گرفتار دستہ کو معاف کیا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کے ارادہ سے آیا تھا۔ وہ ذات گرامی جنہوں نے نجد کے ایک نخلستان میں جب وہ محو خواب تھے اپنے ایک تیغ بکف حملہ آور کو قابو میں پا کر معاف فرمایا دیا تھا، وہ ذات اقدس جس نے ان طائف والوں کے حق میں دعائے خیر فرمائی تھی جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پتھروں کی وہ بارش کی تھی جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاؤں خون آلود ہو گئے تھے۔ وہ عظیم ہستی جنہوں نے احد کے میدان میں اپنے چہرہ کے زخمی کرنے والوں کو نیک دعا دی تھی۔ وہ رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنہوں نے دشمنوں کے حق میں بددعا کرنے والوں کو فرمایا تھا کہ میں دنیا میں لعنت کیلئے نہیں بلکہ رحمت کیلئے آیا ہوں۔

(مولانا شبلی نعمانی وسلمان ندوی، سیرت النبی، جلد ششم، صفحہ نمبر ۸۲)

مصادر و مراجع

۱ آزاد، مولانا محمد ابوالکلام، رسول رحمتؐ، ترتیب و اضافہ مطالب غلام رسول مہر، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور ۱۹۸۱ء

۲ آغا اشرف، محمد سید لولاکؐ، مکتبہ میری لائبریری، لاہور ۱۹۸۶ء

۳ ابن القیم، زاد المعاد (اردو ترجمہ) ڈاکٹر مقتدی حسن الازہری، ادبیات، لاہور، تاریخ اشاعت نامعلوم

۴ ابن کثیر، تفسیر ابن کثیر (اردو ترجمہ)، طبع اول، مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور ۱۹۸۴ء

......، البدایہ والنھایہ، مطبعہ السعادہ، مصر، تاریخ اشاعت نامعلوم

۵ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر ۱۹۳۶ء

......، سیرت ابن ہشام، مقبول اکیڈمی لاہور ۱۹۵۸ء

۶ ابوبکر غزنوی، سید، عصر حاضر میں استاد اور شاگرد کا رشتہ، ماہنامہ شمس الاسلام، بھیرہ، جلد ۲۶، شمارہ ۴-۵، اپریل، مئی ۱۹۸۸ء

۷ ابوداؤد، سلیمان بن الاشعث السجستانی، السنن، مطبعہ السعادہ، مصر، ۱۹۵۰ء

۸ ابوالبرکات عبدالرؤف قادری داناپوری، مولانا حکیم، اصح السیر فے ھدے خیر البشرﷺ مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۱۹۸۱ء

۹ ابوالحسن علی بن حبیب، الماوردی، الاحکام السلطانیہ، (اردو ترجمہ)، اسلام کا نظام حکومت از پروفیسر ساجد الرحمٰن صدیقی، اسلامک پبلی کیشنز لاہور ۱۹۹۰ء

۱۰ اشرف ظفر، مذہبی اور سیاسی فرقہ بندی: قرآن کی روشنی میں ایک جائزہ، النور پرنٹرز لاہور ۱۹۸۷ء

۱۱ الفتاوٰی العالمگیریہ ہندیہ، المطبع الامریہ، قاہرہ، ۹۳-۱۸۹۲ء

۱۲ امدادی صابری، رسول خدا کا دشمنوں سے سلوک، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۳ء

۱۳ البغدادی، کتاب الفرق بین الفرق، قاہرہ، ۱۳۲۸ھ

۱۴ بلگرامی، حامد حسن، ڈاکٹر، نور مبین ﷺ کے انوار ابتدائے آفرینش سے مقام محمود تک، تیسرا ایڈیشن، حسن اختر ایسوی ایٹس، کراچی، ۱۹۹۳ء

۱۵ بھٹی، پروفیسر محمد ارشد خان، انوار سیرت، نصرت پریس، لاہور، ۱۹۹۶ء

۱۶ بیگووچ، علی عزت، اسلام اور مشرق و مغرب کی تہذیبی کشمکش، (مترجم محمد ایوب منیر) ادارہ معارف اسلامی، لاہور، ۱۹۹۴ء

۱۷ التبریزی، ولی الدین الخطیب، مشکوٰۃ المصابیح، سعید کمپنی، کراچی، تاریخ اشاعت نامعلوم

۱۸ ترمذی، محمد بن عیسیٰ، الجامع الصحیح، مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر، ۱۹۵۴ء

۱۹ توکلیؒ پروفیسر علامہ نور بخش، سیرت رسول عربی ﷺ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، تاریخ اشاعت نامعلوم

۲۰ حامد انصاری، مولانا، اسلام کا نظام حکومت، مکتبہ الحسن، لاہور، سال اشاعت نامعلوم

۲۱ حسن، ڈاکٹر حسن ابراہیم، تاریخ الاسلام السیاسی والدینی والثقافی، دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۹۶۴ء

......، التنظیم الاسلامیہ، (اردو ترجمہ، مسلمانوں کا نظم مملکت از مولانا علیم الدین صدیقی) دار الاشاعت، کراچی، ۱۹۷۵ء

۲۲ خالد علوی، ڈاکٹر، انسان کامل، الفیصل ناشران لاہور ۱۹۰۷ء

۲۳ الخطیب العمری، امام ولی الدین محمد بن عبداللہ، مشکوٰۃ شریف (اردو ترجمہ) مکتبہ رحمانیہ لاہور، تاریخ اشاعت نامعلوم

۲۴ دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۱۵ دانش گاہ پنجاب لاہور، طبع اول

۲۵ رازی، محمد ولی، ہادی عالمؐ، دار العلم کراچی، ۱۹۸۲ء

۲۶ روز نامہ نوائے وقت لاہور، اداراتی نوٹ، سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی کی ضرورت، ۱۲ نومبر ۱۹۹۱ء

......، روز نامہ نوائے وقت لاہور، اسلامی مدارس اور جدید سائنسی علوم، یکم مارچ ۲۰۰۲ء

۲۷ سلیمان ندوی، سید و شبلی نعمانی، سیرت النبیؐ، الفیصل ناشران لاہور، ۱۹۹۱ء

۲۸ سلیمانی، محمد احسان الحق، رسول مبینؐ مقبول اکیڈمی لاہور، ۱۹۹۳ء

۲۹ سیارہ ڈائجسٹ، رسول نمبر لاہور اکتوبر ۱۹۸۵ء

۳۰ سید سلیمان ندوی، خطبات مدارس، ادارہ اسلامیات، لاہور ۱۹۸۳ء

۳۱ سیوہاروی، محمد حفظ الرحمٰن صدیقی، رسول کریم ﷺ نفیس اکیڈمی لاہور ۱۹۸۶ء

۳۲ شبلی نعمانی، الفاروق، مکتبہ صدیقیہ لاہور ۱۹۶۸ء

۳۳ شاہ ولی اللہ الدہلوی، حجۃ اللہ البالغہ (اردو ترجمہ)، طبع غلام علی اینڈ سنز لاہور، تاریخ اشاعت نامعلوم

۳۴ الشہرستانی، الملل والنحل، مطبوعہ لنڈن، ۱۸۴۶ء

۳۵ صدیقی، ساجد الرحمٰن، اسلام کا نظام حکومت، اسلامک پبلی کیشنز لاہور ۱۹۹۰ء

۳۶ صدیقی، صفدر حسن، مذہبی رواداری، مشعل (ناشر) لاہور تاریخ اشاعت نامعلوم

۳۷ صدیقی، محمد مظہر الدین، اسلام اور مذاہب عالم، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۸۹ء

۳۸ صفی الدین مبارک پوری، الرحیق المختوم، المکتبۃ السلفیہ لاہور ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۷ء

۳۹ صفدر محمود، ڈاکٹر، مغربی میڈیا، انسانی حقوق، اسلام، بنیاد پرستی اور ہم (مقالہ)، روز نامہ جنگ راولپنڈی ۲۲ جنوری ۱۹۹۳ء

۴۰ عارفی، شجاعت ترمذی، فرقہ واریت، ایک تجویز، دائرہ الفکر، لاہور ۱۹۹۲ء

۴۱ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر، الفصول فی سیرۃ الرسولؐ، سیرۃ سرور انبیاءؐ، (اردو ترجمہ از غلام احمد حریری)، کتاب مرکز، فیصل آباد تاریخ اشاعت نامعلوم

۴۲ فیروز سنز لمیٹڈ اردو انسائیکلو پیڈیا لاہور ۱۹۶۱ء

۴۳ قاضی محمد شریف، اسوہ حسنہ قرآن کی روشنی میں، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور ۱۹۸۲ء

۴۴ القرآن الحکیم، و ترجمۃ معانیہ و تفسیرہ الی اللغۃ الاردیہ، اردو ترجمہ از مولانا محمد جونا گڑھی تفسیری حواشی از مولانا صلاح الدین یوسف، شاہ فہد قرآن حکیم پرنٹنگ کمپلیکس، مدینہ منورہ ۱۴۱۹ھ

۴۵ القشیری، ابو الحسین مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح طبع محمد بن علی صبیح واولادہ، مصر ۱۳۳۴ھ

......الجامع الصحیح، دار المعارف، بیروت، تاریخ اشاعت نامعلوم

۴۶ قطب شہید، سید محمد، فی ظلال القرآن (اردو ترجمہ از سید حامد علی) البدر پبلی کیشنز لاہور ۱۹۸۹ء

......، عدالۃ الاجتماعیہ فی الاسلام (اردو ترجمہ) اسلامک پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۶۹ء

۴۷ کاندھلوی محمد ادریس، مولانا، سیرت المصطفیٰ ﷺ مکتبہ عثمانیہ لاہور ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء

۴۸ الکتانی، عبد الحیٔ، نظام الحکومۃ النبویہ، احیاء التراث الاسلامی بیروت تاریخ اشاعت نامعلوم

۴۹ گوہر، ممتاز علی قاضی، سیرت النبی ﷺ اور ہماری زندگی، پرنٹ لنک کمپیوٹر بیورو، کراچی ۱۹۸۹ء

۵۰ گوہر قلم، خورشید عالم، تاجدار رحمت ﷺ، ریاض برادرز لاہور ۱۹۹۶ء

۵۱ گیلانی، مولانا سید مناظر احسن ، مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ، مطبوعہ ادارہ اسلامیات لاہور، ۱۹۷۶ء

۵۲ محبوب عالم، مولوی اسلامی انسائیکلو پیڈیا الفیصل ناشران لاہور ۱۹۹۲ء

۵۳ محمد اسماعیل، سید علامہ، رسول عربیؐ اور عصر جدید مکتبۃ القریش لاہور ۱۹۸۸ء

۵۴ محمد اقبال، ڈاکٹر، تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ (مترجم، سید نذیر نیازی)، بزم اقبال، کلب روڈ، لاہور ۱۹۵۸ء

......، کلیات اقبال (فارسی) شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۷۳ء

......، کلیات اقبال (اردو) اقبال اکادمی لاہور ۱۹۹۰ء

۵۵ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، خطبات بہاولپور اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور ۱۴۰۱ھ

......، عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی (نظر ثانی و اضافہ شدہ) اردو اکیڈمی لاہور ۱۹۸۱ء

۵۶ محمد عبد الحیٔ، ڈاکٹر، اسوہ رسول اکرم ﷺ کتب خانہ مظہری کراچی تاریخ اشاعت نامعلوم

۵۷ محمد کرم شاہ، پیر، ضیاء القرآن، (جلد اول تا پنجم) ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور ۱۴۰۰ھ

......، ضیاء النبیؐ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور ۱۴۱۸ھ

۵۸ مسلم، مسلم بن الحجاج القشیری، الجامع الصحیح، طبع محمد بن علی صبیح واولادہ، مصر، ۱۳۳۴ھ

۵۹ مصطفیٰ سباعی، من روائع حضارتنا (اردو ترجمہ، اسلامی تہذیب کے چند درخشاں پہلو از معروف شاہ شیرازی)، اسلامک پبلی کیشنز لاہور مارچ ۱۹۹۶ء

۶۰ معراج الدین، محمد سید الکونین ﷺ، حافظ مسعود امجد اینڈ برادرز لاہور تاریخ اشاعت نامعلوم

۶۱ منصور پوری، محمد سلیمان، قاضی، رحمۃ للعالمین، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۴۶ء

۶۲ مودودی، سید الوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن اچھرہ لاہور ۱۹۷۹ء

......، اسلامی ریاست، اسلامک پبلی کیشنز لاہور ۱۹۶۷ء

......، اسلامی تہذیب اور اس کے اصول ومبادی، اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور ۱۹۶۶ء

......، سیرت سرور عالم ﷺ تیسرا ایڈیشن (جلد ۲۔۱) ادارہ ترجمان القرآن لاہور ۱۹۸۰ء

۶۳ مونس زبیری، سرکار دو عالم ﷺ نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد ۱۹۸۱ء

۶۴ ناصر نصیر احمد، ڈاکٹر، پیغمبر اعظمؐ و آخر، اشاعت اول فیروز سنز لاہور تاریخ اشاعت نامعلوم

۶۵ نسائی احمد بن شعیب، السنن، المطبعہ المصریہ، ۱۹۳۰ء

۶۶ نعمانی، محمد منظور، مولانا، معارف الحدیث، دار الاشاعت کراچی ۱۹۸۳ء

۶۷ نعیم صدیقی، محسن انسانیتؐ، اسلامک پبلی کیشنز لاہور ۱۹۸۲ء

۶۸ الھاشمی، السید احمد، مختار الاحادیث النبویہ والحکم المحمدیہ، دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۱ء

۶۹ ہیکل، محمد حسین، حیات محمد ﷺ، طبع ششم، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور ۱۹۹۳ء

''دورِ حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اُس کا خاتمہ تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں''

سید عزیز الرحمن

اسلام دین رحمت، دین امن و سالمیت اور دین اخوت و مواسات ہے اور نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام داعی عدل و مساوات پیغمبر حلم وعفو اور علمبردار رحمت و رافت ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کائنات میں آدمی کو انسانیت کا جامہ پہنانے، اس کے اخلاق و عادات کی تہذیب و تربیت کرنے اور اس کے انداز و اطوار کو سجانے و سنوارنے کے لئے مبعوث کئے گئے، خود نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

انما بعثت لا تمم صالح الاخلاق

''مجھے تو خاص حسن اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا ہے۔''[۱]

انسان کے کردار و انداز کی تراش خراش، تہذیب و ترتیب اور سجانے سنوارنے کے تمام اقدامات اخلاق کا حصہ ہیں اور ایک کامل انسان وہی ہو سکتا ہے جس کے اخلاق ہر اعتبار سے کامل و مکمل ہوں، انسانی اخلاق کے تمام اہم پہلوؤں کے بارے میں آنحضرت ﷺ کی واضح ہدایات موجود ہیں جو اس سلسلے میں ہماری رہنمائی کرتی ہیں۔

قرآن حکیم بھی آپ کو نبی رحمت قرار دیتا ہے، فرمایا گیا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ O

''اور ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر مبعوث کیا ہے۔''[۲]

اور خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بارے میں فرمایا:

بعثت داعیا و رحمة

''میں تو داعی حق اور رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔''[۳]

پھر اللہ تعالیٰ کی خاص صفات رحمٰن و رحیم ہیں، ان دونوں کا مادہ ایک ہی ہے یعنی رحم، قرآن حکیم کا آغاز بھی سورۂ فاتحہ سے ہوتا ہے جس کے آغاز ہی میں فرمایا گیا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ O الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ O

اور اسلام اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے۔ قرآن حکیم میں فرمایا گیا:[۴]

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ.

''(پسندیدہ) دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔''[۵]

اسلام کا مادہ ہی سلم ہے جس کے معنی ہیں سلامتی، عافیت اور ہر طرح کی مشکلات، مصائب اور رکاوٹوں سے مکمل برأت [۶] انسانی فطرت متنوع خیالات، متضاد، احساسات اور متفرق جذبات سے مرکب ہے، وہ تضادات جن کا اجتماع خارجی دنیا میں محال نظر آتا ہے، اس کے اندر ہمہ وقت موجود رہتے ہیں، اسے گرم بھی پسند ہے اور سرد بھی، اسے حضارت بھی پسند ہے اور بدویانہ تمدن میں بھی اسے خوبیاں دکھائی دیتی ہیں، وہ خرچ بھی کرتا ہے اور روک رکھنے کا بھی حریص ہے، محبت بھی ٹوٹ کر کرتا ہے اور اس کی نفرت بھی کم شدید نہیں، یہ تمام جذبات نہ صرف اس کے مزاج کا حصہ ہیں بلکہ وقتاً فوقتاً اس کے مختلف اقدامات اور سرگرمیوں پر بھی اثر انداز ہوتے رہتے ہیں لیکن قرآن اور حدیث متفقہ طور پر اس امر کے قائل ہیں کہ انسان کی فطرت ایک ہے۔ یہ تمام خارجی اثرات ہیں جو اس کے مزاج کے تلون سے فائدہ اٹھا کر اسے مختلف ٹکڑوں، گروہوں، شاخوں، مسالک، مذاہب اور فرقوں میں تقسیم کر دیتے ہیں، قرآن حکیم میں فرمایا گیا:

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ [۷]

پھر آپ یکسو ہو کر اپنا رخ دین کی طرف رکھئے۔ اللہ کی دی ہوئی فطرت پر جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اور اللہ کی بنائی ہوئی (فطرت) میں کوئی تغیر و تبدیل نہیں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اذا سمعتم بجبل زال عن مکانه فصدقوا واذا سمعتم برجل تغیر عن خلقه فلا تصدقوا به وانه یصیر الی ماجبل علیه. [۸]

اگر تم سنو کہ کوئی پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل گیا ہے تو تم اسے تو سچ مان لینا لیکن اگر یہ سنو کہ کوئی آدمی اپنی جبلت (سرشت) سے بدل گیا ہے تو اسے قطعاً سچ نہ ماننا کیونکہ (آخر کار ہر) آدمی اسی طرف لوٹے گا جو اس کی سرشت ہے۔

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسرے مقام پر فرمایا:

مامن مولود الایولد علی فطرة فابواه یهودانه اوینثر انه و یمجسانه. [۹]

اور دوسری روایت میں ارشاد ہے:

کل مولود یولد علی الفطرة حتی یعرب عنه لسانه، فاذا اعرب عنه لسانه اما شاکراً واما کفوراً. [۱۰]

ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، یہاں تک کہ اسے زبان مل جائے پھر جب وہ اپنی بات کہنے کے قابل ہو جاتا ہے تو یا تو وہ شکر گزار بنتا ہے یا ناشکرا۔

اور اب تو حیاتیات و بشریات کے ماہرین نے بھی طویل تحقیق کے بعد اس امر کا اعتراف کیا ہے جو اسلام آج سے چودہ صدی قبل بیان کر چکا ہے کہ بچہ فطرتاً معصوم پیدا ہوتا ہے اور اس کی فطرت میں دوسرے انسانوں کے ساتھ کسی قسم کا تعصب یا رقابت کے جذبات نہیں ہوتے، یہ تعصبات و احساسات تو بعد میں ماحول اس کے اندر پیدا کرتا ہے جس کی بناء پر وہ بعض لوگوں کے لئے محبت کے جذبات پیدا کر لیتا ہے اور بعض کے لئے نفرت کے۔ [۱۱]

اسی لئے امام قرطبی فرماتے ہیں کہ:

خلق انسانی جبلت اور فطرت کو کہتے ہیں اور اس کے اعتبار سے انسانوں کے درجات باہم متفاوت ہیں، سو اگر کسی شخص میں کوئی اچھی صفت غالب حالت میں موجود ہے تو یہ اچھی بات ہے اور امر محمود ہے اور اگر ایسا نہیں ہے تو وہ شخص (من جانب اللہ) اس پر مامور ہے کہ وہ مجاہدہ کر کے اس صفت کو اپنے اندر بیدار کرے، اسی طرح اگر یہ صفت موجود تو ہے مگر کمزور ہے تب بھی اس کو حکم دیا جائے گا کہ وہ اس صفت کو قوی کرے۔[۱۲]

انسان کا یہ مزاج دوسروں کے ساتھ اس کے تعلقات، میل جول، معاملات اور روابط میں اس پر اثر انداز ہوتا ہے اسی سے دوستیاں ہوتی ہیں، تعلقات قائم ہوتے ہیں، برادریاں بنتی ہیں اور اسی کی بنیاد پر اختلافات رونما ہوتے ہیں جو بڑھتے بڑھتے لڑائی محاذ آرائی اور مخالفت کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

زیر بحث موضوع بھی اسی انسانی مزاج کے تلون سے براہ راست تعلق رکھتا ہے، آج پوری دنیا مختلف انتہاؤں کو چھو رہی ہے، اسی انتہا پسندی نے دنیا کا امن تہہ و بالا کر دیا ہے اور انسانیت اسی کے سلط کے نیچے دبی ہوئی سسک رہی ہے، یہ انتہا پسندی مختلف نوعیت کی ہے۔ عالمی اداروں کا مالی و معاشی تسلط بھی انتہا پسندی ہے، عالمی سطح پر چند ممالک کی سائنس و ٹیکنالوجی پر جبری گرفت بھی انتہا پسندی ہے، چند سرکردہ ممالک کی پوری دنیا پر سیاسی تسلط کی خواہش اور اس سلسلے میں انسانی حقوق کی سنگین خلاف ورزیاں کرتے ہوئے پوری دنیا میں اقدامات بھی انتہا پسندی ہی کی مثال ہیں لیکن سردست ہمارا موضوع مذہبی انتہا پسندی تک محدود ہے، مذہبی انتہا پسندی کیا ہے؟ بنیاد پرستی اور فرقہ واریت کا آپس میں کیا تعلق ہے؟ یہ انتہا پسندانہ سرگرمیاں کن کن طبقات فکر کی نمائندگی کرتی ہیں؟ اور کون سے مذہبی گروہ اس میں براہِ راست ملوث ہیں؟ نیز انتہا پسندی خواہ ملکی و داخلی نوعیت کی ہو یا بین الاقوامی و بین المذاہب نوعیت کی، ان تمام صورتوں میں اسلام کیا کہتا ہے اور ہادیٔ برحق نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات، ہدایات اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنا تعامل کیا ہے؟ یہ اور اس حوالے سے دوسرے موضوعات کو اس مضمون میں سمیٹنے کی کوشش کی گئی ہے۔

واللہ الموفق وھو المستعان.

انتہا پسندی اور بنیاد پرستی:

انتہا پسندی اور بنیاد پرستی مغرب کی جانب سے کی جانے والی تعریف کی رو سے بھی کوئی ایسی چیز نہیں جس کا نام سن کر مسلمان کسی قسم کی شرمندگی یا احساس ندامت محسوس کریں۔ یہ ایک گلوبل حقیقت ہے، ایک غیر مسلم مغربی قلم کار کیرن آرم اسٹرانگ کے بقول:

بنیاد پرستی ایک عالمی (گلوبل) حقیقت ہے اور ہماری جدیدیت کے جواب میں ہر بڑے عقیدے میں رونما

ہو چکی ہے، بنیاد پرستانہ یہودیت ہے، بنیاد پرستانہ عیسائیت ہے، بنیاد پرستانہ ہندومت ہے، بنیاد پرستانہ بدھ مت ہے، بنیاد پرستانہ سکھ مت ہے اور یہاں تک کہ بنیاد پرستانہ کنفیوشس مت بھی موجود ہے۔ [۱]

حقیقت یہ ہے کہ انتہا پسندی اور بنیاد پرستی ایک عالمگیر حقیقت ہے اور ہر طبقہ فکر، ہر مذہب اور ہر علاقے میں موجود ہے، فرق صرف یہ ہے کہ بعض چیزیں میڈیا کے اس دور میں سامنے آگئی ہیں یا انہیں بعض مقاصد کے تحت سامنے لایا جا رہا ہے جب کہ بعض دوسری ان سے بڑی حقیقتیں مناسب کوریج نہ ملنے کے سبب پس منظر میں چلی گئی ہیں اور بدقسمتی سے آج اسلام اس حوالے سے خصوصی ہدف بنا ہوا ہے جس کے اسباب ہمیں اسلام میں نہیں آج کی مخصوص بین الاقوامی اور عالمی سیاست میں تلاش کرنے ہوں گے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ انتہا پسندی خود اہل مذہب کے ساتھ نہیں، درحقیقت جس طرح یہ انتہا پسندی خدا کو ماننے والے اہل مذہب (آسمانی مذاہب) کے ہاں پائی جاتی ہے، اسی طرح لامذہبیت کے دعوے دار اور سیکولرازم کے علمبردار بھی اس سے بری نہیں بلکہ بعض صورتوں میں تو وہ اہل مذہب سے زیادہ انتہا پسند نظر آتے ہیں، آخر انہیں بھی تو انتہا پسند ہی کہا جائے گا جو یہ کہتے ہیں کہ:

> ''خدا کا تصور اپنی افادیت کے آخری مقام پر پہنچ چکا ہے، وہ مزید ترقی نہیں کر سکتا، مافوق الفطرت طاقتیں دراصل مذہب کا بوجھ اٹھانے کے لئے انسانی ذہن نے اختراع کی تھیں، پہلے جادو پیدا ہوا، پھر روحانی تصرفات نے اس کی جگہ لی پھر دیوتاؤں کا عقیدہ ابھرا اور اس کے بعد ایک خدا کا تصور آیا، اس طرح ارتقائی مراحل سے گزر کر مذہب اپنی آخری حد تک پہنچ کر ختم ہو چکا ہے، کسی وقت یہ خدا ہماری تہذیب کے ضروری مفروضے اور مفید تخیلات تھے مگر اب جدید ترقی یافتہ عہد میں وہ اپنی ضرورت اور افادیت کھو چکے ہیں۔'' [۲]

اور سائنس کا ایک پروفیسر کہتا ہے کہ

> ''سائنس نے ثابت کر دیا ہے کہ مذہب تاریخ کا سب سے زیادہ دردناک اور سب سے بدترین ڈھونگ تھا۔'' [۳]

سیکولرازم اگرچہ اس دعوے کے ساتھ ابھرا تھا کہ کسی ملک کی اجتماعی پالیسی مذہبی امور میں عدم مداخلت کی بنیاد پر استوار کی جائے گی مگر عملاً وہ ایک زبردست مخالف مذہب قوت بن گیا تھا۔ [۴]

ایسے میں کیرن آرم اسٹرانگ کی یہ رائے کس قدر حقیقت پسندانہ اور گھر کی گواہی کی حیثیت رکھتی ہے کہ

> ''مذہب نے ماضی میں ظلم وستم کیا ہے تاہم سیکولرازم نے اپنی مختصر تاریخ میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ وہ بھی اتنا ہی متشددانہ ہو سکتا ہے جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، اکثر و بیشتر سیکولر جارحیت اور ایذا رسانی نے ہی مذہبی عدم رواداری اور نفرت میں اضافہ کیا ہے۔'' [۵]

دلچسپ بات یہ ہے کہ بنیاد پرستی کی اصطلاح کا باقاعدہ اور پہلی بار آغاز بھی عیسائیت ہی کی طرف سے کیا گیا، اس

اصطلاح کو سب سے پہلے امریکی پروٹسٹنٹوں نے استعمال کیا تھا، بیسویں صدی کے ابتدائی عشروں میں ان میں سے بعض نے زیادہ لبرل پروٹسٹنٹوں سے ممتاز کرنے کے لئے اپنے آپ کو بنیاد پرست کہنا شروع کر دیا۔ ان کی رائے میں لبرل پروٹسٹنٹ عیسائی عقیدے کو مکمل طور پر مسخ کر رہے تھے۔ [۶]

انتہا پسندی اور اسلام:

دیکھا جائے تو اس وقت صورتحال یہ ہے کہ اسلام خود انتہا پسندی کے نرغے میں ہے اور مسلمانوں کو مذہبی بنیادوں پر دنیا کے بہت سے ممالک میں بنیادی انسانی حقوق کے حصول میں دشواری اور مشکلات کا سامنا ہے، اور انہیں مختلف حوالوں سے ہراساں کیا جارہا ہے، یہ صورتحال پوری دنیا میں ہے مگر مغرب کا رویہ خصوصیت سے افسوس ناک اور قابل مذمت ہے۔ اس اعتبار سے بھی کہ انسانی حقوق رواداری، برداشت، تحمل اور اعتدال پسندی کی جن اعلیٰ وارفع روایات کا ان کی جانب سے دوسروں خصوصاً مسلمانوں کو درس دیا جارہا ہے خود ان کے ہاں اس کے نصف حصے پر بھی عمل ہوتا ہوا نظر نہیں آ رہا۔ وہ روادار ہیں لیکن صرف اپنے معاملات میں، وہ اعتدال پسند بھی ہیں مگر محض اپنوں کے لئے دوسروں کے لئے ان کا رویہ قطعاً وہ نہیں جو ان کا اپنے شہریوں کے ساتھ ہے اور ان کے اقدامات کے غیر عادلانہ ہونے کے لئے یہی ثبوت کم نہیں۔

انتہا پسندی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب کوئی قوم یہ تصور کرلے کہ نہ صرف حق اس کے پاس ہے بلکہ اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ اسے دوسروں پر مسلط کیا جائے اگر مخاطب نہ مانے تو اس پر تشدد کیا جائے اور اس سے بزور منوایا جائے، مذہب کے معاملے میں یہ ذہنیت آپس میں ٹکراؤ بلکہ جنگوں کو جنم دیتی ہے، ایسا کئی بار تاریخ میں ہوا ہے اور اب بھی ہو رہا ہے۔ [۷] اور موجودہ حالات میں پہلے افغانستان اور پھر عراق پر امریکی حملہ اس کی تازہ ترین مثال ہیں۔

اصل حقیقت:

پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مسلمانوں کو اگر بنیاد پرست اور قدامت پسند اس بنیاد پر کہا جاتا ہے کہ وہ ترقی سے گریزاں ہیں یا جدید انکشافات وایجادات سے خوف زدہ ہیں اور ان سے استفادہ کرنے سے انکار کرتے ہیں اور قدیم انداز میں ہی رہنا اور زندگی گزارنا پسند کرتے ہیں تو یہ الزام سراسر الزام ہی ہے اور کچھ حقیقت نہیں رکھتا، مسلمانوں میں ایسا کوئی گروہ، فرقہ یا ٹولہ موجود نہیں جو اس قسم کے یا اس سے ملتے جلتے نظریات یا خیالات رکھتا ہو، جبکہ اس کے برعکس خود عیسائیوں میں ایسے گروہ موجود ہیں جو محاورتاً نہیں حقیقتاً آج بھی جنگل کی زندگی کو نہ صرف پسند کرتے ہیں اور اس پر قانع ہیں بلکہ شہری تمدن کی تمام روایات، لوازم اور آسائشیں ان کے لئے ممنوع ہیں۔

مثال کے طور پر لنکا سٹر کاؤنٹی امریکہ کی ریاست پنسلوینیا میں ہے، یہاں آمش لوگ کثیر تعداد میں آباد ہیں۔ یہ لوگ بجلی، فون، گیس اور دیگر سائنسی سہولتیں استعمال نہیں کرتے، دستی آلات سے کھیتی باڑی کرتے ہیں، گھوڑا گاڑی کے ذریعے سفر کرتے ہیں اور صدیوں پرانی طرز پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ آمش لوگ تین سو برس قبل جرمنی سے امریکہ جا کر آباد ہوئے تھے، کٹر

مذہبی لوگ ہیں، چرچ کی راہ نمائی پر یقین رکھتے ہیں، امریکہ میں رہنے کے باوجود اس کے نظام سیاست میں شریک نہیں ہیں، نہ ووٹ مانگتے ہیں نہ دیتے ہیں، موم بتی اور لالٹین کی روشنی میں رہتے ہیں، مقامی سطح پر تیار کردہ گیس استعمال کر لیتے ہیں، عورتیں گھریلو زندگی بسر کرتی ہیں، مردوں کے لئے سیاہ لباس، داڑھی اور سر پر ہیٹ پہننا لازمی ہے، فوٹو نہیں کھنچواتے اور نہ ہی گھر میں رکھتے ہیں۔ خچروں کے ذریعے کھیتی باڑی کرتے ہیں، گھوڑوں والی بگھی ان کا عام ذریعہ سفر ہے، دستی ہینڈ پمپ اور ہوائی پنکھوں سے چلنے والے نلکے ان کے ہاں پانی حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں، وہ صدیوں پرانی رسموں کے ساتھ کاربند ہیں ان کی تعداد امریکہ میں نوے ہزار کے لگ بھگ ہے، یہ چوبیس ریاستوں میں پھیلے ہوئے ہیں، لنکاسٹر کاؤنٹی میں ان کا گاؤں ''انٹرکورس'' کے نام سے معروف ہے۔ [8]

اسلام کا نقطۂ نظر:

اسلام کی رو سے تو انتہا پسند وہ ہے جو اسلام کی طے کردہ اور تعلیم فرمودہ حدود سے تجاوز کرتا ہے، نہ کہ وہ اس کی ہدایت وتعلیمات پر دل و جان سے عمل پیرا ہوتا ہے۔ اصل میں انتہا پسندی اور بنیاد پرستی کی اصطلاحات مغرب سے آئی ہیں اور ان کا موقف یہ ہے کہ ہر وہ مسلمان جو دین پر پوری طرح عمل پیرا ہونے کی کوشش کرتا ہے اور اس کے مظاہر یا شعائر کا اہتمام کرتا ہے۔ وہ بنیاد پرست ہے، حالانکہ دین پر اہتمام سے عمل پیرا ہونا اور اس کے احکامات کو کامل طریقے سے بجالانا تو خود خدا کا حکم ہے۔ قرآن میں فرمایا:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً [9]

اور کامل طریقے سے دین میں داخل ہونے کا یہی معنی ہے کہ وہ تمام احکامات کو بجالانے کی کوشش کرتا ہے، مغرب کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ حجاب کی پابندی، نماز، روزے کی پابندی، شراب وغیرہ منکرات سے پرہیز ڈاڑھی وغیرہ کے ساتھ شرعی وضع قطع رکھنا، یہ سب چیزیں بنیاد پرستی ہیں اگر یہی سب کچھ بنیاد پرستی ہیں تو پھر ان کو چھوڑ کر اسلام کہاں باقی بچتا ہے؟ پھر دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں جس کی کوئی بنیاد نہ ہو، ہر مذہب کی بنیاد ہے، اسلام کی بھی ایک مضبوط بنیاد ہے اور وہ پانچ چیزیں ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے، اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور نماز پڑھنا اور زکوٰۃ ادا کرنا اور حج ادا کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔ [10]

مسلم مفکرین کے خیالات:

بنیاد پرستی کے حوالے سے مسلم مفکرین کے خیالات بھی اہم ہیں۔ تیونس کے جلا وطن رہنما راشد الغنوشی کہتے ہیں کہ اسلام سے مغرب کی دشمنی کی لاعلمی سے ابھری ہے، یہ عیسائیت کے برے تجربے سے بھی پیدا ہوئی ہے جس نے سوچ اور تخلیقیت کا گلا گھونٹ دیا تھا۔ [11]

اور علامہ یوسف قرضاوی کہتے ہیں کہ یہ مغرب کے لئے بہتر ہی ہے کہ مسلمان مذہبی ہوں، اپنے مذہب سے مخلص

ہوں اور اچھے اخلاق والے بننے کی کوشش کریں...... بہت سے مغربی لوگ بھی اپنی زندگیوں میں روحانیت کی عدم موجودگی سے بے آرامی محسوس کر رہے ہیں۔[۱۴]

مولانا سلیم اللہ خان فرماتے ہیں کہ خود مغرب و یورپ کے روحانی پیشوا جس انتہاء پسندانہ بنیاد پرستی کا شکار ہیں اس تناظر میں ہم مسلمانوں پر اپنے دین و مذہب کی تعلیمات پر عمل کے جرم میں بنیاد پرستی کا الزام لگانا ایک مضحکہ خیز پروپیگنڈہ ہے اس طرز فکر کے خول سے باہر نکل کر وہ اپنے مذہبی پیشواؤں کی انتہا پسندانہ طرز فکر کو بنیاد پرستی کا نام کیوں نہیں دیتے؟ مغرب کی پاپائیت مذہبی تعلیمات سے ذرہ برابر انحراف کرنے والوں کو اپنے دین و مذہب کا باغی اور برگشتہ قرار دیتی ہے۔ آخر بنیاد پرستی کا نزلہ مسلمانوں پر ہی کیوں گرتا ہے؟[۱۵]

اور معروف دانشور پروفیسر ڈاکٹر مہدی حسن کہتے ہیں کہ اسلامی بنیاد پرستی، اسلام ازم، انقلابی اسلام جیسی اصطلاحات کوئی مفہوم نہیں رکھتیں، اسلام کا جو فلسفہ ہے وہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے جب کہ ریاست انسانی کی بنائی ہوئی ہے، یہ بدل سکتی ہے لیکن اسلام کا فلسفہ اصل ہے۔[۱۶]

اس تفصیل کی روشنی میں بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اسلام کا انتہا پسندی، بنیاد پرستی، شدت پسندی یا اس طرح کی دیگر اصطلاحات سے کوئی تعلق نہیں۔ اسلام ایک ہے اور وہ وہی ہے جو قرآن و سنت سے ثابت ہے اور اس میں نہ کوئی شخص کمی کر سکتا ہے نہ کسی کو اس میں اضافے کا حق حاصل ہے، اگر اسلامی تعلیمات کے خلاف کسی شخص یا گروہ کا کوئی عمل پایا جائے تو اسے اسلام کی ہدایت کی روشنی میں پرکھا جائے گا، نہ یہ کہ کسی شخص کے عمل پر اسلام کی بنیاد رکھی جائے۔

جہاد اور دہشت گردی

امت مسلمہ کو آج جس مسئلے کا سب سے زیادہ سامنا ہے وہ دہشت گردی کا معاملہ ہے، پوری دنیا میں اس وقت یہ کیفیت ہے کہ ہر مسلمان کو مشکوک نظروں سے دیکھا جا رہا ہے اور خود اسلام ہی کو (نعوذ باللہ) دہشت گردی کا مذہب قرار دے دیا گیا ہے اور جو زیادہ مصلحت پسند بننے کی کوشش کرتا ہے وہ بھی اس قدر ضرور کہتا ہے کہ اسلام تو امن و سلامتی کا مذہب ہے مگر بعض مسلمان دہشت گردی میں مبتلا ہیں، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ خود مسلمان سب سے زیادہ دہشت گردی کا شکار ہیں پھر اگر کہیں پر مسلمان تنگ آمد بجنگ آمد کے مصداق اپنی بقاء و سلامتی کے تقاضوں کے تحت جہاد کا علم بلند رکھے ہوئے ہیں تو مغربی قوتیں جارح کو تنبیہ کرنے کی بجائے الٹا مسلمانوں ہی کو مورد الزام ٹھہرا رہی ہیں۔

سب سے پہلا مرحلہ یہ ہے کہ یہ طے کیا جائے کہ دہشت گرد ہے کون؟ ایک شخص کے نزدیک جو دہشت گرد ہے وہ دوسرے کے نزدیک مجاہد حریت ہے اور یہ حقیقت ہے کہ ۱۹۸۰ء کے عشرے میں جب ڈک چینی جیسے سیاست دان نیلسن منڈیلا کو دہشت گرد قرار دے رہے تھے، اس وقت امریکی حکومت اسامہ بن لادن اور ان کے ساتھیوں کو جنگ آزادی کے سپاہی قرار دے کر ان کی تعریف کر رہی تھی۔ فلسطین کے رہنما یاسر عرفات دہشت گرد تھے اور اب وہ دہشت گرد نہیں۔ آئر لین کی سن فین

(Sinn Fein) کے جیری آدمس بھی جنوبی افریقہ کے نیلسن منڈیلا کی طرح دہشت گرد تھے اور اب وہ بڑے عظیم مدبر اور رہنما ہیں۔ کم از کم تین اسرائیل وزرائے اعظم یا تو خود اپنے اعتراف کے مطابق دہشت گرد تھے یا ان پر دہشت گردی کی کارروائیوں میں ملوث ہونے کا الزام قانونی طور پر لگایا جا سکتا تھا۔ [۱]

۲۵ اکتوبر ۱۹۸۴ء کو امریکہ کے وزیر داخلہ جارج شلز نے دہشت گردی پر ایک طویل تقریر کی لیکن اس میں ایک جگہ بھی لفظ دہشت گردی کی وضاحت نہیں کی گئی تھی۔ اس کا خلاصہ یہ تھا کہ:

۱۔ جدید وحشیانہ پن کو دہشت گردی کہتے ہیں۔

۲۔ دہشت گردی دراصل سیاسی تشدد کی ایک شکل ہے۔

۳۔ دہشت گردی مغربی تہذیب کیلئے ایک دھمکی کا نام ہے۔

۴۔ دہشت گردی، مغربی اخلاقی اقدار کے لئے ایک خطرہ ہے۔ [۲]

غور طلب بات یہ ہے کہ یہ لوگ دہشت گردی کی تعریف بیان نہیں کرتے اس لئے کہ تعریف بیان کرنے کا مطلب ہے تجزیے، گرفت یا کسی قسم کی مستقل مزاجی سے وابستگی اور یہ صورت ان کے مقاصد کی راہ میں رکاوٹ بن سکتی ہے۔ ویسے بھی اقوام متحدہ میں غیر جانبدار گروہ نے دہشت گردی کی یہ تعریف کی ہے:

> وہ پر تشدد کام جو لوگوں کے ایک گروہ سے سرزد ہوتے ہیں، ان کی زندگیوں اور بنیادی آزادی کو خطرے میں ڈالتے ہیں اور ان کے اثرات ایک ریاست تک محدود نہ ہوں بہرحال اس سے نو آبادیاتی اور نسلی حکومتوں کے تحت ناقبل انتقال حقوق اور اپنے متعلق خود فیصلہ کرنے کا حق متاثر نہیں ہونا چاہئے۔ [۳]

جس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ کشمیر ہو یا فلسطین اور ماضی کا جنوبی افریقہ ہو یا الجزائر جہاں کہیں بھی بنیادی انسانی حقوق کی پامالی کے خلاف کوئی تحریک برپا ہوئی وہ نہ دہشت گردی تھی نہ کوئی جرم۔

دہشت گردی کے حوالے سے اسلام کا موقف بالکل واضح ہے اور دنیا کے مختلف حصوں میں جاری مسلم تحریکوں پر دہشت گردی کی کوئی تعریف صادق نہیں آتی۔ کیوں کہ اسلام نے فطری تقاضوں کا ہر موقع پر پورا پورا لحاظ رکھا ہے۔ یہ تمام تحریکیں ردعمل کی تحریکیں ہیں اور ردعمل کا قانون ہمیشہ عمل سے مختلف ہوتا ہے اور جس بات کی عام حالت میں اجازت نہیں ہوتی، ردعمل کے موقع پر اسے گوارا کر لیا جاتا ہے، کیوں کہ انسانی فطرت کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ انسان کے جذبات دونوں مواقع پر یکساں نہیں ہوتے، اسی لئے قرآن حکیم میں فرمایا گیا:

> ''اللہ کو پسند نہیں کہ کوئی شخص کسی کی بری بات کو ظاہر کرے، ہاں مگر جس پر ظلم ہوا ہو۔'' [۴]

دنیا بھر میں جاری اسلامی تحریکات اور عسکری سرگرمیوں کو اسی قانون کی روشنی میں دیکھنا ہوگا ورنہ ہم حقائق تک کبھی رسائی حاصل نہیں کر سکیں گے۔

اصل میں دہشت گردی اور جہاد کو غلط کر دیا گیا ہے اگر مطلق اسلحہ اٹھانا ممنوع ہے تو پھر مغربی اقوام دھڑا دھڑ اسلحے کے

انبار کیوں لگا رہی ہیں؟ حفاظتی اداروں، ایجنسیز اور ملٹری کے پاس اسلحہ کیوں ہوتا ہے؟ ظاہر ہے کہ اسلحہ بذات خود برا نہیں بلکہ اگر اس کا استعمال برا ہے تو رکھا ہی کیوں جاتا ہے؟ اور اگر رکھا بھی جائے تو استعمال کیوں کیا جاتا ہے؟ آخر خود اقوام متحدہ کی چھتری تلے اسلحہ استعمال ہوا اور ہوتا رہتا ہے؟ ثابت یہی ہوتا ہے کہ نہ اسلحہ رکھنا برا ہے نہ بنانا، نہ اس کا استعمال کرنا، اصل چیز جو غلط ہے وہ استعمال کا طریقہ کار، وجوہ و اسباب اور اغراض و مقاصد ہیں اگر یہ درست ہیں تو اسلحے کا استعمال بھی درست ہے اور اگر یہ غلط ہیں تو اسلحہ کا استعمال بھی غلط ہے، آیئے ان نکات کی روشنی میں جائزہ لیتے ہیں کہ اسلام نے جہاد کا جو حکم اور اجازت دی ہے اس کی شرائط کیا ہیں؟ اور اس کی حدود و قیود کیا ہیں؟

۱۔ اسلام کا مقصد جہاد کی اجازت دینے سے فتنے کا خاتمہ ہے، صاحب تفسیر مظہری فرماتے ہیں:

قتال و جہاد کا حکم زبردستی دین قبول کرنے کیلئے نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد زمین سے فتنہ و فساد کا ناپید کر دینا ہے۔[۵]

قرآن حکیم میں فرمایا:

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ[۶]

''اور تم ان (مشرکین، مفسدین) سے لڑو حتیٰ کہ فتنہ ختم ہو جائے۔''

۲۔ نہ لڑنے والوں کے بارے میں یہی حکم ہے کہ ان سے نہ لڑا جائے۔ قرآن حکیم میں فرمایا گیا ہے کہ:

''اللہ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے نہیں روکتا جو دین کے معاملے میں تم سے نہیں لڑے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا۔''[۷]

۳۔ جہاد صرف اللہ کی رضا کے لئے ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

جنگ دو طرح کی ہوتی ہے لہٰذا جس نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی چاہی، اپنے امام کی پیروی کی، اپنا قیمتی سرمایہ خرچ کیا اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ رفق و ملاطفت سے پیش آیا اور فتنہ و فساد سے بچا تو پھر بے شک اس کا سونا اور جاگنا سب کار ثواب ہے اور جس نے بڑائی دکھانے اور شہرت کی خاطر جنگ کی اور امام کی نافرمانی کی اور زمین پر فساد برپا کیا وہ ثواب سے محروم رہا۔[۸]

۴۔ اسی لئے اسلام نے دشمن سے مڈبھیڑ کی تمنا کرنے سے بھی منع کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ایھا الناس، لا تتمنو القاء العدو وسلوا اللّٰہ العافیۃ۔[۹]

''اے لوگو! دشمن سے مڈبھیڑ کی تمنا نہ کرو اور اللہ سے عافیت مانگو۔''

۵۔ اور اسی لئے دوران جہاد بڑوں بچوں اور عورتوں کو قتل کرنے سے بھی منع فرمایا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اللہ کے نام اور اس کی امداد اور رسول خدا کی ملت میں رہتے ہوئے روانہ ہو جاؤ کسی شخص یعنی چھوٹے بچے اور عورت کو قتل نہ کرو، مال غنیمت میں خیانت نہ کرو اور تمام مال غنیمت کو اکٹھا کرو، اصلاح کرو اور احسان کرو کیوں کہ اللہ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔[۱۰]

۶۔ اسی بناء پر حضرت زہرہ بن الحویہؓ نے جنگ قادسیہ کے موقع پر رستم کے سوالوں کا جواب دیتے ہوئے اسلام کے نظریہ جہاد کی وضاحت ان الفاظ میں کی تھی۔

واللہ جاء بنا لنخرج من شاء من عبادۃ العباد الی عبادۃ ومن ضیق الدنیا الی سعتھا ومن جور الادیان الی عدل الاسلام [۱]

واللہ ہم اس لئے آئے ہیں کہ لوگوں کو مخلوق کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی کی طرف لگائیں اور انہیں دنیا کی سختی سے اس کی وسعتوں کی طرف اور باطل ادیان کے جور وظلم سے نکال کر اسلام کے عدل کی طرف لے آئیں۔

ہمارا مقصد خدا کے بندوں کو انسانوں کی بندگی سے نکال کر خدا کی پرستش پر لگا دینا ہے اس لئے کہ تمام انسان آدم وحوا کی اولاد ہیں اور ایک ماں باپ ہونے کی حیثیت سے وہ سب بھائی بھائی ہیں۔

ان نکات کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام کا فلسفۂ جہاد مغرب کی سوچ سے یکسر مختلف ہے اور اگر دلائل کی بات کی جائے تو پھر کوئی ذی فہم شخص اس کی حقانیت سے انکار نہیں کر سکتا۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ایک حقیقت ہے کہ انتہا پسندی مذاہب عالم کی تاریخ کا ایک تکلیف دہ مگر ناگزیر حصہ ہے جس کے چند مظاہر ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں۔

مذہبی انتہا پسندی اقوام عالم میں

اسلام کی آمد سے قبل دنیا جہاں ان گنت مصائب سے دوچار تھی وہیں مذہبی شدت پسندی بھی عروج پر تھی اور مذہبی آزادی کا کوئی تصور نہ تھا۔ علامہ فرید وجدی کے بقول:

مذہب کے قبول کرنے پر مجبور کرنے میں بے رحمی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ جو لوگ انکار کرتے تھے وہ بھڑکتی ہوئی آگ کے حوالے کیے جاتے اور پھاڑنے والے حیوانات کے آگے ڈال دیئے جاتے تھے یا ان کی دونوں ٹانگیں دو گھوڑوں کے پاؤں میں باندھ کر ان کو مختلف سمتوں میں چھوڑ دیتے تھے، تانبہ پگھلا کر ان پر ڈالتے تھے ان کو مدھم آگ پر کئی کئی روز تک لٹکائے رکھتے تھے اور ان کی شور وفریاد اور آہ وفغاں کی بالکل پرواہ نہیں کرتے تھے، ان کا گوشت کٹ کٹ کر گرتا جاتا اور چربی پگھل کر بہتی جاتی تھی۔ [۱]

آیئے دیکھتے ہیں کہ مختلف حکومتوں اور مذہب کا ماضی وحال میں اس حوالے سے کیا کردار ہے؟

روما:

قبل از اسلام دو اہم حکومتوں میں سے ایک روما کی حکومت ہے، اس کے بارے میں دستیاب تفصیلات یہی بتاتی ہیں کہ وہاں دیگر اخلاقی اور معاشرتی برائیوں کے علاوہ مذہبی انتہا پسندی بھی عروج پر تھی اور یہ عالم تھا کہ جس کسی شخص کے بارے میں بھی یہ علم ہوتا تھا کہ وہ ان کی قید سے نجات حاصل کرنے کا خواہاں ہے تو وہ فوراً اس کے بارے میں الحاد وارتداد کا فتویٰ

دے کر اسے آگ میں جلا دیتے تھے، یا اسے ایسے دردناک عذاب میں مبتلا کرتے تھے کہ جس سے جانوروں کے بھی رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔[۲]

پھر رومی سلطنت میں ایک اور فتنہ عروج پر تھا، وہ تھا عیسائیوں کا باہمی تصادم، یہ تصادم عیسائیوں کے اس وقت کے دو معروف فرقوں کے مابین تھا، ایک تھے روم وشام کے ملکانی (Malkite) اور دوسرے تھے مصر کے مینوفرائس (Monophyrites) ان میں سے پہلے فرقے کے عقائد کو حکومت وقت کی سرپرستی حاصل تھی جس نے اسے بہ جبر پوری ریاست پر مسلط کرنے کی کوشش کی، مخالفین کو سخت ترین سزائیں دیں اور دونوں فرقے ایک دوسرے کو بددین قرار دیتے رہے۔[۳]

ایران:

دوسری جانب اہل ایران نے قوم پرستی کو مذہب کا درجہ دے رکھا تھا اور یہ قوم پرستی اس انتہا پر تھی کہ وہ خیال کرتے تھے کہ انہیں دنیا کی ہر قوم ونسل پر برتری حاصل ہے اسی لئے یہ دوسری اقوام کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور ان کے لئے ایسے نام تجویز کرتے تھے جن میں تمسخر اور تضحیک کا انداز نمایاں ہوتا تھا۔[۴]

ہندومت:

ہندومت میں مذہب کی بنیاد طبقات پر ہے، اس بناء پر طبقاتی تقسیم اس کے ہاں سب سے زیادہ ہے لیکن اس کی انتہا پسندی کا یہ عالم ہے کہ برہمن ہی کو سب اختیار حاصل ہیں اس کے مقابلے میں شودر کا درجہ انسانیت سے بھی کم تر ہے، ہندومت کا مذہبی قانون منوشاستر کے نام سے معروف ہے جسے منوجی نے مرتب کیا تھا۔ اس کے چند حصے ملاحظہ کیجئے تا کہ ہندومت کا یہ انتہا پسندانہ پہلو سامنے آسکے۔

۱۔ دنیا میں برہمن سب سے افضل ہے، برہمن دھرم کی مورت، نجات کا مستحق، دھرم کے خزانے کا محافظ ہے، دنیا میں جو کچھ ہے سب برہمنوں کے لئے ہے۔[۵]

۲۔ برہمن خواہ عالم ہو یا نہ ہو، بڑا دیوتا ہے اگرچہ برہمن دنیاوی کاموں میں بہت سی غلطیاں کرتا ہے تاہم ایشور کا جاننے والا ہونے کے سبب پوجنے کے قابل ہے۔[۶]

۳۔ برہمن کا حق ہے کہ وہ غلام شودر سے دولت چھین لے اور شودر اس میں کچھ تامل نہ کرے، اس لئے کہ وہ دولت کچھ اس کی ملکیت نہیں۔[۷]

۴۔ زنا بالجبر کی سزا قطع عضو تناسل ہے لیکن برہمن کو یہ سزا نہ دینی چاہئے، اس لئے کہ اس کو سزائے جسمانی دینے کی ممانعت ہے۔[۸]

۵۔ جو شودر بآواز بلند نام لے کر کہے کہ تو فلاں برہمن سے نیچے ہے تو اس کے منہ میں بارہ انگل کی آہنی میخ آگ میں سرخ کر کے جلتی ہوئی ڈالنی چاہئے۔[۹]

اس کے علاوہ ہندومت کی تعلیمات میں دوسرے مذاہب کے بارے میں بھی انتہا پسندی کے رجحانات کافی نمایاں

ہیں، سوامی دیانند کے الفاظ دیکھئے۔

دھرم کے مخالفوں کو زندہ آگ میں جلا دو، دشمنوں کے کھیتوں کو اجاڑ دو، گائے، بیل اور لوگوں کو بھوکا مار کر ہلاک کر دو، جس طرح بلی چوہے کو تڑپا تڑپا کر مارتی ہے، اسی طرح دشمنوں کو تڑپا تڑپا کر ہلاک کرو۔ [۱۰]

اور متحدہ ہندوستان میں جب انگریز کی پشت پناہی میں ہندوؤں نے مسلمانوں کے خلاف کارروائیاں شروع کیں تو مسلمانوں کے بارے میں ان کے کیا خیالات تھے؟ اور ہندوؤں کو ان کے رہنماؤں کی کیا ہدایات تھیں اس کا اندازہ ڈاکٹر کشور اوبلی رام کی اس رائے سے کیجئے، وہ کہتا ہے:

ہندوستان کا پورا کو چک ہندوؤں کا ہے جو اس میں ہزارہا سال سے رہتے سہتے چلے آئے ہیں اور مسلمان دنیا کے اس حصے میں اجنبی اور غیر ملکی ہیں۔ [۱۱]

ہندوؤں کی عدم برداشت کا یہ عالم تھا کہ انہیں مسلمانوں کا اس خطے میں رہنا گوارا ہی نہ تھا، راج کمار اتھی نے ہندو مسلم اتحاد کا یہ طریقہ کار پیش کیا تھا:

بلاشبہ ہندو مسلم ایکتا (اتحاد) نہیں ہو سکتی ہے جب تک سب مسلمان شدھ ہو کر ہندو نہ ہو جائیں۔ [۱۲]

ہندوستان میں مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے واردھا منصوبہ کے نام سے ایک تعلیمی پروگرام بھی شروع کیا گیا تھا جس میں ہندوؤں کے علاوہ مسلمانوں کے لئے بھی مہاتما گاندھی کی تصویر کی پوجا لازمی تھی۔ اردو سکولوں کے ہیڈ ماسٹروں کو ڈسٹرکٹ امراؤتی کے لوکل بورڈ کی جانب سے یہ حکم جاری ہوا تھا۔

صداقت اور عدم تشدد کا تمام عالم کو پیغام دینے والی عظیم المرتبت ہستی مہاتما گاندھی کی تصویر کی پوجا اور ان کے بلند نظریوں کے متعلق حاضرین کو نیک ہدایت دی جائے۔ [۱۳]

ہندوؤں کا یہ اچھا عدم تشدد تھا جس میں جبراً ایک ایسے مذہب کو پوجا پاٹ پر مجبور کیا جا رہا تھا جو بت پرستی کو بیخ دبن سے اکھاڑنے کا عملی دعویٰ رکھتا ہے۔

عیسائیت:

عدم برداشت کے سلسلے میں عیسائیت کی تاریخ ہندوؤں سے کم خفت آمیز نہیں ہے، ان کے بارے میں ایک انگریز ہی کا یہ تبصرہ خاصہ برمحل ہے کہ:

عیسائیت اپنے دور ابتلاء میں صلح و آشتی، عفو و درگزر کی تبلیغ کرتی رہی لیکن اقتدار حاصل کرنے کے بعد عیسائیوں نے بجائے عفو و درگزر سے کام لینے کے اپنے مخالفین سے عبرت ناک انتقام لیا، کلیسیا کا دستور تھا کہ ہر مخالفت کو بزور شمشیر کچلا جائے گا، غیر مذہب کے لوگوں کے لئے عیسائی بننے یا موت کے سوا کوئی راستہ نہ تھا، ایک راستہ شدید ایذاء کا دوسرا ناقابل برداشت جسمانی اذیت کا۔ [۱۴]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے کچھ عرصہ قبل ۶۱۰ء میں شہنشاہ فوقا (Fhocas) نے یہودیوں کی سرکوبی کے مشن پر انطاکیہ میں اس دور کے معروف فوجی افسر بنوسوس (Bonosus) کو بھیجا جس نے پوری یہودی آبادی کا خاتمہ کر دیا اور اس طرح کہ ہزاروں کو تلوار سے سینکڑوں کو دریا میں غرق کر کے، آگ میں جلا کر اور درندوں کے سامنے ڈال کر ہلاک کیا۔[15]

عیسائیت نے اسلام سے قبل یہودیوں کو بھی اپنے جبر کا نشانہ بنایا اور پھر اس کے ۲۰ برس بعد ۶۳۰ء میں رومی سلطنت کے شہنشاہ ہرقل (Heraclius) نے عیسائی پادریوں اور مذہبی رہنماؤں کے ایماء پر مفتوحین کا اس طرح قتل عام کیا کہ رومی سلطنت میں صرف وہی یہودی باقی بچے جو ملک چھوڑ کر چلے گئے یا کہیں یہ چھپے رہنے میں کامیاب ہو گئے۔[16]

اسی طرح تاریخ ہسپانیہ اور سانحۂ سقوط غرناطہ کا مطالعہ بھی اس سلسلے میں اہمیت رکھتا ہے جہاں عیسائیت کو یورپ کے قلب میں مسلمانوں کا وجود تک برداشت نہ ہوا حالانکہ مغرب کو اس امر کا خود اعتراف ہے کہ اس نے علوم وفنون میں ہسپانیہ سے خوب خوشہ چینی کی ہے۔ معروف مسلم دانشور محمد مارماڈیوک پکتھال کا تبصرہ اس معاملے میں مکمل طور پر مبنی بر حقیقت ہے وہ کہتے ہیں:

> کیا یہ سچ نہیں ہے کہ ہسپانیہ صقلیہ اور اپالیہ میں مسلمانوں کا ایسا قتل عام ہوا کہ ان ممالک میں مسلمانوں کا نام لیوا بھی باقی نہیں رہا، کیا یہ سچ نہیں ہے کہ یونان کی ۱۸۲۱ء کی بغاوت میں مسلمانوں کو چن چن کر یوں قتل کیا گیا کہ ان کا نام ونشان مٹ گیا اور ان کی مسجدوں کی لفظاً ومعناً اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی۔[17]

عیسائیت کی مذہبی انتہا پسندی کا بیان صلیبی جنگوں کے تذکرے کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا، یہ جنگیں طویل عرصے تک جاری رہیں۔ صلیبی جنگوں کی تاریخ کچھ یوں ہے کہ مسلمانوں کی جانب سے ساتویں صدی میں شام کو فتح کر لینے کے بعد تین صدیاں صلح و امن سے گزریں، اس کے بعد ترک حکمرانوں نے ایشیائے کوچک کا سارا علاقہ رومن شہنشاہوں سے لے لیا۔ درحقیقت صلیبی جنگوں کا یہ اولین محرک تھا۔ شہنشاہ الیکسز (Alexis) یوں تو اپنے مغربی عیسائی بھائیوں سے میل جول نہیں رکھتا تھا لیکن اس موقع پر اس نے ان سے تعاون کی درخواست کر دی، اس وقت اطالویوں نے ایشیائے کوچک اور فلسطین کے ساحل پر اپنی آبادیاں قائم کر رکھی تھیں، انہیں اپنی مقبوضات کی فکر دامن گیر ہوئی، انہوں نے ایک غیر مسلم مغربی قلم کار کے بقول ''مسلمانوں کے ظلم اور عیسائیوں کی مظلومیت کی داستانیں مشہور کر دیں اور یوں یورپ میں جوش واضطراب کی لہر دوڑ گئی۔''[18]

جب انہوں نے ۴۹۲ھ/۱۰۹۹ء میں بیت المقدس کو فتح کیا تو اس وقت ان کے مظالم کی تصویر کشی مشہور انگریز مورخ اسٹینلے لین پول (Stanley Lanepole) نے کی ہے:

> صلیبی سپاہی ملک میں اس طرح گھسے جیسے کوئی پرانی لکڑی میں پچر ٹھونکے۔ تھوڑی دیر کو یہی معلوم ہونے لگا کہ درخت اسلام کے تنے کو چیر کر اس کی چھپٹیاں اڑا دیں گے۔[19]

عیسائیوں نے اس موقع پر مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ ایک اور گواہی دیکھئے۔

''بیت المقدس میں فاتحانہ داخلے پر صلیبی مجاہدین نے ایسا قتل عام مچایا کہ بیان کیا جاتا ہے کہ ان صلیبیوں کے گھوڑے جو مسجد عمر سوار ہو کر گئے گھٹنوں گھٹنوں خون کے چشمے میں ڈوبے ہوئے تھے بچوں کی ٹانگیں پکڑ کر ان کو دیوار سے دے مارا گیا یا ان کو

چکر دے کر فصیل سے پھینک دیا گیا۔" [۲۰]

پھر عیسائیوں کے سینکڑوں فرقوں کے باہمی تعلقات بھی کوئی رواداری پر مبنی نہیں اس فرقہ پرستی کے ذریعے بھی مذہبی انتہا پسندی کے مظاہر سامنے آتے رہتے ہیں۔ یاد رہے کہ ان کے یہ اختلافات ماضی قدیم سے چلے آرہے ہیں چنانچہ کچھ عرصے قبل جنوبی امریکہ کی کونسل آف چرچز نے یہ فیصلہ کیا کہ چلی میں منعقد ہونے والی اسمبلی میں رومن کیتھولک نمائندوں کو نہ بلایا جائے، اس فیصلے کی وجہ وہاں پروٹسٹنٹوں اور کیتھولک فرقوں کے باہمی اختلافات ہیں جبکہ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کونسل میں اتحاد واتفاق، مکالمہ اور باہمی تعاون بھی شامل ہے۔ [۲۱]

اسی طرح دوسری جانب پروٹسٹنٹ راہنماؤں نے جو جنوبی میکسیکو کی ۴۰ فیصد آبادی کی نمائندگی کرتے ہیں کہا ہے کہ ہم گزشتہ بیس برس سے ظلم وستم برداشت کر رہے ہیں اور ہمارے ہزار ہا خاندانوں کو محض اس بناء پر ان کے گھروں سے بے دخل کر دیا گیا ہے کہ انہوں نے پروٹسٹنٹ مسیحیت قبول کر کے مقامی روایات کی تکذیب کی ہے اور اب وہ مسیحی برادری کا حصہ نہیں رہے صرف یہی نہیں بلکہ ان کے متعدد گرجے بھی ضبط کر لئے گئے ہیں۔ [۲۲] اہم بات یہ ہے کہ میکسیکو میں خود کیتھولک بھی دو گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ ان کے بڑے مذہبی رہنما ایک طرف ہیں اور چھوٹے پادری اور عوام دوسری جانب ہیں۔ [۲۳]

اسی طرح آئر لینڈ میں بھی پروٹسٹنٹ اور کیتھولک عیسائیوں کے مابین آویزش جاری ہے چند سال قبل ان میں شدید ہنگامے پھوٹ پڑے اور یہ جھگڑا کئی ہفتوں تک جاری رہا۔ اس دوران پانچ تاریخی گرجے جلا دیئے گئے۔ دونوں فرقوں نے ایک دوسرے کے گھروں کو لوٹا حتیٰ کہ مخالف فرقے کے گھر میں دستی بم پھینک کر تین معصوم بچوں کو ہلاک کر دیا گیا۔ برطانیہ نے فوج منگوائی، ٹینک، بکتر بند گاڑیاں حرکت میں آئیں اور تب اس طرح حالات کو قابو کیا جا سکا۔ [۲۴]

یہودیت:

اگرچہ مذہبی انتہا پسندی سب ہی مذاہب کے ہاں پائی جاتی ہے لیکن یہودیت کے بارے میں تو کہہ سکتے ہیں کہ ان کی تو پوری تاریخ ہی انتہا پسندی سے پُر ہے اور ہر طرح کی انتہا پسندی یہودیوں کے مزاج کا حصہ ہے، نہ صرف یہ بلکہ معلوم تاریخ میں ہمیں مذہبی انتہا پسندی کے بانی بھی یہی نظر آتے ہیں چنانچہ اس نوع کی انتہا پسندانہ کارروائیوں کا پہلا سراغ سرزمین فلسطین پر سکرئی (Sicarii) فرقہ کی جدوجہد ۶۶ء تا ۷۳ء کے دوران ملتا ہے۔ یہ ایک انتہائی منظم مذہبی گروہ تھا جو فلسطین میں یہودیت کے فروغ کے لئے معرض وجود میں آیا، اس دہشت گردی کے مختلف طریقے اختیار کئے اس نے اکثر ایسے مقامات پر حملوں کو فروغ دیا جہاں مجمع ہوتا تھا اس گروہ کا مخصوص ہتھیار Sica نامی چھوٹی تلوار تھا جسے وہ اپنے کوٹ کی آستینوں میں چھپا کر رکھتے تھے۔ یہ قتل عام اس طرح کیا جاتا تھا کہ حملہ آور کی شناخت مشکل ہو جاتی تھی انہوں نے گرجا گھروں کو تباہ کیا، لوگوں کے اکٹھا ہونے کی جگہوں کو جلا دیا، قرض داروں کو اس بات پر آمادہ کر دیا گیا کہ وہ قرضہ واپس نہ کریں۔ [۲۵]

یہودیت کی انتہا پسندی کی داستان جیسا کہ عرض کیا گیا بہت طویل ہے لہٰذا سردست گفتگو کو اسرائیل اور مسئلہ فلسطین

تک محدود رکھتے ہوئے اس سلسلے میں یہودیوں کے کردار اور ان کی انتہا پسندانہ سرگرمیوں کی چند جھلکیاں پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں کیونکہ یہ مسئلہ آج کے اہم مسائل میں شمار ہوتا ہے اور یہودی انتہا پسندی کی واضح مثال بھی ہے۔

فلسطین اسرائیل کے قیام سے قبل عرب دنیا کا ایک اہم حصہ تھا جو شام سے علیحدہ حیثیت رکھتا تھا، اس کی آبادی نوے فیصد عرب تھی۔ [۲۶] لیکن اعلان بالفور کے ساتھ ہی دنیا کے مختلف ممالک سے یہودیوں کا سیلاب فلسطین کی طرف امڈ پڑا، جس کے نتیجے میں جنگ عظیم اول کے بعد فلسطین میں آباد صرف ۲۶۰۰ یہودی جو مختلف دیہاتوں میں بکھرے ہوئے تھے دیکھتے ہی دیکھتے ۸۳ ہزار کی ایک منضبط اور خوشحال قوم میں تبدیل ہو گئے، عربوں کی زمین دھڑا دھڑ بکنے لگی اور زمینوں کی کاشت اور منڈیوں سے عرب بے دخل کئے جانے لگے۔ [۲۷]

ان اقدامات کا نتیجہ یہ نکلا کہ فلسطین کی سرزمین خود فلسطینیوں پر ہی تنگ ہو گئی اور وہ اپنے ہی ملک میں اجنبی بن گئے آخر کار مئی ۱۹۴۸ء میں انہوں نے علیحدہ یہودی ریاست اسرائیل کے قیام کا باضابطہ اعلان کر دیا اس وقت سے آج تک ہر آنے والا لمحہ فلسطینیوں کے لئے درد والم کی نت نئی داستانیں لے کر آ رہا ہے۔ فلسطینیوں پر ظلم و جبر کی داستان ایڈورڈ سعید اس طرح بیان کرتے ہیں:

> ۱۹۴۸ء کے بعد مملکت اسرائیل نے مقامی عرب آبادی کو خود اپنے انسانی آثار اور نشانات مٹانے کے لئے استعمال کیا، اس کی کوشش یہ تھی کہ انہیں انسانوں کے ایک ایسے طبقے میں تبدیل کر دیا جائے جن کے پاس سوچنے کے لئے اپنا دماغ نہ ہو جو بمشکل حرکت کر سکیں اور مکمل طور پر مطیع و فرمانبردار رعایا بن جائیں، ۱۹۶۷ء کی جنگ کے بعد مغربی کنارے جولان کی پہاڑیوں، غزہ کی پٹی اور سینائی کے مقبوضہ عرب علاقوں میں سفاکی، شقاوت اور درندگی نے ننگا ناچ ناچا، ایذا رسانی کا کون سا طریقہ تھا جو عربوں کے خلاف نہیں آزمایا گیا، انہیں عقوبت گاہوں میں پابند سلاسل رکھا گیا، ملک بدر کیا گیا، پورے پورے دیہات کی اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی، کیمیاوی ادویات چھڑک کر فصلوں اور درختوں کی ہریالی ختم کر دی گئی، مکانات کو زمین بوس کر دیا گیا، زمینیں ضبط کر لی گئیں، ہزاروں افراد پر مشتمل آبادیوں کی منتقلی عمل میں لائی گئی۔ [۲۸]

یہود صرف دوسرے مذاہب کے بارے میں انتہا پسند نہیں بلکہ وہ اپنے ہم مذہبوں کی بھی فکری آزادی اور اختلاف رائے برداشت نہیں کرتے، مثلاً ایک زمانے میں ان میں ایک فاضل شخص ڈووبر پیدا ہوا جو عام یہودیوں سے مختلف ذہن رکھتا تھا، یہودیوں نے اسے تسلیم نہیں کیا اور بالآخر یہودیوں کے اس وقت کے ایک راہنما اور اکیڈمی آف وانا کے سربراہ ایلی جاہ بین سولومن زیلمن (۱۷۲۰ء) نے اسے برادری سے خارج کر دیا اور ڈووبر کا اسی صدمے سے انتقال ہو گیا۔ [۲۹]

غرض یہ کہ تمام ہی مذاہب انتہا پسندانہ جذبات کا شکار ہیں خود مغرب کا ریکارڈ بھی اس حوالے سے چنداں لائق ستائش نہیں، حال ہی میں فرانس میں طالبات پر اسکولوں میں حجاب پر پابندی کا قصہ اخبارات کی شہ سرخیوں کی زینت بنا رہا ہے پھر جب برطانیہ میں مسلمانوں نے اپنے بچوں کے لئے الگ اسکولوں کی درخواست کی تو اس پر بھی اکثر غصے کا اظہار کیا گیا، حالانکہ

یہی لوگ یہودیوں، رومن کیتھولکوں اور کوئیکرز (Quakers) کے لئے علیحدہ اسکولوں پر کوئی اعتراض نہیں کرتے۔ [۳۰]

فرقہ واریت

اور یہ بات مذکور ہو چکی ہے کہ فرقہ واریت کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کا تعلق محض اسلام کے ساتھ ہو، یہ چیز ہر مذہب میں موجود رہی ہے اور پوری شدت کے ساتھ موجود رہی ہے، اسلام بھی اس سے محفوظ نہیں رہا اور اس کے اثرات آج تک محسوس کئے جاسکتے ہیں بلکہ شاید آج اس کی شدت میں مزید اضافہ ہو رہا ہے لیکن یہ چیز اسلام کے مزاج کے یکسر خلاف ہے اور اس کی تعلیمات ان چیزوں کا مکمل طور پر ابطال کرتی ہیں۔

حقیقت مسلمانوں کی فرقہ واریت مذہبی انتہا پسندی کا داخلی رجحان ہے، اس وقت مذہبی انتہا پسندی کے دو بنیادی رجحان اس وقت پوری دنیا میں نظر آ رہے ہیں، ایک داخلی رجحان ہے جس میں ہر مذہب کے اپنے مختلف مسالک اور فرقوں کے مابین اختلافات شامل ہیں جب کہ دوسرا خارجی رجحان ہے جسے ہم انتہا پسندی بین المذاہب بھی کہہ سکتے ہیں، اسلام بیک وقت دونوں رجحانات کے خلاف ہے۔

فرقہ واریت میں ہر فرقہ یہ تصور کر لیتا ہے کہ اسے اپنے عقائد یا عزائم دوسروں پر بزور اور بہ جبر مسلط کرنے کا حق ہے اور وہ اس عمل میں پوری طاقت صرف کر دیتا ہے اور اپنے مقاصد کے حصول کے لئے تشدد اور قتل و غارت گری سے بھی دریغ نہیں کرتا، وہ اس تعصب میں حق و انصاف کی بجائے اپنے مخصوص گروہ کے مفادات کو اولیت دیتا ہے اور ہر معاملے کو ایک خاص نظر سے دیکھتا ہے، یہ زہر آہستہ آہستہ اپنا اثر دکھاتا ہے اور بالآخر اس قدر تناور درخت کی شکل اختیار کر لیتا ہے کہ اس سے چھٹکارا پانا سخت مشکل ہو جاتا ہے۔ اسلام اس کی سنگینی کی وجہ سے اس تصور کی پوری قوت سے سرکوبی کرتا ہے اور اسے کسی صورت بھی سر اٹھانے کا موقع دینا گوارا نہیں کرتا۔ اسلام کی تعلیمات اس حوالے سے بالکل واضح ہیں۔ قرآن حکیم میں فرمایا گیا:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا [۱]

"اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور باہمی تفرقہ مت کرو۔"

قرآن حکیم ہی میں فرمایا گیا:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا [۲]

اور جو تمہارے سامنے اسلام کا اظہار کرے تو اسے یہ نہ کہو کہ تم مسلمان نہیں۔

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں الحرقات نامی ایک علاقے کی طرف حملہ کرنے کے لئے بھیجا، ہم نے صبح سویرے دشمن پر حملہ کیا اور انہیں شکست دی، اسی دوران میں نے ایک شخص کو قابو کر لیا تو اس نے فوراً لا الہ الا اللہ پڑھ لیا لیکن اس کے باوجود میں نے اسے قتل کر دیا، جب ہم جنگ کے بعد مدینہ واپس آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس واقعے کی اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

کیا تو نے اسے لا الہ الا اللہ کہنے کے باوجود بھی قتل کر دیا؟ حضرت اسامہؓ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ تو صرف اپنا بچاؤ کر رہا تھا لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

فهلا شققت عن قلبه

''تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہیں دیکھ لیا تھا؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بات کو اتنی مرتبہ دہرایا کہ میں نے یہ آرزو کی کہ کاش آج کے دن سے پہلے میں مسلمان ہی نہ ہوا ہوتا۔[۳]

اور اللہ کی رسی کی وضاحت جس کا ذکر اوپر قرآن حکیم کی مذکورہ آیت میں آیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ایک خطبے میں فرمائی۔ آپ نے فرمایا:

من يعش منكم فسيرىٰ اختلافا كثيرا، فعليكم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدين المهديين فتمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ، وايا كم و محدثات الامور، فان كل محدثة و كل بدعة ضلالة.[۴]

تم میں سے جو شخص زندہ رہے گا وہ بہت سے اختلاف دیکھے گا تو تم میری اور خلفائے راشدین کی سنت پر قائم رہنا، انہیں مضبوطی سے تھام لینا اور اور تم بدعات سے سختی کے ساتھ پرہیز کرنا، کیوں کہ دین میں ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے:

عليكم بالجماعة وايا كم الفرقة.[۵]

''تم پر جماعت کی پیروی لازم ہے اور تفرقے سے بچتے رہنا۔''

اسلام اس حوالے سے اس قدر حساس ہے کہ مسلم امت کی اجتماعیت کو نقصان پہنچانے والے ہر سبب کو ختم کرنے کے لئے تلوار تک کو بے نیام کر دینے کی اجازت دے دیتا ہے۔[۶] اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

فمن اراد ان يفرق امر هذه الامة وهي جميع فاضربوه بالسيف كائنا من كان.[۷]

جو شخص اس جماعت کو جب تک کہ وہ متحد ہو، پراگندہ کرنا چاہے تو اسے تلوار پر رکھ لو خواہ وہ کوئی بھی ہو۔

اس فرقہ واریت کو ہوا دینے والی چیز باہمی تکفیر کا کھلا ہوا دروازہ ہے حالانکہ یہ امر بے حد نازک ہے اور حد درجہ احتیاط کا متقاضی۔ مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

> جس طرح کسی مسلمان کو کافر کہنا ایک سخت پرخطر معاملہ ہے اسی طرح کافر کو مسلمان کہنا بھی اس سے کم نہیں، کیونکہ حدود کفر و اسلام میں التباس بہر دو صورت لازم آتا ہے۔ اس لئے علمائے امت نے ہمیشہ ان دونوں معاملوں میں نہایت احتیاط سے کام لیا ہے۔ امر اول کے متعلق تو یہاں تک تصریحات ہیں کہ اگر کسی شخص سے کوئی کام خلاف شرع صادر ہو جائے اور اس کلام کی مراد میں محاورات کے اعتبار سے چند

احتمال ہوں اور سب احتمالات میں یہ کلام ایک کلمہ کفر بنتا ہو لیکن صرف ایک احتمال ضعیف ایسا بھی ہو کہ اگر اس کلام کو اس پر حمل کیا جائے تو معنی کفر نہیں رہتے بلکہ عقائد حقہ کے مطابق ہو جاتے ہیں تو مفتی پر واجب ہے کہ اسی احتمال ضعیف کو اختیار کر کے اس کے مسلمان ہونے کا فتوی دے۔ جب تک کہ خود متکلم اس کی تصریح نہ کرے کہ میری مراد یہ معنی نہیں۔ اسی طرح اگر کوئی مسلمان کسی ایسے عقیدے کا قائل ہو جائے جو ائمہ اسلام میں سے اکثر لوگوں کے نزدیک کفر ہو لیکن بعض ائمہ اس کے کفر ہونے کے قائل نہ ہوں تو اس کفر مختلف فیہ سے بھی مسلمان پر کفر کا حکم کرنا جائز نہیں۔[8]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس حوالے سے بھی واضح ہدایات فرمائی ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ثلاث من اصل الایمان الکف عن من قال لا الہ الا اللہ لا تکفرہ بذنب ولا تخرجہ من الاسلام بعمل.[9]

تین چیزیں اصل ایمان ہیں، ایک یہ کہ جو شخص کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھتا ہو اس کے متعلق زبان کو روک رکھنا، نہ کسی گناہ کی وجہ سے اس کی تکفیر کی جائے اور نہ کسی برے عمل کی وجہ سے اسے اسلام سے خارج کیا جائے۔

اسی طرح جو شخص کسی کو کافر کہے لیکن درحقیقت وہ کافر نہ ہو تو اس کا یہ قول خود اس کی جانب لوٹ آئے گا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اذا قال الرجل لاخیہ یا کافر فقد باء بہ احدھما.[10]

جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کو کافر کہے تو یہ قول دونوں میں سے کسی ایک پر ضرور پڑے گا۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان مبارک ہے:

لا یرمی رجل رجلا بالفسوق ولا یرمیہ بالکفر الا ارتدت علیہ ان لم یکن صاحبہ کذالک[11]

جب کبھی ایک شخص دوسرے پر فسق یا کفر کی تہمت لگاتا ہے تو وہ تہمت اس پر لوٹ آئے گی اگر وہ شخص جس پر تہمت لگائی گئی تھی درحقیقت کافر یا فاسق نہ ہو نیز فرمایا:

من دعا رجلا بالکفر او قال عدو اللہ ولیس کذالک الا حار علیہ.[12]

جو شخص کسی کو کافر یا دشمن خدا کہے جب کہ وہ شخص ایسا نہ تھا تو یہ قول خود کہنے والے پر آ پڑے گا۔

اسی طرح کسی مومن پر لعنت کرنے کی بھی ممانعت فرمائی گئی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ومن لعن مومنا فھو کقتلہ ومن قذف مومنا بالکفر فھو کقتلہ.[13]

جس نے کسی مومن پر لعنت کی اس نے گویا اسے قتل کیا اور جس نے کسی مومن پر کفر کی تہمت لگائی اس نے گویا اسے قتل کر دیا۔

ان احکامات الٰہی اور فرامین نبوت کو پیش نظر رکھ کر فقہائے کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ:

من قواعد اھل السنۃ والجماعۃ ان لا یکفروا احد من اھل القبلۃ.[14]

اہل سنت والجماعۃ کے بنیادی قواعد میں سے ہے کہ اہل قبلہ کی تکفیر نہ کی جائے۔

اور امام ابوحنیفہؒ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ

لا تکفر اهل القبلة بذنب.[۱۵]

اور اہل قبلہ سے کیا مراد ہے؟ اس کا جواب فقہا نے یہ دیا ہے:

ان اهل القبلة الذين اتفقوا علی ماهو من ضروريات الدين كحدوث العالم و حشر الاجساد.[۱۶]

اہل قبلہ وہ لوگ ہیں جو ضروریات دین مثلاً حدوث عالم اور حشر وغیرہ پر متفق ہوں۔

مسئلہ تکفیر میں بحث کو سمیٹتے ہوئے مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ نے ایک ضابطہ کفر بھی بیان کر دیا ہے جس سے اس پورے مسئلے کی وضاحت بھی ہو جاتی ہے اور اسلام کے ہاں اس حوالے سے جس قدر احتیاط ہے اس کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ مفتی صاحب فرماتے ہیں:

اگر کسی خاص شخص یا کسی جماعت کے متعلق حکم بالکفر میں تردد ہو خواہ تردد کے اسباب میں علماء کا اختلاف ہو خواہ قرائن کا تعارض ہو یا اصول کا غموض تو اسلم یہ ہے کہ نہ کفر کا حکم لگایا جائے نہ اسلام کا حکم۔ اول میں تو خود اس کے معاملات کے اعتبار سے بے احتیاطی ہے اور حکم ثانی میں دوسرے مسلمانوں کے معاملات کے اعتبار سے بے احتیاطی ہے۔ پس احکام میں دونوں احتیاطوں کو جمع کیا جائے گا۔[۱۷]

مسلمانوں میں مختلف مسالک اور فرقوں کا وجود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور حکومت سے بھی پہلے سے شروع ہو گیا تھا۔ آپ کے دور کا سب سے اہم فتنہ خوارج کو قرار دیا جا سکتا ہے جس پر پوری امت کا اجماع ہے کہ وہ گمراہ فرقہ ہے مگر اس کے باوجود حضرت علیؓ کا اس بارے میں کیا رویہ تھا؟ ملاحظہ کیجئے۔ آپ نے فرمایا:

كونوا حيث شئتم و بيننا و بينكم ان لا تسفكوا دما و لا تقطعوا سبيلا و لا تظلموا احداً.[۱۸]

تم جہاں چاہو رہو ہمارے تمہارے درمیان شرط یہ ہے کہ تم خونریزی اور راہزنی اختیار نہ کرو اور ظلم سے باز رہو۔

اور ایک دوسرے موقع پر آپ نے فرمایا:

لا نبدء كم بقتال مالم تحدثوا فساداً.[۱۹]

''جب تک تم فساد کے مرتکب نہیں ہو گے ہم تمہارے خلاف لڑائی کی ابتداء نہیں کریں گے۔''

یہ بات ہمارے پیش نظر رہنی چاہئے کہ خوارج اپنے وقت کا طاقتور ترین فرقہ تھا جو علانیہ طور پر اسلامی حکومت کے خلاف رائے رکھتا تھا اور بزور شمشیر اسے ختم کرنے کا عزم رکھتا تھا اور ان کے خیالات و عقائد بہت سی باتوں میں مسلمانوں کے یکسر خلاف تھے، اس کے باوجود حضرت علیؓ نے از خود ان پر تلوار اٹھانے سے انکار کیا۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اس امر کی پیشن گوئی بھی فرمائی کہ اس امت میں بے شمار گروہ بنیں گے جن میں سے راہ حق پر فقط ایک ہی ہوگا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

بنو اسرائیل کے لوگ بہتر فرقوں میں بٹ گئے اور میری امت کے لوگ تہتر فرقوں میں بٹ جائیں گے اور ایک کے سوا سب کے سب آگ میں جائیں گے۔ پوچھا گیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! وہ فرقہ کون سا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ طریقہ جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔[۲۰]

اختلاف امت پر شدید وعیدوں اور اتفاق واتحاد کی اس قدر تاکید ہی کے سبب صحابہ کرامؓ کا عمومی انداز اور معمول یہ تھا کہ ہر طرح کے اختلاف سے حتی الامکان بچنے کی کوشش کرتے تھے۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکرؓ اور عمرؓ مکہ اور منیٰ میں قصر نماز پڑھتے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے بھی اپنی خلافت کے ابتدائی زمانے میں ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے قصر نہیں کیا بلکہ چار رکعت نماز پڑھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو یہ بات معلوم ہوئی تو انہوں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور اس کو غلط بتایا۔ اس کے بعد وہ اٹھے اور چار رکعت نماز ادا کی۔ ان سے کہا گیا کہ چار رکعت نماز پر آپ نے انا للہ وانا الیہ راجعون کہا اور پھر خود بھی آپ نے خلیفہ کی پیروی میں چار رکعت نماز پڑھی۔ انہوں نے جواب دیا کہ خلاف کرنا اس سے زیادہ برا ہے۔[۲۱]

یہ تمام روایات، اقوال، واقعات فرقہ واریت اور مسلم امہ کی اجتماعیت کو ختم کرنے والے ہر فعل کی بابت اسلام کا موقف واضح کرنے کے لئے کافی ہیں۔ ان کا مطالعہ ثابت کرتا ہے کہ اسلام کے ہاں اس قسم کے کسی فعل، قول اور عمل کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں جس سے مسلم امت کے اتحاد و اتفاق اور اجتماعیت کو کسی بھی نوعیت کا نقصان پہنچنے کا خدشہ ہو۔

فقہائے امت کی رواداری

ہمارے ہاں بھی اور باہر کی دنیا میں بھی یہ تاثر عام ہے کہ مسلمانوں کے مسالک باہمی اختلاف کو ہوا دینے میں پیش پیش ہیں اور یہ لوگ انتہا پسندی کا شکار ہیں۔ درحقیقت ایسا قطعاً نہیں اور اس حوالے سے اٹھائے جانے والے نکات حقائق سے بالکل کوئی علاقہ نہیں رکھتے۔ فقہائے کرام کے درمیان ہمیشہ سے رواداری کی ایسی کیفیت رہی ہے جس میں رائے کے اختلاف کو کبھی بھی ذاتی یا مسلکی مخاصمت کی بنیاد نہیں بنایا گیا۔ امام شافعی رحمہ اللہ سے کسی نے پوچھا کہ کیا ہم مالکی المذہب امام کے پیچھے نماز ادا کر سکتے ہیں؟ یہ سن کر امام شافعیؒ نے فوراً جواب دیا کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں خود امام مالک رحمہ اللہ کے پیچھے نماز پڑھتا ہوں؟[۱]

ائمہ مجتہدین تو اس معاملے میں اس قدر حساس ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ ہی کا فرمان مبارک ہے کہ مجتہدین کو آپس میں ایک دوسرے کا تخطیہ نہیں کرنا چاہئے یعنی کسی کو یوں نہ کہنا چاہئے کہ تم غلطی پر ہو۔[۲] فقہا و مجتہدین نے ایک اور واضح اصول یہ بیان فرمایا ہے کہ اہل فتویٰ کے لئے لازمی ہے کہ وہ ہمارے اقوال کو قرآن وسنت کی روشنی میں اچھی طرح پرکھیں اس کے بعد اپنا فیصلہ فرمائیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لا ینبغی لمن لم یعرف دلیلی ان یفتی بکلامی.[۳]

جو شخص میرے موقف کی دلیل نہ جانتا ہو اس کے لئے مناسب نہیں کہ وہ میرے قول پر فتویٰ دے۔

اسی طرح امام صاحب کے سب سے معروف شاگرد اور جانشین امام ابو یوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لا یحل لا حد ان یفتی بقولنا مالم یعلم من این قلنا. [۴]

یہ بات کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ ہمارے قول پر فتوی دے، جب تک اسے یہ نہ معلوم ہو جائے کہ وہ بات ہم نے کہاں سے کہی ہے جب کہ حاکم اور بیہقی نے امام شافعیؒ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے تھے:

اذا صح الحدیث فھو مذھبی وفی روایة اذا رأیتم کلامی یخالف الحدیث فاعملوا بالحدیث واضربوا بکلامی. [۵]

اگر تمہیں کوئی صحیح حدیث ملے تو وہی میرا مذہب ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ اگر تم میری بات کو حدیث کے خلاف پاؤ تو حدیث پر عمل کرنا اور میری بات کو چھوڑ دینا۔

امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ھذا رای النعمان بن الثابت وھو احسن ماقد رنا علیه فمن جاء باحسن من قولنا فھو اولی بالصواب [۶]

یہ میری یعنی نعمان بن ثابت کی رائے ہے اور میری طاقت کے مطابق یہی صحیح ہے لیکن اگر کوئی اور مجتہد میری بہ نسبت بہتر رائے پیش کرے تو وہی زیادہ مناسب ہے۔

اور امام مالکؒ کا قول ہے:

مامن احد الا وھو ماخوذ من کلامه و مردود علیه الارسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم. [۷]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا ہر شخص کے کلام میں قابل اخذ اور قابل ترک دونوں ہی طرح کی باتیں ہیں۔

اور امام احمد رحمہ اللہ بھی اسی بات کے قائل ہیں۔ فرماتے ہیں:

لیس لاحد مع اللّٰه و رسوله کلام. [۸]

''اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات کے ہوتے ہوئے کسی کی بات کی گنجائش نہیں۔''

اور امام شافعی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

مھما قلت من قول او اصلت من اصل فبلغکم عن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وآله وسلم خلاف ماقلت فالقول ماقاله صلی اللّٰه علیه وآله وسلم [۹]

میں جو بات بھی کہوں اور جو اصول بھی ٹھہراؤں جب اس کے خلاف کوئی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مل جائے تو پھر آپ ہی کی بات اصل ہے۔

اور مجتہدین کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ وہ یہ دعویٰ کبھی نہیں کرتے تھے کہ ہمارا موقف سراسر درست ہے بلکہ وہ اس قدر تحقیق، محنت تلاش و جستجو اور کوشش و کاوش کے بعد بھی اپنی رائے اور موقف کے بارے میں صرف اس قدر کہتے تھے کہ:

مذھبی صواب یحتمل الخطاء و مذھب غیری خطاء یحتمل الصواب۔[۱]

میری رائے درست ہے لیکن اس میں غلطی کا احتمال ہے اور اس معاملے میں دوسروں کی رائے غلط ہے لیکن صحیح ہونے کا احتمال رکھتی ہے۔

فقہائے کرام کی رواداری کے یہ مظاہر یقیناً یہ ثابت کرتے ہیں کہ اسلام میں کسی قسم کی نہ بین المذاہب انتہا پسندی پائی جاتی ہے نہ بین المسالک، اس حوالے سے اگر کچھ کارروائیاں نظر بھی آتی ہیں تو وہ مکمل طور پر انفرادی ہیں۔ اسلام کی تعلیمات سے اس کا کوئی تعلق نہیں نیز اس نوعیت کی سرگرمیاں ہر مذہب میں اسلام سے بڑھ کر موجود ہیں۔ اس پر اس حوالے سے اعتراضات قطعاً انصاف کے تقاضے پورے نہیں کرتے۔ دوسری جانب ان حضرات کے لئے اس میں راہنمائی موجود ہے جو کسی بھی حوالے مسلکی یا فرقہ وارانہ انتہا پسندی کے شکار ہیں، انہیں بھی اسلامی تعلیمات کی روشنی میں اپنے رویوں کا جائزہ لینا ہوگا اور اپنی اصلاح کرنی ہوگی۔

اسلام کی غیر مسلموں کے ساتھ رواداری

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ اسلام محض اپنوں کے ساتھ ہی نہیں بلکہ غیر مسلموں کے ساتھ بھی مکمل رواداری اور عمدہ تعلقات کا خواہاں اور علمبردار ہے۔ اس نے کسی بھی معاملے میں ایسا کوئی اقدام نہیں کیا جو جانب داری پر مبنی ہو یا جس کی بنیاد پر یہ دعویٰ کیا جا سکے کہ اسلام غیر مسلموں سے امتیازی رویہ رکھتا ہے۔ اسلامی حکومت کا فریضہ ہے کہ اپنے ہاں بسنے والے تمام غیر مسلموں کی جان و مال، عزت و آبرو اور مذہبی آزادی پر حرف نہ آنے دے اور جس طرح بھی ممکن ہو ان کی خبر گیری کرے اور ان میں تحفظ کا احساس پیدا کرے۔ گو ان کا مذہب حکومت کے مذہب کے خلاف ہے، ایسا کبھی نہ ہو کہ مذہب کا اختلاف ظلم و جبر کا ذریعہ بن جائے اور خدا کے یہ بندے اسلام کے انصاف و مساوات سے محروم رہ جائیں۔[۱] کیوں کہ اسلامی حکومت کا پہلا سبق یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ روئے زمین پر ہر ایک کو بلا تفریق رزق فراہم کرتا ہے اور ان کو عافیت و سکون سے رہنے کے تمام مواقع عطاء کرتا ہے اسی طرح اسلامی حکومت کا بھی فریضہ ہے کہ وہ تمام اقدامات بلا تفریق کرے اور کسی کے ساتھ امتیازی سلوک روا نہ رکھے اور غیر مسلموں کے ساتھ وہی رویہ رکھے جو مسلمانوں کے ساتھ ہونا چاہئے۔

یہ تمام باتیں محض دعویٰ نہیں ہیں اسلام کی پوری تاریخ عملی طور پر اس کی گواہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال و احادیث اس کی واضح دلیل ہیں۔ آپ نے غیر مسلم کے ناحق قتل پر شدید ترین وعید بیان کرتے ہوئے فرمایا:

من قتل معاھدا لم یرح رائحۃ الجنۃ و ان ریحھا لیوجد من مسیرۃ اربعین عاما۔[۲]

جو شخص اس غیر مسلم کو قتل کرے گا جس سے معاہدہ ہو چکا ہے وہ جنت کی بو سے بھی محروم رہے گا اور بلاشبہ اس کی خوشبو چالیس سال کی مسافت تک پہنچتی ہے۔

اسلامی ریاست میں غیر مسلم شہریوں یعنی ذمیوں اور مسلمانوں کے حقوق بالکل برابر ہیں، ان میں ذرا فرق نہیں۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں:

انما بذلوا الجزیة لتکون دماء ھم کدمائنا و اموالھم کاموالنا۔[۱]

غیر مسلمانوں نے جزیہ اسی لئے ادا کیا ہے کہ ان کا خون ہمارے خون کے برابر اور ان کا مال ہمارے مال کے برابر ہو جائے۔

پھر صرف یہی نہیں بلکہ اگر کسی مسلم معاشرے میں ان کی حق تلفی ہوئی تو خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم روز قیامت ان کی جانب سے استغاثہ فرمائیں گے۔ فرمان نبوت ہے:

الا من ظلم معاھدا او انتقصه او کلفه فوق طاقته او اخذمنه شیئا بغیر طیب نفس فانا حجیجه یوم القیامة[۲]

سنو! جو کسی معاہد پر ظلم کرے گا یا اس کے حقوق میں کمی کرے گا یا اسے طاقت سے زیادہ تکلیف دے گا اور یا اس کی کوئی چیز اس کی مرضی کے بغیر لے گا تو میں قیامت کے دن اسؓ کی طرف سے مستغیث بنوں گا۔

ایک اور روایت میں حضرت نافع حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دنیا سے تشریف لے جاتے ہوئے آخری بات جو فرمائی وہ یہ تھی کہ میں نے جن لوگوں کے جان و مال اور آبرو کی حفاظت کی ذمہ داری اٹھائی ہے اس کی لاج رکھنا، اس پر آنچ نہ آنے دینا۔[۳]

چونکہ ذمیوں کی جان و مال مسلمانوں کی طرح ہے، اس لئے ان کے مسائل قصاص و دیت میں بھی مسلمانوں کی طرح ہیں چنانچہ عہد نبوی میں جب ایک مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کیا تو قاتل کو قصاص میں قتل کر دیا گیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

انا احق من وفی بذمته۔[۴]

میں سب سے زیادہ اس بات کا ذمہ دار ہوں کہ اپنی ذمہ داری کو پورا کروں۔

ذمیوں سے جزیہ صرف اس صورت میں لیا جا سکتا ہے جب مسلمان ان کا دفاع کرنے کی پوزیشن میں ہوں چنانچہ اہل حیرہ سے حضرت خالد بن ولیدؓ کے معاہدے کا مضمون یہ تھا:

ھذا کتاب من خالد بن ولید لصلو بابن نطونا و قومه انی عھدتکم علی الجزیة والمنعة فان منعناکم فلنا الجزیة و الا فلا حتی نمنعکم۔[۵]

یہ مکتوب ہے خالد بن ولید کی طرف سے صلوبا بن نطونا اور اس کی قوم کے نام، میں تم سے معاہدہ کرتا ہوں، جزیہ اور دفاع پر اگر ہم تمہارا دفاع کریں تو ہم جزیہ لینے کے حقدار ہیں اور اگر ہم تمہارا دفاع نہ کر سکیں تو ہمیں جزیہ لینے کا حق نہیں پہنچتا، یہاں تک کہ ہم تمہارا دفاع کریں۔

یہی سبب ہے کہ مسلمان جب کبھی خارجی حالات کے سبب غیر مسلم شہریوں کی حفاظت کی ذمے داری پوری نہ کر سکے تو انہوں نے حاصل کیا ہوا جزیہ واپس لوٹا دیا، کیا اس کی کوئی اور دوسری مثال پیش کی جا سکتی ہے؟ چنانچہ روایت میں آتا ہے کہ

حضرت ابو عبیدہ نے ان تمام شہروں کے گورنروں کو لکھا جن سے صلح ہو چکی تھی کہ وہ اپنے اپنے شہروں میں ذمیوں کو خراج و جزیے کی وصول شدہ رقم واپس کر دیں اور ان سے کہہ دیں کہ ہم تمہاری یہ رقم اس لئے واپس کر رہے ہیں کہ دشمنوں کے ایک بڑے لشکر کی اطلاع ملی ہے جو ہم سے برسر پیکار ہونے والا ہے۔ اس نازک موقع پر ہم شاید تمہاری حفاظت کی ذمے داری پوری نہ کر سکیں کیوں کہ موجودہ صورتحال میں ہم اس کی قدرت نہیں رکھتے لہٰذا وصول شدہ رقم واپس کر رہے ہیں اگر اللہ تعالیٰ نے ہماری مدد کی تو پھر ہم اسی شرط پر رہیں گے جو ہمارے درمیان طے پا چکی ہے۔[۸]

مسلمانوں کا غیر مسلموں کے ساتھ یہ رویہ ماضی کا حصہ نہیں، مسلمانوں کا حال بھی اس حوالے سے تابندہ روایات کا حامل ہے۔ اس کی تازہ ترین مثال روانڈا کی ہے۔ روانڈا ۱۰۱ سال سے خانہ جنگی کا شکار ہے اور زبوں حالی سے دوچار ہے۔ وہاں کی دونوں بڑی قوموں ٹٹسی (Tutsi) اور ہوٹو (Hutu) کے ۱۰ لاکھ سے زیادہ افراد اس خانہ جنگی کا شکار ہو گئے ہیں۔ ملک کی معیشت تباہ ہو گئی ہے، غربت و افلاس کا طوفان بپا ہے اور جہالت اور انتقام کی اس جنگ میں عالم اور جاہل حکمران اور عوام، فوج اور پولیس حتیٰ کہ پادری اور مذہبی لیڈر سب ہی شریک ہو گئے اور ایک دوسرے کا سر قلم کرنے، مال و دولت لوٹنے اور عزت و عصمت کو تار تار کر دینے کے وحشیانہ کھیل میں شامل ہو گئے۔[۹] لیکن روانڈا کے مسلمانوں کا کردار اس دوران منفرد اور لائق تحسین رہا، وہ ظلم و تعدی کی اس دوڑ میں کسی فریق کے ساتھ شریک نہیں ہوئے بلکہ انہوں نے اپنی ساری قوت اس آگ کو بجھانے اور مظلوم انسانوں کو پناہ دینے کے لئے وقف کر دی چند سال کی اس کوشش کے حیران کن نتائج رونما ہوئے اور ہزاروں افراد نے اسلام قبول کیا اور لاکھوں کا تصور اسلام کے بارے میں بالکل بدل گیا۔ اس طرح مسلمانوں نے اپنے اخلاق اور جذبہ خدمت کے ذریعے اسلام کے لئے بند راستوں کو کھول دیا۔ اے ایف پی کی رپورٹ کے مطابق ''جن لوگوں نے مسجدوں میں پناہ لی وہ عام طور پر اس ملیشیا اور فوجوں سے محفوظ رہے جو ٹٹسیوں کو تلاش کر کے قتل کر رہے تھے۔ اس کے مقابلے میں کلیسیاؤں کا ریکارڈ افسوس ناک ہے۔''[۱۰]

مسلمانوں کے اس حسن عمل کا نتیجہ یہ ہے کہ آج روانڈا میں مسلمانوں کی تعداد برابر بڑھ رہی ہے، ہر طبقہ ان کی عزت کرتا ہے، روانڈا کے طول و عرض میں مسجدوں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے جن کے سبز گنبد اور سفید مینار آزادی اور انسانیت کی علامت بن گئے ہیں۔ روانڈا کے مسلمان غریب ہیں مگر انہیں فخر ہے کہ وہ اپنے معاملات کسی بیرونی امداد کے بغیر اپنے ہی محدود مسائل سے چلا رہے ہیں، مسلمان کمیونٹی رواداری کا بہترین نمونہ پیش کرتی ہے اور تمام مذاہب اور قبائل سے ان کے تعلقات نہایت دوستانہ ہیں۔

اس بحث کا اختتام اہل نجران کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معاہدے کی اس عبارت پر کرتے ہیں:

وجعل لهم ذمة الله وعهده وان لا يفتنوا عن دينهم و مراتبهم فيه ولا يحشروا ولا يعشروا.[۱۱]

ان غیر مسلموں کو اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری اور عہد دیا جاتا ہے کہ ان کو نہ تو ان کے مذہب سے روکا جائے گا نہ ان کے مرتبے گھٹائے جائیں گے، نہ ان سے فوجی خدمت لی جائے گی اور نہ عشر لیا جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غیر مسلموں سے رواداری ملاحظہ کرنی ہو تو فتح مکہ کا ایک واقعہ ہی کافی ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان تمام کفار مکہ کو بہ یک جنبش لب یہ کہہ کر آزاد فرما دیا تھا کہ:

لا تشریب علیکم الیوم، اذھبوا فانتم الطلقاء۔ [۱۲]

''آج تم پر کچھ الزام نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔''

یہی وجہ ہے کہ غیر مسلموں نے بھی اسلام کی اس خصوصیت اور غیر مسلموں کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عفو و درگزر سے بھرپور رویے کا کھلے دل سے اعتراف کیا ہے۔ گوبینو (Gobineau) کہتا ہے۔

اگر ہم مذہبی اصولوں سے سیاسی ضروریات کو الگ کر دیں جنھوں نے مذہب کے نام پر زبان اور ہاتھ سے کام لیا تو کوئی مذہب اسلام کی مثل روادار اور صلح جو نہیں ملے گا جس نے دوسروں کو اس قدر مذہبی آزادی دی ہو بلکہ ان کے دین و ایمان سے کوئی سروکار نہ رکھا ہو، رواداری مسلمانوں کی طبیعت کا ایک محکم خاصہ اور مکمل مذہبی آزادی ان کے مذہب کا دستور العمل رہا ہے۔ [۱۳]

ایک یورپی دانشور آرتھر گلیمن (Arthur Gliman) فتح مکہ ہی کے حوالے سے کہتا ہے:

فتح مکہ کے موقع پر یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں جائے گی کہ اس وقت جب کہ اہل مکہ کے ماضی کے انتہائی ظالمانہ سلوک پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جتنا بھی طیش آتا کم تھا اور آپ کے انتقام کی آگ بھڑکانے کے لئے کافی تھا مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے لشکر و سپاہ کو ہر قسم کے خون خرابے سے روکا اور اپنے اللہ کی بندگی اور اطاعت کا مظاہرہ کیا، دوسرے فاتحین کے وحشیانہ طرزِ عمل کے مقابلے میں اسے انتہائی درجے کی شرافت اور انسانیت سے تعبیر کیا جائے گا۔ [۱۴]

اور بی آیس رندھاوا ہوشیار پوری آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحم دلی، شفقت اور قوت برداشت کی داد دیتے ہوئے کہتا ہے:

اسلامی دنیا میں یہودیوں کو محدود نہیں رکھا گیا تھا بلکہ انہیں عیسائیوں کی طرح ذمیوں کا درجہ حاصل تھا جس سے انہیں شہری اور عسکری تحفظ مل گیا تھا بشرطیکہ وہ اسلامی ریاست کی حاکمیت اور قوانین کا احترام کرتے رہیں، مسلمانوں نے یہودیوں پر ظلم و ستم نہیں ڈھائے، اسلامی دنیا میں انسانیت دشمنی کی کوئی روایت نہیں تھی......انہیں مکمل آزادی حاصل تھی وہ اپنے معاملات اپنے قوانین کے مطابق طے کر سکتے تھے اور مرکزی دھارے کے کلچر اور تجارت میں شمولیت کے لئے یورپ کے یہودیوں سے کہیں زیادہ آزاد تھے۔ [۱۵]

یہاں ایک لفظ ذمی بار بار استعمال ہوا ہے اس کی وضاحت ضروری ہے کہ یہ لفظ غیر مسلموں کے لئے باعث تحقیر نہیں بلکہ ذمی کا اطلاق اہل ذمہ پر ہوتا ہے اور ذمہ کے معنی ہیں حق، ذمے داری، کفالت، عہد اور حرمت وغیرہ۔ اسلامی قانون کی اصطلاح میں ذمی اس شخص کو کہتے ہیں جس سے حکومتی سطح پر کوئی عہد و پیمان کیا گیا ہو ایسے شخص کو امان مل جاتی ہے اور اسلامی حکومت کی یہ ذمہ داری ہو جاتی ہے کہ وہ ان کے مال و جان اور عزت و آبرو اور شہری حقوق کی نگہداشت کرے اور اسے کسی قسم کی

تکلیف، ضرر یا نقصان نہ پہنچنے دے۔[۱۹]

یہ تمام حوالے اس امر کے اثبات کے لئے کافی ہیں کہ اسلام غیر مسلموں خصوصاً اسلامی ریاست میں بسنے والے غیر مسلموں کے حقوق کا جس انداز سے تحفظ کرتا ہے، اس انداز میں کوئی اور مذہب اقدامات کے لئے غالباً تصور بھی نہیں کرسکتا۔

مذہبی اعتدال پسندی اور رواداری کے بارے میں اسلام کے اقدامات

اسلام ہر طرح کی انتہا پسندی کو ختم کرتا اور اعتدال پسندی کو فروغ دیتا ہے۔ اس نے اس سلسلے میں واضح اور اہم اقدامات کئے ہیں۔ ذیل میں اس حوالے سے اسلام کے چند اہم اقدامات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

ا۔ مذہبی آزادی:

اسلام مذہبی آزادی دیتا ہے اور ہر طرح کے تشدد، شدت پسندی اور انتہا پسندی کی ممانعت کرتا ہے۔ اسلام میں اس قدر آزادی ہے کہ وہ مسجد تک میں جو خالصتاً مسلمانوں کی عبادت گاہ ہے غیر مسلموں کے قیام و عبادت کو منع نہیں کرتا۔ علامہ ابوبکر جصاص لکھتے ہیں:

ولم یکن اهل الذمة ممنوعین من هذه المواضع.[۱]

ان مقامات (مساجد) میں ذمی (غیر مسلم شہریوں) کا داخلہ ممنوع نہیں ہے۔

اور خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عہد مبارک میں بنی عبد قیس کے وفد اور دیگر غیر مسلموں کو مسجد میں ٹھہرایا تھا۔[۲]

علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں:

ابن جریر سے منقول ہے کہ بنی سالم بن عوف کے ایک انصاری صحابی مسلمان ہو گئے تھے مگر ان کے دو لڑکے نصرانی تھے۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ کیا میں انہیں اسلام قبول کرنے پر مجبور کروں؟ اس پر قرآن حکیم کی یہ آیت لَآ اِكْرَاهَ فِی الدِّيْنِ[۳] نازل ہوئی۔[۴]

۲۔ فکری آزادی:

اسلام فکری آزادی کا بھی قائل ہے اگرچہ یہ آزادی چند شرائط کے ساتھ مشروط ہے مگر یہ شرائط بھی انسان کی حریت فکر اور حریت عمل کو برقرار رکھنے کے لئے ہیں۔ اسلام اس لئے بھی فکری آزادی کا درس دیتا ہے کہ فکری محدودیت بھی انتہا پسندی کو جنم دیتی ہے۔ اسلام اس کے مقابل فکری آزادی کی یہ کہہ کر تلقین کرتا ہے۔ قرآن حکیم میں فرمایا:

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ○[۵]

اور اگر آپ کا رب چاہتا تو روئے زمین کے سب لوگ ایمان لے آتے سو کیا آپ لوگوں پر زبردستی کریں گے کہ وہ

ایمان لے آئیں؟

اسلام اس امر کا قائل ہے کہ اچھی بات اور حکمت بھرا کلمہ مومن کی میراث ہے وہ جو بھی اچھی چیز پائے اسے حاصل کر لے خواہ اسے وہ کہیں سے بھی حاصل ہو۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

الکلمة الحکمة ضالة المومن۔[۶]

''حکمت تو مومن کی گمشدہ میراث ہے۔''

امام غزالیؒ نے اس امر کی بہت عمدہ تشریح کی ہے وہ احیاء علوم الدین میں اپنے طریقہ کار کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''اچھا فرض کرلو کہ جو باتیں میں نے لکھیں، وہ حکماء کی کتابوں کے سوا اور کہیں نہیں پائی جاتیں لیکن اگر وہ باتیں معقول ہیں اور دلائل سے ثابت ہیں اور قرآن مجید اور حدیث شریف کے خلاف نہیں ہیں تو پھر ان کے چھوڑنے اور ان سے انکار کرنے کی کیا وجہ ہے اگر ہم ایسا کرنے پر آئیں اور تمام سچی باتوں کو رد کر دیا کریں جو پہلے کسی بدعقیدہ کے خیال میں گزریں تو ہم کو بہت سی سچی اور حق باتوں کو چھوڑ دینا پڑے گا۔''[۷]

حقیقت یہ ہے کہ ان تمام امور میں مسلمانوں کا شروع ہی سے یہ طریقہ کار رہا ہے کہ خذما صفا ودع ماکدر اس لئے انہیں کبھی بھی کسی اچھی بات کے حاصل کرنے میں دشواری پیش نہیں آئی، نہ کسی قسم کا تعصب ان کی راہ میں حائل ہوا۔

۳۔ وحدت انسانی کا تصور:

اسلام نے ہر طرح کی تفریق کے خاتمے کے لئے وحدت انسانی کا تصور دیا ہے وہ کہتا ہے کہ:

کونوا عباداللّٰہ اخوانا[۸]

''اے اللہ کے بندو آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔''

اس کی تشریح میں علامہ نووی فرماتے ہیں:

تعاملوا وتعاشروا معاملة الاخوة و معاشرتهم فی المودة والرفق والشفقة و الملاطفة والتعاون فی الخیر و نحو ذلک مع صفاء القلوب والنصیحة بکل حال۔[۹]

اسی طرح اس کا مقصد یہ ہے کہ بے جا انسانی تفریق اور مصنوعی حد بندیاں ختم ہو جائیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

الخلق عیال اللّٰہ فاحب الخلق الی اللّٰہ من احسن الی عیاله۔[۱۰]

ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے تو وہی شخص اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہوگا جو اس کی عیال کے ساتھ حسن سلوک کرے گا۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

والناس بنو آدم و خلق اللّٰہ آدم من التراب.[۱۱]

''تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور اللہ نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا۔''

۴۔ دین میں زبردستی کی ممانعت:

اسلام میں زبردستی کرنے اور جبراً کسی کو مسلمان کرنے کی کوئی صورت نہیں۔ اس لئے کے اسلام صرف ظاہری اعمال کا نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ قلوب واذہان کی مکمل فرمانبرداری کا نام ہے۔ قرآن حکیم میں فرمایا گیا:

لَآ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ[۱۲]

''دین میں زبردستی نہیں۔''

۵۔ معبودان باطل کو بھی برا کہنے کی ممانعت:

اسلام ہر مسلک و مذہب کا احترام کرتا ہے اور ہر ایک کے احساسات کا مکمل خیال رکھتا ہے اور کسی کو برا بھلا کہنے اور سب وشتم کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ قرآن حکیم ہی میں ارشاد ہے:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَیَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَیْرِ عِلْمٍ[۱۳]

اورتم ان کے معبودوں کو جنہیں وہ خدا کے سوا پکارتے ہیں برامت کہو کیونکہ پھر وہ بغیر سمجھے اللہ کو برا کہنے لگیں گے۔

۶۔ انسانی جان کی اہمیت:

انتہا پسندی کی زد براہ راست افرادی قوت پر پڑتی ہے، انسانی افکار بھی اس سے متاثر ہوتے ہیں اور روزمرہ کے امور بھی، لیکن اس کے ساتھ ساتھ خود انسانی جان کو بھی خطرات لاحق ہوتے ہیں، اسلام کی نظر میں انسانی جان کی بے حد اہمیت ہے۔ اس بناء پر وہ ان تمام خطرات کا سد باب کرتا ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا[۱۴]

جو شخص کسی کو مار ڈالے بغیر کسی جان کے بدلے کے یا زمین پر فساد پھیلانے کے بغیر تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر ڈالا۔

اور دوسرے مقام پر فرمایا:

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ.[۱۵]

''اس جان کو قتل نہ کرو جس کا خون اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق پر۔''

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خانہ کعبہ کا طواف کرتے دیکھا اور یہ فرماتے سنا:

ماطیبک واطیب ریحک ما اعظمک واعظم حرمتک والذی نفس محمد بیدہ لحرمۃ المومن اعظم عند اللّٰہ حرمۃ منک مالہ و دمہ وان یظن بہ الاخیرا۔[۱۶]

تو کتنا پاکیزہ ہے اور تیری خوشبو کتنی پیاری ہے تو کتنا عظیم المرتبہ ہے لیکن قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے۔ مومن کی جان و مال کی حرمت اللہ کے نزدیک تجھ سے زیادہ ہے۔ اس لئے ہمیں مومن کے ساتھ نیک خیال رکھنا چاہئے۔

حضرت ابوسعید فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع میں ارشاد فرمایا:

الا ان احرم الا یام یومکم ھذا الا وان احرم الشھور شھر کم ھذا الا وان احرم البلد بلدکم ھذا الا وان دماء کم و اموالکم علیکم حرام کحرمۃ یومکم ھذا فی شھر کم ھذا فی بلدکم ھذا۔[۱۷]

خبردار تمام دنوں میں سب سے زیادہ حرمت والا دن یہ ہے۔ تمام مہینوں میں سب سے زیادہ ذی شرف مہینہ یہ ہے اور تمام شہروں میں سب سے زیادہ افضل شہر یہ ہے۔ خبردار تمہاری جان تمہارے مال ایک دوسرے پر اسی طرح حرام ہیں جس طرح اس شہر اس مہینہ اور اس دن کی حرمت ہے۔

حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لزوال الدنیا اھون علی اللّٰہ من قتل مومن بغیر حق۔[۱۸]

''اللہ کے نزدیک دنیا کا ختم ہو جانا ایک مسلمان کے ظلماً قتل سے زیادہ سہل ہے۔''

اور حضرت عبداللہؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اول ما یقضی بین الناس یوم القیمۃ فی الدمآء۔[۱۹]

''قیامت کے روز لوگوں کے درمیان سب سے پہلے خون کا فیصلہ کیا جائے گا۔''

۷۔ ظلم کی ممانعت:

انتہا پسندی خواہ کسی نوعیت کی ہو، اس کا انجام ظلم و جبر ہوتا ہے پھر ظلم کے نقصانات اس سے بھی کہیں زیادہ اور کثیر الجہت ہیں اس لئے اس کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔ قرآن حکیم میں فرمایا:

وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ نَّصِیْرٍ ○ [۲۰]

''اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔''

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اتقوا الظلم فان الظلم ظلمات یوم القیامۃ۔[۲۱]

''ظلم سے بچو، کیونکہ ظلم روز قیامت اندھیروں کی صورت میں ہوگا۔''

۸۔ دین میں غلو کی ممانعت:

دین کے معاملے میں غلو اور حدود سے تجاوز کرنا بھی ناپسندیدہ ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا:

لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ. [۲۲]

''تم اپنے دین کے معاملے میں غلو نہ کرو۔''

یہاں غلو سے مراد حد سے تجاوز کرنا ہے۔ [۲۳] اس غلو کا نتیجہ میں شدت پسندی اور انتہا پسندی کی صورت میں نکلتا ہے اور جو لوگ غلو سے دوچار ہو جاتے ہیں وہ پھر اعتدال سے دور ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اس لئے اس سے بھی شریعت نے منع فرمایا۔ حدیث میں فرمایا گیا:

ایاکم والغلو فی الدین فانما هلک من کان قبلکم بالغلوا فی الدین. [۲۴]

تم دین میں غلو سے بچو کیونکہ پچھلی امتیں دین میں غلو کی وجہ سے ہلاک ہو گئیں۔

۹۔ شدت سے بچنے کی تاکید:

شدت پسندی خواہ کسی معاملے میں ہو، انسان کو نقصان پہنچاتی ہے اس لئے اسلام نے دین کے معاملے میں بھی اس سے بچنے کی تاکید کی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لاتشددوا علی انفسکم فیشدد علیکم فان قوما شددوا علی انفسهم فشدد اللّٰه علیهم، فتلک بقایاهم فی الصوامع والدیار. [۲۵]

تم اپنے آپ پر سختی نہ کرو ورنہ تمہارے اوپر سختی کی جائے گی کیونکہ ایک قوم نے اپنے آپ پر سختی کی پھر اللہ نے بھی ان پر سختی کی تو انہی لوگوں کے باقیات ہیں جو گرجوں اور خانقاہوں میں نظر آتی ہیں۔

۱۰۔ طبقاتی کشمکش کا خاتمہ:

طبقاتی کشمکش بھی بسا اوقات انتہا پسندانہ جذبات کی ترویج و فروغ کا سبب بن جاتی ہے۔ اس لئے اسلام اس کا بھی انسداد کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

الا لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاحمر علی اسود ولا الاسود علی احمر. [۲۶]

خبردار کسی عربی کو عجمی پر کسی عجمی کو عربی پر اور کسی سرخ کو کالے پر اور کسی کالے کو سرخ پر کچھ فضیلت حاصل نہیں؛ فضیلت کا مدار تو صرف تقویٰ ہے۔

۱۱۔ اعتدال کی تلقین:

اسلام ہر معاملے میں راہ اعتدال اپنانے کی تلقین کرتا ہے اور راہ اعتدال پر گامزن ہونے والا شخص کبھی بھی کسی بھی

معاملے میں انتہا پسندانہ جذبات کا شکار نہیں ہو سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ما احسن القصد فی الغنی مااحسن القصد فی الفقر ما احسن القصد فی العبادة. [۲۷]

کیا ہی اچھی ہے میانہ روی دولت مندی میں، کیا ہی اچھی ہے میانہ روی مفلسی میں، کیا ہی اچھی ہے میانہ روی عبادت میں۔

ایک اور روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

القصد القصد تبلغوا. [۲۸]

''میانہ روی، میانہ روی، اختیار کرو، تم منزل پر پہنچ جاؤ گے۔''

خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طرز عمل کے بارے میں ایک صحابی گواہی دیتے ہیں:

کانت صلاته قصدا و خطبته قصداً. [۲۹]

''آپ کی نماز معتدل ہوتی تھی اور آپ کا خطبہ بھی معتدل ہوتا تھا۔''

ایک اور روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

خیر الامور اوسطها. [۳۰]

''بہترین عمل میانہ روی والا ہے۔''

اسی طرح حضرت علیؓ سے منقول ہے۔ فرمایا:

علیکم بالنمط الاوسط . [۳۱]

تم پر لازم ہے کہ درمیانہ راستہ اختیار کرو۔''

۱۲۔ صبر کی تاکید:

انسان جب غیر متوازن جذبات کا شکار ہوتا ہے تو اس کے لئے صبر و استقامت سے کام لینا مشکل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب تک وہ صبر و ثبات سے کام لیتا رہتا ہے وہ راہ اعتدال پر گامزن رہتا ہے۔ اس لئے انسداد انتہا پسندی کے حوالے سے صبر کی بہت اہمیت ہے۔ اسی لئے اسلام نے اس کی بھی تلقین کی ہے۔ قرآن حکیم میں صبر کے بہت سے فضائل اور اس کی اہمیت بیان ہوئی ہے۔ صبر کو اولوالعزم پیغمبروں کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ [۳۲] صبر پر اعلیٰ ترین کامیابیوں کی بشارت ہے۔ [۳۳] صبر قیادت عالم کا زینہ ہے۔ [۳۴] صبر حفاظت کا یقینی ذریعہ ہے۔ [۳۵] حتیٰ کہ صبر وہ چیز ہے جو آدمی کو بے حساب اجر کا مستحق بناتی ہے۔ [۳۶]

حدیث میں آتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ:

ما رزق عبدا خیر اله ولا اوسع من الصبر. [۳۷]

کسی شخص کو صبر سے بہتر اور صبر سے بڑا عطیہ نہیں دیا گیا۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قوت ہے کہ:

وجدنا خیر عیشنا بالصبر.[۳۸]

''ہم نے اپنی زندگی کا سب سے بہتر صبر کے ذریعے پایا۔''

ابن حجر عسقلانی نے صبر کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

فالصبر جامع لمکارم الاخلاق[۳۹]

''صبر تمام اچھے اخلاق کا جامع ہے۔''

۱۳۔ رحم کی تلقین:

اسلام انسانیت کا درس دیتے ہوئے رحم کی بھی تلقین کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لاتدخلوا الجنة حتی تر احموا قالوا یا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم کلنا رحیم، قال انہ لیس برحمة احدکم صاحبه ولکن رحمة العامة و حمة العامة.[۴۰]

تم ہرگز مومن نہیں ہو سکتے جب تک تم رحم نہ کرو۔ لوگوں نے کہا کہ اے خدا کے رسول ہم میں سے ہر شخص رحم کرنے والا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم اپنے ساتھی پر مہربانی کرو بلکہ اس سے مراد تمام لوگوں اور تمام انسانوں کے ساتھ رحم کرنا ہے۔

۱۴۔ نرمی کی تاکید:

مومن کی پہچان یہ ہے کہ وہ نرم دل ہوتا ہے، نرمی اور لطافت سے بھرا دل مومن کی متاع بھی ہے اور اس کا شعار بھی ہے جب کہ انتہا پسندانہ جذبات شقاوت قلبی کی نشاندہی کرتے ہیں اسی لیے اسلام جابجا نرمی اور نرم دلی کی تلقین کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ ایک روایت میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ان اللّٰہ رفیق یحب الرفق فی الامر کله.[۴۱]

''اللہ نرم ہے اور ہر معاملے میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔''

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ان اللّٰہ رفیق یحب الرفق و یعطی علی الرفق مالا یعطی علی العنف و مالا یعطی علی ماسواہ[۴۲]

''اللہ نرم ہے اور نرمی کو پسند کرتا ہے، وہ نرمی پر وہ چیز دیتا ہے جو سختی پر نہیں دیتا اور نہ کسی دوسری چیز پر۔'' اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ:

من یحرم الرفق یحرم الخیر کله.[۴۳]

''جو شخص نرمی سے محروم ہو وہ تمام بھلائیوں سے محروم ہو جائے گا۔''

۱۵۔ آسانی کرنے کا حکم:

انتہا پسندانہ جذبات شدت اور یکطرفہ خیالات سے پھوٹتے ہیں جس میں آسانی اور سہولت کا کہیں گزر نہیں ہو سکتا جب کہ اس سے برعکس اسلام سہولت اور آسانی پیدا کرنے کا حکم دیتا ہے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے اپنا قانون ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ [۴۴]

اور ہادی برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

فانما بعثتم میسرین ولم تبعثوا معسرین. [۴۵]

''کیونکہ تم آسانی پیدا کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو۔ تم مشکل پیدا کرنے والے بنا کر نہیں بھیجے گئے۔''

۱۶۔ تفرقے سے بچنے کی تاکید:

انتہا پسندانہ خیالات خواہ کسی بھی نوعیت کے ہوں وہ افتراق وانتشار کو جنم دیتے ہیں جو اسلام کی ضد ہے۔ اسلام تو اتحاد واتفاق کی تلقین کرتا ہے اور انتشار اور افتراق کی مذمت، قرآن حکیم میں فرمایا:

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا. [۴۶]

''اور تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں تفریق پیدا نہ کرو۔''

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ تین باتوں سے خوش ہوتا ہے اور تین باتوں سے ناخوش، جن تین باتوں سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے وہ یہ ہیں۔ (۱)۔ اس کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، (۲)۔ سب مل کر اس کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقہ نہ ڈالو، (۳)۔ اپنے حاکموں کی خیر خواہی کرو، جن تین چیزوں سے اللہ تعالیٰ ناخوش ہوتا ہے وہ یہ ہیں۔ (۱)۔ فضول بات چیت اور بحث ومباحثہ، (۲)۔ بلا ضرورت کسی سے سوال کرنا، (۳)۔ مال کی بربادی۔ [۴۷]

۱۷۔ فتنوں کا خاتمہ کرنا:

اسلام کا بنیادی مقصد امن وامان کا قیام اور معاشرے کو مثبت سمت میں قائم اور رواں دواں رکھنا ہے، اسی غرض سے وہ فتنوں کے خاتمے کا بھی خواہاں ہے اور یہ بدیہی امر ہے کہ انتہا پسندی بہ ہمہ وجوہ ایک طرح کا فتنہ ہی ہے۔ اسلام اس معاملے میں اس قدر حساس ہے کہ وہ اس غرض سے جہاد جیسے انتہائی اقدام کو بھی لازم قرار دیتا ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری ہے:

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ. [۴۸]

''اور تم ان (مشرکین، مفسدین) سے لڑو، حتی کہ فتنہ ختم ہو جائے۔''

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ان لفتنة نائمة لعن اللّٰہ من ایقظھا [۴۹]

فتنہ سویا ہوا ہے، اس شخص پر اللہ کی لعنت ہو، جو اسے جگائے۔

اختتام:

اوپر ذکر ہونے والے مباحث اس امر کی وضاحت کے لئے کافی ہیں کہ انتہا پسندی کے سلسلے میں اسلام اور مغرب کے خیالات میں واضح تفاوت ہے اور جہاں تک اسلام کا تعلق ہے تو اس کے پاس شدت پسندی یا انتہا پسندی کا کوئی تصور نہیں، اس کی تعلیمات ہمہ جہت بھی ہیں اور اعتدال پسندانہ بھی نیز بنیاد پرستی اور شدت پسندی وغیرہ اصطلاحات مغرب کی وضع کردہ ہیں جن سے اسلام کا کوئی تعلق نہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح فہم دین عطا فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین.

حواشی وحوالہ جات

تمہید

۱۔ ہیثمی، حافظ نور الدین علی بن ابوبکر (م ۸۰۷ھ)/ مجمع الزوائد/ بیروت، دار الفکر ۱۹۹۴ء/ ج ۸ ص ۵۷۴ رقم ۱۴۱۸۸

۲۔ القرآن/ سورۂ انبیاء آیت ۱۰۷

۳۔ قاضی عیاض/ الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ/ قاہرہ، مصطفیٰ البابی الحلبی ۱۹۵۰ء/ ج ۱ ص ۶۱

جب غزوہ احد میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہوئے اور مسلمانوں کو بھی کافی نقصان اٹھانا پڑا تو بعض صحابہ کرام نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ مشرکین مکہ کے لئے بددعا فرمائیں۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا، میں تو داعی حق اور رحمت بنا کر مبعث کیا گیا ہوں۔

۴۔ القرآن/ سورۂ فاتحہ آیت ۱،۲

۵۔ القرآن/ سورۂ آل عمران آیت ۱۹

۶۔ ابن منظور، جمال الدین محمد بن مکرم، ابوالفضل (م ۷۱۱ھ)/ لسان العرب/ قم ایران نشر ادب الحوزہ ۱۴۰۵ھ/ ج ۱۲ ص ۲۸۹

☆ مسلم کے معنی میں بہت وسعت ہے، یہ ان معنی کے علاوہ فرمانبرادی، اطاعت، سلام وغیرہ معنی میں بھی آتا ہے۔ ملاحظہ کیجئے: لسان العرب محولہ بالہ

۷۔ القرآن/ سورۂ روم آیت ۳۰

۸۔ احمد بن محمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ)/ المسند/ بیروت، دار احیاء التراث العربی ۱۹۹۳ء/ ج ۷ ص ۵۹۶ رقم ۲۶۹۵۳

۹۔ بخاری، محمد بن اسماعیل بن ابراہیم، ابوعبداللہ (م ۲۵۶ھ)/ الصحیح/ بیروت، دار ابن کثیر ۱۹۸۷ء/ ج ۱ ص ۴۵۶ رقم ۱۲۹۲

☆ ابن حبان، محمد بن حبان بن احمد، ابوحاتم التمیمی (۳۵۴ھ)/ الصحیح/ بیروت، موسسۃ الرسالہ ۱۹۹۳ء/ ج ۱ ص ۳۳۶ رقم ۱۲۸

۱۰۔ احمد/ المسند/ ج ۴ ص ۳۲۰ رقم ۱۴۳۹۱

۱۱۔ Ruch, F.L, Psychology and life Scott, Foresman Company, New York- P.680

۱۲۔ شامی، محمد بن یوسف الصالحی (م۹۴۲ھ)/سبل الہدیٰ والرشاد/ بیروت، دارالکتب العلمیہ ۱۹۹۳ء/ ج ۷، ص ۱۴

بنیاد پرستی

۱۔ کیرن آر اسٹرانگ Karen Armstrong/مسلمانوں کا سیاسی عروج وزوال/ اردو ترجمہ: Islam. A short History/ لاہور، نگارشات، ۲۰۰۳ء/ص ۱۸۰

۲۔ Man in The Modern World. P.131

۳۔ Quoted by C.A Coulsan. Science and Christain Belief

۴۔ مولانا وحید الدین خان/ دین انسانیت/ کراچی، فضلی سنز پرائیویٹ لمیٹڈ ۱۹۹۷ء/ص ۳۰۰

۵۔ مسلمانوں کا سیاسی عروج وزوال/ص ۱۹۵

۶۔ کیرن آرم اسٹرانگ/ خدا کے لئے جنگ/ اردو ترجمہ: The Battle for God/ لاہور، نگارشات ۲۰۰۳ء/ص ۱۲

۷۔ پروفیسر عبدالماجد/ اسلام اور عصر حاضر کے مسائل کا حل/ مانسہرہ، ہزارہ سوسائٹی فار سائنس ریلیجن ڈائیلاگ ۲۰۰۳ء/ص ۱۳

۸۔ مولانا زاہد الراشدی/ ماہنامہ الشریعہ، مدیر: حافظ محمد عمار خان ناصر/ دسمبر ۲۰۰۳ء/ص ۴

۹۔ القرآن/سورۃ البقرہ آیت ۲۰۸

۱۰۔ بخاری/ ج ۱، ص ۱۲، رقم ۸

۱۱۔ مسلمانوں کا سیاسی عروج وزوال/ص ۲۰۰

۱۲۔ ایضاً/ص ۲۰۱

۱۳۔ سہ ماہی وفاق المدارس ملتان/ مدیر: ابن الحسن عباسی/ شمارہ شوال، ذی الحجہ ۱۴۲۴ھ/ص ۳

۱۴۔ روزنامہ جنگ کراچی/ یکم فروری ۲۰۰۴ء

جہاد اور دہشت گردی

۱۔ ماہنامہ محدث لاہور/ نومبر ۲۰۰۲ء/ص ۴۷

۲۔ ایضاً/ص ۴۹

۳۔ القرآن/سورۃ نساء، آیت ۱۴۹

۴۔ Terrorism Myth and Reality, M.A. Zaki, I.P.S. Islamabad, 2002, P.8.

۵۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی/تفسیر مظہری/ حیدر آباد دکن، مجلس اشاعت العلوم/ ج ۱، ص ۲۶۳

۶۔ القرآن/سورۃ البقرہ آیت ۱۹۳

۷۔

۸۔ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث سجستانی (م ۲۷۵ھ)/ السنن/ بیروت، دارالفکر ۱۹۹۴ء/ ج ۲ ص ۳۵۱ رقم ۲۵۱۵

۹۔ مسلم بن حجاج ابوالحسین (۲۶۱ھ)/ تاریخ طبری/ بیروت، دارالکتب العلمیہ ۱۴۰۷ھ/ ج ۲ ص ۲۰۱

مذہبی انتہا پسندی اقوام عالم

۱۔ فرید وجدی/ المدینۃ والاسلام/ مصر/ ص ۱۴۳

۲۔ ایضاً/ ۵۱

۳۔ ابوالحسن علی ندوی/ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر/ مجلس نشریات اسلام، کراچی/ ص ۳۵

۴۔ ابوالحسن علی ندوی/ ص ۴۵

۵۔ منوشاستر/ باب ۹ منتر ۴۱۴

۶۔ منوشاستر/ باب ۹ منتر ۳۱۶

۷۔ منوشاستر/ باب ۸ منتر ۴۱۷

۸۔ منوشاستر/ باب ۸ منتر ۳۶۴

۹۔ منوشاستر/ باب ۲ منتر ۲۷۲

۱۰۔ چوہدری غلام رسول/ مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ/ لاہور علمی کتاب خانہ ۱۹۸۰ء/ ص ۱۰۱

۱۱۔ منشی عبدالرحمٰن خان/ تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی/ لاہور ادارہ اسلامیات/ ص ۲۴

۱۲۔ ایضاً/ ص ۲۸

۱۳۔ تفصیل کے لئے دیکھئے سید فضل الرحمٰن/ تحریک پاکستان کے فکری محرکات/ کراچی زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، ۱۹۹۷ء/ ص ۷۰

۱۴۔ Arthur Gilman/The Saracens, London, 1887 P.184

۱۵۔ انسان دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر/ ص ۴۷

۱۶۔ محولہ بالا

۱۷۔ محمد مارماڈیوک پکتھال/ اسلامی کلچر/ اردو ترجمہ پروفیسر محمد ایوب منیر/ لاہور مکتبہ تعمیر انسانیت/ ص ۸۲

۱۸۔ ہنڈرک وان لون/ نوع انسانی کی کہانی/ لاہور ۲۰۰۲ء/ ص ۱۶۴

۱۹۔ اسٹینلے لین پول/ سلطان صلاح الدین/ ترجمہ مولوی محمد عنایت اللہ/ ص ۲۱

۲۰۔ Encyclopaedia Britannica Vol. vi, Art, "Crusades"

۲۱۔ ریکارڈ/ لندن/ ۱۶ فروری ۱۹۹۵ء

۲۲۔ ایضاً

۲۳۔ ایضاً

۲۴۔ ماہنامہ الدعوۃ لاہور/ اگست ۱۹۹۸ء

۲۵۔ انعام الرحمٰن سحری/ دہشت گردی/ لاہور سنگ میل پبلی کیشنز/ ص ۱۹

۲۶۔ چودھری غلام رسول/ مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ/ لاہور علمی کتب خانہ/ ص ۴۰۵)

۲۷۔ پروفیسر ڈاکٹر قاضی مجیب الرحمٰن، ڈاکٹر محمد دین/ مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ یہودیت/ پشاور تاج کتب خانہ/ ص ۲۹۳

۲۸۔ ایڈورڈ سعید/ مسئلہ فلسطین/ ترجمہ: شاہد حمید/ لاہور، ایلفا برادرز/ ص ۳۳۱

۲۹۔ کیرن آرم اسٹرانگ/ خدا کے لئے جنگ/ اردو ترجمہ: The Battle for God / لاہور نگارشات ۲۰۰۳ء/ ص ۱۵۵

۳۰۔ کیرن آرم اسٹرانگ/مسلمانوں کا سیاسی عروج وزوال/ ۱۹۱

فرقہ واریت

۱۔ القرآن/سورۂ آل عمران آیت ۱۰۳

۲۔ القرآن/سورۂ نساء آیت ۹۴

۳۔ ابن ابی شیبہ/ المصنف/ ریاض مکتبہ الرشد ۱۴۰۹/ ج ۶ ص ۴۸۰ رقم ۳۳۰۹۹

☆ نسائی، احمد بن شعیب ابوعبدالرحمٰن (م ۳۰۳ھ)/ السنن الکبریٰ/ بیروت، دارالکتب العلمیہ ۱۹۹۱ء/ ج ۵ ص ۱۷۶ رقم ۸۵۹۴

۴۔ ابن حبان/ ج ۱ ص ۱۷۹، رقم ۵

☆ حاکم، ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ/ المستدرک/ بیروت دارالکتب العلمیہ ۱۹۹۰ء/ ج ۱ ص ۱۷۴ رقم ۳۲۹

☆ طبرانی، سلیمان بن احمد (م ۳۶۰)/ المعجم الکبیر/ الموصل المکتبہ العلوم والحکم ۱۹۸۳ء/ ج ۱۸ ص ۲۴۹

☆ ابن ماجہ، ابوعبداللہ محمد بن یزید القزوینی (م ۲۷۵ھ)/ السنن/ بیروت دارالمعرفہ ۱۹۹۸ء/ ج ۱ ص ۳۹ رقم ۴۳

۵۔ احمد/ ج ۶ ص ۵۱۱ رقم ۲۲۶۳۵

۶۔ قرآن حکیم میں فرمایا گیا کہ وقتلو هم حتی لا تکون فتنة. القرآن سورۂ البقرہ آیت ۱۹۳

۷۔ مسلم/ ج ۳ ص ۲۳۹ رقم ۱۸۵۲

☆ نسائی/ السنن الکبریٰ/ ج ۲ ص ۲۹۳ رقم ۳۴۸۵

۸۔ مفتی محمد شفیع/ جواہر الفقہ/ کراچی مکتبہ دارالعلوم ۱۳۹۵ھ/ ج ۱ ص ۳۵

۹۔ ابویعلی، احمد بن علی بن مثنی الموصلی التمیمی (م ۳۰۷ھ) المسند/ دمشق، دارالمامون للتراث، ۱۹۸۴ء/ ج ۷، ص ۲۸۷ رقم ۴۳۱۱

☆ بیہقی، ابوبکر احمد بن حسین بن علی (م ۴۵۸ھ)/ السنن الکبریٰ/ بیروت، دارالفکر ۱۹۹۶ء/ ج ۹ ص ۱۵۶ رقم ۱۸۲۶۱

۱۰۔ اذا قال الرجل لاخيه يا كافر فقط باويه احدهما. بخاری/ ج ۵ ص ۲۲۶۳ رقم ۵۷۵۲

☆ ترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ (م ۲۷۹ھ)/ السنن/ بیروت، دارالفکر، ۱۹۹۴ء/ ج ۴ ص ۲۸۸ رقم ۲۶۳۶

☆ ابن حبان/ ج ۱ ص ۴۸۳ رقم ۲۴۹

☆ ابن حبان کے الفاظ یہ ہیں: ایما رجل قال لاخيه كافر فقد باء به احدهما.

۱۱۔ بخاری/ ج ۵، ص ۲۲۴۷ رقم ۵۶۹۸

۱۲۔ مسلم/ ج ۱ ص ۸۳ رقم ۱۱۲ (۶۱)

☆ بیہقی/ کبریٰ/ ج ۷، ۴۰۳، رقم ۱۵۱۱۲

۱۳۔ بخاری/ ج ۵ ص ۲۲۴۷ رقم ۵۷۰۰

☆ معمر بن راشد/ الجامع/ بیروت المکتب الاسلامی ۱۴۰۳ھ/ ج ۱۰ ص ۴۶۲ رقم ۱۹۷۱۰

☆ المعجم الکبیر/ ج ۳ ص ۷۳، رقم ۱۳۳۰

۱۴۔ جواہر الفقہ/ ج ۱ ص ۳۱

۱۵۔ جواہر الفقہ/ ج ۱ ص ۳۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود فرمایا: لا تكفروا احدا من اهل القلبة بذنب۔ مجمع الزوائد/ ج ۱ ص ۲۹۸ رقم

۴۰۶

۱۶۔ ایضاً /ص۳۳

۱۷۔ ایضاً /۶۳

۱۸۔ الشعرکانی، محمد بن علی (۱۲۵۵ھ) / نیل الاوطار / بیروت، دارالجیل ۱۹۷۳ء / ج ۷ ص ۴۹

۱۹۔ ایضاً

۲۰۔ ترمذی/ ج ۵ ص ۲۹۱ رقم ۲۶۵۰

☆ طبرانی/ المعجم الصغیر/ بیروت المکتبہ الاسلامی ۱۹۸۵ء/ ج ۲ ص ۲۹ رقم ۷۴۴

۲۱۔ بیہقی کبریٰ/ ج ۳ ص ۱۴۳ رقم ۵۲۱۹

☆ عبدالرزاق بن حمام ابوبکر (م ۲۱۱ھ) المصنف/ ڈھابیل/ المجلس العلمی/ ج ۲ ص ۵۱۶ رقم ۴۲۶۹

فقہائے امت کی رواداری

۱۔ عبداللہ بن عبدالرحمٰن/ الارشاد شرح لمعتہ الاعتقاد لابن قدامہ/ ریاض، دارالطیبہ/ ص ۳۷۰

۲۔ وحدت امت/ مفتی محمد شفیع مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور ۱۹۷۵ء/ ص ۷ اط

۳۔ شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) / الانصاف/ بیروت، دارالنفائس ۱۴۰۴ھ/ ص ۱۰۴

۴۔ الانصاف/ ص ۱۰۵

☆ طبقات الحنفیہ/ ج ۱ ص ۵۲

۵۔ الانصاف/ ص ۱۰۴

۶۔ ایضاً

۷۔ ایضاً

۸۔ ایضاً

۹۔ ایضاً/ ص ۶۳

۱۰۔ محمد مدنی/ حول الوحدۃ الاسلامیہ/ مصر/ ص ۲۱۱

اسلام کی غیر مسلموں کے ساتھ رواداری

۱۔ مولانا محمد ظفیر الدین مفتاحی ندوی/ اسلام کا نظام امن/ کراچی ایچ ایم سعید کمپنی ۱۹۹۱ء/ ص ۱۴۸

۲۔ بخاری/ ج ۶ ص ۵۳۳ رقم ۶۵۱۶

☆ ابن ماجہ/ ج ۳ ص ۱۸۹ رقم ۲۶۸۶

۳۔ ابن قدامہ، عبدالرحمٰن بن احمد المقدسی (م ۶۲۰ھ) / المغنی/ بیروت دارالفکر ۱۳۹۵ھ/ ج ۹ ص ۱۸۱

۴۔ ابوداؤد/ ج ۳ ص ۱۰۸ رقم ۳۰۵۲

۵۔ ابن کثیر ابوالفدا اسماعیل (م ۷۷۴ھ) / البدایہ والنہایہ/ بیروت مکتبہ المعارف/ ج ۷ ص ۳۲۸

۶۔ الامام محمد بن محمود البابرتی/ العنایہ شرح الہدایہ/ القاہرہ التجاریہ الکبری/ ج ۸ ص ۲۵۶

۷۔ ابوجعفر محمد بن جریر الطبری/ تاریخ طبری/ القاہرہ، المطبعۃ الاستقامہ ۱۹۳۹ء/ ج ۴ص ۱۶

۸۔ ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم (م ۱۸۲ھ/ کتاب الخراج/ بیروت دار المعرفہ/ص ۱۳۹

۹۔ ماہنامہ ترجمان القرآن لاہور/ مدیر: پروفیسر خورشید احمد/ دسمبر ۲۰۰۳ء/ص ۲۶

۱۰۔ روز نامہ دی نیوز اسلام آباد/ ۱۱ نومبر ۲۰۰۳ء

۱۱۔ ترجمان القرآن دسمبر ۲۰۰۳ء/ص ۲۷

۱۲۔ شبلی سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم/ ج ۱ص ۳۰۰

۱۳۔ پروفیسر ٹی، ڈبلیو، آرنلڈ/ دعوت اسلام/ لاہور محکمہ اوقاف پنجاب ۱۹۷۲ء/ص ۳۹۸

۱۴۔ Arthur Gliman/ The Saracens, P-184-185, London, 1887

۱۵۔ خدا کے لئے جنگ/ص ۵۶

۱۶۔ پروفیسر عبدالقیوم/ مقالات/ لاہور مکتبۃ السلفیہ ۱۹۹۷ء/ ج ۱ص ۱۰۸

مذہبی اعتدال پسندی اور رواداری کے بارے میں اسلام کے اقدامات

۱۔ ابوبکر جصاص (۳۷۰ھ/ احکام القرآن/ بیروت دار احیاء التراث العربی ۱۴۰۵ھ/ ج ۴ص ۲۷۹

۲۔ شامی/ سبل الہدی والرشاد/ ج ۶ص ۴۱۶

☆ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ صرف انہیں مسجد میں ٹھہرایا تھا بلکہ انہیں اپنے مذہب کے مطابق مسجد نبوی ہی میں عبادت کرنے کی بھی اجازت دی تھی چنانچہ انہوں نے مشرق کی جانب رخ کر کے نماز ادا کی تھی، شامی محولہ بالا۔

۳۔ القرآن/ سورۂ بقرہ، آیت ۲۵۶

۴۔ ابن کثیر/ التفسیر

۵۔ القرآن/ سورۂ یونس آیت ۹۹

۶۔ ابن ماجہ/ ج ۴ص ۶۸۹ رقم ۴۱۶۹

۷۔ الغزالی/ص ۳۰۳

☆ شبلی/ص ۲۵۴

۸۔ احمد/ المسند/ ج ۳ص ۱۹۶ رقم ۹۴۷۱

۹۔ نووی، ابوزکریا یحییٰ بن شرف الدین (م ۶۷۶ھ)/ شرح النووی علی صحیح المسلم/ بیروت، دار احیاء التراث العربی ۱۳۹۲ھ/ ج ۱۶ص ۱۱۹

۱۰۔ مسلم

۱۱۔ ترمذی/ ج ۵ص ۱۸۰ رقم ۳۲۸۱

☆ ابوداؤد/ ج ۴ص ۳۶۷ رقم ۵۱۱۶

☆ ابو یعلی/ ج ۱۱ص ۴۵۳ رقم ۶۵۸۰۔ اس روایت میں الفاظ میں قدرے فرق ہے۔

۱۲۔ القرآن/ سورۂ بقرہ آیت ۲۵۶

۱۳۔ القرآن/ سورۂ الانعام آیت ۱۰۸

۱۴۔ القرآن/ سورۂ مائدہ آیت ۳۲

۱۵۔ القرآن/ سورۂ انعام آیت ۱۵۱

۱۶۔ سیوطی، عبدالرحمٰن بن کمال جلال الدین (م ۹۱۱ھ)/ الدر المنثور/ بیروت، دار الفکر ۱۹۹۳ء/ ج ۷، ص ۵۶۵

۱۷۔ ابن ہشام (م ۲۱۳ھ)/ السیرۃ النبویہ/ بیروت دار المعرفہ ۱۹۷۸ء/ ج ۴ص ۲۳۱

۱۸۔ ابن ماجہ/ ج ۶ ص ۴۱۶

۱۹۔ نسائی/ السنن المجتبیٰ/ باب تعظیم الدم/ ج ۳ص ۱۶۶ رقم ۲۶۱۹

۲۰۔ القرآن/ سورۂ حج آیت ۷۱

۲۱۔ مسلم/ ج ۴ص ۱۷۸ رقم ۲۵۷۸

۲۲۔ القرآن/ سورۂ نساء آیت ۱۷۱

۲۳۔ جلالین/ ص ۳۳

۲۴۔ احمد/ ج ۱ص ۲۱۵

۲۵۔ ابوداؤد/ ج ۴ص ۲۹۹ رقم ۴۹۰۴

۲۶۔ احمد/ المسند/ ج ۶ص ۵۷۰ رقم ۲۲۹۸۷

۲۷۔ تفسیر ابن کثیر/ ج ۳ص ۳۲۶

۲۸۔ بخاری/ ج ۳ص ۸۷

☆ بیہقی/ ج ۴ص ۱۰۴ رقم ۴۸۴۵

۲۹۔ ابن حبان/ ج ۷ص ۱۴ رقم ۲۸۰۲

☆ دارمی، عبداللہ بن عبدالرحمٰن، ابومحمد (م ۲۵۵ھ)/ السنن/ بیروت دار الکتاب العربی ۱۴۰۷ھ/ ج ۱ص ۴۴۰ رقم ۱۵۵۷

۳۰۔ قرطبی، محمد بن احمد بن ابی بکر، ابوعبداللہ (م ۶۷۱)/ تفسیر قرطبی/ قاہرہ دار الشعب ۱۳۷۲ھ/ ج ۵ص ۴۳۴

۳۱۔ قرطبی/ ج ۲ص ۱۵۴

۳۲۔ القرآن/ سورۂ حقاف، آیت ۳۵

۳۳۔ القرآن/ سورۂ الاعراف آیت ۱۳۷

۳۴۔ القرآن/ سورۂ السجدہ آیت ۲۴

۳۵۔ القرآن/ سورۂ یوسف آیت ۹۰

۳۶۔ القرآن/ سورۂ الزمر آیت ۱۰

۳۷۔ ابن حبان/ ج ۸ص ۱۹۲ رقم ۳۳۹۹

☆ مستدرک/ ج ۲ص ۱۹۲ رقم ۳۳۹۹

۳۸۔ بخاری/ ج ۵ص ۲۳۷۵۔ باب الصبر عن محارم اللہ

۳۹۔ فتح الباری/ ج ۱۱، ص ۳۶۸

۴۰۔ مستدرک/ ج ۴ص ۱۸۵رقم ۷۳۱۰

☆ ہناد بن السری الکوفی م (۲۴۳)/ الزہد/ کویت دار الخلفاء للکتاب الاسلامی ۱۴۰۶/ ج ۲ص ۶۱۶ رقم ۱۳۲۵

۴۱۔ بخاری/ ج ۶ص ۲۵۳۹ رقم ۶۵۲۸

☆ ابن حبان/ ج ۲ص ۳۰۹ رقم ۵۴۹

۴۲۔ مسلم/ ج ۴ص ۱۸۳رقم ۲۵۹۳

☆ نسائی/ ج ۴ص ۴۰۴ رقم ۷۷۰۲

☆ عبد بن حمید ابو محمد (م ۲۴۹)/ المسند/ قاہرہ مکتبہ السنۃ ۱۹۸۸ء/ اص ۱۸۱ رقم ۵۰۴

۴۳۔ ابو داؤد/ ج ۴ص ۲۷۴رقم ۴۸۰۹

۴۴۔ القرآن/ سورۂ الم نشرح

۴۵۔ بخاری/ ج اص ۸۹ رقم ۲۱۷

☆ ابن خزیمہ، محمد بن اسحاق السلمی (م ۳۳۱ھ)/ الصحیح/ بیروت المکتب الاسلامی ۱۹۷۰ء/ ج اص ۱۵۰ رقم ۲۹۶

۴۶۔ آل عمران آیت ۱۰۳

۴۷۔ ابن کثیر/ التفسیر/ ج اص ۳۸۹

۴۸۔ القرآن/ سورۂ البقرہ آیت ۱۹۳

۴۹۔ سرخسی، محمد بن ابی سہیل، ابو بکر/ المبسوط/ بیروت دار المعرفۃ ۱۴۰۶ھ/ ج ۱۰ص ۱۲۴ رقم ۵۰۴

دور حاضر میں انتہا پسندی کا رجحان
تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں اس کا خاتمہ

ڈاکٹر فضل الرحمٰن ، مانسہرہ

انسان بجائے خود ایک عالم اصغر ہے جس کے اندر بے شمار مختلف قوتیں اور قابلیتیں ہیں۔ خواہشات ہیں، جذبات و رجحانات ہیں نفس اور جسم کے مختلف مطالبات ہیں، روح اور طبیعت کے مختلف تقاضے ہیں۔ افراد کے ملنے سے جو اجتماعی زندگی بنتی ہے، وہ بھی بے حد و حساب پیچیدہ تعلقات سے مرکب ہوتی ہے اور تمدن و تہذیب کے نشوونما کے ساتھ ساتھ اس کی پیچیدگیاں بڑھتی چلی جاتی ہیں۔ پھر دنیا میں جو سامان زندگی انسان کے چاروں طرف پھیلا ہوا ہے، اس سے کام لینے اور اس کو انسانی تمدن میں استعمال کرنے کا سوال بھی انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے بکثرت شاخ در شاخ مسائل پیدا کرتا ہے۔

عرصہ حیات کی اس پیچیدگی پر انسان اپنی کمزوری کی وجہ سے بیک وقت ایک متوازن نظر نہیں ڈال سکتا اس بنا پر انسان اپنے لئے زندگی کا کوئی راستہ بھی نہیں بنا سکتا جس میں اس کی ساری قوتوں کے ساتھ انصاف ہو۔ اس کی تمام تر خواہشات کا ٹھیک ٹھیک حق ادا ہو جائے۔ اس کے سارے جذبات و رجحانات میں توازن قائم رہے اس کے سب بیرونی واندرونی تقاضے تناسب کے ساتھ پورے ہوں۔ اس کی اجتماعی زندگی کے تمام مسائل کی مناسب رعایت ملحوظ ہو اور ان سب کا ایک ہموار اور متناسب حل نکل آئے اور مادی اشیاء کو بھی شخصی اور تمدنی زندگی میں عدل، انصاف اور حق شناسی کے ساتھ استعمال کیا جاتا رہے۔ جب انسان خود اپنا رہنما اور شارع بنتا ہے تو حقیقت کے مختلف پہلوؤں میں سے کوئی ایک پہلو زندگی کی ضرورتوں میں سے کوئی ایک ضرورت، حل طلب مسئلوں میں سے کوئی ایک مسئلہ اس طرح اس کے دماغ پر مسلط ہو جاتا ہے کہ دوسرے پہلوؤں، ضرورتوں اور مسئلوں کے ساتھ وہ بالارادہ یا بلا ارادہ بے انصافی کرنا شروع کرتا ہے اور اس کی اس رائے کے زبردستی نافذ کئے جانے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زندگی کا توازن بگڑ جاتا ہے اور وہ بے اعتدالی کی کسی ایک انتہا کی طرف ٹیڑھی چلنے لگتی ہے پھر جب یہ ٹیڑھی چال اپنے آخری حدود پر پہنچتے پہنچتے انسان کے لئے ناقابل برداشت ہو جاتی ہے تو وہ پہلو ضروریات اور مسائل جن کے ساتھ بے انصافی ہوئی تھی، بغاوت شروع کر دیتے ہیں اور زور لگانا شروع کرتے ہیں کہ ان کے ساتھ انصاف ہو مگر انصاف پھر بھی نہیں ہوتا کیونکہ پھر وہی عمل رونما ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی ایک جو سابق بے اعتدالی کی بدولت سب سے زیادہ دبایا گیا تھا، انسانی دماغ پر حاوی ہو جاتا ہے اور اسے اپنے مخصوص متقضاء کے مطابق ایک خاص رخ پر بہالے جاتا ہے جس میں پھر دوسرے پہلوؤں، ضرورتوں اور مسئلوں کے ساتھ بے انصافی ہونے لگتی ہے۔ اس طرح انسانی زندگی کو کبھی سیدھا چلنا نصیب نہیں ہوتا۔ ہمیشہ وہ ہچکولے ہی کھاتی رہتی ہے اور تباہی کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے کی طرف ڈھلکتی چلی جاتی ہے۔ تمام وہ راستے جو انسان نے اپنی زندگی کیلئے بنائے ہیں، خط منحنی کی شکل میں واقع ہیں غلط سمت سے چلتے ہیں اور غلط سمت پر ختم ہو کر پھر کسی دوسری غلط سمت کی طرف مڑ

جاتے ہیں۔

ان بہت سے راستوں کے درمیان ایک ایسی راہ جو بالکل وسط میں واقع ہو جس میں انسان کی تمام قوتوں اور خواہشوں کے ساتھ اس کے جذبات و رجحانات کے ساتھ، اس کی روح اور جسم کے تمام مطالبات اور تقاضوں کے ساتھ اور اس کی زندگی کے تمام مسائل کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا گیا ہو جس کے اندر کوئی ٹیڑھ، کوئی کجی، کسی پہلو کی بے جا رعایت اور کسی دوسرے پہلو کے ساتھ ظلم اور بے انصافی نہ ہو، انسانی زندگی کے صحیح ارتقاء اور اس کی کامیابی و بامرادی کے لئے سخت ضروری ہے۔ انسان کی عین فطرت اس راہ کی طالب ہے، اور مختلف ٹیڑھے راستوں سے بار بار بغاوت کرنے کی اصل وجہ یہ ہے کہ وہ سیدھی شاہراہ کو ڈھونڈتی ہے مگر انسان خود اس شاہراہ کو معلوم کرنے پر قادر نہیں ہے۔ اس کی طرف صرف خدا رہنمائی کر سکتا ہے اور خدا نے اپنے رسولؑ اس لئے بھیجے ہیں کہ اس راہ راست کی طرف انسان کی رہنمائی کریں۔

قرآن اس راہ کو صراط مستقیم یا سواء السبیل کہتا ہے۔[1] یہ شاہراہ دنیا کی اس زندگی سے لیکر آخرت کی دوسری زندگی تک بے شمار ٹیڑھے راستوں کے درمیان سے سیدھی گزرتی چلی جاتی ہے۔ جو اس پر چلا وہ یہاں راست رو اور آخرت میں کامیاب و بامراد ہے اور جس نے اس راہ کو گم کر دیا، وہ یہاں غلط بین، غلط رو اور غلط کار ہے اور آخر میں لامحالہ اسے دوزخ میں جانا ہے کیونکہ زندگی کے تمام ٹیڑھے راستے دوزخ ہی کی طرف جاتے ہیں۔

آج سے کچھ عرصہ پہلے جرمن سکالر وولف گینگ ساش نے لکھا "گذشتہ چالیس برس کو ترقی کا زمانہ کہا جاتا ہے روشنی کا وہ مینار جو ملاحوں کو ساحل کا نشان منزل دیتا ہے۔ "ترقی" وہ تصور تھا جس نے ابھرنے والی اقوام کا جنگ کے بعد کا تاریخی سفر متعین کیا۔ جمہوریت ہو یا آمریت، جنوب کے ممالک نے نو آبادیاتی تسلط سے آزادی کے بعد "ترقی" کو اپنی امنگوں اور آرزوؤں کا محور ٹھہرایا۔ چار عشروں کے بعد بھی دنیا کی کم و بیش تمام حکومتوں اور عوام کی نظریں اسی "مینارہ نور" پر جمی ہوئی ہیں حالانکہ وہ اب بھی ان کی پہنچ سے اتنا ہی دور ہے جتنا پہلے دن تھا۔ ہر چند کہ ترقی کے حصول کے لئے جتنی کوشش کی جائے اور جو قربانی دی جائے اس کا جواز یقیناً موجود ہے لیکن نگاہیں جس کی روشنی پر مرکوز ہیں وہ بتدریج اندھیرے میں گم ہوا چاہتی ہے تب سے شمال اور جنوب کے تعلقات اسی پس منظر میں تشکیل پاتے رہے ہیں۔ "ترقی" نے اس حوالے سے وہ بنیادی سانچا فراہم کیا جو دراصل فیاضی، رشوت اور استعماری غلبے کا مرکب ہے۔ یہی ہدف ترقی یافتہ شمال کی، غیر ترقی یافتہ جنوب کے لئے مرتب کردہ پالیسیوں کی پہچان ہے۔ آدھی صدی ہونے کو آ رہی ہے اور روئے زمین پر اچھی ہمسائیگی کو اسی ترقی کی روشنی میں دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش ہو رہی ہے۔" لیکن یہ مینار اب تبدیل ہو رہا ہے۔ وولف گینگ ساش ہی کے بقول: "آج اسی روشنی کے مینار میں دراڑیں پڑ گئی ہیں اور یہ دھڑام سے گرنے والا ہے۔ دانشوروں کے نزدیک یہ نام نہاد ترقی ایک ویرانہ ہے" اور حقیقت میں اس دور کا اختتام قریب ہے اور اس کا مرثیہ لکھنے کا وقت آ گیا ہے"۔[2]

۱۱ ستمبر کے واقعات کا جو بھی ذمہ دار ہے (سارے خون خرابے کے باوجود دنیا ابھی تک شبہات کی دنیا سے باہر نہیں آ سکی) اس نے عالمی سطح پر ایسے حالات کو پیدا کرنے کا موقع فراہم کر دیا ہے جن کے نتیجے میں سیاست کا نقشہ بدل گیا ہے یا صحیح تر

الفاظ میں جس طرف مقتدر قوتیں اسے لے جانا چاہتی تھیں، وہ ممکن ہو گیا ہے۔ تو کیا ۱۱ستمبر اس دور کے اختتام کا مرثیہ ہے؟ اس واقعے کے بعد ایک جملہ میڈیا سے لیکر سیاسی قائدین اور کالم نگاروں تک سب ہی کی زبان اور نوک قلم پر گردش کر رہا ہے ''اس دن کے بعد دنیا بدل گئی اور زمانہ وہ نہیں رہا جو پہلے تھا''۔

یہی جملہ اس سے پہلے بھی بہت سے تاریخی لمحات کے بارے میں کہا جاتا رہا ہے۔ ۱۹۸۹ء میں دیوار برلن کے انہدام کے موقع پر، ۱۹۷۹ء میں انقلاب ایران کے رونما ہونے پر، ۱۹۱۷ء میں انقلاب روس کے غلغلے پر اور خصوصیت سے ۱۷۸۹ء کے انقلاب فرانس کے تاریخی لمحات کے بارے میں کثرت سے یہ جملہ دھرایا گیا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ انقلاب فرانس کے دوسو سال بعد چین کے دانشور اور وزیراعظم چواین لائی نے برملا کہا تھا کہ انقلاب فرانس کے بارے میں ابھی یہ اظہار رائے قبل از وقت ہی ہے ابھی انتظار کرو اس لئے گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء کے بارے میں تو پتا نہیں ابھی کتنے انتظار کی ضرورت ہوگی۔[۳]

اس واقعے کے رونما ہونے کے بعد پوری دنیا حالت کرب میں ہے۔ انسانیت بحیثیت مجموعی انتہاء پسندی کے ہاتھوں زچ ہے۔ انتہاء پسندی کیا ہے؟ اوپر کی سطروں میں بالواسطہ کوشش کی گئی کہ مدعا واضح ہو سکے۔ عدم توازن کو انتہا پسندی کہتے ہیں۔ یہ عدم توازن زندگی کے کسی بھی میدان میں ہو، اسے انتہا پسندی کہا جائے گا۔ اگر ہم احتیاط سے جائزہ لیں تو اس وقت انسانیت کا ایک واضح حصہ انفرادی و اجتماعی دونوں حیثیتوں میں انتہاء پسندی کی طرف رواں دواں ہے۔ قرآن نے درج ذیل آیت میں اسی طرف اشارہ کیا ہے:

> ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝[۴]
>
> ''خشکی اور تری میں فساد ہو گیا ہے لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے تاکہ مزا چکھائے ان کو ان کے بعض اعمال کا، شاید کہ وہ باز آجائیں''۔

اور اسی فساد کو دور کرنے، انسانیت کو صراط مستقیم کی طرف متوجہ کرنے کے لئے رب کائنات نے وحی کے ذریعے قرآن کا نزول کیا اور اپنے آخری نبی حضرت محمد ﷺ کو بھیجا تاکہ وہ عملاً انسانیت کو دکھائے کہ سواء السبیل کیا ہے جیسا کہ آپؐ نے فرمایا: ''میں تو بھیجا ہی اس لئے گیا ہوں تاکہ مکارم اخلاق کی تکمیل کردوں''۔ آپؐ پر ایمان لانے والوں کو امت وسط کہا گیا۔[۵] اور اس کی یہ ذمہ داری لگائی گئی کہ وہ لوگوں پر گواہ ہوں اور رسولؐ ان پر گواہی دے۔ یہ لفظ ''امت وسط'' اس قدر وسیع معنویت اپنے اندر رکھتا ہے کہ کسی دوسرے لفظ سے اس کے ترجمے کا حق ادا نہیں کیا جا سکتا۔ اس سے مراد ایک ایسا اعلیٰ اور اشرف گروہ ہے جو عدل و انصاف اور توسط کی روش پر قائم ہو جو دنیا کی قوموں کے درمیان صدر کی حیثیت رکھتا ہو، جس کا تعلق سب کے ساتھ یکساں حق اور راستی کا تعلق ہو اور ناحق ناروا تعلق کسی سے نہ ہو۔ اسی طرح کسی شخص یا گروہ کا اس دنیا میں خدا کی طرف سے گواہی کے منصب پر مامور ہونا ہی درحقیقت اس کا امامت اور پیشوائی کے مقام پر سرفراز کیا جانا ہے۔ اس میں جہاں فضیلت اور سرفرازی ہے وہیں ذمہ داری کا بہت بڑا بار بھی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح رسولؐ اس امت کے لئے خدا ترسی، راست روی، عدالت اور حق پرستی کی زندہ شہادت بنے، اسی طرح اس امت کو بھی تمام دنیا کے لئے زندہ شہادت بننا چاہئے حتیٰ کہ اس کے قول اور عمل اور

برتاؤ، ہر چیز کو دیکھ کر دنیا کو معلوم ہو کہ خداترسی اسی کا نام ہے، راست روی یہ ہے عدالت اس کو کہتے ہیں اور حق پرستی ایسی ہوتی ہے۔ [۱]

لیکن عملاً ایسا نہیں ہو رہا ہے بلکہ امت وسط بھی انتہا پسندی کی راہ پر گامزن ہے۔ اگر جائزہ لیا جائے تو اس وقت پوری انسانیت بشمول امت مسلمہ درج ذیل سطحوں پر انتہاء پسندی کا شکار ہے:

۱۔ مذہبی

۲۔ سماجی وثقافتی

۳۔ معاشی اور

۴۔ سیاسی

ا۔ مذہبی انتہاء پسندی:

جدید دور میں رائج مذہبی انتہاء پسندی کو ہم نظر انداز نہیں کر سکتے۔ اس انتہا پسندی کے ہاتھوں دنیا میں منصفانہ اور پرامن سوسائٹی کا قیام ناممکن ہے۔ اس انتہاء پسندی میں روز بروز اضافہ ہوا ہے اور اب صورت یہ بنی ہے کہ جو کوئی بھی ان کی ہاں میں ہاں نہ ملائے، اسے دہشت گرد، کافر اور ملحد کسی بھی خانے میں فٹ کر دیتے ہیں۔ یہ ضروری ہے کہ مذہبی انتہاء پسندی کے خلاف ردعمل کا کھل کر اظہار کیا جائے۔ جہاں مذہبی عمائدین (چاہے وہ کسی بھی مذہب کے ہیں) کو چاہئے کہ وہ اپنے اقدار اور ان کے ذرائع کا جائزہ لیں کہ ان کا وحی سے زیادہ تعلق تاریخی واقعات سے ہے۔ وہ اپنے رویئے پر نظر ثانی کرتے ہوئے انسانی محبت اور معاشرتی حقوق کو فروغ دیں وہاں حکومتوں کو چاہئے کہ وہ اپنی ریاستوں کو اس قابل بنائیں کہ ہر شہری وہاں اپنے عقیدے کے ساتھ پرامن رہ سکے۔ بالخصوص مغرب اپنے طرز فکر میں تبدیلی لائے۔ مغرب کو معلوم ہونا چاہئے کہ اسلام اللہ کی ہدایت کا نام ہے بلا شبہ مسلمان وہ ہے جو اسلام قبول کرے، اپنی زندگی اللہ کی بندگی میں دے اور اسے ان مقاصد کے لئے وقف کرے جو اللہ اور اس کے رسولؐ نے انسانی زندگی کے لیے مقرر کئے ہیں یہی وجہ ہے کہ مسلمان اسلام کے تابع ہے، اسلام مسلمانوں کے تابع نہیں۔ جن مغربی مفکرین (جیسے ولفریڈ اسمتھ) نے اسلام کی یہ تعریف کی ہے کہ اسلام وہ کچھ ہے، جو کچھ مسلمان کریں انہوں نے بڑی ٹھوکر کھائی ہے۔ یہ کوئی نسلی مذہب نہیں ہے اور نہ اس پر مسلمانوں کی اجارہ داری ہے۔ فقہاء نے اپنے دور میں دارالسلام، دارالامن اور دارالکفر کی جو اصطلاحات وضع کی تھیں، وہ مبنی برحق تھیں لیکن آج کے حالات میں، دنیا کے تمام ہی ممالک کے اقوام متحدہ کی رکنیت اختیار کرنے، ایک دوسرے کو قبول کرنے، باہمی سفارتی تعلقات اور تجارتی معاملات استوار کرنے، نقل وحرکت کے ضوابط میں اشتراک اور قانون کی بالادستی اور حقوق کی ضمانت کے باب میں خاص روایات قائم ہو جانے سے جو صورتحال پیدا ہوئی ہے، اس کو سامنے رکھ کر نئی حکمت عملی کی تشکیل کی ضرورت ہے۔ اسی لئے تو مشہور عالم اور داعی علامہ ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے پوری دنیا کو ''دارالدعوۃ'' قرار دیا ہے۔ [۲]

مغرب اور خود امریکہ کے ہاتھوں جو کچھ اسلامی دنیا پر گزرا ہے اور گزر رہا ہے وہ ایک حقیقت ہے اور اس کا سامنا کرنا مسلم عوام اور مسلم حکومتوں کی ذمہ داری ہے۔ ضروری امر یہ ہے کہ امریکہ اور یورپی ممالک کی حکومتیں اور وہاں کے عوام میں فرق کو ملحوظ خاطر رکھا جائے۔ ہماری تنقید کا ہدف ان ممالک کی قیادتیں اور ان کی سامراجی و ظالمانہ پالیسیاں ہونی چاہئیں۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے ہمیں معلوم ہونا چاہئے کہ انبیاء کرام نے گمراہ قوموں سے برسر جنگ ہونے کے باوجود ان قوموں کے عوام الناس تک پوری دل سوزی اور ہمدردی سے دین کی دعوت پہنچائی۔

مذہبی انتہاء پسندی اور تعلیمات نبویؐ میں اس کا حل:

ا۔ رسول اللہؐ کا تالیف قلب غیر مسلموں کیلئے:

مکہ کے مشرکین کے مقابلہ میں آپؐ نے ہمیشہ نرمی اور محبت کا برتاؤ کیا۔ ایک دفعہ آپؐ کسی غزوہ سے واپس آ رہے تھے۔ راستے میں ایک جگہ پڑاؤ کیا اور تیز دھوپ کی وجہ سے لوگ درختوں کے نیچے آرام کرنے لگے۔ حضورؐ نے بھی درخت کی شاخ پر تلوار لٹکائی اور آرام فرمانے لگے۔ ایک بدو نے غافل سمجھ کر تلوار پکڑ لی اور سونت کر بولا: ''محمدؐ آپ کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟'' آپؐ نے فرمایا ''اللہ'' آواز کی تاثیر تھی کہ اس نے تلوار نیام کر لی۔ اتنے میں صحابہؓ آ گئے تو آپؐ نے سارا واقعہ بیان کیا لیکن اس شخص کو کسی قسم کی ایذا نہ دی۔[۵] اس واقعے کا تجزیہ کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ ایک طرف انتہا پسندانہ رجحان ہے اور دوسری طرف انسانیت بھرا جواب۔ قتل کرنے والے کے پاس دلیل نہیں ہے، جواب دینے والے کے پاس ہے۔ قتل کرنے کی ناپاک جسارت کرنے والا مسئلے کا حل ہی یہی سمجھتا ہے کہ اس منبع ہی کو بند کیا جائے، جہاںؐ سے خوشبو آ رہی ہے، جواب میں ٹھہراؤ ہے، سنجیدہ پن ہے اور عقیدے کی پختگی ہے۔ اور سب سے اہم بات یہ کہ قتل کی کوشش کرنے والا چاہتا تھا کہ اس ذریعے ہی کا خاتمہ کیا جائے جو اسے شرک پر ملامت کرتا ہے لیکن مقابل محمد الرسول اللہؐ تھے، آپؐ نے وہی کیا جو کرنا چاہئے تھا یعنی معاف کرنا نتیجہ میں وہ مسلمان ہوا۔

مکہ میں قحط پڑا تو آپؐ مدینہ میں تھے ابھی ابھی ہجرت کر کے آئے تھے اور اہل مکہ کے مظالم کے زخم تازہ تھے لیکن حضورؐ نے مکہ میں آنے والے قحط کیلئے مدینہ میں بیٹھ کر دعا کی۔ آپؐ نے کبھی یہ پسند نہیں کیا کہ مکے کے افراد اور قافلے جو تجارتی اغراض کیلئے مکہ سے باہر آمد و رفت رکھتے تھے انہیں لوٹ لیا جائے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ مسلمان ہونے سے پہلے ایک غیر اسلامی قافلے کے ساتھ ہو گئے پھر موقع پا کر اہل قافلہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور سب مال جمع کر کے مدینہ پہنچے۔ حضورؐ نے ان سے کہا اسلام تو تمہارا قبول کرتا ہوں لیکن اس مال سے بے زار اور لاتعلق ہوں جو تم لوٹ لائے ہو''۔ اور فرمایا ''وہ ہم میں سے نہیں جو کوئی کسی کو لوٹے''۔ اس زمانے میں مدینے میں یہودی بھی تھے اور ان کا عقیدہ تھا کہ مشرکین عرب ناپاک لوگ ہیں اور یہودیوں کے لئے موقع پا کر ان کا مال غصب کر لینا یا ان کی امانت میں خیانت کرنا جائز ہے لیکن محمدؐ نے یہ طرز عمل کبھی اختیار نہ کیا اور یہودیوں کے اس رویئے کی بھی مذمت کی کہ وہ غیر یہودیوں کے مال لوٹ لینا اور فریب سے کھانا جائز سمجھتے ہیں۔ یمامہ کے

حاکم جب مسلمان ہوئے تو انہوں نے مکہ کی ناکہ بندی کر دی تا کہ وہاں اناج نہ پہنچ سکے۔ حضورؐ کو معلوم ہوا تو فوراً حکم دیا کہ یہ ناکہ بندی ختم کرو اور اناج مکہ پہنچنے لگا۔

فتح مکہ کے بعد رسول اللہؐ کا ان غیر مسلموں سے جو آپؐ اور آپؐ کے ساتھیوں پر ظلم کرتے رہے، جو سلوک رہا، وہ تاریخ میں ایک بینظیر مثال ہے۔ مدینہ میں حضورؐ نے یہودیوں سے جو معاہدہ کیا، وہ امن اور مفاہمت کے اس اصول ''خود بھی زندہ رہو دوسروں کو بھی زندہ رہنے دو'' کے نظریہ کی بہترین شکل ہے۔ حضرت اسماءؓ کا بیان ہے کہ ''میری والدہ مکہ سے مدینہ آئیں اور مجھ سے مالی امداد طلب کی۔ میں نے آستانہ نبوتؐ میں حاضر ہو کر التماس کی، میری والدہ مکہ سے آئی ہیں اور ایسی حالت میں کہ اسلام سے بیزار ہیں۔ مجھ سے مدد مانگتی ہیں۔ کیا مجھے ان کی مدد کرنی چاہئے؟ آپؐ نے فرمایا! ہاں ضرور مدد کرو''۔ اسی طرح ام المومنین حضرت صفیہؓ ایک یہودی سردار حیی بن اخطب کی صاحبزادی تھیں۔ انہوں نے حضورؐ سے اجازت لے کر اپنے ایک یہودی رشتہ دار کے لئے ایک جائیداد وقف کی تھی۔

مدینہ میں غیر مسلم اکثر مسلمانوں کے خلاف مقدمے بارگاہ رسالتؐ میں لاتے تھے اور اس میں غیر مسلموں کے حق میں فیصلے ہوا کرتے تھے۔ بعض اوقات یہ مقدمے جلیل القدر صحابہ کے خلاف بھی ہوتے تھے لیکن حضورؐ نے انصاف کے تقاضے کو پورا کرنے کے لئے ان جلیل القدر صحابہ کے خلاف بھی فیصلہ دیا ہے۔ عبداللہ بن ابی احدرد انصاریؓ ایک یہودی کے پانچ درھم کے مقروض تھے اور قلاشی کا یہ عالم تھا کہ بدن کے جوڑے کے سوا کوئی چیز ان کے پاس نہ تھی۔ یہودی نے بارگاہ نبویؐ میں دعویٰ دائر کیا اور مہلت دینے سے انکار کیا۔ عبداللہؓ نے تین درھم میں اپنا ایک کپڑا فروخت کیا، دو درھم کسی صحابی سے قرض لے کر یہودی کا قرض ادا کیا۔ مدینے کے عربوں میں جس کسی عورت کا بچہ جیتا، وہ نذر مانتی کہ اگر بچہ زندہ رہے گا تو وہ اسے یہودی بنا دے گی۔ اس طرح بہت سے عرب بچے یہودیوں کے ہاتھ پڑ گئے تھے۔ مدینہ کے عربوں نے مسلمان ہونے کے بعد یہ بچے واپس لینے چاہے۔ یہ معاملہ تنازعہ کی شکل اختیار کر گیا اور فیصلے کے لئے حضورؐ کے پاس پہنچا۔ حضورؐ نے فیصلہ کیا کہ جہاں لڑکوں کی مرضی ہو گی انہیں وہاں رہنے دیا جائے گا، کسی پر کوئی زبردستی نہ ہو گی۔ جو لڑکے یہودی رہنا چاہتے تھے، انہیں یہودی رہنے کی اجازت دی گئی اور جو مسلمان ہونا چاہتے تھے وہ واپس ہوئے۔[۹]

(ب) عفو و درگزر دشمنوں کے لئے:

آپؐ نے فرمایا ''میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ جو کوئی مجھ پر ظلم کرے، میں اس کو قدرت انتقام کے باوجود معاف کروں، جو مجھ سے قطع کرے میں اس کو ملاؤں۔ جو مجھے محروم رکھے میں اس کو عطا کروں غضب اور خوشنودی دونوں حالتوں میں حق گوئی کو شیوہ بناؤں''۔ حضورؐ کی ساری زندگی اس کی مظہر رہی ہے۔ آپؐ دشمنوں کے حق میں دعا کرتے رہتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ بارگاہ نبویؐ میں درخواست پیش کی گئی کہ یا رسول اللہؐ مشرکوں پر بددعا اور لعنت کیجئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ ''میں لعنت کرنے والے کی حیثیت سے مبعوث نہیں ہوا بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں''۔ قریش کے ظلم و ستم کے جواب میں آپؐ کا ردعمل یہ تھا ''الٰہی! میری قوم کو بخش دے کہ یہ لوگ بے خبر ہیں''۔

صحابہؓ نے جب مکہ سے مدینہ ہجرت کی تھی، ان کے دکانوں پر مشرکین نے قبضہ کر لیا تھا اور عام خیال یہ تھا کہ اب مسلمانوں کو ان مکانات کا قبضہ واپس دلوایا جائے گا لیکن یہ مکانات بھی فتح مکہ کے موقع پر ان سے واپس نہیں لئے گئے۔ ام المومنین حضرت زینبؓ کے بھائی نے سب کے سامنے اپنے مکان کا مطالبہ کیا لیکن حضورؐ نے ان سے کہا ''تم اپنے مکان کا دعویٰ چھوڑ دو تو میں جنت میں ایک محل کا وعدہ کرتا ہوں'' حضرت زینبؓ کے بھائی نے فوراً اپنے دعوے سے دستبرداری اختیار کر لی۔ کچھ اور لوگ بھی جائیداد کی بازیابی کے خواہاں تھے لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ حضورؐ ان جائیدادوں کے متعلق کوئی تذکرہ پسند نہیں فرماتے، تو سب نے خاموشی اختیار کر لی۔

صلح حدیبیہ کے زمانے میں اسی آدمیوں کا دستہ تاریکی میں جبل تنعیم سے اتر آیا تا کہ چھپ کر حضورؐ کو قتل کر دیں۔ مسلمان ہوشیار تھے، انہیں گرفتار کر لیا لیکن آپؐ نے ان سے کوئی تعرض نہ کیا اور انہیں چھوڑ دیا۔ مفسرین کے مطابق قرآن مجید کی درج ذیل آیت اسی موقع پر اتری۔ [۱۱]

وَهُوَ الَّذِیْ كَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ وَ اَیْدِیَكُمْ عَنْهُمْ [۱۲]

وہی اللہ ہے جس نے ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک لئے۔

خیبر کی جس یہودیہ نے آپؐ کو کھانے میں زہر دیا تھا اور یہودیوں کے اقرار کے باوجود آپؐ نے کوئی تعرض نہ کیا حالانکہ اس زہر کا اثر آپؐ کو آخری دم تک محسوس ہوتا رہا۔ آپؐ نے اپنی ذات کا خیال تو نہ کیا لیکن اسی زہر کے اثر سے جب ایک صحابیؓ فوت ہوئے تو آپؐ نے اسے قصاص کی سزا دی۔ [۱۳]

ابو سفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ نے حضور اکرمؐ کے محبوب چچا سید الشہداء حضرت حمزہؓ کا سینہ چاک کیا تھا اور جگر کے ٹکڑے کئے تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر اطاعت کے سوا کوئی چارہ نہ پا کر بارگاہ رسالت میں نقاب پہن کر بیعت کے لئے حاضر ہوئیں تا کہ پہچانی نہ جا سکے۔ آپؐ نے پہچان لیا لیکن عفو و رحم کے باعث محسوس نہ ہونے دیا۔ ہند نے آپؐ کے اخلاق سے متاثر ہو کر کہا ''یا رسول اللہ! میری نگاہ میں آپؐ کے خیمے سے زیادہ مبغوض کوئی خیمہ نہ تھا لیکن آج آپؐ کے خیمے سے محبوب تر کوئی خیمہ نظر نہیں آتا''۔ [۱۴] حبشی سے صرف اتنا کہا گیا کہ ''ہو سکے تو میرے سامنے نہ آیا کرو''۔

فتح مکہ کے موقع پر بڑے مجرموں میں ایک ھبار بن الاسود بھی تھا۔ یہ وہ شخص تھا جس نے حضورؐ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کو ہجرت کے وقت اونٹ سے گرایا تھا، جس سے سخت چوٹ بھی آئی تھی اور حمل بھی ساقط ہو گیا تھا۔ وہ ایران کی طرف بھاگ جانا چاہتا تھا لیکن حضورؐ کے حلم و عفو کے باعث بارگاہ رسالتؐ میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے کا اعلان کیا تو دامن رحمت نے پناہ دیدی۔ [۱۵]

(ج) رحمت و عافیت منافقین کے لئے:

رئیس المنافقین کی سیاست مدینہ پر چھائی ہوئی تھی، جب آپؐ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی اور اس کی یہ سیاست اس

قدر کامیاب تھی کہ دونوں قبیلے اوس وخزرج اسے بادشاہ بنانے پر بھی رضا مند ہو گئے تھے۔ حضورؐ کے مدینہ آنے کے بعد عبداللہ بن ابی کی تاجپوشی کے سارے خواب بکھر گئے۔ اس بناء پر وہ حضورؐ کا دشمن ہو گیا لیکن مدینہ میں حضورؐ کی عام موافقت کی فضا دیکھ کر وہ علانیہ مخالفت نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے ظاہر داری کے طور پر اسلام لے آیا۔ حضورؐ کو معلوم تھا کہ عبداللہ بن ابی کو بادشاہت چھن جانے کا غم ہے۔ آپؐ نے ہمیشہ کوشش کی کہ اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے اور یہ غم اس کے دل سے نکل جائے۔ اس کی ریشہ دوانیوں کی داستان طویل ہے غزوہ احد میں عین راستے میں سے تین سو ساتھیوں کے ساتھ لوٹ جانا، حضرت عائشہ صدیقہؓ پر تہمت، غزوہ المصطلق میں انصار و مہاجرین کو لڑانے کی کوشش کرنا، مسجد ضرار کی تعمیر وغیرہ۔ جب غزوہ المصطلق میں عبداللہ بن ابی نے مہاجرین کے بارے میں نازیبا الفاظ استعمال کئے تو خود اس کے بیٹے نے جو سچے مسلمان تھے باپ کے گھوڑے کی لگام پکڑی کہ جب تک تم اقرار نہیں کرو گے کہ تم روئے زمین کے ذلیل ترین آدمی ہو اور محمدؐ دنیا کی معزز ترین ہستی ہیں میں تمہیں شہر میں داخل نہ ہونے دوں گا۔ عبداللہ بن ابی کو اس کے بیٹے سے حضورؐ نے چھڑایا اور فرمایا: ''جب تک یہ ہم میں موجود ہیں، ہم ان سے اچھا ہی برتاؤ کرتے رہیں گے''۔[۵۵]

درج بالا تعلیمات اور رسول اللہؐ کے عملی اقدامات کے تناظر میں سب سے پہلا سوال جو ذہن میں ابھرتا ہے وہ یہ ہے کہ کیا واقعتاً ہم رسول اللہؐ کے امتی ہیں؟ کیا واقعتاً انتہاء پسندی کے جواب میں اسی ردعمل کا اظہار کر رہے ہیں، جو قرآن و حدیث ہمیں بتاتے ہیں۔ یہاں تو صورتحال یہ ہے کہ بقول علامہ اقبالؒ:

اس قوم میں ہے شوخی اندیشہ خطرناک — جس قوم کے افراد ہوں ہر بند سے آزاد
گو فکر خداداد سے روشن ہے زمانہ — آزادی افکار ہے ابلیس کی ایجاد
ہے کس کی یہ جرات کہ مسلمان کو ٹوکے — حریت افکار کی نعمت ہے خداداد
چاہے تو کرے کعبہ کو آتش کدہ پارس — چاہے تو کرے اس میں فرنگی صنم آباد
قرآن کو بازیچہ اطفال بنا کر — چاہے تو خود اک تازہ شریعت کرے ایجاد
ہے مملکت ہند میں اک طرفہ تماشا — اسلام ہے محبوس، مسلمان ہے آزاد

اور

ہند میں حکمت دین کوئی کہاں سے سیکھے — نہ کہیں لذت کردار نہ افکار عمیق
حلقہ شوق میں وہ جرات اندیشہ کہاں — آہ، محکومی و تقلید و زوال تحقیق
خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں — ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق
ان غلاموں کا یہ مسلک ہے کہ ناقص ہے کتاب — کہ سکھاتی نہیں مومن کو غلامی کے طریق

۲۔سماجی وثقافتی انتہاء پسندی:

بدلتے حالات کے ساتھ ساتھ انسان کی سوچ میں تبدیلی کا آنا ایک فطری امر ہے۔اس کرہ ارض پر اربوں انسان رہتے ہیں۔ ہر خطہ زمین کے رہنے والوں نے اپنے تجربات و مشاہدات کی روشنی میں سماج کی بنیادیں رکھی ہیں۔ جب سے یہ تصور عام ہوا ہے کہ دنیا کی مثال ایک گلوبل Village کی ہے، فاصلے سمٹ رہے ہیں اور یہ ناممکن ہو گیا ہے کہ ایک سماج کی ثقافت سے دوسری سماج متاثر نہ ہو لیکن اپنے تصور معاشرت کو دوسروں پر ٹھونسنا انتہاء پسندی ہے۔ پروفیسر جین ڈاسٹ کہتا ہے ''سب سے اہم کام ہمارے دور کا یہ ہونا چاہئے کہ اختلاف رائے کی اہمیت کو تسلیم کر لیں۔ممکن ہی نہیں کہ دو ایک طرح کی سوچ رکھنے والے انسان وجود میں آئیں اگر ہم نے اس پر اصرار کیا تو یہ ہمیں تنزل کی طرف لے جائے گا''[۱۶]

موجودہ اعلیٰ اخلاقی اقدار سے عاری ترقی کے فلسفے نے مسلم امہ کو پریشان کر رکھا ہے۔اس بے زاری کی گہری جڑیں مغربی ثقافت اور اس کی لادین آزادروی میں پیوست ہیں۔اس جعلی ثقافتی ترقی نے مسلمان معاشروں میں انتشار و افتراق کی کیفیت پیدا کر کے قومیتی، علاقائی اور طبقاتی جھگڑوں کو ابھار دیا ہے۔مکمل طور پر مادہ پرستانہ زندگی، طرز عمل، اسلامی طریقہ زندگی اور تہذیبی روایات کے سراسر خلاف ہے۔ اسلام معاشرے کی تشکیل اور اس کی اقتصادی وسماجی زندگی کی تنظیم کرتے ہوئے عدل و انصاف کی قدروں کو بنیادی اہمیت دیتا ہے۔ وہ اخلاقی اور مادی حکمت عملی کے ایک حسین امتزاج کے ساتھ زندگی اور اس کے مسائل کا حل پیش کرتا ہے۔ یہ ایک تاریخی شہادت ہے کہ مغربی افکار ونظریات اور اقدار کو جب بھی مسلمانوں کے سر تھوپنے کی کوشش کی گئی تو نتائج ہمیشہ منفی نکلے۔

تعلیمات نبویؐ:

پہلی اور دوسری جنگ عظیم کی بنیاد کو تلاش کیا جائے تو سوائے نسلی تفاخر کے جھگڑے، مادہ پرستانہ سوچ اور حرص کے اس کی اور کوئی بنیاد نہیں ملتیں۔حضورؐ کی تشریف آوری کے وقت انسانیت نسلی، لسانی اور مفاداتی گروہوں میں تقسیم تھی۔ اشراف قریش، مذہبی، قومی اور معاشی بنیادوں پر قابل عزت تھے۔غلاموں اور کمزور لوگوں کی زندگی ان کے رحم وکرم پر تھی۔ایسے میں پیغمبر انسانیت نے مساوات انسانی کا نعرہ بلند کیا اور جھوٹے وقار اور غلط پندار کو توڑ کر رکھ دیا۔آپ کا درس قرآن کی روشنی میں تھا: ان اکرمکم عند اللہ اتقکم (تم میں سے سب سے بڑا عزت دار وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہو) [۱۷] آپؐ نے اپنے متعلق بڑی صاف گوئی سے فرمایا ''میری تعریف میں اس طرح کا غلو نہ کرنا جس طرح کا غلو حضرت عیسیٰ کی تعریف میں نصاریٰ نے کیا کیونکہ میں تو صرف اللہ کا بندہ اور اس کا رسولؐ ہوں''۔[۱۸]

بلال حبشیؓ، سلمان فارسیؓ اور صہیب رومیؓ کو معاشرے میں مساوی درجہ پر رکھنا اور اپنے ساتھ ملانا ایک ایسا انقلابی قدم تھا، جس کی پیروی کے لئے آج بھی انسان محتاج ہے۔آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی کی کہ عاجزی اختیار کرو تاکہ کوئی شخص کسی پر فخر نہ کر سکے اور نہ کسی پر ظلم کر سکے''۔ [۱۹] آپؐ نے ان امور کا وعظ نہیں فرمایا بلکہ اپنے قول وفعل سے اس کا نمونہ پیش کیا۔

حضورؐ کی پوری زندگی اعتدال وتوازن کا بے نظیر نمونہ ہے۔ ایک طرف آپؐ اتنے بڑے فکری و معاشرتی انقلاب کے داعی و تاریخ کا رخ بدلنے والے تھے، دوسری جانب گھریلو زندگی کو خوشگوار رکھنے والے، اس سے لطف اندوز ہونے والے اور شب بیداری کرنے والے تھے۔ نعیم صدیقی کے بقول ''آپؐ عوامی حلقوں سے پوری طرح مربوط تھے، جماعت اور معاشرہ سے شخصی اور نجی تعلق رکھتے تھے۔ علیحدگی پسندی، کبریائی کا شائبہ تک نہ تھا۔ درحقیقت جس نظام اخوت کی آپؐ نے تاسیس فرمائی تھی یہ اس کا اہم تقاضا تھا کہ لوگ باہم دگر مربوط رہیں، ایک دوسرے کے کام آئیں اور ایک دوسرے کے حقوق پہچانیں۔[۲۰]

ویسے تو یہ ممکن نہیں کہ اس مختصر سے مقالے میں آپ کی سماجی زندگی کا احاطہ ہو لیکن خلاصہ کے طور پر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ آپ گھر سے نکلتے تو سلام میں پہل کرتے اور فرماتے کہ سلام میں پہل کرنے والا کبر سے محفوظ رکھتا ہے۔[۲۱] بچوں کے ساتھ گفتگو فرماتے اور انہیں سلام کہتے، بچوں سے پیار بھی کرتے بازار کو ناپسندیدہ جگہ سمجھتے۔[۲۲] لیکن وہاں جاتے تو ہر ایک کو سلام کہتے تھے۔ بیماروں کی عیادت کا اہتمام کرتے اور ان کی صحت کی دعا کے ساتھ ان کی ہمت بڑھاتے۔ آپؐ نے فرمایا ''جس کو یہ پسند ہو کہ اس کے رزق میں وسعت اور اس کی عمر میں برکت ہو، اسے صلہ رحمی کرنی چاہیے''۔[۲۳]

معاشی انتہاء پسندی:

اس وقت پوری دنیا چند بڑے ممالک کے معاشی شکنجے میں جکڑی ہوئی ہے۔ پروفیسر شین (Schene) کہتے ہیں کہ ''کیمونزم اور سرمایہ دارانہ نظام منڈی میں بکنے والا ایک ہی مال ہے۔ فرق صرف ساہوکار کا ہے۔ ایک اپنا مال تھوک کے بھاؤ فروخت کرتا ہے، دوسرا پرچون کے بھاؤ''۔ معاشیات میں اب عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ سرمایہ داری اور اشتراکیت، دونوں غریب اور امیر کے خوفناک فرق کو دور نہیں کر سکتے، جو ہماری دنیا کا سب سے بڑا اسکینڈل ہے۔ افراط زر اور کساد بازاری کا چکر جو ہر ملک میں بہت سے لوگوں کے لئے تباہی لاتا ہے، ختم نہیں کیا جا سکتا۔ دنیا کی تجارت اور مالیات کا نظام غریب ممالک کے غریبوں کو مستقل غربت کا شکار بنا دیتا ہے۔ اب ماہرین معاشیات تسلیم کرتے ہیں کہ معاشی نظام کا انحصار اس پر ہے کہ انسانی ضروریات کے بارے میں مسرت کی شرائط کے بارے میں فرد اجتماع کے تعلقات کے بارے میں افراد کے عقائد کیا ہیں۔ بہتری کی امید اسی صورت میں کی جاسکتی ہے کہ معاشی رویوں کو اخلاقی حس کنٹرول کرے۔[۲۴]

پاکستان کی صورتحال کیا ہے؟ آبادی کا ۱/۴ یعنی ۳ کروڑ غربت کی سطح سے نیچے زندگی گزارتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی آمدنی کی تقسیم کی کیفیت بھی وقت گزرنے کے ساتھ خراب تر ہوگئی ہے۔ ان ۲۰ برسوں میں قومی آمدنی میں کم آمدنی والے ۲۰ فیصد آبادی کا حصہ ۸.۴ فیصد سے کم ہو کر ۷.۵ فیصد ہو گیا ہے۔ دوسری طرف اسی عرصہ میں زیادہ آمدنی والی ۲۰ فیصد آبادی کا حصہ ۴۱.۵ فیصد سے بڑھ کر ۴۵.۳ فیصد ہو گیا ہے''۔[۲۵] معیشت کی کمزوری کی اصل وجہ غربت میں اضافہ اور دولت کی تقسیم میں ناہمواری ہے۔

تعلیمات نبویؐ:

آپؐ کی بعثت کے وقت صورتحال یہ تھی کہ جاہلانہ طبقاتی تقسیم نے معاشرہ میں لوٹ کھسوٹ اور بدنظمی پیدا کی تھی۔

سرمایہ دار طبقہ نے سود جیسی لعنت مسلط کر رکھی تھی جس سے غریب کا خون نچڑ رہا تھا۔ معاشرتی زندگی شراب نے جوئے کے ساتھ مل کر معاشی زندگی کو مفلوج کر کے رکھ دیا تھا۔ ذرائع آمدنی پر مخصوص لوگوں کا قبضہ تھا۔ آپؐ نے سب سے پہلے سود کو ختم کیا اور سب سے پہلے اپنے چچا کے سود کو باطل قرار دیا۔[۲۶] آئندہ کے لئے سودی کاروبار کرنے والوں کو اللہ اور اس کے رسول کا باغی قرار دیا۔ بیع وشراء کے تمام باطل طریقے ختم کئے۔[۲۷] جوئے اور شراب کو بند کیا اور اس کے ذریعے پیدا ہونے والی فضول خرچی کو شیطانی فعل قرار دیا۔ اقتصاد اور اعتدال کو معاشی زندگی کی روح قرار دیا تمام غیر اخلاقی اور ظالمانہ طریقے بند کئے تاکہ انسانوں کا کوئی طبقہ بھی ظلم کا شکار نہ ہو۔ آپؐ نے فرمایا: ''حلال معیشت کا طلب کرنا اللہ کے فریضہ عبادت کے بعد سب سے بڑا فریضہ ہے''۔[۲۸] ''جس بدن نے مال حرام سے پرورش کی ہو، وہ جنت میں داخل نہ ہوگا''۔[۲۹]

نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بیٹیاں جو زندہ درگور کی جاتی تھیں (وجہ صرف غیرت نہیں تھی بلکہ وہ معاشی بوجھ بھی سمجھی جاتی تھیں) کو پالنے، اچھی تربیت دینے میں مسابقت ہونے لگی۔ صحابہؓ میں مالی مراتب ضرور تھے لیکن ان کے مراتب اللہ کی رضا میں استعمال ہونے لگے۔ آپؐ نے لوگوں کا مال نہیں چھینا بلکہ ان کا تزکیہ کیا جس کے نتیجے میں غزوہ تبوک میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے اعلیٰ ایثار کی مثالیں قائم ہوئیں۔ وراثت کے اسلامی نظام کے تحت دولت کا ارتکاز ختم ہوا۔ معاشرہ میں حسد کے بجائے رشک اور مثبت مسابقت کی فضا پیدا ہوئی۔

سیاسی انتہا پسندی:

پی جے اسٹیورٹ لکھتا ہے''اس کرہ ارض پر بسنے والوں کے مستقبل کے لئے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے باہمی تعلقات کی غیر معمولی اہمیت ہے۔ مسلمان اپنے ساتھ پیش آنے والے واقعات پر ردعمل کا اظہار کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے باہر کی طاقتیں ان کے رویوں پر اثر انداز ہو سکتی ہیں۔ یہ سب کے مفاد میں ہے کہ مسلمانوں کو ناانصافی اور ظلم سے اتنا نہ دھکیلا جائے کہ وہ اپنے دفاع میں پرتشدد ہو جائیں۔ اخلاقی حوالوں سے قطع نظر، غیر مسلموں کو محسوس کرنا چاہئے کہ اسلام دنیا کا اکثریتی مذہب بننے والا ہے۔[۳۰]

اس وقت صورتحال یہ ہے کہ سیاست میں ایک پرمسرت دنیا کی تعمیر کے لئے طریقوں اور اداروں پر اعتماد ختم ہو رہا ہے۔ اگر ایک بہتر دنیا تعمیر ہونی ہے تو یہ کسی مثالی نظام کے ذریعے نہیں بلکہ بڑی تعداد میں انسانوں کی اخلاقی اصلاح سے ہی ممکن ہے۔ اس وقت جہاں مغرب کی پوری سیاست انا ولا غیری کے گرد گھوم رہی ہے اور ہر مسئلے کا حل طاقت و دھونس جمانے سے نکالا جا رہا ہے، اس سے مسئلے پیچیدہ ہو رہے ہیں۔ افغانستان میں اُسامہ کی پناہ میں اور عراق میں صدام کی آڑ میں اس صدی کا بدترین ظلم کیا گیا۔ اس کے جو نتائج سامنے آ رہے ہیں، وہ بدامنی، لاقانونیت اور انتہا پسندی کے سوا کچھ نہیں۔

امت مسلمہ میں اگر انتہا پسندی اور تشدد کی سیاست در آئی ہے تو یہ اس کے مشن اور مزاج سے مطابقت نہیں رکھتی اور اس کے اصل کردار پر ایک بدنما دھبہ ہے۔ انفرادی زندگی یا اجتماعی، اسلام تشدد اور اکراہ کا مخالف ہے اور محبت، بھائی چارے،

رواداری اور تعاون کو فروغ دینا چاہتا ہے۔ جہاد کا مقصد انصاف کا قیام اور تمام انسانوں کے لئے آزادی، عزت اور عدل کی ضمانت ہے۔ جہاد اپنی تمام صورتوں میں یعنی نفس کے ساتھ جہاد، زبان اور قلم سے جہاد مال و جان سے جہاد واضح اخلاقی حدود اور مقاصد کا پابند ہے۔ ہر سطح پر اس کے تصور، تعلیم اور تبلیغ کی ضرورت ہے تا کہ جہاد کا صحیح فہم و ادراک ہو اور اس کی نعمتوں سے مسلم اور غیر مسلم سب فیض ہو سکیں۔ جہاد کے اس تصور کا فہم اور احترام ہر دور میں ضروری تھا مگر آج جب جہاد کو بدنام کرنے کی کوشش ہو رہی ہے اور جہادی کلچر کو تشدد اور دہشت گردی کے مترادف قرار دیا جا رہا ہے، اس تفہیم اور جہاد کے آداب کے مکمل احترام کی ضرورت ہمیشہ سے زیادہ ہے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں ؎

یہاں مرض کا سبب ہے غلامی و تقلید　　وہاں مرض کا سبب ہے نظام جمہوری
نہ مشرق اس سے بری ہے نہ مغرب اس سے بری　　جہاں میں عام ہے قلب و نظر کی رنجوری

خلاصہ کلام:

یہ بات طے ہے کہ انبیاء کرام بشمول حضرت محمدؐ کی بعثت کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ انسان جو فطرت سلیم پر پیدا کیا گیا ہے، اس کو خود ساختہ انتہاء پسندی سے بچایا جائے۔ غار حرا میں جب وحی الٰہی کا پہلا نور چمکا اور جبریل امین اللہ کے آخری نبیؐ کے پاس اقراء کا حکم لے کر آئے اس وقت سے لیکر ۲۳ برس تک محمد عربی مکہ اور طائف کی وادیوں میں آفتاب جہاں تاب کی طرح گردش کرتے رہے اور پتھروں کے جواب میں ہدایت و سعادت کے پھول پھینکتے ہے۔ آپؐ کی تعلیمات کیا تھیں؟ اگر یکسوئی سے اس سوال کا جواب تلاش کیا جائے تو جواب مل سکتا ہے۔

ماوردی اور ابونعیم نے معرفۃ الصحابہ میں، عبدالملک بن عمیر سے روایت کی ہے۔ انہوں نے کہا اکثم بن صیفی کو رسول اللہ کی بعثت کی اطلاع ملی تو انہوں نے آپؐ کے پاس جانا چاہا لیکن پہلے ان کی قوم کے دو افراد جانے کو تیار ہوئے۔ وہ دونوں آپؐ کے پاس پہنچے اور کہا ''ہم اکثم کے قاصد ہیں، وہ تم سے پوچھتے ہیں کہ تم کون ہو اور کیا لائے ہو؟'' نبیؐ نے فرمایا۔

''میں محمد بن عبداللہ ہوں، خدا کا بندہ اور اس کا رسول'' پھر آپؐ نے درج ذیل آیت تلاوت کی۔

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِيْتَآئِ ذِى الْقُرْبٰى وَ يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَ الْبَغْيِ [۳۱]

اللہ تمہیں عدل، احسان اور قرابت داروں کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیتا اور فحش، منکرات اور سرکشی سے روکتا ہے۔

ان لوگوں نے پھر اپنا سوال دہرایا اور آپؐ نے پھر یہی آیت تلاوت فرمائی یہاں تک کہ انہوں نے سن کر یاد کر لی اور پھر واپس جا کر اکثم کو تمام باتیں بتائیں۔ اس نے آیت سن کر کہا ''میں دیکھتا ہوں کہ وہ مکارم اخلاق کا حکم دیتے ہیں اور برے اخلاق سے منع کرتے ہیں''۔ پھر اکثم نے اپنی قوم سے کہا ''اس معاملے میں تمہیں دوسروں سے پیچھے نہ رہنا چاہئے''۔ [۳۲]

مسند احمد طبرانی اور بخاری میں ادب المفرد میں ابن عباس سے روایت ہے کہ یہی آیت عثمان بن مظعون کے دل میں

استقرار ایمان کا سبب بنی تھی۔

امام بخاری نے ادب المفرد میں بیہقی نے شعب الایمان میں اور حاکم نے مستدرک میں ابن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ یہ آیت خیر وشر کے لیے جامع ترین آیت ہے۔ بیہقی نے حسن بصری سے بھی اسی طرح کی روایت نقل کی ہے۔ اس آیت کی جامعیت ہی کی وجہ سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کو خطبہ جمعہ میں شامل فرمایا۔ ابن جریر نے قتادہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ''اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہر ایسے خلق حسن کا حکم دیا ہے جس کو اہل جاہلیت بھی بہ نظر استحسان دیکھتے تھے اور ان کے یہاں اس پر عمل ہوتا تھا اور کوئی برا اخلاق ایسا نہیں ہے جس کو وہ عیب سمجھتے ہوں اور اس سے اللہ نے منع نہ کیا ہو''۔ اسلام کے سب سے بڑے دشمن ابوجہل نے یہ آیت سنی تو کہا: ''محمدؐ کا خدا مکارم اخلاق کا حکم دیتا ہے''۔

یہی رسول اللہؐ کی تعلیمات تھیں (عدل، احسان، صلہ رحمی) انتہاء پسندی (فحش، منکرات، سرکشی) کے خلاف۔ امت اپنے ہی قائد کی تعلیمات بھول کر بھٹک رہی ہے حالانکہ مسلم کی تعریف کرتے ہوئے علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

یقین پیدا کر اے غافل کہ مغلوب گمان تو ہے | خدائے لم یزل کا دست قدرت تو، زبان تو ہے
ستارے جس کی گرد راہ ہوں، وہ کارواں تو ہے | پرے ہے چرخ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
خدا کا آخری پیغام ہے تو جاوداں تو ہے | دکان فانی، مکین آنی، ازل تیرا، ابد تیرا
تیری نسبت براہیمی ہے، معمار جہاں تو ہے | حنا بند عروس لالہ سے خون جگر پیدا

اللہ تعالیٰ ہمیں عدل، احسان اور صلہ رحمی کا راستہ اختیار کرنے اور فحش، منکرات اور سرکشی کا راستہ چھوڑنے کی ہمت اور عزم عطا فرمائے (آمین)

حوالہ جات

۱۔ قرآن حکیم سورۃ المائدہ آیت ۱۲

۲۔

۳۔ پروفیسر خورشید احمد ''اشارات'' ترجمان القرآن ماہانہ (ادارہ ترجمان القرآن ۵ اے ذیلدار پارک اچھرہ لاہور) جنوری ۲۰۰۲

۴۔ قرآن حکیم سورۃ الروم آیت ۴۱

۵۔ قرآن حکیم سورۃ البقرہ آیت ۱۴۳

۶۔ تفہیم القرآن جلد اول ص ۱۱۹۔۱۲۰

۷۔ ترجمان القرآن اگست ۱۹۹۹ء ص ۱۱

۸۔ بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ ذات الرقاع ۵/۵۳۔۵۴

۹۔ سیارہ ڈائجسٹ ''رسول نمبر'' جلد ۲۰ شمارہ ۵ نومبر ۱۹۷۳ء ص ۲۹۴۔۲۹۵

۱۰۔ ترمذی کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ الفتح ۵/۳۸۶

۱۱۔ قرآن حکیم سورۃ الفتح آیت ۲۴

۱۲۔ بخاری کتاب المغازی باب الشاۃ التی سمت للنبی ۵/۸۴

۱۳۔ ڈاکٹر خالد علوی ''انسان کامل'' (لاہور الفیصل اردو بازار جنوری ۲۰۰۱) ص ۶۶۷

۱۴۔ ایضاً ص ۶۶۸

۱۵۔ سیارہ ڈائجسٹ رسول نمبر ص ۳۰۴۔۳۰۵

۱۶۔ ہیومن رائٹس کمیشن ۵۹ واں سیشن تحریری یادداشت برائے اکنامک اینڈ سوشل کونسل اقوام متحدہ مورخہ ۳۰۔۳۔۱۵ پروفیسر جین ڈاسٹ جینس یونیورسٹی میں پڑھاتے ہیں اور فزیالوجی و میڈیسن میں نوبل انعام یافتہ ہیں۔

۱۷۔ قرآن حکیم سورۃ الحجرات آیت ۱۳

۱۸۔ دارمی کتاب الرقاق باب قول النبیؐ ۲/۳۲۰

۱۹۔ ابن ماجہ کتاب الزہد باب البراءۃ میں الکبر ۲/۱۳۹۹

۲۰۔ نعیم صدیقی ''محسن انسانیت'' ص ۱۱۰

۲۱۔ ترمذی کتاب الاستیذان باب ماجاء فی التسلیم علی الصبیان ۵/۵۷

۲۲۔ مسلم کتاب المساجد باب فضل الجلوس ۲/۱۳۲۔۱۳۳

۲۳۔ بخاری کتاب الادب باب من بسط لہ فی الرزق ۷/۷۲

۲۴۔

۲۵۔

۲۶۔ سیرت ابن ہشام ص ۲۵۱

۲۷۔ بخاری کتاب البیوع ۳/۴۲۔۴۳

۲۸۔ مشکوۃ کتاب البیوع باب الکسب وطلب الحلال ۲/۷۸

۲۹۔ ایضاً ۲/۷۹

۳۰۔ ایضاً

۳۱۔

۳۲۔ تفسیر روح المعانی تفسیر سورۃ النحل آیت ۱۶

دور حاضر میں مذہبی انتہاء پسندی کا رجحان اور اس کا خاتمہ تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

محمد عبدالعلی اچکزئی، کوئٹہ

مذہبی انتہاء پسندی کا مفہوم:

عربی زبان میں انتہاء پسند کے لئے لفظ ''تطرف'' استعمال ہوا ہے۔ ''تطرف'' کا مطلب ہے درمیان سے دور پلٹ کر کنارے پر کھڑا ہونا اصلاً اس لفظ کا استعمال شروع شروع میں محسوس اور مرئی چیزوں کے لئے ہوتا تھا مثلاً کنارے بیٹھنا، کنارے چلنا، لیکن پھر بعد میں اس کا استعمال معنوی چیزوں کے لئے بھی ہونے لگا مثلاً دینی انتہاء پسندی، فکری اور نظریاتی انتہاء پسندی، سلوک اور رویہ میں انتہا پسندی، انتہاء پسندی کا لازمی نتیجہ چونکہ یہی ہوتا ہے کہ آدمی امن اور سلامتی سے دور اور ہلاکتوں اور خطروں سے قریب ہو جاتا ہے، اس لئے اسے انتہاء پسند کہا جاتا ہے۔[1]

لیکن شرعی طور پر انتہا پسندی سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے حدود سے تجاوز کیا جائے، افراط وتفریط کا راستہ اختیار کیا جائے ہر وقت اور ہر موقع پر رخصت کو چھوڑ کر عزیمت کو اختیار کیا جائے۔ اسی طرح دہشت گردی، تعصب، تنگ نظری، فقہ واریت، بے جا قسم کی سختی اور عدم برداشت بھی انتہاء پسندی کے مترادف قرار دیئے جاسکتے ہیں یا اس قسم کے رویوں کو ہم انتہاء پسندی میں شمار کر سکتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ انتہاء پسند وہ ہیں جو اللہ کے حدود کو پھلانگتے ہیں۔ تعصب اور عدم برداشت کی بناء پر مذہبی اور مسلکی اختلافات کو ابھارتے ہیں خصوصاً فروعات میں غیر ضروری اختلافات پیدا کر کے اسلامی اصولوں سے انحراف کرتے ہوئے راہ حق سے بھٹک جاتے ہیں اور مذہب کے ہر معاملے میں بے جا تشدد اور سختی سے کام لیتے ہیں اور دوسرے مذہب و مسلک کے لوگوں کو برداشت کرنے کے لئے قطعاً تیار نہیں ہوتے۔

انتہا پسندی کا رویہ طبیعتوں میں وحشت کی کیفیت پیدا کرتا ہے اور یہ فطری طور پر انسانوں کے لئے ناپسندیدہ اور ناقابل برداشت ہوتا ہے۔ انتہاء پسندی کی عمر بہت تھوڑی ہوتی ہے۔ ہمیشہ ہمیش کے لئے اس راہ پر چلنا اور اسے عادت بنالینا آسان نہیں ہے۔ انتہا پسند انسان کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ مخالفین کی رائے یا نقطہ نظر کو سننے اور سمجھنے سے انکار کر دیتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ وہی تنہا حق پر ہیں۔ اور اسی طرح اس کی یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ وہ ایک جامد فکر کا حامل ہوتا ہے جو اسے مصالح شریعت اور زمانے کے تقاضوں سے غافل بنا دیتا ہے۔ لوگوں سے بات چیت کے موقع پر اس کے دل کے تمام دریچے بند ہوتے ہیں اور اپنی رائے کا دوسرے کی رائے سے موازنہ نہیں کرتا۔ انتہاء پسند بدگمانی سے کام لیتا ہے۔ اس کی ایک خیالی دنیا ہوتی ہے جس کی وجہ سے دین میں بے بصیرتی، تاریخی معلومات کی کمی اور حیات وکائنات کے سلسلے میں قوانین الٰہی سے ناواقفیت ہے۔

وہ ناممکن کو ممکن بنانا چاہتے ہیں اور تخیل کی اس دنیا میں رہتے ہیں جس کا اس عالم آب وگل سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

مجموعی طور پر اگرچہ ہمارے مسلم معاشرے میں اسلامی تعلیمات کے فروغ کی وجہ سے بھائی چارہ اور یک جہتی کا ماحول پایا جاتا ہے۔ مسلمانوں کی اکثریت اور مسلم معاشرے میں موجود مذہبی ادارے اور ان سے وابستہ افراد انتہاء پسندی کے خلاف ہیں لیکن اس کے باوجود بعض متعصب، متشدد، اسلامی تعلیمات سے بے خبر اور حدود سے تجاوز کرنے والے افراد ایسے بھی موجود ہیں جن کی وجہ سے انتہاء پسندی کے قابل افسوس واقعات پیش آتے ہیں اور ان واقعات کی وجہ مذہبی انتہا پسندی کا رجحان ہے۔ معاشرے میں موجود اس انتہا پسندانہ رجحان کا خاتمہ قرآن وسنت کی تعلیمات پر عمل کرنے سے ہی ممکن ہو سکے گا۔

اسلام اور انتہاء پسندی سے ممانعت:

قرآن وحدیث میں انتہاء پسندی کے لئے لفظ ''غلو'' استعمال کیا گیا ہے۔ ''غلو'' کے لفظی معنی حد سے نکل جانے کے ہیں جیسا کہ امام جصاص اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

الغلو فی الدین ھو مجاوزة حد الحق فیه [۲]

''دین کے بارے میں غلو یہ ہے کہ دین میں جس چیز کی جو حد مقرر کی گئی ہے اس سے آگے نکل جائے''۔

اللہ تعالیٰ نے غلو فی الدین کی ممانعت فرمائی ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔

یٰٓاَھۡلَ الۡکِتٰبِ لَا تَغۡلُوۡا فِیۡ دِیۡنِکُمۡ [۳]

''اے اہل کتاب! اپنے دین میں غلو نہ کرو''۔

اہل کتاب یعنی یہود ونصاریٰ دونوں کو اس حکم کا مخاطب اس لئے بنایا گیا کہ غلو فی الدین ان دونوں میں مشترک ہے اور یہ دونوں فرقے غلو فی الدین ہی کے شکار ہیں کیونکہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے اور ان کی تعظیم میں غلو کیا، ان کو خدا یا خدا کا بیٹا یا تیسرا خدا بنا دیا اور یہود نے ان کے نہ ماننے اور رد کرنے میں غلو کیا کہ ان کو رسول بھی نہ مانا۔ [۴]

اس آیت میں اگرچہ خطاب اہل کتاب سے ہے مگر اس میں مسلمانوں کے لئے بھی بڑا سبق ہے اور چونکہ غلو فی الدین کے سبب یہود ونصاریٰ کی گمراہی اور تباہی مشاہدہ میں آچکی تھی اس لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس معاملے میں پوری احتیاط کی تاکید کی۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لاتطرونی کما اطرت النصاریٰ عیسیٰ بن مریم علیه السلام خانما انا عبد فقولو اعده و رسوله [۵]

''میری مدح وثناء میں ایسا مبالغہ نہ کرو جیسا نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کے معاملے میں کیا ہے، خوب سمجھ لو کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اس لئے تم مجھے اللہ کا بندہ اور رسول کہا کرو''۔

غلو فی الدین وہ تباہ کن چیز ہے جس نے پچھلی امتوں کے دین کو دین ہی کے نام پر برباد کر دیا ہے، اسی لئے ہمارے آقا ومولا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس وباعظیم سے بچانے کے لئے مکمل تدبیریں فرمائیں۔ حدیث میں

ہے کہ حج کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمی جمرات کے لئے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو فرمایا کہ آپؐ کے واسطے کنکریاں جمع کرلائیں۔ انہوں نے متوسط قسم کی کنکریاں پیش کر دیں۔ آپؐ نے ان کو پسند فرما کر فرمایا: ایسی ہی متوسط کنکریوں سے جمرات پر رمی کرنا چاہئے۔ پھر فرمایا۔

وایاکم والغلو فی الدین فانما اھلک من کان قبلکم الغلو فی الدین [۴]

"دین میں غلو کرنے سے بچنا کیونکہ تم سے پہلے کی امتیں دین میں غلو کی وجہ سے ہلاک ہو گئیں"۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر چیز کی حد شرعی وہ ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول وعمل سے متعین فرما دی۔ اس سے تجاوز کرنا غلو یا انتہا پسندی ہے۔ جس کی اسلام نے ممانعت فرمائی ہے۔

اسلام نے اپنے احکام کی حدیں مقرر کی ہیں اور ان کو اتنا روشن کر دیا ہے کہ ان میں کسی شک کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ حد بندی کے بعد اس نے متعدد مقامات پر یہ حکم دیا کہ مقررہ حدود سے ہرگز تجاوز اور زیادتی نہ کرو۔ عقائد واعمال میں معاملات میں، کھانے پینے کی چیزوں میں اور زیب وزینت وغیرہ میں اس نے نہایت سختی سے غلو کی ممانعت فرمائی ہے۔ اس نے زینت کو جائز رکھا مگر اس میں فضول خرچی اور نخوت کو منع فرمایا ہے۔ عبادت کا حکم دیا مگر نفس وبدن کو حد سے زیادہ تکلیف دینے کی ممانعت کر دی چنانچہ ارشاد ہے۔

یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ خُذُوۡا زِیۡنَتَکُمۡ عِنۡدَ کُلِّ مَسۡجِدٍ وَّ کُلُوۡا وَاشۡرَبُوۡا وَلَا تُسۡرِفُوۡا ۚ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الۡمُسۡرِفِیۡنَ ۝ قُلۡ مَنۡ حَرَّمَ زِیۡنَةَ اللّٰهِ الَّتِیۡۤ اَخۡرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزۡقِ [۵]

۔ "اے اولاد آدم زینت اختیار کرو ہر عبادت کے موقع پر کھاؤ پیو مگر اسراف نہ کرو، بے شک اللہ فضول خرچ لوگوں کو پسند نہیں کرتا ہے۔ اے پیغمبر آپ پوچھیں کہ اللہ کی زینت اور کھانے کی پاکیزہ چیزوں کو کس نے حرام کیا ہے۔ جنہیں اللہ نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کیا ہے"۔

اسی طرح سورۃ المائدۃ میں ارشاد فرماتے ہیں:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُحَرِّمُوۡا طَیِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَکُمۡ وَلَا تَعۡتَدُوۡا [۶]

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو جو پاک چیزیں اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں۔ انہیں حرام نہ کرلو اور حد سے تجاوز نہ کرو"۔

یہ دونوں آیتیں جہاں اہل ایمان کے سامنے کھانے پینے اور زیب وزینت کی چیزوں کے بارے میں اسلام کی حقیقی راہ اجاگر کرتی ہیں وہیں وہ اس غلو کی مخالفت بھی کرتی ہیں جو مختلف ادیان میں پایا جاتا ہے۔

سہولت ومیانہ روی اور تعلیمات نبوی ﷺ:

اسلام کی راہ اعتدال کی راہ ہے ہر چیز میں اعتدال، تصور اور عقائد میں عبادت اور زہد میں، اخلاق اور رویہ میں،

معاملات اور قانون سازی میں، اسی راہ کا نام اللہ نے صراط مستقیم رکھا ہے اور اسی راہ پر چلنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ج وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِه [۹]

''یہ میرا راستہ ہے جو کہ مستقیم ہے سو اس راہ پر چلو اور دوسری راہوں پر مت چلو کہ وہ راہیں تم کو اللہ کی راہ سے جدا کر دیں گی''۔

صراط مستقیم وہ معتدل اور درمیانہ راستہ ہے جو افراط و تفریط دونوں سے منزہ اور پاک ہے نہ اس میں افراط یعنی حدود اللہ سے تجاوز ہے اور نہ ہی اس میں تفریط یعنی حدود اللہ میں کوتاہی ہے۔

اسلام کی عمومی خصوصیات میں میانہ روی اور اعتدال پسندی ایک اہم ترین خصوصیت ہے نیز اسلام کی بنیادی نشانیوں میں یہ وہ اہم نشان راہ ہے جسے اللہ نے دوسری ملتوں کے مقابلہ میں امت مسلمہ کا وصف قرار دیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ [۱۰]

''اور اس طرح تو ہم نے تم مسلمانوں کو امت وسط بنایا ہے تا کہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ رہو''۔

پس امت مسلمہ وہ انصاف اور اعتدال پسند امت ہے، جسے صراط مستقیم سے دائیں بائیں ہٹی ہوئی گمراہی اور ضلالت کے خلاف دنیا اور آخرت میں گواہ بنا کر کھڑا کیا گیا ہے۔

اسلام کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کا ہر حکم اور ضابطہ عقل سلیم اور فطرت صحیحہ کے بالکل مطابق ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ [۱۱]

''اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو فطرت صحیحہ پر پیدا کیا اور اس اصلی اور جبلی فطرت کو کوئی بدل نہیں سکتا یہی دین اسلام سیدھا دین ہے کہ جو اس اصلی فطرت کے مطابق ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں''۔

اس ارشاد ربانی کے مطابق دین اسلام کے دین فطرت ہونے کا معاملہ ہمارے ایمان و اعتقاد کا معاملہ ہے لیکن جب ہم اسلام کی تعلیمات، اس کے اصولوں اور احکام کا مطالبہ کرتے ہیں تو ہمارا وجدان اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ یہ دین حقیقتاً ہماری فطرت کے مطابق ہے۔ اسلام انسان کی ہر فطری ضرورت کے متعلق احکام دیتا ہے اور خاص بات یہ ہے کہ یہ احکام بھی اسی فطرت کو ملحوظ رکھ کر دیئے گئے ہیں۔

اسلامی شریعت کی سب سے نمایاں اور مشہور خصوصیت یہ ہے کہ اس کے احکام بہت سادہ اور سہل ہیں اور لوگوں کو مشقت اور تکلیف نہیں دی گئی ہے اور اگر کہیں تنگی ہے تو وہاں سہولت بھی دی گئی ہے۔ اس طرح اس کے تمام احکام انسانی فطرت کے مطابق ہیں۔ ان میں نہ کوئی ناخوشگوار آلائش ہے اور نہ ہی اس کا کوئی حکم شاق اور ناگوار معلوم ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ خدائے رحمٰن و رحیم کی شریعت ہے اور تمام احکام علم و حکمت والے خدا کی وحی اور ہدایت پر مبنی ہیں اور ان کی تفصیل خدا کے اس صادق اور امین رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کی ہے جو مومنوں کا بہت بڑا مشفق اور محسن ہے۔ آسانی اور سہولت کی اس

مخصوصیت کو قرآنی آیات میں بھی جا بجا بیان کیا گیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا[۱۲]

''اللہ کسی نفس کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی قوت کے مطابق''۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں:

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ[۱۳]

''اور اگر اللہ چاہتا تو تم کو سختی میں ڈال دیتا''۔

سورۃ بقرہ میں مزید ارشاد فرماتے ہیں:

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ[۱۴]

''اللہ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے سختی نہیں چاہتا''۔

اسی طرح سورۃ مائدہ میں ارشاد ہے:

مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ[۱۵]

''اللہ تعالیٰ تم پر کسی قسم کی تنگی ڈالنا نہیں چاہتا''۔

آگے چل کر سورۃ حج میں ارشاد ہے:

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ[۱۶]

''اور تم پر دین کے بارے میں کوئی تنگی نہیں ڈالی''۔

اسی طرح سورۃ طٰہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰى۔[۱۷]

''ہم نے یہ قرآن تجھ پر اس لئے نہیں اتارا کہ تو مشقت میں پڑ جائے''۔

ان آیات قرآنی سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا ہے جس کا متحمل نفس انسانی نہ ہو ورنہ تھوڑی بہت محنت و مشقت تو ہر کام میں ہی اٹھانی پڑتی ہے بلکہ پچھلی شریعتوں کے بعض احکام بھی اس نے منسوخ کر دیئے علاوہ ازیں بہت سی آسانیاں مسلمانوں کو عطا کر دیں جو پچھلی شریعتوں میں نہیں تھیں۔

قرآنی آیات کے علاوہ تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا اگر جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کی تعلیمات رواداری، تحمل، عدم تشدد اور اعتدال پر مبنی ہیں اور آپ کی ان تعلیمات میں ہمیں بے جا قسم کی سختی اور انتہاء پسندی سے روک دیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو ارشادات و تعلیمات حدیث کی کتابوں میں محفوظ ہیں۔ ان میں سے چند ارشادات یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

۱۔ عن عبداللّٰہ بن سرجس ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال الست الحسن و النودۃ و الاقتصاد جزء

من اربع و عیشرین جزء من النبوۃ[18]

''عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھی سیرت اور اطمینان و وقار سے اپنے کام انجام دینے کی عادت اور میانہ روی ایک حصہ ہے نبوت کے چوبیس حصوں میں سے''۔

حدیث کا اصل مقصد ان تینوں چیزوں کی اہمیت بیان کرنا اور ان کی ترغیب دینا ہے اور نبوت کے حصوں میں سے ہونے کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ پیغمبر کی زندگی جن محاسن اور کمالات سے مکمل اور مزین ہوتی ہے یہ تینوں اوصاف ان کا چوبیسواں حصہ ہیں۔ مذکورہ تین چیزوں میں سے آخری چیز حدیث میں ''اعتقاد'' ذکر ہوا ہے۔ محدثین نے ''اصتقاد'' کا ترجمہ ''میانہ روی'' سے کیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر کام اور ہر حال میں افراط وتفریط سے بچا جائے اور اعتدال کی روش اختیار کی جائے۔

۲۔ **عن ابی ھریرۃؓ اراہ دفعہ قال احبب حبیبک ھونا ما عسی ان یکون بغیضک یوما ما وابغض بغیضک ھونا ما عسی ان یکون حبیبک یوماما**[19]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ شاید مرفوعاً نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے دوست کے ساتھ میانہ روی کا معاملہ رکھو شاید کسی دن وہ تمہارا دشمن بن جائے اور دشمن کے ساتھ دشمنی میں بھی میانہ روی ہی رکھو کیونکہ ممکن ہے کہ کل وہی تمہارا دوست بن جائے۔ مذکورہ ارشادات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات میں میانہ روی پر خاص طور سے زور دیا ہے یہاں تک کہ عبادت جیسے بہترین انسانی عمل میں بھی آپؐ نے اعتدال ومیانہ روی کی تاکید فرمائی ہے جیسا کہ

۳۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے۔ ان کے پ اس ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ آپؐ نے پوچھا یہ کون ہے؟ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا یہ فلاں عورت ہے جو (نفلی) غاریں کثرت سے پڑھتی ہے، آپؐ نے فرمایا۔

مہ علیکم بما تطیقون، فو اللہ الاعیل اللہ حتی تملو و کان احب الدین الیہ ماد اوم صاحبہ علیہ[20]

''ٹھہرو! تم اس چیز کو لازم پکڑو جس کی تم طاقت رکھو اللہ کی قسم اللہ نہیں اکتا تا یہاں تک کہ تم خود اکتا جاؤ اور اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب عبادت واطاعت وہ ہے جس پر اس کو اختیار کرنے والا ہمیشگی کرے''۔

اس حدیث میں طاقت سے زیادہ عبادت کرنے سے روکا گیا ہے کیونکہ اس میں اندیشہ ہے کہ چند روز کے بعد انسان اکتا جائے اور عبادت بالکل ہی چھوڑ بیٹھے۔ اس لئے عبادت واطاعت میں بھی میانہ روی ضروری ہے۔ اسی طرح۔

۴۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تین آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہراتؓ کے گھر آئے، ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت سے متعلق پوچھتے تھے جب ان کو (اس کی تفصیل) بتلائی گئی تو گویا انہوں نے اسے

کم سمجھا اور کہا کہ ہمارا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا مقابلہ؟ آپؐ کے تو اگلے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں (اس لئے ہمیں تو آپؐ سے زیادہ عبادت کرنے کی ضرورت ہے) چنانچہ ان میں سے ایک نے کہا میں تو ہمیشہ ساری رات نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزے رکھوں گا، کبھی روزے کا ناغہ نہیں کرونگا۔ تیسرے نے کہا میں عورتوں سے کنارہ کش رہوں گا اور کبھی نکاح نہیں کروں گا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ باتیں پہنچیں تو) آپؐ نے ان کے پاس تشریف لائے اور ان سے پوچھا تم نے اس اس طرح کہا ہے؟ (جب اس کا جواب انہوں نے اثبات میں دیا تو) آپؐ نے فرمایا۔

اماو اللّٰہ انی لاخشا کم للّٰہ واتقاکم لہ لکنی اصوم و افطر واصلی وارقد وانزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی[۲۱]

''خبردار! اللہ کی قسم میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور اس کا سب سے زیادہ خوف دل میں رکھنے والا ہوں لیکن میں روزے رکھتا بھی ہوں اور چھوڑ دیتا بھی ہوں (رات کو) نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے میں شادی بھی کرتا ہوں (پس یہ سارے کام ہی میری سنت ہیں) اور جس نے میری سنت سے اعراض کیا پس وہ مجھ میں سے نہیں''۔

۵۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ایک حملہ میں امامت کرتے اور نماز فجر میں بڑی بڑی سورتیں پڑھتے تھے، ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ وہ اس قدر لمبی نماز پڑھتے ہیں کہ ان کے پیچھے نماز پڑھنے سے قاصر رہتا ہوں۔ ابو سعود انصاریؓ کا بیان ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی اس قدر غضبناک نہیں دیکھا جس قدر اس موقع پر دیکھا، آپؐ نے لوگوں سے خطاب کر کے فرمایا......

ایھا الناس ان منکم منفرین فایکم ماصلی بالناس فلیو جفر فان فیھم الکبیر والضعیف وذا الحاجۃ[۲۲]

''اے لوگو! تم میں سے بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو لوگوں کو متنفر کر دیتے ہیں جو شخص تم میں سے نماز پڑھائے مختصر پڑھائے کیونکہ ان میں بوڑھے، کمزور اور کام والے بھی طرح کے آدمی ہوتے ہیں''۔

۶۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے تو (دیکھا) کہ ایک رسی دو ستونوں کے درمیان بندھی ہوئی ہے، آپؐ نے پوچھا یہ رسی کیا ہے (یعنی کس مقصد کے لئے بندھی ہے) لوگوں نے بتلایا کہ یہ (حضرت ام المومنین) زینبؓ کی رسی ہے، جب وہ (عبادت کرتے کرتے) تھک جاتی ہیں تو اس کے ساتھ لٹک جاتی ہیں (تاکہ سستی دور ہو جائے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

خلوہ، لیصل احدکم نشاطہ، فاذا فتر فلیرقد[۲۳]

''اس کو کھول دو! تم میں سے ایک شخص کو چاہئے کہ وہ اس وقت نماز پڑھے جب وہ فرصت ونشاط محسوس

کرے جب وہ سست ہو جائے تو وہ سو جائے''۔

۷۔ حضرت ابو جحیفہ وھب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمانؓ اور حضرت ابوالدرداءؓ کے درمیان بھائی چارہ قائم فرما دیا تھا۔ پس سلمانؓ (ایک روز) ابوالدرداءؓ کی ملاقات کے لئے (ان کے گھر) گئے تو انہوں نے دیکھا کہ (ان کی اہلیہ) ام درداءؓ میلے کچیلے کپڑے پہنی ہوئی ہیں۔ انہوں نے پوچھا (یہ) تمہارا کیا حال ہے؟ انہوں نے جواب دیا، تمہارے بھائی ابوالدرداءؓ کو دنیا کی کوئی حاجت ہی نہیں ہے (اتنے میں) ابوالدرداءؓ بھی تشریف لے آئے اور انہوں نے اپنے بھائی سلمانؓ کے لئے کھانا تیار کیا اور ان سے کہا، تم کھاؤ، میرا تو روزہ ہے۔ انہوں نے فرمایا میں تو اس وقت تک نہیں کھاؤں گا جب تک تم بھی (میرے ساتھ) نہیں کھاؤ گے چنانچہ انہوں نے بھی (نفلی روزہ توڑ کر ان کے ساتھ) کھایا، پھر جب رات ہوئی تو وہ نوافل پڑھنے لگے، سلمانؓ نے ان سے کہا (ابھی) سو جاؤ، چنانچہ وہ سو گئے پھر تھوڑی دیر بعد وہ اٹھ کر نوافل پڑھنے لگے۔ سلمانؓ نے انہیں (پھر روک دیا اور) کہا سو جاؤ جب رات کا آخری پہر ہوا تو سلمانؓ نے ان سے کہا اب اٹھ کر قیام کرو چنانچہ دونوں نے اکٹھے نوافل پڑھے پھر سلمانؓ نے ابوالدرداءؓ سے خطاب کر کے کہا یقیناً تمہارے رب کا تم پر حق ہے۔ (لیکن) تمہارے اپنے نفس کا (بھی) تم پر حق ہے اور تمہارے گھر والوں کا تم پر حق ہے۔ اس لئے ہر صاحب حق کو اس کا حق دو پھر سلمانؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ سارا واقعہ آپؐ کو سنایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سلمانؓ نے سچ کہا''۔[۲۴]

۸۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ اچانک آپؐ کی نظر ایک (دھوپ میں) کھڑے ہوئے آدمی پر پڑی۔ آپؐ نے اس کی بابت پوچھا تو لوگوں نے بتلایا کہ اس کا نام ابو اسرائیل ہے، اس نے نذر مانی ہے کہ دھوپ میں کھڑا رہے گا۔ بیٹھے گا نہیں اور نہ سایہ حاصل کرے گا اور نہ گفتگو کرے گا اور روزہ رکھے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

موہ فلیتکم و سلیتظل ولیقعد ولیتم صومہ[۲۵]

''اس سے کہو کہ وہ گفتگو کرے، سایہ حاصل کرے اور بیٹھ جائے البتہ اپنا روزہ پورا کر لے''۔

۹۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب صحابہؓ کو کوئی حکم دیتے تو انہی کاموں کا حکم دیتے جن کو وہ کر سکتے تھے۔ وہ عرض کرتے یا رسول اللہؐ ہم آپ کی طرح تھوڑے ہیں۔ آپؐ کے تو اللہ نے اگلے اور پچھلے سب گناہ معاف کر دیئے ہیں۔ یہ سن کر آپؐ اتنا غصے ہوتے کہ آپؐ کے (مبارک) چہرے پر غصہ نمودار ہوتا پھر آپؐ فرماتے......

ان اتقکم و اعلملم باللہ انا[۲۶]

''تم میں سب سے زیادہ پرہیز گار اور اللہ کو زیادہ جاننے والا میں ہوں''۔

مذکورہ حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ دین فطرت میں کوئی ایسا حکم نہیں رکھا گیا جس پر عمل کرنا انسانی طاقت سے باہر ہو اور یہ اس دین فطرت یعنی اسلام کی خصوصیت ہے کہ اس کے تمام احکام پر عمل کرنا آسان ہے جیسا کہ ایک اور مقام پر آپؐ ارشاد فرماتے ہیں......

۱۰۔ احب الدین الی اللّٰہ الحنیفة السمعة[۲۷]

''اللہ کو وہ دین بہت پسند ہے جو سچا سیدھا آسان ہو''۔

مذکورہ ارشاد کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب دین دین حنیف ہے جس کی بنیاد سماحت وسہولت پر رکھی گئی ہے۔ تمام ادیان اللہ کی طرف سے ہیں محبوب تو بہت ہیں مگر ''احب'' دین ابراہیمی ہے کیونکہ اس کے احکام معتدل اور سہل ہیں۔

۱۱۔ عن ابن سعود رضی اللّٰہ عنہ ان النبی صلی اللّٰہ عیہ وسلم قال ھلک المتنطعون قالھا ثلاثا[۲۸]

''حضرت ابن سعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی طرف سے دین میں سختی کرنے والے ہلاک ہوگئے۔ آپؐ نے تین مرتبہ یہ ارشاد فرمایا......

۱۲۔ وعن انس رضی اللّٰہ عنہ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال یسروا ولا تعسیروا و بشروا ولا تنفروا[۲۹]

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آسانی کرو، سختی نہ کرو، خوشخبری دو اور نفرت مت دلاؤ''۔

۱۳۔ آپؐ حدود وقصاص میں نہایت احتیاط فرماتے اور جہاں تک ممکن ہوتا درگزر کرنا چاہتے، جیسا کہ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص آیا جبکہ آپؐ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے۔ اس شخص نے آواز دی یا رسول اللہؐ، مجھ سے زنا کا ارتکاب ہوگیا ہے۔ آپؐ نے (یہ سن کر) اپنا منہ اس کی طرف سے پھیر لیا۔ وہ شخص پھر اس سمت سے آپؐ کے چہرہ مبارک کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا جدھر آپؐ نے اپنا منہ پھیرا تھا اور کہا کہ مجھ سے زنا کا ارتکاب ہوگیا ہے۔ آپؐ نے پھر اپنا منہ اس کی طرف سے پھیر لیا یہاں تک کہ جب اس نے (اس طرح) چار مرتبہ (اپنے جرم کا) اقرار کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلایا اور پوچھا......

ابک جنون قال لا قال فھل احصنت قال نعم[۳۰]

''کیا تو دیوانہ ہے، اس نے کہا ''نہیں'' پھر آپؐ نے پوچھا کیا تو محصن ہے، اس نے کہا ہاں اس کے بعد آپؐ نے فرمایا کہ اس شخص کو لے جاؤ اور اس کو سنگسار کر دو''۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ جب ماعز ابن مالک نے زنا کے ارتکاب کا اقرار کیا تو آپؐ نے ان سے فرمایا:

لعلک قبلت او غمزت او نظرت قال لا یا رسول اللّٰہ قال انکھتا لا یکنی قال نعم[۳۱]

''شاید تم نے بوسہ لیا ہوگا یا اس کو (شہوت کے ساتھ) چھوا ہوگا یا دیکھا ہوگا۔ (اور اسی کو زنا سے تعبیر کر

رہے ہو) انہوں نے عرض کیا کہ نہیں یا رسول اللہ آپؐ نے فرمایا کیا تم نے جماع کیا ہے اور آپؐ نے یہ بات اشارے میں نہیں پوچھی۔ ماعز نے کہا کہ ہاں میں نے جماع کیا ہے"۔

اس تحقیق و تفتیش کے بعد آپؐ نے ماعز کو سنگسار کیئے جانے کا حکم فرمایا۔

بہر حال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مذکورہ تعلیمات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عبادات و معاملات، مالیات، اقتصادیات افکار و نظریات اور عام دینیات میں اسلام کا بنیادی مقصد نرمی و سہولت اور عدل و اعتدال ہے، غلو و مبالغہ اور تشدد و انتہاء پسندی نہیں۔

عزیمت و رخصت اور تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم:

دین میں اعمال دو قسم کے ہیں۔ جن اعمال میں انسانی اعذار کا لحاظ نہیں رکھا گیا اور مقرر کر دیئے گئے ہیں۔ انہیں عزیمت کہا جاتا ہے اور جو اعمال بندوں کے اعذار کا لحاظ رکھ کر مقرر کیئے گئے ہیں انہیں رخصت کیا جاتا ہے اور دین سے دونوں کا تعلق ہے اب ان دونوں کے فی الدین ہونے کی وجہ سے تقاضائے عبدیت ہے کہ دونوں پر عمل کیا جائے اور دونوں کے لئے مواقع جدا جدا ہیں۔ جس طرح ہر موقع پر رخصت کا متلاشی رہنا بے دینی ہے اسی طرح ہر موقع پر تمنائے عزیمت بھی تجاوز عن الحد ہے۔ اگر صرف رخصت کی تلاش رہے تو بے عملی کے اس رجحان سے دین کی عظمت ہی مفقود ہو جائے گی اور دین پھر دین نہیں رہے گا بلکہ خواہشات کا مجموعہ بن کر رہ جائے گا اور ہر موقع پر صرف عزیمت کا رجحان تو یہ دین کے ساتھ ایک ایسی زور آزمائی ہے جس میں شکست اپنی ہی ہوگی۔ نتیجہ یہ کہ دین میں صرف رخصتیں چھانٹنا یا انسانی اعذار کو نظر انداز کر کے صرف عزائم کی تلاش میں رہنا یہ دونوں رجحان غلط ہیں۔ ایک نامداری کی نشاندہی کرتا ہے اور دوسرا ناکامی کی۔ عبدیت دونوں کی متقاضی ہوئے۔ عزیمت کی حالت میں عزیمت پر عمل کیا جائے اور رخصت کے مواقع پر رخصت سے فائدہ اٹھایا جائے۔[۳۲]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے بھی یہ امر واضح ہے کہ ہر وقت دین کے ہر کام میں عزیمت ہی پر عمل کرنا اور رخصت پر عمل نہ کرنا صحیح نہیں جیسا کہ ارشاد نبویؐ ہے۔

1- ان الدین یسرو لن یشاد الدین احد الا غلبه فسد دوا و البشروا واستعینوا بالغدوه والروحة وشیء من الدلجة[۳۳]

"بیشک دین آسان ہے اور دین میں جو کوئی سختی کرے گا تو دین اس پر غالب آئے گا۔ اس لئے بیچ بیچ کی چال چلو اور (افضل کام نہ کر سکو تو اس کے) نزدیک رہو اور ثواب کی امید رکھ کر خوش رہو اور صبح و شام اور آخر شب کے اوقات سے (اپنی طاعت و عبادت اور دوسرے کاموں میں) مدد حاصل کرو"۔

مذکورہ ارشاد کا مطلب بھی یہی ہے کہ جو کوئی دین کے ساتھ پہلوانی اور زور آزمائی کرے گا تو دین اس کو پچھاڑ دے گا یعنی جو شخص یہ ارادہ کرے کہ ہر وقت دین کے کام میں عزیمت ہی پر عمل کرے رخصت پر نہیں اس کا نبھانا ناممکن ہے۔ اگر کوئی شخص چاہے کہ میں تمام عبادات اور عزیمتیں جمع کرلوں تو نتیجہ ہوگا کہ چند روز ایسا کرے گا پھر سب چھوڑ بیٹھے گا کیونکہ یہ نبھ نہیں سکتا پھر دین کے سامنے مغلوب ہوگا اور یہ کفایہ ہے کہ آدمی تمام عزائم جمع کرنا چاہے تو نہیں کرسکتا بلکہ اتنا کرے جس پر دوام کر سکے۔ یہ بہتر ہے اور اس میں نشاط بھی ہوتا ہے۔

۲۔ عن عائشہؓ قالت: ما خير رسول الله صلى الله عليه وسلم بين امرين قط الا اخذ اليسر هما مالم هن اثما فان كان اثما كان ابعد الناس مينه[۴۴]

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دو کاموں کے درمیان اختیار دیا گیا تو آپؐ نے ان میں سے زیادہ آسان کام کو اختیار فرمایا بشرطیکہ اس میں گناہ نہ ہوتا اگر وہ گناہ کا کام ہوتا تو آپؐ اس سے سب سے زیادہ دور بھاگنے والے تھے''۔

وہ دو کام چاہے دینی ہوتے یا دنیوی مثلاً دو سزاؤں کے درمیان اختیار دیا جاتا تو آسان سزا پسند فرماتے۔ دو فرضوں کے درمیان اختیار دیا جاتا تو آسان فرض کو اختیار فرماتے۔ جنگ اور صلح کے درمیان اختیار دیا جاتا تو صلح کو اختیار فرماتے۔ جب تک اس میں اللہ کی نافرمانی نہ ہوتی۔ اس میں دوسرے لوگوں کے لئے بھی یہ اصول واضح ہوگیا کہ جب دو باتیں سامنے آئیں تو اس کے آسان پہلو ضرور اختیار کئے جائیں لیکن اس میں کوئی شرعی رکاوٹ نہ ہو۔[۴۵]

۳۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کام کیا اور اس کی رخصت دے دی یہ خبر آپؐ کے بعض صحابہؓ کو پہنچی تو انہوں نے اس کام کو برا جانا اور اس سے پرہیز کیا۔ جب آپ کو یہ خبر ملی تو خطبہ پڑھنے کے لئے آپؐ کھڑے ہوئے اور فرمایا:

ما بال دجال بلغهم عنى امر فرخصت فيه فكر هوO و تنزهوا عنه فو الله لا نا اعلمهم بالله واشدهم له خشية[۴۶]

''کیا حال ہے لوگوں کا جن کو خبر پہنچی کہ میں نے ایک کام کی اجازت دی پھر انہوں نے اس کو برا جانا اور اس سے پرہیز کیا۔ خدا کی قسم میں تو سب سے زیادہ اللہ کو جانتا ہوں اور سب سے زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں''۔

محدثین کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ میں اپنی بیوی کا بوسہ لیا ہوگا یا سفر میں روزہ نہ رکھا ہوگا چونکہ ان چیزوں کی اجازت ہے اور شریعت نے اس کی رخصت دی ہے لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اس پر عمل فرمایا اور لوگوں کو بھی اس کی اجازت دے دی کہ وہ ایسا کرسکتے ہیں لیکن کچھ لوگوں نے ازراہ احتیاط ان کو جائز نہ سمجھا ہوگا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو آپؐ نے اس پر ناراضگی کا اظہار فرمایا اور فرمایا کہ اس کے باوجود کہ میں لوگوں سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں اور کمال اخلاق میرے اندر موجود ہے لیکن میں شریعت کی طرف سے دی گئی آسانی اور رخصت پر عمل کرتا ہوں تو وہ

لوگ کون ہوتے ہیں جو اس رخصت واجازت پر عمل نہ کریں۔[۳۷]

عفو، حلم و رواداری اور تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں عفو و درگز، بردباری و برداشت اور ہر ایک کے ساتھ رواداری کے ساتھ پیش آنے کی تائید کی گئی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو بھی آپس کے معاملات میں سختی کی بجائے نرمی پسند ہے جیسا کہ ارشاد نبوی ہے......

1-ان اللّٰہ رفیق یحب الرفق، ویعطی علی الرفق مالا یعطی علی العنف[۳۸]

''بے شک اللہ تعالیٰ نرمی کرنے والا ہے، نرمی کو پسند فرماتا ہے، نرمی پر وہ جو کچھ عطا فرماتا ہے وہ سختی پر عطا نہیں فرماتا''۔

2- حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی نے مسجد میں پیشاب کر دیا، پس لوگ اس کی طرف اٹھے تا کہ اسے زدوکوب کریں، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

دعوہ و اریقوا علی بولہ سجلا من ماء او ذنوبا من مآء فانما بعثتم میسرین ولم تبعثوا معسرین[۳۹]

''اس کو چھوڑ دو اور اس کے پیشاب پر پانی کا ایک ڈول بہا دو اس لئے کہ تم آسانی کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو سختی کرنے والے بنا کر نہیں بھیجے گئے''۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تعلیم و تربیت کے میدان میں بھی نرمی بہت ضروری ہے خاص طور پر جاہل اور گنوار قسم کے لوگوں کے ساتھ کیونکہ ان سے سختی کی جائے گی تو یہ اپنے بدویانہ مزاج اور غلظت طبع کی وجہ سے اور دور بھاگیں گے۔ ان کو قریب کرنے کے لئے ان سے نرمی نہایت ضروری ہے چاہے ان سے بڑی بڑی حماقتوں کا ارتکاب ہو۔

3- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی چیز کو عورت کو نہ خادم کو، ہاتھ سے نہیں مارا ہاں مگر آپؐ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے اور ایسا بھی کبھی نہیں ہوا کہ آپ کو کسی طرف سے کوئی تکلیف پہنچی اور آپؐ نے تکلیف پہنچانے والے سے بدلہ لیا ہو۔ ہاں اگر اللہ کے محارم میں سے کسی چیز کی ہتک کی جاتی تو آپؐ یقیناً اللہ کے لئے انتقام لیتے۔[۴۰]

4- عبداللہ بن ابی سلول وہ شخص تھا جو عمر بھر منافق رہا اور کوئی موقع اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف خفیہ سازشوں اور اعلانیہ استخفاف واہانت کا ہاتھ سے جانے نہ دیا، کفار قریش کے ساتھ خفیہ خط و کتابت تھی، غزوہ احد میں عین موقع پر اپنے ہمراہیوں کے ساتھ مسلمانوں کی فوج سے الگ ہو گیا۔ واقعہ افک میں حضرت عائشہ پر الزام لگانے والوں میں وہ سب سے آگے تھا۔ بایں ہمہ اس کی فرد جرم کو رحمت عالمؐ کا حلم وعفو ہمیشہ دھوتا رہا۔ وہ مرا تو آپؐ نے اس کی مغفرت کی نماز پڑھی۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ آپؐ اس کے جنازہ کی نماز پڑھتے ہیں حالانکہ اس نے یہ کیا اور یہ کیا۔ یہ سن کر آپؐ متبسم ہوئے اور فرمایا ''ہٹو اے عمرؓ'' جب زیادہ اصرار کیا تو فرمایا:

انی حیرت فاخترت لو اعلم انی زدت علی السبعین یغفر لہ یزت علیھا[۴۱]

''مجھے اختیار دے دیا گیا ہے چنانچہ میں نے نماز پڑھانی پسند کی (اس کی تمام اسلام دشمن سرگرمیوں کے باوجود) اگر مجھے معلوم ہو جائے اور ستر مرتبہ سے بھی زیادہ اس کے لئے مغفرت مانگنے پر اسے مغفرت مل جائے گی تو اس کے لئے اتنی ہی زیادہ مغفرت مانگوں گا''۔

5- اسی رئیس المنافقین کا واقعہ ہے جسے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک غزوہ میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ ایک مہاجر نے ایک انصاری کے تھپڑ مارا انصاری نے انصار اور مہاجر نے مہاجرین کو مدد کے لئے پکارا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ جب سارا ماجرا عرض کیا گیا تو فرمایا کہ یہ دعویٰ جاہلیت اچھا نہیں، اس طرح رفع فساد ہو گیا عبداللہ بن ابی سلول نے سنا تو کہنے لگا کہ اگر ہم اس سفر سے مدینہ میں پہنچ گئے تو جس کا اس شہر میں زور ہے وہ بے قدر شخص کو نکال دے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ مجھے اجازت دیں کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

دعه لا یحدث الناس ان محمدا القتل اصحابه[۴۲]

''اسے جانے دو کیونکہ لوگ یہی کہیں گے کہ محمدؐ اپنے اصحاب کو قتل کرتا ہے''۔

جائے غور ہے کہ آپ کا یہ سلوک اس شخص کے ساتھ ہے جو عمر بھر منافق رہا جس نے آپ کو اذل بتایا جو جنگ احد میں عین موقع پر تین سو کی جمعیت لے کر راستہ سے واپس آ گیا تھا اور ہمیشہ آپؐ کی مخالفت و توہین میں سرگرم رہا۔

بہر حال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ تعلیمات سے سیرت اور حدیث کی کتابیں بھری پڑی ہیں جن سے روز روشن کی طرح یہ بات عیاں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات عفو و درگذر، حلم و برداشت اور رواداری پر مبنی ہیں۔ آپؐ نے اپنی ذات کے لئے نہ کسی پر غصہ فرمایا اور نہ ہی کسی سے انتقام لیا۔ آپؐ غیر مسلموں کے ساتھ بھی احسان، مساوات، خوش خلقی اور نرم روئی کا معاملہ کرتے تھے۔

جدت پسندی اور تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

انتہاء پسند انسان کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ ایک جامد فکر کا حامل ہوتا ہے جو اسے مصالح شریعت اور زمانے کے تقاضوں سے غافل بنا دیتا ہے۔ اسلام چونکہ ایک فطری دین ہے اور اس فطرت کا تقاضا ہے کہ انسان جمود کے بجائے جدت کو پسند کرتا ہے۔ اس لئے اسلام نے کسی ''جدت'' پر بحیثیت جدت کے کوئی پابندی عائد نہیں کی۔ اس سلسلے میں تعلیمات نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اگر جائزہ لیا جائے تو یہ بات ثابت ہو گی کہ بسا اوقات اس ''جدت'' کو مستحسن قرار دیا گیا ہے اور اس کی ہمت افزائی کی ہے۔ اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

فنون حرب:

خاص طور پر صنعت و حرفت اور فنون جنگ وغیرہ کے بارے میں نئے نئے طریقوں کا استعمال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

سے ثابت ہے۔ غزوہ اضراب کے موقع پر جب قبائل عرب نے اکٹھے ہو کر مدینہ منورہ پر حملہ آور ہونے کا پروگرام بنایا تو ان کے دفاع کے لئے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ نے ایک تدبیر بتائی جس پر عرب میں اس سے پہلے عمل نہیں ہوا تھا اور وہ تدبیر یہ تھی کہ شہر کے اطراف میں ایک گہری خندق کھودی جائے چنانچہ آپؐ نے اس تدبیر کو پسند فرما کر اس پر عمل کیا اور خود بھی خندق کی کھدائی میں شریک ہوئے۔[۴۳]

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورے سے غزوہ طائف کے موقع پر آپؐ نے دو نئے آلات حرب استعمال فرمائے۔ جو بعض روایات کے مطابق حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے خود اپنے ہاتھ سے بنائے تھے۔ ان میں ایک منجنیق تھی جسے اس زمانے کی توپ کہنا چاہئے اور دو دبابے تھے جنہیں اس دور کے ٹینک کہا جا سکتا ہے۔[۴۴]

عرب کے لوگ بحری بیڑے سے ناآشنا تھے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسرت کے ساتھ یہ پیشین گوئی فرمائی کہ میری امت کے کچھ لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے سمندری موجوں پر اس طرح سفر کریں گے جیسے تخت نشین بادشاہ۔[۴۵]

زراعت و تجارت:

زراعت کی ترقی کے لئے آپؐ نے اہل مدینہ کو زیادہ سے زیادہ کاشت کرنے کا حکم دیا ہے اور پیداوار بڑھانے کے لئے مختلف تدابیر بھی بتائی ہیں[۴۶] اسی طرح تجارت کی ترقی کے لئے آپؐ نے لوگوں کو مشورہ دیا کہ کپڑے کی تجارت کیا کرو کیونکہ کپڑے کا تاجر یہ چاہتا ہے کہ لوگ خوشحال اور فارغ البال رہیں۔[۴۷]

زراعت اور معدنیات سے فائدہ اٹھانے کے لئے آپؐ نے یہ ارشاد فرمایا:

اطلبو الرزق فی خبایا الارض[۴۸]

غرض یہ عہد رسالت کی چند متفرق مثالیں تھیں جو سرسری طور پر ذکر کی گئیں۔ مقصد یہ تھا کہ اسلام نے کسی جدید اقدام پر جدید ہونے کی حیثیت میں کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ صحیح مقاصد کے لئے صحیح حدود میں رہ کر جدت پسندی کی ہمت افزائی کی ہے۔

فرقہ واریت اور تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم:

انتہاء پسندی کی ایک خصوصیت اور علامت یہ ہے کہ کسی رائے کے تئیں ایسی طرف داری کی جائے اور ایسی عصبیت برتی جائے کہ دوسروں کی رایوں کو تسلیم کرنے کے لئے کوئی گنجائش نہ رہ جائے۔ انتہاء پسند یہ خیال کرتے ہیں کہ وہی تنہا حق پر ہے۔ دوسرے سب باطل پر ہیں نیز جو بھی اس کی رائے کا ہم نوا نہ ہو، اس پر جہالت، نفس پرستی، فسق اور معصیت کی تہمت چسپاں کر دے۔ یہ لوگ اللہ کے دین کی تعبیر وتشریح میں ایسی رائیں پیش کرتے ہیں جو انتہائی تعجب خیز ہوتی ہیں۔ ان لوگوں کو اس بات کی پرواہ نہیں ہوتی کہ ان کی رائے سلف وخلف اور معاصرین کی رایوں سے الگ تھلگ ہے۔ اسی کا نام مذہبی ومسلکی تعصب اور فرقہ واریت ہے جو ہمارے معاشرے کے لئے انتہائی خطرناک ہے۔ اسلامی تاریخ میں مذہبی ومسلکی اختلافات صدیوں سے چلے آ رہے ہیں۔ اس لئے یہ اختلافات کوئی نئی بات نہیں لیکن ان اختلافات میں عدم برداشت اور انتہاء پسندی کی وجہ سے ہمارے ہاں

کشیدگی اور قتل عام کا ایسا ماحول پیدا ہو گیا ہے جس کے نتائج اسلام کے اجتماعی مفاد کے لئے انتہائی تباہ کن ہوں۔ مختلف فرقوں اور مسلکوں کے ماننے والوں کے درمیان ان اختلافات اور اختلاف رائے کی حقیقت کیا ہے۔ تعلیمات نبویہ کی روشنی میں اس کا مختصر سا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

اسلام میں اختلاف رائے کی گنجائش رکھی گئی ہے اسلامی عقائد، جرم وسزا یا ایسے احکام جن کے بارے میں قرآن وسنت میں واضح حکم موجود ہو، اختلاف سے پاک اور بالاتر ہیں البتہ فقہائے صحابہؓ وائمہ مجتہدین نے ان فروعی مسائل میں اختلاف کیا ہے جن میں واضح اور صریح نص موجود نہ ہو اور اس کی تعبیر اور تشریح مختلف طریقوں سے اور کئی صورتوں میں ممکن ہو۔ اسی طرح ہر مجتہد اپنی اپنی فہم اور صوابدید کے مطابق بنیادی اسلامی اصولوں کی روشنی میں اجتہاد کر کے رائے قائم کرتا ہے جو کبھی تو دوسروں کی آراء سے ہم آہنگ ہوتی ہے اور سب آراء متفق ہو کر اجماع امت کی صورت اختیار کر لیتی ہیں اور کبھی فروعی اختلاف رائے پیدا ہو جاتا ہے۔ اس اختلاف کا مقصد تفرقہ پیدا کرنا یا امت کو جھگڑوں میں مبتلا کرنا نہیں ہوتا بلکہ ہر مجتہد پیش آمدہ مسئلہ کے لئے شریعت کا حکم معلوم کرنے کی سعی کرتا ہے اور ہر مجتہد کا ہدف حق تک پہنچنا ہوتا ہے۔

اختلاف رائے جو اپنی حدود کے اندر ہو یعنی قرآن وسنت کے قطعی اور اعتقادی مسائل اور قطعی احکام میں نہ ہو صرف فروعی مسائل اجتہادیہ میں ہو۔ جن میں قرآن وسنت کی نصوص ساکت یا مبہم ہیں اور وہ بھی جنگ وجدل اور لعن طعن کی حد تک نہ پہنچے تو وہ بجائے مضر ہونے کے مفید اور ایک نعمت و رحمت ہے جیسے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اختلاف امتی رحمة[۴۹]

''میری امت کا اختلاف رحمت ہے''۔

امت محمدیہؐ کی یہ خصوصیت اس لئے اختیار فرمائی گئی کہ اس امت کے علماء حق اور فقہاء متقین میں جو اختلاف ہو گا وہ ہمیشہ اصول قرآن وسنت کے ماتحت ہو گا اور صدق نیت اور للہیت سے ہو گا۔ کوئی نفسانی غرض جاہ و مال کی ان کے اختلاف کی محرک نہ ہو گی۔ اس لئے وہ کسی جنگ وجدل کا سبب بھی نہ بنے گا۔[۵۰]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کے مذکورہ اختلاف کو رحمت اس لئے بیان فرمایا کہ یہ باعث زینت اور علم میں اضافہ کا سبب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دور میں اس قسم کے اختلاف کی تحسین فرمائی۔ اس لئے کہ اختلاف تو اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ جماعت میں غور وفکر اور تحقیق وتجسس اور فہم وتفقہ کی صلاحیتیں موجود ہیں۔

غزوہ احزاب سے واپسی کے موقعہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ بنو قریظہ کی طرف جاؤ اور عصر کی نماز وہاں جا کر ادا کرو چنانچہ راستے میں جب عصر کی نماز کا وقت آ گیا تو بعض صحابہ کرامؓ نے حضورؐ کے فرمان کی یہ توجیہہ کی کہ ان کی مراد یہ تھی کہ تیزی سے وہاں پہنچنے کی کوشش کرو اور راستے میں کہیں نہ رکنا، اب تو نماز کا وقت ہو چکا ہے، نماز راستے میں پڑھ کر فوراً چل دیتے ہیں اور انہوں نے ایسا ہی کیا مگر بعض صحابہؓ کا اصرار تھا کہ حضورؐ کا قول واضح ہے کہ نماز راستے میں نہ پڑھنا بلکہ وہیں جا کر پڑھنا چنانچہ انہوں نے بنی قریظہ کے ہاں پہنچ کر نماز پڑھی۔ واپس آ کر حضورؐ نے دونوں کی باتیں سنیں اور کسی کی تردید نہیں فرمائی۔[۵۱]

اختلاف رائے صحابہ کرامؓ اور ان کے بعد سلف صالحین میں بھی موجود تھا لیکن ان کے درمیان یہ اختلاف رائے صرف اجتہاد پر مبنی تھا اور اختلاف رائے کے باوجود دینی معاملات اور شرعی احکام کے سلسلے میں وہ لوگ نہایت احتیاط برتتے تھے اور ان کی باہمی مخالفت کبھی دین میں شقاق وفرقہ بندی کا باعث نہیں بنی جیسا کہ امام بیہقی نے سنن میں روایت کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے ان کے آزاد کردہ غلام کریب نے آکر یہ شکایت کی کہ حضرت معاویہؓ تین کے بجائے ایک وتر پڑھتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا کہ معاویہؓ ٹھیک ہی کرتے ہوں گے کیونکہ وہ ہم سے بڑھ کر عالم ہیں۔[۵۲]

یاد رہے کہ حضرت ابن عباسؓ حضرت علیؓ کے چچازاد بھائی تھے جبکہ اس وقت حضرت معاویہؓ حضرت علیؓ سے برسرِ پیکار تھے۔

غرض اس طرح کی بہت سی روایات اور واقعات حدیث وسیرت کی کتابوں میں موجود ہیں۔ ان روایات اور واقعات پر غور کرنے سے یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ ہمارے سلف صالحین میں اختلاف رائے اور سیاسی مخالفت کے باوجود کس قدر رواداری پائی جاتی تھی اور وہ باہمی احترام اور عزت نفس کو کس قدر ملحوظ رکھتے تھے۔ انہوں نے اختلاف رائے کو کبھی اپنا انا کا مسئلہ نہیں بنایا اور کبھی یہ نہ کہا کہ صرف میری ہی بات حق ہے اور دوسروں کی باطل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ معمولی معمولی استحبابی امور پر لڑتے ہوئے امت میں افتراق اور شقاق پیدا کرنا نہایت خطرناک اور دین دشمنی سمجھتے تھے اور اس سے سختی سے پرہیز کرتے تھے لیکن بدقسمتی سے دور حاضر کی ہماری معاشرت میں تعصب، تنگ نظری اور عدم برداشت کی کیفیت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ تشدد اور انتہاء پسندی ہماری زندگی کا حصہ بنتا جارہا ہے اس کا بنیادی سبب یہی ہے کہ ہم تعلیمات نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روگردانی کر رہے ہیں اور یہ ایک طے شدہ امر ہے کہ پاکستان ہی میں نہیں بلکہ جہاں جہاں مسلمانوں نے ان تعلیمات سے روگردانی کی نقصان اٹھایا اور اٹھا رہے ہیں۔ حالانکہ اسلام سراپا رحمت ہے۔ دہشت گردی، شدت وتشدد، ظلم و بربریت اور انتہاء پسندی سے اس کا ہرگز کوئی ناطہ نہیں ہے بلکہ اسلام تو مسلمانوں کو یہ تاکید کرتا ہے کہ غیر مسلموں کو بھی حکمت و دانائی کے ساتھ نصیحت کریں، سمجھائیں اور انہیں اسلام کے قریب لائیں۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں ارشاد ہے۔

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَ الْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ[۵۳]

''اپنے رب کی راہ کی طرف لوگوں کو حکمت اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلائیے''۔

قرآن حکیم میں جگہ جگہ آپؐ اور آپؐ کے واسطے سے تمام مسلمانوں کو یہ تلقین کی گئی ہے کہ عفو و درگزر کا طریقہ اختیار کیا جائے۔ برائی کو اچھائی سے دور کیا جائے۔ صبر وتحمل اور ضبط نفس کی عادت ڈالی جائے اور کسی بھی مرحلہ پر دامن عدل و انصاف ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے۔

ان تعلیمات پر عمل کرنے سے مسلمان معاشروں میں شدت پسند مذہبیت اور انتہا پسندانہ رجحان کم ہو جائے گا۔ تشدد اور تصادم کا راستہ ترک ہونا شروع ہو جائے گا اور اس تاثر کا خاتمہ ہو جائے گا کہ اسلام ظلم و بربریت، وحشت و دہشت اور انتہاء پسندی کا مذہب ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں اور عالم اسلام خصوصاً پاکستان کو ہر قسم کے خطرات سے محفوظ بنائیں۔ (آمین)

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر یوسف قرضاوی اسلامی بیداری انکار اور انتہا پسندی کے نرغے میں (مترجم سلمان ندوی) لاہور مکتبہ تعمیر انسانیت ص ۹، ۱۰

۲۔ ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص احکام القرآن سہیل اکیڈمی لاہور ۲: ۲۹۲

۳۔ سورۃ النساء ۴: ۱۷۱

۴۔ مفتی محمد شفیع معارف القرآن کراچی ادارۃ المعارف ۲: ۴۱۹

۵۔ مسند احمد بن حنبل ۱: ۲۷

۶۔ سنن نسائی کتاب مناسک الحج باب التقاط الحصے

۷۔ سورۃ الاعراف ۸: ۳۱، ۳۲

۸۔ سورۃ المائدہ ۵: ۸۷

۹۔ سورۃ انعام ۶: ۱۵۳

۱۰۔ سورۃ البقرہ ۲: ۱۴۳

۱۱۔ سورۃ ۳۰: ۳۰

۱۲۔ سورۃ البقرہ ۲: ۲۸۶

۱۳۔ سورۃ البقرہ ۲: ۲۲۰

۱۴۔ سورۃ البقرہ ۲: ۱۸۵

۱۵۔ سورۃ المائدہ ۵: ۶

۱۶۔ سورۃ الحج ۲۲: ۷۸

۱۷۔ سورۃ طہٰ ۲۰: ۲

۱۸۔ سنن ترمذی ابواب البر والصلۃ باب ماجآء فی التانی والعجلۃ

۱۹۔ ایضاً ابواب البر والصلۃ باب فی الاقتصاد فی الحب والبغض

۲۰۔ صحیح بخاری کتاب التہجد باب ما یکرہ من التشدد فی العبادۃ

۲۱۔ ایضاً کتاب النکاح باب الترغیب فی النکاح

۲۲۔ ایضاً کتاب الاحکام باب ھل یقضی الحاکم اویفتی وھو غضبان

۲۳۔ ایضاً کتاب التہجد باب ما یکرہ من التشدید فی العبادۃ

۲۴۔ ایضاً کتاب الصوم باب من اقسم علی اخیہ لیفطر فی التطوع

۲۵۔ ایضاً کتاب الایمان والنذور باب النذر فیما لا علیک وفی معصیۃ

۲۶۔ صحیح بخاری کتاب الایمان باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم انا اعلمکم باللہ......

۲۷۔ ایضاً کتاب الایمان باب الدین یسر

۲۸۔ صحیح مسلم کتاب العلم باب ھلک المتنطعون

۲۹۔ ایضاً کتاب الجہاد باب الامر بالیسر وترک التنفیر

۳۰۔ بخاری کتاب الحدود باب لا یرجم المجنون والمجنونۃ

۳۱۔ ایضاً کتال حدود باب ھل یقول الامام للمقر لعلک لمست او غمزت

۳۲۔ بشیر احمد عثمانی فضل الباری (شرح اردو) صحیح البخاری لاہور مکتبہ مدینہ ۱۰:۳۶۲

۳۳۔ صحیح بخاری کتاب الایمان باب الدین یسر

۳۴۔ ایضاً کتاب المناقب باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

۳۵۔ صلاح الدین یوسف دلیل الطالبین ترجمہ ریاض الصالحین ریاض دار السلام ۱:۵۴۳

۳۶۔ صحیح مسلم کتاب الفضائل باب علمہ صلی اللہ علیہ وسلم باللہ تعالی وشدۃ خشیتہ

۳۷۔ عبداللہ جاوید غازی پوری مظاہر حق جدید شرح مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ ۱:۲۰۱

۳۸۔ صحیح مسلم کتاب البر باب فضل الرفق

۳۹۔ صحیح بخاری کتاب الطہارۃ باب صب الماء علی البول فی المسجد

۴۰۔ صحیح مسلم کتاب الفضائل باب مباعدتہ للا ثام واختیارہ من المباح اسہلہ

۴۱۔ بخاری کتاب الجنائز باب ما یکرہ من الصلوۃ علی المنافقین۔

۴۲۔ ایضاً کتاب التفسیر باب قولہ سواء علیہم استغفرت لھم ام لم تستغفرلھم

۴۳۔ طبقات ابن سعد دار احیاء القرآن العربی ۲:۴۴

۴۴۔ ابن کثیر البدایہ والنہایہ مطبقہ السعادۃ مصر ۴:۳۴۸

۴۵۔ صحیح بخاری کتاب الجہاد باب رکوب البحر

۴۶۔ کنز العمال للہندی انواع الکسب کتاب البیوع ۴:۳۱ حدیث نمبر ۹۳۷۸

۴۷۔ ایضاً کتاب البیوع انواع الکسب حدیث نمبر ۹۳۵۶

۴۸۔ ایضاً حدیث نمبر ۹۳۰۲

۴۹۔ جامع صغیر للسیوطی مع فیض القدیر ۱:۲۰۹ حدیث نمبر ۲۸۸

۵۰۔ مفتی محمد شفیع معارف القرآن ۳۰:۳۶۴

۵۱۔ سنن بیہقی کتاب الصلوۃ باب الوتر برکعۃ واحدۃ ۳:۲۶

۵۲۔ سورۃ نمل

۵۳۔ صحیح بخاری کتاب المغازی باب مرجع النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الاحزاب ومخرجہ الی بنی قریظہ

فہرست مراجع ومصادر

۱۔ ابی بکر احمد بن علی الرازق الجصاص احکام القرآن لاہور سہیل اکیڈمی ۱۹۹۱ء

۲۔ مفتی محمد شفیع معارف القرآن کراچی ادارۃ المعارف ۱۹۷۹ء

۳۔ محمد بن اسماعیل بخاری الجامع الصحیح ریاض دارالسلام ۱۹۹۹ء

۴۔ ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی سنن ترمذی ریاض دارالسلام ۱۹۹۹ء

۵۔ حافظ عبدالرحمٰن احمد بن شعیب النسائی المجتبی من السنن ریاض دارالسلام ۱۹۹۹ء

۶۔ احمد بن محمد بن حنبل ایشبانی ''مسند'' بیروت دارالفکر

۷۔ مسلم بن حجاج القشیری ''الجامع الصحیح'' ریاض دارالسلام ۱۹۹۹ء

۸۔ علاؤ الدین علی المتقی الھندی کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال بیروت موسۃ الرسالۃ ۱۹۸۵ء

۹۔ بلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بلک السیوطی الجامع الصغیر من احادیث البشیر النذیر بیروت دارالفکر ۱۹۷۲ء

۱۰۔ احمد بن المسلمین بن علی البیہقی السنن الکبریٰ بیروت دار المکتب العلمیۃ

۱۱۔ بشیر احمد عثمانی فضل الباری (شرح اردو) صحیح البخاری لاہور مکتبہ مدینہ

۱۲۔ صلاح الدین یوسف دلیل الطالبین ترجمہ ریاض الصلحین ریاض دارالسلام

۱۳۔ عبداللہ جاوید غازی پوری مظاہر حق (جدید) شرح مشکوۃ کراچی دارالاشاعت

۱۴۔ محمد بن عبداللہ ابن سعد الطبقات الکبریٰ بیروت دار صادر

۱۵۔ ابی الفداء اسماعیل ابن کثیر البدایہ والنہایہ مصر مطبعۃ السعادۃ

۱۶۔ ڈاکٹر یوسف قرضاوی اسلامی بیداری انکار اور انتہاء پسندی کے نرغے میں (مترجم سلمان ندوی) لاہور مکتبہ تعمیر انسانیت

''دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اُس کا خاتمہ تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں''

رشید احمد قاسمی ، آزاد کشمیر

دور حاضر اور اس کے مسائل:

اللہ تعالیٰ خدائے کائنات ہے جس نے ساری دنیا بنائی اور جس کی ربوبیت پر نہ کسی عیسائی کو شک ہے نہ یہودی کو اور نہ ہی مسلمان کو۔ اس کی تخلیق کردہ زمین اس کی مخلوق کی چیرہ دستیوں سے لہولہان ہے۔ چند شیطان کے پیروکار جو مختلف مذاہب، معاشروں اور عقیدوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ زمین پر شر پھیلا رہے ہیں۔

براعظم امریکہ سے لے کر ایشیا تک، آسٹریلیا سے لے کر یورپ تک افریقہ سے لے کر انٹارٹیکا تک جہاں کہیں انسان آباد ہے وہ امن کا خواہشمند ہے اور ہر اس چیز سے نفرت کرتا جو تشدد اور انتہا پسندی پیدا کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''اے لوگو ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کی شناخت کرو۔ اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنی معاشرتی تعلیمات کی بنیاد تمام انسانوں کی مساوات اور انسانی شرافت پر رکھی اور پھر یہ کہ ولقد کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ (بے شک ہم نے آدم کو عزت بخشی) اللہ کا پیغام عزت بخشنے کی نوید سناتا ہے اور یہ نوید ساری انسانیت کے لیے ہے۔ مساوات اور عدل والے رب نے ہمیں قبیلوں اور قوموں میں شناخت کے لیے تقسیم کیا۔ اس کو ہم نے آپس میں دشمنی، لڑائی اور بڑھائی کا سبب بنالیا۔ اللہ تعالیٰ نے مذہب کو دنیا میں امن اور سکون کا منبع بنایا ہم نے تشدد اور انتہا پسندی کا رویہ اپنا کر دنیا میں تصادم کی فضا پیدا کر دی۔

آج ہم مذہب کی بنیاد بنا کر باہم ریت کی دیواریں تعمیر کر رہے ہیں اور ایک دوسرے پر ہرزہ سرائی کر رہے ہیں۔ مشکوک اور شبہات سے خود کو نکالتے ہوئے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ انتہا پسندی اور اس کی تباہ کاریوں سے بچنا مشترکہ کوشش سے بھی ممکن ہوگا۔

یہ کتنے افسوس اور دکھ کی بات ہے کہ وہ ابن آدم جو تخلیق کائنات کا محرک بنا۔ جس کی خاطر شمس و قمر کی بزم سجائی گئی۔ روئے زمین پر بحر و بر کی چادر بچھائی گئی جس کے دل کو رب العالمین نے اپنا تجلی کدہ بنایا اور جس کے حضور فرشتوں نے سجدہ ادا کیا۔ وہ حضرت انسان آج اپنے مقام و منصب کو پس پشت ڈال کر حیوانیت اور جبر و ستم کی اتھاہ گہرائیوں میں گر چکا ہے۔

وہ انسان جس کو اللہ نے فرشتوں پر فوقیت دی، دشت و جبل سے زیادہ طاقت ور بنایا، اپنا نائب بنا کر اس کے سر پر خلافت کا تاج سجایا۔ کیا اسے زیب دیتا ہے کہ وہ مذہبی انتہا پسندی کا جامہ زیب تن کرتے ہوئے انسانیت کا قتل عام کرے، لوگوں کے ہنستے مسکراتے آنگنوں میں موت کے سناٹے بھر دے اور زندگی کے گلے میں موت کا پھندا ڈال دے۔

انسانیت موت کی نیند سلانے کا نام نہیں۔ زندگی حرارت کا نام ہے یہ تمام مذاہب تبھی دنیا میں پھلے پھولیں گے جب انسانیت ہوگی۔ تمام مذہبی نظریے اور فقہی مسائل تب ہی سنے اور سنائے جائیں گے جب کوئی سننے والا اور سنانے والا ہوگا۔

اس وقت دنیا جن بڑے مسائل سے دوچار ہے ان کو مختصر انداز میں یوں پیش کیا جاسکتا ہے اور پوری دنیا کو ان مسائل کے حل کیلئے دوڑ دھوپ کرنا ہوگی۔ ان مسائل اور مصائب میں مذہبی انتہا پسندی نے شامل ہوکر حالات کو مزید سنگین اور مشکل بنا دیا ہے۔

معاشی مسئلہ

عدل کا قیام

تعلیم

معاشی مسئلہ:

جب کسی معاشرے میں معاشی ناانصافی ہوگی اور معاشرہ طبقات میں تقسیم ہوگا وہاں لازمی طور پر نچلے طبقات جو معاشی محرومیوں کا شکار ہوں گے وہ بالادست طبقے کے خلاف جو معاشی سہولتوں سے آراستہ ہوگا شدید نفرت کریں گے۔

تیسری دنیا کے مسلم اور غیر مسلم ممالک یہ سمجھتے ہیں کہ مغربی قوتیں اپنے مالیاتی اداروں کے ذریعہ ان کو مالیاتی بحران میں مبتلا کر کے انہیں غربت کی لکیر سے نیچے دھکیل رہی ہیں جس کی وجہ سے غربت کے مارے لوگوں کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا گیا ہے کہ ان کی اس صورت حال سے نجات کیسے ممکن ہے۔ قرض والی رقوم میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے اور قرض کی ادائیگی ان کے لیے مشکل نہیں بلکہ ناممکن ہو رہی ہے۔

اس وقت دنیا بھر میں ایک ارب سے زائد لوگ غربت کی انتہائی سطح پر ہیں اور ان میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔

اپنے ملک میں بھی غریب اور خط غربت سے نیچے لوگوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے اور ملکی وسائل پر چند گنے چنے لوگوں کا قبضہ ہے اس طرح عالمی سطح پر بھی اور ملکی سطح پر معاشی عدم مساوات کا مسئلہ سنگین صورت اختیار کر رہا ہے اگر ہم سب نے مل جل کر اور باہمی تعاون سے اس مسئلے کی طرف سنجیدہ توجہ نہ کی تو امن کو مزید خطرہ درپیش ہوگا۔

عدم کا قیام: عدل

اسلام دنیا میں عادلانہ نظام قائم کرنے کا مدعی ہے جبکہ اس وقت دنیا میں عدل و انصاف کے مختلف معیار مقرر ہیں۔ اگر کوئی غیر ترقی یافتہ ملک غلطی کرے تو عالمی امن کے ٹھیکیدار اسے قابل گردن زدنی قرار دیتے ہیں اور وہی جرم ان کا اپنا کرے تو اس کی حمایت کی جاتی ہے۔ اسرائیل کی مثال ہمارے سامنے ہیں۔ اسرائیل انسانی حقوق کی علی الاعلان خلاف ورزی کرے، انسانیت کی توہین کرے اس کے خلاف کوئی پابندی نہیں لاگو ہوگی بلکہ اس کی مزید مدد اور معاونت کی جا رہی ہے۔

بالکل وہی حالت اندرون ملک بھی ہے اگر ہم نے ملکی اور بین الاقوامی سطح پر عادلانہ نظام قائم نہ کیا تو دنیا میں بدامنی مزید بڑھے گی۔

تعلیم:

اس وقت دنیا ایک گلوبل ویلیج بن چکی ہے۔ لیکن سب سہولیات اور ترقی کے باوجود تعلیمی پس ماندگی اپنی جگہ موجود ہے۔ بین الاقوامی اور عالمی سطح پر محاسبہ کیا جائے تو بہت سے ممالک ایسے ہیں جن کی شرح خواندگی بہت ہی پست ہے۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ عالمی سطح پر پلاننگ کی جائے تا کہ لوگوں کو علم کی روشنی مہیا کی جا سکے۔ بالکل یہی حالت ملکی سطح پر بھی ہے۔

مذہبی انتہا پسندی کے حوالہ سے یہ بات واضح ہے کہ مذہبی شدت اور انتہا پسندی ان لوگوں اور ان علاقوں میں ہے جہاں تعلیم کم ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ مذہبی انتہا پسند اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے شہروں کا انتخاب کرتے ہیں۔ لیکن پیچھے جہالت اور کم علمی موجود ہوتی ہے۔

اسلامی دنیا کی مجموعی تعلیمی صورت حال کا جائزہ OIC کی سائنس اور ٹیکنالوجی کی کمیٹی COMSTECH نے یوں پیش کیا ہے کہ مسلم دنیا کے ممالک کی اوسطاً شرح خواندگی ۲۰ سے ۳۰ فیصد کے درمیان ہے افریقی ملک نائیجیریا کی شرح خواندگی ۱۹ فیصد ہے جو سب سے کم ہے۔

عالم اسلام میں ۱۰ لاکھ افراد میں صرف ایک سائنس دان ملتا ہے۔ عالم اسلام کے امیر اور خلیجی ممالک تعلیم پر اپنی آمدن کا صرف ۰٫۲۵ فیصد خرچ کرتے ہیں۔

ہمارے ملک پاکستان میں بھی بجٹ میں تعلیم پر بہت کم اخراجات رکھے جاتے ہیں۔ جب تک ملک میں تعلیم اور شرح خواندگی میں بہتری نہیں آئے گی مذہبی انتہا پسندی میں کمی نہیں آسکتی۔

مذہبی انتہا پسندی......؟

مذہب بنی نوع انسان کی اہم ضرورت ہے۔ مذہب اخلاقی اصول، عدل، راست بازی، دیانت داری، اخوت، مساوات، پاک دامن، رواداری، ایثار اور خدمت خلق اور اس جیسی دوسری خوبیوں کے قوانین مہیا کرتا ہے۔ یہ ایسی خوبیاں ہیں جن کی عدم موجودگی میں صرف یہی نہیں کہ ہماری زندگی نظم وضبط کھو بیٹھتی ہے بلکہ وہ ایک میدان کارزار میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

ان خوبیوں کی بنیاد عقائد پر ہے اور یہ فقط ازلی اور ابدی طور قادر مطلق ہستی پر ایمان ہی ہے جو انسان میں ان خوبیوں کا ذوق اور جذبہ پیدا کرتی ہے۔ یہ مذہب ہی ہے جو ضرورت پڑنے پر انسان کو دوسروں کی خاطر قربانی دینے پر آمادہ کرتا ہے۔

مذہب انسان میں مصائب برداشت کرنے کی ہمت اور حوصلہ عطا کرتا ہے اور مایوسی اور ناامیدی کا خاتمہ کرتا ہے۔

ایک دین دار انسان جو ذات الٰہی پر پختہ ایمان رکھتا ہے مصائب کے مقابلہ میں کبھی ہمت نہیں ہارتا۔ اس حقیقت پر ایمان رکھتے ہوئے کہ خداوند عالم کی ذات اقدس کی مدد سے ہر مشکل حل ہو سکتی ہے۔ انسان ہر قسم کی مایوسی اور بددلی پر قابو پا سکتا ہے۔

لیکن صد افسوس کا مقام ہے کہ جن لوگوں کو صبر اور برداشت کا مینار ہونا چاہیے تھا۔ انہوں نے مذہبی انتہا پسندی کا

رجحان پیدا کیا اور پھر اس سے شدید بدامنی معرض وجود میں آئی۔

مذہبی انتہا پسندی یہ ہے کہ نہ صرف اپنے نظریات اور خیالات کو صحیح اور سچا سمجھنا بلکہ ان کے علاوہ جملہ نظریات کو غلط اور باطل سمجھنا اور ان نظریات کے ماننے والے افراد کو ان کے جائز حقوق نہ دینا بلکہ ان کو خارج از اسلام قرار دینا۔

ویسے تو مذہبی انتہا پسندی کی تاریخ بہت قدیم ہے۔ مذہبی انتہا پسندی کا باقاعدہ آغاز حضرت عیسیٰؑ کے ۶۶ سال بعد ہوتا ہے۔ اس وقت ایک مذہبی انتہا پسند جماعت ''سکریٰ'' نے فلسطین میں اپنے مخالف مذہبی گروہ کا قتل عام شروع کیا تھا اور اس طرح یہ سلسلہ چلتا رہا اور آج بھی پہلے کی نسبت زیادہ زور شور سے موجود ہے۔

مذہبی انتہا پسندی کے محرکات

دینی تعلیم میں اصل روح کا فقدان

معاشی اور سیاسی مقاصد

دینی تعلیم میں اصل روح (خوف خدا) کا فقدان۔

دینی تعلیم (خصوصی) اور عام تعلیم (عمومی) میں اصل روح اور جان خوف خدا ہے لیکن مغربی انداز فکر نے خالص دینی تعلیم کو بھی کاروباری رنگ میں رنگ دیا ہے۔

اسلام ہمیں یہ بتلاتا ہے کہ ہماری اصل زندگی بعدالموت ہے جس کی جواب دہی کے لیے ہم نے تیاری کرنا ہے۔ ہمارے اعتقاد اور ایمان کی اساس کے اعتبار سے نسبت تناسب میں اس دنیوی زندگی کی تو کوئی حیثیت نہیں یہ تو گویا نہ ہونے کے برابر ہے۔ یہ عارضی اور فانی ہے۔ جبکہ وہ بدی اور ہمیشہ کی زندگی ہے۔ ہمارے ایمان اور دینی تعلیم کی بڑی بنیادیں اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں سموئی ہیں۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ۔ جو کچھ ہے وہ اللہ کا ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

یعنی: ہمارا جسد اور ہمارا معاد اللہ تعالیٰ ہیں

لیکن بدقسمتی سے ہمارے دینی ادارے اصل روح پیدا کرنے میں کامیاب نہیں ہیں۔ آج کل دینی مدارس سے جو طالب علم فارغ ہو کر آرہے ہیں ان میں خلوص اور اللہ کا ڈر کے جذبات اس حد تک نہیں جتنا کہ ہونا چاہیے۔

اس حقیقت سے ہم سب واقف ہیں کہ کوئی حقیقی دین دار شخص شدید مایوسی کے ردعمل کے طور پر خودکشی یا شکستگی اعصاب اور نفسیاتی امراض کا شکار نہیں ہوتا۔

اس طرح موجودہ مذہبی انتہا پسندی کی بنیادی وجہ دینی تعلیم میں گہرائی، خلوص اور افراد کے اندر تقویٰ کا نہ ہونا ہے۔

معاشی اور سیاسی مقاصد:

دنیا میں تقریباً ہر تحریک کے پیچھے کسی نہ کسی حد تک معاشی عدم توازن کارفرما ہوتا ہے۔

پاکستان بھی معاشی عدم استحکام کا شکار ہے۔ ایک آدمی بہت غریب ہے تو دوسرا آدمی بہت امیر ہے۔ پاکستان میں عوام کی معاشی درجہ بندی اس طرح ہے۔

۱۵۰۰ روپے تک ماہوار آمدنی والے	۴۶٫۵ فیصد
۱۵۰۰ سے ۴۰۰۰ روپے تک ماہوار آمدن والے	۴۴٫۵ فیصد
۴۰۰۰ سے اوپر ماہوار آمدن والے	۹ فیصد

اس طرح نصف آبادی غربت پر گزارہ کر رہی ہے۔ وہ نہ تو معیاری خوراک کھا سکتے ہیں اور نہ ہی ان کے پاس رہائشی مکان ہیں۔ دوسری طرف سہولت یافتہ طبقہ کئی کئی ایکڑ کوٹھیوں میں رہ رہے ہیں جس معاشرہ میں مال دار طبقہ کے گھوڑے مکھن، سیب اور مربے کھائیں اور غریب فاقوں مر رہا ہو۔ یہ عدم توازن بھی مذہبی انتہا پسندی کا باعث بنتا ہے۔ ایسی صورت حال میں بعض دفعہ تو خود مذہبی لوگ تشدد پر اتر آتے ہیں اور بعض دفعہ وہ کسی کا آلہ کار بن جاتے ہیں۔ اسی طرح بعض دفعہ مخصوص سیاسی مقاصد کے لیے مذہبی لوگوں کو استعمال کیا جاتا ہے مثلاً جھنگ میں جاگیرداری نظام عرصہ سے مستحکم ہے اور یہاں کے جاگیرداروں اور بڑے زمینداروں کی اکثریت شیعہ مسلک سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کے مقابلے میں جھنگ کا کاروباری طبقہ اور بڑے صنعت کاروں کی اکثریت سنی مسلک سے تعلق رکھتی ہے۔ جھنگ اور اس کی تحصیل چنیوٹ میں ان دونوں طبقات کے مفادات ایک دوسرے سے متصادم تھے۔ اس کی ایک چھوٹی سی مثال جھنگ کے ایک سنی مالک کی ایک ٹرانسپورٹ کمپنی ہے جس کے مقابل میں شیعہ زمینداروں نے ٹرانسپورٹ کمپنی قائم کی۔ دونوں میں کاروباری مخاصمت چلی۔ اڈوں پر جھگڑے ہوئے، بسوں کو لوٹا گیا۔

آزاد ذرائع اور پولیس ریکارڈ اس بات کی تصدیق کرتے ہیں کہ انجمن سپاہ صحابہ جھنگ کے ۱۸ سرمایہ کاروں کے ایک گروپ نے بنائی تھی اور تنظیم بنانے کے بعد مولانا حق نواز جھنگوی کو مدعو کیا گیا۔ سرمایہ دار یہ چاہتے تھے کہ اپنی تنظیم کو مذہبی رنگ دیا جائے تاکہ انہیں جاگیرداروں کے خلاف سنی اکثریتی عوام کی حمایت حاصل ہو۔ حق نواز جھنگوی نے اپنی تقاریر میں بریلویت کے بجائے شیعیت اور وڈیرہ شاہی کو موضوع بنایا۔ انجمن سپاہ صحابہ کے قیام کے کچھ عرصہ بعد ۱۹۸۵ میں جھنگ کے معروف بزنس مین شیخ محمد یوسف سپاہ صحابہ کی حمایت سے ایم پی اے بنے اور اس کے بعد معروف صنعت کار میاں عابد سپاہ کے پلیٹ فارم سے ایم پی اے بنے۔

اس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ اکثر بیشتر مذہبی انتہا پسندی کے پیچھے معاشی اور سیاسی مقاصد پوشیدہ ہوتے ہیں جو اکثر عام آدمی بلکہ انتہا پسند لوگوں کی نظر سے بھی پوشیدہ ہوتے ہیں۔

مذہبی انتہا پسندی نے کیا دیا:

گزشتہ کئی سالوں سے مختلف تنظیموں کی طرف سے شدید انتہا پسندی کے مظاہرے ہوئے۔ ان کا مکمل احاطہ تو ممکن

نہیں۔لیکن مشتے از خروارے پیش خدمت ہے۔

سپاہ صحابہ اور سپاہ محمد دونوں مذہبی انتہا پسند تنظیمیں ہیں۔ایک اہل سنت کی ترجمان جبکہ دوسری فقہ جعفریہ کی ترجمان ہے۔ہر دو تنظیموں میں اتنی شدت اور انتہا پسندی ہے جو بہت خطرناک ہے۔

۱۹۸۶ سے ۱۹۸۹ کے درمیانی عرصہ میں صرف ضلع جھنگ میں انتہا پسندانہ دہشت گردی کا نشانہ بننے والوں کی تعداد ۳۰۰ تھی۔

۲۲ فروری ۱۹۹۰ مولانا حق نواز جھنگوی قتل ہوئے

۱۹۹۱ میں مولانا ایثار قاسمی کو قتل کر دیا گیا

۱۹۹۷ میں مولانا ضیاء الرحمن فاروقی ۲۵ ساتھیوں سمیت قتل ہوئے

۲۰۰۳ میں مولانا اعظم طارق قتل ہوئے

۲۰۰۲ ریاض بسرا قتل ہوا

اسی طرح ایرانی قونصل صادق گنجی، شیعہ پولیٹیکل پارٹی سکندر شاہ، سابق کمشنر سرگودھا سید تجمل حسین، سید ذوالفقار حسین نقوی، ایس ایس پی محمد اشرف مارتھ بھی اسی انتہا پسندانہ مذہبی جنون کی نذر ہوئے۔

سپاہ صحابہ اور سپاہ محمد کی اندرونی خلفشار کی ایک طویل کہانی ہے جتنے لوگ قتل ہوئے یہ کس کا نقصان ہے؟ یہ ملک پاکستان اور ہمارا اپنا نقصان ہے جس کی تلافی ناممکن ہے اور یہ سب کچھ مذہبی انتہا پسندی کی وجہ سے ہوا۔

مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اس کا خاتمہ۔تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی بھی مذہبی انتہا پسندی اور تشدد کا مظاہرہ نہیں کیا اور نہ ہی اپنے پیروکاروں کو اس بات کی اجازت دی کہ کسی کے ساتھ انتہا پسندی اور تشدد کا برتاؤ کیا جائے۔

اسلام دنیائے انسانیت کو اس بات کی تعلیم دیتا ہے کہ اپنے نظریات پر قائم رہتے ہوئے اور ان پر عمل کرتے ہوئے دوسروں کے عقائد اور نظریات برداشت کیے جائیں اور ان کو ان پر عمل کرنے کی آزادی دی جائے۔

مذہبی رویہ کا تنقیدی جائزہ لینے کے لیے ہم دیکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حالت جنگ اور حالت امن کیا نمونہ پیش کیا اسلامی تاریخ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت گواہ ہے کہ مسلمانوں نے حالت جنگ اور حالت امن ہر دور میں غیر انتہا پسندانہ رویہ رکھا اور کسی کے ساتھ دشمنی یا مخالفت کی وجہ سے زیادتی نہیں کی مذہبی رویوں کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

۱۔ غیر انتہا پسندانہ رویہ......حالت جنگ میں

۲۔ غیر انتہا پسندانہ رویہ۔حالت امن میں

حالت جنگ میں رویہ:

اسلام نے جہاد کا مقصد واضح متعین کیا ہے۔جہاد کا مقصد لوٹ مار اور قتل و غارت گری نہیں اسلام نے جہاد کے دو

واضح مقصد بتلائے ہیں۔

(۱)اعلائے کلمۃ اللہ (۲) حق وعدل کا نظام قائم کرنا

زیادہ واضح انداز میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ اللہ کے بندوں کو ظلم وستم کے اندھیروں اور فکر وعمل کی گمراہیوں سے نجات دلائی جائے۔ اگر جہاد کا یہ مقصد باقی نہ رہے بلکہ اس کی جگہ جنگ لے لے جس کا مقصد لوٹ مار، خون ریزی اور دست درازی کرنا اور قوموں کو محکوم بنانا ہو تو ایسی جنگ میں شرکت کرنا ممنوع ہے۔

کتاب الاحوال میں ہے کہ مسلمانوں کے لشکر میں کسی مجاہد کے لیے جائز نہیں کہ وہ دشمن کے ایسے آدمی کو قتل کرے جو جنگ میں شریک نہ ہو۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ایک موقع پر تحریری حکم ارسال فرمایا کہ مجاہدین اللہ کے راستہ میں جہاد کریں اور صرف ان سے جنگ کریں جو برسر جنگ ہوں۔

صلح حدیبیہ میں بظاہر ساری شرائط تلخ تھیں لیکن بقول ڈاکٹر حمید اللہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول تھا کہ میں صلح کے لیے آیا ہوں مکہ والے مجھ سے جو مانگیں گے میں دینے کے لیے تیار ہوں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم موجود ہے کہ وہ لوگ جو بالعموم جنگ میں شریک نہیں ہوا کرتے مثلاً بوڑھے، عورتیں اور بچے ان کا قتل کرنا جائز نہیں۔ حضرت عمرؓ نے مسلمہ بن قیس کو نصیحت فرمائی کہ کسی عورت بوڑھے اور بچے کو قتل نہ کیا جائے۔

حضرت عمرؓ کا یہ فرمان بھی ہے کہ کسانوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو اور جب تک وہ تمہارے مقابل پر جنگ کرنے نہ آئیں انہیں قتل نہ کرو۔

اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم ہے کہ دشمنوں کا مثلہ نہ کرو غزوہ احد میں جب حضرت حمزہؓ کا مثلہ کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت ناگوار گزرا لیکن آپ نے فرمایا میں صبر کروں گا۔

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دشمنوں کے ساتھ ہمیشہ رواداری کا مظاہرہ کیا اور کبھی انتہا پسندی کا رویہ روا نہ رکھا۔

دنیا میں جنگ کے دنوں میں ہر چیز جائز سمجھی جاتی ہے لیکن آپ نے دوران جنگ بھی مذہبی انتہا پسندی سے منع کیا۔

۲۔ حالت امن میں غیر انتہا پسندانہ رویہ:

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ تشریف لے گئے تو آپ نے اردگرد کے یہود قبائل نے صلح اور عدم جنگ سے معاہدے کیے اور کہیں بھی مذہبی انتہا پسندی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ موضوع کی وضاحت کے لیے درج ذیل اجزاء میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

ا۔ مذہبی انتہا پسندی کی نفی......رواداری اور تکریم انسانیت

۲۔ مذہبی انتہا پسندی کی نفی......عدل اور باہمی تعاون

مذہبی انتہا پسندی کی نفی......رواداری اور تکریم انسانیت

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ پہنچے تو مدینہ کے یہود بنو قینقاع، بنو قریظہ اور بنو نضیر سے معاہدہ کیا۔ اس کے بعد

اطراف میں بسنے والے غیر مسلم قبائل سے معاہدے کیے۔ جن علاقوں کو فتح کیا وہاں کی غیر مسلم آبادی سے بھی معاہدے کیے اور مخالف حکومتوں کو بھی دعوت دی کہ ہم باہمی تعاون سے رعایا کی بہتر خدمت کر سکتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی ایسا نہیں کیا کہ یہود یا عیسائیوں سے مذہبی انتہا پسندی کی بنا پر نامناسب سلوک کیا جائے۔

صلح حدیبیہ میں ایک شرط یہ بھی ہے جو نصف سطر ہے

لا استبلال و لا اغلال

نہ ہتھیار کو میان سے نکالا جائے گا اور نہ دھوکہ بازی کی جائے گی

یعنی اس معاہدہ میں ایک مشترکہ بات تھی کہ باہم لڑائی نہیں ہو گی اور دھوکہ بھی نہیں کیا جائے گا۔ اس معاہدہ کو دیکھ کر بنو کنعانہ جو مکہ والوں کا حلیف تھا۔ شریک معاہدہ ہو گیا اور قبیلہ قضاعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے شریک معاہدہ ہو گیا۔ حالانکہ بنو کنعانہ اور قضاعہ کی قدیم دشمنی تھی۔ آپ کے غیر انتہا پسندانہ مذہبی رویہ کی وجہ سے مزید قبائل میں صلح ہو گئی۔ عیسائیوں اور یہودیوں کے متعلق جو رویہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رہا اس سے متعلق دو واقعات خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کے یہود سے جو معاہدہ کیا اسکے الفاظ درج ذیل ہیں

بنی عوف کے یہود مسلمانوں کی طرح ایک ملت شمار ہوں گے ہر قسم کے حملے کیخلاف ان کا دفاع مسلمانوں کے ذمے ہو گا۔ ان دونوں کے تعلقات خیر سگالی اور باہمی مشترکہ مفاد پر مبنی ہوں گے۔ یہود کے حلیف مسلمانوں کے حلیف جو شمار ہوں گے اور ہر مظلوم کی حمایت کی جائے گی خواہ وہ کسی گروہ سے ہو۔

نجران کے عیسائیوں کو جو آزادی کا منشور دیا گیا اس کے الفاظ یہ ہیں۔ نجران کے عیسائی خدا اور اس کے رسول کی حفاظت میں ہوں گے۔ ان کے جان و مال، عقائد اور علاقوں کی حفاظت کی جائے گی۔

اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی مذہب کے قبیلہ سے مذہبی انتہا پسندی اور شدت کا مظاہرہ نہیں کیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب لوگوں کی عزت انسان ہونے کی وجہ سے کی اور اسی کا سبق ساری امت مسلمہ کو دیا۔

جب ثمامہ بن اثالؓ نے نجد سے غلے کی ترسیل بند کی۔ غلے کی بندش کی وجہ سے مکہ کی معاشی حالت اور بھی خراب ہو گئی۔ آخر مکہ والے مجبور ہو گئے۔ ذلت کا احساس لیے ادب کے ساتھ مدینہ ایک وفد مدینہ بھیجتے ہیں اور التجا کرتے ہیں کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم ہمیشہ نیکی، مہربانی اور محبت کی تعلیم دیتے رہے ہو اپنے عزیز اور ہم وطنوں پر رحم کرو ہم بھوک سے مر رہے ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً ثمامہ بن اثالؓ کو ایک خط کے ذریعہ غلہ کی بندش اٹھانے کا حکم دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مدینہ سے پانچ سو اشرفیاں جو اس دور میں بڑی رقم تھی مکہ کے فقراء و مساکین کے لیے بھیجی یہ آپ کا ان لوگوں کے ساتھ رویہ تھا۔ جنہوں نے آپؐ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھیوں کو صرف مذہب کی بنیاد پر مکہ چھوڑنے پر مجبور کیا۔

مذہبی جھگڑوں میں عام طور پر لوگ مخالفین کے قابل حرمت اشخاص کے متعلق ناواجب اور ناروا الفاظ استعمال کرتے

ہیں۔قرآن مجید نے اس قسم کے غیر مہذب جملوں سے منع کیا ہے حتیٰ کہ مشرکین کے جھوٹے دیوتاؤں کے متعلق بھی برے الفاظ استعمال کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا ۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ......

حضرت عمرؓ کا گزر ایک مقام سے ہوا آپ نے ایک یہودی کو دیکھا کہ وہ بھیک مانگ رہا ہے آپ نے اس سے پوچھا کہ تمہیں اس بات پر کس نے مجبور کیا۔اس نے کہا کہ بوڑھا ہوں ضرورت مند ہوں اور جزیہ بھی دینا ہے۔حضرت عمرؓ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور گھر لائے۔اسے اپنے پاس سے کچھ دیا اور بیت المال کے خازن کو حکم دیا کہ اس کا اور اس جیسے دوسرے لوگوں کا خیال رکھو اور ان سے جذیہ لینا موقوف کردو۔یہ کوئی انصاف کی بات نہیں کہ ہم نے ان کی جوانی میں ان سے جزیہ وصول کیا اور اب بڑھاپے میں ان کو اس طرح رسوا کریں۔

اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام غیر مسلموں کے ساتھ انتہائی مشفقانہ برتاؤ کیا اور کبھی بھی مذہبی انتہا پسندی کا مظاہرہ نہ کیا اور یہی درس اور سبق ان کی تعلیمات میں ہے۔

آج جو لوگ مذہبی قائد بھی کہلاتے ہیں اور پھر مذہبی انتہا پسندی کا مظاہرہ کرتے ہیں انہیں تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں اپنا محاسبہ کرنا چاہیے۔

مذہبی انتہا پسندی کی نفی......عدل اور باہمی تعاون

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا کو بتلایا کہ اسلام ایک عادلانہ نظام قائم کرنے کا مدعی ہے اور برائی کے خاتمہ اور نیکی کی ترویج کی جدوجہد میں سب کو شریک کرنے کا دعویدار ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهِ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ

اللہ تعالیٰ کو عدل کا رویہ اختیار کرنے کا حکم دیتے ہیں

وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْ ا بِالْعَدْلِ

اور جب تم لوگوں کے فیصلے کرو تو عدل کیساتھ کرو

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى

اور کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کردے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔عدل کرو وہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔

اسلام نے باہمی عدل وانصاف کا وہ معیار دیا ہے جس کو محبت اور دشمنی ٹیڑھا نہیں کرسکتے۔اسلام ایک ایسا عدل کا نظام پیش کرتا ہے جو باہمی قرابت یا قوموں کے باہمی بغض وعناد کسی سے بھی متاثر نہیں ہوتا اور اس سے دوسری اقوام بھی مستفید ہوتی ہیں چاہے ان کے اور مسلمانوں کے درمیان عداوت اور دشمنی ہی کیوں نہ ہو۔

حضرت عمرؓ کو پتہ چلا کہ مسلمان ایک ذمی کے باغ میں گھس کر انگور کھا رہے ہیں ذمی نے شکایت کی تو حضرت عمرؓ نے انگوروں کی قیمت ادا کرنے کا حکم دیا۔ عمر فاروقؓ یہ سوچتے کہ چلو ذمی ہے اس کے باغ سے انگور کھا لیے تو کیا فرق پڑھتا ہے لیکن عمر فاروقؓ نے باقاعدہ نوٹس لیا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ.

اور تم ایک دوسرے سے باہم تعاون کرو خیر اور تقویٰ کے لیے اور ایک دوسرے سے تعاون نہ کرو گناہ زیادتی کے لیے۔ اللہ سے ڈرو بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والے ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ صرف مسلمانوں سے تعاون کرو اور غیروں کیساتھ تعاون نہ کرو بلکہ تعاون کی اصل بنیاد نیکی اور خدا ترسی قرار دی ہے اس کا صاف مطلب ہے کہ مسلمان بھائی بھی اگر حق کے خلاف چل رہا ہو تو اس کی مدد نہ کرو۔ بلکہ اسے ظلم سے روکنے کی کوشش کرو۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے۔ وہاں فوری طور پر مختلف قبائل سے معاہدے کیے۔ ان میں ۲ھ میں بنی ضمرہ کے سردار فحشی بن عمرو سے مدای حلیفی کا معاہدہ کیا۔ تاریخی لحاظ سے یہ معاہدہ بہت اہم ہے جس میں باہم تعاون، بری باتوں اور عہدہ شکنی سے بچنے کی شرائط ہیں۔

بنی ضمرہ کے ایک معاہدے کا ذکر ابن سعد نے کیا ہے

لا يغزوا بنی ضمره ولا يغزوته ولا يكثروا عليه جمعا ولا يعينوا عليه عدوا

قبیلہ جہینہ کی دو شاخوں سے کیے ہوئے معاہدے کا متن بھی ابن سعد نے محفوظ کیا ہے ان کی شرائط بھی کم وبیش وہی ہیں جو بنی ضمرہ کے معاہدے کی ہیں۔

انهم امنون على انفسهم واموالهم وان لهم البصر على من ظلمهم اور حار بهم الا فى الدين ولاهل. ولا هل باديتهم من برمنهم واتقى مالى فرتهم والله المتعان

انہیں ان کی جان و مال پر امان ہے۔ ان کو ہر ایسے کے خلاف مدد دی جائے گی جو ان پر ظلم کرے یا ان سے جنگ کرے۔ بجز دین اور اہل وعیال کے۔ اور ان کے خانہ بدوشوں کو بھی جو معاہدے کی تعمیل اور عہد شکنی سے اجتناب کریں وہی حقوق ہوں گے جو ان کے بستیوں میں رہنے والوں کے ہیں اور اللہ ہی سے مدد چاہی جاتی ہے۔

اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام مذاہب کے لوگوں سے اپنائیت اور تعاون علی الخیر کا رویہ رکھا اور کسی بھی موقع پر مذہبی انتہا پسندی کا مظاہرہ نہیں کیا۔

خلاصہ:

عام انبیاء کی تعلیمات اسی نقطہ کے گرد گھومتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر یقین اور اس کی مخلوق کی بہتری کے لیے کام کیا جائے۔

چنانچہ خالق ذات پر ایمان لانے اور اس کی ہدایات پر عمل کرنے سے انسان کے اندر ایک دوسرے سے محبت پیدا ہوتی ہے آج کچھ لوگ جنہوں نے مذہب کا لبادہ اوڑھا ہوا ہے وہ اپنے مذموم عزائم اور مقاصد کی خاطر امن عالم کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ آیئے ہم تہیہ کریں کہ مذہبی انتہا پسندی کے خلاف علم بغاوت بلند کریں گے اور دنیا میں جیو اور جینے دو کے اصول کو اپناتے ہوئے، تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمل کرتے ہوئے ملک وقوم کی خدمت کے لیے خود کو پیش کریں گے۔

اللہ تعالیٰ ہمارا حامی و ناصر ہو۔ آمین

کتابیات

القرآن

ابن تیمیہ	الامام تقی الدین احمد	السیاسۃ شرعیۃ فی اصلاح الراعی والرعیۃ	بیروت
ابن حجر	العسقلانی	فتح الباری شرح بخاری	الریاض
ابن خلدون	عبدالرحمٰن	مقدمہ ابن خلدون	بیروت
ابن قیم	شمس الدین	زاد المعاد	مصر
ابن کثیر	عماد الدین اسماعیل	تفسیر ابن کثیر	لاہور
ابن کثیر	عماد الدین اسماعیل	البدایۃ والنھایہ	القاہرہ
ابو یوسف	یعقوب بن ابراہیم	کتاب الخراج	مصر
حسن	ابراہیم	مسلمانوں کا نظم مملکت	کراچی
عبدالرزاق	عبدالرزاق	مصنف	بیروت
علی المتقی	الشیخ علامہ	کنز العمال	بیروت
الدھلوی	شاہ ولی اللہ	حجۃ البالغہ	لاہور
قطب	سید محمد	اسلام میں عدل اجتماعی	لاہور
عودہ	عبدالقادر	اسلام کا فوجداری نظام	لاہور
ماوردی	ابوالحسن	الاحکام السلطانیہ	لاہور
منیر	ازھر منیر	بین الاقوامی واقعات	لاہور
حمیداللہ	ڈاکٹر حمیداللہ	رسول اکرم کی سیاسی زندگی	کراچی
حمیداللہ	ڈاکٹر حمیداللہ	خطبات بہاولپور	بہاولپور
الھاشمی	ڈاکٹر محمد طفیل	امام ابوحنیفہ کی مجلس تدوین فقہ	اسلام آباد
الھاشمی	ڈاکٹر محمد طفیل	تدوین طبقات	اسلام آباد
مودودی	ابوالاعلیٰ	اسلامی ریاست	لاہور
صدیقی	نجات اللہ ڈاکٹر	نظریہ مملکت	لاہور
سیوہاروی	حفظ الرحمٰن	اسلام کا اقتصادی نظام	لاہور

''دورِ حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اُس کا خاتمہ تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں''

حافظ محمد سعد اللہ، لاہور

نحمده ونصلی و نسلم علی رسوله الرؤف الرحیم الکریم امابعد:

امت مسلمہ کی نااتفاقی، عملی اعتبار سے نظام اسلام سے دوری، تمام وسائل ہونے کے باوجود اقتصادی معاشی اور سائنس وٹیکنالوجی کے لحاظ سے پستی، اکثر اسلامی ممالک میں حکمرانوں کی عوام میں جڑیں اور خلافت کا جمہوری وشورائی نظام نہ ہونے کے باعث نفسیاتی کمزوری، مفاد پرستی، دینی بے حمیتی، ذاتی اقتدار کی خاطر بڑی طاقتوں کی کاسہ لیسی اور آلہ کار بننے کی پالیسی، غاصب اقوام کے ظلم و جبر کے خلاف ردعمل کے طور پر حریت پسندوں اور مجاہدین کی بعض اوقات بے محل کارروائیوں اور فدائی حملوں اور مسلمان نوجوانوں میں جذبہ جہاد کی بیداری جیسی وجوہات اور سب سے بڑھ کر استبدادی استعماری اور صیہونی قوتوں کے اسلام کے خلاف مذموم عزائم کی تکمیل کے لیے مغربی میڈیا اور پریس نے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت اس وقت ''کلمہ حق ارید بھا الباطل'' کے مصداق دنیا میں نام نہاد امن قائم کرنے کے نام پر مسلمانوں کے خلاف ''مذہبی انتہا پسندی، رجعت پسندی، تشدد اور دہشت گردی'' جیسے یک طرفہ و بے بنیاد الزامات اور پروپیگنڈے کی مہم زور وشور سے شروع کر رکھی ہے۔ اس سے بھی زیادہ بڑا المیہ اور افسوس ناک امر یہ ہے کہ اکثر اسلامی حکومتوں نے ان من گھڑت الزامات کو بلا تحقیق اور بلا ادنیٰ غور و خوض اس طرح قبول کرلیا ہے اور اس طرح ''آمنا و صدقنا'' کہا ہے کہ کسی آسمانی وحی کو بھی اس طرح قبول نہ کیا ہوگا۔

بہرکیف آئندہ سطور میں زیر بحث عنوان کے حوالے سے پہلے ہم اس امر کا جائزہ لیں گے کہ مذہبی انتہا پسندی ہے کیا؟ اس کی کون کون سی صورتیں شرعی اعتبار سے ممنوع اور ناپسندیدہ ہیں اور ان کا خاتمہ ضروری ہے اور کون سی صورتوں پر غلط اطلاق کیا جا رہا ہے پھر ان تمام صورتوں میں تعلیمات و ہدایات نبوی ﷺ اور اسوہ رسول ﷺ کیا ہے؟

انتہا پسندی کا معنی وسبب:

''انتہا پسندی'' کا لفظ کوئی ایسا مغلق اور مشکل لفظ نہیں جس کی تحقیق کے لیے ہمیں لمبی چوڑی بحث اور لغت کی کتابیں کھنگالنے کی ضرورت پیش آئے۔ یہ لفظ عربی اور فارسی کے دو الفاظ سے مرکب ہے۔ اس کا لفظی ولغوی معنی کسی چیز کی آخری حد اور اخیر کنارے کو انتخاب کر لینا اور چن لینا کے ہیں۔ اس حوالے سے مذہبی انتہا پسندی کا معنی یہ ہوگا کہ مذہبی عقائد و اعمال اور مسائل جن کے متعدد پہلوؤں یا جن کے بارے میں کئی اقوال و آراء ہوں تو ان میں سے اپنی پسند کے ایک ہی نقطہ نظر کو اپنا لینا اور دوسرے نقطہ نظر کو غلط سمجھنا یا مذہبی اعمال و حکام اور اوامر و نواہی کو ان کے اصل درجہ و شرعی حیثیت سے گھٹا دینا یا بڑھا دینا دوسرے

لفظوں میں ان کے اندر افراط وتفریط سے کام لینا یا مکلفین کی قوت واستعداد اور حالات کا لحاظ کیے بغیر سب پر یکساں حکم لگانا وغیرہ۔ یہی سوچ اور طرزِ عمل مذہبی انتہا پسندی کا بڑا سبب ہے۔

مذہبی انتہا پسندی کی چند صورتیں:

(ا) اپنا مذہب زبردستی منوانا:

مذہبی انتہا پسندی کی ایک صورت یہ ہے کہ اپنا مذہب وعقیدہ بلا دلیل دوسرے آدمی کی دلی رضا ورغبت کے بغیر زبردستی اور دھونس سے اس پر ٹھونسا جائے۔ دوسرے لفظوں میں جبر واکراہ کے ذریعے دوسروں کو اپنے مذہبی افکار ونظریات اور عقائد کا قائل بنایا جائے۔ اسلام اور تعلیمات نبوی ﷺ میں اس قسم کی مذہبی انتہا پسندی کی قطعاً گنجائش نہیں۔ اسلام نے نہ صرف یہ کہ مذہب کی جبری اشاعت کو ناپسند کیا بلکہ اس کا فلسفہ بھی بتایا کہ مذہب زبردستی کی چیز نہیں کیونکہ اسلام میں مذہب کا اولین اور بنیادی واہم ترین جزو ایمان ہے جبکہ ایمان یقین وتصدیق قلبی کا نام ہے۔

(ا) اور دنیا کی کوئی طاقت کسی کے دل میں یقین کا ایک ذرہ بھی بزور پیدا نہیں کرسکتی بلکہ تیز سے تیز تلوار کی نوک بھی کسی لوح دل پر یقین کا ایک حرف بھی نقش نہیں کرسکتی۔ عالم کی تمام قوتیں بھی اگر یہ چاہیں کہ جبر واکراہ سے کسی کے قلب کو مطمئن کردیں تو ناممکن اور محال ہے۔ تیغ وتیر اور خنجر سے کوئی عقیدہ دل میں نہیں اتارا جاسکتا۔ اس لیے قرآن مجید میں اعلان فرمایا گیا:

"لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْتَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ" (سورۃ البقرہ:۲:۲۵۶)

دین (کے قبول کرنے) میں کسی قسم کی کوئی زبردستی نہیں (کیونکہ) ہدایت واضح ہو چکی ہے گمراہی سے۔

دوسری جگہ فرمایا:

"وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ (سورۃ الکھف:۲۹)

اور (اے پیغمبر!) آپ اعلان کردیں کہ حق تمہارے پروردگار کی طرف سے آچکا ہے۔ سو جس کا جی چاہے ایمان لائے اور جس کا جی چاہے کافر رہے۔

کسی دین کو زبردستی پھیلانا اسلام کی نگاہ میں ایک ایسا فعل ہے جس سے رسول مکرم ﷺ کی شان کو اس نے بہت بلند سمجھا ہے چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

"وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ" (سورۃ یونس:۹۹)

اور اگر تیرا پروردگار چاہتا تو روئے زمین پر جتنے بھی لوگ ہیں، سب کے سب ایمان لے آتے۔ تو (اے پیغمبر!) کیا آپ لوگوں کو مجبور کریں گے حتیٰ کہ وہ مؤمن بن جائیں۔

اسلام میں حق کی حمایت اور باطل کی شکست کے لیے لڑنا جائز ہے اور اس کے لیے خود رسول محتشم ﷺ کی حیات طیبہ میں متعدد غزوات وسرایا کی مثال موجود ہے جس سے مخالفین اور معاندین نے بزعم خویش یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ لڑائیاں صرف اس لیے لڑی گئیں کہ اسلام کو تلوار کے زور پر پھیلایا جائے حالانکہ قرآن مجید میں ایک آیت بھی ایسی نہیں جس میں کسی کافر وغیر مسلم کو زبردستی مسلمان بنانے کا حکم ہو اور نہ سیرت طیبہ سے کوئی ایسا واقعہ دکھایا جا سکتا ہے جس میں کسی کو زبردستی تلوار کے زور سے مسلمان بنایا گیا ہو بلکہ قرآن مجید میں تو حضور اکرم ﷺ کو یہ ہدایت فرمائی گئی ہے کہ:

''اور اگر (لڑائی میں) مشرکین میں سے کوئی ایک آپ سے پناہ کا طالب ہو تو اس کو پناہ دیجئے یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام (قرآن مجید) سن لے پھر اس کو اپنے امن کی جگہ پہنچا دیں۔ یہ (حکم) اس لئے ہے کہ یہ قوم لاعلم ہے۔'' (سورۃ توبہ:۶)

یہاں یہ نہیں فرمایا گیا کہ جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائے اس کو پناہ نہ دو بلکہ یہ فرمایا کہ اس کو پناہ دے کر اس کی جائے پناہ تک پہنچا دیا جائے اور اس کو کلام الٰہی سنایا جائے تاکہ اس کو غور و فکر کرنے کا موقع ملے۔ ظاہر ہے کہ جو مشرک اس طرح مسلمان ہوگا اس کی تبدیلیٔ مذہب کا محرک تلوار نہیں بلکہ قرآن مجید کی حقانیت ہوگی۔

اسلامی جہاد (جسے آج مغربی میڈیا ''دہشت گردی'' قرار دے کر اصل حقائق اور اہل اسلام کے خلاف اپنے ناپاک عزائم پر پردہ ڈالنا چاہتا ہے) کا ایک مستقل اصول وضابطہ اور مشہور قانون ہے کہ لڑائی سے قبل میدان جنگ میں برسر پیکار دشمن کے سامنے پہلے دو باتیں یا آپشن پیش کی جائیں۔ اول یہ کہ تم کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو جاؤ۔ اگر ایسا کرو تو تم دین حکومت اور عزت کے تمام حقوق میں ہمارے برابر ہو جاؤ گے اور اگر یہ بات منظور نہ ہو تو اپنے سابقہ مذہب پر قائم رہ کر ہماری سیاسی حکومت کو قبول کر لو۔ اس صورت میں تمہارے جان مال اور عزت و آبرو کی حفاظت ہماری ذمہ داری ہوگی اگر وہ ان دو باتوں میں سے کوئی بات قبول کر لیں تو ان سے لڑنا جائز نہیں۔

یہ قانون جو سرتاپا امن پسندی، سلامت طلبی اور خون ریزی سے بچنے کی آخری کوشش پر مبنی ہے اس کو دشمنان دین نے اس صورت میں پیش کیا ہے کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے لوگوں کو تلوار کے زور سے مسلمان بنانے کی تعلیم دی جبکہ رحمت عالم ﷺ کا دامن اس الزام بلکہ بہتان سے یکسر پاک ہے۔[۲]

(۲) دوسرے مذاہب کو برداشت نہ کرنا:

مذہبی انتہا پسندی کی دوسری صورت یہ ہے کہ آدمی اپنے مذہب کے علاوہ دوسرے کسی مذہب وعقیدہ کو دیکھنے اور اس کے ماننے والوں کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہ ہو۔ اسلام اس قسم کی مذہبی انتہا پسندی کی بھی قطعاً اجازت نہیں دیتا۔ اس نے دوسرے مذاہب کے پیروکاروں کو ان کے پسندیدہ مذہب کے عقائد ونظریات کے مطابق عبادت اور معاشرتی معاملات طے کرنے کی صرف اجازت ہی نہیں بلکہ مشترک اور مسلمہ امور کی بنیاد پر انہیں اتحاد کی بھی دعوت دی ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

"قُلْ یٰاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ...... اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ" (آل عمران: ۶۴)

(اے پیغمبر!) آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) ایسے قول کی طرف آ جاؤ جو ہمارے (مسلمانوں) اور تمہارے درمیان مشترک ہے وہ یہ کہ ہم بجز اللہ کے اور کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے علاوہ پروردگار نہ ٹھہرائے۔

پھر ایک مسلمان کی اپنے مذہب وعقیدہ اور اپنے معبودحق کے ساتھ محبت وعقیدت اور جذباتی لگاؤ ایک فطری امر ہے۔ اس جذباتی لگاؤ کی وجہ سے بعید نہیں کہ کوئی آدمی محبت الٰہی اور تبلیغ اسلام کے جوش وجنون میں دوسرے مذاہب کے معبودان باطل اور ان کے نزدیک مقدس ہستیوں کو دشنام طرازی کرنے لگے جس کے نتیجے میں معبودان باطل کے پیروکار معبود حقیقی کی شان میں زبان درازی کے مرتکب ہوں اور یوں فرقہ وارانہ و مذہبی فسادات کا دروازہ کھل جائے اس لئے سختی سے ہدایت فرمائی گئی:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَیَسُبُّوا اللّٰہَ عَدْوًام بِغَیْرِ عِلْمٍ (سورۃ الانعام: ۱۰۸)

اور (اے اہل ایمان) دشنام نہ دو ان معبودوں کو جن کو یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ (کفروشرک کی) حد سے گزر کر از راہ جہالت اللہ (جل شانہ) کو گالیاں بکنے لگیں۔

علاوہ ازیں دوسرے مذاہب کے انبیاء کے بارے میں ایک مسلمان کیلئے کیا عقیدہ، کیا سوچ اور کس طرح کا احترام ملحوظ رکھنا ضروری ہے؟ اس حوالے سے سید سلیمان ندوی نے متعدد آیات قرآنی سے استدلال کرتے ہوئے محمد رسول اللہ ﷺ کا نقطہ نظر یہ تحریر فرمایا ہے کہ:

"ایک یہودی کے لئے حضرت موسیٰ کے سوا کسی اور کو پیغمبر ماننا ضروری نہیں۔ ایک عیسائی تمام دوسرے پیغمبروں کا انکار کر کے بھی عیسائی رہ سکتا ہے۔ ایک ہندو تمام دنیا کو ملیچھ، شودر اور چنڈال کہہ کر بھی پکا ہندو رہ سکتا ہے۔ ایک زردشتی تمام عالم کو بحرظلمات کہہ کر بھی نورانی ہوسکتا ہے اور وہ ابراہیم وموسیٰ علیہم السلام کو نعوذ باللہ جھوٹا کہہ کر بھی دینداری کا دعویٰ کر سکتا ہے لیکن محمد رسول اللہ ﷺ نے یہ ناممکن کر دیا ہے کہ کوئی ان کی پیروی کا دعویٰ کر کے ان سے پہلے کسی پیغمبر کا انکار کر سکے...... غرض کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک وہ دنیا کے تمام پیغمبروں کی یکساں صداقت وحقانیت راست بازی اور معصومیت کا اقرار نہ کرے۔" [۳۶]

کتب الٰہی پر ایمان کی بحث میں سید موصوف لکھتے ہیں:

"یہود تورات کے سوا کچھ نہیں مانتے۔ عیسائی توراۃ کے احکام نہیں مانتے لیکن اس کی اخلاقی نصیحتوں کو قبول کرتے ہیں تاہم انجیل سے پہلے کی دوسری زبانوں اور ملکوں کی آسمانی کتابوں کی نسبت مسلمانوں کی طرح ادب اور احتیاط کا پہلو بھی اختیار نہیں کرتے، پارسی اوستا کے باہر خدا کے کلام ہونے کا شبہ بھی نہیں کر سکتے اور برہمن ویدوں کے باہر خدا کے فیضان کا تصور بھی نہیں کرتے، لیکن قرآن پر ایمان لانے والا مجبور

ہے کہ صحیفہ ابراہیم، توراۃ، زبور اور انجیل کو خدا کی کتابیں یقین کرے اور دوسری اگلی آسمانی کتابوں کو جن میں آسمانی تعلیمات کی خصوصیتیں پائی جاتی ہوں تکذیب نہ کرے کہ ان کا کتب الٰہی ہونا ممکن ہے۔"

پھر تھوڑا سا آگے چل کر نتیجہ اخذ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اس تفصیل سے معلوم ہوسکتا ہے کہ محمد رسول ﷺ کی اس تعلیم نے دنیا میں امن و امان اور مسلمانوں میں مذہبی رواداری کے پیدا کرنے میں کتنا عظیم الشان حصہ لیا ہے۔ یہی وہ نظریہ تھا جس نے مسلمانوں کو اپنے مذہبی عقائد و شریعت کی سخت پیروی کے باوجود دنیا کی دوسری قوموں کے ساتھ مشارکت اور میل جول کیلئے آمادہ کیا اور مجوسیوں، صابیوں، یہودیوں، عیسائیوں اور ہندوؤں کے ساتھ مل کر مختلف ملکوں میں ان ملکوں کے مناسب مختلف تمدنوں کی بنیاد رکھنے کی ان میں قوت کو پیدا کیا" [۴]

نبی رحمت ﷺ نے غیر مسلم اقوام اور دیگر مذاہب کو کس خندہ پیشانی سے برداشت فرمایا اور کس طرح مذہب و عقیدہ کی آزادی عنایت فرمائی۔ اس کی تفصیلات کی یہاں گنجائش نہیں ہوسکتی تاہم یہود و نصاریٰ کے ساتھ ہونے والے نبی رحمت ﷺ کے دو معاہدوں کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے۔ یہود مدینہ کے ساتھ معاہدہ، میثاق مدینہ اور اہل نجران کے عیسائی وفد کے ساتھ معاہدہ۔ ان معاہدوں میں دیگر انسانی و معاشرتی حقوق پر مشتمل دفعات کے علاوہ ان کے ساتھ جس مذہبی رواداری کا شاندار مظاہرہ کیا گیا اس کی نظیر پوری مذہبی تاریخ اور خود یہودیت و عیسائیت کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ یہ معاہدے مختلف عقائد، مذاہب، قبائل اور جماعتی وابستگی رکھنے والوں کو اعلیٰ انسانی مقاصد کی خاطر ایک نظام میں متحد کردینے کی بینظیر مثالیں ہیں۔

چنانچہ میثاق مدینہ میں یہودیوں کی مذہبی آزادی کے حوالے سے درج ذیل دفعات قابل ذکر ہیں:

☆ یہود کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی اور ان کے مذہبی امور سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔

☆ یہود اور مسلمان باہم دوستانہ برتاؤ رکھیں گے۔ [۵]

نامور عرب محقق اور سیرت نگار محمد حسین ہیکل نے اس معاہدہ کا جو تجزیہ کیا ہے، وہ پڑھنے کے قابل ہے:

"یہ وہ تحریری معاہدہ ہے جس کی بدولت حضرت محمد ﷺ نے آج سے چودہ سو سال قبل ایک ایسا ضابطہ انسانی معاشرہ میں قائم کیا جس سے شرکاء معاہدہ میں ہر گروہ اور ہر فرد کو اپنے اپنے عقیدہ و مذہب کی آزادی کا حق حاصل ہوا، انسانی زندگی کی حرمت قائم ہوئی" [۶]

اسی طرح نجران کے عیسائیوں کے ساتھ نبی رحمت ﷺ نے جو تاریخی معاہدہ فرمایا اور اس میں ان کو جو مذہبی آزادی اور حقوق عنایت فرمائے، اس کی نظیر بھی مذہبی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس معاہدہ کی درج ذیل دفعات قابل ملاحظہ ہیں:

☆ نجران اور اس کے اطراف میں رہنے والوں کیلئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی پوری پوری ذمہ داری ہے۔

☆ ان کے خون ان کے مال ان کی ملت ان کے گرجے ان کے مذہبی رہنما ان کے پادری اور ان کے موجودہ غائب کے حقوق کی ذمہ داری ہم پر ہوگی۔

☆ اسی طرح ہمیں یہ حق نہ ہوگا کہ ہم ان کے کسی پادری بشپ یا مذہبی رہنما کو تبدیل کریں۔ نہ ہی انہیں جنگی مہمات کیلئے جمع کیا جائے گا۔[۷]

البتہ مذہب ورائے کی اس آزادی اور برداشت کی کچھ حدود متعین ہیں اگر کوئی غیر مسلم اسلامی ریاست میں ان حدود کو توڑتے ہوئے اللہ و رسول ﷺ اور شعائر اللہ کی توہین کا مرتکب ہوگا اور اسلام دشمنی سے باز نہیں آئے گا تو کعب بن اشرف اور چند دوسرے معاندین کی طرح اس کی گردن اڑا دی جائے گی۔ اس وجہ سے نہیں کہ وہ غیر مسلم ہے بلکہ اس لئے کہ اس نے ان حدود کو توڑا اور اسلام دشمنی کا ارتکاب کیا ہے جیسا کہ فتح مکہ کے موقعہ پر سارے اہل مکہ کی معافی کے باوجود چند شیاطین اور گستاخوں کو قتل کر دیا گیا۔

اس کے برعکس آج کشمیر، فلسطین، عراق، افغانستان وغیرہ کے مسلم علاقوں میں حریت پسندوں اور مجاہدین اسلام کی اپنے اپنے ملک و وطن پر ناجائز قبضہ اور استبدادی قوتوں کی طرف سے ان کے جائز و عام انسانی حقوق کی پامالی کے خلاف جدوجہد آزادی اور احتجاجی تحریک پر آج جس طرح مذہبی انتہا پسندی اور دہشت گردی جیسے الزامات لگائے جا رہے اور جملہ مسلمانوں کو انتہا پسند اور دہشت گرد ثابت کرنے کی ناپاک کوشش کی جارہی ہے اور یہود و نصاریٰ اور دیگر استعماری طاقتوں کے حد درجہ مظالم اور ان کی مذہبی انتہا پسندی سے جس طرح چشم پوشی کی جارہی ہے اور ان کے ہولناک مظالم پر پردہ ڈالا جا رہا ہے، اس کو دیکھ کر یہ کہنا پڑتا ہے کہ:

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

مذہبی انتہا پسندی کے حوالے سے یہود و نصاریٰ اور ہندوؤں کی تاریخ دوسرے مذاہب پر ظلم و ستم قتل و غارت بربریت سفاکیت اور چنگیزیت کی ہولناک داستوں سے بھری پڑی ہے۔[۸] اور آج بھی کشمیر، فلسطین، افغانستان اور عراق کے نہتے اور بے قصور مسلمانوں پر لاکھوں کروڑوں لوگوں کے احتجاج کے باوجود ظلم و بربریت کی داستانیں رقم کی جارہی ہیں، وہ دنیا سے مخفی نہیں۔

(۳) دین میں غُلو:

مذہبی انتہا پسندی کی ایک خطرناک اور مہلک صورت دین میں ''غلو'' سے کام لینا ہے۔ ''غلو'' کا معنی ہے ''حد سے تجاوز کرنا''۔[۹] اور دین میں غلو کا مطلب یہ ہے کہ اعتقاد و عمل میں دین نے جو حدود مقرر کی ہیں ان سے آگے بڑھ جائیں مثلاً انبیاء کی تعظیم کی حد یہ ہے کہ ان کو خلق خدا میں سب سے افضل جانے۔ اس حد سے آگے بڑھ کر انہی کو خدا یا خدا کا بیٹا کہہ دینا اعتقادی غلو ہے۔[۱۰]

قرآن و حدیث میں اس قسم کی ''مذہبی انتہا پسندی'' یا ''غلو فی الدین'' سے بھی سختی سے منع فرمایا گیا ہے چنانچہ اہل

کتاب کو مخاطب کرتے ہوئے قرآن مجید میں فرمایا گیا:

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ (سورۃ النساء:۱۷۱)

اے اہل کتاب دین کے معاملے میں غلو نہ کرو۔

دوسری جگہ فرمایا گیا:

قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ (سورۃ المائدہ:۷۷)

(اے پیغمبر!) فرمادیجئے اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو۔

عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ کو رسالت و بندگی کے مقام سے اٹھا کر الوہیت کے مقام پر فائز کر دیا اور ان کی اللہ کی طرح عبادت کرنے لگے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں کو بھی غلو کا مظاہرہ کرتے ہوئے معصوم بنا ڈالا اور ان کو حرام وحلال کے اختیار سے نواز دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِتَّخَذُوْآ اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (سورۃ التوبہ:۳۱)

انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا رب بنالیا۔

یہ رب بنانا حدیث کے مطابق ان کے حلال کئے کو حلال اور حرام کئے کو حرام سمجھنا تھا۔[11]

اس آیت میں اہل کتاب کو دین میں اسی غلو سے منع فرمایا گیا ہے:

نبی اکرم ﷺ نے بھی عیسائیوں کے اس غلو کے خدشہ کے پیش نظر اپنے بارے میں اپنی امت کو متنبہ فرمایا:

لاتطرونی کما اطرت النصاریٰ عیسیٰ بن مریم فانما انا عبدہ فقولو عبداللّٰہ و رسولہ[12]

تم مجھے اس طرح حد سے نہ بڑھا دینا جس طرح عیسائیوں نے عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو بڑھایا۔ میں تو صرف اللہ کا بندہ ہوں پس تم مجھے اس کا بندہ اور رسول ہی کہنا۔

ایک دوسری حدیث میں غلو فی الدین سے بچنے کی یوں تاکید فرمائی:

ایاکم والغلو فی الدین فانما ھلک من کان قبلکم بالغلو فی الدین[13]

دین میں غلو سے بچو کیونکہ تم سے پہلے کی امتیں دین میں غلو کے باعث ہی ہلاک ہوئیں۔

لیکن افسوس اس تنبیہ کے باوجود بھی امت محمدیہ کے بعض لوگ اس غلو سے محفوظ نہ رہ سکے جس میں عیسائی مبتلا ہوئے تھے۔ انہوں نے بھی اپنے پیغمبر اور صالح بندوں کو خدائی صفات سے متصف ٹھہرا دیا۔ اسی طرح فقہاء و مجتہدین کی تقلید کے مشروع معاملے میں بھی بعض غالی قسم کے مقلدین حد سے گزر گئے اور ائمہ مجتہدین کے اجتہادی اقوال و آراء کو خود ائمہ مجتہدین کی ہدایات[14] کے برعکس حرف آخر اور پتھر کی لکیر ہی نہیں بلکہ قرآن و حدیث سے بھی مقدم سمجھنے لگے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے تقلید کے معاملے میں اس قسم کے غلو کا شکوہ و کرب متعدد مقامات پر ظاہر کیا ہے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔[15]

چنانچہ ایک حنفی فقیہ نے یہ کہہ کر غلو کی حد کر دی کہ:

''ہر وہ آیت جو اس طریقہ کے مخالف ہو جس پر ہمارے اصحاب ہیں وہ یا تو ماؤل ہے یا منسوخ اور اسی طرح جو حدیث اس قسم کی ہو، وہ ماؤل یا منسوخ ہے''۔[۱۶]

اسی طرح کے غلو کی ایک اور مثال ملاحظہ فرما لیجئے:

''سماع (قوالی) کے جواز و عدم جواز کے سلسلے میں منعقدہ ایک مذاکرہ میں معروف چشتی صوفی خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ نے اپنے نقطہ نظر کی وضاحت میں جب ایک حدیث نبوی ﷺ بیان کرنا چاہی تو مقابل علماء احناف نے یہ کہہ کر سننے سے انکار کر دیا کہ ہمارے ملک میں فقہی روایات احادیث پر مقدم ہیں اور بعض نے کہا کہ ہم ان احادیث کو نہیں سننا چاہتے کیونکہ ان سے امام شافعیؒ نے تمسک کیا ہے اور وہ ہمارے مذہب کے دشمن ہیں۔''[۱۷]

الختصر تعلیمات نبوی ﷺ میں اس قسم کے غلو کی قطعاً گنجائش نہیں۔

(۴) عبادات و تکالیف شرعیہ میں تشدد و تعمق:

تمام عبادات اور تکالیف شرعیہ میں تخفیف، آسانی، عدم حرج اور بقدر استطاعت تکلیف کی رعایت شریعت اسلامیہ کا اصل الاصول اور ایک امتیازی خصوصیت ہے۔[۱۸] یہی وجہ ہے کہ شارع علیہ السلام نے عمال حکومت اور دیگر صحابہؓ کو متعدد مواقع پر احکام شریعت کے نفاذ میں عوام الناس کے لئے آسانیاں پیدا کرنے کا حکم دیا اور دشواریاں پیدا کرنے سے منع فرمایا۔[۱۹]

اس کے باوجود عبادات اور دیگر دینی معاملات میں تشدد اور تعمق کو اختیار کرنا بھی مذہبی انتہا پسندی کی ایک صورت ہے۔ تشدد فی الدین کا مطلب یہ ہے کہ کسی شرعی حکم کے دو پہلو ہوں ایک آسان اور دوسرا اس کی نسبت مشکل۔ اب ایک جذباتی آدمی اگر ہمیشہ مشکل پہلو اختیار کرتا ہے تو یہ ''تشدد فی الدین'' ہے اور تعمق کے معنی ہیں کسی معاملے میں بہت گہرا چلا جانا اور تعمق فی الدین کا مطلب یہ ہوگا کہ کوئی آدمی ضرورت سے زیادہ متقی بننے کی کوشش اور اس معاملے کو خواہ مخواہ مشکل بنا دے۔ مذہبی و دینی انتہا پسندی کی یہ شکل بھی راہ اعتدال سے ہٹی ہوئی ہے اور شرعی اعتبار سے ایک ناپسندیدہ امر ہے کیونکہ یہ طرز عمل نبی رحمت ﷺ کے ذاتی طرز عمل اور آپ ﷺ کے فرمان کے خلاف ہے چنانچہ محدثین نے آپ کا یہ عام معمول نقل کیا ہے کہ:

ماخير رسول الله ﷺ فى امرين الااختار ايسر هما مالم يكن اثما فان كان اثما كان ابعد الناس منه''[۲۰]

رسول مقبول ﷺ کو جب بھی دو معاملات میں اختیار دیا گیا (کہ ان میں سے ایک کو اختیار فرمالیں) تو آپ ﷺ نے ہمیشہ ان میں سے آسان کو اختیار فرمایا جب تک کہ وہ گناہ نہ ہوتا پھر اگر آسان معاملہ بھی گناہ کا ہوتا تو آپ ﷺ سب لوگوں سے بڑھ کر اس سے دور رہنے والے ہوتے۔

اسی طرح آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"من ابتلی ببلیتین فعلیه ان یختارا ھونھما"[۲۱]

ایک دوسری روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا:

"ان الدین یسرو لن یشاد الدین احد الا غلبه فسد دو اوقاربوا و بشروا" [۲۲]

بے شک دین سراسر آسان ہے اور کوئی آدمی دین کے آسان حکم کو چھوڑ کر مشکل حکم اختیار کر کے دین کا مقابلہ کرنا چاہے گا تو دین بہرصورت اس پر غالب آ جائے گا لہٰذا راہ راست اختیار کرو۔ دین میں تشدد چھوڑ کر میانہ روی اختیار کرو۔ رحمت خداوندی سے بشارت حاصل کرو۔

یہی وجہ ہے کہ بعض صحابہ نے عبادت کے جوش میں جب اس قسم کے تشدد فی العبادت کا ارتکاب کیا تو آپ ﷺ نے سختی سے منع فرما دیا مثلاً:

۱۔ حضرت معاذ بن جبلؓ کے متعلق نماز میں لمبی قراۃ کی وجہ سے لوگوں کیلئے دشواری پیدا کرنے کی شکایت ہوئی تو آپ ﷺ نے حضرت معاذ سے باز پرس کرتے ہوئے فرمایا افتان انت (کیا تم دین میں فتنہ کھڑا کرنا چاہتے ہو) پھر انہیں اور ہر امام کو مختصر نماز پڑھانے کی ہدایت فرمائی۔[۲۳]

۲۔ حضور اکرم ﷺ کے ذاتی طرز عمل کے خلاف جب ایک صحابی نے یہ عہد کیا کہ میں ہمیشہ رات بھر نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرے نے کہا میں عمر بھر روزہ رکھوں گا اور تیسرے نے کہا میں کبھی شادی نہ کروں گا تو یہ سن کر آپ ﷺ نے ان معاملات میں اپنے اعتدال پسندانہ طرز عمل کو واضح کرتے ہوئے فرمایا "من رغب عن سنتی فلیس منی" (جس نے میری سنت سے اعراض کیا اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں) [۲۴]

۳۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے لگاتار روزانہ روزہ رکھنے کے مطالبے بلکہ اصرار کے باوجود انہیں "صوم داؤد" سے زیادہ روزے رکھنے کی اجازت نہ دی۔[۲۵]

۴۔ صحابہ نے آپ ﷺ کی دیکھا دیکھی صوم وصال رکھنے شروع کر دیئے تو منع فرما دیا۔[۲۶]

۵۔ عبادت کیلئے بندھی سیدہ زینب کی رسی کھلوادی[۲۷] وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح شرعی معاملات و احکام کی درجہ بندی (فرض واجب سنت مستحب مباح حرام مکروہ اولی عدم اولی وغیرہ) کا لحاظ نہ کرتے ہوئے کسی مستحب و مباح یا سنت چیز کو فرض و واجب کا درجہ دینا اور مکروہ یا عدم اولی کو حرام کے درجے میں تصور کرنا بھی ناجائز، ایک قسم کی انتہا پسندی اور دین میں تنگی پیدا کرنے کے مترادف ہے۔

(۵) اجتہادی وفروعی مسائل میں تعصب و تکفیر بازی:

شریعت کے وہ احکام جو اپنے ثبوت اور صحت کے اعتبار سے قطعی نہیں جن پر دین و ایمان کا دارومدار نہیں اور ان کے بارے میں شارع علیہ السلام سے ایک سے زیادہ اور بظاہر متعارض ارشادات منقول ہیں یا قرآن وسنت میں ان کی تعبیر کیلئے ایسے

الفاظ استعمال کئے گئے ہوں جو ایک سے زیادہ معانی کے احتمال رکھتے ہوں یا ان کی بنیاد قیاس و رائے پر رکھی گئی ہو یا پیش آمدہ ایسے جدید مسائل جن کے بارے میں کوئی نص نہ ہو تو ان کے شرعی حکم میں فقہاء و مجتہدین کے درمیان اختلاف کا پیدا ہونا ایک فطری امر اور بیدار مغزی کی علامت ہے۔ ایسا اختلاف شریعت کی نگاہ میں مذموم اور خلاف شریعت نہیں بلکہ محمود ہے۔

اس قسم کے اختلاف کے شرعی جواز پر معروف اصولی فقیہ امام شاطبیؒ نے الموافقات جلد چہارم کتاب الاجتہاد کے ''تیسرے مسئلہ'' میں تفصیلی بحث کی ہے اور پھر شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور دیگر علماء کے علاوہ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے اس اجتہادی اختلاف کے ''منشاء الٰہی'' اور ''مرضیٔ رسول ﷺ'' ہونے کے ثبوت میں اپنے ''مقدمہ تدوین فقہ'' میں کوئی ڈیڑھ سو صفحات کے قریب بڑی مدلل اور سیر حاصل بحث کی ہے، جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں چنانچہ یہی وجہ ہے کہ غیر منصوص مسائل اور درج بالا قسم کے احکام میں صحابہ کرامؓ کے درمیان نبی رحمت ﷺ کی زندگی میں بھی اختلاف ہوا جس کی آنجناب ﷺ نے تائید فرمائی۔ (۲۸) اور آپ ﷺ کے وصال کے بعد بھی سقیفہ بنی ساعدہ میں مسئلہ خلافت سے لے کر جمع قرآن، حروب ارتداد، جیش اسامہ کی روانگی، سواد عراق کی زمینوں کی تقسیم، یزید کے خلاف مسئلہ خروج جیسے مسائل کے پہلو بہ پہلو، وضو طہارت عبادات اور معاملات کے سینکڑوں بلکہ ہزاروں اجتہادی و فروعی مسائل میں اختلافات سامنے آئے اور قائم رہے۔[۲۹]

صحابہ کرامؓ کے یہی اختلافات آگے چل کر تابعین تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین کے درمیان اجتہادی و فروعی مسائل میں اختلاف اور مختلف فقہی مذاہب و مسالک کی تشکیل کا سب سے بڑا سبب بنے۔[۳۰] پھر صحابہ و ائمہ مجتہدین کا یہ اختلاف اور فقہی مذاہب و مسالک کی تشکیل، فقہ و اجتہاد کے فروغ، اجتہادی بصیرت اور فکر و نظر کی جلاء، علماء میں استنباط و استخراج احکام کے ملکہ میں ترقی اور سب سے بڑھ کر امت کیلئے وسعت، آسانی، رحمت اور شریعت پر عملدرآمد کیلئے مدد و معاون ثابت ہوئے۔[۳۱]

ان اجتہادی و فروعی مسائل میں اختلاف اور مختلف فقہی مذاہب و مسالک سے تعلق کی بنیاد پر ایک دوسرے کی تضحیک تذلیل دشنام طرازی باہمی مخالفت اور بغض و عناد۔ دوسرے مسالک کی تفسیق، تکفیر، مشرک اور بدعتی کی پھبتی حتی کہ ''کافر کافر'' اور ''من شک فی کفرہ فقد کفر'' کا فتوی بھی مذہبی انتہا پسندی کی ایک گھناؤنی صورت ہے جس نے امت کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے اسے ہر حوالے سے کمزور کرنے اور امت مسلمہ کے خلاف دشمنان دین کی سازشوں، ریشہ دوانیوں اور خطرناک منصوبوں کی تکمیل میں ہمیشہ اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس قسم کے متعصب تشدد پسند اور انتہا پسند لوگوں کا درج بالا قسم کا نفرت انگیز رویہ نہ تو ان کے اپنے مسلک کی کوئی خدمت ہے اور نہ اسلام کی۔

دوسرے یہ طرز عمل صحابہ کرامؓ اور خود فقہی مسالک کے بانی ائمہ مجتہدین (جن کی طرف منسوب ہونے کا فخر سے دعویٰ کیا جاتا ہے) کی تعلیمات اور ان کے اسوۂ حسنہ کے خلاف ہے۔ یہ ائمہ مجتہدین اور ان کے براہ راست شاگرد متعدد مسائل میں اختلاف رائے کے باوجود ایک دوسرے کی صلاحیتوں کا اعتراف، خلوص و محبت، تعظیم و تکریم اور باہمی استفادہ کرتے نظر آتے ہیں۔[۳۲]

تیسرے ائمہ مجتہدین کا اجتہادی مسائل میں یہ اختلاف بقول علامہ زاہد الکوثری صرف ایک تہائی مسائل میں ہے جبکہ دو تہائی مسائل میں اتفاق ہے اور جس ایک تہائی میں اختلاف ہے وہ بھی جائز و ناجائز کا نہیں بلکہ صرف اولیٰ و عدم اولیٰ کا اور اس

حد تک ہے کہ "احوط وایسر" اور "افضل وبہتر" کیا ہے؟ [۳۳]

چوتھے یہ مسالک اصولی و بنیادطور پر بھی ایک ہیں۔ [۳۴] اور شاہ ولی اللہؒ کے ایک کشف کے مطابق باطنی و روحانی طور پر بھی یکساں ہیں اور کسی کو دوسرے پر شرعاً کوئی فضیلت حاصل نہیں۔ [۳۵]

پانچویں یہ کہ کسی کلمہ گو مسلمان کو کافر قرار دینا انتہائی نازک معاملہ ہے چنانچہ فقہاء نے اس معاملے میں یہاں تک احتیاط برتی ہے کہ اگر کسی مسئلہ یا آدمی میں ننانوے وجوہ کفر کے پائے جائیں اور ایک احتمال اسلام کا مؤید ہو تو مفتی اور قاضی کیلئے اولیٰ بلکہ لازم ہے کہ ایک مسلمان کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہوئے اس پر کفر کا فتویٰ نہ لگائے۔ [۳۶]

ان ساری چیزوں کے باوجود بعض ناعاقبت اندیش اور مفاد پرست لوگ پہلے بھی مسلکی اختلافات میں تعصب وغلو کا شکار ہوتے رہے۔ مثلاً ایک حنفی متشدد نے کہا:

فلعنة ربنا اعداد رمل علی من رد قبول ابی حنیفة [۳۷]

(اس آدمی پر ریت کے ذرات کے برابر ہمارے رب کی لعنت ہو جس نے امام ابوحنیفہؒ کے کسی قول کو رد کیا۔)

اسی طرح ایک شافعی مقلد گویا ہوئے:

"جب امام شافعیؒ سے کسی مسئلے میں دو قول منقول ہوں اور یہ نہ معلوم ہو سکے کہ ان میں سے بعد کا قول کون سا ہے؟ تو وہ قول جو امام ابوحنیفہؒ کی رائے کے مخالف ہو وہ اس قول سے زیادہ راجح ہے جو امام ابوحنیفہ کے قول کے موافق ہو"۔ [۳۸]

علی ہذا القیاس بعض غالی قسم کے غیر مقلدین نے قرآن وسنت کی واضح نصوص اور صحابہ و جمہور مسلمانوں کے تعامل کے برخلاف تقلید کو "حرام" اور تقلید کرنے والے مسلمان کو "چوپائے کے برابر" قرار دیا۔ (۳۹)

اور آج بھی اس قسم کے جذباتی نادان اور کم علم لوگ دوسرے مسالک کی مساجد پر قبضہ کر کے محراب و منبر کو اپنے فرقہ وارانہ نظریات کے پرچار کا ذریعہ اور دوسرے مسالک کی مساجد امام بارگاہوں اور عبادت گاہوں میں تخریب کاری کے ذریعے نمازیوں کو شہید کر کے اپنے مسلکی تعصب وتشدد اور غلو کا مظاہرہ اور بغض عناد کی تسکین کا سامان کر رہے ہیں۔

آج کل ایک دوسرے کے پیچھے نماز نہ پڑھنا بھی اسی مسلکی تعصب کا شاخسانہ ہے جبکہ صحابہ کرام ائمہ مجتہدین اور خیر القرون کے لوگوں کو مسائل میں ہزار باہمی اختلافات کے باوجود ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنے سے انکار نہ تھا کیونکہ نبی رحمت ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

"الصلوة واجبة علیکم خلف کل مسلم برا کان اوفاجرا" [۴۰]

ہر مسلمان خواہ وہ نیک ہو یا بد اس کے پیچھے باجماعت نماز پڑھنا تم پر واجب ہے۔

"صلوا خلف کل من قال لا اله الا الله و فی روایة خلف کل بر وفاجر" (۴۱)

ہر کلمہ گو اور نیک و فاجر کے پیچھے نماز پڑھ لو۔

اسی طرح مسالک کی بنیاد پر مساجد کی تفریق و تقسیم حتیٰ کہ دوسرے مسلک کے لوگوں کو اپنی مسجد میں داخل نہ ہونے دینا بھی انتہائی درجے کا تعصب ہے جبکہ نبی رحمت ﷺ نے مشرکین تک کو مسجد نبوی کے اندر ٹھہرایا ہے چنانچہ امام ابوبکر جصاصؒ نے سورۃ التوبہ کی آیت ''اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ الخ ''کے تحت لکھا ہے کہ:

''ولم يكن اهل الذمة ممنوعين من هذه المواضع''

(ان مواضع یعنی مساجد میں اہل ذمہ کا داخلہ ممنوع نہیں ہے)

اور اس رائے کی تائید میں حضور اکرم ﷺ کے وفد ثقیف کو مسجد نبوی میں ٹھہرانے اور حضرت ابوسفیان کے حالت کفر میں مسجد نبوی میں داخل ہوتے رہنے سے استدلال کیا ہے۔[۴۲]

مذہبی انتہا پسندی کا غلط اطلاق:

(۱) اصولوں پر استقامت اور دینی حمیت

اسلامی اصولوں پر مضبوطی اور پوری ہمت و جرأت سے قائم رہنا، کسی بھی قیمت پر اصولوں سے پیچھے نہ ہٹنا اور سودے بازی نہ کرنا، باطل طاغوت ظلم و ناانصافی اور دشمنان اسلام کے مقابلے میں ڈٹ جانا اور کفر کے سامنے اپنی دینی حمیت وغیرت کا مظاہرہ کرنا مذہبی انتہا پسندی نہیں بلکہ شریعت محمدیہ کا مطلوب ایک مؤمن کی شایان شان اور اسوہ رسول ﷺ کی پیروی ہے۔ اس معاملے میں لچک دکھانا، مصلحتوں کو دیکھنا پسپائی اختیار کرنا، ذاتی مفادات کو مدنظر رکھنا، ڈر کے مارے ظالم کے سامنے کندھا پیش کر دینا اور نام نہاد دہشت گردی اور فرضی دہشت گردوں کے خلاف کارروائی کے نام پر غریب ممالک پر کھلم کھلا ظلم و بربریت میں طاغوتی قوتوں کے ساتھ تعاون کرنا رواداری اور روشن خیالی نہیں بلکہ دینی بے حمیتی بزدلی اور جرم ضعیفی ہے جس سے متنبہ کرتے ہوئے شاعر مشرق نے برسوں پہلے بتایا تھا:

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
کہ ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

اللہ کریم نے تعریفی و توصیفی انداز میں اصحاب رسول ﷺ کا یہ امتیازی وصف بتایا ہے کہ:

''وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ''

اور وہ لوگ جو آپ کے ساتھ ہیں، کفار پر سخت ہیں (سورہ الفتح: ۲۹)

کفار پر اصحاب محمد ﷺ کے سخت ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ کافروں کے ساتھ درشتی اور تندخوئی سے پیش آتے ہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے ایمان کی پختگی اصول کی مضبوطی سیرت کی طاقت اور ایمان کی فراست کی وجہ سے کفار سے

مقابلے میں پتھر کی چٹان کا حکم رکھتے ہیں۔ وہ موم کی ناک نہیں ہیں کہ انہیں کافر جدھر چاہیں موڑ لیں، وہ نرم چارہ نہیں کہ کافر انہیں آسانی کے ساتھ چبا جائیں۔ انہیں کسی خوف سے دبایا نہیں جا سکتا، انہیں کسی ترغیب سے خریدا نہیں جا سکتا۔ کافروں میں یہ طاقت نہیں کہ انہیں اس مقصد عظیم سے ہٹا دیں جس کے لئے وہ سر دھڑ کی آواز لگا کر محمد ﷺ کا ساتھ دینے کیلئے اٹھے ہیں۔ [۴۳]

ایک دوسری آیت میں اللہ کریم نے اہل ارتداد کے مقابلے میں اپنے پسندیدہ لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے ان کا یہ وصف بیان فرمایا کہ:

''اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ'' (سورۃ المائدہ: ۵۴)

(ایمان والوں پر وہ مہربان ہوں گے اور کافروں کے مقابلے میں سخت ہوں گے)

اس آیت کی تفسیر میں مولانا مودودیؒ نے لکھا ہے:

''مؤمنوں پر نرم'' ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص اہل ایمان کے مقابلے میں اپنی طاقت کبھی استعمال نہ کرے، اس کی ذہانت، اس کی ہوشیاری، اس کی قابلیت، اس کا اثر و رسوخ، اس کا مال، اس کا جسمانی زور، کوئی چیز بھی مسلمانوں کو دبانے اور ستانے اور نقصان پہنچانے کیلئے نہ ہو۔ مسلمان اپنے درمیان اس کو ہمیشہ ایک نرم خو رحم دل ہمدرد اور حلیم انسان پائیں۔

''کفار پر سخت'' ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایک مؤمن آدمی اپنے ایمان کی پختگی، دینداری کے خلوص اصول کی مضبوطی سیرت کی طاقت اور ایمان کی فراست کی وجہ سے مخالفین اسلام کے مقابلہ میں پتھر کی چٹان کے مانند ہو کہ کسی طرح اپنے مقام سے ہٹایا نہ جا سکے۔ وہ اسے کبھی موم کی ناک اور نرم چارہ نہ پائیں۔ انہیں جب بھی اس سے سابقہ پیش آئے ان پر ثابت ہو جائے کہ یہ اللہ کا بندہ مر سکتا ہے مگر کسی قیمت پر بک نہیں سکتا اور کسی دباؤ سے دب نہیں سکتا۔ [۴۴]

علاوہ ازیں قرآن مجید میں درج انبیاء علیہم السلام کے واقعات میں امت مسلمہ کیلئے عبرت و نصیحت کا جہاں اور بہت سارا سامان ہے وہاں کفر و شرک اور باطل و طاغوت کے سامنے ڈٹ جانے اور پتھر کی چٹان کی طرح کھڑے ہو جانے کا بھی سبق ملتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ تک سارے انبیاء علیہم السلام کی زندگیاں اولو العزمی اور استقامت سے عبارت ہیں۔ ساری قوم ساری طاقتیں پورا معاشرہ اور حکومت ایک طرف ہوتی ہے اور پیغمبر میدان حق میں اکیلا کھڑا ہوتا ہے مگر اس کے پائے ثبات میں ذرہ بھر لغزش نہیں آتی مثلاً حضرت نوح علیہ السلام باطل کے سامنے پورے قد سے کھڑے ہو کر بانگ دہل اعلان کرتے ہیں۔

ترجمہ: ''اے میری قوم اگر تم کو میرا رہنا اور احکام خداوندی کی نصیحت کرنا بھاری معلوم ہوتا ہے تو (ہوا کرے) میرا خدا ہی پر بھروسہ ہے۔ سو تم اپنی تدابیر (جو کچھ کر سکو) مع اپنے شرکاء کے پختہ کر لو پھر تمہاری وہ تدبیر تمہاری گھٹن کا باعث نہ ہونا چاہئے (یعنی جو کچھ تدبیر کرو کھل کر کرو۔ میرا لحاظ نہ کرو) پھر میرے ساتھ (جو کچھ کرنا ہے) کر گزرو اور مجھ کو (ذرا) مہلت نہ دو (حاصل یہ کہ میں تمہاری ان باتوں سے نہ

ڈرتا ہوں اور نہ تبلیغ سے رک سکتا ہوں) (سورۃ یونس:۷۱)

اس طرح سورہ ہود کی آیت نمبر۵۴۔۵۵ میں حضرت ہود علیہ السلام کا مخالف قوم کے سامنے اسی طرح کا دوٹوک اعلان بھی ایمان تازہ کر دینے والا ہے۔

اور پھر سلسلہ نبوت کی سب سے آخری اور زریں و نورانی کڑی سیدنا محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ علیہ التحیۃ والثناء نے باطل اور مخالفتوں واذیتوں کے ایک سیلاب کے مقابلے میں جس استقامت اور پامردی کا مظاہرہ فرمایا اس کی نظیر آسمان کی آنکھ نے نہ کبھی پہلے دیکھی تھی اور نہ قیامت تک دیکھ سکے گا۔ مکہ مکرمہ بلکہ پورے عرب کے کفرستان میں ایک شخص تنہا کھڑا ہوتا ہے۔ بے یارو مددگار دعوت حق کی صدائیں بلند کرتا ہے۔ ریگستان کا ذرہ ذرہ اس کی مخالفت میں پہاڑ بن کر سامنے آتا ہے لیکن وقار نبوت اور عزم نبوی ﷺ سے ٹھوکر کھا کر پیچھے ہٹ جاتا ہے اور مخالفین کی تمام قوت بالآخر اس کے سامنے ڈھیر ہو جاتی ہے۔ کونسا ایسا خوف ہے جس کے ذریعے آپ ﷺ کو ڈرایا نہیں گیا؟ کونسی ایسی اذیت ہے جو آپ ﷺ کو نہیں پہنچائی گئی؟ تذلیل وتحقیر کی کون سی ایسی صورت ہے جس سے اس معصوم اور ''بعد از خدا بزرگ توئی'' ذات ﷺ کو واسطہ نہیں پڑا؟ وہ کون سا حربہ ہے جو آنجناب ﷺ کو راہ حق سے ہٹانے کے لئے استعمال نہیں کیا گیا؟ کونسا ایسا کیچڑ ہے جو آپ ﷺ پر اچھالا نہیں گیا؟ اور کونسی طاقت ہے جو آپ ﷺ کیلئے استعمال نہیں کی گئی لیکن دنیا گواہ ہے کہ آپ کے پائے ثبات میں کبھی لغزش نہ آئی۔ غزوہ حنین میں تیروں کی بوچھاڑ کے دوران جب مجاہدین اسلام کے قدم اکھڑ گئے تھے آپ نے اس ہولناک اور مرعوب کن وقت میں بھی پوری جرأت واستقلال سے اعلان فرمایا۔

انا النبی لا کذب انا ابن عبدالمطلب [۲۵]

(میں پیغمبر صادق ہوں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں یعنی کوئی بزدل آدمی نہیں ہوں کہ میدان چھوڑ کر بھاگ جاؤں گا)

ایک آدمی جب ایمان واسلام کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کے لئے آخر ایمانی غیرت و وقار کو قائم رکھنا اور دینی حمیت و خوداری کا مظاہرہ کرنا بھی کوئی چیز ہے کہ نہیں؟ جب کوئی فاتح یا طاقتور یہ کہے کہ:

''ہبل جیت گیا اور (العیاذ باللہ) محمد کا خدا ہار گیا''

تو اس وقت ایمانی غیرت کا تقاضا ہے کہ اس گستاخی کا جواب دیا جائے۔ [۲۶]

اسی طرح صلح حدیبیہ کے موقعہ پر حضور ﷺ اور کفار مکہ کیدرمیان طے پانے والی شرائط پر حضرت عمرؓ جس پریشانی کا مظاہرہ فرما رہے تھے یا ان شرائط پر اعتراض کرنے کی جو انہیں جرات ہوئی تھی تو اسی ایمانی غیرت کا جذبہ ان کے اندر کام کر رہا تھا ورنہ پیغمبر کے کسی کام پر اعتراض کا سوال ہی نہیں پیدا ہو سکتا تھا۔ [۲۷]

المختصر اصولوں پر سودے بازی نہ کرنا باطل و طاغوت اور استبداد وظلم کے خلاف ڈٹ جانا اور سر دھڑ کی بازی لگا دینا مذہبی انتہا پسندی نہیں بلکہ دنیا میں عزت و وقار سے جینے کا راز اور ایمانی غیرت وحمیت کا لازمی تقاضا ہے۔ قرآنی تعلیم کے مطابق انسان کی سب سے بڑی ذلت یہ ہے کہ وہ اپنے عیش و آرام، مال و دولت، حکومت واقتدار اور اہل وعیال کی محبت میں گرفتار ہو کر

حفاظت حق کی سختیوں سے ڈرنے لگے اور باطل کو طاقتور دیکھ کر اس کی غلامی قبول کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔

(۲) ظلم کے خلاف جدوجہد:

ظلم کے خلاف اور اپنی مذہبی آزادی وخودمختاری اور جائز انسانی حقوق کیلئے جدوجہد کرنا اور ظالم و غاصب قوتوں کے خلاف جنگ کرنا مذہبی انتہا پسندی نہیں بلکہ شریعت کا حکم ہے چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

ترجمہ: ''جن لوگوں سے جنگ کی جا رہی ہے انہیں لڑنے کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ ان پر ظلم ہوا ہے اور اللہ ان کی مدد پر یقیناً قدرت رکھتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے بے قصور نکالے گئے ہیں۔ ان کا قصور صرف یہ تھا کہ یہ اللہ کو اپنا پروردگار کہتے تھے۔'' (سورۃ الحج: ۳۹۔۴۰)

بعض مفسرین ؒ کے نزدیک یہ قرآن مجید کی پہلی آیت ہے جس میں مسلمانوں کو تلوار اٹھانے اور جنگ وقتال کرنے کی اجازت دی گئی۔ اس میں قابل توجہ یہ نکتہ ہے کہ جن لوگوں کے خلاف جنگ کا حکم دیا گیا ہے ان کا قصور یہ نہیں بتایا گیا کہ ان کے پاس ایک زرخیز ملک ہے، وسائل معیشت ہیں یا وہ تجارت کی ایک منڈی ہیں یا وہ کسی دوسرے مذہب کے پیروکار ہیں بلکہ ان کا جرم یہ بتایا گیا ہے کہ وہ ظلم کرتے ہیں۔ لوگوں کو بے قصور ان کے گھروں سے نکالتے ہیں اور اس قدر متعصب ہیں کہ محض اللہ کو پروردگار کہنے پر اہل اسلام کو تکلیفیں پہنچاتے اور مصیبتوں کے پہاڑ توڑتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے خلاف اپنی مدافعت میں جنگ ہی کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ اس طرح کے دوسرے مظلوموں کی اعانت وحمایت کا بھی حکم دیا گیا ہے اور تاکید کی گئی ہے کہ کمزور و بے بس لوگوں کو ظالموں کے پنجہ سے آزاد کراؤ چنانچہ سورۃ النساء میں فرمایا گیا:

ترجمہ: ''اور (اے اہل ایمان) تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں ان کمزور مردوں عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے جو یہ دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں اس بستی سے نکالنے کا کوئی انتظام فرما جہاں کے لوگ بڑے ظالم و جفا کار ہیں اور ہمارے لئے خاص اپنی طرف سے کوئی دوست اور مددگار مقرر فرما'' (سورۃ النساء: ۷۵)

جبکہ بعض مفسرین کے نزدیک سب سے پہلی آیت جس میں مسلمانوں کو کفار کے خلاف جنگ کی اجازت دی گئی یہ آیت ہے:

ترجمہ: ''اور (اے مسلمانو!) اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور حد سے نہ بڑھ جاؤ کیونکہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا اور ان کو مارو جہاں پاؤ اور ان کو نکالو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا ہے کیونکہ فتنہ قتل سے زیادہ بری چیز ہے۔'' (سورہ البقرہ: ۱۹۰۔۱۹۱)

درج بالا سورۃ الحج اور سورۃ البقرہ کی آیات قتال سے حسب ذیل احکام نکلتے ہیں:

۱۔ جب مسلمانوں سے جنگ کی جائے اور ان پر ظلم وستم کیا جائے تو ان کیلئے مدافعت میں جنگ کرنا جائز ہے:

۲۔ جو لوگ مسلمانوں کے گھر بار چھینیں ان کے حقوق سلب کریں اور انہیں ان کی ملکیتوں سے بے دخل کریں ان کے ساتھ

مسلمانوں کو جنگ کرنی چاہیے۔

۳۔ جب مسلمانوں پر ان کے مذہبی عقائد کے باعث تشدد کیا جائے اور انہیں محض اس لئے ستایا جائے کہ وہ مسلمان ہیں تو ان کے لئے اپنی مذہبی آزادی کی خاطر جنگ کرنا جائز ہے۔

۴۔ دشمن غلبہ کر کے جس سرزمین سے مسلمانوں کو نکال دے یا مسلمانوں کے اقتدار کو وہاں سے مٹا دے، اسے دوبارہ حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور جب کبھی مسلمانوں کو طاقت حاصل ہو تو انہیں ان تمام مقامات سے دشمن کو نکال دینا چاہیے جہاں سے اس نے مسلمانوں کو نکالا ہے۔[۴۹]

درج بالا آیات اور ان سے مستنبط ہونے والے احکام سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس وقت مقبوضہ کشمیر، فلسطین، افغانستان، عراق اور دیگر مقبوضہ اسلامی علاقوں میں حریت پسند اور مجاہدین اپنے جائز ملکیتی علاقوں کی آزادی و خود مختاری، وہاں سے غاصب و ظالم غیر ملکی افواج کے اخراج اور اپنی ذاتی و مذہبی آزادی کیلئے اپنے دستیاب وسائل کے اندر جو جدوجہد کر رہے ہیں اس پر دہشت گردی یا مذہبی انتہا پسندی کا لیبل چسپاں کرنا ہر اعتبار سے غلط ہے اور صریحاً ناانصافی ہے۔ اقوام متحدہ جیسا ادارہ ان کو آزادی دلانے میں بے بس ہے۔ تمام اسلامی ممالک نے ان پر ہونے والے مظالم پر آنکھیں بند کر رکھی ہیں اور کوئی ملک ان کے حق میں آواز اٹھانے کے لئے تیار نہیں تو وہ بے چارے فدائی حملے کر کے احتجاج نہ کریں تو کیا کریں؟

خلاصہ بحث:

درج بالا بحث اور ساری تفصیلات کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱۔ اپنا مذہب و عقیدہ اور نظریات زبردستی دوسروں سے منوانا مذہبی انتہا پسندی ہے جس کی اسلام میں قطعاً گنجائش نہیں۔

۲۔ دوسرے مذاہب و عقائد اور ان کے پیروکاروں کو برداشت نہ کرنا اور اپنے مذہب کے مطابق ان کو جینے اور عبادات کرنے کا حق نہ دینا بھی مذہبی انتہا پسندی ہے جو تعلیمات نبوی ﷺ اور اسوہ رسول ﷺ کے بالکل برعکس ہے۔

۳۔ شریعت کے غیر اساسی احکام، اجتہادی و فروعی مسائل اور مختلف فقہی مذاہب و مسائل میں صرف اپنے ہی مسلک اور اپنے ہی نقطہ نظر کو حق و ثواب سمجھ کر دوسرے مسلک اور نقطہ ہائے نظر کی تغلیط بلکہ تفسیق و تکفیر ان کے حاملین کی تذلیل و تحقیر اور کافر مشرک اور بدعتی کے فتوے اور دوسرے مسالک کی مساجد و عبادت گاہوں میں تخریب کاری اور قبضہ کی کوشش بھی مذہبی انتہا پسندی کے زمرے میں آتی ہے جو تعلیمات نبوی ﷺ اور نبی رحمت ﷺ صحابہ کرام اور ائمہ مجتہدین کے اسوہ کے خلاف ہے۔

۴۔ مذہبی عبادات احکام اور اوامر و نواہی میں غلو سے کام لینا اور ان کے حکم میں افراط و تفریط سے کام لینا بھی مذہبی انتہا پسندی ہے۔

۵۔ باطل اور ظلم و عدوان کے خلاف ڈٹ جانا ثابت قدم رہنا دینی حمیت کا مظاہرہ کرنا کسی قسم کی سودے بازی پر تیار نہ ہونا اور ظالم کے ساتھ تعاون نہ کرنا مذہبی انتہا پسندی نہیں بلکہ تعلیمات نبویہ کا مطلوب، مومن کی امتیازی شان اور دنیا میں عزت و وقار سے جینے کا راز ہے۔

۶۔ ظالم و غاصب قوتوں کے خلاف اپنے ملک کی آزادی و خود مختاری مذہبی آزادی و ذاتی حصول کے لئے مقدور بھر جدوجہد کرنا بھی مذہبی انتہا پسندی نہیں بلکہ شریعت کا حکم ہے۔

تجاویز:

آخر میں مذہبی انتہا پسندی کے رجحان کے خاتمہ کیلئے درج ذیل تجاویز پر عمل درآمد کی طرف توجہ دلانا بھی ضروری ہے:

۱۔ مذہبی انتہا پسندی کے متعدد اسباب میں سے ایک بڑا سبب جس کے باعث انتہا پسندی کی کئی شکلیں جنم لیتی ہیں (جن کی تفصیل کا یہ مقالہ متحمل نہیں ہوسکتا) اور جسے ''ام الاسباب'' بھی قرار دیا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا، کم علمی کم فقہی ناقص العلمی دینی بے بصیرتی اور فقہی مسائل میں گہرائی، گیرائی وسعت نظر اور رسوخ فی العلم کا نہ ہونا ہے۔ ہمارے وطن عزیز میں مذہبی انتہا پسندی، مذہبی تعصب و تنافر اور عقائد و اعمال اور عبادات و معاملات میں غلو کے واقعات میں زیادہ تر ہاتھ اسی کم علمی اور ناقص العلمی کا ہے لہٰذا دینی مدارس کو اس بات پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ وہاں سے علوم دینیہ خصوصاً قرآن و حدیث اور فقہ و اجتہاد میں گہری بصیرت اور رسوخ کے حامل علماء پیدا ہوں۔

۲۔ ملک بھر کی مساجد انتظامیہ کو ریڈیو، ٹی وی، اخبارات اور مقامی نمائندوں کی معرفت اس بات کی اہمیت سے آگاہ کیا جائے کہ ائمہ و خطباء کے تقرر میں باقاعدہ فارغ التحصیل اور قرآن و حدیث اور فقہی مسائل پر نظر رکھنے والے علماء کا تقرر کتنا ضروری ہے۔

۳۔ مذہبی محافل اور تقاریب میں مذہبی تنفر پھیلانے والے قصہ خواں واعظوں شعبہ بیان مقررین اور پیشہ ور نعت خوانوں کو بلانے اور ان پر نوٹ نچھاور کرنے کی بجائے محقق اہل علم کو بلانے۔ ان کی علمی و تحقیقی گفتگو سننے اور ہر طرح ان کی حوصلہ افزائی کرنے کا سامعین کو عادی بنایا جائے۔

۴۔ سیاسی مفادات کیلئے فرقہ وارانہ تنظیموں اور ان کے قائدین کی سرکاری سطح پر عزت افزائی اور پروٹوکول کا سلسلہ بند کیا جائے اور مختلف حکومتی حیلوں سے انہیں نوازنے کا سلسلہ روکا جائے۔

۵۔ مساجد میں اذان اور عربی خطبہ کے علاوہ سپیکر کے استعمال پر پابندی کے قانون کو موثر بنایا جائے اور خلاف ورزی کرنے والے خطیبوں اور واعظوں کو قرار واقعی سزا دی جائے۔

۶۔ مختلف مکاتب فکر اور مسالک کے علماء و مشائخ اپنے اپنے معتقدین و مریدین کو دوسرے مسالک کے علماء کے بارے میں

تقریر وتحریر کے اندر ناشائستہ، بازاری اور توہین آمیز زبان استعمال کرنے سے سختی سے روکیں اور ایسے غالی قسم کے معتقدین سے لاتعلقی کا اظہار کریں۔

۷۔ حکومت کی طرف سے مذہبی مسائل و معاملات اور مذہبی مدارس میں بے جا مداخلت بھی مذہبی انتہا پسندی کا ذریعہ بنتی ہے لہٰذا اس سے بھی گریز ضروری ہے۔

۸۔ مذہبی انتہا پسندی کا ایک داعیہ اسلامی حکومتوں کا طاغوتی اور ظالم و غاصب طاقتوں کے ساتھ دوستی کی پینگیں بڑھانا اور ظلم وستم میں ہر ممکن تعاون کرنا بھی ہے لہٰذا ضروری ہے کہ اسلامی حکومتیں اپنی اس بزدلانہ اور مسلم کش پالیسی پر نظر ثانی کریں۔

۹۔ ریڈیو، ٹی وی پر ''رحماء بینھم'' کے عنوان سے ایک پروگرام کا اجراء بھی بڑا مفید ثابت ہو سکتا ہے جس میں صحابہؓ، ائمہ مجتہدین اور پچھلی صدیوں کے مختلف مسالک کے علماء اور مختلف سلاسل طریقت کے صوفیاء کے باہمی احترام وتکریم کے واقعات بتائے جائیں۔

۱۰۔ مساجد کے نام کے ساتھ کسی مسلک کا نام لکھے جانے پر پابندی لگائی جائے۔

حوالہ جات

۱۔ بخاری، محمد بن اسماعیل: الجامع الصحیح (کتاب الایمان۔حواشی) طبع کلاں کراچی ج ۱ ص ۵

۲۔ مزید تفصیل اور دلائل کیلئے دیکھئے:

(الف) صحاح ستہ اور دیگر کتب حدیث میں موجود ''کتاب الجہاد والسیر

(ب) ابوالاعلیٰ مودودی: الجہاد فی الاسلام (باب چہارم بعنوان اشاعت اسلام اور تلوار) اسلامک پبلیکیشنز، لاہور، ۱۹۷۱ء ص ۱۵۳ تا ۱۷۵

۳۔ شبلی نعمانی وسید سلیمان ندوی: سیرۃ النبی: الفیصل اردو بازار لاہور ۱۹۹۱ء، ۴: ۳۱۱

۴۔ ایضاً ص ۳۲۰۔۳۲۱

۵۔ شبلی نعمانی: م ن۔ ج ۱ ص ۱۸۴

۶۔ محمد حسین ہیکل: حیاۃ محمد مطبعۃ النہضۃ المصریہ القاہرہ ۱۹۴۷ء ص ۲۲۷

۷۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو:

(الف) ابوداؤد سلیمان بن اشعث، سنن کتاب الخراج باب اخذ، الجزیۃ طبع کلاں کراچی ج ۲ ص ۴۳۱

(ب) البلاذری: فتوح البلدان، دار النشر القاہرہ ۱۹۵۷ء ص ۷۲

(ج) ڈاکٹر محمد حمید اللہ: الوثائق السیاسۃ، مطبع لجنۃ التالیف والترجمہ القاہرہ ۱۹۴۱ء ص ۸۰۔۸۱

۸۔ مودودی: الجہاد فی الاسلام، ص ۲۰۷

۹۔ راغب اصفہانی المفردات، نور محمد کراچی ص ۳۶۵

۱۰۔ مفتی محمد شفیع: معارف القرآن، ادارۃ المعارف کراچی ج ۳ ص ۲۱۸

۱۱۔ ابوعیسیٰ ترمذی، جامع ترمذی (ابواب التفسیر۔سورۃ توبہ) طبع کلاں نور محمد کراچی ص ۴۴۱

۱۲۔ امام بخاری: الجامع الصحیح، کتاب الانبیاء ج اص ۴۹۰

۱۳۔ احمد بن حنبل: مسند، طبع قدیم مصر ج اص ۲۱۵

۱۴۔ دیکھئے:

(الف) شاطبی، الاعتصام، مکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ مصر ت۔ ن۔ ج ۲ ص ۳۴۶

(ب) ابن عابدین شامی: شرح عقود رسم المفتی (رسائل ابن عابدین) سہیل اکیڈمی، لاہور ۱۳۹۶ھ ص ۶۲۴

(ج) شاہ ولی اللہ: عقد الجید، قرآن محل کراچی۔ ت۔ ن ص ۵۹، ۹۴

۱۵۔ تفصیل کیلئے دیکھئے۔

(الف) شاہ ولی اللہ: حجۃ اللہ البالغہ (اردو ترجمہ) قومی کتب خانہ لاہور ۱۹۹۱ء ج اص ۶۸۸۔۶۹۰

(ب) شاہ ولی اللہ: الانصاف فی بیان سبب الاختلاف (اردو) علماء اکیڈمی لاہور ۱۴۰۱ھ ص ۹۳، نیز ص ۸۶

(ج) شاہ ولی اللہ: عقد الجید ص ۴۸۔۴۹

(د) شاہ ولی اللہ: التفہیمات الالہیہ، شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد سندھ ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۰ء ج اص ۲۰۶

۱۶۔ شیخ محمد خضری: تاریخ التشریع الاسلامی (اردو ترجمہ) نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد ت۔ ن ص ۴۲۱

۱۷۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو:

(الف) پروفیسر خلیق احمد نظامی: تاریخ مشائخ چشت، ادارہ ادبیات دلی ۱۹۸۰ء ج اص ۴۲۴۔۴۲۵

(ب) ڈاکٹر مظہر بقا: اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد (اشاعت اول) ۱۹۷۳ء ص ۱۷

۱۸۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو:

(الف) سورۃ البقرۃ: ۱۵۸/ سورۃ المائدہ: ۶/ سورۃ الحج: ۴۸/ سورہ البقرہ: ۲۸۶/ سورۃ الطلاق: ۷

(ب) بخاری: م ن (کتاب الایمان باب الدین یسر) طبع کلاں کراچی ج اص ۱۰

(ج) ابن کثیر، ابو الفدا اسماعیل: تفسیر القرآن العظیم، سہیل اکیڈمی لاہور ج اص ۲۱۷

(د) ابوبکر حصاص: احکام القرآن مطبعۃ البہیہ مصر ۱۳۴۸ھ ج اص ۲۲۳

۱۹۔ تفصیل کیلئے دیکھئے:

(الف) بخاری: الجامع الصحیح (کتاب الادب باب قول النبی یسروا ولا تعسروا) ج ۲ ص ۹۰۴: کتاب المغازی، ج ۲ ص ۶۲۲ اور کتاب العلم ج اص ۱۶

(ب) ابوداؤد: سنن (کتاب الادب باب فی کراھیۃ المراء) ج ۲ ص ۶۶۴۔۶۶۵

۲۰۔ بخاری: الجامع الصحیح (کتاب الادب باب قول النبی یسروا ولا تعسروا) ج ۲ ص ۹۰۴ نیز کتاب المناقب، ج اص ۵۰۳

(ب) مسلم بن حجاج قشیری: الجامع الصحیح مع نووی (کتاب الفضائل باب مباعدتہ للآثام واختیارہ من المباح) طبع کلاں کراچی ج ۲ ص ۲۵۶

(ج) ابوداؤد: سنن (کتاب الادب باب فی العفو والتجاوز) ج ۲ ص ۶۶۰

۲۱۔ الکاسانی: بدائع الصنائع (اردو ترجمہ) دیال سنگھ لائبریری لاہور، ج اص ۴۰۶

۲۲۔ بخاری: م ن، (کتاب الایمان) ج اص ۱۰

۲۳۔ تفصیل کیلئے دیکھئے:

(الف) بخاری: م ن، (کتاب الآذان) ج ۱ ص ۹۷۔۹۸

(ب) مسلم: م ن، (کتاب الصلوٰۃ باب امر الائمہ بالتخفیف الصلوٰۃ) ج ۱ ص ۱۸۸

(ج) ابوداؤد: م ن، (کتاب الصلوٰۃ باب امر الائمہ بالتخفیف الصلوٰۃ) ج ۱ ص ۱۱۵

۲۴۔ دیکھئے:

(الف) بخاری: م ن، (کتاب النکاح پہلا باب) ج ۲ ص ۷۵۷

(ب) ابن سعد: الطبقات الکبریٰ بیروت ۱۹۶۰ء ج ۱ ص ۳۷۱۔۳۷۲

۲۵۔ دیکھئے:

(الف) بخاری، م ن، (کتاب الصوم، باب صوم الدھر) ج ۱ ص ۲۶۵

(ب) بخاری، م ن، (کتاب النکاح) ج ۲ ص ۷۸۳

(ج) ابوداؤد: م ن، (کتاب الصیام باب فی صوم الدھر تطوعا) ج ۱ ص ۳۲۹۔۳۳۰

۲۶۔ ملاحظہ ہو:

(الف) بخاری: م ن: (کتاب الصوم، باب الوصال) ج ۱ ص ۲۶۳

(ب) مسلم: م ن، (کتاب الصیام باب النھی عن الوصال) ج ۱ ص ۳۵۲۔۳۵۳

۲۷۔ نووی، یحیٰ بن شرف: ریاض الصالحین، باب فی الاقتصاد فی الطاعۃ، مکتبہ رحمانیہ لاہور ۱۹۸۱ء ص ۷۸

۲۸۔ دیکھئے:

(الف) بخاری: م ن (کتاب المغازی، باب مرجع النبی من الاحزاب) ج ۲ ص ۵۹۱

(ب) نسائی احمد بن شعیب: سنن (باب فی من لم یجد الماء والا الصعید) نور محمد کراچی ج ۱ ص ۳۵

۲۹۔ ابن عبدالبر: جامع البیان العلم وفضلہ، مکتبہ علمیہ مدینہ منورہ، ج ۲ ص ۸۳۔۸۴

۳۰۔ دیکھئے:

(الف) شاہ ولی اللہ: حجۃ اللہ البالغہ، ج ۱ ص ۶۵۷۔۶۵۸

(ب) شاہ ولی اللہ: الانصاف فی بیان سبب الاختلاف، ص ۱۴

۳۱۔ ملاحظہ ہو:

(الف) شاطبی: الموافقات (کتاب الاجتہاد المسئلۃ الثالثۃ) مطبعۃ السلفیہ، مصر ۱۳۴۱ھ ج ۴ ص ۶۶

(ب) ابن عبدالبر: م ن (اردو ترجمہ) دہلی ص ۱۷۰۔۱۷۱

(ج) ابن عابدین شامی: ردالمختار علی الدر المختار، المصطفےٰ البابی مصر ۱۳۸۶ھ ج ۱ ص ۶۹

۳۲۔ ملاحظہ ہو:

(الف) شیخ محمد خضری: م ن، ص ۴۴۵

(ب) زرقا: ڈاکٹر مصطفیٰ احمد: ماہنامہ چراغ راہ کراچی "اسلامی قانون نمبر" ج ۱ ص ۳۴۶

۳۳۔ دیکھئے:

(الف) زاہد الکوثری: مقالات الکوثری، سعید کمپنی کراچی ص ۱۲۱

(ب) مناظر احسن گیلانی: مقدمہ تدوین فقہ، مکتبہ رشیدیہ لاہور ص ۱۲۳

۳۴۔ دیکھئے:

(الف) خضری: م ن، ص ۴۲۹ و مابعد

(ب) ڈاکٹر صبحی محمصانی: فلسفۃ التشریع الاسلامی (اردو ترجمہ) مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۶۶ء ص ۴۱ تا ۶۹

۳۵۔ دیکھئے:

(الف) شاہ ولی اللہ: فیوض الحرمین، (مشہد نمبر ۱۰) قرآن محل کراچی ص ۹۰۔۹۱

(ب) شاہ ولی اللہ: التفہیمات الالٰہیہ (مبشرہ نمبر ۱۰) شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدر آباد سندھ ۱۳۹۰ھ ج ۲ ص ۳۹۱

۳۶۔ دیکھئے:

(الف) ابن نجیم حنفی: البحرالرائق دارالکتب العربیہ بیروت ج ۵ ص ۱۲۴

(ب) ملاعلی قاری: شرح فقہ اکبر، مجتبائی دہلی، ص ۱۹۹

(ج) الشعرانی عبدالوہاب: المیزان الکبریٰ (مقدمہ) عیسیٰ البابی حلبی ت۔ن مصر ص ۱۳

۳۷۔ السفارینی محمد بن احمد: التحقیق فی بطلان التلفیق، دارالضمیعی، ریاض سعودی عرب ۱۴۱۸ھ ص ۹۲

۳۸۔ محمد جواد مغنیہ: علم اصول الفقہ فی ثوبہ الجدید، دارالعلم بیرت ۱۹۸۰ء ص ۴۴۴

۳۹۔ دیکھئے:

(الف) احمد بن علی بدایونی: الوصول الی الاصول، مکتبہ المعارف ریاض سعودی عرب ۱۴۰۴ھ، ج ۲ ص ۳۶۰

(ب) ابن عبدالبر: م ن، (عربی) ج ۲ ص ۱۱۴

(ج) شاہ ولی اللہ: عقدالجید، ص ۵۸

۴۰۔ ولی الدین ابوعبداللہ: مشکوٰۃ المصابیح (باب الامامتہ) سعید کمپنی کراچی ص ۱۰۰

۴۱۔ الکاسانی: م ن، ج ۱ ص ۵۱۳

۴۲۔ جصاص ابوبکر رازی: م ن، ج ۳ ص ۱۰۹

۴۳۔ مولانا مودودی: تفہیم القرآن، ج ۵ ص ۶۳، ادارہ ترجمان القرآن لاہور ت ن

۴۴۔ مولانا مودودی: تفہیم القرآن، ج ۱، ۴۸۲، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور ت ن

۴۵۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوہ حنین

۴۶۔ ابن کثیر: سیرۃ النبی (اردو ترجمہ) مکتبہ قدوسیہ، لاہور ج ۲ ص ۶۴

۴۷۔ ایضاً ص ۲۴۰

۴۸۔ تفسیر قرطبی، روح المعانی اور مظہری وغیرہ تحت آیت

۴۹۔ مولانا مودودی: الجہاد فی الاسلام، ص ۶۳

دور حاضر میں انتہا پسندی کا رجحان اور اس کا خاتمہ تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

پروفیسر قاری بدرالدین گلگتی، کراچی

نحمدہ و نصلی و نسلم علیٰ رسولہ الکریم اما بعد

یہ دور اپنے ابراہیم کی تلاش میں ہے صنم کدہ ہے جہاں لا الہ الا اللہ
خرد ہوئی ہے زمان و مکان کی زناری نہ ہے نہ زماں، نہ مکاں لا الہ الا اللہ
اگرچہ بت ہیں جماعت کے آستینوں میں مجھے ہے حکم اذاں لا الہ الا اللہ

الحمد للہ آج میرے لئے یہ امر باعث مسرت ہے کہ اس عظیم محفل میں ایک ادنیٰ سا طالب علم اور اپنے محدود علم کی حیثیت سے اس نازک موضوع پر قلم اٹھانے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

انتہا پسندی کی ضد اعتدال پسندی اور حلم ہے۔ جس کا مطلب ہی یہ ہے کہ انتقام کی قدرت ہونے کے باوجود کسی ناگوار خلاف مرضی یا اشتعال انگیز بات کو برداشت کر لینا غیظ و غضب کے موقع پر غصہ پی جانا آپے سے باہر نہ ہونا، طیش میں نہ آنا اور اپنے نفس وطبیعت کو قابو میں رکھنا۔[1]

انسان کے باطنی کمالات اخلاقی عالیہ اور اوصاف حسنہ میں یہ ایسا عمدہ اور بلند ترین وصف ہے جو ایک تو اللہ کریمؐ کو بہت پسند ہے، دوسرے اخروی ثواب و درجات کے علاوہ بے شمار دینوی/ معاشرتی برکات اور بھلائیوں کا سرچشمہ ہے۔[2] یہی وجہ ہے کہ شریعت اسلامیہ اور تعلیمات نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں اس کے بڑے فضائل اور تاکید بیان فرمائی گئی ہے۔ جس کی قدرے تفصیل انشاء اللہ آگے آ رہی ہے۔

اس کے برعکس خدانخواستہ اگر کسی انسان میں قوت برداشت کا مادہ نہ ہو تو فطری و جبلی طور پر نہ وہ اس کے اکتساب کی کوشش کرے تو گویا وہ ہر قسم کی خیر سے محروم ہے۔[3]

یہ انتہاء پسندی جہاں ایک زبردست اخلاقی عیب ہے۔[4] وہاں بے شمار اخلاقی خرابیوں اور معاشرتی مفاسد کی جڑ بھی ہے۔ جس کے نتیجے میں صرف اسی انسان کو نہیں بلکہ بسا اوقات پورے ملک وقوم اور سارے انسانی معاشرے کو مصائب و آلام سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ انتہاء پسندی کے بھیانک نتائج جو لوگوں کو بھگتنے پڑے ان سے انسانی تاریخ بھری پڑی ہے۔ اس مختصر مقالہ میں احاطہ مشکل ہے مگر نمونے کے لئے چند نظائر پیش خدمت ہیں۔

ہمارے بعض شہروں بالخصوص دیہاتوں میں جدی پشتی خاندانی عداوتیں، لڑائیاں، جھگڑے اور مستقل مقدمہ بازی کی معاشرتی بیماریاں اکثر معمولی اور چھوٹی باتوں کو برداشت نہ کر سکنے کا ہی ہوشربا نتیجہ ہیں۔ اسی طرح سیاسی میدان میں اب تک کسی

حکومت کا اپنی آئینی مدت پوری نہ کرسکنا متعدد حکومتوں کی اکھاڑ پچھاڑ کا تماشہ آزادی کے بعد جمہوریت کے بجائے زیادہ تر عرصہ مارشل لاء کی نذر ہو جانا مشرقی پاکستان کی علیحدگی، متعدد سیاستدانوں کا قتل، اسمبلیوں کے اجلاس کے دوران معزز ارکان اسمبلی کا باہم دست و گریباں اور گتھم گتھا ہونے اور گالی گلوچ سے پارلیمنٹ جیسے باوقار ادارے کا مچھلی منڈی کا منظر پیش کرنا، ایک دوسرے پر الزام تراشیاں کرنا، حزب اختلاف کا بہر کیف اور بہر صورت حزب اقتدار سے مخالفت کرنا، حکومت کو گرانے کے لئے اپوزیشن کا ہمیشہ سازشیں کرتے رہنا اور ہر ممکن حربہ استعمال کرنا وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب کچھ انتہا پسندی کا نتیجہ نہیں تو اور کیا ہے؟ سیاسی اعتبار سے اگر ایک دوسرے کو برداشت کر لینے اور حصول اقتدار کے لئے اپنی باری کا انتظار کرنے کا جذبہ ہوتا تو یقینا اندرون ملک اور بیرون ملک استحکام کی صورت حال آج سے کہیں بہتر ہوتی۔

علاوہ ازیں مذہب مسلک اور دین کے حوالے سے وطن عزیز میں انتہاء پسندی کے بڑھتے ہوئے رجحان نے جو افسوسناک الم ناک بھیانک اور تباہ کن صورت حال اختیار کر رکھی ہے اس کو دیکھیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا ہمارا دین اسلام سے العیاذ باللہ کوئی تعلق ہی نہیں، کیونکہ اسلام تو بڑے سے بڑے مخالف اور غیر مسلم کو بھی نہ صرف برداشت کرنے بلکہ اس کے ساتھ رواداری اور حسن سلوک کا حکم دیتا ہے۔ ہر فرقہ کی ڈیڑھ ڈیڑھ اینٹ کی الگ الگ مسجد، جن جزوی وفروعی مسائل اور معاملات کی شریعت میں کوئی بنیادی حیثیت نہیں، ان کے بنیاد پر مستقل مذہبی گروہوں کا وجود، اپنے اپنے مسلک کے حوالے سے مختلف سپاہیوں، تحریکوں، تنظیموں اور جمعیتوں کی تشکیل، بندوق کلاشنکوف کے زور پر اپنے نظریات کو دوسروں پر مسلط کرنے کی مذموم کوششیں، مختلف نظریہ کے حامل حضرات کی عبادت گاہوں کے اندر نماز ار عبادت و تسبیح میں مصروف لوگوں پر حملے اور بم دھماکے۔ افسوسناک ہیں جبکہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ ہے کہ:

الصلوة واجبة عليكم خلف كل مسلم براكان او فاجرا [۵]

ہر نیک اور گناہ گار مسلمان کے پیچھے (باجماعت) نماز پڑھنا تمہارے اوپر واجب ہے۔

ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہوا:

صلوا خلف كل من قال لا اله الا الله [۶]

ہر کلمہ گو اور نیک و فاجر مسلمان کے پیچھے نماز پڑھ لو۔

اسی طرح ایک مسلک کے لوگوں کا دوسرے مسلک کے حامل لوگوں کو اپنی مسجد (جو اصلاً سارے مسلمانوں کی مشترکہ عبادت گاہ ہوتی ہے) میں داخل نہ ہونے دینا جبکہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشرکین تک کو مسجد کے اندر ٹھہرایا ہے۔ چنانچہ مشہور حنفی فقیہہ اور مفسر علامہ جصاص رازی آیت: **انما المشركون نجس الخ** [۷] کے تحت لکھا ہے:

ولم يكن اهل الذمة ممنوعين من هذه المواضع [۸]

ان مواضع (مساجد) میں اہل ذمہ کا داخلہ ممنوع نہیں ہے۔

اور اپنے اس خیال یا رائے کی تائید میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وفد قیس کو مسجد نبوی ﷺ میں ٹھہرانے اور

حضرت ابوسفیانؓ کے حالت کفر میں مسجد نبوی ﷺ میں داخل ہوتے رہنے سے استدلال کیا ہے۔[9]

پھر سب سے بڑھ کر متشدد مذہبی لوگوں کا یہ عجیب رویہ ہے جسے اپنے تراشیدہ یا اپنے سمجھے ہوئے اسلام کے راستے سے ذرا ہٹا ہوا پایا، اس پر جھٹ کفر کا فتویٰ جڑ دینا اور اس میں اتنی شدت یا غلو اختیار کرنا کہ جسے کافر قرار دیا گیا ہے اسے اگر کوئی کافر نہ مانے تو وہ بھی کافر۔ یہ سب کچھ انتہا پسندی ہی کا کرشمہ اور شاخسانہ ہے ورنہ جو اسلام کافروں، مشرکوں اور منافقوں تک کے ساتھ ملاطفت ''نرمی'' حسن سلوک اور شفقت کا برتاؤ کرتا ہے کیونکر ممکن ہے کہ ان لوگوں کے حق میں مجسم قہر و جلال اور شمشیر براں بن جائے جو اپنے اسلام اور اسلامیت کے معترف اور مقر ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم کا واضح حکم ہے:

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا[10]

اور جو کوئی تمہیں (مسلمانوں کا سا) سلام کرے اس سے یہ نہ کہو کہ تم مومن نہیں ہو۔

آیت ہذا سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام کا یہ اصول ہے کہ فیصلہ ظاہر پر ہوگا باطن پر نہیں۔ کسی مسلمان کو جذبات اور اشتعال میں آ کر کافر قرار دے دینا نازک معاملہ ہے چنانچہ ہمارے فقہاء کرام نے اس معاملے میں حد درجہ احتیاط برتتے ہوئے یہاں تک لکھا ہے کہ

> ''اگر کسی مسئلہ یا آدمی میں ننانوے (۹۹) وجوہ کفر کے پائے جائیں اور ایک احتمال اسلام کا موید ہو تو مفتی اور قاضی کے لئے اول بلکہ لازم ہے کہ ایک مسلمان کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہوئے اس پر کفر کا فتویٰ نہ لگائے''۔[11]

انتہا پسندی کا بین الاقوامی رجحان:

جہاں تک انتہا پسندی کے بین الاقوامی رجحان کا تعلق ہے تو موجودہ صورتحال دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ بڑے ممالک اور بڑی طاقتیں بطور خاص اس اخلاقی بیماری میں مبتلا ہیں۔ جو اپنے اردگرد چھوٹے ممالک، چھوٹی ریاستوں، اقلیتوں اور کمزور ممالک کے ساتھ اعتدال پسندی برتنے کے لئے تیار نہیں۔ اصولی اور عقلی طور پر تو یہ ہونا چاہئے کہ جس کا پیٹ پہلے ہی بھرا ہوا ہے وہ کسی غریب سے کیوں لقمہ چھیننا اور اس کے حق زندگی کو سلب کرنا چاہتا ہے؟ حالانکہ حق زندگی اور شخصی آزادی کا حق تو ہر انسان کو قدرت کی طرف سے دیا گیا ہے۔ جسے انگلستان کے میگنا کارٹ اور اقوام متحدہ کے عالمی منشور حقوق انسانی کے اندر بھی تسلیم کیا گیا ہے۔ یہ عجیب منطق ہے کہ ایک کام بڑی طاقت کرے تو جائز اور اگر وہی کام کوئی چھوٹا ملک کرے تو ناجائز اور عالمی امن کو خطرہ لاحق ہو جائے، جیسا کہ چند برس پیشتر پاکستان کے ایٹمی دھماکہ کرنے کے وقت ہوا۔ بڑی اور ایٹمی طاقتوں نے پاکستان کو اس جرم سے باز رکھنے کے لئے جتنا دباؤ ڈالا وہ تاریخ کا ایک حصہ بن چکا ہے اور موجودہ حالات میں ہمارے ملک کے نامور ایٹمی سائنسدانوں کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی سلوک ہو رہا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ ظاہر ہے یہ طاقت کا نشہ اور انتہا پسندی کا نتیجہ ہے اگر ہر بڑی طاقت اپنی حدود کے اندر رہتے ہوئے چھوٹے ممالک اور ریاستوں میں بے جا مداخلت کرنے کی بجائے

انہیں عام انسانی حقوق کے تحت جینے اور آزادی کا حق دے دے تو دنیا امن کا گہوارہ بن جائے۔ اس وقت کشمیر کا مسئلہ ہو، افغانستان کا مسئلہ ہو، فلسطین کا مسئلہ ہو، عراق کا مسئلہ ہو، (اب جبکہ عراق پر ایک بڑی طاقت کا قبضہ ہو چکا ہے اور وہاں ہزاروں بے گناہ انسان بے دردی سے قتل کئے جا چکے ہیں اور آج بھی یہی کچھ ہو رہا ہے) یا کوسوو کا مسئلہ ہو، جن میں ہزاروں لوگ لقمہ اجل بن چکے ہیں اور وہاں کا امن تباہ ہو چکا یہ یہ سب مسائل انتہاء پسندی کے ہی پیدا کردہ ہیں۔ اگر دنیا میں ''جیو اور جینے دو'' کے اصول پر عمل کیا جائے تو کوئی مسئلہ ہی نہ رہے۔

اعتدال پسندی تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں :

جہاں تک تعلیمات نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کا تعلق ہے تو یہ بات اہل علم سے مخفی نہیں کہ اس باطنی صفت حسنہ اور اخلاقی کمال کے اتنے فضائل و برکات ہیں اور اس کو اختیار کرنے کی اتنی تاکید آئی ہے کہ قرآن وسنت اس سے بھرے ہوئے ہیں پھر اس سلسلے میں جب ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عملی تعلیمات کا جائزہ لیتے ہیں اور اسوہ حسنہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو آپ ﷺ ہمیں حلم واعتدال پسندی کا ایسا سراپا اور مجسمہ نظر آتے ہیں جس کی نظیر پوری تاریخ انسانیت میں دکھائی نہیں دیتی۔

ہم یہاں بڑے اختصار کے ساتھ اعتدال پسندی کے سلسلے میں پہلے چند نظائر تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے اور پھر اس ضمن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ سے چند آبدار موتی پیش کرنے کی سعادت حاصل کریں گے۔

کسی بڑے سے بڑے محقق کی طاقت نہیں کہ وہ سرور دو جہاں فخر موجودات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات عالیہ اور صفات حسنہ کو کما حقہ بیان کر سکے۔ یہ مقام عجز ہے۔ اس مقام میں زبانیں گنگ، قلم ساکت، فکر مختل اور عقلیں حیران ہیں۔

بہر کیف اخلاق کی سب سے بھاری اور دشوار ترین تعلیم جو اکثر نفوس پر نہایت شاق گزرتی ہے وہ عفو درگزر، ضبط نفس، تحمل اور اعتدال کی ہے۔ لیکن اسلام نے اس سنگلاخ زمین کو بھی نہایت آسانی سے طے کیا ہے، سب کو معلوم ہے کہ اسلام میں شرک اور بت پرستی سے کتنی شدید نفرت ظاہر کی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور عظمت وجلالت کا کتنا اعلیٰ اور ناقابل تبدیل تصور اس نے پیش کیا ہے، جو خاص اسلام کا امتیازی حصہ ہے تاہم مسلمانوں کو یہ تاکید کی جاتی ہے کہ جوش عقیدت یا غلو میں آ کر کوئی شخص مذاہب باطلہ کے معبودوں کے لئے کوئی نازیبا اور نامناسب الفاظ استعمال نہ کرے۔ چنانچہ حکم الٰہی ہے:

اور جن کو یہ مشرک اللہ کے سوا پکارتے ہیں ان کو برا نہ کہو کہ وہ اللہ کو بے ادبی سے نادانستہ برا کہہ بیٹھیں۔[۱۲]

لوگوں کے ساتھ تسامح اور تحمل واعتدال پسندی کی یہ کتنی انتہائی تعلیم ہے کہ پیغمبر رحمت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب ہوا کہ کفار اور مشرکین کے ظلم وستم اور گالی گلوچ پر صبر کرو اور ان کو معاف کرو اور اسی کی پیروی کا حکم عام مسلمانوں کو بھی ہو رہا ہے۔

معاف کرنے کی خو پکڑو اور نیک کام کو کہہ اور جاہلوں سے کنارہ کر، اور اگر تجھ کو شیطان کی کوئی چھیڑ چھاڑ ابھارے یعنی غصہ آ جائے تو اللہ تعالیٰ کی پناہ پکڑ وہ سنتا جانتا ہے۔[۱۳]

ایک روایت میں آیا ہے کہ یہ آیت کریمہ اتری تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبرئیل امین سے اس کی تاویل (تفسیر) پوچھی تو انہوں نے عرض کیا اللہ کریم کے پاس جا کر پوچھتا ہوں۔ چنانچہ واپس آ کر حضرت جبریل امین نے بتایا کہ اس آیت میں اللہ کریم حکم فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ اس کے ساتھ بھی صلہ رحمی کرتے رہیں، جو تعلقات کو توڑتے ہیں اور اس سے بھی جو توڑنے کی کوشش کرے اور اس کو بھی عطا کریں جو آپ ﷺ کو محروم کردے اور جو آدمی آپ سے زیادتی کرے اس سے بھی درگزر فرماتے رہیں۔[۱۴]

یہ وہ اخلاق فاضلہ ہیں جن کے حدیث میں بڑے فضائل بیان فرمائے گئے، جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔[۱۵]

اہل اسلام کو ترغیب وتشویق دلانے کے لئے اللہ کریم نے اہل جنت متقی لوگوں کے اوصاف حسنہ بتاتے ہوئے ایک کمال وصف اور اخلاقی خوبی یہ بھی بیان فرمائی کہ:

وہ غصے کے ضبط کرنے (پی جانے) والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں۔[۱۶]

اس آیت کریمہ کی تفسیر اور معنوی تفصیلات میں جانے کی گنجائش نہیں تاہم مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ کا مختصر سا تفسیری نوٹ ضروری وضاحت کے لئے کافی ہے۔ مولانا موصوف لکھتے ہیں:

"کظم کہتے ہیں غصہ کے ضبط کر جانے کو۔ تو یہ لوگ وہ ہوئے جو غصہ سے مغلوب نہیں ہو جاتے بلکہ اس سے مقابلہ کر کے اسے زیر کر لیتے ہیں اور اپنے اوپر قابو رکھتے ہیں۔ بعض اہل تحقیق نے یہ خوب لکھا ہے کہ یہاں "فاقدین الغیظ" ارشاد نہیں ہوا ہے یعنی مدح اس چیز کی نہیں آئی ہے کہ غصہ سرے سے آتا ہی نہ ہو، بلکہ اس کی آئی ہے کہ اسے قابو میں رکھا جائے اور عقل جذبات کے اوپر حاکم رہے۔ غصہ پیدا ہوتا ہے، حرارت طبعی یا حمیت سے، اسے سرے سے فنا کر دینا ہرگز اسلام کو مقصود نہیں۔ مقصود صرف حدود کے اندر رکھنا ہے۔ غصہ مطلق صورت میں ہرگز ممنوع نہیں۔ نہ شرعاً معصیت نہ عقلاً مضر بلکہ اگر حدود کے اندر رہے اور محل مناسب پر پیدا ہو تو عیب نہیں ہنر ہے۔ غصہ کے ضبط کر جانے کی فضیلتیں حدیث نبوی ﷺ میں بکثرت وارد ہوئی ہیں۔ مثال کے لئے حدیث ملاحظہ ہو:

من كظم غضبا وهو يقدر على انفاذه ملاء الله قلبه امنا و ايمانا

قدرت نفاذ کے باوجود جو شخص اپنے غصہ کو روک لے تو اللہ تعالیٰ اس کا قلب امن اور ایمان سے لبریز کر دے گا۔

العافین عن الناس یعنی لوگوں کے قصوروں اور خطاؤں کو بھی معاف کر دیتے ہیں۔ یہی نہیں کہ باوجود قدرت و استطاعت وخطادار سے انتقام نہیں لیتے بلکہ اسے معاف بھی کر دیتے ہیں۔ یہ درجہ کاظمین الغیظ سے بلند تر ہے۔[۱۷] سے باتھوں غصہ کے ضبط کرنے کی عظیم فضیلت پر ایک اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ملاحظہ فرماتے چلیں:

آدمی کوئی ایسا گھونٹ نہیں پیتا جو اللہ تعالیٰ کے ہاں محض رضائے الٰہی کے لئے پیئے گئے غصے کے گھونٹ سے زیادہ افضل ہو۔[۱۸]

انسان اگر تھوڑا سا غور کرے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ غصہ اور غیظ وغضب کی بے اعتدالی اور بے صبری صرف عام اخلاقی برائی ہی نہیں بلکہ کئی برائیوں اور خرابیوں کی جڑ ہے۔ بہت سے ظالمانہ اور بیدردانہ کام انسان صرف غیظ وغضب اور غصہ میں کر بیٹھتا ہے اور بعد میں نادم پشیمان ہوتا ہے۔ اس لئے ایک مسلمان کو چاہئے کہ اپنے غصہ پر قابو رکھے اور بلا جواز غیظ و غضب کا اظہار نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے ان مومنوں کی تعریف فرمائی ہے جو غصہ کے وقت لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں چنانچہ ارشاد ربانی ہے ''اور جب انہیں غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں''۔[۱۹]

اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب ایک آدمی نے (جسے شاید زیادہ غصہ آتا تھا) کسی نصیحت کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے اسے فرمایا غصہ نہ کیا کرو۔ اس نے دوبارہ سہ بارہ نصیحت کے لئے عرض کیا تو آپ ﷺ نے ہر دفعہ یہی فرمایا کہ غصہ نہ کر۔[۲۰] بلا وجہ اور بلا جواز غصہ کرنے کے ایمانی وروحانی نقصان سے آگاہ کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''بے شک بلا وجہ غیظ وغضب انسان کے ایمان کو اسی طرح خراب کر دیتا ہے جس طرح ایلوا شہد کو خراب (کڑوا) کر دیتا ہے۔[۲۱]

سکون کی حالت میں معاف کر دینا آسان ہے۔ انسان کی بردباری حوصلہ قوت برداشت اور عفو و درگزر کا امتحان اس وقت ہوتا ہے جب غصے سے اس کا خون کھول رہا ہو۔ عربی زبان کی ایک ضرب المثل ہے:

لا یعرف الشجاع الا عندا لحرب یعرف الحلیمُ الا عند الغضب.

بہادر آدمی وہ نہیں جو دوسرے کو پچھاڑ دے بلکہ بہادر وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔[۲۲]

تحمل، بردباری، اعتدال پسندی اور حوصلہ کی تحسین فرماتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ عبدالقیس کے اشج سے فرمایا:

''تمہارے اندر دو ایسی خصلتیں ہیں جن کو اللہ کریم بھی پسند فرماتے ہیں۔ ایک حلم (متانت) اور دوسری وقار''۔[۲۳]

اس واقعہ کا پس منظر یہ ہے کہ قبیلہ عبدالقیس کا وفد جب مدینہ منورہ پہنچا تو اشج (منذر بن عائذ) کے سوا وفد میں شامل سارے لوگ فرط عقیدت میں اپنی سواریوں کو یوں ہی چھوڑ کر انہی کپڑوں میں دوڑ کر بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہو گئے جبکہ اشج نے بڑے اطمینان وسکون سے پہلے اپنے سامان کو رکھا، سواری کے جانور کو باندھا، خوبصورت کپڑے پہنے، اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے متانت بھرے اس طرز عمل کی تحسین فرمائی۔

اعتدال پسندی، عفو وحلم سیرت طیبہ ﷺ کی روشنی میں:

ارباب سیر نے آپ ﷺ کے عفو وحلم کو دشمنوں سے درگزر اور ہر زیادتی کرنے والے اور ستانے والے سے حسن

سلوک اور ان کے مظالم کو برداشت کرنے کے واقعات تحریر کیے ہیں۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ کا ارشادِ گرامی ہے۔

آپ ﷺ نے تمام زندگی اپنے اوپر کی گئی زیادتی کا بدلہ نہیں لیا بجز اس کے کہ خدائی حرمت کو پامال کیا گیا ہو پس اس صورت میں آپ ﷺ سختی سے مواخذہ فرماتے تھے۔[۲۳]

اہل طائف نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا سلوک کیا، مگر ۹ ھ میں جب ان کا وفد مدینہ منورہ پہنچا تو حضور اکرم صلی الہ علیہ وسلم نے ان کو صحن مسجد میں مہمان رکھا اور ان سے عزت و حرمت سے پیش آئے۔ رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی نے ہمیشہ در پردہ دشمنوں کی حمایت کی۔ وہ واقعہ افک میں براہ راست ملوث تھا۔ بقول علامہ شبلی نعمانی و علامہ سید سلیمان ندوی ''دشمنوں کی شماتت، ناموس کی بدنامی...... یہ باتیں انسانی صبر و تحمل کے پیمانہ میں نہیں سما سکتیں تاہم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب باتوں کے باوجود اس کیساتھ کیا سلوک کیا''۔[۲۵]

بخاری[۲۶] میں لکھا ہے کہ نہ صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ابی کو معاف فرمایا بلکہ مرنے کے بعد اپنی قمیص پہنائی اور ستر سے زیادہ مرتبہ استغفار کرنے کا وعدہ فرمایا۔ مفتی اعظم محمد شفیع لکھتے ہیں کہ کئی بار صحابہ کرامؓ نے اسے قتل کی اجازت چاہی مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سختی سے منع فرمایا۔[۲۷] ایک دن ایک بدو آیا اور اس نے آپ ﷺ کی چادر اس زور سے کھینچی کہ آپ ﷺ کی گردن مبارک سرخ ہوگئی۔ آپ ﷺ نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا بدو بولا کہ میرے اونٹوں کو غلہ سے لاد دے۔ اس نے گستاخانہ جملے بھی کہے، آپ ﷺ نے اس کے اونٹوں پر جو اور کھجوریں لدوا دیں اور کچھ تعرض نہ فرمایا۔[۲۸] آپ ﷺ کا فرمان تھا: ''طاقتور وہ نہیں جو کسی دوسرے کو بچھاڑ دے بلکہ اصل طاقتور وہ ہے جو غصے کے وقت خود پر قابو رکھے''۔[۲۹]

ایک دفعہ آپ ﷺ نے ایک مسلمان قبیلے کے قحط دور کرنے کی خاطر ایک یہودی زید بن سعیہ سے اسی دینار قرض لیا چنانچہ اس سے قبیلے کو خوراک مہیا کر دی گئی۔ ادائیگی کے وقت سے پہلے ہی زید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور گستاخانہ انداز میں رقم کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ حضرت عمرؓ اس کی گستاخی کو برداشت نہ کر سکے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا سر قلم کرنے کی اجازت چاہی، مگر آپ ﷺ نے فرمایا:

''اے عمرؓ! تمہیں چاہئے تھا کہ مجھے حسن ادا کی تلقین کرتے اور اسے حسن طلب کی'' پھر آپ ﷺ نے نہ صرف اس کے قرض کی فوری واپسی کا حکم دیا، بلکہ بیس صاع (تقریباً دو من) زیادہ کھجوریں دینے کا حکم دیا۔ اس سلوک سے وہ مسلمان ہو گیا۔[۳۰]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری زندگی حلم و اعتدال پسندی کا مظاہرہ فرمایا۔ ایک سال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چپکے چپکے اشاعت اسلام کی کوشش کرتے رہے۔ جب مسلمانوں کی تعداد چالیس سے زیادہ ہو گئی تو آپ ﷺ خانہ کعبہ کے اندر تشریف لے گئے اور توحید کا اعلان کیا۔ یہ اعلان سن کر کفار مکہ آپ ﷺ پر ٹوٹ پڑے اور آپ ﷺ کو مارنا شروع کر دیا۔ حضرت حارث بن ابی ہالہ حضور ﷺ کو چھڑوانے کے لئے آئے تو کفار نے حضرت حارثؓ کو اتنی تلواریں ماریں کہ وہ شہید ہو گئے۔ یہ اسلام کی مدافعت کے لئے پہلی شہادت تھی۔ آپ ﷺ نے ہر ظلم پر اعتدال پسندی کا مظاہرہ فرمایا۔ اعلان نبوت کے بعد

تین سال بڑی سختی اور آزمائش کے تھے۔ ابو جہل اور کفار مکہ کی کھلم کھلا مخالفت، مزاحمت، تضحیک اور سب وشتم کے باوجود آپ ﷺ نے اعتدال پسندی کا مظاہرہ فرمایا ۶ ھ نبوی ﷺ سے ۱۰ نبوی ﷺ تک یعنی حضرت ابو طالب کی وفات تک کفار مکہ نے تشدد کا مظاہرہ کیا۔ حضرت بلالؓ کو ان کا مالک امیہ دوپہر کے وقت تپتی ریت پر لٹاتا، حضرت خباب بن الارتؓ کو دہکتے ہوئے کوئلوں پر لٹایا جاتا، یہاں تک کہ ان کی پیٹھ کی چربی نکل آتی، حضرت عمارؓ کو اتنا مارا جاتا کہ آپؓ بے ہوش ہو جاتے۔ حضرت صہیبؓ پر ظلم، ابوفکیہؓ پر ظلم، مسلمان لونڈیوں لبینہؓ، زنیرہؓ، نہدیہؓ اور ام عبیسؓ پر بے پایاں ظلم، حضرت زبیرؓ، ابوذرؓ اور حضرت سعد بن وقاصؓ پر ظلم اور انتہاء پسندی تاریخ اسلام کی کتابوں میں مرقوم ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر ظلم اور سختی کو برداشت کرتے اور اف تک نہ کرتے تھے، نہ کسی پر ہاتھ اٹھاتے تھے۔

آپ ﷺ صحابہؓ کو بھی صبر اور اعتدال پسندی کی تلقین فرماتے اسی ظلم کی بناء پر آپ ﷺ نے مسلمانوں کو ہجرت حبشہ کا حکم فرمایا۔ نجاشی نے بے پایاں مذہبی رواداری کا مظاہرہ کیا اور مسلمانوں کو پناہ دی۔ شعب ابی طالب کا واقعہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتدال پسندی اور تحمل کا عظیم واقعہ ہے۔ یہ محاصرہ تین سال تک رہا۔ بنی ہاشم درختوں کے پتے اور طلح گھاس کھا کھا کر زندگی بسر کرتے تھے اور بچے بھوک سے تمام رات روتے تھے۔ محاصرہ کی قید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بنی ہاشم اتنے کمزور ہو گئے کہ کسی کی صورت نہیں پہچانی جاتی تھی، مگر سب نے کمال اعتدال پسندی کا مظاہرہ کیا۔ ابو طالب کی وفات کے بعد بھی آپ ﷺ نے صبر وتحمل اور اعتدال پسندی کا سلسلہ جاری رکھا۔ حضرت خدیجہؓ بھی رخصت ہوئیں۔ اب آپ ﷺ پر غم کا پہاڑ ٹوٹا، مگر آپ ﷺ ان مصیبتوں سے نہ گھبرائے اور تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا۔ ۱۰ھ نبوی سے ۱۳ نبوی تک مسلمانوں کے لئے انتہائی ابتلاء ومصیبت کا دور تھا لیکن آپ ﷺ نے صبر واعتدال پسندی سے دین اسلام کی ترویج کا سلسلہ جاری رکھا۔ آپ ﷺ طائف تبلیغ کے لئے تشریف لے گئے تو ان بدبختوں نے نہ صرف آپ ﷺ کا پیغام ٹھکرایا بلکہ شہر کے غنڈوں کو آپ ﷺ کے پیچھے لگا دیا۔ انہوں نے اس قدر پتھر مارے کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لہولہان ہو کر زمین پر گر پڑے، آپ ﷺ کے خادم حضرت زیدؓ آپ ﷺ کو باغ میں لے گئے اور آپ ﷺ کے زخم دھوئے۔ آپ ﷺ نے پھر بھی بددعا نہ فرمائی، بلکہ فرمایا:

"اے اللہ تو ان لوگوں کو ہدایت دے۔ یہ نادان ہیں مجھ کو نہیں پہچانتے"۔

اس کے بعد آپ ﷺ مدینہ منورہ شریف لے گئے۔ راستے میں ہر تکلیف کو برداشت کیا۔ ہجرت مدینہ کے بعد مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر میں مزدور بن کر کام کیا۔ آپ ﷺ نے انصار اور مہاجرین کو جمع کر کے مواخات کا نظام قائم کیا۔ یہ ایثار بے مثال تھا۔ ہجرت مدینہ کے بعد بھی کفار کی طرف سے ہر حملے کو برداشت کیا اور اپنے مشن میں ڈٹے رہے۔ غزوہ بدر، غزوہ احد اور غزوہ خندق میں صعوبتوں پر اعتدال پسندی کا مظاہرہ کیا اور دلیرانہ مقابلہ کرتے رہے۔ یکم جنوری ۶۳۰ء مطابق ۱۰ رمضان المبارک ۸ھ آپ ﷺ دس ہزار صحابہؓ کے ساتھ مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر عفو ودرگزر، رواداری اور اعتدال پسندی کی ایک عظیم الشان روایت چھوڑی۔ بقول ڈاکٹر محمد حمید اللہ: اکیس سال کی غیر منقطع کشمکش کے بعد مکے پر اچانک اسلامی فوج کا قبضہ ہو گیا اور یہ جوہری بم سے بھی زیادہ بے بس کر دینے والا واقعہ تھا۔ سرور کائنات ﷺ نے فتح مکہ پر اہل

شہر کو جمع کر کے کیا کہا تھا؟

لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم الطلقاء.

یعنی آج تم پر کوئی الزام باقی نہیں۔ جاؤ تم سب کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔

کاش کہ کوئی آئزن ہاور، کوئی سٹالن، کوئی میک آرتھر، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت پر عمل کی توفیق پاتا اور محرومین کی آئندہ انتقامی جنگ کے امکان کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر کے انسان کو امن و چین عطا کر سکتا۔[۳۱]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میثاق مدینہ کے ذریعے مذہبی رواداری اور برداشت کا درس دیا: بقول ڈاکٹر محمد حمید اللہ:

''یہ دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور تھا''۔[۳۲]

آپ ﷺ نے غیر مسلموں کو ایک قومیت کی لڑی میں پرو دیا۔ بقول محمد حسین ہیکل: (حیات محمد صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۲۷۰)

معاہدین کی یہ بستی (شہر مدینہ) اس میں رہنے والوں کے لئے امن کا گہوارہ بن گئی۔[۳۳]

آپ ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں بین الاقوامی امن، رواداری اور اعتدال پسندی کا درس دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''لوگو! تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں ایک دوسرے کے لئے ایسی ہی حرام ہیں، جیسا کہ تم آج کے دن اس شہر کی اس مہینہ کی حرمت کرتے ہو''۔ ''خبردار! میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو''۔[۳۴]

الغرض آپ ﷺ کی تعلیمات میں مسلم امہ کی محرمات کی تعظیم، ان کے باہمی حقوق کا احترام اور ان پر رحمت اور شفقت کے بارے میں بے شمار ارشادات ہمارے سامنے موجود ہیں۔ آپ ﷺ انصاف کا سرچشمہ ہیں اور انسانی مساوات و اعتدال پسندی کا پیکر ہیں۔ آپ ﷺ نے ہمیشہ حلم و بردباری کی تعلیم دی۔ آپ ﷺ کا بخاری شریف میں ارشاد گرامی ہے۔

عن ابی ھریرۃ ان رجلا قال للنبی صلی اللہ علیہ وسلم اوصنی قال لا تغضب فرد ذلک مرارا قال لا تغضب......

''حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضرت! مجھے کچھ وصیت فرمایئے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ غصہ مت کیا کرو، اس شخص نے پھر اپنی وہی درخواست کئی بار دہرائی کہ حضرت مجھے اور وصیت فرمائیں مگر آپ ﷺ نے ہر دفعہ یہی فرمایا کہ غصہ مت کیا کرو'' اگر ہم ان تعلیمات عالیہ پر عمل کریں تو ہماری زندگیوں میں انقلاب آ جائے! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند اور واقعات ملاحظہ ہوں، جن سے آپ ﷺ کی اعتدال پسندی کا اعلیٰ نمونہ ملتا ہے۔

وحشیؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ترین چچا حضرت حمزہؓ کو بڑی بے دردی سے قتل کیا تھا، وہ مکہ سے بھاگ کر طائف چلا گیا۔ طائف کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ رحمت عالم ﷺ کے دامن میں پناہ لی اور اسلام قبول کر لیا۔ حضور اکرم ﷺ نے اعتدال پسندی کا مظاہرہ فرماتے ہوئے صرف اتنا کہا:

"میرے سامنے نہ آیا کر، تمہیں دیکھ کر مجھے چچا کی یاد آتی ہے"۔[۳۵]

ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے حضرت حمزہؓ کا سینہ مبارک چاک کیا تھا اور دل وجگر کے ٹکڑے کئے تھے، فتح مکہ کے موقع پر نقاب پوش ہو کر آئی تا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہچان نہ سکیں اور امان بھی مل جائے۔ حضورﷺ نے پہچاننے کے باوجود اس کے ساتھ اعتدال پسندی کا مظاہرہ کیا اور معاف فرما دیا۔

عکرمہ ابوجہل کے بیٹے تھے، فتح مکہ کے موقع پر یمن بھاگ گئے۔ ان کی زوجہ مسلمان ہو چکی تھیں، وہ یمن گئیں اور عکرمہ کو مسلمان کیا اور تسلی دی اور حضورﷺ کے دربار اقدس میں لائیں۔ حضورﷺ نے فرط مسرت سے فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور اس تیزی سے عکرمہؓ کی طرف بڑھے کہ آپﷺ کے جسم اطہر پر چادر تک نہ تھی۔ آپﷺ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ کمال اعتدال پسندی اور عفو و درگزر کی عکاسی کرتے ہیں:

"مرحبا بالراکب المهاجر"[۳۶]

"اے ہجرت کرنے والے سوار! تمہارا آنا مبارک ہو"۔

فتح مکہ کے موقع پر صفوان بن امیہ جو قریش کے سرداروں میں سے تھا، بھاگ کر جدہ پہنچا اور سمندر کے راستے یمن جانا چاہتا تھا اس نے عمیر بن وہب کو انعام کی لالچ دے کر حضورﷺ کو قتل کرانا چاہا تھا۔ عمیر حضورﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور حضورﷺ سے صفوان کے لئے امان کی درخواست کی۔ حضورﷺ نے اپنا عمامہ مبارک بطور امان کی نشانی کے عطا فرمایا صفوان دربار رسالت میں عمیرؓ کے ہمراہ حاضر ہوا۔ اسے چار ماہ کی مہلت ملی اور وہ مسلمان ہو گیا۔ اس واقعہ سے بھی حضورﷺ کے حلم، اعتدال پسندی اور عفو کی ایک روشن مثال ملتی ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سہار بن اسود کو بھی معاف فرما دیا۔ جس نے حضورﷺ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کو مکہ سے مدینہ شریف ہجرت کے دوران اونٹ سے گرا کر سخت زخمی کر دیا تھا۔ فتح مکہ کے وقت وہ بھاگ کر ایران جانا چاہتا تھا، خود دربار رسالت مآبﷺ میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضورﷺ کے احسانات اور حلم وعفو کے پیش نظر اقبال جرم کرتا ہوں۔ اس نے ایسے جرائم بھی کئے تھے جن کی وجہ سے اسے فتح مکہ کے وقت اشتہاران قتل میں شامل کیا گیا تھا۔ حضورﷺ نے تمام تر جرائم اور اس کی زیادتیوں کو اعتدال پسندی کی اعلیٰ مثال قائم کرتے ہوئے اسے معاف فرما دیا چنانچہ سہارؓ نے اسلام قبول کر لیا۔

ابوسفیان اسلام کے دشمن تھے۔ بدر سے لے کر فتح مکہ تک جتنی لڑائیاں ہوئیں، ان میں ان کا ہاتھ تھا۔ فتح مکہ کے موقع پر گرفتار ہوئے۔ حضرت عباسؓ ان کو لے کر دربار رسالت مآبﷺ میں لائے۔ حضورﷺ ان سے شفقت اور محبت سے پیش آئے۔ حضرت عمرؓ انہیں قتل کرنا چاہتے تھے لیکن حضورﷺ نے انہیں منع فرما دیا۔ حضورﷺ نے ابوسفیان کے گھر کو امن وامان کا مقام قرار دے کر بے پایاں درگزر اور اعتدال پسندی کی ایک اور روشن مثال قائم فرما دی۔ دنیا کے کسی اور فاتح سے اعتدال پسندی اور عفو کی ایسی مثالیں سامنے نہیں آ سکتیں۔ تاریخ اسلام حضور اکرمﷺ کی بے پایاں مروت اور برداشت کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔

فرقہ واریت...... انتہاء پسندی کی بدترین شکل:

قرآن حکیم نے اتفاق اور اتحاد کا درس دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا" [۲۷]

اور مضبوط پکڑو اللہ کی رسی کو اور آپس میں تفرقہ نہ کرنا۔

مذہبی منافرت کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد ہے:

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ط كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ۔ [۲۸]

رسول اکرم ﷺ نے ہمیشہ اتفاق اور اعتدال پسندی کا حکم دیا۔ صحیح مسلم میں ہے:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: تین باتوں سے اللہ خوش ہوتا ہے۔ ایک تو یہ کہ اسی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، دوسرے اللہ تعالیٰ کی رسی کو اتفاق سے پکڑو اور فرقوں میں نہ بٹو" [۲۹]

اشرف ظفر اپنی تالیف مذہبی اور سیاسی فرقہ بندی، قرآن حکیم کی روشنی میں صفحات ۲۱۔۳۰ پر رقم طراز ہے:

"فرقہ بندی کے نتائج بھیانک ہیں۔ ان کی وجہ سے عناد، حسد، بغض، محکومی، محتاجی، خوف وحزن کا زہر ہلاہل اور عزت نفس کی تباہی، اصول پرستی کی بجائے شخصیت پرستی اور شخصیت پرستی میں بھی انتہا پرستی نتیجتاً سرکشی، دلوں کی پژمردگی، دل گرفتاری اور پریشان حالی اور پریشان خیالی، یاس و ناامیدی، صلاحیت سلبی اور جنگ و جدال تک نوبت آ جاتی ہے"۔

مسلمان فرقہ بندی کی وجہ سے مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔ شیعہ، سنی، حنفی، دیوبندی، بریلوی، اہلحدیث اور نقشبندی کہلانے لگ گئے۔ وطن عزیز میں فرقہ واریت کی آگ نے ہمیں پوری لپیٹ میں لے لیا ہے۔ سپاہ محمد اور سپاہ صحابہ کی محاذ آرائی اور متشدد رویہ ہماری معاشرتی اور مذہبی جڑوں کو کھوکھلا کر رہا ہے۔

شجاعت ترمذی عارفی اپنی تصنیف فرقہ واریت: ایک تجزیہ کے صفحہ نمبر ۲۷ اور مولانا سید مناظر احسن گیلانی اپنی تصنیف، مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ کے صفحہ نمبر ۱۲۴ پر فرقہ واریت کے مضر اثرات کا ذکر کرتے ہیں، الغرض فرقہ واریت انتہاء پسندی کی ایک بدترین شکل ہے۔ [۳۰]

دہشت گردی...... دور جدید میں انتہاء پسندی کی بھیانک شکل:

دہشت گردی دور جدید میں انتہا پسندی کی ایک بھیانک اور خوفناک شکل ہے۔ دنیا کے مختلف ممالک میں دہشت گردی اور لاقانونیت زوروں پر ہے۔ انتہاء پسندی جب اقوام عالم میں بڑھ جائے تو پھر یہ دہشت گردی کی بدترین شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔ یورپ اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے ماہرین عمرانیات اور اسکالرز نے ان اہم موضوع پر قلم اٹھایا ہے اور دور جدید میں

اس کی قباحتوں پر روشنی ڈالی ہے۔ آج انسانیت بربادی اور کشت و خون کے دہانے پر کھڑی ہے۔ اخوت، اعتدال پسندی، باہمی ہمدردی اور محبت کا فقدان ہے۔ جان رچرڈ ٹھکراہ سے لے کر سٹیون ایزودون تک سب مغربی اسکالرز نے دہشت گردی کو دور جدید کا المیہ کہا ہے اور اس کی وجہ انتہا پسندی بتلائی ہے۔ اس موضوع پر گفتگو ان مغربی اسکالرز کی تصانیف کی روشنی میں کی گئی ہے۔

1- Paul Wilkinson and A.M. Stewart, Contemporary Research on Terrorism.
2- Steven Anzovin, Terrorism.
3- Juliet Lodge, Terrorism a Challenge to the State.
4- Bard E.O. Neill, Insurgency & Terrorism.
5- A.R. Norton, Terrorism (Article) in Oxford Encyclopaedia of the Modern Islamic World. Vol. iv
6- John L. Esposito, Islamic Threat: Myth or Reality.

وقت کی اہم ضرورت ہے کہ دہشت گردی کے مسئلے کا بین الاقوامی طور پر حل تلاش کیا جائے، بین الاقوامی برادری اس مسئلے کی نزاکتوں اور اس کی ہولناکیوں سے پوری طرح باخبر ہے۔

مثلاً سٹیون انیزودون دہشت گردی کے بارے میں لکھتا ہے کہ: 1968ء سے 1986ء تک دنیا کے 117 ممالک دہشت گردی کا شکار ہوئے مثلاً لاطینی امریکہ، مشرق وسطی، شمالی افریقہ، شمالی امریکہ، جنوبی یورپ اور ایشیا۔ وہ رقم طراز ہے:

"Terrorism affects the world equally" (Steven Anzovin, Terrorism, p.11.)

امریکہ میں لاقانونیت اور جرائم کی صورت حال ملاحظہ ہو: (یہ اعداد و شمار 1995ء کے ہیں)

Crime (Rate per 1,00,000)

کل جرائم:	۵۲۷۷ء۶
بھیانک جرائم:	۶۸۴ء۶
قتل:	۸ء۲
زنا بالجبر:	۳۷ء۱
سرقہ بالجبر:	۲۲۰ء۹[۱۲]

مغربی اسکالرز نے دہشت گردی کی مندرجہ ذیل اقسام گنوائی ہیں مثلاً:

۱۔ سیاسی دہشت گردی
۲۔ مذہبی دہشت گردی
۳۔ بین الاقوامی دہشت گردی

۴۔ اقوام میں آزادی کی تحریکیں۔

پال ولکنسن اور اے ایم سٹیورارٹ نے تو مسلمانوں کے جہاد کو بھی دہشت گردی کا نام دیا ہے۔ یہ ان کا انتہائی متعصبانہ نظریہ ہے۔ ملاحظہ ہو۔[۴۲]

انتہا پسندی کا قومی و بین الاقوامی رجحان اور اس کا حل

تعلیمات نبویﷺ کی روشنی میں

سیرت طیبہﷺ اور تعلیمات نبویﷺ کی مدد سے ہم اپنے طبقاتی، لسانی، علاقائی، معاشی، قومی، معاشرتی، سیاسی، اخلاقی اور روحانی مسائل حل کر سکتے ہیں۔ اس نظام رحمت میں ہماری فلاح، سلامتی اور ترقی کی ضمانت پوشیدہ ہے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی[۴۳] حضورﷺ کی ان صفات کا ذکر کرتے ہیں:

۱۔ آپﷺ کا صبر و تحمل،

۲۔ ضبط نفس،

۳۔ اور بلند حوصلہ۔

انہی صفات میں قوام کی ترقی کا راز مضمر ہے۔

مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری اپنی شہرآفاق کتاب سیرت الرحیق المختوم کے صفحہ نمبر ۶۷ پر رقمطراز ہیں:

''بردباری، قوت برداشت کی قدرت پاکر درگزر اور مشکلات پر صبر ایسے اوصاف تھے جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے آپﷺ کی تربیت کی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بلند کردار کا عالم یہ تھا کہ آپﷺ کے خلاف دشمنوں کی ایذا رسانی اور بدمعاشوں کی خودسری و زیادتی جس قدر بڑھتی گئی، آپﷺ کے صبر و حلم میں اسی قدر اضافہ ہوتا گیا''۔

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر نے اپنی کتاب ''پیغمبر اعظمﷺ'' کے آخر میں فرمایا کہ: نبی اکرمﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں باہمی معاملات میں دیانت'' عزت نفس، رواداری اور مدارات کا درس دیا۔[۴۴] سید اسعد گیلانی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت انقلاب کے صفحہ نمبر ۷۹ پر لکھا ہے: ''آپﷺ نے دشمنوں کو اخلاق کے اسلحہ سے فتح کیا''۔ آپﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

''کوئی مسلمان بازار سے نیزہ لے کر گزرے تو اس کے ایک حصے کو ہاتھ سے تھام لے تاکہ کسی مسلمان کو اذیت نہ پہنچے''۔[۴۵]

نعیم صدیقی نے محسن انسانیت میں درست کہا: ''حضور اکرمﷺ کی قائدانہ بصیرت اور سیاسی حکمت کا مطالعہ ہم پر لازم ہے''۔ صفحہ نمبر ۵۹، ہم تعلیمات نبویﷺ کی روشنی میں انتہاء پسندی کے مسئلے کو بخوبی حل کر سکتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

"من حمل علينا السلاح فليس منا"

جوہم پر اسلحہ اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں۔

اس کے باوجود دوسروں پر اسلحہ سے حملہ آور ہونا انتہاء پسندی کی ایک صورت ہے دیگر احادیث مبارکہ میں بھی بردباری، تحمل، اعتدال پسندی اور حلم کا درس دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

وعن عبدالله بن مسعود قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم سباب المسلم فسوق و قتاله كفر (متفق عليه)

مسلمان کو گالی دینا گناہ ہے اور اس کا قتل کفر ہے۔ پس رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں مختلف گروہوں کا ایک دوسرے کو گالی دینا اور پھر مسلمانوں کا آپس میں قتل کفر قرار دیا گیا ہے۔

سورہ بقرہ کی آیت 256 میں ارشاد ہے کہ:

لَآ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ.

دین میں جبر نہیں۔

چنانچہ غیر مسلموں کو زبردستی مسلمان بنانے کی اجازت نہیں۔ آپ ﷺ نے عبادت مثلاً روزہ، نماز، حج وغیرہ میں بھی تکالیف کو برداشت کرنے کا درس دیا۔ آپ ﷺ نے تبلیغی مشن میں عقل و حکمت، موعظ حسنہ، مجادلہ احسن، ذہنی انقلاب، قلبی تبدیلی، دلسوزی، عدم اکراہ اور نرم روی اور اعتدال پسندی جیسے اصولوں کو سامنے رکھا۔ آپ ﷺ نے ہمیشہ اقلیتوں کا خیال رکھا۔ مندرجہ ذیل مستشرقین نے بھی اسلام کی پالیسی اقلیتوں کے بارے میں پسند کی اور حضور اکرم ﷺ کی اقلیتوں کے بارے میں رواداری اور اعتدال پسندیک ارویہ سراہا مثلاً:

i- Thomas Patrick Hughes, A Dictionary of Islam, (Article) Religious Toleration, p 684-85

ii- Encyclopaedia of Religion & Ethics, (Articles) Toleration by W.F. Adeney p.360-365 Toleration (Muhammadan) by T.W. Amold.

iii- The Oxford Encyclopaedia of the Modem Islamic World, Vol.iii, pp 108-113.

دی آکسفورڈ انسائیکلوپیڈیا آف دی ماڈرن اسلامک ورلڈ کے مطابق اس وقت دنیا میں مسلمانوں کی آبادی 1.2 بلین سے بھی زیادہ ہے قریباً مسلمانوں کا 1\3 حصہ بطور اقلیتوں کے دنیا کے دیگر ممالک میں رہتا ہے۔ یہ تعداد 350 ملین سے بھی زیادہ ہے۔ ان پر ہر وقت ملک بدر ہونے کی تلوار لٹکتی رہتی ہے۔ دنیا عدم برداشت کا شکار ہے۔ اس کے مقابلہ میں جزیہ کی معمولی رقم لے کر اسلامی ریاست ذمیوں کے حقوق کی پاسبانی کرتی ہے۔ حضرت عمرؓ تو راہب خانوں اور گرجاؤں کو بھی مالی امداد دیتے تھے۔ زکوۃ کے آٹھ مصارف میں غیر مسلم مستحقین بھی آجاتے ہیں۔

ہارون رشید کے دور میں برامکہ جو آتش پرست تھے، انہیں اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا گیا۔ ہندوستان میں بھی مسلم بادشاہوں نے ہندوؤں اور دیگر مذاہب والوں سے رواداری اور نرمی کا سلوک رکھا۔ سلطنت عثمانیہ میں غیر مسلموں کو اہم عہدے ملے۔ محمد دوم (الفاتح) نے تو یونانی کلیسا کی مذہبی سربراہی قبول کر لی کیونکہ ان کا سربراہ اس وقت نہیں تھا۔ اس کے برعکس پنجاب میں رنجیت سنگھ نے اپنے دور میں شاہی مسجد کو اصطبل میں تبدیل کر کے انتہاء پسندی کی بھیانک مثال قائم کی مثلاً:

۱۔ روس میں کمیونزم کے انقلاب میں ڈھائی سے ۴ کروڑ انسان ہلاک ہوئے۔

۲۔ کوریا میں صرف دو سال میں ۵۰ لاکھ مرد اور عورتیں ہلاک ہوئیں۔ ایک کروڑ لوگ زخمی ہوئے۔

۳۔ چین میں کمیونزم نافذ کرنے کے لئے ڈیڑھ کروڑ زمینداروں کو پھانسی دی گئی۔

۴۔ امریکی خانہ جنگی (۶۵۔۱۸۶۱) میں ۸ لاکھ افراد مارے گئے۔

۵۔ ۱۶۱۸ء۔ ۱۶۴۸ء کے دوران میں یورپ کے ملک جرمنی میں ایک کروڑ ۲۰ لاکھ لوگ ہلاک ہوئے۔

انتہاء پسندی کے مظاہر و نقصانات کا فلسفہ:

انسان کی جب قوت برداشت جواب دے جاتی ہے تو اس وقت وہ جنون کی اقسام میں سے ایک قسم کا شکار ہوتا ہے اور اس انتہاء پسندی کے نتیجے میں اس سے ایسے اعمال سرزد ہو جاتے ہیں۔ جن کا جسمانی، مالی، نقصان ساری زندگی بلکہ اس کے بعد بھی بھگتنا پڑتا ہے۔ انتہاء پسندی کے مضرت رساں سات پہلو ہیں، جنہیں میں مختصر اشارات کی شکل میں واضح کئے دیتا ہوں۔

۱۔ پہلا یہ کہ عدم برداشت کے نتیجہ میں انسان دوسرے کو جسمانی، جانی یا مالی نقصان پہنچاتا ہے تا کہ اپنے غصہ کی تسکین کر سکے۔ اسلام کسی بھی شخص کو بدلہ لینے سے نہیں روکتا لیکن خود بدلہ لینے کی بھی اجازت نہیں دیتا، بلکہ اس سلسلے میں قاضی/ جج کی ذمہ داری ہے وہ متاثرہ شخص کو بدلہ مالی، جسمانی دلوائے۔ یہ اس لئے ہے کہ متاثرہ شخص جب خود بدلہ لے گا تو غصہ کی وجہ سے حد اعتدال سے باہر نکل جائے گا اور انصاف کا مقام مجروح ہوگا۔

۲۔ دوسرا یہ کہ انتہاء پسندی کے نتیجہ میں انسان اگر مذکورہ شخص سے زیادتی کا بدلہ نہیں لے سکتا ہے تو وہ یہ غصہ کسی پر تشدد کر کے زائل کرتا ہے اور اس کے تشدد کا شکار ہونے والے چار طبقے ہوتے ہیں:

(الف)...... ماتحت ملازمین: ان کو برا بھلا کہتا ہے، مارتا پیٹتا ہے۔

(ب)...... بچے: استاد ہے تو بچوں پر تشدد کرتا ہے، ڈانٹتا ہے، اگر اپنے بچے ہیں تو بھی ان کے ساتھ مختلف نوعیتوں کی زیادتی کا ارتکاب کرتا ہے۔

(ج)...... خواتین: کوئی نہ ملے تو بیویوں پر یہ غصہ کبھی تشدد کی صورت میں، کبھی گالیوں کی صورت میں اور کبھی باورچی خانے میں جلا کر نکالا جاتا ہے۔

(د)...... بوڑھے: کبھی انتہاء پسندی کا شکار اپنے بزرگ ہی بنتے ہیں۔

۳۔ تیسرے یہ کہ یہ انتہاء پسندی کبھی مذہبی اختلاف کی صورت میں نمایاں ہوتی ہے۔ ردعمل میں انسان مشتعل ہو کر مخالف کو آخری درجہ میں پہنچا دیتا ہے۔ اسے فاسق سے کافر جاہل سے واجب القتل تک قرار دے دیتا ہے۔

۴۔ چوتھے یہ کہ انتہاء پسندی کبھی عصر حاضر کی سیاست سے وجود میں آتی ہے اور مخالف کی کسی بات یا وابستگی سے برافروختہ ہو کر اس کے جسمانی یا مالی نقصان کا ذریعہ بنتا ہے۔ آج کے مروجہ نعرے اسی انتہاء پسندی کا شکار ہیں۔

۵۔ پانچویں یہ کہ یہ انتہاء پسندی کبھی عزت و آبرو کے پامال ہونے کی وجہ ہوتی ہے اور انسان مخالف کی زیادتی کا جواب خود اس مخالف کو دینے یا دلوانے کے بجائے اس کی ماں، بہن، بیٹی کو دیتا ہے۔

۶۔ چھٹے یہ کہ اگر پست ہمت ہو تو اس انتہاء پسندی کے نتیجے میں خودکشی کر لیتا ہے اور اپنا ہی نقصان کر بیٹھتا ہے چونکہ ''انتہاء پسندی'' کے نتیجے میں مندرجہ بالا حرام افعال اور ظلم سرزد ہوتا ہے۔ اس لئے اسلام نے اعتدال پسندی کا حکم دیا ہے۔ اعتدال پسندی نبوت محمد ﷺ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔

یہاں یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں کہ کتب مقدسہ سے معلوم ہوتا ہے اعتدال حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی علامات میں سے ایک علامت ہے۔ سبل الھدیٰ والرشاد میں دلچسپ واقعہ منقول ہے:

''عبداللہ بن سلام سے مروی ہے کہ زید بن سعنہ جو یہود کا بڑا جید عالم تھا، اس نے بتایا حضور ﷺ کی نبوت کی جتنی علامتیں ہماری کتب میں بیان کی گئی ہیں میں نے ان سب کا مشاہدہ کر لیا وہ حضور ﷺ میں تمام پائی جاتی ہیں مگر دو علامتیں ایسی تھیں جن کے بارے میں میں نے ابھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آزمائش نہیں کی تھی، وہ دو باتیں یہ تھیں:

ان یسبق حلمه جهله.

''اس کا حلم، اس کے جہل سے سبقت لے جاتا ہے''۔

ولا تزیده شدة الجهل الا حلما.

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جہالت اور حماقت کا جتنا مظاہرہ کیا جائے اتنا ہی حضور ﷺ کے حلم میں اضافہ ہوتا ہے''۔

میں لطائف الحلیل سے ان دو صفات کا حضور ﷺ میں مشاہدہ کرنا چاہتا تھا چنانچہ میں نے اس مقصد کے لئے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کھجوریں خریدیں اور ان کی قیمت نقد ادا کر دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کھجوریں میرے حوالے کرنے کے لئے ایک تاریخ مقرر فرما دی۔ ابھی اس میعاد کو دو دن باقی تھے کہ میں آ گیا اور کھجوروں کا مطالبہ کر دیا۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیض اور چادر کو زور سے پکڑ لیا اور بڑا غضب ناک چہرہ بنا کر آپ ﷺ کی طرف دیکھنا شروع کیا پھر میں نے حضور ﷺ کا نام لے کر کہا۔

''کیا تم میرا حق ادا نہیں کرو گے، اے عبدالمطلب کی اولاد! بخدا تم بہت ٹال مٹول کرنے والے ہو، مجھے

تمہاری اس عادت کا پہلے سے تجربہ ہے"۔

اس وقت حضرت فاروق اعظمؓ بارگاہ اقدس میں حاضر تھے انہوں نے جب ابن سعنہ کی یہ گستاخانہ گفتگو سنی تو اس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"ای عدو اللہ اتقول لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما اسمع"

اے اللہ کے دشمن! تم یہ بکواس اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں میری موجودگی میں کر رہے ہو، تمہیں شرم نہیں آتی"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمرؓ کی اس گفتگو کو بڑے سکون وتحمل کے ساتھ سنتے رہے اور مسکراتے رہے، پھر حضرت عمرؓ کو فرمایا:

انا وھو کنا احوج الی غیر ھذا منک یا عمر تامرنی بحسن الاداء و تامرہ بحسن اتباعۃ.

اے عمر! جو بات تو نے اسے کہی ہے ہمیں تو اس سے بہتر بات کی توقع تھی۔ تمہیں چاہئے تھا کہ مجھے کہتے کہ میں حسن وخوبی سے اس کی کھجوریں اس کے حوالے کردوں اور اسے کہتے کہ وہ اپنے حق کا مطالبہ شائستگی سے کرے۔ اے عمر جاؤ اور اس کا حق (کھجوریں) اس کے حوالے کردو اور جتنا اس کا حق ہے اس سے بیس صاع زائد کھجوریں اس کو دو تاکہ تو نے اسے جو خوفزدہ کیا ہے اس کا بدلہ ہو جائے اور اس کی دلجوئی ہو جائے۔

زید بن سعنہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ مجھے اپنے ہمراہ لے گئے اور اپنے آقا کے فرمان کی تعمیل کرتے ہوئے میری کھجوریں بھی میرے حوالے کردیں اور بیس صاع اس سے زیادہ بھی مجھے دے دیں۔ اس وقت میں نے حضرت عمرؓ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "اے عمرؓ! حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی جتنی علامات ہماری کتب میں مذکور تھیں ایک ایک کر کے ان سب کا مشاہدہ میں نے آپ ﷺ کی ذات میں کرلیا مگر دو علامتیں ایسی تھیں جن سے میں نے ابھی تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آزمایا نہ تھا۔ میں نے ان دونوں کو بھی آزمالیا ہے۔

فاشھدک انی رضیت باللہ ربا و بالاسلام دینا و بمحمد (صلی اللہ علیہ وسلم)[۶۹]

"آج میں اے عمرؓ آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں اس بات پر راضی ہو گیا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرا رب ہے، اسلام میرا دین ہے اور سرور انبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میرے نبی ہیں"۔

اس موقع پر مولانا ظفر علی خان نے کیا خوب کہا ہے ؎

رحمت کی گھٹائیں پھیل گئیں افلاک کے گنبد گنبد پر ۔۔۔ وحدت کی تجلی کوند گئی آفاق کے سینا زاروں میں

گر ارض و سما کی محفل میں لولاک لما کا شور نہ ہو ۔۔۔ یہ رنگ نہ ہو گلزاروں میں یہ نور نہ ہو سیاروں میں[۷۰]

اس موقع پر خادم خاص کی گواہی بھی ملاحظہ کرلیں! حضرت انسؓ آپ ﷺ کے خادم خاص تھے۔ بچپن سے جوانی تک خدمت کی، فرماتے ہیں: آپ ﷺ نے مجھے کوئی ایسا کام نہیں بتایا جس میں خود شریک نہ ہوئے ہوں، یا وہ کام میری طاقت سے

زیادہ ہو اور اگر کبھی کوئی کام غلط ہو گیا تو کبھی غصہ نہیں فرمایا۔[۴۸]

علماء اور صفت اعتدال پسندی:

اعتدال پسندی علامات نبوت میں سے ایک علامت ہے، علماء انبیاء کے وارث ہیں، ارشاد نبوی ﷺ ہے: العلماء ورثۃ الانبیاء علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ اس امت محمدیہ کی تا قیام قیامت رہنمائی اور اصلاح علماء کے کاندھوں پر ڈالی گئی ہے لیکن آج صورت حال یہ ہے کہ علماء میں یہ صفت وخوبی ناپید ہوتی جا رہی ہے۔ مسلمان مسلمان کو، ایک مکتبہ فکر دوسرے مکتبہ فکر کو ایک عالم دوسرے عالم کو برداشت کرنے پر تیار نہیں۔ اس انارکی کے نتیجہ میں آج تک علماء متحد نہ ہو سکے اور اس ملک میں اسلام کا نفاذ نہ ہو سکا۔ معاشرہ بد سے بدتر ہوتا جا رہا ہے، ہندوستان کے ایک مشہور عالم دین حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے بارے میں لکھا کہ ان کے ایک مخالف عالم نازیبا الفاظ میں خطوط لکھا کرتے تھے۔ جب مولانا گنگوہی آخری زمانے میں آنکھوں سے معذور ہو گئے تو ایک دفعہ اپنے خادم خاص سے فرمایا کہ کافی دنوں سے میرے دوست کا خط نہیں آیا کیا وجہ ہے؟ حالانکہ خطوط ان کے آتے تھے، مگر ان خطوط کو جو ان کی جانب سے آتے تھے خادم پڑھ کر اس لئے نہیں سناتے تھے کہ ان خطوط میں صرف مغلظات کے سوا کچھ نہیں ہوتا تھا۔ فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ اس کے باوجود کوئی کام کی بات بھی ہو سکتی ہے۔ جو میری اصلاح کا باعث بنے۔ اسی طرح برصغیر کے ایک اور بہت بڑے عالم دین حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ہیں ان کے بارے میں لکھا ہے:

حضرت تھانویؒ کی عالی حواصلگی ہی کا نتیجہ تھا کہ دشمنوں کی گالیاں سنتے رہے، مگر کبھی ایک جملہ ان کے خلاف لکھنا برداشت نہیں تھا۔ ہندوستان کے ایک عالم کے ماننے والوں اور خود انہوں نے بھی بہت کچھ مولانا کے خلاف لکھا، اذیتیں دیں، مگر وہ اعتدال پسندی کا مظاہرہ کرتے رہے،،۔

خود لکھتے ہیں:

''میں اپنے مخالفین کے جذبات پر بھی رعایت کرتا ہوں، ان پر نیک نیتی کا بھی احتمال رکھتا ہوں اور صبر تو ہر حال میں کرتا ہوں۔ ان مولانا کے جواب میں کبھی ایک سطر بھی نہیں لکھی، کافر، خبیث، ملعون خود بنتا رہتا ہوں''۔

اسے کہتے ہیں سنجیدگی اور عالی ظرفی، نفس مسئلہ کی تحقیق تو ضروری ہے، مگر کسی کی ذات کو نشانہ طعن وتشنیع بنانا، یہ کوئی اچھا کام نہیں۔ اور ایک ہمارا یہ زمانہ ہے کہ بیٹا نہ باپ سے اعتدال پسندی کا مظاہرہ کرتا ہے اور نہ شاگرد استاد سے، کوئی ایک کہتا ہے تو دس سنتا ہے، تہذیب وشائستگی، متانت وسنجیدگی کا نام ونشان مٹتا جا رہا ہے۔ حضرت تھانویؒ دوسروں کی تنقید وتنقیص سے گھبراتے نہیں تھے، بلکہ فرمایا کرتے تھے کہ ممکن ہے تنقید کرنے والے کی نیت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ہو، اور اگر اس کی نیت ناحق رنج دینے کی ہو، تو اس نے اپنی عاقبت خراب کی، ہم کو صبر کا ثواب ملا، اور اسی کے ساتھ فرمایا کرتے:

''نیز ایسے واقعات سے بعض اوقات اپنی کوتاہیوں پر نظر کے اصلاح کی توفیق ہو جاتی ہے اور اگر یہ بھی نہ

ہوتو کم از کم معتقدین کی عنایت سے جو عجب و کبر پیدا ہو گیا تھا، یا پیدا ہو سکتا تھا، اس سے ازالہ یا انسداد ہو جاتا ہے''۔

دیکھ رہے ہیں حکیم الامت کے فہم کا عالم کہ کتنا اونچا سوچا کرتے تھے، اور دشمنوں کے تیر و نشتر کو اپنے لئے کس طرح کارآمد ثابت کرتے تھے۔ یہ تھی عالمی اور مصلحانہ شان، برا ماننے اور برا کہنے کا آخر حاصل ہوتا بھی کیا، اس طریق کار میں کتنی بدگمانیوں سے نجات مل گئی اور کتنی نیکیاں حصے میں آ گئیں۔ ایک ہمارا یہ دور ہے کہ اچھی چیزوں کے بھی لوگ برے عمل تلاش کرتے ہیں اور اپنے ہی خواہ اور دوستوں کی نیتوں پر حملے سے اجتناب نہیں کرتے اور پھر اسے بنیاد بنا کر وہ صلواتیں سناتے ہیں کہ خدا حافظ، نہ تہذیب و تمدن کا لحاظ ہوتا ہے اور نہ علمی وقار کا۔[۴۹]

اعتدال پسندی کی اہمیت:

اعتدال پسندی کی اسی اہمیت کے پیش نظر اس کی خصوصی تعلیم دی گئی ہے اور مسلمانوں کی صفت بتائی گئی ہے ارشاد ربانی ہے:

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ[۵۰]

''مسلمان مرد و خواتین کی صفت یہ ہے وہ غصہ برداشت کرتے ہیں اور (لوگوں کی زیادتیوں) سے درگزر کرتے ہیں۔''

دوسری جگہ فرمایا:

اگر کوئی برا سلوک کرے تو تم اس کی برائی کا بدلہ اچھائی سے دو پھر تمہارے اور اس کے درمیان جو دشمنی ہو گی وہ خود بخود ختم ہو جائے گی۔[۵۱]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پہلوان وہ نہیں جو دشمن کو پچھاڑ دے بلکہ پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے اوپر قابو رکھے۔[۵۲] ایک صحابیؓ نے کہا مجھے کوئی ایسی نصیحت فرمائیں جس پر عمل کر کے میں جنت میں چلا جاؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا لاتغضب غصہ مت کر[۵۳] وجہ یہ ہے کہ انتہاء پسندی بہت سی برائیوں اور فتنوں کا سبب ہے۔

اعتدال پسندی کی صفت پیدا کرنے کا طریقہ:

انسان کا ماحول یا اس کی تربیت اسے غیر متوازن بنا دیتی ہے۔ اسلام انسان کی شخصیت میں ایک توازن قائم رکھنا چاہتا ہے اگر کوئی شخص اپنی اصلاح کرنا چاہے تو اسے اصلاح کی طرف رہنمائی بھی کی گئی ہے۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

اذا غضب احد کم وھو قائم فلیجلس[۵۴]

جب تم میں سے کوئی عدم برداشت و غصہ کا شکار ہو تو کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اس طرح اس کا غصہ قابو میں آ جائے گا۔

انسان اعتدال پسندی ضرور کرتا ہے لیکن کبھی مجبوری سے کبھی بے بسی سے باپ اولاد کی نافرمانیوں کو عوام حکمران کے ظلم کو لیکن اپنے دشمن اور خون کے پیاسوں بلکہ خونیوں کو اعتدال پسندی اختیار کرنا صفت پیغمبری ہے۔

غیر مسلم کی تائیدی وتصدیقی رائے:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انہی اعلیٰ تعلیمات کی تصدیق کرتے ہوئے ٹی ڈبلیو آرنلڈ لکھتے ہیں:

آخر میں یہ کہنا ہے کہ جب انسانیت سنورتی نظر آئے گی اور لوگوں کی آنکھوں پر سے تعصب نفرت عداوت اور حقارت کی عینکیں اتر جائیں گی تو ان کو محسوس ہوگا کہ اسلام کی تعلیمات دنیا کے لئے ابر رحمت تھیں۔ ان کے سچے پیروؤں نے اپنی عملی زندگی میں انسانی ہمدردی، رواداری، فراخدلی اور سیر چشمی کی جو مثالیں پیش کیں۔ ان ہی میں دنیا کی فلاح و بہبود کا راز مضمر ہے ابھی اس حقیقت کو دریافت کرنے کا شاید وقت نہیں آیا ہے لیکن جب یہ حقیقت دریافت ہو جائے گی تو دنیا کا انسان اپنے کو از سرنو دریافت کرنے میں کامیاب ہو جائے گا مگر یہ بھی واضح رہے کہ اسلام رواداری محبت شائستگی اور معقولیت کی تعلیم ضرور دیتا ہے لیکن ایسی عاجزی و مسکینی کی بھی تعلیم نہیں دیتا ہے کہ اس کے پیرو ہر ظالم کے لئے نرم چارہ بن کر رہ جائیں۔ جو لوگ ظالم کا رویہ اختیار کریں ان کے ساتھ ان کے ظلم کی نوعیت کے لحاظ سے ان کا مقابلہ کرنے کی بھی تلقین کی گئی ہے۔ ظالموں کے مقابلہ میں نرم و شیریں بننا بھی صحیح نہیں کیونکہ ایسے ظالم شرافت کو کمزوری اور مسکنت تصور کرنے لگیں گے۔[۵۵]

اس لئے قرآن پاک میں ہے کہ اہل کتاب سے بحث نہ کرو مگر عمدہ طریقہ سے سوائے ان لوگوں کے جو ان میں سے ظالم ہیں۔[۵۶]

تجاویز

انتہاء پسندی اور تشدد روکنے کے لئے قومی اور بین الاقوامی سطح پر حسب ذیل اقدامات فوری طور پر ضروری ہیں۔

۱۔ مسلمان زیادہ سے زیادہ حضور ﷺ کی سیرت مبارکہ کے اس پہلو کا جس میں عفو و درگزر اور برداشت و حلم کا تذکرہ ہے، مطالعہ کریں بلکہ تعلیمی نصاب میں اس قسم کے پہلو کو نمایاں مقام دیں۔

۲۔ بین الاقوامی سطح پر سیمینار کروائیں اور غیر مسلم ممالک سے زیادہ سے زیادہ روابط بڑھائیں تاکہ غیر مسلم دنیا تعصب کے خول سے باہر نکلے۔

۳۔ انتہاء پسندی کا مسئلہ آج بلا شبہ بین الاقوامی مسئلہ بن گیا ہے، اس کے لئے بین الاقوامی سطح پر کانفرنس کروائی جائیں بالخصوص اس میں محققین کو مدعو کر کے انتہاء پسندی دہشت گردی اور جہاد کے درمیان فرق واضح کر کے انتہاء پسندی کے محرکات پر بحث کریں۔

۴۔ حکومت پاکستان اور تمام مسلم ممالک مختلف ممالک اور مذاہب کے علماء اور دانشوروں کے درمیان رابطے کروائیں تاکہ ان کے دلوں میں مسلمانوں کا جو منفی رجحان پایا جاتا ہے اس پر قابو پایا جا سکے۔

۵۔ انتہاء پسندی اور تشدد کے پس منظر میں اقتصادی عوامل بھی کارفرما ہوتے ہیں لہٰذا مسلم امہ اپنی اقتصادی حالت سودی نظام سے بچتے ہوئے بہتر بنائے، بالخصوص سائنس کے شعبہ کی طرف از حد توجہ دیں۔

۶۔ انتہاء پسندی روکنے کے لئے علماء دین اسوہ حسنہ کی روشنی میں فرقہ واریت کو روکنے کی کوشش کریں چنانچہ علماء کی اہم ذمہ داریوں میں یہ پہلو نمایاں مقام رکھتا ہے۔

۷۔ اس کی روک تھام کے لئے سیاسی کوششوں کے علاوہ عوام کے مسائل کی طرف بھی پوری توجہ دیں، ہمارے ملک میں اس کا بڑا فقدان ہے، اس لئے انتہاء پسندی اور جرائم روز بروز بڑھتے جا رہے ہیں۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ الف...... قاضی عیاض، الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ا:۳: طبع مصر۔
ب...... امام راغب اصفہانی "المفردات فی غریب القرآن، تحت مادہ حلب، ص:۱۲۹ طبع مصر
ج...... لغت کی دوسری کتابیں مثلاً لسان العرب، القاموس، محیط اور منجد وغیرہ تحت مادہ حلم۔

۲۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:
الف...... مشکوۃ المصابیح باب الرفق والحیاء وحسن الخلق و باب الغضب والکبر
ب...... امام غزالی: احیاء علوم الدین:۳: ۲۱۸ تا ۲۲۲، طبع قاہرہ ۱۳۸۷ھ، ۱۰۶۷ء
ج...... ابن ابی الدنیا: مکارم الاخلاق مع مکارم الاخلاق للطبرانی، ص:۲۶ تا ۳۲، نیز ص:۳۲۰ تا ۳۲۲ طبع بیروت لبنان ۱۴۰۹ھ، ۱۹۸۹ء۔

۳۔ الف...... صحیح مسلم (باب فضل الرفق) ج:۲، ص:۳۲۲ طبع کراچی
ب...... مشکوۃ المصابیح باب الرفق والحیاء وحسن الخلق
ج...... ریاض الصالحین (باب الحلم والاناہ والرفق) ص:۲۸۴ تا ۲۸۶، طبع مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور

۴۔ مشکوۃ المصابیح باب الرفق والحیاء وحسن الخلق

۵۔ مشکوۃ المصابیح (باب الامانۃ) ص:۱۰۰ طبع کراچی

۶۔ الکاسانی، بدائع الصنائع (مترجم) ج:ا ص:۵۱۳ طبع مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور

۷۔ سورہ التوبہ/۲۸

۸۔ ابوبکر جصاص رازی، احکام القرآن ۳:۹:ا طبع مصر

۹۔ ایضاً

۱۰۔ سورہ النساء/۹۴

۱۱۔ الف...... علامہ ابن نجیم حنفی، البحر الرائق ۵: ۱۲۴ طبع دار الکتب العربیہ بیروت

ب...... ملا علی قاری حنفی شرح فقہ اکبر ص: ۱۹۹ طبع مجتبائی دہلی

ج...... امام عبد الوہاب شعرانی الطبقات الکبری ص/۱۳، (مقدمہ) طبع مصر

۱۲۔ سورہ الانعام/۱۳

۱۳۔ سورہ الاعراف/ ۱۹۹ تا ۲۰۰

۱۴۔ الف...... ابن ابی الدنیا (م ۲۸۱ھ) مکارم الاخلاق ص/۳۲ طبع بیروت لبنان ۱۳۰۹ھ، ۱۹۸۹ء

۱۵۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو:

الف...... ابن ابی الدینا مکارم الاخلاق ص/۲۶ تا ۲۸ طبع بیروت

ب...... مستدرک حاکم ۲: ۱۸ھ طبع حیدر آباد دکن ۱۳۴۲ھ

ج...... امام غزالی، حیاء علوم الدین ۳: ۲۱۸۔۲۲۲ طبع قاہرہ ۱۳۸۷ھ۔ ۱۹۶۷ء

۱۶۔ سورہ آل عمران/۳۴

۱۷۔ تفسیر ماجدی ج۔ ۱ص/ ۱۵۵ (تحت آیت) مطبوعہ تاج کمپنی لاہور ۱۹۵۶ء

۱۸۔ مشکوہ المصابح (صباب الغضب والکبر) ص ۴۳۴ طبع کراچی

۱۹۔ سورۃ الشوریٰ/ ۳۷

۲۰۔ الف...... صحیح بخاری (کتاب الادب باب الحذر من الغضب) ج/۲ص/۹۰۳ طبع کراچی

ب...... جامع ترمذی (ابواب البر والصلۃ باب ماجاء فی کثرۃ الغضب) ص/۲۹۶ طبع کراچی

ج...... مشکوۃ المصابح (باب الغضب والکبر) ص/۴۳۴ طبع کراچی

۲۱۔ مشکوۃ المصابح (باب الغضب والکبر) ص/۴۳۳ طبع کراچی

۲۲۔ الف...... صحیح بخاری (کتاب الادب باب الحذر من الغضب) ج/۶ ص/۲۹۶ طبع کراچی

ب...... صحیح مسلم (کتاب البر والصلۃ والادب باب فضل من یملک نفسہ عند الغضب) ج/۲ص/۳۲۶ طبع کراچی

ج...... سنن ابی داوٗد (کتاب الادب باب من کظم غیظا) ج/۲ص/۶۵۹ طبع کراچی

۲۳۔ الف...... مشکوۃ المصابح (باب الحذر والتانی فی الامور) ص ۴۲۹ طبع کراچی

ب...... مکارم الاخلاق للطبرانی (مع مکارم الاخلاق لابن ابی الدنیا) ص ۳۲۲ طبع بیروت لبنان

ج...... ریاض الصالحین (باب الحلم والاناۃ والرفق) ص ۲۷۴ طبع مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور

۲۴۔ بخاری ج/۳ص/ ۳۹۵

۲۵۔ سیرت النبی ﷺ حصہ دوم ص/ ۲۱۱

۲۶۔ بخاری کتاب الجنائز ج/ ۱ص/۳۴۳

۲۷۔ معارف القرآن، بذیل سورۃ المنافقون

۲۸۔ علامہ شبلی نعمانی، علامہ سید سلیمان ندوی، سیرت النبی ﷺ حصہ دوم ص/۲۱۳

۲۹۔ مسلم حدیث نمبر ۲۰۱۴

۳۰۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج/۱۹/ص/۱۲۹

۳۱۔ ڈاکٹر حمید اللہ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی ص/۳۲۶

۳۲۔ ڈاکٹر حمید اللہ عہد نبوی میں نظام حکمرانی ص/۷۵

۳۳۔ حیات محمد ﷺ ص/۲۷۰

۳۴۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری، رحمۃ للعالمین ج/۱/۳۰۱ص/۳۰۵

۳۵۔ صحیح بخاری قتل حمزہ تفصیل کے لئے سیرت النبی ﷺ ج/۲/ص/۳۱۴

۳۶۔ مشکوۃ: کتاب الادب، نیز سیرت النبی ﷺ ج/۲/ص/۲۱۵

۳۷۔ سورہ آل عمران آیت ۱۰۳

۳۸۔ سورہ البقرہ آیت ۱۱۳

۳۹۔ تفسیر ابن کثیر اردو ترجمہ ج/۱/ص/۴۶۲

۴۰۔ Noel O'sullivan, Terrorisrm, Ideology and revolution, p22

۴۱۔ World Almanac and Book of facts p.959

۴۲۔ Paul Wilkinson and A.M. Stewart, Contemporary Research on Terrorism, p.55-56

۴۳۔ سید ابو الاعلیٰ مودودی سیرت دو عالم ص/۷۵۷

۴۴۔ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر پیغمبر اعظم ﷺ ص/ 639

۴۵۔ بخاری

۴۶۔ سبل الہدیٰ والرشاد محمد بن یوسف الصالحی، مطبوعہ القاہرہ ۱۹۷۲ء ج/ 7 ص/۳۰۶

۴۷۔ ہم اور ہمارے رسول، مولانا ظفر علی خان دختر خاتون مشرق اردو بازار ص/۵۳

۴۸۔ پیغمبر اخلاق ساجد الرحمٰن ص/۲۴۳

۴۹۔ علماء دیو بند کی یادگار تحریریں مرتب ابو حذیفہ محمد اسحاق ملتانی ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان ۱۹۹۸ء ج ا ص ۴۱۲۔۴۱۳

۵۰۔ سورہ آل عمرن ۳/۱۳۴

۵۱۔ سورہ فصلت ۴۱/۳۴

۵۲۔ ریاض الصالحین محی الدین ابی زکریا النووی مترجم عابد الرمن سعید اینڈ سنز کراچی ص/ ۳۹۷

۵۳۔ موطا امام مالک ج ۲/ص ۹۰۵۔۹۰۶، کتاب حسن الخلق باب ماجاء فی الغضب

۵۴۔ مسند احمد ج/۵/ص/۱۵۲ سنن ابو داؤد حدیث نمبر ۴۷۸۲

۵۵۔ اسلام میں مذہبی رواداری صباح الدین عبدالرحمٰن مطبع معارف دار المصنفین اعظم گڑھ انڈیا ۱۹۷۸ء ص ۱۵۔۱۶

۵۶۔ سورہ العنکبوت ۲۹/۴۶

دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اس کا خاتمہ، تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

محمد مشتاق کلوٹا، کراچی

اسلام انسانیت کو سنوارنے کے لئے اس دنیا میں آیا ہے۔ مسلمانوں کا رب سارے جہاں کا رب ہے۔ اس کی بڑی صفت یہ ہے کہ وہ ''رحمٰن و رحیم'' ہے۔ اس کے کلام کا سر عنوان ہی ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' ہے۔ اس کی پہلی سورۃ ہی بسم اللہ کے بعد ''الحمد للہ رب العالمین'' کے الفاظ سے شروع ہوتی ہے۔ اس کی تین سو سے زائد آیتوں میں اس کی صفت رحمت کا ذکر ہے۔ مسلمان اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنے والے ہیں وہ رحیمی و کریمی سے انحراف اپنے ایمان میں نقصان سمجھتے ہیں ان کا عقیدہ ہی یہ ہے کہ وہ دنیا کے لئے رحمت ہیں اس لئے وہ رحمت للعالمین کے پیرو ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ذات وہ عالی ذات ہے جو کہ تن تنہا اس پوری کائنات کا مالک ہے۔ اس کے قبضہ قدرت میں دونوں جہاں کے خزانے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی عالی ذات ازل سے ہے اور ابد تک رہے گی۔ اللہ تعالیٰ نے آج سے چودہ سو سال پہلے سے لیکر قیامت تک آنے والی ساری بنی نوع انسان کی رشد و ہدایت کے لئے حضرت محمد، احمد مجتبیٰ، معلم اعظم، ہادی برحق، رحمتہ اللعالمین، محسن انسانیت، پیغمبر اعظم، سید البشر، انسان کامل، مدینۃ العلم، ناشر حکمت، بے مثال مربی، رسول رحمت، مایہ ناز منتظم، دعائے خلیل، نوید مسیحا، رحمدل فاتح، انسان کامل، عاقل مقنن اور سلسلہ قدسی کے دُرِ شہوار کو دنیا میں بھیجا۔

آپ ﷺ کی تعلیمات اور آپ ﷺ کا طرز عمل پوری دنیا کے انسانوں کے لئے باعث تقلید اور بہترین ماڈل ہے۔ اللہ رب العزت قرآن عظیم میں فرماتا ہے کہ

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ [1]

اسلام تہذیبی اور جغرافیائی اعتبار سے دنیا کے ایک پسماندہ ترین خطے میں آیا۔ حضرت محمد ﷺ نے جاہل عربوں کو دنیا کی اعلیٰ ترین قوم بنا دیا اور انسانی تاریخ میں پہلی مرتبہ ایک ایسا جامع نظام پیش کیا جو روحانی اور مادی ہر دو اعتبار سے انسانی مسائل کے حل اور اس کے ارتقا اور ارتفاع کا ضامن ہے۔ [2]

اسلام دنیا کا ایک عظیم مذہب ہے۔ اس نے بے کیف اور افلاس زدہ زندگیوں کو وقار اور معنویت دی ہے۔ اس نے مختلف نسلوں کے لوگوں کو بھائیوں کی طرح جینا اور مختلف عقائد کے لوگوں کو باہمی رواداری کے ساتھ پہلو بہ پہلو رہنا سکھایا۔ اس نے ایک عظیم تہذیب کو فیضان بخشا، جس میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ دوسرے لوگوں نے بھی تخلیقی اور سودمند زندگی بسر کی اور جس نے اپنے حاصلات (Achievements) کے ذریعے پوری دنیا کو ثروت مند بنایا۔ [3]

اسلام کی تعلیمات اپنے حقوق کے حصول کے لئے استحصالی قوتوں سے نبرد آزما مسلمانوں کو اپنی جدوجہد انسانیت کی

حدود کے اندر رکھنے کا پابند بناتی ہے اور انہیں یہ اجازت ہرگز نہیں دیتی کہ وہ اس شرعی جدوجہد میں معصوم اور نہتے لوگوں کی جانیں لیں انہیں دہشت زدہ کریں ان کی املاک کو نقصان پہنچائیں اور ان میں خوف و ہراس پھیلا کر اس کائنات میں فتنہ فساد اور تباہی و بربادی کا موجب بنے ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''اور زمین پر فساد مت پھیلاؤ بے شک اللہ فساد کا موجب بننے والوں کو پسند نہیں کرتا''۔[۴]

مختلف مذاہب اور اقوام میں مذہبی انتہا پسندی:

ہندو تعلیمات:

ہندومت تعلیمات کا خلاصہ ''دھرم کے مخالفوں کو زندہ آگ میں جلا دو، دشمنوں کے کھیتوں کو اجاڑ دو، گائے، بیل اور لوگوں کو بھوکا مار کر ہلاک کر دو، جس طرح بلی چوہے کو تڑپا تڑپا کر مارتی ہے اسی طرح دشمنوں کو تڑپا تڑپا کر ہلاک کرو۔[۵] لیکن جب انگریز کی پشت پناہی میں ہندوؤں نے مسلمانوں کے خلاف منظم کارروائیاں شروع کیں تو مسلمانوں کے بارے میں ان کے خیالات کیا تھے اور ہندوؤں کے رہنماؤں کی کیا ہدایات تھیں اس کا اندازہ ڈاکٹر کشیوراؤ بلی رام کی اس رائے سے کیا جا سکتا ہے کہ ''ہندوستان کا پورا کو چک ہندوؤں کا ہے جو اس میں ہزار ہا سال سے رہتے سہتے چلے آئے ہیں اور مسلمان دنیا کے اس خطے میں اجنبی اور غیر ملکی ہیں۔[۶]

قیام پاکستان سے قریباً ۳۰ سال قبل ہی ہندوؤں کی جانب سے مسلم کش فسادات شروع ہو گئے تھے۔[۷]

۱۹۲۷ء میں سکھر میں ایک جلسہ عام سے خطاب کے دوران مہاشہ پرتاب سنگھ نے علی الاعلان ہندوؤں کو کہا تھا ''اگر تم ایک گئے کی خاطر کراچی سے لیکر مکہ تک تمام مسلمانوں کو ختم کر دو تو بھی تھوڑا ہے، ہندو دھرم میں جانوروں کا گوشت کھانا منع ہے لیکن مسلمانوں کا خون پینا جائز ہے کسی ہندو کو اس کے پینے میں پس و پیش نہیں کرنا چاہئے''۔[۸]

ہندوؤں کی مذہبی کتب مقدسہ عدم برداشت اور قتل و غارت گری سے بھری ہوئی ہیں۔ یجروید میں لکھا ہے۔ یہ اگنی۔ غارت گری کی جنگ میں مال غنیمت لائے۔[۹] رگ وید میں لکھا ہے کہ ہر بد گو کو قتل کر دے اور جو کوئی ہم کو خفیہ طریقوں سے تکلیف پہنچائے اسے برباد کر۔[۱۰] اے مینو (غضب کا دیوتا) ہم سے لڑنے والوں پر غالب آ، توڑے جا، قتل کئے جا، دشمنوں کو کچلے جا۔[۱۱]

آج بھی ہندوستان میں نچلی ذات کے ہندوؤں کا وقفہ وقفہ سے قتل عام ہو رہا ہے۔ بابری مسجد تک شہید کر دی گئی ہے۔ ہزاروں مسجدیں سیل پڑی ہیں۔ گولڈن ٹیمپل پر حملہ کر کے اس کو تباہ کیا گیا اور ملک بھر میں سکھوں کا قتل عام کیا۔[۱۲]

یہودیت:

یہودیوں کے تشدد اور انتہا پسندی کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن نے جہاں یہ بتایا کہ اللہ کی نشانیوں کا انکار کرتے ہیں[۱۳] نقص عہد کرتے ہیں[۱۴] وہیں ان کا سب سے بڑا جرم یہ بیان کیا ہے کہ یقتلون الانبیاء بغیر حق[۱۵] ناحق انبیاء کا قتل

کرتے ہیں، ہمارے سامنے یہودیوں کی کوئی مسلم کتاب نہیں بلکہ بقول ڈاکٹر حمید اللہ کچھ زمانہ کے حملہ آوروں، کچھ احبار کی تصحیف، کچھ کچھ امتداد زمانہ کے سبب اصل کتاب ناپید ہو چکی ہے۔[۱۶] یہود نے اپنے معاصر اہل مذہب پر زیادتیاں کیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بقول متی انجیل کے صلیب پر چڑھا دیا گیا، پیٹ پھاڑ کر انتڑیاں نکال دی گئیں۔[۱۷] جبکہ قرآن کہتا ہے کہ نہ سولی دی گئی نہ قتل کیا گیا۔[۱۸] خود یہود کے ساتھ عیسائیوں نے انتہا پسندی کا مظاہرہ کیا بخت نصر نے ان کا قتل عام کیا، بیت المقدس کو آگ لگا دی، ان کی مذہب کتب جلا دی، بحران میں اتفاقاً یہودی قتل ہو گئے تو حمیری یہودی حکمران ذونواس نے عیسائیوں کا قتل عام کیا۔[۱۹] یشوع کے متعلق آتا ہے ''انہوں نے ان سب (مفتوحین) کو جو اس شہر میں تھے کیا مرد، کیا عورت، کیا جوان، یا بوڑھا، کیا بھیڑ اور کیا گدھا سب کو تہ تیغ کیا''[۲۰] ۱۰۹۹ء میں فتح یروشلم کے موقع پر یہودیوں نے ستر ہزار مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔[۲۱]

عیسائیت اور مجوسیت:

عیسائیت اپنے دور ابتلاء میں صلاح وآشتی، عفو ودرگزر کی تبلیغ کرتا رہا لیکن اقتدار حاصل کرنے کے بعد عیسائیوں نے بجائے عفو ودرگزر سے کام لینے کے اپنے مخالفین سے عبرتناک انتقام لیا، کلیسا کا دستور تھا کہ ہر مخالفت کو بزور شمشیر کچلا جائے گا۔ غیر مذہب کے لوگوں کے لئے عیسائی بننے یا موت کے سوا کوئی راستہ نہ تھا، ایک راستہ تھا، شدید ایذا کا اور دوسرا ناقابل برداشت جسمانی اذیت کا۔[۲۲]

معروف مسلم اسکالر محمد مارما ڈیوک پکتھال کہتے ہیں کہ ''کیا یہ سچ نہیں کہ ہسپانیہ اور اپالیہ میں مسلمانوں کا ایسا قتل عام ہوا کہ ان ممالک میں مسلمانوں کا نام لیوا بھی باقی نہیں رہا یہ سچ نہیں ہے کہ یونان کی ۱۸۲۱ء کی بغاوت میں مسلمانوں کو چن چن کر یوں قتل کیا گیا کہ ان کا نام ونشان مٹ گیا اور ان کی مسجدوں کی لفظاً ومعناً اینٹ سے اینٹ بجا دی گئی۔[۲۳] ایران کے نزدیک ہر غیر ایرانی وحشی اور باغی تھا اور یہی سبب تھا کہ یہ سلطنتیں جنگ میں ہر اخلاقی اقدار کو پامال کرتیں اور ایک دوسرے کے خلاف عدم برداشت کا مظاہرہ کرتی تھیں۔[۲۴] ۵۷۰ء میں حبشہ کے عیسائی حکمران ابرہہ نے کعبہ پر حملہ کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ابابیل کے ذریعہ پورا لشکر نیست ونابود کر دیا۔ اس حملے کا بنیادی سبب کلیسائے صنعاء کی اہانت کا بدلہ لینا تھا۔[۲۵]

عربوں میں اسلام سے قبل اور اسلام کے بعد:

عرب کسی اخلاقی ضابطہ کے پابند نہیں تھے، غارت گری پسندیدہ مشاغل میں تھا اس لئے جنگ کو حرب (غصہ) نار (آگ) روع (خوف) یوم کریہہ (مصیبت کا دن) وغیرہ سے تعبیر کرتے تھے۔[۲۶] جنگ کے مقاصد مال غنیمت حاصل کرنا، جذبہ تفاخر ہوتا تھا۔ دشمن کا مثلہ کرنا، اعضاء کاٹنا، زندہ جلا دینا معمولی وجہ کی باتیں تھیں۔[۲۷]

سبعہ معلقات جو ادب جاہلیہ کا منتخب کلام ہے اس سے عرب تہذیب کی خونخواری عدم برداشت اور پُرتشدد پہلو بخوبی نمایاں ہوتے ہیں عمر بن کلثوم کہتا ہے ''بے شک ہم جھنڈوں کو جنگ کے گھاٹ سفید لے کر جاتے ہیں اور جب وہ خون سے

سیراب ہو کر سرخ ہو جاتے ہیں تو انہیں واپس لاتے ہیں جب ہم کسی قوم کی طرف اپنی چکی لے جاتے ہیں تو وہ لڑائی میں اس آٹا بن جاتی ہے۔ ہمارے نوجوان ایسے ہیں جو قتل ہو جانے کو باعث شرف سمجھتے ہیں۔ [۲۸]

اسلام تاریخ عالم کا ایک حیرت انگیز اور اہم ترین باب ہے۔ اسلام نے نہ صرف عربوں کی کایا پلٹ دی بلکہ اس نے نوع انسانی پر بہت بڑا احسان کیا۔ اسلام نے علم کو عوام کی ملکیت بنا دیا۔ اس نے انسان اور اللہ میں براہ راست رشتہ قائم کیا۔ گبن کے الفاظ میں ''اسلام ایک ایسا انقلاب تھا جس نے اقوام عالم کی سیرت پر ایک نئی پائیدار مہر ثبت کر دی'' اسلام نے عوام کو اس فرسودہ تہذیب سے باہر نکالا جس نے صدیوں سے ان کے حقوق غصب کر رکھے تھے۔ اسلام نے عوام کو ذہنی اور اخلاقی پستیوں سے نکال کر انہیں تہذیب و تمدن کی رفعتوں تک پہنچا دیا۔ [۲۹]

اسلام کا مادہ اشتقاق ''سلم'' ہے جس کے معنی سلامتی پانے اور محفوظ رہنے کے ہیں۔ اس مفہوم میں یہ لفظ حدیث میں استعمال ہوا ہے۔

''المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويديه'' [۳۰]

ترجمہ: مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔

حضرت جابرؓ کی رایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''دشمن سے جنگ کی تمنا نہ کرو اور اللہ سے عافیت کی دعا کرو کیونکہ تم نہیں جانتے کہ جنگ کی صورت میں تمہیں کیا حالات پیش آئیں گے'' [۳۱]

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''اسلم'' یعنی فرماں بردار بن جاؤ تو حضرت ابراہیم نے جواب دیا ''اسلمت لرب العالمین'' یعنی میں نے تمام جہانوں کے رب کی فرماں برداری اختیار کیا۔ [۳۲]

معروف برٹش مستشرقہ کرین آرم اسٹرانگ نے لکھا ہے کہ ''محمد ﷺ ایک ایسے مذہب و روایت کے بانی تھے جس کی بنیاد تلوار اور جبر پر نہیں تھیں۔ مغربی پروپیگنڈے اور افسانے کے باوجود اسلام کا نام امن اور صلح کا مفہوم رکھنے والا ہے''۔ [۳۳]
حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے سوا دوسرے تمام مذاہب کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ نام نہاد امن کے دعویداروں نے خود انسانیت کے خون سے کرہ ارضی کو سرخ بنا کر رکھ دیا ہے۔ [۳۴]

''ان تمام غزوات و سرایا میں جو آنحضرت ﷺ کے زمانے میں پیش آئے مسلمانوں کے مجموعی طور پر ۲۵۹ افراد شہید اور ۱۲۷ افراد زخمی ہوئے جبکہ مخالفین کے مقتولین کی تعداد ۷۵۹ اور اسیروں کی تعداد ۶۵۶۴ ہے۔ اس طرح ان جنگوں میں کل ۱۰۱۸ افراد قتل، ۱۲۷ زخمی اور ۶۵۶۵ قید ہوئے۔ (مسلمانوں کا ایک اسیر بھی شامل ہے)'' [۳۵] ''دشمن کے جتنے لوگ مدنی زندگی کے دس سالوں میں مرے ان کی تعداد اوسطاً مہینہ دو بھی نہیں اور کل دو سو چالیس افراد بھی مخالفین کے نہیں مرے جبکہ مسلم مقتولوں کی تعداد اس سے بھی کم ہے'' [۳۶]

رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا مقصد:

حضرت آدم علیہ السلام سے نبوت کا جو سلسلہ شروع ہوا وہ خاتم المرسلین حضرت محمد ﷺ پر آ کر اپنی تکمیل کو پہنچ گیا اور ختم ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے انبیا کرام جو کمالات علیحدہ علیحدہ عطا فرمائے تھے نبی آخر الزمان ﷺ کی ذات میں وہ تمام شامل کر دیئے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے انسانوں ہی میں سے رسول بھیجے کیونکہ انسان کی رہنمائی کے لئے انسان ہی رسول ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ[۳۷]

ترجمہ...... ''وہی اللہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ وہ اسے تمام دینوں پر غالب کر دے''۔

آپ ﷺ سے پہلے انبیا کی نبوت کسی خاص قوم یا ملک کے لئے ہوتی تھی مگر آپ ﷺ کی نبوت قیامت تک کہ تمام انسانوں کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا[۳۸]

ترجمہ...... (اے محمد) آپ کہہ دیجئے اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

آپ ﷺ کی شریعت نے آپ ﷺ سے پہلے آنے والی انبیا کی شریعتوں کو منسوخ کر دیا اب صرف شریعت محمدی پر عمل کیا جائے گا۔ ارشاد ربانی ہے کہ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ[۳۹]

ترجمہ...... اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو تلاش کرے گا سو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

آپ پر اللہ کے دین کی تکمیل ہو گئی۔ آپ ﷺ کو وہ دین کامل عطا فرمایا گیا جو تمام انسانیت کے لئے کافی ہے اس لئے کسی دوسرے دین کی اب کوئی ضرورت نہیں رہی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔[۴۰]

ترجمہ...... آج کے دن میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو بطور ابدی دین کے منتخب کر لیا۔

محمد ﷺ صاحب کی زندگی پر جب ہم وچار کرتے ہیں تو یہ بات صاف نظر آتی ہے کہ ایشور نے ان کو سنسار سدھارنے کے لئے بھیجا تھا۔ ان کے اندر وہ شکتی موجود تھی جو ایک گریٹ ریفارمر (مصلح اعظم) اور ایک مہاپُرش (ہستی اعظم) میں ہونی چاہئے۔[۴۱]

مذہبی انتہا پسندی:

درمیان سے دور ہٹ کر، کنارے کھڑے ہونے کو ''تطرف'' کہتے ہیں۔ اصلاً، اس لفظ کا استعمال شروع شروع میں محسوس اور مرئی چیزوں کے لئے ہوتا تھا مثلاً کنارے بیٹھنا، کنارے چلنا، لیکن پھر بعد میں اس کا استعمال معنوی چیزوں کے لئے ہونے لگا مثلاً دینی انتہا پسندی، فکری اور نظریاتی انتہا پسندی اور رویہ میں انتہا پسندی۔[۴۲]

حقیقت یہ ہے کہ آج کل لوگوں کی زبان پر رجعت پسندی، انتہا پسندی، جمود اور تعصب کے جو الفاظ چڑھے ہوئے ہیں۔ ان کے مفہوم کی وضاحت اور تجدید نہایت ضروری ہے۔ انہیں یوں ہی نہیں چھوڑ دینا چاہئے کہ ہر گروہ اپنی پسند کے مطابق انہیں استعمال کرے اگر ایسا ہوا تو دائیں بائیں بازو والے تمام فکری گروہ اور اجتماعی حلقے اپنی اپنی پسند کے مطابق جیسے اور جو چاہیں گے ان کی شرح کریں گے۔[۴۳]

دنیا کا کوئی بھی مذہب ایسا نہیں جو کہ فتنہ فساد اور انتہا پسندی کی اجازت دیتا ہو۔ بوسنیا اور سرب، کوسو اور سرب کی لڑائیاں مذہبی نوعیت کی لڑائیاں بن چکی ہیں۔ سوڈان میں مسلمان اور عیسائی ایک دوسرے کے ساتھ رہنا برداشت نہیں کر رہے ہیں۔ فلپائن کے مذہبی عیسائی، مسلمانوں کو برداشت کرنا ناممکن خیال کرتے ہیں۔ مسلمانوں کا مورو نیشنل فرنٹ اور فلپائن حکومت کے درمیان چھاپہ مار لڑائیوں کا سلسلہ جاری ہے۔[۴۴] اسی طرح ایتھوپیا اور اریٹیریا میں مسلم اور عیسائی باہمی جنگ میں مبتلا ہیں۔ سری لنکا میں بدھ اور ہندوؤں کی باہم لڑائیوں میں بھی مذہب کو بنیاد بنا دیا گیا ہے۔[۴۵]

قرآن وحدیث میں انتہا پسندی کی تعبیر لفظ ''غلو'' سے کی گئی ہے:

اسلام کی راہ اعتدال پسندی کی راہ ہے۔ ہر چیز میں اعتدال، تصور اور عقائد میں، عبادت اور زہد میں، اخلاق اور رویہ میں، معاملات اور قانون سازی میں، اسی راہ کا نام اللہ نے ''صراط مستقیم''۔[۴۶] رکھا۔ یہ راہ ان دینی اور فکری گروہوں کی راہ سے الگ ہے جن پر اللہ کا غضب ہو۔[۴۷] یا جو راہ پانے کے بعد کھو بیٹھے اور جن کی راہوں پر غلو اور افراط وتفریط کی چھاپ پڑی ہوئی ہے۔ اسلام اعتدال پسندی کی تعلیم دیتا ہے، انتہا پسندی سے خبردار کرتا ہے نیز اس کے لئے قرآن وحدیث میں جو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں ان میں غلو، تنطع اور تشدید کے الفاظ بھی ہیں۔ اسلام غلو کو انتہائی ناپسند کرتا ہے نیز لوگوں کو اس سے شدت کے ساتھ خبردار کرتا ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ **ایا کم و الغلو فی الدین فانما ھلک من قبلکم بالغلو فی الدین۔**[۴۸]
ترجمہ ''تم دین میں غلو کرنے سے بچو، تم سے پہلے لوگ دین میں غلو ہی کے باعث ہلاک ہوئے۔

حجۃ الوداع کے موقع پر جب آنحضرت ﷺ مزدلفہ پہنچے تو آپ ﷺ نے حضرت ابن عباسؓ سے فرمایا ''منیٰ میں رمی جمار کے لئے کنکریاں لاؤ'' حضرت ابن عباسؓ نے چھوٹی چھوٹی کنکریاں چُن کر آپ ﷺ کو دیں، آپ ﷺ نے ان کنکریوں کو ہاتھ میں لیکر فرمایا ''ہاں ایسی ہی کنکریاں اور تم دین میں غلو سے بچو تم سے پہلے کے لوگ دین میں غلو ہی کے باعث ہلاک ہوئے، یعنی لوگوں کو شدت اور انتہا پسندی کا رویہ نہیں اپنانا چاہئے۔[۴۹]

جب آپ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری کو یمن روانہ فرمایا تو یہ نصیحت کی ''نرمی کرنا، سختی نہیں، خوشخبری سنانا، متنفر نہ کرنا، مل جل کر رہنا، باہمی اختلاف سے بچانا۔[۵۰] رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''دین آسان ہے اور جو انتہا پسندی کا رویہ اپنائے گا تو وہ مغلوب ہو جائے گا، پس سیدھی اور میانہ روی کی راہ اپناؤ اور بشارت حاصل کرو''[۵۱]

قرآن مجید میں ۹۰ سے زیادہ بار صبر کا ذکر ہے اور ۱۶ مقامات پر صبر و برداشت کا حکم ہے۔ امام احمد بن حنبل کہتے ہیں

نصف ایمان صبر ہے اور نصب ایمان شکر ہے [۵۲]

انتہا پسندی کے مظاہر:

☆ انتہا پسندی کیا ہے؟

انتہا پسندی کی اولین علامت یہ ہے کہ کسی رائے کے تئیں ایسی طرفداری کی جائے اور ایسی عصبیت برتی جائے کہ دوسروں کی رایوں کو تسلیم کرنے کے لئے کوئی گنجائش نہ رہ جائے۔

☆ غیر ضروری پابندیاں:

آسانی کی گنجائش ہوتے ہوئے شدت پسندی کا رویہ اپنانا اور دوسروں کے لئے اسے لازم قرار دینا جبکہ اللہ نے اسے لازم نہ قرار دیا ہو دینی انتہا پسندی کا دوسرا مظہر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ"۔ [۵۳]

ترجمہ...... اللہ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے سختی نہیں چاہتا۔

☆ موقع و محل سے اعراض:

شدت پسندی اور سخت گیری کے سلسلے میں موقع محل کو نظر انداز کر دینا بھی ناپسندیدہ ہے۔

☆ سختی اور خشونت:

ہدایت ربانی اور طریق نبوی ﷺ کے برخلاف، معاملات میں سختی، رویہ میں خشونت اور دعوت و تبلیغ کے باب میں ترش کلامی سے کام لینا انتہا پسندی کی علامت ہے۔ شدت اور سختی کا جتنا خراب اثر دعوت و تبلیغ کے کام پر پڑتا ہے اتنا اور کسی چیز پر نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَ الْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ"۔

ترجمہ......"لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کے راستے کی طرف بلاؤ اور بہت ہی اچھے طریقے سے ان سے مباحثہ کرو۔ [۵۴]

☆ بدگمانی:

بدگمانی بھی انتہا پسندی کی علامت ہے۔ دوسروں کی تئیں بدگمانی کا رویہ اپنانا، انہیں ایسے سیاہ عینک سے دیکھنا جو ان کی اچھائیوں کو چھپا دے اور ان کی برائیوں کو بڑھا چڑھا کر دکھائے، انتہا پسندی کے لوازمات میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اس سلسلے میں ارشاد ہے کہ "یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ"۔

ترجمہ......"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو بہت گمان کرنے سے پرہیز کر بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ [۵۵] ارشاد رسول

اللہ ﷺ ہے کہ "ایاکم والظن، فان الظن اکذب الحدیث"۔

ترجمہ.....اپنے آپ کو بدگمانی سے بچاؤ، بے شک بدگمانی بڑی جھوٹی بات ہے۔[۵۶]

☆ تکفیر کی کھائی:

یہ انتہا پسندی اس وقت اپنی آخری حد پر پہنچ جاتی ہے جب یہ دوسروں کو خطا کار مان کر ان کی جان و مال کو مباح قرار دے دیتی ہے۔ اسی انتہا پسندی کے روگ میں پہلے خوارج مبتلا ہو گئے تھے۔ مفتی محمد شفیع صاحب نے اپنی کتاب جواہر الفقہ میں ضابطہ کفر کے ذیل میں لکھا ہے کہ "اگر کسی خاص شخص یا کسی خاص جماعت کے متعلق حکم بالکفر میں تردد ہو خواہ تردد کے اسباب میں علماء کا اختلاف، خواہ قرآن کا تعارض ہو یا اصول کا غموض تو اسلم یہ ہے کہ نہ کفر کا حکم لگایا جائے نہ اسلام کا حکم اس کی نظیر وہ حکم ہے جو اہل کتاب کی مشتبہ روایات سے متعلق احادیث میں وارد ہے کہ لاتصدقوا اھل الکتاب ولا تکذبوھم وقولوا امنا باللہ وما انزل الینا" یعنی اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب اور کہو ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو اس نے اتارا ہم پر۔[۵۷]

☆ مغربی میڈیا:

مغربی میڈیا اور اس کے دانشوروں نے مسلمانوں کو اشتعال انگیز ناموں بنیاد پرست (Fundamentalist) دہشت گرد (Terrorist) جنونی (Fanatics) انتہا پسند (Extremist) سے یاد کر کے اپنے خلاف مسلمانوں کے غصے کی لہر میں اضافہ کیا۔[۵۸]

انتہا پسندی کے اسباب:

☆ خلافت فطرت تو خلاف طبیعت امور

☆ عزت نفس کی مجروحی

☆ غصب حقوق

☆ خیانت اور بددیانت

☆ غداری اور دغا بازی

☆ ظلم و بربریت

☆ بغض و عداوت

☆ بہتان طرازی

☆ وعدہ خلافی

☆ دور خاین

☆ بے حیائی و فحش گوئی

دہشت گردی:

The word terrorism was first used in France to describe a new system of government adopted during the French Revolution (1789-1799) regime de la terreur (Reign of Terror) was intended to promote democracy and popular rule by ridding the revolution of its enemies and thereby purifying it. However,

the oppression and violent excesses of the terreur transformed it into a feared instrument of the state. From that time on, terrorism has had a decidedly negative connotation. The word, however, did not gain wider popularity until the late 19th century when it was adopted by a group of Russian revolutionaries to describe their violent struggle against tsarist rule. Terrorism then assumed the more familiar antigovernment associations it has today. [۵۹]

انگریزی زبان میں دہشت کے لئے لفظ Terror استعمال ہوتا ہے جس کے معنی ہیں حد درجہ خوف، کسی شخص یا چیز کو خوفزدہ کرنا اسی طرح دہشت گردی کے لئے استعمال ہونے والا لفظ Terrorism ہے جس کے معنی ہیں تشدد اور دھمکی کا استعمال۔

What is Terrorism?

The systematic use of terror (such as bombing, killing and kidnappings) as a means of forcing some political objective when used by a govt, it may signal efforts to stifle dissat; used by insurrectionists or guerrillas, it may be part of an overall effort to effect desire political change. [۶۰]

More than 2,000 years ago the first known acts of what we now call terrorism were perpetrated by a radical offshoot of the Zealots, ■ Jewish sect active in Judea during the 1st century AD. The Zealots resisted the Roman Empire's rule of what is today Israel through a determined campaign primarily involving assassination. Zealot fighters used the sica, a primitive dagger, to attack their enemies in broad daylight, often in crowded market places or on feast days-essentially wherever there were people to witness the violence. Thus, like modern terrorists, the Zealots intended their actions to comunicate a message to wide target audience: in this instance, the Roman occupation forces and any jews who sympathized or collaborated with the invaders. [۶۱]

مغربی لٹریچر اور اسلامی لٹریچر میں بنیاد پرستی کی اصطلاحات مختلف معانی میں استعمال ہوئی ہیں۔ اس لئے اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ اسلام میں بنیاد پرستی کیا ہے اور اس کے کیا معنی ہیں؟ اسلام میں بنیاد پرستی یہ ہے کہ اسلام کی پانچ بنیادوں پر اپنی فکر ونظر اور کردار وعمل کو استوار کیا جائے۔ ان بنیادوں میں ایک عقیدہ توحید ہے اور چار دوسرے اعمال ہیں۔ اعمال میں سے زکوۃ تو صرف صاحب نصاب پر فرض ہے۔ حج صاحب استطاعت پر زندگی میں ایک بار فرض ہے اور روزہ کھانے پینے سے رکنے کا نام ہے جو کفار بھی کرتے ہیں لہٰذا اسلامی بنیاد پرستی کا عملی مظہر صرف نماز ہے اسی لئے اسے دین کا ستون اور مسلم وکافر

میں فرق بتایا گیا ہے۔ پس یہ ہے ایک مسلمان کی بنیاد پرستی کہ اس کا عقیدہ درست ہو اور وہ نمازی ہو۔ یعنی وہ خدا کو واحدہ لاشریک مانتا ہو اور نماز کا پابند ہو۔

it has only been fifty years, but with the power of the world media, the Zionist leadership now feels free to do whatever it wants to destroy the Palestinian people. Millions of people, women and children, are in poverty in refugee camps. The blood of innocent people is being shed, because the cause of this violence continues to exist, namely Zionism. Just lately, on the 3rd of October 2001, one of the greatest Zionist leaders has boasted that he controls America, even though we are forbidden to interfere in politics. [۲۲]

لیکن یورپ میں جس چیز کا نام بنیاد پرستی ہے اسلام میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس لئے ان دونوں اصلاحات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔ یورپ میں بنیاد پرستی جن معنوں میں مستعمل ہے ان میں سے بعض معنوں کے اعتبار سے ایک مسلمن بنیاد پرست ہوتا ہے مثلاً یورپی بنیاد پرستوں کا یہ دعویٰ تھا کہ بائبل حرف بحرف کلام الٰہی ہے یہی دعویٰ قرآن کے بارے میں مسلمان کا ہے۔ قرآن کریم حرب بحرف کلام الٰہی ہے اور درست ہے یہ اور بات ہے کہ اہل یورپ کا دعویٰ سو کے قریب مختلف الالفاظ انجیلوں کی موجودگی میں ثابت ہے یا نہیں جبکہ قرآن کریم کی روایت میں ایک لفظ کا اختلاف بھی آج تک ثابت نہیں کیا جا سکا اور الفاظ قرآن کے بارے میں ایک ''اختلاف بہرحال ہوا کہ قرآن کے الفاظ مخلوق ہیں یا نہیں'' یہ اختلاف اہل سنت اور معتزلہ کے درمیان ہوا اس میں اہل سنت کا مسلک یہی ہے کہ یہ الفاظ کلام الٰہی ہیں۔ [۲۳]

مغربی میڈیا اکثر و بیشتر یہ تاثر دیتا ہے کہ ''بنیاد پرستی'' کے نام سے مشہور مذہبی جدوجہد جو بعض اوقات متشددانہ بھی ہو جاتی ہے ایک خالصتاً اسلامی مظہر ہے جبکہ معاملہ یہ نہیں ہے۔ بنیاد پرستی ایک عالمی (گلوبل) حقیقت ہے اور ہماری جدیدیت کے جواب میں ہر بڑے عقیدہ میں رونما ہو چکی ہے۔ بنیاد پرستانہ یہودیت ہے، بنیاد پرستانہ عیسائیت ہے، بنیاد پرستانہ ہندومت ہے، بنیاد پرستانہ بدھ مت ہے، بنیاد پرستانہ سکھ مت ہے اور یہاں تک کہ بنیاد پرستانہ کنفیوشس مت بھی موجود ہیں۔ [۲۴]

بنیاد پرستی کا مفہوم جو بھی ہو، اس کا تشدد کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے دنیا میں اس وقت مسلمانوں کے جو گروہ جہاد و مزاحمت کرتے ہیں ان کا بنیاد پرستی سے کوئی تعلق نہیں بلکہ ان کے خلاف ظلم ہو رہا ہے ان کے حقوق غصب کئے جا رہے ہیں اور وہ ظلم کے خلاف جہاد اور اپنے حقوق کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں ان کے لئے اہل مغرب کی جانب سے بنیاد پرستی کی پھبتی کسنا ایک کھلا نفاق ہے۔ نیز جو لوگ دنیا کے مختلف مقامات پر تشدد کرتے ہیں چاہے ان کے اسباب مذہبی ہوں یا سیاسی ہوں یا معاشی ہوں دنیا کو چاہئے کہ وہ ان کے حقیقی اسباب معلوم کرے۔ آئرلینڈ کے لوگ جو تشدد کرتے ہیں وہ عیسائیت کی تعلیم نہیں ہے یا جنوبی افریقہ میں سفید فاموں نے جو کچھ کیا اگرچہ وہ عیسائی تھے مگر عیسائیت کی یہ تعلیم نہیں ہے اسی طرح اگر کسی جگہ بعض مسلمان اپنے معاشی، سیاسی اور مذہبی حقوق کے لئے جدوجہد کرتے ہیں تو ان کو صرف بنیاد پرستی کہہ کر رد کر دینا کوئی معقول رویہ نہیں

ہے۔ [۶۵]

I do not differentiate between war and terrorism. Terrorism is war and war is terrorism. if you look at the historical role of violence in the world, we see that violence has had a profound effect on the history of the world. Regardless of one's thoughts on violence, it is impossible to understand the world in which we live, without examining which acts of violence have helped to create the world in which we now live. All the empires, of which the British Empire was the most recent, now replaced by the American empire, we see that it too was built on violence and world conquest. When I was born in 1925, 20% of the world's population was govermed by London. All of this was built on violence. if you look at all empires, Greek, Roman, and so forth, all were built on violence, and could not exist had it not been for acts of violence. [۶۶]

اقتصادی دہشت گردی:

مغرب نے عالم اسلام کی تمام آبی گزرگاہوں پر یا تو قبضہ کرلیا ہے یا ان پر اپنی بالادستی قائم کررکھی ہے۔ مغرب نے اپنی خانہ زاد ایجنسیوں مثلاً یو این او اور عمودی تفوق اور جبری اجارہ داری کا سہارا لیکر تمام گزرگاہوں پر قبضہ کرلیا ہے۔ مغرب نے عمودی تفوق اور جبری اجارہ داری کا سہارا لیکر اس بات کی بھرپور کوشش کررہا ہے کہ عالم اسلام کی تمام معدنیات پر اپنی اجارہ داری قائم کرلے۔ مذکورہ قوتوں کو سہارا لیکر نئے حربوں سے سارے عالم کی زراعت پر اپنی اجارہ داری قائم کرنے کے لئے کوشاں ہے۔ انہیں حربوں کا استعمال کر کے عالم اسلام کے تمام انسانی وسائل کو اپنا غلام اور اپنی ملک بنانے کی تدبیر ہو رہی ہے۔ بعض مخصوص تدابیر عالم اسلام میں پائے جانے والے تمام عقلی، ذہنی اور فنی صلاحیتوں اور قوتوں پر اپنی اجارہ داری قائم کرنے کے لئے مغرب اسلام کا گلا گھوٹنا شروع کر چکا ہے۔ ۱۹۱۶ء، ۱۹۲۳ء، ۱۹۸۴ء، ۱۹۵۱ء، ۱۹۶۷ء اور ۱۹۶۹ء کی کارروائیوں ۱۹۷۸ء کے کیمپ ڈیوڈ معاہدہ ۱۹۹۱ء کے جنگ خلیج اور اسرائیل معاہدہ کی سازشوں سے یہودیوں نے دارالاسلام کے قلب یعنی دارالامن اور جزیرہ العرب کی کلی حصار میں لے لیا ہے۔

دنیا کی عسکری قوت ہو یا سیاسی قوت یہ سب یہودی مالی قوت کے زیرنگین ہو چکے ہیں۔ چنانچہ دنیا کی ساری دولت سارے وسائل و ذرائع دراصل ان کے مالی نظام کا حصہ بن چکے ہیں۔ اس وقت اگرچہ اس کلی اجارہ داری کو بعض مصلحتوں کے تحت تین ادارے چلا رہے ہیں جو سراسر یہودی ہیں یعنی واحد قطب امریکہ، ماقبل کی تیسری قوت کا دوسرا شعبہ یعنی آئی ایم ایف اور عالمی بینک اور تیسری قوت کا پہلا شعبہ براہ راست یہودی عالمی مالی نظام۔ [۶۷]

مضبوط معاشی ممالک کو یہ گوارا نہیں کہ دوسرے ممالک بھی اپنی معیشت مستحکم کریں چنانچہ اس مقصد کے لئے دنیا میں

باقاعدہ جنگوں کے سلسلے شروع ہیں۔ عراق امریکہ جنگ کا ایک اہم پہلو بھی معاشی اجارہ داری کا قیام ہے۔

عربوں کا روایتی عدم اتحاد جسے مغربی طاقتیں جو عربوں کے تیل کی فراہمی پر اپنا کنٹرول رکھنے میں دلچسپی رکھتی ہیں جان بوجھ کر بڑھاتی ہیں۔[۶۸]

مالیاتی کنٹرول کا حصول بھی اقتصادی دہشت گردی کا ایک حصہ ہے پوری دنیا کو مالی شکنجے میں کس کر اپنا غلام بنانا ہے تاکہ پھر ان سے مرضی کے کام لئے جاسکیں۔ کریڈٹ کارڈ کا اجراء، ناپسندیدہ افراد اور ادارے چاہے وہ دینی ہو یا دنیوی کے اکاؤنٹ منجمد کر کے اور دوسری حکومتوں پر دباؤ ڈال کر اس طرح کے کام کروانا دراصل امریکہ اقتصادی دہشت گردی کو فروغ دے رہا ہے۔ اس کا اصل مقصد اپنی بالادستی ہے اور ایسی بالادستی جس کے آگے کسی کو بھی آواز اٹھانے کی طاقت نہ ہو۔

آئی ایم ایف بھی اس مالیاتی دہشت گردی کا ایک مہرہ ہے۔ آئی ایم ایف دنیا کے ۷۵ ممالک کے معاشی اور اقتصادی فیصلے کرتا ہے۔ جس کی وجہ سے ان ممالک میں مغربی دنیا کے خلاف شدید نفرت پیدا ہو رہی ہے۔ پاکستان ۸۸ تک آئی ایم ایف کے دامن کا اسیر نہ تھا۔ اس قت صورتحال یہ تھی کہ ہماری مجموعی پیداوار کی شرح ترقی ۶.۳ فیصد سالانہ تھی۔ غربت کی شرح ۱۷ فیصد، سرمایہ کاری کی شرح تقریباً ۱۸ فیصد اور صنعتی شرح نمو تقریباً ۱۱ فیصد تھی۔ مگر جب معیشت کو آئی ایم ایف نے ''سہارا'' دیا تو یہ صورتحال ہوگئی کہ سالانہ شرح ترقی ۴ فیصد، غربت کی شرح ۳۴ فیصد، سرمایہ کاری کی شرح ۱۵ فیصد اور صنعتی شرح نمو ۲ فیصد پر آ گئی[۶۹]

معاشی بالادستی قائم کرنے کے لئے ہر قسم کے ہتھکنڈے استعمال کئے جا رہے ہیں۔ چنانچہ کسی بھی ملک کو برداشت نہیں کہ دوسرے ملک کی معیشت سنبھل جائے۔

امن وسلامتی کی راہ میں حقیقی رکاوٹ:

آج مغرب کی انسانی حقوق، تہذیب وتمدن، برداشت اور رواداری کی علمبردار دنیا عدم برداشت اور اسلام دشمنی کے موروثی نظریات کے تحت دوہرا معیار قائم کئے ہوئے ہیں۔ جب ایک قوم ساری دنیا کے نظام کو یکساں شکل دینے کی ذمہ داری سنبھال لے تو یہ دوسروں کو اپنے خلاف متحد ہونے کی دعوت ہے۔ ایک ایسی دنیا میں جہاں اس کا امکان ہے کہ جوہری اسلحہ صدی کے اختتام سے پہلے وسیع پیمانے پر تقسیم ہو، یہ امریکی عوام کی قومی سلامتی کے لئے کوئی خوش کن راستہ نہیں ہے۔

امریکی یونیورسٹی میں سیاسیات کے پروفیسر ٹونی اسمتھ کہتے ہیں ''امریکی طرز حیات، اقدار اور اداروں کو روبہ عمل لانے کی کوشش ناکامی کا اندیشہ ہے۔ اس لئے نہیں کہ امریکی طاقت محدود ہے بلکہ اس لئے کہ بڑے پیمانے پر اس کا استعمال بھی ان عقائد اور طریقوں میں اصلاح نہ کر سکے گا جو بنیادی طور پر امریکی طریقہ کے مخالف ہے۔ چین، مسلم دنیا یا روس کا امریکی مطالبوں کے آگے سپر ڈالنے کے لئے آمادہ ہونے کا آخر کیا امکان ہے؟[۷۰]

کالیمر جانسن کہتا ہے کہ ''امریکی افسران اور میڈیا عراق اور شمالی کوریا جیسی سرکش ریاستوں کے بارے میں بہت

کہتے ہیں لیکن ہمیں خود اپنے آپ سے پوچھنا چاہئے کہ کہیں امریکہ خود تو اس سرکش سپر پاور نہیں بن گئی۔ [۱]

سترہویں اور اٹھارہویں صدی تک یورپ میں بادشاہوں کے خلاف بغاوت کرنے والوں نے بھی چھوٹی موٹی دہشت گردی کی کارروائیاں کیں جن میں مسلمان کہیں ملوث نہیں تھے۔ امریکہ میں ابھرنے والی مزدوروں کی تحریک ملی گرے نے ۱۸۷۰ء سے ۱۹۱۰ء تک دہشت گردی کی بڑی کارروائیاں کیں۔

۱۸۸۶ء میں تاریخ کا پہلا بم دھماکہ ۱۹۰۵ء میں گورنر اسٹان برگ کا قتل ۱۹۱۰ء میں لاس اینجلس ٹائمز بلڈنگ میں بم دھماکہ اس کی مثالیں ہیں۔ اس عرصے میں زار روس کے خلاف مارزوف کی سربراہی میں بننے والی تنظیم Noro da Naya Volv نے دہشت گردی کی بڑی کارروائیاں کیں۔ ۱۹۰۱ء میں بننے والی ایک اور روسی تنظیم Boevaya نے سرکاری وزراء کے قتل سمیت متعدد کارروائیاں کیں۔ ۱۹۰۱ء سے ۱۹۱۱ء تک اس تنظیم نے ۲۰۰ سے زیادہ بڑی کارروائیاں کیں۔ جن میں روسی گورنروں اور بونگی، بگڑوالوچ، وزیر داخلہ بلیف کے قتل سمیت اوپیرا ہاؤس پر حملہ بھی شامل ہے۔ ۱۸۹۰ء سے ۱۹۱۴ء تک یورپ میں بھی دہشت گردی عروج پر رہی۔ ۱۸۸۱ء میں بننے والی انارکسٹ انٹرنیشنل نے ۱۸۹۳ء میں فرانس کے رہائشی گھروں کو بم سے اڑا دیا۔ یہاں اس بات کا ذکر کرنا بھی ضروری ہوگا کہ فدائی حملوں کی بنیاد بھی ۱۸۹۴ء میں اسی تنظیم نے چیمبر آف ڈیٹنز میں خودکش بم دھماکے سے ڈالی۔ فرانسیسی صدر کارنٹ اور اسپین کے وزیراعظم انتونیو کارنواس، آسٹریلیا کی فرمانروا ملکہ الزبتھ، اٹلی کے بادشاہ امرتو دہشت گردی کی کارروائیوں کی بھینٹ چڑھے۔ چین میں جوئے بازوں اور اسمگلروں کی سرپرستی میں بننے والی Boxer Relelliom نامی تنظیم دہشت گردی کی کارروائیاں کیں۔ [۲]

امریکہ نے خود ۱۳۰ ممالک میں مختلف اوقات میں مداخلت کی۔ [۳] عبدالمجید ساجد نے [۴]، ماہنامہ ساحل نے [۵] ولیم بیلم نے اپنی کتاب روگ سٹیٹ [۶] اور نوم چومسکی نے [۸] اپنی کتاب میں امریکی دہشت گردی اور مختلف ممالک میں مداخلت کی ۱۸۸۹ء تا ۲۰۰۳ء تک مکمل فہرست پیش کی ہے۔ جسے پڑھنے کی بعد نوم چومسکی کے الفاظ بالکل صحیح معلوم ہوتے ہیں جیسا کہ انہوں نے لکھا ہے کہ امریکہ دنیا کا سب سے بڑا دہشت گرد ملک ہے۔ [۹] امریکہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کا واحد رکن ہے جس نے تنہا دو تہائی قراردادیں ویٹو کیں۔ باقی کا پچاس فیصد برطانیہ نے استعمال کیا (دونوں ممالک نے [۸۰] فیصد ویٹوز استعمال کئے) [۸۱] گویا انہوں نے ہمیشہ دیگر اقوام سے طاقت کی زبان میں بات کی ہے، مساوات کی بنیاد پر نہیں یہی وجہ ہے کہ امریکہ کی دہشت گردی کے جواب میں دنیا بھر میں دہشت گردی کی لہر چل پڑی ہے۔ اس نظام کی ناکامی کا اس سے بڑھ کر بھلا اور کیا ثبوت چاہئے لیکن امریکہ صدر و اسٹیبلشمنٹ آج بھی اپنی عوام کو غلط رہنمائی کر رہے ہیں جس کا ثبوت جارج بش کا یہ بیان ہے کہ

American are asking why do they (terrorists) hate us they hate what we see right here in the chamber, a democratically elected government. Their leaders are self-appointed. They hate freedom, our freedom of religion,

our freedom of speech, our freedom to vote and assemble and disagree with each other. [۸۱]

ولیم بیلم کے بقول خود امریکہ دہشت گردوں کی جنگ کہلاتا ہے۔ امریکہ میں جو دہشت گرد تنظیمیں موجود ہیں ان میں سے کچھ یہ ہیں (۱) آرین نیشنز Aryan Nations (۲) بلیک لبریشن Black Liberation Army (۳) کرسچن پیٹریٹس ڈیفنس لیگ Christian Patriots Defence League (۴) کوویننٹ دی سورڈ اور آرم آف لارڈ C.S.A (۵) جیوش ڈیفنس لیگ Jwesh Defence League (۶) کوکلس کلان Kukluxklan (۷) میچیروس Macheteros (۸) موو Move (۹) نیو نازی Noe Nazi (۱۰) نیو ورلڈ لبریشن فرنٹ New World Liberation Front (۱۱) اومیگا Omega (۱۲) دی آرڈر The Order (۱۳) پوسے کومیٹیٹس Posse Comititus (۱۴) پورٹوریکن آرمڈ فورسز آ دی ریوولوشن Puerto Riccan Armed Forcess the Revolution (۱۵) اسکن ہیڈز Skin Heads (۱۶) سیمبیونیز لبریشن Sembionese Liberation Army (۱۷) یونائیٹڈ فریڈم فرنٹ United Freedom Front (۱۸) ویدر انڈر گراؤنڈ Weather Under ground ۔[۸۲]

گیارہ ستمبر ۲۰۰۱ء سے دنیا کی تاریخ تبدیل ہوگئی ہے امریکہ کے خلاف پہلی بار اسلحہ اٹھایا گیا یقیناً گیارہ ستمبر کا حملہ ایک ظالمانہ اقدام تھا لیکن غیر معمولی ہرگز نہیں تھا۔ برسوں سے دنیا اس سے کہیں زیادہ مظالم کا سامنا کر رہی ہے۔ امریکہ اور یورپ جسے چاہیں حملوں کا نشانہ بنائیں مگر وہ چاہتے تھے کوئی ان پر حملہ نہ کرے یہ امریکی تاریخ کا پہلا واقعہ ہے کہ بندوقیں ان کی سمت سیدھی کی گئی ہیں۔ یقیناً یہ تاریخ کا ایک ڈرامائی موڑ ہے۔ [۸۳]

بوسنیا، لبنان، افغانستان، کشمیر، فلسطین، عراق، چیچنیا، اور دنیا کے دیگر خطوں میں مسلمانوں کا لہو کتنا ارزاں ہے۔ بین الاقوامی دہشت گردی، فرقہ واریت اور اسلحہ کی دوڑ انتہا پسندی کی ہی قبیح شکلیں ہیں۔ قومی اور بین الاقوامی سطح پر انتہا پسندی کا رجحان لاقانونیت اور انارکی کا سبب بنتا ہے۔

مغربی دنیا نے ۱۴ اگست ۱۹۱۴ء کو جنگ عظیم اول کا میدان گرم کیا جو بعد ازاں ۱۵۵۶ دنوں تک جاری رہی جس میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد تقریباً ۹ ملین، شدید زخمی ہونے والوں کی تعداد ۲۲ ملین، اپاہج اور معذور ہو جانے والوں کی تعداد ۲۵ ملین بتائی جاتی ہے۔ اس جنگ پر ہونے والے اخراجات سے بلجیئم، روس، امریکہ، جرمنی، کینیڈا اور آسٹریلیا کے مکینوں کے لئے تمام آسائشوں اور لوازمات کے ساتھ ایک مکان بنایا جا سکتا ہے۔ [۸۴]

جبکہ دوسری عالمی جنگ میں ۳۵ ملین انسان ہلاک ہوئے، ۲۰ ملین ہاتھ پاؤں سے معذور ہوئے، ۱۷ ملین لیٹر خون زمین پر بہایا گیا۔ ۱۲ ملین حمل ساقط ہوئے، ۳۰ ہزار پرائمری، سیکنڈری اسکول، ۶ ہزار یونیورسٹیاں، ۸ ہزار لیبارٹریاں ویران و برباد ہوگئیں۔ [۸۵] امریکہ اور جاپان کی جنگ ۱۹۴۵ء میں امریکہ کی طرف سے جاپان اور دو چھوٹے بم گرائے گئے جس سے ہیروشیما میں ۷۰ ہزار افراد ناگاسا میں ۴۰ ہزار افراد ہلاک ہوئے اور اتنے ہی زخمی ہوئے۔ [۸۶]

اسلام کے بڑھتے ہوئے اثر ونفوذ کو روکنے کے اقدامات:

امریکن نیشنل سکیورٹی کونسل کی رپورٹ میں اسلام کے تیزی سے مقبول ہوتے ہوئے رجحانات اور اسلام پسند تحریکوں کے بڑھتے ہوئے اثر ونفوذ پر بھی خصوصیات کے ساتھ گہری تشویش کا اظہار کیا گیا ہے اور ان کی موثر روک تھام کے لئے درج ذیل اقدامات تجویز کئے گئے ہیں۔

۱۔ مسلمانوں کو آپس کے جھگڑوں اور اختلافات میں مصروف رکھا جائے گا تاکہ وہ کوئی بڑی قوت نہ بن سکیں اور امریکی مفادات کے خلاف ان کی مزاحمت تقویت نہ پکڑ سکے۔

۲۔ ان ریاستوں کی حکومتوں تبدیل کروادی جائیں گی جو نفاذ اسلام کے لئے سنجیدگی سے کوشش کر رہی ہیں۔ جن حکومتوں نے اسلام نافذ کرنے کی ابتداء کر دی ہے انہیں شرعی قوانین کے نفاذ سے روک دیا جائے گا اور شرعی قوانین کو بھی تبدیل کر دیا جائے گا۔

۳۔ موثر مشائخ اور علماء کو ذرائع ابلاغ کے ذریعے رائے عامہ کو متاثر کرنے کا موقع فراہم نہیں کیا جائے گا۔

۴۔ اسلام پسند عناصر (بنیاد پرستوں) کو کسی ملک میں بھی تعلیمی اداروں اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے عوام تک رسائل حاصل کرنے اور رائے عامہ ہموار کرنے کا موقع فراہم نہیں کیا جائے گا۔

۵۔ خلیجی ریاستوں میں مسلمانوں کو روزگار کے مواقع فراہم نہیں کئے جائیں گے بلکہ یہ افرادی قوت فلپائن، سری لنکا اور تھائی لینڈ سے حاصل کی جائے گی۔ ان لوگوں کے ذریعے خلیجی ریاستوں کی تہذیب وثقافت تبدیل کر دی جائے گی۔ اسلامی اقدار اور اسلامی رسومات کو ختم کر دیا جائے گا۔ وہاں پاکستان اور بنگلہ دیش کے افراد کو روزگار پر مکمل پابندی لگا دی جائے گی۔

۶۔ تمام ممالک کے تعلیمی اور ثقافتی اداروں میں اصلاحات لائی جائیں گی۔ ذرائع ابلاغ کے پروگراموں کو وسعت دی جائے گی۔

۷۔ اسلام پسند عناصر اور اسلامی قیادت پر سختی سے نظر رکھی جائے گی۔

۸۔ وہ ممالک جو سوڈان اور پاکستان کی طرح اسلامی نظریات اور سوچ کے حامل ہوں گے انہیں اختلافات اور مسائل میں مبتلا کر دیا جائے گا۔

انسانیت کے تمام مسائل کا حل۔ تعلیمات نبوی ﷺ کی پیروی:

Muhammad, may God bless him and grant him peace, warned his companions to avoid extremes - which he explained was the cause of the destruction of earlier communities. Terrorists it appears, feel that this

injunction does not apply to them. Terrorism is an act against God. Anyone who tries to justify such atrocities ultimately fails, since both the Sacred Law and theology abhor such acts as moral sins that run contrary to the essence of Islam. The Qur'an instructs Muslims in times of adversity to act with justice, perseverance and patience. Terrorists apparently never think of relating their acts to the elementary principle that Islam places great value on the sanctity of human life. If someone kills another person-unless it is in retaliation for someone else or for causing corruption in the earth- it is as if he had murdered all mankind' is a verse of the Qur'an, which is disregarded by the fanaticism of hate. [۸۷]

طلوع اسلام سے قبل جنگ و جدل، قتل و خون، انتہا پسندی اور عدم برداشت کی کئی مثالیں ہمیں نظر آتی ہیں۔ بقول ''ایام العرب کا ایک سلسلہ ہے جو خون کی موجوں کی طرح سارے جزیرہ میں پھیلا ہوا تھا۔[۸۸] عربوں کے دور جاہلیت میں جذبہ انتقام کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ عرب جو شراب پر جان دیتے تھے انتقال لینے سے قبل اپنے لئے شراب پینا حرام سمجھتے تھے۔[۸۹] اسلام نے عرب کے چرواہوں کو جو ظلم و ستم کے عادی تھے انسان بنا دیا اور ان کے اندر رحم و کرم، حلم و تواضع پیدا کر دی۔ ان میں پریم کے جذبات پیدا کر دیئے یہ لوگ جاہل اور وحشی تھے مگر چند ہی روز میں ان کو حکمرانوں کے اعلیٰ مرتبہ پر پہنچا دیا۔[۹۰] ہر مذہب یہ چاہتا ہے کہ دوسرے مذاہب ختم ہو جائیں اور ان سب کی جگہ ان کا مذہب لے لیں اور ہر مذہب میں جبر و زبردستی داخل کرنا جائز ہے لیکن اسلام اور داعی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دامن ان دونوں چیزوں سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ لَآ اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ[۹۱]

ترجمہ...... دین اسلام میں زبردستی نہیں ہے۔ ہدایت گمراہی سے الگ ہو چکی ہے۔

آپ ﷺ نے تمام عمر سنیاس (رہبانیت) اختیار کرنے کا اپدیش (تلقین) بھی نہیں دیا بلکہ یہ کہا کہ اس دنیا میں رہو اسے برتو اور یہ بھی بتایا کہ دنیا میں رہنے کے زریں اصول کیا ہیں اور یہاں رہ کر بھی ہمیں عزت اور شانتی کس طرح مل سکتی ہے۔[۹۲]

شریعت اسلامی دوسروں کے عقائد کے احترام کرتی ہے اور جبر و زبردستی سے عقائد کو دوسروں پر ٹھونسنے سے انکاری ہے جیسا کہ قرآن پاک میں رسول اللہ ﷺ سے مخاطب ہو کر کہا گیا ہے ''اَفَاَنْتَ تُکْرِهُ النَّاسَ حَتّٰی یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ''[۹۳]

ترجمہ...... ''اب کیا تو زبردستی کرے لوگوں پر کہ باایمان ہو جائیں''۔

یہی وجہ ہے کہ مورخین پورے یقین کے ساتھ اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے کسی قوم یا گروہ کو اسلام میں لانے کے لئے زبردستی نہیں کی حالانکہ کئی صدیوں تک وہ دنیا کی سب سے طاقتور قوم تھے۔ زوبدتسوان اپنی کتاب ''تاریخ شارلکن'' اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ

"مسلمانوں وہ واحد قوم ہیں جنہوں نے دینی غیرت اور رواداری کی روح کو دوسرے مذاہب سے تعامل کے دوران پیش نظر رکھا، انہوں نے اپنے دین کی اشاعت کی شدید خواہش کے باوجود ان لوگوں کو آزاد چھوڑا جو اپنے دین کو چھوڑ کر اسلام قبول نہیں کرنا چاہتے تھے"۔ [۹۴]

دور جدید میں عدل انصاف کا فقدان، منشیات کا استعمال، گداگری، سفارش، قحبہ گری، جرائم قتل، اغواء برائے تاوان، رشوت کی لعنت، دولت کی نمائش، کلاشنکوف، دہشت گردی، جوا وشراب نوشی، اسراف وتبذیر، سودی کاروبار، نوجوان طبقے میں عریانی اور فحاشی کا فروغ، تشہیر ماڈرن خواتین کے نت نئے بدلتے فیشن اور جسموں کی نمائش، ویڈیو، سی ڈی پلیئر اور انٹرنیٹ کا ناجائز استعمال، طبقاتی کشمکش، معاشرتی اونچ نیچ، بے روزگاری، منافقت، جھوٹ، ذخیرہ اندوزی، پتنگ بازی، آتش بازی بالخصوص شادیوں اور شب برات کے موقعوں پر، تعلیم برائے فیشن، مہنگے سکولوں میں بچوں کو داخل کرانا، موت کی فضول رسمیں، اتحاد کا فقدان، معاشرے میں غیبت کی کثرت اور فرقہ واریت یہ وہ معاشرتی اور سماجی برائیاں و مسائل ہیں جن سے آج پورا عالم دوچار ہے۔

حضرت محمد ﷺ کا پیغام عالمگیر اور آفاقی ہے۔ تعلیمات نبوی ﷺ میں ہمیں تمام انسانیت کے مسائل کا حل ملتا ہے۔ آپ ﷺ کی تعلیمات آفاقی تعلیمات ہیں جو پورے عالم کی رہنمائی کرتا ہے۔ یہ عربی کو عجمی اور عجمی کو عربی پر فوقیت کی نفی کرتا ہے۔ یہ ایک ایسے معاشرہ اور ایسے نظام حکمران کو تشکیل دیتا ہے جس میں امیر غریب، کالا گورا، سب کے سب آپس میں بھائی ہیں اور مساوی حقوق کے حامل ہیں اگر ان میں کوئی برتری رکھتا ہے تو صرف اور صرف تقویٰ کی بنیاد پر چاہے وہ امتیاز کسی کالے کو ہی کیوں نہ حاصل ہو۔

تہذیب مغربی آج اس واسطے دم توڑ رہی ہے کہ اس کے علمبرداروں نے قدرت کے خلاف بغاوت کی اس کی چمن بندی میں خلل ڈالا اس تہذیب کا سب سے زیادہ تباہ کن پہلو یہ ہے کہ اس نے روح و بدن میں افتراق پیدا کر دیا حالانکہ انسان کی کامل شخصیت روح و بدن کی تالیف و امتزاج سے عبارت ہے ان کے متوازی نشو ونما سے بڑھتی ہے اور ثمرور ہوتی ہے۔ عیسائیت نے بھی یہی غلطی کی اس نے رہبانیت کے تیشے سے جسم کو گھائل کیا تا کہ روح پیدا ہو مگر اس غیر طبعی تعلیم کا وہی نتیجہ ہوا جو ہونا چاہئے یعنی روح کی شمع بھی افسردہ ہو کر رہ گئی اور اہل کلیسا میں مزاج خانقاہی پیدا ہو گیا جس سے خود حاسہ مذہب مجروح ہو گیا۔

اسلامی معاشرہ باہمی خیر و فلاح کا نظام دیتا ہے۔ اسلامی ہمدردی اور ایثار کا حکم دیتا ہے۔ مغربی دنیا جو حقوق انسانی کی نقیب بننے کی کوشش کر رہی ہے بوسنیا، روانڈا، افغانستان اور کشمیر میں انسانی خون کی ہولی کھیلتی ہوئی دیکھ رہی ہے اور خاموش ہے۔ مغربی دنیا جانوروں سے بے حد محبت کرتی ہے اور جانوروں کے آرام کے لئے کئی کلب کھول رکھ رہے ہیں مگر بوسنیا میں مسلمانوں کی تذلیل اور قتل عام کا ان پر اثر تک نہیں ہوتا۔ مغربی تہذیب غالب تہذیب ہے اس لئے مسلم امہ اس تہذیب کی بھونڈی تقلید کرتی ہوئی نظر آ رہی ہے اور اس عمل میں اپنی کردار کشی کر رہی ہے۔ مغربی دنیا میں خاندان کا ادارہ تباہی کے کنارے پر پہنچ چکا ہے ہم نے ان کی تقلید کر کے بھلا کیا سیکھا ہے؟

ان حالات میں اتباع رسول ﷺ میں ہی ہماری نجات ہے۔ نیک اور صالح مائیں ان سماجی اور معاشرتی برائیوں کے خلاف اولاد میں نفرت پیدا کر سکتی ہیں۔ اسلام نظام کا نفاذ ہی ہماری کامیابی کا راز ہے۔ اسلامی معاشرہ بڑی تیزی کے ساتھ زوال پذیر ہو رہا ہے۔ آپ ﷺ نے خطبہ حجتہ الوداع کے موقع پر فرمایا۔

یایھا الناس انی قد ترکت فیکم ما ان اعتصمتم فلن تضلو ابداً کتاب الله، و سنته نبیه ﷺ [۹۵]

ترجمہ..... ''اے لوگو! میں تمہارے پاس ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر تم اسے مضبوطی سے پکڑو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔ اللہ کی کتاب اور اس کے نبی ﷺ کی سنت''۔

''رہنمائے کارواں انسانیت ﷺ کی سیرت ضیاء میں انسانیت کے اضمحلال اور تھکان کا مداوا تلاش کریں'' [۹۶]

آپ ﷺ کی تربیت کا یہ اثر تھا کہ حضرت زینبؓ ام المساکین کہلائیں، حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی گود میں حضرت فاطمہؓ جیسی ہستیاں پرورش پا سکتی ہیں ایلزبتھ ٹیلر کی گود میں محمد بن قاسم اور ٹیپو سلطان نہیں پل سکتے۔ معلم اعظم ﷺ ہی اخلاق اور حکمت کا سرچشمہ ہیں انہی کی اتباع میں ہماری نجات ہے جن کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُم مَّالَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ [۹۷]

ترجمہ..... ''تمہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور وہ تمہیں باتیں سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے''۔

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں مذہبی انتہا پسندی کے رجحان کا خاتمہ:

خاتم النبیین، سید المرسلین، رحمت للعالمین ﷺ نبی رحمت ہیں۔ آپ ﷺ کی پوری حیات مقدسہ اور سیرت طیب عفو و درگزر، رحمت و رافت اور مثالی مذہبی رواداری سے عبارت ہے۔ انسانیت کے محسن اعظم، ہادی عالم، رحمت مجسم، حضرت محمد ﷺ نے غیر مسلم اقوام اور اقلیتوں کے لئے مراعات، آزادی اور مذہبی رواداری پر مبنی ہدایات اور عملی اقدامات تاریخ انسانی کے اس تاریک دور میں روا فرمائے کہ جب لوگ مذہبی آزادی و رواداری سے ناآشنا تھے اور مذہبی آزادی و رواداری کے مفہوم و تصور سے انسانی ذہن خالی تھا۔ [۹۸] بحیثیت مسلمان ہمارا عقیدہ ہے کہ کرہ ارض پر ہماری کامیابی کا راز تعلیمات نبوی ﷺ میں مضمر ہے۔ جب تک ہم اپنے سفر کا آغاز ''منھاج النبوۃ'' کی روشنی میں نہ کریں تو ہماری کامیابی ممکن نہیں بلکہ ناکامی قطعی اور یقینی ہے۔ ہمیں بغیر لیت و لعل کے یہ حقیقت تسلیم کرنی ہو گی کہ تعلیمات نبوی ﷺ کے سوا ہمارا اور کوئی چارہ نہیں۔ [۹۹] ساتویں صدی عیسوی کے اوائل میں مذاہب کے دو عالمی مرکز اور سپر پاور ساسانی اور بازنطینی حکومتوں کا مذہبی عدم رواداری کے حوالہ سے کردار مشہور یورپین مصنف ایچ جی ویلس (H.G.Wells) کے مطابق:

''اب دنیا میں انسانوں کا کوئی ایسا طبقہ باقی نہیں رہا تھا جو زمانہ قدیم کے شرفاء کی طرح جرات اور آزادی خیالی کا حامی ہوتا اور قدماء کی تحریروں کی طرح تلاش و تحقیق یا جرات مندانہ اظہار خیال کا حامل ہوتا، اس طبقہ کے ختم ہونے کی خاص وجہ سیاسی اور سماجی افراتفری تھی۔ ساتھ ہی ایک وجہ اور بھی تھی جس کے باعث اس عہد میں انسانی ذہن کند اور بنجر ہو چکا تھا۔ ایران

اور بازنطینہ دونوں مملکتیں ایک نئے انداز کی مذہبی حکومتیں تھیں۔ جس میں آزادانہ اظہار خیال پر بھی کڑے پہرے بٹھائے دیئے گئے تھے۔ [۱۰۰]

ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں:

''آغاز اسلام کے وقت مذہبی تعصب (رواداری) اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ ہر مذہب اپنے سوا باقی تمام مذاہب کو جھوٹے اور نجات کے لئے قطعی ناموافق سمجھتا تھا۔ یہی نہیں بلکہ ستم ظریفی یہ تھی کہ اپنے مذہب کے اندر کسی اجنبی کو آنے کی بھی اجازت نہیں دیتا تھا۔ مذہب کو نسل اور پیدائش سے محدود کر دینے کی خودغرضی ہٹ دھرمی یہودیوں میں بھی تھی اور ہندوستان میں بھی۔ بلکہ انجیل متی کی روایت پر اعتماد کیا جائے تو خود عیسیٰ علیہ السلام فرما چکے تھے کہ میں صرف اسرائیل کے گھران کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے لئے آیا ہوں۔ مجھے باقی دنیا سے تعلق نہیں اور اپنے حواریوں یعنی فرستادوں اور مذہبی مبلغوں کو بھی حکم دیا تھا کہ وہ چار وانگ عالم میں تو جائیں لیکن وہ تبلیغ عیسائیت صرف اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں میں کریں۔ [۱۰۱] اس پر متفاد تصور یہ تھا کہ عمل کو کوئی اہمیت نہیں۔ ہمارے ہم مذہبوں میں داخل رہنا ہی اتنا بڑا عمل ہے کہ وہ نجات ابدی کے لئے کافی ہے۔ [۱۰۲]

انسانی جان کا احترام:

انسانی تمدن کی بنیاد جس قانون پر قائم ہے اس کی سب سے پہلی دفعہ یہ ہے کہ انسان کی جان اور اس کا خون محترم ہے۔ انسان کے تمدنی حقوق میں اولین حق زندہ رہنے کا حق ہے۔ اور اس کے تمدنی فرائض میں اولین فرض زندہ رہنے کا دینے کا فرض ہے۔ دنیا کی جتنی بھی شریعتیں اور مہذب قوانین ہیں ان سب میں احترام نفس کا یہ اخلاقی اصول ضرور موجود ہے جس قانون اور مذہب میں اسے تسلیم نہ کیا گیا ہو وہ نہ تو مہذب انسانوں کا مذہب و قانون بن سکتا ہے نہ اس کے ماتحت رہ کر کوئی انسانی جماعت پر امن زندگی بسر کر سکتی ہے نہ اسے کوئی فروغ حاصل ہو سکتا ہے۔ ہر شخص کی عقل خود سمجھ سکتی ہے کہ اگر انسان کی جان کی کوئی قیمت نہ ہو تو اس کا کوئی احترام نہ ہو، اس کی حفاظت کا کوئی بندوبست نہ ہو، تو چار آدمی کیسے مل کر رہ سکتے ہیں ان میں کس طرح باہم کاروبار ہو سکتا ہے۔ [۱۰۳]

احترام نفس کی جیسی صحیح اور موثر تعلیم اسلام میں دی گئی ہے وہ کسی دوسرے مذہب میں ملنی مشکل ہے۔ قرآن کریم میں جگہ جگہ مختلف پیرایوں سے اس تعلیم کو دل نشین کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے

لَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا [۱۰۴]

ترجمہ...... وہ اس جان کو جسے اللہ نے محترم قرار دیا ہے بغیر حق کے ہلاک نہیں کرتے اور نہ زنا کرتے ہیں اور جو کوئی ایسا کرے گا وہ کیئے کی سزا پائے گا''۔

آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ

کل المسلم علی المسلم حرام دمه و ماله و عرضه [۱۰۵]

ترجمہ...... ہر مسلمان کا سب کچھ دوسرے مسلمان پر حرام ہے، اس کا خون، اس کا مال اور اس کی عزت

اسلام کسی ایک شخص کی جان بچانے کو پوری انسانیت کی جان بچانے اور کسی ایک شخص کی ہلاکت کو پوری انسانیت کی ہلاکت سے تشبیہہ دے کر ایک طرف احترام انسانیت، تحفظ انسانیت اور بقائے انسان کی ضمن میں اپنی تعلیمات کا خلاصہ پیش کر رہا ہے اور دوسری طرف انسانوں کو باہمی تعامل میں کسی بھی طرح انسانیت کش سوچ اور سفا کانہ رویئے کو انتہائی واضح اور غیر مبہم الفاظ میں مسترد کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالٰی ہے کہ ''جس انسان نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین پر فساد پھیلانے کے سوا اور وجہ سے قتل کیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی کی زندگی بچالی تو اس نے تمام انسانوں کو بچالیا۔ [۱۰۶]

علامہ فخر الدین زرزری اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کسی ایک انسانی جان کے اتلاف کو پوری انسانیت کے قتل سے تشبیہہ دے دینا اس بھیانک جرم کی سنگینی اور شدت کو اس طور پر واضح کرنا ہے کہ جس طرح پوری انسانیت کا قتل ہر ایک کے نزدیک ہولناک سنگین جرم ہے اسی طرح کسی ایک انسانی جان کا اتلاف بھی اسی قدر سنگین اور ہولناک جرم سمجھنا چاہئے''۔ [۱۰۷]

آج دنیا کے مہذب قوانین میں حرمت نفس کو جو درجہ حاصل ہوا ہے وہ اس انقلاب کے نتائج میں سے ایک شاندار نتیجہ ہے جو اسلامی تعلیم نے دنیا کے اخلاقی ماحول میں برپا کیا تھا ورنہ جس دور تاریک میں یہ تعلیم اتری تھی اس میں انسانی جان کی فی الحقیقت کوئی قیمت نہ تھی۔ عرب کی خونخواریوں کا نام تو اس سلسلہ میں دنیا نے بہت سنا ہے، مگر ان ممالک کی حالت بھی کچھ بہتر نہ تھی جو اس زمانہ میں دنیا کی تہذیب و شائستگی اور علم و حکمت کے مرکز بنے ہوئے تھے روم کے کولوسیم (Collosseum) کے افسانے اب تک تاریخ کے صفحات میں موجود ہیں جس میں ہزاروں انسان شمشیر زنی (Gladiatory) کے کمالات اور روسی امراء کے شوق تماشا کی نذر ہو گئے۔

مہمانوں کی تفریح کے لئے یا دوستوں کی تواضع کے لئے غلاموں کو درندوں سے پھڑوا دینا یا جانوروں کی طرح ذبح کرا دینا، یا ان کے جلنے کا تماشا دیکھنا، یورپ اور ایشیاء کے اکثر ممالک میں کوئی معیوب کام نہ تھا۔ قیدیوں اور غلاموں کو مختلف طریقوں سے عذاب دے دے کر مار ڈالنا اس عہد کا عام دستور تھا۔ جاہل خونخوار امراء سے گزر کر یونان و روما کے بڑے بڑے حکماء فلاسفہ تک کے اجتہادات میں انسانی جانوں کو بے قصور ہلاک کرنے کی بہت سی وحشیانہ صورتیں جائز تھیں۔ یونان و روما میں اسقاط حمل کوئی ناجائز فعل نہ تھا۔ باپ کو اپنی اولاد کے قتل کا پورا حق تھا اور رومی توانوں کو اپنے قانون کی اس خصوصیت پر فخر تھا کہ اس میں اولاد پر باپ کے اختیارات اس قدر غیر محدود ہیں۔ حکماء رواقیین (Stoics) کے نزدیک انسان کو اخود اپنے آپ کو قتل کرنا کوئی برا کام نہ تھا بلکہ ایسا باعزت فعل تھا کہ لوگ جلسے کر کے ان میں خودکشیاں کرتے تھے۔ حد یہ ہے کہ افلاطون جیسا حکیم بھی اسے کوئی بڑی معصیت نہ سمجھتا تھا۔ شوہر کے لئے اپنی بیوی کا قتل بالکل ایسا تھا جیسے وہ اپنے کسی پالتو جانور کو ذبح کر دے۔ اس لئے قانون یونان میں اس کی کوئی سزا نہ تھی۔ جیور رکھشا کا گہوارہ ہندوستان ان سب سے بڑھا ہوا تھا۔ یہاں مرد کی لاش پر

زندہ عورت کو جلا دینا ایک جائز فعل تھا اور مذہباً اس کی تاکید تھی۔ شودر کی جان کوئی قیمت نہ رکھتی تھی اور صرف اس بناء پر کہ وہ غریب برہما کے پاؤں سے پیدا ہوا ہے اس کا خون برہمن کے لئے حلال تھا۔ وید کی آواز سن لینا شودر کے لئے اتنا بڑا گناہ تھا کہ اس کے کان میں پگھلا ہوا سیسہ ڈال کر اسے مار ڈالنا نہ صرف جائز تھا بلکہ ضروری تھا۔ ''جل پردا'' کی رسم عام تھی جس کے مطابق ماں باپ اپنے پہلے بچہ کو دریائے گنگا کی نذر کر دیتے تھے اور اس فسادات کو اپنے لئے موجب سعادت سمجھتے تھے۔ ایسے تاریک دور میں اسلام نے آواز بلند کی کہ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالْحَقِّ۔

ترجمہ...... انسانی جان کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اس کو قتل نہ کرو مگر اس وقت جب کہ حق اس کے قتل کا مطالبہ کرے۔ [۱۰۸]

انسائیکلو پیڈیا بری ٹانکا کا مقالہ نگار لکھتا ہے کہ ''آپ ﷺ کی سیرت کا سب سے نمایاں پہلو جو ایک حیران کن متاثر کرنے والا تضاد یہ ہے کہ عظیم فتوحات کے باوجود محمد ﷺ کی انسانیت اور انسانیت نوازی میں کمی نہیں بلکہ اضافہ ہوتا چلا گیا''۔ [۱۰۹]

برداشت وتحمل:

آج دنیا میں تحمل اور بردباری سے محرومی یعنی عدم برداشت انسانی معاشرے میں ایک خطرناک رخ اختیار کرتی چلی جا رہی ہے۔ اس کی وجہ سے وحشت اور دہشت کے سائے سنگین ہوتے جا رہے ہیں۔ ہیجان خیزی اور شورش پسندی کے باعث کہیں مذہب کو بنیاد بنا کر اور کہیں سیاسی گروہ بندی کے حوالے سے تشدد کا رجحان فروغ پا رہا ہے۔ معمولی معمولی باتوں پر عزتیں لٹ جاتی ہیں اور انسانی جانیں ضائع ہو جاتی ہیں۔ مذہب سے بیگانگی اور دین سے دوری کے سبب لوگ راہ عمل کے بجائے راہ فرار اختیار کر رہے ہیں۔ عدم برداشت اور تشدد پسندی کے حوالے سے مذہبی حلقے آج سب سے زیادہ عدم توازن کا شکار ہیں۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ

لا یومن احد کم حتیٰ یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ [۱۱۰]

ترجمہ...... تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی چیز پسند نہ کرے جو وہ اپنے لئے کرتا ہے'' کو کوئی بھی معاشرہ حرز جان بنالے تو وہ امن کا گہوارہ اور محبت کا گلستان بن جائے۔ ہر شخص اپنے لئے خوب صورت، اعلیٰ اور بہتر بات کو پسند کرتا ہے۔

رسول اکرمؐ نے برداشت وتحمل، حلم و بردباری اور حوصلہ وصبر اختیار کرنے کی نہ صرف تعلیم دی ہے بلکہ اپنے اسوہ حسنہ کے ذریعے اس کی لازوال مثالیں قائم کی ہیں۔ لوگوں کی سخت کلامی، ان کا ناروا سلوک اور سخت ترین اذیت رسانی کے باوجود آپ ﷺ ان پر خفا نہ ہوتے۔ آپ کی یہی قوت برداشت اور متانت آپ ﷺ کی صداقت کی بہت بڑی علامت ہے۔ اسی علامت کو دیکھ کر اور آزما کر یہود کا ایک بہت بڑا عالم زیدن بن سعنہ آپ ﷺ پر ایمان لایا اور اپنا آدھا مال صدقہ کر دیا اور غزوہ

تبوک میں شہید ہو گیا۔[۱۱]

قرآن مجید اسی طرف اشارہ کر رہا ہے...... فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ج وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ، فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ[۱۲]

ترجمہ...... (اے پیغمبر ﷺ) یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ تم ان لوگوں کے لئے بہت نرم مزاج واقع ہوئے ورنہ اگر کہیں تم تند خو اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب تمہارے گردو پیش سے چھٹ جاتے'' اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے کمال برداشت، کمال حلم اور کمال عفو و درگزر کی تعریف فرمائی۔

عفو و درگذر:

عن ابی هریرہ قال، قال رسول اللّٰہ ﷺ موسیٰ ابن عمران علیه السلام یا رب من اعز عبادک قال من اذاقدر غفر[۱۳]

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''موسیٰ بن عمران علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی جانب میں عرض کیا پروردگار! آپ کے بندوں میں کون آپ کی بارگاہ میں زیادہ باعزت ہے؟ ارشاد فرمایا'' وہ بندے جو (قصوروار) پہ قابو پانے کے بعد (اور سزا دینے کی قدرت رکھنے کے باوجود) اس کو معاف کر دیں''۔

عن عبداللّٰہ بن عمرؓ قال جآء رجل الی النبی ﷺ فقال رسول اللّٰہ ﷺ کم اغفر عن الخادم؟ فصمت عنه النبی ﷺ ثم قال یا رسول اللّٰہ ﷺ کم اغفر عن الخادم؟ قال "کل یوم سبعین مرة"[۱۴]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں اپنے خادم (غلام یا نوکر) کا قصور کتنی دفعہ معاف کر دوں؟ آپ ﷺ نے اس کو کوئی جواب نہیں دیا اور خاموش رہے اس نے وہی عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں اپنے خادم (غلام یا نوکر) کا قصور کتنی دفعہ معاف کروں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''ہر روز ستر دفعہ''۔

رحم دلی ایک اعلیٰ اخلاقی صفت ہے۔ اسی رحم دلی کی ایک شاخ مجرم اور قصوروار کو معاف کر دینا اور قدرت رکھنے کے باوجود انتقام نہ لینا ہے۔ عفو و درگزر اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے خاص ناموں میں سے عفو و درگزر کرنے والا، غافر اور غفار (معاف کرنے والا) ہیں۔

وَهُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ یَعْفُوْا عَنِ السَّیِّاٰتِ[۱۵]

ترجمہ...... اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا اور برائیوں کو معاف کرتا ہے۔

آپ ﷺ نے اپنی امت کو عفو و درگزر کی تعلیم دی ہے۔ مذکورہ بالا احادیث میں بھی آپ کی یہی تعلیم واضح ہو رہی ہے۔ ایک اور حدیث میں آپ کا ارشاد ہے کہ'' مجھے میرے رب نے نو باتوں کا خاص طور سے حکم فرمایا ہے اور ان میں سے ایک

بات آپ نے یہ ذکر فرمائی کہ ''والعدل فی الرضا و الغضب'' [۱۶]

ترجمہ...... ''اور غضب اور رضا دونوں حالتوں میں انصاف کروں''۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام نے بیان کیا کہ ''یامحمد ان اللہ یامرک ان تصل من قطعک و تعطی من حرمک و تعفو عمن ظلمک'' [۱۷]

ترجمہ...... اے محمد ﷺ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ جو آپ ﷺ سے قطع رحمی کرے اس سے آپ ﷺ صلہ رحمی کریں جو آپ ﷺ کو محروم رکھے اس کو آپ ﷺ عطا کریں اور جو آپ ﷺ پر ظلم کرے اس سے آپ ﷺ عفو و درگزر کریں۔ صحیح بخاری و مسلم کی روایت ہے۔

آپ کی سیرت کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہے کہ آپ ﷺ نے ہمیشہ اپنے معاملات میں اسی ارشاد پر عمل فرمایا اور اپنے بڑے بڑے دشمنوں کی خطائیں بھی معاف فرما دیں لیکن یہ بات واضح رہے کہ آپ کا یہ طرز عمل ذاتی اور نجی حقوق و معاملات کے معاملہ میں تھا لیکن وہ جرائم جن کا تعلق حدود اللہ سے تھا اور جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی سزا مقرر کی گئی تھی اگر کوئی شخص اس حد کو توڑتا تھا تو آپ ﷺ اس کو ضرور سزا دیتے تھے کیونکہ اس کی سزا معاف کرنے کا کسی کو اختیار نہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کے معاملے میں جو طرز عمل اختیار فرمایا وہ بھی عفو و درگزر کی اعلیٰ مثال ہے۔ اس طرح حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے طرز عمل سے عفو و درگزر کی ایک اعلیٰ مثال قائم فرمائی اور اسی مثال کا اعادہ نبی کریم ﷺ نے فتح مکہ کے دن قریش کے ان سرغنوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا جو برابر آپ ﷺ کی دشمنی میں سرگرم رہے تھے۔ [۱۸]

جب آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ کو فتح کیا تو آپ ﷺ ظالموں سے ایک ایک ظلم کا بدلہ لے سکتے تھے۔ اس کے باوجود رحمت عالم ﷺ نے عفو و درگزر کا وہ نمونہ پیش کیا جس کی مثال پوری انسانی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ جب یہ لوگ آپ ﷺ کے سامنے حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان سے سوال کیا تم جانتے ہوئے کہ میں تمہارے ساتھ کیا معاملہ کرنے والا ہوں؟ وہ بولے آپ شریف بھائی اور شریف بھائی کے بیٹے ہیں۔ آپ ﷺ نے پیغمبرانہ جلال کے ساتھ سب کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ میں تم سے وہی بات کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہی تھی کہ لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھوا رحم الرحمین اذھبوا فانتم الطلقآء [۱۹]

ترجمہ...... آج تم پر کوئی گرفت نہیں، اللہ تعالیٰ تمہارے سارے گناہوں کو معاف فرمائے اور وہ سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے جاؤ چلے جاؤ میری طرف سے تم آزاد ہو۔

دشمنوں سے انتقام لینا انسانی فطرت کا تقاضا ہے اور بالخصوص ان لوگوں سے جنہوں نے گھر چھین لیا ہو، زمین تنگ کر دی ہو، وطن چھوڑنے پر مجبور کر دیا ہو، پیاروں کا خون کیا ہو، لیکن فتح یاب ہو کر برداشت، تحمل اور عفو و درگزر سے کام لیکر خون کے پیاسوں کو معافی نامہ دے کر تاریخ عالم پر ''رحمت عالم'' کا نقش دوام ثبت فرما دیا۔ سعد بن عبادہ کی طرف سے جب یہ آواز آئی ''الیوم یوم الملحمۃ'' یعنی آج کا دن قتل و غارت کا دن ہے، تو نبی مکرم ﷺ نے فرمایا سعد نے غلط کہا ''الیوم یوم المرحمۃ'' یعنی آج کا دن رحمت کا دن ہے''۔ [۲۰]

رحمدلی اور احسان وشفقت:

عرب اپنے بھائیوں کا خون بہانا ایک معمولی بات سمجھتے تھے، مگر حضرت محمد ﷺ کی تعلیم سے ایسے دیالو (رحمدل) ہو گئے کہ دنیا کی کھوئی ہوئی سلامتی اور اس کا امن دوبارہ قائم ہو گیا اور خود بھی شانتی (امن) کے محافظ بن گئے۔ [۲۱]

حضرت محمد ﷺ رحمدل بھی تھے اور سخت بھی۔ اگر ایک غریب پریشان حال یتیم کو دیکھتے تو آپ ﷺ کو رحم آ جاتا مگر ظالم اور امن کے دشمن کا مقابلہ پر وہ سختی سے کام لیتے۔ اس وقت آپ ﷺ کے پاس ظالم کے لئے رحم نہ ہوتا۔ ایشور نے ہردے (قلب) کو پوتر (پاکیزہ) بنایا تھا۔ وہ بہت دیالو (رحمدل) تھے۔ پرنتو (مگر) انصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ وہ عرب کے فاتح اعظم تھے مگر مفتوح اقوام کے لئے پیغام رحم وکرم تھے۔ جن لوگوں نے آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں پر ظلم کیا تھا، اگر آپ ﷺ چاہتے تو ان کو سولی پر چڑھوا دیتے لیکن آپ ﷺ نے ان کی ساری برائیاں معاف کر دیں اور ان سے انتقام نہیں لیا۔ یہ ایک ایسا تاریخی واقعہ ہے جس کی مجھے نظیر نہیں ملتی [۲۲] اسلامی تعلیمات مخلوق خدا پر رحم کی ترغیب دیتی ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ ''رحم کرنے والوں پر رحم کیا جاتا ہے تم زمین پر رحم کرو آسمان والا تم پر کرے گا [۲۳] اور ایسا نہ کرنے والوں کو خدا کی رحمت سے محروم قرار دیتی ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ ''اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم نہیں کرتا جو انسانوں پر رحم نہیں کرتا'' [۲۴]

یہ تعلیمات صرف انسانوں کی ہی نہیں بلکہ ہر ذی روح کی ناحق کو ایذا رسانی سے منع کرتی ہے اور انسانوں کو اس کے لئے اللہ پاس جواب دہ ٹھہراتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ''جو شخص کسی چڑیا یا کسی جانور کو ناحق قتل کرے تو وہ اس سے متعلق اللہ کے پاس جواب دہ ہوگا عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ اس کا کیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کا حق یہ ہے کہ اسے کھانے کے لئے ذبح کرے اس کا سر جدا کر کے اس پھینک نہ دے''۔ [۲۵] اسلام کی تعلیمات پوری بنی نوع انسان کو اللہ کا کنبہ قرار دیتے ہوئے مخلوق خدا کے ساتھ احسان وشفقت کو لازم ٹھہراتی ہے۔ [۲۶] آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ ''پوری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کا محبوب ترین شخص وہ ہے جو اس کے اس کنبے ساتھ احسان کا برتاؤ کرے۔ [۲۷]

انتقام در انتقام کا خاتمہ:

عہد نبوی ﷺ کے آغاز پر عرب قبائل میں انتقام در انتقام کا سلسلہ تھا۔ ایران و یونان کی ہزار سالہ کشمکش بھی یہی بتاتی ہے۔ ہندوستان میں برہمنی اور بدھ مت کی کشاکش بھی ایسی ہی چیز تھی۔ اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں پر ہر قسم کا ظلم وستم روا رکھا۔ آپ ﷺ نے جب اصلاح کی بہی خوانہ دعوت دی تو اس کا جواب عربوں جسمانی اور روحانی تکالیف دے کر کر دیا۔ آپ ﷺ کو ملک بدر ہونے پر مجبور کیا گیا اور آپ ﷺ کے صحابہ کی جائیدادیں زبردستی چھین لی گئیں۔ مسلمانوں کو جلا وطن ہونے پر بھی چین نہ لینے دیا۔ بدر، احد، خندق اور روز افزوں شدت سے آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ کو فنا کرنے کے لئے دوڑے۔ جب برسوں کی غیر منقطع کشمکش کے بعد مسلمانوں نے مکہ پر قبضہ کر لیا تو کیا اس دور کے رواج کے مطابق مکہ میں قتل عام نامناسب تھا۔ کیا مکہ والوں کو پوری جائیداد کی ضبطی ناجائز ہوتی؟ مکہ والوں کو قیامت تک کے لئے غلام اور اچھوت دینے میں

کیا زیادتی سمجھی جاتی؟ لیکن یہ سب کچھ کرنے کی بجائے آپ ﷺ نے انتقام در انتقام کے سلسلہ کو اس اعلان کے ساتھ بند کر دیا۔

الا کل شی من امر الجاھلیہ تحت قدمی موضوع و ان کل دم کان فی الجاھلیہ موضوع [۱۲۸]

ترجمہ...... ''خبردار! دور جاہلیت کا سارا (ظالمانہ اور استحصالی) نظام میں نے اپنے پاؤں سے روند ڈالا۔ نظام جاہلیت کے سارے خون (قصاص، دیت اور انتقام) کالعدم قرار دیئے جاتے ہیں۔ اسی موقع پر آپ ﷺ اپنے خاندان میں ربیعہ بن حارث کے بیٹے کا خون باطل بھی کیا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ''آپ ﷺ نے تمام زندگی اپنے اوپر کی گئی زیادتی کا بدلہ نہیں لیا بجز اس کے خدائی حرمت کو پامال کیا گیا ہو پس اس صورت میں آپ ﷺ سختی سے مواخذہ فرماتے تھے''۔ [۱۲۹]

عربوں میں بدلے کا دستور عام تھا، ایک خون ہو جاتا تو انتقام کا لامتناہی سلسلہ چھڑ جاتا۔ صرف عرب ہی نہیں بلکہ دنیا بھر میں خادموں اور غلاموں کے ساتھ حد درجہ برا سلوک کیا جاتا۔ [۱۳۰] آپ ﷺ نے تمام زندگی اپنے اوپر کی گئی زیادتی کا بدلہ نہیں لیا، بجز اس کے خدائی حرمت کو پامال کیا گیا ہو پس اس صورت میں آپ ﷺ سختی سے مواخذہ فرماتے تھے۔ [۱۳۱]

کہاں تک ہم سے لو گے انتقام فتح ایوبی
دکھاؤ گے ہمیں جنگ صلیبی کا سماں کب تک

(علامہ شبلی نعمانی)

تعصب اور فرقہ واریت کا خاتمہ

فرقہ بندی کے خلاف قرآن کا اعلان ہے کہ

''وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا''۔ [۱۳۲]

ترجمہ...... ''اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ نہ کرو''۔

مسلمانوں میں تفرقہ اسی وقت پیدا ہوتا ہے جبکہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے احکام کو چھوڑ دیں پھر عداوت، خودغرضی، حسد کینہ اور بغض جیسی برائیاں جنم لیکر مسلمانوں کو ایک دوسرے کے خلاف کر دیتی ہے۔ [۱۳۳]

بین الاقوامی عصبیتوں کو تو چھوڑ یئے اگر طلوع اسلام کے وقت کی عربی عصبیتوں کا مطالعہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ کس طرح عدنانی اور قحطانی قبائل کا باہمی تعصب شدید تھا پھر عدنانیوں میں مضر اور ربیعہ کی کشمکش تھی۔ پھر قریش اور غیر قریش کا فرق تھا پھر قریش کے اندر بنو ہاشم اور بنو امیہ کی رقابتیں تھیں۔ اس کے علاوہ شہری اور بدوی کا جھگڑا الگ تھا۔ آج جو نفرت فلسطینیوں اور یہودیوں کے درمیان ہے یا ہندوؤں اور کشمیریوں کے درمیان ہے وہ اس نفرت کا مقابلہ میں کچھ بھی نہیں جو قبل از اسلام عرب قبائل کے مابین تھی۔ ان حالات میں اسلام کا آغاز ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات تنگ نظریوں اور عصبیتوں کے خلاف ایک دوسری بلندی پر تھی۔ ان کے مطابق عرب و عجم، عدنان و قطحان وغیرہ سب کا ایک ہی خدا ہے۔ سب آدم کی اولاد ہیں اور گورے

کالے ہونے یا زبانوں اور وطنوں کا فرق رکھنے سے فطری مساوات میں کوئی فرق نہیں۔ اگر کوئی برتری ہے تو وہ صرف ہر ایک کے ذاتی اعمال واخلاق کے باعث ہے۔ [۱۳۴] آپ ﷺ نے فرمایا طاقتور وہ نہیں جو کسی دوسرے کو پچھاڑ دے بلکہ اصل طاقتور وہ ہے جو غصے کے وقت خود پر قابو رکھے۔ [۱۳۵] ''رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ تین باتوں سے خدا خوش ہوتا ہے ایک تو یہ کہ اس کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ دوسرے اللہ تعالیٰ کی رسی کو اتفاق سے پکڑو اور فرقوں میں نہ بٹو''۔ [۱۳۶]

رسول اللہ ﷺ نے عصبیتوں کے خاتمہ کے لئے عربوں کے تقریباً تمام اہم قبائل میں شادیاں کیں۔ اسوہ رسول ﷺ کا اثر یہ ہوا کہ آقا وغلام، قریشی، غیر قریشی، عربی وعجمی، حبشی و رومی و ایرانی ایک ہی صف میں شانہ بشانہ رہتے تھے اور قدیم جاہلی اختلافات کا ذرا سا بھی لحاظ نہیں کیا جاتا تھا۔ دنیا میں ایک طرف انسان نے بھائی چارے کو اتنا بھلا دیا تھا کہ دوسرے بھائی کو چھونا تو درکنار اس کا سایہ بھی اپنے سائے پر پڑنے دینا گوارا نہ کرسکتا تھا۔ علم وعرفان کے متعلق اتنی خود غرضی تھی کہ کوئی اجنبی چھونا تو درکنار محض سن بھی لیتا تو سزا میں پگھلتا ہوا سیسہ اس کے کانوں میں ڈال کر اسے ہلاک کر دیا جاتا تھا۔ انسان کے اصولی وفطری مساوات پر پرہیز گاری کے اکتسابی فضیلت و برتری کے نئے نظریے نے وہ تمام مصنوعی اور انسان ساز بت ملیامیٹ کر دیئے جو اب بھی غیر اسلامی سماجوں میں موجود اور انسانوں میں نہ ختم ہونیوالی تلخی اور فساد انگیزی پیدا کر رہے ہیں۔ [۱۳۷]

آپ ﷺ نے اپنے دشمنوں کے ساتھ جس اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کیا دنیا اس کی مثال کرنے سے قاصر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سارے جہانوں کے لئے رحمۃ للعالمین [۱۳۸] بنا کر بھیجا ہے۔ اسلام نے مکمل آزادی دی ہے جو چاہے اسلام قبول کرے جو چاہے کفر اختیار کرے [۱۳۹] آپ ﷺ نے امت مسلمہ کو بھی رواداری اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔

شجر ہے فرقہ آرائی، تعصب ہے ثمر اس کا
یہ وہ پھل ہے کہ جنت سے نکلواتا ہے آدم کو [۱۴۰]

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا وعن عبداللہ بن مسعود قال، قال رسول اللہ ﷺ سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر [۱۴۱] پس رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں مختلف گروہوں کا ایک دوسرے کو گالی دینا اور پھر مسلمانوں کا آپس میں قتل کفر قرار دیا گیا۔

فرقے بندی ہے کہیں، کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں [۱۴۲]

معاشرتی اعتدال پسندی:

فرمان رسول اللہ ﷺ ہے کہ اللہ تعالیٰ نرم ومہربان ہے اور نرمی اور مہربانی کو پسند کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نرمی پر وہ چیز دیتا ہے جو سختی پر نہیں دیتا اور نہ کسی اور چیز پر دیتا ہے۔ نرمی جس چیز میں ہو تو اس کی زینت دے گی اور جس چیز سے بھی اٹھ جائے گی اس کو بدنما اور عیب دار بنا دے گی۔ من یحرم الرفق یحرم الخیر کلہ۔ ترجمہ...... ''جو شخص نرمی سے خالی ہو گیا وہ ہر بھلائی سے خالی ہو گیا'' [۱۴۳] اسی طرح آپ ﷺ نے اس شخص پر آگ کو حرام قرار دیا جو لوگوں کے قریب ہو اور نرم اور آسان ہو۔ [۱۴۴]

مطلب یہ ہے کہ اسلام بات چیت اور معاملات میں سختی اور درشتی سے منع کرتا ہے بلکہ نرمی اور سہولت کا حکم دیتا ہے۔
آپ ﷺ کی نرم دلی کو اللہ نے اپنی رحمت قرار دیا ہے اور فرمایا کہ ''اگر آپ ﷺ سخت دل اور مزاج کے سخت ہوتے تو لوگ آپ ﷺ سے تتر بتر ہو جاتے۔ [۱۴۵] دور نبوی ﷺ میں جب مسلمانوں کی ایک مختصر جماعت آپ ﷺ کی رہنمائی میں مکے سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچی تو آپ ﷺ نے مہاجرین اور انصار کی مدد سے ایک اسلامی فلاحی ریاست اور معاشرہ قائم فرمایا۔[۱۴۶]
یہ وہ فلاحی معاشرہ تھا جس کی نظیر آج تک ہمیں نہیں ملتی۔ اس معاشرہ میں ہمیں عدل و انصاف کا دور دورہ ملتا ہے یہاں پر عرب کو عجم پر اور عجم کو عرب پر کوئی فوقیت حاصل نہیں۔ محسن انسانیت نے فلاح انسانیت کے لئے بے بہا موتی نچھاور فرمائے ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنی پوری زندگی میں خیر و فلاح کا مظاہرہ فرمایا۔
اگر ہم ناروے، سویڈن، ہالینڈ، جرمنی، سوئٹزرلینڈ اور برطانیہ جیسے ممالک کا مطالعہ کریں تو ہمیں اس بات کا کھوج ملتا ہے کہ ان ممالک نے فلاحی ریاستیں تو قائم کر دیں مگر وہ معاشرے میں پاکیزگی اور عفت کا نظام قائم کرنے میں ناکام رہے جبکہ یہ کام رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کے دور مبارک میں مکمل ہو گیا۔ آج کل کی جدید فلاحی ریاستوں میں جو نمایاں خدوخال ملتے ہیں وہ تصورات آج سے ۱۴۰۰ سال سے زیادہ عرصہ قبل ہمیں حضور اکرم ﷺ اور خلفائے راشدین نے دیئے۔ ایسا معاشرہ قائم ہوا جس کی بنیاد خیر سگالی، اخوت، موانست، مودت، خیر خواہی اور فلاح انسانیت پر رکھی گئی۔ حضرت عمرؓ نے تو دیوان عمر میں پیدا ہونے والے بچوں کو ان کا پیدائش سے قبل وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔ ایسا تصور اب بھی یورپ کی کسی فلاحی ریاست میں نظر نہیں آتا۔

During his life as both religious leader and statesman, the Prophet Muhammad (peace be upon him) showed great sensitivity and respect in dealing with the People of the Book, the Jews and the Christians. In the true spirit of divine revelation, the Holy Quran, with which he had been entrusted, Prophet Muhammad forbade harming non-Muslims and asked Muslims to treat them well. He once said, he who harms a Jew or a Christian will find me his opponent on the Day of Judgment. [۱۴۷]

ایک دفعہ قبیلہ قریش کی ایک بااثر عورت سے چوری سرزد ہو گئی۔ نبی پاک ﷺ نے اس عورت کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ ایک صحابی نے اس عورت کی سفارش کرنا چاہی تو حضور ﷺ نے اس پر ناراضگی کا اظہار کیا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے عدل و انصاف کا وہ فلسفہ پیش کیا جس کی تاریخ میں ہمیں نظیر نہیں ملتی۔
آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''تم سے پہلی قومیں اسی لئے تباہ ہوئیں کہ جب ان میں سے کوئی بااثر آدمی جرم کرتا تو وہ اثر و رسوخ کی وجہ سے سزا سے بچ جاتا تھا اللہ کی قسم اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہؓ یہ جرم کرتی تو وہ بھی اس سزا سے نہ بچ سکتی''۔ [۱۴۸]
فلاحی معاشرے کے قیام کے لئے ضروری ہے کہ تمام عالم انسانیت تک اسلام کی دعوت پہنچے۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو بہترین امت قرار دیا ہے کیونکہ یہ امت لوگوں کی نفع رسانی کا فریضہ انجام دیتی ہے آج یہ عالم ہے کہ ہم نے اپنی قسمت کے

فیصلے امریکہ اور یورپ کے سپرد کر رکھے ہیں اور خود ہاتھ پر ہاتھ دھرے اپنے مسلم بھائیوں کے کشت وخون کے مناظر دیکھ دیکھ کر نجانے کیا سوچ رہے ہیں۔ فلاحی انسانی معاشرے میں علم وحکمت کی ترویج نہایت ضروری ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو تمام علوم کا سرچشمہ قرار دے کر آپ ﷺ کو معلم انسانیت کے منصب پر سرفراز کیا۔ یہی وہ چیز تھی جس نے کم وبیش سات صدیوں تک مسلمانوں کو دنیا علمی امام بنا رکھا ہے۔ یہ وہ دور تھا جب یورپ کی دنیا تاریکیوں کے عہد سے گزر رہی تھی اور مسلمان سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں ایجادات پر ایجادات کئے چلے جا رہے تھے۔ امن وامان کا قیام بھی فلاحی معاشرے کے لئے اہم اقدام ہے۔ سیرت طیبہ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ تمام عالم انسانیت کیلئے امن واخوت کے پیامبر بن کر آئے تھے۔

معاشی اعتدال پسندی:

سودی نظام معیشت میں محنت کے مقابلے میں سرمایئے کی افادیت کہیں زیادہ ہے اس لئے محنت کش اور کارکن طبقہ مسلسل غریب سے غریب تر ہوتا چلا جاتا ہے اور سرمایہ دار مختلف طریقوں سے اس کی دولت ہتھیاتا چلا جاتا ہے۔ اس طرح معاشی نظام مفلوج ہو کر رہ جاتا ہے۔ معاشرہ میں دولت کی وہی حیثیت ہوتی ہے جو انسانی جسم میں خون کی اگر سارا خون دل میں جمع ہو جائے تو پورے اعضائے جسم مفلوج ہو جاتا ہے۔ بھاری ٹیکسوں کی ادائیگی کے خوف سے سرمایہ چھپانے کا رجحان بڑھتا ہے جس سے ملکی معیشت کمزور ہو جاتی ہے۔ [۱۴۹]

حضور نبی اکرم ﷺ نے سود کو استحصالی نظام قرار دے کر اسے کلیتہً مسترد بلکہ ختم کرنے کا اعلان فرمایا حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا:

ان کل ربا موضوع ولکن کلم روس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون قضی الله انه لاربا [۱۵۰]

ترجمہ...... ''بے شک آج سے ہر قسم کا سود (اور سارا سودی نظام) منسوخ کیا جاتا ہے تم راس المال کے سوا نہ کچھ لے سکتے ہو اور نہ کچھ دے سکتے ہو نہ تم سودی لین دین کی شکل میں ایک دوسرے پر ظلم کرو اور نہ قیامت کے دن تم پر ظلم کیا جائے گا۔ یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے کہ سود (اور اس پر مبنی ہر قسم کا اقتصادی استحصال) ممنوع ہے''۔

سود معاشی ظلم کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے سود کی ہر شکل چاہے وہ مفرد ہو یا مرکب، ذاتی طور پر لیا جائے یا تجارتی و پیداواری قرضوں پر حرام قرار دیا اور اس کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے اعلان جنگ قرار دیا۔ اسلام نے ارتکاز دولت کو ممنوع کیا ہے۔

ارشاد ربانی ہے کہ......

كَىْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً م بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ [۱۵۱]

ترجمہ...... ''ایسا نہ ہو کہ یہ (مال ودولت) تمہارے دولت مندوں میں ہی گردش کرتی رہے''۔

اسلام نے ارتکاز دولت کو روکنے کے لئے نظام زکوۃ وعشر اور وراثت کا قانون دیا۔ جس میں مرنے کے بعد مورث کی

جائیداد حقداروں کی ملکیت میں منقسم ہو جاتی ہے۔ حکیم الامت اشف علی تھانوی نے بیوی کے مہر کو جبراً معاف کرانا بھی صریحاً ظلم قرار دیا ہے۔

اسلامی تعلیمات میں سود کے خاتمہ اور زکوۃ کے نفاذ، تجارت کی آزادی، معاشی اجارہ داریوں کا خاتمہ اور اقتصادی محکموں کی نفی کی گئی ہے تاکہ ہر آدمی آزادی سے اپنا رزق تلاش کر سکے اور دوسرا اس کی راہ میں رکاوٹ نہ ڈالے۔ اسلام نے عالمگیر سطح پر ہر انسان کے معاشی حقوق بلا تفریق تسلیم کیے ہیں۔ حضرت محمد ﷺ کا پیغام عالمگیر اور آفاقی ہے، جس سے نسل انسانیت کی روحانی تربیت ہو سکتی ہے۔ محسن انسانیت نے غلامی کو بتدریج ختم کیا تھا۔ مگر مغربی دنیا نے ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف جیسے اقتصادی اداروں سے مسلم ممالک کو نئی قسم کی معاشی اور اقتصادی غلامی میں جکڑ لیا اور معاشی ناہمواریاں پیدا کر کے انسانیت کی فلاح کے بجائے ان کی معاشی بربادی کا سامان پیدا کر دیا۔ وقت کی اہم ترین ضرورت ہے کہ مسلم امہ انسانیت کی فلاح کے لئے اپنی اقتصادی مشترکہ منڈی تشکیل دے اور اسلامی اقدار کی پاسداری کرتے ہوئے مسلمانوں کی صحیح کردار سازی کی مشترکہ پالیسی وضع کرے۔

عدل و انصاف:

عدل کے معنی انصاف کرنا، کسی چیز کو دو برابر حصوں میں بانٹ دینا، ہر ایک کو اس کا پورا پورا حق دینا ہے۔ عدل انصاف رسول کریم ﷺ کے اسوہ حسنہ کا ایک روشن مینارہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ [۱۵۲]

ترجمہ...... ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے''۔

عدل انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کا جائز حق آسانی کے ساتھ مل جائے نظام عدل کی موجودگی میں معاشرے کے امور بخیر و خوبی انجام پاتے ہیں۔ جب کے بے انصافی کی وجہ سے معاشرے کا ہر شعبہ مفلوج ہو کر رہ جاتا ہے۔ بعثت نبوی ﷺ کے قبل دنیا عدل و انصاف کے مفہوم سے ناآشنا تھی۔ طاقتور ظلم و ستم کو اپنا حق سمجھتے تھے اور کمزور اپنی مظلومیت کو مقدر سمجھ کر برداشت کرنے پر مجبور تھے۔

دین اسلام کے طفیل ظلم و ستم کا یہ گھناؤنا کاروبار بند ہوا اور دنیا عدل و انصاف کے اس اعلیٰ معیار سے آشنا ہوئی جس نے رنگ و نسل اور قوم و وطن کے امتیازات کو مٹا کر رکھ دیا۔ ناانصافی کی بناء پر انسانوں کے مختلف طبقات اور گروہوں کے درمیان نفرت کی جو دیوار کھڑی ہو گئی تھی اسلام نے اسے گرا کر انسان کو انسان کے شانہ بشانہ لا کھڑا کیا اس طرح لوگوں کے درمیان انس و محبت کا وہ رشتہ استوار ہوا جو انسانیت کے لئے سرمایہ افتخار ہیں۔ اسلام وہ دین ہے جس نے عدل و انصاف کے معاملے میں بلا امتیاز تمام نسل انسانی کے درمیان مساوات قائم کرنے کا حکم دیا۔ [۱۵۳]

ایک بار آپ ﷺ مال غنیمت تقسیم فرمارہے تھے لوگوں کا بہت ہجوم تھا۔ ایک شخص آ کر آپ ﷺ پر منہ کے بل گر گیا۔ دست مبارک میں پتلی سی لکڑی تھی آپ ﷺ نے اس سے ٹھوکا دیا۔ اتفاق سے لکڑی کا سرا اس کے منہ پر لگ گیا اور خراش آ گئی۔

فرمایا مجھ سے اپنا بدلہ لے لو۔ اس نے عرض کیا۔ یا رسول ﷺ میں نے معاف کر دیا۔[۱۵۴] ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں عدل انصاف کے مفہوم کو اس طرح اجاگر کرتا ہے

وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ [۱۵۵]

ترجمہ...... ''اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو''۔

اسلامی حکومت کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ اس نے اپنے باشندوں کو ہمیشہ بے لوث انصاف فراہم کیا اور حقیقت میں اسلامی حکومت کا اصل مقصد بھی عادلانہ نظام کا قیام ہے اور یہ نظام ہم تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں ہی حاصل کر سکتے ہیں۔[۱۵۶]

اتحاد و اتفاق:

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

المومن للمومن کالبنیان یشد بعضه بعضاً ثم شبک بین اصابعه [۱۵۷]

مسلمان مسلمان کے لئے مکان کی مانند ہے (یعنی سارے مسلمان ایک مکان کی مانند ہیں کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو مضبوط رکھتا ہے) پھر آپ ﷺ نے اپنے ایک دست مبارک کی انگلیاں دوسرے دست مبارک کی انگلیوں میں داخل کیں مسلمانوں کے مابین اتحاد و اتفاق کی ضرورت کو ہادی برحق ﷺ نے اس طرح سے واضح فرمایا:

ید الله علی الجماعه و من شذ شذفی النار [۱۵۸]

ترجمہ...... ''اللہ تعالیٰ کی تائید وحمایت جماعت کے ساتھ ہے اور جو جماعت سے جدا ہوا وہ آگ میں گرا''۔

آپ ﷺ نے مسلمانوں کے مابین تعلقات کو استوار کرانے اور ان میں صلح کرانے کی اہمیت اور اس کے اجر کے متعلق ارشاد فرمایا......

الا اخبر کم با فضل من درجه الصیام و الصلوٰة الصدقة قالو بلیٰ یا رسول الله قال اصلاح ذات البین و فساد ذات البین حالقه [۱۵۹]

ترجمہ...... کیا میں تم کو وہ بات بتاؤں جو درجے میں روزہ، نماز اور صدقہ سے افضل ہے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کیوں نہیں یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ نے فرمایا: آپس میں میل جول کرا دینا اور آپس کی پھوٹ مونڈنے والی ہے (یعنی دین کو تحت نقصان پہنچانے والی ہے)

قرآن پاک میں اہل ایمان کو امت واحدہ قرار دیا گیا ہے۔ نسلی اور دیگر امتیازات کو ختم کر دیا گیا ہے۔ خاندانی عصبیت اور مفاخرت کی مذمت نبی اکرم ﷺ نے ان الفاظ میں بیان فرمائی۔

من نصره قومه علیٰ غیر الحق فهو کالبعیر الذی هوی فهو ینز غ بذنبه [۱۶۰]

ترجمہ...... ''جو شخص ناحق اپنی قوم کی حمایت کرے وہ اس اونٹ کی مانند ہے جو کنوئیں میں گر پڑے پھر اس کو اس کی دم

پکڑ کر کھینچا جائے'' (تو وہ کسی بھی طرح نہ نکل سکے)

سیاست میں اعتدال پسندی:

ملوکیت و پاپائیت یا اشتراکیت و جمہوریت یا قبائلی نظام حکومت بھی اگر اللہ تعالیٰ کی حاکیت کے سائے سے باہر رہ کر چلایا جائے گا تو تباہی و بربادی کے سوا انسانیت کو کچھ نہیں ملے گا۔ لادین سیاست کے پیروکار بھی کبھی بھی دوسرے کا عزت سے رہنا برداشت نہیں کر سکتے۔ اکثر مغربی و مشرقی مفکرین کے نزدیک گذشتہ دونوں عالمگیر جنگوں کی بنیاد بھی لادین سیاست تھی جس کی وجہ سے سات کروڑ افراد موت کے گھاٹ اتارے گئے۔[۱۶۱] اسلامی تعلیمات یہ ہے کہ اگر کسی کو زمین میں اقتدار مل جائے تو وہ زمین میں اپنی بالادستی کی بجائے اللہ کے حکم کی بالادستی قائم کرے لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور منکرات اور برائیوں کی جہنم میں گرنے سے بچانے کی کوشش کرے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ **لا تسبو الا ولاة فانهم ان احسنو اكان لهم لا جرو عليكن الشكروان اسائو افصليهم الوزرو عليكم الصبر**۔ ترجمہ...... ''حاکموں کو نہ کوسو، کیوں کہ اگر وہ نیکی کرتے ہیں تو ان کے لئے اجر ہے اور تمہارے لئے موقع شکر اور اگر وہ برائی کریں تو ان کی گردن پر بوجھ اور تمہارے لئے موقع صبر''۔ آپ ﷺ نے امیر کی اطاعت کا حکم دیا ہے اور عدم برداشت سے منع فرمایا ہے۔[۱۶۲] یہاں یہ بات یاد رہے کہ اسلام حکمرانوں پر مثبت اور تعمیری تنقید سے نہیں روکتا۔[۱۶۳] اسی طرح ظالم و جابر حکمران کے خلاف کلمہ حق کو جہاد کہا گیا ہے بلکہ ایسے حالات میں مستقل مزاجی، صبر و برداشت سے ظلم کے خلاف ڈٹے رہنا اسلامی تعلیمات کا حصہ ہے۔[۱۶۴]

معاہدات میں اعتدال پسندی:

آپ ﷺ کا جو معیار اخلاق شخصی حالتوں میں تھا وہی میدان جنگ میں بھی قائم رہا۔ معاہدات نبوی ﷺ کا اطلاق ان معاہدات پر ہوتا ہے جو آپ ﷺ کی ہجرت کے بعد اور بالخصوص مدینہ کے قیام کے بعد مختلف اقوام وملل سے کئے گئے۔[۱۶۵] قرآن کریم میں ۲۵ سے زائد مقامات پر پوری شدت کے ساتھ معاہدات کو پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس پر بڑے اجر کا وعدہ کیا گیا ہے۔[۱۶۶] آپ ﷺ کے معاہدات میں دو باتیں خاص نظر آتی ہیں پہلی یہ کہ معاہدات میں رواداری اور برداشت دوسری یہ کہ معاہدہ برابری کی بنیاد پر یا جھک کر قبول کر لیتے۔ آپ ﷺ کے معاہدات سے فاتح کی حیثیت نمایاں نہیں ہوتی بلکہ مصلح کی حیثیت ابھر کر سامنے آتی ہے۔ آپ ﷺ نے میثاق مدینہ کے نام سے جو معاہدہ کیا وہ یہودیوں کے ساتھ رواداری کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

جہاد کے موقع پر اعتدال پسندی:

اسلام امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے توازن وآہنگ کا نام ہے۔[۱۶۷] جب ظلم ہو تو مظلوم کی حمایت کے لئے جہاد کی اجازت دی گئی ہے۔[۱۶۸] لیکن اس میں حد سے تجاوز کرنے سے منع کیا گیا۔[۱۶۹] اگر دشمن صلح کرنا چاہے تو صلح کا حکم دیا گیا ہے۔[۱۷۰] پروفیسر ٹی ڈبلیو آرنلڈ لکھتے ہیں کہ قرآن میں کہیں ایسی آیت نہیں جس میں کسی طرح جبری تبدیلی مذہب کا حکم پایا

جائے۔ [۱۷۱] جارج سیل لکھتا ہے کہ اسلام تلوار کے ذریعہ نہیں پھیلا اسے تو انہوں نے بھی قبول کیا جن کا محمد ﷺ کی قوت سے کبھی واسطہ نہیں پڑا اور وہ بھی اس میں داخل ہوئے جنہوں نے عربوں کو ان کی فتوحات سے محروم کیا۔ [۱۷۲] یہی بات ای گبن، ایچ جی ویلز، جان بیکٹ اور بے شمار مستشرق مورخین نے لکھی۔ [۱۷۳] سیرت الرسول ﷺ عدم لاکراہ کا بہترین نمونہ ہے۔ قرآن پاک اور سنت رسول ﷺ کی تعلیمات کی وجہ سے ہی مسلمانوں نے ہمیشہ مخالفین کے ساتھ اعتدال پسندی کا رویہ اختیار کیا اپنے سخت ترین دشمن کے خلاف بھی جنگوں میں جن میں عام طور پر ظلم اور غضب جیسے رویے حکمت پر غالب آ جاتے مسلمانوں نے اعتدال پسندی کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا جیسا کہ فرانسیسی فلسفی غوستان لوبون۔ [۱۷۴] اسلامی فتوحات کے بارے میں کہتا ہے کہ ”حقیقت یہ ہے کہ قومیں عربوں کی طرح کے روادار فاتحین اور ان کے برداشت والے دین کے علاوہ کسی اور سے غیر واقف ہیں“۔ [۱۷۵] مورخین مسلم اور غیر مسلم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ قرآن پاک نے دوسرے مذاہب کے ساتھ رواداری اور برداشت کے رویئے کی تلقین کی، جنگ اور جہاد میں ان کے راہبوں اور مذہبی رہنماؤں کو خصوصی امتیازات سے نوازا ان سے ٹیکس نہیں لیا جاتا۔ رسول اکرم ﷺ نے ان کو قتل کرنے کی ممانعت کی امیر المومنین عمر ابن الخطابؓ نے جب بیت المقدس کو فتح کیا تو ان کی عزت کو آنچ تک نہ آنے دی حالانکہ عیسائی بیت المقدس میں داخل ہوئے تو انہوں نے بے رحمی کے ساتھ مسلمانوں کو قتل کیا اور یہودیوں کو جلا دیا تھا۔ [۱۷۶] اسلام نے محاربین (Belligerents) کو دو طبقوں میں تقسیم کیا ہے ایک اہل قتال (Combatants) جنگ میں حصہ لینے والے دوسرے غیر اہل قتال (Non Combatants) جنگ میں حصہ نہ لینے والے راہب، مجاور، بچے، خواتین، معذور وغیرہ پہلے طبقہ کو قتل کی اجازت ہے دوسرے سے منع کیا گیا ہے۔ [۱۷۷] لیکن اگر پہلے طبقہ کا بھی کوئی شخص میدان جنگ میں اسلام قبول کرلے چاہے موت کے خوف سے ہو اس کے قتل پر بھی آپ ﷺ نے شدید ناراضگی کا اظہار کیا ہے۔ (ابو داؤد، سلیمان بن اشعث الجستانی/سنن ابی داؤد کتاب الجہاد) آپ ﷺ قیدیوں سے حد درجہ بہتر سلوک کرتے، صحابہ بھوکے رہتے لیکن قیدیوں کو کھانا کھلاتے اور کپڑے پہناتے۔ [۱۷۸]

حاصل کلام:

(اسلام ہی وہ پاکیزہ دین ہے جو زندگی کے ہر معاملے میں اپنے ماننے والوں کی صحیح رہنمائی کرتا ہے، وہ لوگوں کی مرضی کے مطابق نہیں چلتا بلکہ پوری انسانیت کو اللہ کی مرضیات کا پابند بناتا ہے۔ اس نظام کو پوری خوبیوں اور محاسن کے ساتھ چلانے اور باہمی خیر خواہی کو پروان چڑھانے کے لئے اللہ رب العالمین نے ”امر بالمعروف و نہی عن المنکر“ کا عظیم فریضہ امت مسلمہ کے سپرد فرمایا تاکہ جہاں افراد امت ذاتی اصلاح و تزکیے کا اہتمام کریں، وہیں معاشرے کو بھی اجتماعی طور پر پاکیزہ رکھنے کی سعی و جہد کریں۔ اللہ نے اہل ایمان پر ”امر بالمعروف و نہی عن المنکر“ کا فریضہ عائد کرنے سے پہلے مومنوں کی شان بیان فرمائی کہ یہ ایک دوسرے کے دوست ہیں کہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور منکرات یعنی بری باتوں سے اجتناب کرنے کا کہتے ہیں۔)

ہماری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ اس وقت امن عالم کے خرمن میں ہر طرف سے بجلیاں گر رہی ہیں۔ فرد سے لیکر اقوام

تک میں بے اطمینانی کا غلبہ ہے۔ انسان کے ہاتھوں پر ظلم و زیادتی کا بازار گرم ہے اور ہر طرف سے خون کی آبشاریں بہہ رہی ہیں۔ انسانیت کا مادہ شرف، ظلمت اور جبر کے اتھاہ اندھیروں میں غروب ہوتا محسوس ہوتا ہے۔ نام نہاد علم و تمدن کے ہاتھوں انسانیت سسکیں لے رہی ہے۔ اخلاقی اقدار، نفسانیت اور ریاکاری کے سانچوں میں ڈھلتی چلی جا رہی ہیں اور غیر اخلاقی روایات خودغرضی کے فلسفے کو پروان چڑھا رہی ہیں۔ ہوس زر نے خیانت، رشوت اور حصول دولت کے کسی بھی ذریعے کو ناجائز اور حرام نہیں رہنے دیا ہے۔ افراد اور اقوام نے انسانی اقدار سے بالاتر ہو کر وسعت پسندی کو اپنا ''ماٹو'' قرار دے دیا ہے۔ اسی ''وسعت پسندی'' اور انتہا برداشت کے رجحانات نے دنیا میں قیامت برپا کی ہوئی ہے۔ قومیں قوموں سے نبرد آزما ہیں اور ملک ایک دوسرے سے دست و گریباں۔ انسانوں کی اجتماعیت بری طرح متاثر ہو کر رہ گئی ہے۔ باپ بیٹے اور بھائی بھائی کے درمیان کھینچا تانی ہے۔ ہر شخص انا ولا غیری کے گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے علاوہ کسی دوسرے کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ ان حالات میں لازم ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ان تعلیمات سے رہنمائی حاصل کی جائے، جن میں تحمل، برداشت، حلم و بردباری، عفو درگزر، رواداری احترام کا درس ملتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اسلام امن کا داعی، صداقت کا علمبردار اور انسانیت کا پیغامبر ہے۔ اس کی نگاہ میں بنی نوع انسانی کا ہر فرد مساوات کا مرتبہ رکھتا ہے۔ وہ رنگ و نسل کے عیوب سے پاک ہے۔ انتہا پسندی اور غلو کی عمر بہت تھوڑی ہوتی ہے۔ بوسنیا، لبنان، افغانستان، کشمیر، فلسطین، عراق، چیچنیا اور دنیا کے دیگر خطوں میں مسلمانوں کا لہو کتنا ارزاں ہے۔ بین الاقوامی دہشت گردی، فرقہ واریت اور اسلحہ کی دوڑ انتہا پسندی کی ہی قبیح شکلیں ہیں۔ قومی اور بین الاقوامی سطح پر انتہا پسندی کا رجحان لاقانونیت اور انارکی کا سبب بنتا ہے۔ عام انسانوں کی کچھ افتار طبع ایسی ہوتی ہے کہ نہ دوسرے کا احسان یاد رکھتا ہے نہ دوسرے کی پہنچائی ہوئی تکلیف کو بھولتا ہے۔ اسی کی بنیاد پر مختلف اقوام کے درمیان انتقام در انتقام کے طویل اور کبھی نہ ختم ہونے والے سلسلے جاری رہتے ہیں۔ اسلام میں تعلیم کی اہمیت مسلم ہے۔ اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ امت مسلمہ کو چاہئے کہ وہ علوم اسلامیہ کے ساتھ ساتھ عصری علوم کو بھی حاصل کرے۔ دنیا میں ترقی کی رفتار کو اپنے اپنے ساتھ برقرار رکھنے کے لے ضروری ہے کہ ہم بھی ان عصری علوم پر دسترس حاصل کریں۔ عصر حاضر میں غیر ملکی زبانیں سیکھنا وقت کا تقاضا ہے غیر ملکی زبانیں سیکھنے کا آپؐ نے حکم دیا تھا حضرت زید بن ثاقب دربار رسالت کے میر منشی تھے انہوں نے آپؐ کے حکم سے فارسی، حبشی، عبرانی وغیرہ زبانیں سیکھ لی تھیں تاکہ ملکوں کے بادشاہوں کی جانب سے خطوط موصول ہوں تو ان کے جوابات دیئے جا سکیں۔ وہ عربی زبان کے علاوہ سریانی، فارسی، رومی، قبطی اور حبشی زبانوں میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ جدید دور میں عصری علوم میں مہارت حاصل نہ کرنے کی ایک وجہ زبانوں پر دسترس نہ ہونا بھی ہے۔

میدان جنگ ہو یا جنگی قیدیوں کی قسمتوں کا فیصلہ، گلے میں کپڑا ڈال کر کھینچنے والے بدو کا ہاتھ ہو یا راہوں میں کانٹے بچھانے کے اقدامات، ازواج مطہرات پر تہمتیں لگانے والے فتنہ پرداز ہوں یا عین جنگ کے موقع پر ساتھ چھوڑنے والے منافقین، نامناسب کلمات بولنے والی زبانیں ہوں یا معاہدوں کی خلاف ورزی کرنے والے فریق، انسان کامل ﷺ اور معلم

انسانیت ﷺ ہر ہر مرحلے پر ایسی رواداری، تحمل، صبر، عفو و درگزر اور قوت برداشت کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ زیادتی کرنے والا شرمندہ ہو جاتا ہے اور بے اختیار دامن نبوت کی پناہ میں آ جاتا ہے۔ عفو و درگزر، رواداری، صبر و برداشت ایسا خوبصورت جذبہ ہے کہ جو انفرادی و اجتماعی سطح پر پروقار اور باعظمت مقام حاصل کرتا یہ اور اسی جذبے سے جانی دشمنوں کے دل جیتے جا سکتے ہیں۔ یہ جذبہ اگر انفرادی سطح پر ہو تو انسانی شخصیت کے گرد رعب و دبدبے کا عظیم حصار قائم کرتا ہے اور اگر قومی سطح پر ہو تو اقوام عالم میں ایسا تشخص عطا کرتا ہے جس کا تاثر پختہ اور دیرپا ہوتا ہے۔ ہمیں چاہئے کہ دہشت گردی اور تشدد کو بے رحمانہ طریقے سے کچل دیں۔ دور حاضرہ کے مسلمانوں کے اعلیٰ اور متوسط طبقوں کے امت مسلمہ کو جو مسائل درپیش ہیں اس پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے۔ امت مسلمہ کے افتراق و انتشار کے اسباب پر کبھی کسی نے غور نہیں کیا۔ یورپ والوں نے اپنے کئی ملکوں کو اکٹھا کر رکھا ہے نہ وہاں ویزا کی ضرورت ہے نہ ان کے آنے جانے پر پابندی ہے اور اب وہ اپنی کرنسی کو بھی ایک بنا چکے ہیں۔ باوجود یہ کہ ان کی الگ حکومتیں ہیں لیکن انہوں نے بین الاقوامی قوانین ایسے بنائے ہیں کہ وہ اس سے متحد ہو گئے ہیں۔ آج کل اپنے آپ کو عالمی برادری (دولت مشترکہ)، اقوام متحدہ اور سلامتی کونسل جیسے اتحادی ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ جبکہ امت مسلمہ میں اتحاد و یکجہتی کا فقدان پایا جاتا ہے۔ عراق لیبیا سے جبکہ سوڈان افغانستان سے اتحاد و اتفاق کے لئے تیار نہیں یعنی اپنے جانی دشمن سے بچاؤ کے لئے اپنے مسلم بھائی کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کے لئے تیار ہیں۔ دیکھا جائے تو اسی طرح دوسرے اسلامی ملکوں کے مسلمانوں کے دوسرے حالات ہیں لہٰذا امت مسلمہ کے پارہ پارہ کرنے کے اصل ذمہ دار دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی یہی کلمہ گو حکمران ہیں۔

موجودہ دور میں انسانی تعلیم، تہذیب، ثقافت اور معیشت روایتی دور سے نکل کر سائنسی دور میں داخل ہو گئی ہے۔ یہ انقلاب اور یہ تبدیلی دراصل خود روز اول میں آنے والے اسلامی انقلاب کے نتائج میں سے ایک نتیجہ تھا اور فیصلے کی یہ بنیادیں جو نئے زمانے نے فراہم کی وہ عین ہمارے حق میں ہیں۔ مگر افسوس ہم اس انقلاب کو نہ سمجھ سکے اور نہ اس کو اپنے حق میں استعمال کر سکے۔ یہ انقلابی دور جب آیا تو تمام قوموں کے لئے نئے مسائل پیدا ہو گئے مگر دنیا کی ہر قوم نے جلد یا بدیر اس کے مقابلے میں اپنا موقف اور لائحہ عمل متعین کیا اس عموم میں صرف ایک استثناء تھا اور وہ مسلمانوں کا تھا۔ مسلمان دنیا کی واحد ملت ہیں جو اکیسویں صدی میں بھی جدید دور کے مقابلے میں اپنے موقف کا واضح تعین کرنے میں ناکام رہے۔

آج ہم ہر وقت مغرب کی طرف دیکھنے کے قائل ہیں جبکہ مغرب تو ڈوبنے کی جگہ ہے۔ مغرب میں تو سورج ڈوبتا ہے۔ جبکہ مشرق وہ جگہ ہے جہاں سے سورج ابھرتا ہے مشرق روشن ہے اور اس کا افق روشن ہے یہ ابھرنے کی جگہ ہے۔ مغرب کی نہ صرف تہذیب اندھی بلکہ یہاں کی انسانیت بھی اندھی ہے۔ آپ ﷺ مشرق وسطیٰ میں پیدا ہوئے اگر مغرب اللہ کو اتنا ہی پیارا ہوتا تو یقیناً وہاں پر کچھ نہ کچھ کرشمے ضروری ہوتے۔ آج ہماری نوجوان نسل مغرب کی اندھی تقلید کر رہی ہے جبکہ دم توڑتی ہوئی تہذیب کے پیچھے چلنے والوں کو منزل نہیں ملا کرتی۔ آج وہاں پر کونسی روشنی تلاش کی جائے؟ جس طرح سابقہ قومیں بے حیائی اور غرور و تکبر میں ہلاک ہوئی ان کا بھی انجام ایسا ہی ہوگا۔ یہ تہذیب کب ٹوٹے گی یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کفر کو تو برداشت کرتا ہے مگر بے حیائی کو برداشت نہیں کرتا۔

یہ ضروری ہے کہ اسلامی تعلیمات کو نہ صرف مقامی بلکہ غیر ملکی زبانوں میں عام کیا جائے۔ وہ تمام اقدامات جو غلط ہوں اور امہ کی بھلائی اور نفع رسانی کے لئے نہ ہوان کو ختم کر دیا جائے۔ قانون کی حکمرانی ہوتا کہ ہر فرد کو انصاف بروقت مہیا ہو۔ اسلام کسی بھی طور سے تعلیم کے حصول کے لئے منع نہیں فرماتا بلکہ جتنی اہمیت تعلیم کی اسلام میں موجود ہے شاید ہی کسی اور مذہب میں موجود ہو۔ اس بات کی طرف توجہ دی جائے کہ تمام اداروں سے فرقہ وارانہ اور لسانی نمائندگی کا خاتمہ ہو۔ حکومت، علماء اور صحافیوں کی بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے اپنے فرائض بخوبی انجام دیں۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لیکر تابخاک کاشغر

(علامہ اقبالؒ)

حواشی و حوالہ جات

۱۔ (سورہ الاحزاب، آیت نمبر ۲۱)
۲۔ (اسلام کا بحران۔ جہاد اور دہشت گردی/ برنارڈ لیوس مترجم محمد احسن بٹ/ لاہور/ نگارشات/ صفحہ ۷)
۳۔ ایضاً/ صفحہ ۳۵)
۴۔ (سورہ القصص)
۵۔ (چودھری غلام رسول/ مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ/ لاہور/ علمی کتب خانہ/ ۱۹۸۰ء/ ص ۱۰۱۔۱۰۳)
۶۔ (منشی عبدالرحمان خان/ تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی/ لاہور/ ادارہ اسلامیات/ اشاعت دوم ۱۹۹۲ء/ ص ۲۴)
۷۔ (ڈاکٹر اشتیاق حسن قریشی/ براعظم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ/ ترجمہ ہلال احمد زبیری/ کراچی/ شعبہ تصنیف و تالیف جامعہ کراچی/ اشاعت چہارم ۱۹۸۹ء/ ص ۳۶۳)
۸۔ (منشی عبدالرحمان خان/ تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی/ لاہور/ ادارہ اسلامیات/ اشاعت دوم ۱۹۹۲ء/ ص ۲۷۔۲۸)
۹۔ (یجروید۔ ۶/ ۳۷)
۱۰۔ (رگ وید۔ ۱، ۲۹، ۷)
۱۱۔ (رگ وید ۱۰، ۲۴، ۳)
۱۲۔ (ساگر طارق اسماعیل/ آپریشن بلیو اسٹار/ لاہور/ مقبول اکیڈمی/ ۱۹۹۳ء/ ص ۲۰۵)
۱۳۔ (آل عمران ۱۱۲)
۱۴۔ (سورہ النساء۔ ۱۵۵)
۱۵۔ (آل عمران ۱۱۲ مزید دیکھیں البقرہ ۹۱۔ آل عمران ۱۸ اور ۲۱)
۱۶۔ (حمید اللہ، ڈاکٹر/ محمد رسول اللہ ﷺ کی سیاسی زندگی/ لاہور/ ادارہ اسلامیات انارکلی/ ص ۳۱۹)

۱۷۔ (بوڈلے، آر۔ وی۔ سی۔ محمد رسول ﷺ (مترجم محمد علی چراغ نذیر سنز لاہور ۱۹۹۶ء) ص ۱۶۴، بحوالہ کتاب استثناء باب ۲۰ آیات ۱۰۔۱۴، سعد بن معاذ نے بنی قریظہ یہود کے بالغوں کو قتل کا فیصلہ کیا تھا وہ انہی کے مذکورہ مذہبی حکم کے تھا)

۱۸۔ (نیازی ڈاکٹر لیاقت علی خان/ مطالعہ سیرت/ میانوالی/ پروگریسیو پبلشرز/ ۱۹۹۳/ ص ۱۱۶)

۱۹۔ (ندوی، مجید اللہ، اہل کتاب صحابہ وتابعین/ اعظم گڑھ/ معارف پریس انڈیا/ ۱۹۵۱ء/ ص ۹۱۔۹۲)

۲۰۔ (Arnold toyn bee J/ A study of History/ Vol.12)

۲۱۔ (Atrur Gilman/ The Seracens/ London/ 1887/ P.184)

۲۲۔ (محمد مارماڈیوک پکتھال/ اسلام کلچر مترجم پروفیسر محمد ایوب/ لاہور/ مکتبہ تعمیر انسانیت/ ص ۸۲)

۲۳۔ (رضوی، سید واجب علی/ رسول میدان جنگ میں/ ص ۲۷۷)

۲۴۔ (حمید اللہ، ڈاکٹر/ محمد رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی/ لاہور/ ادارہ اسلامیات انارکلی/ ص ۴۶، مزید دیکھیں اہل کتاب صحابہ وتابعین/ مجیب اللہ ندوی/ ص ۹۳)

۲۵۔ (جارج کونستان ورژیل/ پیغمبر اسلام ﷺ مترجم مولانا وارث علی/ کراچی/ شمع بک ایجنسی/ ص ۱۰)

۲۶۔ (رضی سید واجد علی/ رسول میدان جنگ میں/ ص ۴۰)

۲۷۔ (ایضاً/ ص ۴۱۔۴۲)

۲۸۔ (معلقات۔ کلام عمر بن کلثوم)

۲۹۔ باری علیگ/ اسلامی تاریخ وتہذیب/ لاہور/ تخلیقات/ ۱۹۹۲ء/ ص ۲۳)

۳۰۔ (صحیح بخاری)

۳۱۔ (قاضی ثناء اللہ عثمانی پانی پتی/ تفسیر مظہر/ حیدر آباد دکن/ مجلس اشاعت العلوم/ ج ۹/ ص ۲۵)

۳۲۔ (ڈاکٹر مولانا محسن عثمانی ندوی/ مطالعہ مذاہب/ کراچی/ مجلس نشریات اسلام ناظم آباد/ ۱۹۹۹ء/ ص ۹)

۳۳۔ (Arm strong keren/ Muhammad a western attempt to understanding Islam/ London/ 1992/p 266)

۳۴۔ (سیرۃ مقالہ/ سید عطا اللہ/ پشاور/ ۲۰۰۳/ ص ۳۸۵)

۳۵۔ (قاضی محمد سلیمان سلمان منصوری پوری/ رحمۃ للعالمین/ لاہور/ مکتبہ اسلامیہ/ ج ۲/ ص ۲۱۳)

۳۶۔ (ڈاکٹر محمد حمید اللہ/ خطبات بہاولپور/ اسلام آباد/ ادارہ تحقیقات اسلامی/ اشاعت چہارم ۱۹۹۲ء/ ص ۲۳۹)

۳۵۔ (سورہ الاعراف، ۱۵۸)

۳۸۔ (سورۃ فتح ۲۸)

۳۹۔ (سورہ آل عمران، آیت ۸۵)

۴۰۔ (سورہ المائدہ، آیت نمبر ۳)

۴۱۔ (پنڈت گوپال کرشن (ایڈیٹر بھارت سماچار بمبئی)/ مقالہ مہاپرش محمد ﷺ/ ۱۹۶۶/ ص ۱۶۴)

۴۲۔ اسلامی بیداری انکار اور انتہا پسندی کے نرغے میں/ ڈاکٹر یوسف القرضاوی مترجم سلمان ندوی/ لاہور/ مکتبہ تعمیر انسانیت/ ص ۹)

۴۳۔ ایضاً/ص ۲۷)

۴۴۔ (Bhatti, Current Affairs. 2000)

۴۵۔ (Bhatti, Current Affairs. 2000)

۴۶۔ (سورہ فاتحہ)

۴۷۔ (ایضاً)

۴۸۔ (مسند امام احمد/سنن نسائی/سنن ابن ماجہ)

۴۹۔ اسلامی بیداری انکار اور انتہا پسندی کے نرغے میں/ڈاکٹر یوسف القرضاوی مترجم سلمان ندوی/لاہور/مکتبہ تعمیر انسانیت/ص ۱۳)

۵۰۔ (متفق علیہ)(اسلامی بیداری انکار اور انتہا پسندی کے نرغے میں/ڈاکٹر یوسف القرضاوی مترجم سلمان ندوی/لاہور/مکتبہ تعمیر انسانیت/ص ۲۰)

۵۱۔ (بخاری و مسلم)(ایضاً/ص ۲۳)

۵۲۔ (قاضی محمد سلیمان سلمان منصوری پوری/رحمتہ للعالمین/لاہور/پروگریسو بک سینٹر/ج ۳/ص ۳۴۱)

۵۳۔ (سورہ البقرہ، ۱۸۵)

۵۴۔ (سورہ النحل، آیت نمبر ۱۲۵)

۵۵۔ (سورہ الحجرات، آیت نمبر ۱۲)

۵۶۔ (متفق علیہ)

۵۷۔ (شرح عقائد السفیہ/بحوالہ جواہر الفقہ/مفتی محمد شفیع/کراچی/ادارہ معارف کراچی/ج ۱۴/ص ۳۰)

۵۸- (Esposito: The Islamic Threat, Myth or Reality. P 196

۵۹- (http://encarta.msn.com/encyclopedia-1/Terrorism.html)

۶۰- (The New Encyclopaedia Britannica/Scurlock Tirah IX/Chicaqo/ William Benton. Publisher/ 1972/P-904)

۶۱- (http://encarta.msn.com/encyclopedia_761564344_1/Terrorism.html)

۶۲- (Rabbi A Grohman, Neturei Karta, UK/) Middle East and Terrorism) http://www.islamic-studies.org/terrorconfer.pro.htm

۶۳۔ (سید معروف شاہ شیرازی/اسلام اور دہشت گردی/لاہور/ادارہ منشورات اسلامی/۲۰۰۲/ص ۱۷۵)

۶۴۔ (کیرم آرم اسٹرانگ/مسلمانوں کا سیاسی عروج زوال/لاہور/ نگارشات/۲۰۰۳/ص ۱۸۰)

۶۵۔ ایضاً حوالہ نمبر ۶۴/ص ۱۷۵۔۱۷۹)

۶۶- (International One-day Conference/ Jewish, Christian, Muslim religious leaders And Politicians Discuss:Terrorism Tuesday 13th Novemver 2001- London)(Rt. Hon. Tony Benn, Member of British Parliament, UK/Peace and Justice)

۶۷ (اسرار عالم/ عالم اسلام کی صورتحال/ کراچی/ ادارہ معارف اسلامی/ ۲۰۰۰ء/ص ۶۷)۔

۶۸۔ (Zbigniew Brezenski/Out of Control Global Turmoil on the eve of the twenty first century/New York/1995/p214

۶۹۔ (ساحل/ مدیر منتظم ڈاکٹر خالد علی انصاری/ کراچی/ اکتوبر ۲۰۰۰/ص ۵۰)

۷۰۔ (اُتھکس اینڈ انٹرنیشنل افیئرز/ مئی ۲۰۰۰)

۷۱۔

۷۲۔ (ماہنامہ ساحل/ کراچی/ ج ۱۳/ ش ۱۱/ نومبر۔ دسمبر ۲۰۰۲ء/ص ۴۱۔۴۲)

۷۳۔ (احمد سلیم نیا عالمی نظام اور پاکستان (مقالات) مقالہ جوہر میر/ لاہور/ فکشن ہاؤس مزنگ روڈ/ ۱۹۹۱ء/ص ۱۶)

۷۴۔ (جنگ سنڈے میگزین/ ۲۲ دسمبر ۲۰۰۲/ص ۶۔۷)

۷۵۔ (ماہنامہ ساحل/ کراچی/ ج ۱۳/ ش ۱۰/ اکتوبر دسمبر ۲۰۰۱/ص ۴۳ تا ۴۶)

۷۶۔ (ولیم بیلم/ روگ اسٹیٹ ترجمہ بدمعاش امریکہ/ مترجم سید ناصر علی/ص ۱۷۱)

۷۷۔ Chomsky Noam/ World Order old and New/London pluto press 1994-96)

۷۹۔ (ماہنامہ ساحل کراچی، ج ۱۳/ص ۱۰)

۸۰۔ (احمد سلیم/ نیا عالمی نظام اور پاکستان/ص ۶۵)

۸۱۔ (ماہنامہ ساحل/ کراچی/ ج۔ ۱۳ ش ۱۱/ نومبر دسمبر ۲۰۰۱)(۷۹)

۸۲۔ ایضاً/ص ۸۹۔۹۶)

۸۳۔ (ماہنامہ ساحل/ کراچی/ ج ۱۳/ ش ۱۰/ اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۱/ص ۸۹۔۹۶)

۸۴۔ (مجتبیٰ موسوی/ مغربی تمدن کی ایک جھلک/ دہلی/ ترقی اردو بورڈ/ص ۷۶)۔

۸۵۔ ایضاً/ص ۷۶)

۸۶۔ ایضاً/ص ۷۷)

۸۷۔ (Harun Yahya/.islamdenouncesterroris/Brostp/Amal Press/January 2002/P9

۸۸۔ (زین العابدین میرٹھی/ پیغمبر اسلام کا پیغام امن وسلام/ نقوش رسول نمبر ﷺ/ ج سوم/ص ۴۶۰)

۸۹۔ (محمود شکری آلوسی/ بلاغ الارب فی احوال العرب، مترجم ڈاکٹر م د حسن/ لاہور/ مرکزی اردو بورڈ/ ج ۳/ ۱۹۶۷ء/ص ۴۹۰)

۹۰۔ (پنڈت گوپال کرشن/ مہاپرش محمد ﷺ)

۹۱۔ (سورۃ البقرہ، آیت نمبر ۱۹۰)

۹۲۔ (پنڈت گوپال کرشن (ایڈیٹر بھارت سماچار بمبئی)/ مقالہ مہاپرش محمد ﷺ/ ۱۹۶۶ء/ص ۱۶۵)

۹۳۔ (سورہ یونس آیت نمبر ۹۹)

۹۴۔ (یوسف القرضاوی/ شریعۃ الاسلام (خلودھا وصلاحھا للتطبیق فی کل زمان ومکان) بیروت/ المکتب الاسلامی/ ۱۹۸۹ء/ص ۵۲)

۹۵۔ محمد یوسف کاندھلوی/ حیاۃ الصحابہ/ لاہور/ کتب خانہ فیضی/ ج ۳/ صفحہ ۵۸۵۔

۹۶۔ محمد حسین ہیکل (اردو ترجمہ ابو یحییٰ امام خان) حیاۃ محمد ﷺ / لاہور / ادارہ ثقافت اسلامیہ / ۱۹۹۳ / صفحہ ۲۸

۹۷۔ سورہ البقرہ / آیت نمبر ۱۵۱

۹۸۔ (ڈاکٹر حافظ محمد ثانی / رسول اکرم ﷺ اور رواداری / فضلی سنز / کراچی / مارچ ۱۹۸۸)

۹۹۔ (مقالات سیرت ۲۰۰۴ء تقاریر / مفتی غلام الرحمان / پشاور / صفحہ ۲۱)

۱۰۰۔ (H.G.Wells/ A short History of the World/London/1924/Page No.140)

۱۰۱۔ (انجیل متی ۱۰ / ۱۵،۶ / ۲۴)

۱۰۲۔ (ڈاکٹر حمید اللہ / رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی / کراچی / دارالاشاعت / ۱۹۸۸ء / صفحہ ۲۲۸)

۱۰۳۔ (سید ابو الاعلیٰ مودودی / الجہاد فی الاسلام / مرکزی مکتبہ اسلامی / دہلی / نومبر ۱۹۷۹ / ص ۲۴)

۱۰۴۔ (سورہ الفرقان، آیت نمبر ۶۸)

۱۰۵۔ (ابن ماجہ، مسند احمد بن حنبل)

۱۰۶۔ (سورہ المائدہ)

۱۰۷۔ (تفسیر الکبیر / ج ۱۱ / ص ۳۱۳)

۱۰۸۔ (سید ابو الاعلیٰ مودودی / الجہاد فی الاسلام / مرکزی مکتبہ اسلامی / دہلی / نومبر ۱۹۷۹ / ص ۲۷۔۲۸)

۱۰۹۔ (ستار طاہر / ایک عالم ہے ثنا خواں آپ کا (دوست پبلیکیشنز اسلام آباد، ۱۹۹۵) بحوالہ انسائیکلو پیڈیا بری ٹانیکا)۔

۱۱۰۔ (الامام البخاری / الجامع الصحیح کتاب الایمان، لجنتہ احیاء کتب السنتہ / مصر / ج ۱، ص ۲۸)

۱۱۱۔ (محمد بن یوسف الصالحی الشامی / سبل الھدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد / لجنتہ احیاء التراث الاسلامی / قاہرہ / ۱۹۸۳ء / ج ۷، ص ۳۶)

۱۱۲۔ (سورہ آل عمران، ۳: ۱۵۹)

۱۱۳۔ (رواہ البیہقی)

۱۱۴۔ (رواہ الترمذی)

۱۱۵۔ (سورہ الشوریٰ: ۴۲: ۲۵)

۱۱۶۔ (محمد کرم شاہ الازہری / ضیاء نبی ﷺ / لاہور / ضیاء القرآن پبلیکیشنز / ۵ / ص ۳۰۱) اور غضب اور رضا دونوں حالتوں میں انصاف کروں۔

۱۱۷۔ الصالحی محمد یوسف / سبل الھدیٰ والرشاد / قاہرہ / ۱۹۷۲ء / ج ۷ / ص ۳۲)

۱۱۸۔ (مطالعہ قرآن مجید مراسلاتی کورس / دعوۃ اکیڈمی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی / اسلام آباد / کورس نمبر ۱۹ یونٹ ۴، ج / ۲۹ اگست ۲۰۰۳ / ص ۵۷۸۴)

۱۱۹۔ (ابن قیم الجوزیہ / زاد المعاد فی ھدی خیر العباد / بیروت / موسستہ الرسالہ / ۱۹۸۵ء / ج ۳، ص ۴۴۲)

۱۲۰۔ (سبل الھدی والرشاد فی سیرۃ خیر العباد / قاہرہ / ۱۹۷۲ء / ج ۵ / ص ۳۳۸)

۱۲۱۔ (پنڈت گوپال کرشن (ایڈیٹر بھارت سماچار بمبئی) / مقالہ مہاپرش محمد ﷺ / ۱۹۶۶ / ص ۱۶۴)

۱۲۲۔ (پنڈت گوپال کرشن (ایڈیٹر بھارت سماچار بمبئی) / مقالہ مہاپرش محمد ﷺ / ۱۹۶۶ / ص ۱۶۴)

۱۲۳۔ (ترمذی)

۱۲۴۔ (بخاری)

۱۲۵۔ (مشکوٰۃ۔ کتاب الصید والذبائح)

۱۲۶۔ (سید نظر الحسن گیلانی/ آرٹیکل دہشت گردی شکوک وشبہات کا ازالہ/ روزنامہ انقلاب بمبئی/ جمعہ ۱۹ دسمبر ۲۰۰۳)

۱۲۷۔ (البیہقی شعب الایمان)

۱۲۸۔ حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی/ حیاۃ الصحابہ/ لاہور/ کتب خانہ فیضی/ ج ۳/ صفحہ نمبر ۵۸۸)

۱۲۹۔ (البخاری/ جلد نمبر ۳/ ص ۳۹۵)

۱۳۰۔ (غلام رسول مہر/ آرٹیکل حجۃ الوداع/ ماہ نو/ کراچی/ ادارہ مطبوعات پاکستان/ ۱۹۶۶/ ص ۱۷۱)

۱۳۱۔ (صحیح البخاری/ ج ۳/ ص ۳۹۵)

۱۳۲۔ (سورہ آل عمران ۱۰۳)

۱۳۳۔ پروفیسر حسن الدین ہاشمی/ اسلامیات برائے انٹرمیڈیٹ کلاسز/ لاہور/ انڈس پبلشنگ ہاؤس/ جولائی ۱۹۹۳/ ص ۱۵۴)

۱۳۴۔ (ڈاکٹر حمید اللہ/ رسول اللہ ﷺ کی سیاسی زندگی/ ص ۳۱۳)

۱۳۵۔ (صحیح المسلم حدیث نمبر ۲۰۱۴)

۱۳۶۔ (بحوالہ تفسیر ابن کثیر، اردو ترجمہ/ ج ۱/ ص ۴۶۲)

۱۳۷۔ (ڈاکٹر حمید اللہ/ رسول اللہ ﷺ کی سیاسی زندگی/ ص ۳۴۲۔۳۲۵)

۱۳۸۔ (سورہ الانبیاء آیت نمبر ۱۰۷)

۱۳۹۔ (سورہ الکہف/ ۲۹ اور سورہ الکافرون)

۱۴۰۔ (اقبال/ کلیات اقبال/ لاہور/ شیخ غلام علی اینڈ سنز/ ۱۹۹۸، ص ۴۷)

۱۴۱۔ (متفق علیہ)

۱۴۲۔ ایضاً/ ص ۴۷

۱۴۳۔ (مشکوٰۃ المصابیح/ الجزء الثالث بحوالہ کاروان ملت/ ص ۱۵۹)

۱۴۴۔ (ترمذی/ بحوالہ سیرت النبی ﷺ/ ج ۶/ ص ۲۳۷)

۱۴۵۔ (سورہ آل عمران ۱۵۹)

۱۴۶۔ پروفیسر حسن الدین ہاشمی/ اسلامیات لازمی/ رائے انٹرمیڈیٹ کلاسز/ پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ لاہور/ ۱۹۹۳/ صفحہ نمبر ۱۳۱

۱۴۷۔ (www.Islam & Religious Tolerance-Sheikg Ahmad Kuftaro's Official website, Islamic sites. html)

۱۴۸۔ (الامام ابوعبداللہ/ صحیح بخاری/ کتاب الحدود/ ج ۲/ ص ۶۱۶)

۱۴۹۔ (پروفیسر حسن الدین ہاشمی/ اسلامیات برائے انٹرمیڈیٹ/ لاہور/ انڈس پبلشنگ ہاؤس/ ۱۹۹۳/ ص ۶۰)

۱۵۰۔ حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی/ حیاۃ الصحابہ/ لاہور/ کتب خانہ فیضی/ ج ۳/ صفحہ نمبر ۵۸۸

۱۵۱۔ (سورہ الحشر/ آیت نمبر ۷)

۱۵۲۔ (سورہ النحل ۹۰)

۱۵۳۔ پروفیسر حسن الدین ہاشمی/ اسلامیات برائے انٹرمیڈیٹ/ پنجاب ٹیکسٹ بک/ صفحہ ۹۶)

۱۵۴۔ الامام ابوداؤد/ سنن ابی داؤد/ ملتان/ ج ۲/ صفحہ ۲۷۶

۱۵۵۔ سورۃ النساء/ آیت نمبر ۵۸

۱۵۶۔ پروفیسر حسن الدین ہاشمی/ اسلامیات برائے انٹرمیڈیٹ/ لاہور/ انڈس پبلیشنگ ہاؤس/ ۱۹۹۳/ صفحہ نمبر ۹۶)

۱۵۷۔ متفق علیہ

۱۵۸۔ سنن ترمذی/ باب فی لزوم الجماعۃ

۱۵۹۔ سنن ابی داؤد۔ باب فی اصلاح ذات البین

۱۶۰۔ سنن ابی داؤد۔ باب فی العصبیہ

۱۶۱۔ (ملاحظہ ہو جنگ عظیم از لوئیس سنائیڈز/ ترجمہ از غلام رسول مہر/ لاہور/ ص ۲۶ تا ۲۸)

۱۶۲۔ (بخاری/ کتاب الاحکام باب السمع والطاعۃ لامام)

۱۶۳۔ (علامہ سیوطی/ تاریخ الخلفاء/ کراچی/ نور محمد کتب خانہ/ ص ۶۹)

۱۶۴۔ (سورہ الانفال ۶۵۔۶۶)

۱۶۵۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ (دانش گاہ پنجاب لاہور طبع اول ۱۹۸۶ء) ج ۱۹، ص ۱۶۶)

۱۶۶۔ (الفتح ۱۰، الانفال ۵۶، النحل ۹۱، البقرہ ۷۷، تفصیل کے لئے دیکھئے المعجم المفہرس لالفاظ القرآن محمد فواد عبدالباقی)

۱۶۷۔ (سورہ آل عمران ۱۱۱)

۱۶۸۔ (سورہ الحج ۶ اور سورہ البقرہ ۱۹۴)

۱۶۹۔ (سورہ البقرہ ۱۸۱)

۱۷۰۔ (سورہ الانفال، ۶۱)

171- (Arnola T.W./The preaching of Islam/p 426)

۱۷۲۔ (ڈاکٹر حافظ محمد ثانی/ تجلیات سیرت/ کراچی/ فضلی سنز/ ص ۱۲۶)

۱۷۳۔ ایضاً/ ص ۱۲۵ تا ۱۳۲)

۱۷۴۔ (غوستان لوبون فرانسیسی فلسفی ہے جسے علوم شرقیہ کا ماہر تسلیم کیا جاتا ہے اگرچہ اس کے بعض نظریات متعصبانہ ہیں لیکن مجموعی طور پر وہ ایک بڑا کاتب شمار ہوتا ہے۔

۱۷۵۔ ایضاً/ ص ۶۰۵)

۱۷۶۔ ایضاً/ ص ۱۲۸)

۱۷۷۔ (ڈاکٹر خالد علوی/ انسان کامل/ لاہور/ الفیصل پبلیشرز/ ص ۲۶۴)

۱۷۸۔ ایضاً/ ص ۲۶۴)

دور حاضر میں مذہبی انتہاء پسندی کا رجحان اور اس کا خاتمہ تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

پروفیسر رب نواز، لاہور

تمہید و پس منظر:

اللہ تعالیٰ نے انسان کو راہ راست پر رکھنے کے لئے مختلف ادوار میں انبیاء و رسل بھیجے جنہوں نے خدائی ہدایت کے ساتھ ساتھ سیرت کا ایسا نمونہ پیش کیا جو انتہائی متوازن، معتدل اور سواء سبیل کا حامل تھا۔ انبیاء و رسل نے زندگی کے کسی ایک پہلو پر زور نہیں دیا بلکہ من حیث المجموع پوری زندگی کی اصلاح کی۔ مراسم عبادت ہوں، عقائد و نظریات ہوں، معاشرتی و سماجی معاملات ہوں، معاشی معاملات ہوں، سیاسی زندگی کی بات ہو یا اجتماعی فلسفہ، زندگی کے تمام دائروں میں نقطہ توسط پیش کیا۔ ساتھ ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ انبیاء کے پیروکاروں کے ایک گروہ نے فلسفہ نبوت کو نہ سمجھا۔ انہوں نے دنیا و مذہب کی تقسیم کر کے مذہبی عبادات پر زیادہ زور دیا جس کی وجہ سے زندگی عدم توازن کا شکار ہوگئی۔ متذکرہ گروہ نے زندگی کی ناہمواریوں اور خلا کو مراسم عبودیت سے پُر کرنے کی کوشش کی اور بزعم خود اللہ سے قربت اور تعلق میں اضافہ کا ثبوت دیا۔ اس کی سب سے بڑی مثال ہمیں نصاریٰ سے ملتی ہے۔ حضرت عیسیٰ نے پورے دین کا تصور پیش کیا، انہوں نے توریت اور اپنے اوپر نازل ہونے والے احکامات کو ملا کر تصور زندگی پیش کیا۔ آپ نے فرمایا: میں توریت کو منسوخ کرنے کے لئے نہیں آیا بلکہ اس کی تکمیل کے لئے آیا ہوں۔

تو ان کے پیروکار اخلاقی تعلیمات پر اکتفا کرتے ہوئے احکامات شریعت سے دور ہو گئے۔ انہوں نے زیادہ سے زیادہ وقت عبادات میں صرف کرنے کے لئے دنیا کو ترک کر دیا اور رہبانیت اختیار کر لی اور زندگی کے نقطہ اعتدال سے ہٹ گئے۔ قرآن کہتا ہے:

وَ رَهْبَانِيَّةَ نِ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ [1]

اور رہبانیت انہوں نے خود ایجاد کر لی ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کیا تھا مگر اللہ کی خوشنودی کی طلب میں انہوں نے آپ ہی یہ بدعت نکالی اور پھر اس کی پابندی کرنے کا جو حق تھا اسے ادا نہ کیا۔

سید مودودیؒ اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

یعنی وہ دوہری غلامی میں مبتلا ہو گئے ایک غلطی یہ کی کہ اپنے اوپر ہی پابندیاں عائد کیں اور دوسری غلطی یہ کہ جن پابندیوں کو اپنے نزدیک اللہ کی خوشنودی کا ذریعہ سمجھ کر خود اپنے اوپر عائد کئے بیٹھے تھے ان کا حق ادا نہ کیا اور وہ حرکتیں کیں جن

سے اللہ کی خوشنودی کے بجائے الٹا اس کا غضب مول لے بیٹھے۔[۲]

یہود و نصاریٰ کی انتہا پسندی کی ایک شکل ظاہر پرستی تھی۔ قرآن مجید میں یہود و انصاری کی اسی ظاہر پرستی پر سخت گرفت کی گئی ہے اور امت مسلمہ کی رہنمائی کی گئی ہے کہ وہ دین کی ظاہریت کے پابند نہ ہو اور دین کی حقیقی روح کو سمجھے۔

چنانچہ سورۃ البقرہ جس میں یہود کی ذہنیت پر تفصیل کے ساتھ تبصرہ کیا گیا ہے) میں ارشاد خداوندی ہے:

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ الخ[۳]

سید مودودیؒ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ چند ظاہری رسوم اور صرف ضابطے کی خانہ پری کے طور پر چند مقرر مذہبی اعمال سرانجام دینا اور تقویٰ کی چند معروف شکلوں کا مظاہرہ کر دینا وہ حقیقی نیکی نہیں ہے جو اللہ کے ہاں وزن اور قدر رکھتی ہے۔[۴] مولانا امین احسن اصلاحی صاحبؒ کہتے ہیں ان تنبیہات سے مقصد اس بات کو یہودی و نصاریٰ اور مشرکین کی یہ بات اور ظاہر پرستیوں سے بچا کر دین کی اصل حیثیت کی طرف متوجہ کرنا ہے لیکن افسوس ہے کہ یہ امت بھی وادیوں میں بھٹک کر رہ گئی ہے جن میں پچھلی امتیں ہلاک ہوئیں تھیں۔[۵] ابن کثیرؒ آیت زیر بحث کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں:

وليس فى لزوم التوجه الى جهة من المشرق و المغرب برولا طاعة، ان لم يكن عن الله و شرعه.[۶]

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُو الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِ هَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ج وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ص وَاتَّقُو اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ.[۷]

سید مودودیؒ کہتے ہیں کہ نیکی دراصل اللہ سے ڈرنے اور اس کے احکام کی خلاف ورزی سے بچنے کا نام ہے ان بے معنی رسموں کا نیکی سے کوئی واسطہ نہیں جو باپ دادا کی اندھی تقلید میں برتی جارہی ہیں اور جن کا انسان کی سعادت سے کوئی واسطہ نہیں[۸] مولانا امین احسن اصلاحی اس ظاہر پرستی پر تنقید کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ امتوں میں یہ بیماری ہے کہ آہستہ آہستہ دین سے بھٹکتی ہیں اور احکام و فرائض کو پس پشت ڈال دیتی ہیں اور ان کی خانہ پُری بدعات و رسومات سے کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔[۹]

امت مسلمہ کا امتیاز:

یہود و نصاریٰ کی انتہا پسندانہ مذہبی ذہنیت کے برعکس اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو توسط کی حامل اور اعتدال پسند امت بنا کر مبعوث فرمایا چنانچہ سورۃ البقرہ ہی میں جہاں اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کی ظاہر پرستی (یہودیت) اور رہبانیت (عیسائیت) کی مذہبی انتہا پسندی پر تنقید فرمائی وہیں امت مسلمہ کی اعتدال پسندانہ حیثیت کو واضح طور پر بیان کیا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا.[۱۰]

اور اس طرح ہم نے تم کو امت وسط بنایا ہے۔

حافظ ابن کثیر نے امت وسط کو امت العدل قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ الوسط العدل۔ پھر کہتے ہیں جب امت مسلمہ کو امت وسط کہا گیا ہے تو اسے بہترین شریعت سے بھی نوازا گیا ہے:

ولما جعل الله هذا الامة وسطا باكمل اشرائع، وقوام المناهج و اوضع المذاهب۔ [۱۱]

مولانا مودودیؒ نے امت وسط کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا ہے "امت وسط" کا لفظ اس قدر وسیع معنویت اپنے اندر رکھتا ہے کہ کسی دوسرے لفظ سے اس کے ترجمے کا حق ادا نہیں کیا جا سکتا۔ اس سے مراد ایک ایسا اعلیٰ اور اشرف گروہ ہے، جو عدل و انصاف اور توسط کی روش پر قائم ہو، جو دنیا کی قوموں کے درمیان صدر کی حیثیت رکھتا ہو، جس کا تعلق سب کے ساتھ یکساں حق اور راستی کا تعلق ہو اور ناحق، ناروا تعلق کسی سے نہ ہو۔ [۱۲]

مولانا اصلاحی نے امت وسط کا پس منظر بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

یہ امت امت وسط ہے یعنی یہ اس صراط مستقیم پر قائم ہے جو دین حق کی اصل خدائی شاہراہ ہے۔ اس کی ملت، ملت ابراہیم اور اس کا قبلہ قبلہ ابراہیمی بیت الحرام ہے۔ [۱۳]

مولانا اصلاحی صاحب امت وسط کی لفظی و معنوی تفسیر میں مزید ارشاد فرماتے ہیں۔ جس طرح ہم نے قبلہ کے معاملہ میں یہود و نصاریٰ کے پیدا کردہ پیچ وخم اور مشرق و مغرب کے چکر سے تمہیں نکال کر صراط مستقیم کی طرف تمہاری رہنمائی کی، اس طرح ہم نے تم کو یہودیت اور نصرانیت کی پگڈنڈیوں سے بچا کر دین کی بیچ شاہراہ پر قائم رہنے والی امت بنایا تا کہ رسول ﷺ تم پر اللہ کے دین کی گواہی دیں اور تم خلق خدا پر اللہ کے دین کی گواہی دو۔

وسط لفظ ولد کی طرح مذکور و مؤنث، واحد اور جمع سب کے لئے آتا ہے۔ اس کے معنی ہیں وہ شے جو دو طرفوں سے درمیان بالکل وسط میں ہو۔ یہیں سے اس کے اندر بہتر ہونے کا مفہوم پیدا ہو گیا اس لئے جو شے دو کناروں کے درمیان ہو گی وہ نقطہ توسط و اعتدال پر ہو گی اور یہ اس کے لئے بہتر ہونے کی فطری دلیل ہے۔ امت مسلمہ کو امت وسط کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ امت ٹھیک دین کی اس بیچ شاہراہ پر قائم ہے جو اللہ تعالیٰ نے خلق کی رہنمائی کے لئے اپنے نبیوں اور رسولوں کے ذریعہ سے کھولی ہے اور جو ہدایت کی اصلی شاہراہ ہے۔ یہود و نصاریٰ اللہ کے نبیوں میں تفریق کر کے اس شاہراہ سے ہٹ گئے اور انہوں نے یہودیت و نصرانیت کی پگڈنڈیاں نکال لیں۔ اسی طرح وہ قبلہ سے منحرف ہو کر مشرق و مغرب کے جھگڑوں میں پڑ گئے لیکن یہ امت کج پیچ کی راہوں میں بھٹکنے کے بجائے دین کی اصلی راہ پر قائم ہے۔ اس کا کلمہ تفریق کے بجائے وحدت کا کلمہ ہے جس کا حوالہ اوپر کے الفاظ میں گذر چکا ہے۔ [۱۴]

جہاں تک امت مسلمہ کی ذمہ داریوں کا تعلق ہے تو یہ آیت کے اگلے حصے میں بیان کر دی گئی ہیں:

لِتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ.

کہ تمہارا کام لوگوں کے سامنے شہادت حق کا فریضہ سرانجام دینا ہے۔ ایک اور مقام پر قرآن نے تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ ان دونوں الفاظ کی تراکیب و معنویت بیان کرتے ہوئے مولانا

صدر الدین ارشاد فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے دین کو قائم رکھنا، ساری دنیا کیلئے حق کا شاہد اور نگران بننا، معروف کا حکم دینا اور منکر سے روکنا اور خیر کامل کی طرف لوگوں کو بلاتے رہنا اس کی منصبی ذمہ داری تھی یہی اس کا وجود کی کل غایت تھی اور یہی اس کی اصل حیثیت تھی۔ اس نتے ایک وقت تک اس ذمہ داری کو اس طرح نبھایا کہ ہر فرد نے سر کی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ اس ملت کی غایت وجود، اور اس کی اصل حیثیت یہ ہے۔ [۱۵]

مولانا نعیم صدیقی اس امت کی ذمہ داری ومعنویت کو ایک اور حوالے سے دیکھتے ہیں۔

ہم ایک نظریاتی قوم یا ملت تھے، جو ایک وسیع تمدنی تحریک کو لے کے اٹھی تھی اور ایک خاص نظام حیات کی علم برداری ہی کیلئے اسے وجود میں لایا گیا تھا۔ [۱۶]

ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک اسلام کے ہر شعبے میں توسط واعتدال محسوس کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

آپ دیکھئے کہ اسلام کا راستدان دونوں انتہاؤں کے درمیان بالکل اعتدال کا راستہ ہے اسلام نے روزہ فرض قرار دے دیا۔ ہر شخص کے لئے ضروری قرار پایا ایک ماہ تک ایسی مشق کرائی جاتی ہے کہ عیش وآرام کی بہترین صورتیں یعنی کھانا پینا سونا اور جنسی لذت حاصل کرنا تینوں میں شدید کمی پیدا کردی مگر اس کے ساتھ ساتھ ہر شخص کے لئے ضروری قرار دیا کہ وہ والدین، اہل وعیال، ہمسایوں اور دیگر تمام لوگوں کے حقوق اسی بھری دنیا کے اندر ادا کرے یعنی دنیا داری اور روحانیت دونوں میں انتہائی حسین اعتدال کی صورت پیدا فرمادی۔ [۱۷]

ڈاکٹر یوسف القرضاوی مختصر ترین جملے میں امت مسلمہ کا امتیازی وصف اور اس کی ذمہ داری یوں بیان کرتے ہیں۔

پس امت مسلمہ وہ انصاف پسند اور اعتدال پسند امت ہے جسے صراط مستقیم سے دائیں بائیں ہٹی ہوئی گمراہی اور ضلالت کے خلاف دنیا اور آخرت میں گواہ بنا کر کھڑا کیا گیا ہے۔ [۱۸]

تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ امت مسلمہ اپنی امتیازی شان کھو بیٹھی ہے۔ وہ شہادت علی الناس کے منصب جلیلہ سے گر کر فرقہ بندی، مذہبی تعصب اور مذہبی انتہا پسندی کا شکار ہوگئی ہے۔ اب امت مسلمہ نام کے بجائے حنفی، مالکی، شافعی، سنی، شیعہ، بریلوی، دیوبندی اور اہلحدیث کے نام جانی جاتی ہے۔ ان گروہوں میں مذہبی انتہا پسندی کا عنصر نمایاں ہے۔ یہ مذہبی انتہا پسندی ہے۔

انتہا پسندی، تعریف ومفہوم:

مذہبی انتہا پسندی سے مراد شریعت اسلامی کے جزوی اور فروعی مسائل کو اصول وکلیات پر ترجیح دینا اور ان کی بنیاد پر تشہیر وتوسیع کے ساتھ ساتھ گروہ بندی کا اظہار کرنا ہے۔

مندرجہ بالا تعریف کی روشنی میں نصوص کو پس پشت ڈال دیا جاتا ہے۔ اسلام کی حکمت، اصول تدریج اور الاہم فالاہم کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور غیر اہم امور کو بنیاد بنایا جاتا ہے۔

یہ انتہا پسندی اور غلو عقائد، عبادات، معاشرتی رسوم اور اخلاق و معاملات غرضیکہ زندگی کے تمام دائروں میں وقوع پذیر ہوسکتا ہے تاہم اس غلو یا انتہا پسندی کا اظہار عقیدہ و فقہ میں زیادہ ہوتا ہے۔ اس کی بنیاد پر گروہ اور جماعتیں و مسالک وجود میں آتے ہیں، اسی حوالے سے نمازیں الگ ہوتی ہیں۔

انتہا پسندی کی وجوہات:

دین سے دوری، فرقہ بندی، تشدد اور مذہبی انتہا پسندی کی متعدد وجوہ ہیں جنہیں سطور ذیل میں بیان کیا گیا ہے اور تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں ان پر تنقید و تبصرہ بھی کیا گیا ہے۔ یہ اسباب و وجوہ درج ذیل ہیں۔

غلو فی الدین:

راہ اعتدال سے ہٹنے اور اس سے انحراف کرنے کو اسلام نے غلو قرار دیا ہے چنانچہ حضرت محمد ﷺ کا ارشاد ہے۔

ایاکم والغلو فی الدین، فانما هلک من قبلکم بالغلو فی الدین.[۱۹]

تم دین میں غلو کرنے سے بچو، تم سے پہلے کے لوگ دین میں غلو ہی کے باعث ہلاک ہوئے۔

اس حدیث میں **من قبلکم** سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں جن کے بارے میں قرآن کہتا ہے **قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّ ضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ**[۲۰] کہو، اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو اور ان لوگوں کے تخیلات کی پیروی نہ کرو، جو تم سے پہلے خود گمراہ ہوئے اور بہتوں کو گمراہ کیا اور سواء السبیل سے بھٹک گئے۔

مندرجہ بالا آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا راستہ سواء السبیل کا راستہ ہے اور دیگر تمام راستے منحنی راستے ہیں۔ ان آیات میں ہم کو نصاریٰ کی طرح دین میں غلو کرنے سے روکا گیا ہے اور خوش بخت تو وہی ہے جو دوسروں کے انجام سے نصیحت اور عبرت حاصل کرے اوپر جو حدیث ایاکم والغلو فی الدین نقل ہوئی ہے اس کا پس منظر اس اہم حقیقت سے ہمیں آگاہ کرتا ہے کہ ''غلو'' کی ابتداء چھوٹی چھوٹی چیزوں سے ہوتی ہے پھر اس کا دائرہ وسیع ہوتا رہتا ہے اور اس کی چنگاریاں اڑتی رہتی ہیں۔ اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر جب آنحضرت ﷺ مزدلفہ پہنچے تو آپ نے ابن عباسؓ سے فرمایا ''منیٰ میں رمی جمار کے لئے کنکریاں لاؤ'' حضرت ابن عباسؓ نے چھوٹی چھوٹی کنکریاں چن کر آپ ﷺ کو دیں آپ نے ان کنکریوں کو ہاتھ میں لے کر فرمایا:

(نعم بامثال هولاء، ایاکم و الغلو فی الدین فانما هلک قبلکم بالغلو فی الدین)[۲۱]

ہاں ایسی ہو ہی کنکریاں اور تم بن میں غلو کرنے سے بچو تم سے پہلے کے لوگ دین میں غلو ہی کے باعث ہلاک ہوئے یعنی لوگوں کو شدت اور انتہا پسندی کا رویہ نہیں اپنانا چاہئے کہ رمی جمار میں بڑی کنکریوں کا استعمال زیادہ پُر تاثیر اور زیادہ بہتر ہے۔ اسی ذہنی رخ سے دھیرے دھیرے غلو کے جذبہ کی آبیاری ہوتی ہے اسی لئے آپ نے اس سے خبردار کیا اور بچنے کی تاکید فرمائی۔

ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں "ایاکم والغلو فی الدین" عام ہے اور اس کا تعلق عقائد اور اعمال دونوں سے ہی ہے۔ غلو کے معنی حد سے تجاوز کرنے کے ہیں اور نصاریٰ کے اندر تمام دینی گروہوں کے مقابلہ میں زیادہ "غلو" تھا عقائد میں بھی اور اعمال میں بھی اسی لئے قرآن نے خاص طور پر "غلو" تھا عقائد میں بھی اور اعمال میں بھی اس لئے قرآن نے خاص طور پر "غلو" سے منع کیا ہے۔ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ [۲۲] اے اہل کتاب دین یں غلو کرنے سے بچو۔

عبادت میں تشدد:

اپنے آپ کو ہر وقت عبادت میں مصروف رکھنا، دنیا سے دور رہنا۔ اپنے جسم و جان کو مشقت میں ڈالنا۔ یہ سب افعال تشدد فی العبادت کے زمرے میں آتے ہیں۔ اس قسم کے رویے مذہبی انتہا پسندی پیدا کرتے ہیں جن سے اسلام نے روکا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔

لا تشدد و اعلی انفسکم، فیشد دو علیکم فان قوما شدد و اعلی انفسھم، فشدد علیھم، فتلک بقایا ھم فی الصوامع والدیارات۔ [۲۳]

اپنے اوپر سختی نہ کرو ورنہ یہ سختی تم پر لازم کر دی جائے گی۔ ایک گروہ نے (انتہا پسندی کا رویہ اپنا کر) اپنے اوپر سختی کی گئی، اس گروہ کے بچے ہوئے باقی افراد صوامع اور راہب خانوں میں ہیں۔

عبادات میں تشدد سے روکنے کے لئے وہ واقعہ کافی ہے جو امام بخاری نے اپنی الصحیح میں بیان کیا ہے جس کی راویہ حضرت عائشہؓ ہیں کہ "کچھ لوگوں نے ازواج مطہرات سے دریافت کیا کہ آنحضرت ﷺ گھر کی تنہائیوں میں کیا کرتے ہیں؟ پھر ازواج مطہرات کا جواب سن کر ان لوگوں نے آپ کے عمل کو قلیل سمجھا پھر ان لوگوںؓ میں سے کسی نے کہا میں کبھی گوشت نہیں کھاؤں گا۔ کسی نے کہا میں کبھی شادی نہیں کروں گا کسی نے کہا میں بستر پر نہیں سوؤں گا، پھر جب آنحضرت ﷺ کو ان لوگوں کی یہ بات معلوم ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا بات ہے کچھ لوگ ایسی ایسی باتیں کرتے ہیں حالانکہ میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں رات میں سوتا بھی ہوں اور نماز کے لئے کھڑا بھی ہوتا ہوں، نیز میں گوشت بھی کھاتا ہوں اور شادیاں بھی کرتا ہوں۔ فمن رغب عن سنتی فلیس منی۔ [۲۴] پس جو شخص میری سنت کو پسند نہیں کرتا وہ مجھ میں سے نہیں ہے۔

آنحضور ﷺ عبادات میں اعتدال کا اتنا خیال رکھتے تھے کہ آپ ﷺ نے حضرت معاذؓ کو طویل نماز پڑھانے سے روک دیا اور فرمایا۔ افتان انت یا معاذ؟ وکررھا ثلاثا (24 الف) معاذ کیا تم لوگوں کو فتنے میں ڈالنا چاہتے ہو؟ آپ نے یہ بات تین مرتبہ فرمائی۔ اسی طرح آپ نے اماموں کو طویل نماز پڑھانے سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

من ام بالناس فلیتجوذ فان خلفه الکبیر والضعیف وذا الحاجة (۲۴ ب)

جو لوگوں کو نماز پڑھائے تو اسے چاہئے کہ مختصر پڑھائے کیونکہ اس کے پیچھے بڑی عمر کے لوگ، کمزور اور حاجت مند لوگ ہوتے ہیں۔

اصول تدریج سے ناواقفیت:

اسلام کا ایک اہم ترین اصول، اصول تدریج ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ احکامات دین کی پیشکش (Presentation) اوران کے نفاذ میں اہم اور غیر اہم تر کا خیال رکھا جائے اور بنیادی اور فروعی مسائل میں تفریق کی جائے۔ یعنی جو احکامات زیادہ ضروری اور اہم ہیں، انہیں پہلے پیش کیا جائے اور ان میں حالات اور کوائف کا خیال رکھا جائے۔ اس کے بعد ایک ترتیب و تدریج پیش نظر رکھی جائے۔ قرآن نے پہلے عقائد یعنی توحید، رسالت اور آخرت کے تصورات پیش کئے، پھر عبادات و اخلاقیات اور پھر معاملات۔ پھر یہ دیکھا کہ کن حالات میں کونسی چیز زیادہ اہم اور ضروری ہے اور کس حد تک اس کے نفاذ کی اہمیت ہے چنانچہ شراب کی حرمت کے بارے میں تین مرتبہ احکامات آئے۔

پہلے اس کا محض ضرر واضح کیا گیا۔

یسئلونک عن الخمر و المیسر قل فیھمآ اثم کبیرو منافع للناس واثمھما اکبر من نفعھما [۲۵]

اس کے بعد کچھ اوقات میں شراب پینے پر پابندی لگا دی گئی یعنی لوگ نماز سے پہلے شراب پی کر نہ آئیں۔

اور کہا گیا کہ لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ [۲۶] کہ نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جاؤ۔ تیسری مرتبہ صاف صاف اس کی حرمت کا اعلان کر دیا اور کہا گیا کہ:

اَلْخَمْرُ وَ الْمَيْسِرُ وَالْاَ نْصَابُ وَالْاَ زْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ [۲۷]

انبیاء علیہم السلام نے اپنی دعوت میں اصول تدریج کو ہمیشہ مدنظر رکھا۔ مولانا امین احسن اصلاحی اصول تدریج کے بارے میں فرماتے ہیں:

انبیائے کرام جس طرح لوگوں کو مخاطب کرنے میں ایک خاص ترتیب کا لحاظ رکھتے ہیں اور یہ ترتیب تبلیغ و دعوت کی ایک بڑی حکمت پر مبنی ہے۔ جو اس ترتیب کو الٹ دینے کی صورت میں مفقود ہو جاتی ہے اور اس طرح جن باتوں کو انبیاء پیش کرتے ہیں ان کو پیش کرنے میں بھی ایک خاص تدریج کا اہتمام کرتے ہیں اور وہ تدریج بھی دعوت دین میں ایسی اہمیت رکھتی ہے کہ اس کا اگر لحاظ نہ کیا جائے تو بہت ممکن ہے کہ نہ صرف ساری محنت اکارت ہو کے رہ جائے بلکہ اس بات کا بھی اندیشہ ہے کہ اس سے الٹ دعوت دین کے مقصد کو نقصان پہنچ جائے اسی وجہ سے اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ لوگوں کے سامنے پیش کرنے میں کیا تدریج ملحوظ رکھی جائے۔ [۲۸]

آج ہمارے مختلف مذہبی فرقے چھوٹی چھوٹی چیزوں مثلاً داڑھی کی خاص وضع قطع، لباس کی ہیئت، تراویح کی تعداد، رفع یدین پر زیادہ زور دیتے ہیں جبکہ بنیادی عقائد و معاملات نظر انداز کر رہے ہیں اور وہی چیز جھگڑے کا باعث بن رہی ہے۔

محکمات و متشابہات سے ناواقفیت:

قرآن مجید دو قسم کی آیات پر مشتمل ہے۔ ایک جو اپنے معنوں اور بیان میں نہایت واضح ہیں جنہیں سمجھنے میں کوئی

دشواری پیش نہیں آتی۔ یہ محکمات کہلاتی ہیں۔ دوسری وہ جن کی تہہ تک انسان کی عقل پہنچنے سے قاصر ہے۔ وہ تشابہات کی حامل ہیں۔ قرآن نے محکمات پر اپنے نظام زندگی کی عمارت استوار کی ہے جبکہ تشابہات پر ایمان لانے کو کہا ہے۔ قرآن کہتا ہے:

هُوَ الَّذِیٓ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ[۲۹]

وہی خدا ہے جس نے تم پر یہ کتاب نازل کی ہے۔ اس کتاب میں دو طرح کی آیات ہیں: ایک محکمات جو کتاب کی اصل بنیاد ہیں اور دوسری متشابہات۔

محکم پکی اور پختہ چیز کو کہتے ہیں "آیات محکمات" سے مراد وہ آیات ہیں جن کی زبان بالکل صاف ہے، جن کا مفہوم متعین کرنے میں کسی اشتباہ کی گنجائش نہیں ہے، جن کے الفاظ معنی و مدعا پر صاف اور صریح دلالت کرتے ہیں، جنہیں تاویلات کا تختہ مشق بنانے کا موقع مشکل ہی سے کسی کو ملتا ہے یہ آیات "کتاب کی اصل بنیاد ہیں" یعنی قرآن جس غرض کے لئے نازل ہوا ہے اس غرض کو یہی آیتیں پورا کرتی ہیں۔ انہی میں اسلام کی طرف دنیا کو دعوت دی گئی ہے، انہی میں نصیحت اور عبرت کی باتیں فرمائی گئی ہیں، انہی میں گمراہیوں کی تردید اور راہ راست کی توضیح کی گئی ہے۔ انہی میں اسلام کے بنیادی اصول بیان کئے گئے ہیں، انہی میں عقائد، عبادات، اخلاق، فرائض اور امر و نہی کے احکام ارشاد ہوئے ہیں۔ پس جو شخص طالب دعا ہو اور یہ جاننے کے لئے قرآن کی طرف رجوع کرنا چاہتا ہو کہ وہ کس راہ پر چلے اور کس راہ پر نہ چلے اس کی پیاس بجھانے کے لئے آیات محکمات ہی اصل مرجع ہیں اور فطرۃً انہی پر اس کی توجہ مرکوز ہوگی اور وہ زیادہ انہی سے فائدہ اٹھانے میں مشغول رہے گا۔

متشابہات، یعنی وہ آیات جن کے مفہوم میں اشتباہ کی گنجائش ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ انسان کے لئے زندگی کا کوئی راستہ تجویز نہیں کیا جا سکتا، جب تک کائنات کی حقیقت اور اس کے آغاز و انجام اور اس میں انسان کی حیثیت اور ایسے ہی دوسرے بنیادی امور کے متعلق کم سے کم ضروری معلومات انسان کو نہ دی جائیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جو چیزیں انسان کے حواس سے ماوراء ہیں، جو انسانی علم کی گرفت میں نہ کبھی آئیں ہیں، نہ آ سکتی ہیں، جن کو اس نے کبھی دیکھا، نہ چھوا، نہ چکھا، ان کے لئے انسانی زبان میں ایسے الفاظ مل سکتے ہیں جو انہی کے لئے وضع کئے گئے ہوں اور نہ ایسے معروف اسالیب بیان مل سکتے ہیں۔ جن سے ہر سامع کے ذہن میں ان کی صحیح تصویر کھینچ جائے لامحالہ یہ ناگزیر ہے کہ اس نوعیت کے مضامین کو بیان کرنے کے لئے الفاظ اور اسالیب بیان وہ استعمال کئے جائیں، جو اصل حقیقت سے مشابہت رکھنے والی محسوس چیزوں کے لئے انسانی زبان میں پائے جاتے ہیں چنانچہ مابعد الطبیعی مسائل کے بیان میں قرآن کے اندر ایسی ہی زبان استعمال کی گئی ہے اور متشابہات سے مراد وہ آیات ہیں جن میں یہ زبان استعمال ہوئی ہے۔[۳۰]

ہمارے مذہبی سکالرز اور علماء ان دونوں چیزوں کو گڈمڈ کر رہے ہیں جس کی وجہ سے اسلام کی اصل دعوت او جھل ہو گئی ہے اور متشابہ مسائل و افکار خطبوں کا موضوع بن گئے ہیں مثلاً عرش و کرسی، اللہ تعالیٰ آسمانوں میں ہے، حیات و برزخ، سماع موتی وغیرہ۔

اصول وفروع سے ناواقفیت:

اسلام میں کچھ اصولی احکامات ہیں اور کچھ فروعی۔ اصولوں کے انکار سے اسلام کی عمارت منہدم ہو جاتی ہے جبکہ فروعات میں اختلاف قابل برداشت ہے۔ ہماری فقہ میں اصول وفروعات پر تفصیلی بحثیں موجود ہیں۔ ہمارے علماء اصول کے بجائے فروغ کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں اور اپنی اپنی فکری تعبیرات کو زیادہ ترجیح دیتے ہیں جس کی وجہ سے مذہبی انتہا پسندی پیدا ہو رہی ہے اصولوں کی بجائے فروعی مسائل پر فقہی مکاتب نے جو نقصان پہنچایا ہے اور جس تعصب کو ہوا دی ہے۔ اس بارے میں ڈاکٹر محمد امین صاحب فرماتے ہیں:

اب صورت حال یہ ہے کہ چاہے علماء صراحتاً اسے مانیں یا نہ مانیں لیکن یہ امر واقع ہے کہ ہمارے لوگ (خاص طور پر برصغیر پاک وہند میں) قرآن وحدیث کیلئے اتنے متعصب نہیں ہیں جتنے ان فقہی مسالک کے لئے ہیں۔ ہمارے ہاں فرقہ وارانہ فسادات کی جڑ بھی یہی چیز ہے۔ اس چیز نے ہماری مسجدوں کو تقسیم کر رکھا ہے۔ عوام کو تقسیم کر رکھا ہے اور یہ کم علمی مولوی حضرات تک ہی محدود نہیں کہ وہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے یا مخالف فریق کا کوئی نمازی کسی دوسری مسجد میں نماز پڑھ لے تو مسجد دھلوائی جائے کہ وہ ناپاک ہوگئی ہے بلکہ اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ بھی اس کا شکار ہیں۔[۲۱]

فروعات پر زور:

اسی طرح تدریسی کتابوں میں فروعیات اور فقہیات پر غیر معمولی زور ہے جس کی وجہ سے قرآن وسنت میں ماہرانہ صلاحیت پیدا نہیں ہونے پاتی ان حالات میں جب تک دینی مدارس میں نئے دور کی ضروریات کے مطابق جدید علوم ونظریات کے تقابلی مطالعہ عقل استقرائی اور فقہ اسلامی کی تشکیل نو کو پیش نظر رکھ کر تعلیم کا انتظام نہ ہوگا تب تک دور جدید کے چیلنج کا مقابلہ اور اسلام کے لئے نشاۃ ثانیہ کی امید رکھنا دشوار ہے موجودہ صورت میں مذہبی طبقہ میں امید کی ایک ہی کرن باقی ہے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ جیسی کوئی نابغہ روزگار شخصیت پیدا ہو جائے جو ایک طرف تو تزکیہ واحسان میں ممتاز ہو دوسری طرف علم وعمل اور ذہن وفکر کے نقطہ نگاہ سے بھی بلند مقام پر فائز ہو خدا سے کیا بعید کہ وہ ہماری حالت زار پر رحم فرما کر ہمیں ایسی عظیم شخصیت سے نوازے۔ خدا کی تائید غیبی سے جب تک ایسی صورت پیدا نہیں ہوتی تب تک مذہبی طبقہ اگر اصلاح معاشرہ اور منکر کے خلاف فضا پیدا کرنے کے دائرے میں اپنی بھرپور صلاحیتوں کا استعمال کرے اور اس کیلئے ہمہ جہتی پلاننگ کے ساتھ کام کیا جائے تو یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ہم معاشرے کو بڑھتے ہوئے اخلاقی زوال اور مغربیت کے طوفان میں بہہ جانے سے بچا سکتے ہیں۔[۲۲]

عصریت سے ناواقفیت:

مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ علوم وفنون میں بے پناہ اضافہ ہو رہا ہے۔ نیچرل سائنسز، سوشل سائنسز، میڈیکل اور

انجینئرنگ جیسے علوم میں بہت ترقی ہوگئی ہے جس کی وجہ سے بے پناہ تہذیبی وتمدنی مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔ ان علوم اور ان سے پیدا ہونے والے مسائل سے ہمارے علمائے کرام عموماً نابلد ہیں جس کی وجہ سے ایک طبقہ جدیدیت کی طرف مائل ہے، جبکہ علماء قدامت کی طرف چونکہ جدید طبقہ اسلام سے نابلد ہے اور وہ بے شمار مسائل سے دوچار ہے جن کا حل اسلام کی روشنی میں معلوم ہونا ضروری ہے۔ علماء اس طبقے کو گمراہ قرار دیتے ہیں۔ اس لئے ان میں نفرت و بے زاری پیدا ہوگئی ہیں۔ اس حوالے سے محمد موسیٰ بھٹو لکھتے ہیں۔

علماء جدید دور کی زبان، اسلوب اور مسائل سے واقف نہیں ہیں جدید صنعتی تہذیب نے علمی اور عملی طور پر جن مسائل کو جنم دیا ہے اس نے فکر ونظر اور زندگی کے رخ کو ہی تبدیل کر دیا ہے ان مسائل سے واقفیت پہلا مسئلہ ہے دوسرا مسئلہ اسلامی نقطہ نگاہ سے ان مسائل کے حل کیلئے اجتہادی صلاحیتوں سے کام لینا ہے بدقسمتی سے علماء کی طرف سے اب تلک اس سلسلہ میں پہلا اقدام ہی نہیں کیا گیا یعنی مدارس کے نصاب میں جدید مسائل سے واقفیت کیلئے کوئی کتاب شامل نہیں چنانچہ علمائے کرام جدیدیت سے متاثر نوجوانوں کی فکری الجھنوں کو دور کرنا تو درکنار ان کے نظری مسائل کی نوعیت کو سمجھ ہی نہیں پاتے جس کی وجہ سے جدید تعلیم یافتہ افراد اپنے لئے مذہب اور اہل مذہب کا راستہ پیچیدہ اور بند محسوس کرتے ہیں۔ اس طرح علماء کرام اور جدید تعلیم یافتہ افراد کے درمیان دوری کی دیوار تیز سے تیز ہوتی جارہی ہے۔ دوسرا بڑا مسئلہ جس کی وجہ سے معاشرہ پر علماء کرام کا اثر کم ہوتا جارہا ہے وہ فرقہ وارانہ تعصب اور مذہبی گروہ بندی ہے ہر مکتبہ فکر نے امت مسلمہ کے افراد کو امت مسلمہ کی حیثیت سے دیکھنے کی بجائے اپنے ہی گروہ کو اسلام کے واحد علمبردار کی حیثیت دے دی ہے ان کی نظر میں اپنے دائراتی خولوں سے باہر جو کچھ ہے وہ شرک، گمراہی اور ضلالت ہے مزید بدقسمتی یہ ہے کہ ہر مکتبہ فکر نے اپنے موقف کی صداقت اور دوسروں کی تکذیب کے لئے قرآن و سنت سے دلائل پر مشتمل لٹریچر تیار کیا ہے جس کی رو سے بس ان کا اپنا گروہ ہی ملت اسلامیہ ہے اس مذہبی تعصب وتشدد نے بھی جدید طبقہ کو مذہب سے برگشتہ کیا ہے اور ان کے لئے صحیح اسلامی فکر کے سمجھنے کے راستے دشوار کر دیئے ہیں۔ [۳۳]

لہٰذا ہمارے معاشرے کو ایسے روشن خیال اور جید علماء کی ضرورت ہے جو دینی علوم میں رسوخ رکھنے کے ساتھ ساتھ عصری مسائل سے بھی واقفیت رکھتے ہوں تاکہ ایک طرف وہ عام افراد امت کی رہنمائی کرسکیں تو دوسری طرف معاشرے کی اسلامائزیشن اور ریاستی اور بین الاقوامی سطح پر اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے کی جانے والی کوششوں میں مجتہدانہ بصیرت کے ساتھ اپنا کردار بھی ادا کرسکیں۔ [۳۴]

علماء سوء کا کردار:

اہل حق کے ساتھ علمائے سوء کا بھی ہر دور میں انتہائی اہم کردار رہا ہے۔ لوگوں کو دین سے دور کرنا، انہیں غلط مسائل بتانا ان کے اندر تفرقہ پیدا کرنا، انہیں جنگ وجدل میں الجھائے رکھنا، کتاب اللہ کی تاویلات میں الجھانا، فروعی مسائل پر زور دینا علمائے سوء کا کام رہا ہے۔ غیر اسلامی قوتیں اور شیطانی طاقتیں ان علماء کو ہمیشہ فرقہ بندی، تعصب اور مذہبی انتہا پسندی کے لئے

استعمال کرتی رہی ہیں یہی وجہ ہے کہ جید علماء نے ہمیشہ ان علماء کی مخالفت کی ہے چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کہتے ہیں۔

''دین میں خشکی اور سختی کی راہ اختیار کرنے والے واعظوں اور خانقاہوں میں بے خبر بیٹھے ہوئے گوشہ نشینوں سے میں پوچھتا ہوں کہ تمہارا کیا حال ہے۔ ہر بھلی اور بری بات تمہارا ایمان ہے، لوگوں کو جعلی اور گھڑی ہوئی حدیثوں کا واعظ سناتے ہو اور مخلوق خدا کی زندگی تم نے تنگ کر رکھی ہے حالانکہ تمہارا کام یہ تھا کہ لوگوں کو آسانیاں بہم پہنچاتے نہ کہ انہیں دشواریوں میں مبتلا کرتے......الخ'' [۳۵]

شاہ صاحب الفوز الکبیر میں لکھتے ہیں۔

''اگر مسلمانوں میں یہودیوں کا نمونہ دیکھنا چاہو تو علمائے سوء کو دیکھ لو جو دنیا کے طالب ہیں کتاب وسنت سے منہ پھیر چکے ہیں۔ عالموں کی غیر مستند باتوں پر قائم ہیں اور معصوم شارع علیہ السلام کے کلام سے منحرف ہیں اور موضوع احادیث اور فاسد تاویلوں کو اپنا رہنما بنا رکھا ہے''۔ [۳۶]

حضرت مجدد الف ثانیؒ بھی اپنے ایک خط میں شیخ فرید بخاری کو لکھتے ہیں:

''کسی بزرگ نے دیکھا کہ شیطان بالکل بیکار اور نکما بیٹھا ہے بزرگ نے شیطان کو اس طرح فارغ بیٹھے دیکھ کر حیرت سے پوچھا کہ اس میں کیا راز ہے تو شیطان نے جواب دیا کہ ''اس وقت کے علماء میرے کام بخوبی انجام دے رہے ہیں مجھے اب تگ ودو کرنے کی ضرورت نہیں''۔ [۳۷]

مکمل دین کے بجائے جزوی دین کی تبلیغ واشاعت:

اسلام ایک مکمل دین ہے جو زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے عقائد، عبادات، اخلاقیات اور معاملات سب پر بحث کرتا ہے وہ انسان کے انفرادی اعمال وافعال سے لے کر اس کے اجتماعی معاملات تک پر محیط ہے۔ قرآن مجید میں واضح طور پر مکمل دین کی بات کی گئی ہے۔ ارشاد ہے:

الیوم اکملت لکم دینکم [۳۸]

''آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے''

لیکن ہمارے کچھ علماء اور مذہبی جماعتیں دین کو بحیثیت نظام زندگی کے پیش کرنے کے بجائے جزوی طور پر پیش کر رہی ہیں جس کی وجہ سے مذہبی انتہا پسندی جنم لیتی ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحی اس طرز دعوت پر تنقید کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اسلام کو پیش کرنے میں غلطی یہ کی گئی کہ اس کو بحیثیت ایک نظام زندگی کے نہیں پیش کیا گیا جو زندگی کے سارے انفرادی و اجتماعی اور عملی وعقائدی مسائل کو ایک وحدت میں پروتا اور سب کو عقل وفطرت کے مطابق حل کرتا ہے، بلکہ سارا زور ہمارے مبلغوں اور مناظروں نے چند ایسے مسائل پر صرف کیا جو عیسائیوں یا ہندوؤں کے ساتھ مذہبی تصادم سے پیدا ہو گئے تھے مثلاً روح اور مادہ کے حدوث وقدم کی بحث تناسخ کا مسئلہ، الوہیت مسیح اور تثلیث کا جھگڑا وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح کے مسائل سے

ہر فرقہ کے تھوڑے سے پیشہ ور مناظروں کو دلچسپی ہوتی ہے جن کی اصلی کامیابی ان کے حل کرنے میں نہیں، بلکہ ان کو زیادہ سے زیادہ الجھا دینے میں ہوتی ہے۔ ان لوگوں کو قائل کرنے کی کوشش کرنا اپنی قوت و قابلیت کو ضائع کرنا اور اپنے وقت کو برباد کرنا ہے۔ لیکن ہمارے مبلغین نے زیادہ تر اسی طرح کے معرکوں میں زندگیاں بسر کر ڈالیں۔ انہیں اس بات پر غور کرنے کی توفیق ہی نہیں ہوئی کہ مسائل تو صرف چند مناظرہ بازوں کی دلچسپی کے ہیں جو ان کو حل کرنا نہیں چاہتے بلکہ الجھانا چاہتے ہیں۔ باقی ساری دنیا کے سامنے تو آج بالکل دوسرے ہی مسائل ہیں جن کے حل کرنے کے لئے دنیا بے چین بھی ہے اور جن کے حل ہونے ہی پر دنیا کی نجات کا انحصار بھی ہے۔ جو مذہب بھی آگے بڑھ کر ان مسائل کا قابل قبول حل پیش کر دے گا وہی ساری دنیا کا مذہب بن سکے گا۔ ایک ایسی دنیا میں جو اپنے ایجاد کئے ہوئے طریقوں کو آزما کر تھک چکی ہو اور زندگی کی تمدنی و اجتماعی مسائل کا کوئی حل نہ پا رہی ہو۔ اگر اسلام کو محض چند عقائد اور چند رسوم کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک مکمل نظام زندگی کی حیثیت سے پیش کیا جاتا تو آج دنیا کا نقشہ ہی بدل جاتا لیکن ہمارے اندر سے جو حضرات تبلیغ اسلام کا مقصد لے کر اٹھے یا جنہوں نے اسلام پر کتابیں لکھیں شاید ان کے سامنے مذہب کا مسیحی تصور تھا یہ چند ادعانیات کا مجموعہ ہے۔ زندگی کے عملی مسائل سے اس کا کوئی اثباتی تعلق نہیں ہے نتیجہ یہ ہوا کہ جس طرح مسیحیت کی لایعنی موشگافیوں سے دنیا کے ذہین طبقہ نے کوئی دلچسپی نہیں لی اسی طرح اسلام کے ان مسائل کی طرف بھی پڑھی لکھی دنیا نے کوئی توجہ نہیں کی اور تبلیغ اسلام کی یہ ساری ہما ہمی، رسمی مذہبیت کے تھوڑے سے پرستاروں کے اندر محدود ہو کر رہ گئی۔ اضاعت وقت و مال کے سوا اس کا کوئی خاص نتیجہ نہیں نکلا۔[۳۹]

مولانا صدر الدین اصلاحی فرماتے ہیں۔

ان لوگوں کے ہاں دین اور عبادت، نماز، روزے اور ذکر و مراقبہ تک محدود ہے ان کے حلقے روحانیت کے ایسے آئینہ خانے ہیں جن میں چند مخصوص عبادات کی تصویروں کے سوا اور کوئی نقش دکھائی نہ دے گا۔ ملت کے کسی معاشرتی، معاشی، تمدنی، تعلیمی، سیاسی دفاعی یا اجتماعی مسئلے کا تذکرہ ہوتے ہی ان کی پیشانیاں شکن آلود ہو جاتی ہیں ان کے نزدیک یہ سب دنیا داری کی باتیں ہیں دین داری یہ ہے کہ دنیا اور اس کے معاملات بے دینوں، گمراہوں، فاسقوں اور مفسدوں کے ہاتھ میں چھوڑ دیئے جائیں۔[۴۰]

عہد حاضر کے مشہور محقق ڈاکٹر محمد امین صاحب فرماتے ہیں۔

''دعوت و تربیت کا ہدف ہمہ گیر اصلاح ہونی چاہئے یعنی پہلے عقائد کی اصلاح، پھر نفس کی اصلاح اور آخر میں اعمال کی اصلاح یا دوسرے لفظوں میں عقائد کی تصحیح کے بعد پہلے فرد کے داخل کی اصلاح پھر اس کے خارجی معاملات کی اصلاح اور آخر معاشرے کی اصلاح الاقرب کی ترتیب کے ساتھ۔ اگر داعی دعوت و تربیت کے ان مراحل میں سے کسی ایک مرحلے ہی کو مستقل ہدف بنا لے اور اگلے دائرے میں قدم ہی نہ رکھے تو اس کے نتائج سودمند نہ ہوں گے۔ اگر داعی صرف عقائد کی تصحیح پر لگ جائے اور یہ نہ دیکھے کہ مدعو عملی زندگی میں ان عقائد پر عمل پیرا بھی ہوتا ہے یا نہیں تو ظاہر ہے کہ اصلاح عمل نامکمل رہے گا۔ اسی

طرح اگر کوئی مربی فرد کے داخل کی اصلاح اور تزکئے پر زور دے لیکن یہ دیکھنے کا اہتمام نہ کرے کہ اس تزکئے کے بعد مدعو کے معاملات میں اور خارجی زندگی کے مظاہر میں اس تزکئے کی عملی اثرات نکلتے ہیں یا نہیں تو اصلاح وتربیت کا عمل ناقص رہ جائیگا۔[۴۱]

انتہاپسندی کا تدارک:

سابقہ سطور میں انتہا پسندی کا پس منظر اور اس کی وجوہات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اب اس کا تدارک کیا ہے؟ اس کے لئے مندرجہ ذیل اقدامات کرنے کی ضرورت ہے۔

(۱) دین کا جامعہ تصور:

قرآن وسنت میں دین کو نظام زندگی کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے قرآن کی رو سے زندگی کے تمام شعبے دین میں شامل ہیں کہا گیا ہے اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً[۴۲] (دین) اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔

آنحضورﷺ نے اپنے اقوال وافعال اور اسوہ سے دین کو پوری زندگی کے طور پر پیش فرمایا لہٰذا دین کے کسی ایک جزو پر زور دینا اور بقیہ دین کو چھوڑ دینا انتہا پسندی کا موجب بنتا ہے۔

(۲) قدیم وجدید علوم کا امتزاج:

علوم وفنون کی ترقی اور تمدنی زندگی کے ارتقاء نے بے شمار مسائل پیدا کر دیئے ہیں جنہیں قرآن وسنت کی روشنی میں حل کرنے کی ضرورت ہے۔ اس لئے صرف قدیم کتب پر انحصار کافی نہیں ہے۔ ہمارے دینی مدارس میں جدید اور عصری علوم و فنون کی تعلیم بھی ہونی چاہئے تا کہ دو متوازی قسم کے نظام ہائے تعلیم کے بجائے واحد نظام تعلیم ہو اور قدیم و جدید علوم ایک ہو جائیں یہی قرآن کا منشاء ہے اور آنحضورﷺ کی تعلیمات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے آپ نے زید بن ثابت کو باقاعدہ حکم دیا کہ وہ عبرانی زبان سیکھیں حالانکہ یہ یہودیوں کی زبان تھی لہٰذا ہمارے مدارس میں جدید سائنسی علوم اور کمپیوٹر سائنسز وغیرہ کی تعلیم بھی ہونی چاہئے۔ ڈاکٹر محمد امین نے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے:

> ہمارے معاشرے کو ایسے روشن خیال اور جید علماء کی ضرورت ہے جو دینی علوم میں رسوخ رکھنے کے ساتھ ساتھ عصری مسائل سے بھی واقفیت رکھتے ہوں تا کہ ایک طرف وہ عام افراد امت کی رہنمائی کر سکیں تو دوسری طرف معاشرے کی اسلامائزیشن اور ریاستی اور بین الاقوامی سطح پر اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے کی جانے والی کوششوں میں مجتہدانہ بصیرت کے ساتھ اپنا کردار بھی ادا کر سکیں۔[۴۳]

اجتہادی بصیرت:

اجتہاد عصر حاضر کے مسائل کو قرآن وسنت کی روشنی میں حل کرنے کا نام ہے۔ اجتہاد اصطلاح میں کسی حکم شرعی کو معلوم

کرنے کے لئے فرو استنباط کی صلاحیتوں کو استعمال کرنے کا نام ہے۔[۴۴]

دور جدید میں ایسے علماء و سکالرز کی ضرورت ہے جو اجتہادی بصیرت کے حامل ہوں۔ جو عصری مسائل کا حل قرآن و سنت کی روشنی میں پیش کرنے کی استطاعت رکھتے ہوں۔ سید مودودیؒ اس ضرورت کے بارے میں فرماتے ہیں:

''اگر ہم دوبارہ دنیا کے رہنما بننا چاہتے ہیں تو بس اس کی ایک ہی صورت ہے کہ مسلمانوں میں ایسے مفکر اور محقق پیدا ہوں جو فکر و نظر اور تحقیق و اکتشاف کی قوت سے ان بنیادوں کو ڈھا دیں جن پر مغربی تہذیب کی نظریاتی عمارت قائم ہوئی ہے۔ اسلام کے بتائے ہوئے طریق فکر و نظر پر آثار کے مشاہدے اور حقائق کی جستجو سے ایک نئے نظام فلسفہ کی بنیاد رکھیں، ایک نئی حکمت طبیعی (Natural Science) کی عمارت اٹھائیں جو کتاب و سنت کی ڈالی ہوئی داغ بیل پر اٹھے، ملحدانہ نظریہ کو توڑ کر خدا پرستانہ نظریہ فکر و تحقیق کی اساس پر قائم کریں اور اس جدید فکر و تحقیق کی عمارت کو اس قوت کے ساتھ اٹھائیں کہ وہ تمام دنیا پر چھا جائے اور دنیا میں مادی تہذیب کے بجائے حقانی تہذیب جلوہ گر ہو (45) اس اجتہادی بصیرت کے لئے مندرجہ ذیل علوم حاصل کرنا ضروری ہیں۔

۱۔ کتاب و سنت کے نصوص کا کامل علم۔

۲۔ مسائل اجتماعیہ سے واقفیت۔

۳۔ علوم لسانی پر زور۔

۴۔ اصول فقہ پر نظر

۵۔ ناسخ و منسوخ کا علم

۶۔ عصری علوم سے واقفیت۔

۷۔ ذہانت و فطانت[۴۶]

پروفیسر خورشید صاحب نے ایسے مجتہدین کے لئے مندرجہ ذیل شرائط بیان کی ہیں۔

۱۔ قرآن و سنت کا گہرا علم رکھتے ہوں۔ اسلامی کردار اور اخلاق کے حامل ہوں۔

۲۔ احیائے دین، اقامت دین اور اعلائے کلمۃ الحق کا سچا جذبہ رکھتے ہوں۔

۳۔ وقت کے گہرے مسائل پر گہری نظر رکھتے ہوں۔ غیر اسلامی نظریات سے بخوبی واقف ہوں اور عصر حاضر کے مسائل و معاملات پر مطالعہ کرنے کا عزم رکھتے ہوں۔

۴۔ گروہی، تنظیمی اور فقہی تعصبات و اختلاف سے بالاتر رہ کر وسعت قلب و نظر کے ساتھ معاشرے کی اصلاح کا فریضہ انجام دینے کے لئے آمادہ ہوں۔

۵۔ ایسا نصاب تعلیم تیار کرنے، اس نصاب کو روبہ عمل لانے اور مربوط نظام قائم کرنے کا جذبہ رکھتے ہوں، جس میں دینی اور دینوی تعلیم کا بہترین امتزاج ہو۔[۴۷]

جدید فقہ کی تدوین:

ہماری فقہ حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی، جعفریہ وغیرہ آج سے سینکڑوں سال پہلے مدون ہوئیں تھیں آج وہ حالات باقی نہیں رہے۔ نئے مسائل سامنے آ گئے ہیں لہٰذا اس کی تدوین نو ہونی چاہئے۔ ان حالات میں جب تک دینی مدارس میں نئے دور کی ضروریات کے مطابق جدید علوم و نظریات کے تقابلی مطالعہ، عقل استقرائی اور فقہ اسلامی کی تشکیل نو کو پیش نظر رکھ کر تعلیم کا انتظام نہ ہو گا تب تک دور جدید کے چیلنج کا مقابلہ اور اسلام کے لئے نشاۃ ثانیہ کی امید رکھنا دشوار ہے۔[۴۸]

فقہ و مسلک میں وسعت نظری:

فقہ دراصل نصوص کی تعبیر ہے جو حالات کے مطابق بدلتی رہتی ہے۔ ہمارے علماء کو چاہئے کہ وہ ایک دوسرے کی تعبیر کو باطل قرار دینے کے بجائے اسے برداشت کریں اور ضرورت کے مطابق وہ دوسروں کی فقہ اور مسلک پر بھی عمل پیرا ہوں۔ اس سلسلے میں اسلاف کا جو طرز عمل تھا وہ قابل تقلید ہے کہ جب امام مالک نے اپنی موطا کی تکمیل کی تو خلیفہ وقت نے اسے پوری مملکت اسلامیہ کے لئے لاگو کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تو امام صاحب نے فرمایا ''امیر المومنین! آپ ہرگز ہرگز ایسا نہ کیجئے۔ دیکھئے مسلمانوں کے پاس مختلف علماء کے اقوال پہلے سے پہنچ چکے ہیں اور روایتیں روایت کر چکے ہیں پس جس علاقے کے باشندوں نے جو باتیں اختیار کر لی ہیں ان کو انہی کے حال پر چھوڑ دیجئے۔[۴۹]

آخر میں ان تجاویز کا ذکر کیا جا رہا ہے جو عہد حاضر کے مشہور محقق اور نامور مجتہد علامہ یوسف القرضاوی نے تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں امت مسلمہ کی اصلاح کے لئے پیش کی ہیں۔

۱۔ فروع اور جزئیات سے نکل کر اصول و کلیات کے دائرے میں داخل ہو جائیں۔

۲۔ نوافل سے آگے بڑھ کر فرائض کا اہتمام شروع ہو جائے۔

۳۔ مختلف فیہ مسائل کو ترک کر کے متفق فیہ کو اختیار کیا جائے۔

۴۔ اعمال ظاہر کے بعد اعمال قلوب کی طرف توجہ دی جائے۔

۵۔ غلو اور تفریط کی روش چھوڑ کر اعتدال و وسطیت کو شیوہ بنایا جائے۔

۶۔ تنگی و تنفر کا احساس پیدا کرنے والے اقوال و افعال کے بجائے آسانی و خوشگواری کی فضا پیدا کی جائے۔

۷۔ جمود و تقلید پر اڑ جانے کے بجائے اجتہاد و تجدید کو اپنایا جائے۔

۸۔ کلام و جدل کے رستے پر چلنے کے بجائے عملی مثالیں پیش کرنے کی کوشش کریں۔

۹۔ جذباتی اور ہیجانی صورتحال سے نکل کر علمی اور طے شدہ حدود میں آگے بڑھا جائے۔

۱۰۔ مخالفین کے لئے متعصب رہ جانے کی بجائے مہربان بنیں۔

۱۱۔ سطحیت پسندی کے بجائے تفقہ و فہم یا واعظوں کا اسلوب چھوڑ کر فقہا کا انداز اختیار کریں یا یہ الفاظ دیگر منبر کی شعلہ بیانی

پر فریفتگی ترک کر کے علمی حلقے کی دھیمی اور پروقار کیفیت میں کشش محسوس کریں۔

۱۲۔ ''کتنے''؟ والی سوچ سے نکل کر ''کیسے؟' والی سوچ اختیار کریں یعنی تربیت وتعبیر سے آراستہ ہونے والوں کی تعداد گننے کی بجائے ان کے مقام ودرجے کی فکر کریں۔

۱۳۔ خوابوں کے آسمانوں سے اتر کر حقائق کی زمین پر قدم رکھیں یعنی موہوم مثالی کی جستجو کی بجائے ممکن موجود پر قناعت کریں۔

۱۴۔ خود کو سوسائٹی سے بلند ترین سطح پر براجمان کر لینے کی بجائے معاشرے کے لوگوں کے ساتھ میل جول رکھا جائے۔ دوسروں کو قصوروار گردانئے کی بجائے ایک طبیب کی سی خیر خواہی اور توجہ فراہم کریں۔

۱۵۔ پلٹ پلٹ کر ماضی کی طرف دیکھتے رہنے کی بجائے ایک حال سے نباہ اور مستقبل کے لئے تیاری کرنے پر توجہ دیں۔

۱۶۔ ضد اور نفرت کی آگ بھڑکانے والے اختلاف کی بجائے تنوع اور تعاون کی روح کا حامل اختلاف رواج پائے۔

۱۷۔ معاملات زندگی سے عدم التفات اور بے توجہی کے رویے سے گذر کر پوری زندگی کو عبادت کے رنگ میں رنگ دیں۔

۱۸۔ سیاسی عمل میں اپنا تمام تر انہماک استغراق دکھانے کی بجائے معاشرتی اور اجتماعی امور کو لائق اعتنا سمجھیں۔

۱۹۔ وطنیت کے تنگ دائروں میں احیائے اسلام کی لہر مقید کرنے کی بجائے اسے عالمگیر حیثیت اختیار کرنے دیں۔

۲۰۔ عجب ذات اور خود پسندی کو ترک کر کے خود احتسابی کو شعار بنائیں۔ دوسرے لفظوں میں اپنی شخصیتوں کی دھاک بٹھانے کا نہ سوچیں بلکہ ان کا کڑا جائزہ لیتے رہیں۔[۵۰]

حوالہ جات

۱۔ الحدید آیت نمبر ۲۶

۲۔ مودودی، ابوالاعلیٰ تفہیم القرآن جلد ۵ سورۃ الجمعہ ۲۷ حاشیہ ۵۴

۳۔ البقرہ: ۱۷۷

۴۔ مودودی، ابوالاعلیٰ تفہیم القرآن جلد اول تفسیر سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۷۷

۵۔ اصلاحی، امین احسن تدبر قرآن جلد اول تفسیر سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۷۷

۶۔ مختصر تفسیر ابن کثیر آیت نمبر ۱۷۷

۷۔ البقرہ: آیت نمبر ۱۸۹

۸۔ مودودی، ابوالاعلیٰ تفہیم القرآن جلد اول تفسیر سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۸۵

۹۔ اصلاحی، امین احسن تدبر قرآن جلد اول سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۸۹

۱۰۔ البقرہ ۱۴۳

۱۱۔ ابن کثیر، حافظ مختصر ابن کثیر آیت زیر بحث سورۃ البقرہ نمبر ۱۳۶

۱۲۔ مودودی، ابوالاعلیٰ تفہیم القرآن جلد اول سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۴۴

۱۳۔ اصلاحی، امین احسن تدبر قرآن جلد اول ص ۳۵۵

۱۴۔ اصلاحی، امین احسن تدبر قرآن جلد اول ۳۶۳

۱۵۔ اصلاحی، صدر الدین اسلام اور اجتماعیت ص ۸،۷

۱۶۔ نعیم صدیقی معرکہ دین وسیاست ص ۲۱

۱۷۔ پروفیسر ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ خطبات حرم ص ۳۳۷

۱۸۔ یوسف القرضاوی علامہ اسلامی بیداری (ترجمہ سلمان ندوی) ص ۱۱

۱۹۔ المستدرک للحاکم (عن ابن عباس)

۲۰۔ المائدہ: ۷۷

۲۱۔ یوسف القرضاوی، علامہ الصحوۃ الاسلامیہ بین الجمود والتطرف ص ۲۶

۲۲۔ یوسف القرضاوی، علامہ، اسلامی بیداری (ترجمہ سلمان ندوی) ص ۱۲ تا ۱۳

۲۳۔ مسند ابو یعلیٰ (عن انس)

۲۴۔ البخاری محمد بن اسماعیل الجامع الصحیح ص ۱۸

۲۴۔ (الف) ایضاً

۲۴۔ (ب) ایضاً

۲۵۔ البقرہ آیت نمبر ۲۱۸

۲۶۔ النساء: ۴۳

۲۷۔ المائدہ: ۹۰

۲۸۔ اصلاحی، امین احسن دعوت دین اور اس کا طریق کار ص ۷۵

۲۹۔ آل عمران: ۷

۳۰۔ مودودی، ابو الاعلیٰ تفہیم القرآن جلد اول سورۃ آل عمران حاشیہ نمبر ۶

۳۱۔ محمد امین ڈاکٹر عصر حاضر اور اسلام کا نظام قانون ص ۴۹

۳۲۔ محمد موسیٰ بھٹو، پاکستانی معاشرہ لائحہ عمل کی تلاش میں ص ۴۹

۳۳۔ محمد موسیٰ بھٹو، پاکستانی معاشرہ لائحہ عمل کی تلاش میں ص ۳۰

۳۴۔ محمد امین ڈاکٹر اسلامی انقلاب مفہوم تقاضے اور حکمت عملی ص ۱۰۸

۳۵۔ شاہ ولی اللہ تفہیمات جلد اول ص ۲۱۴

۳۶۔ شاہ ولی اللہ، الفوز الکبیر (اردو ترجمہ محمد سلیم عبداللہ) ص ۵۲

۳۷۔ مجدد الف ثانی مکتوب نمبر ۵۳ دفتر اول حصہ دوم ص ۷۱،۷۰ اے ۶۶ سیکٹری ۳ میر پور (آزاد کشمیر)

۳۸۔ المائدہ: ۳۰

۳۹۔ اصلاحی امین احسن دعوت دین اور اس کا طریق کار ص ۲۳

۴۰۔ مولانا صدر الدین اصلاحی اسلام و جاہلیت ص ۱۵۷

۴۱۔ محمد امین ڈاکٹر اسلامی انقلاب مفہوم تقاضے حکمت عملی ص ۸۱

۴۲۔ البقرہ: ۲۰۸

۴۳۔ محمد امین ڈاکٹر اسلامی انقلاب مفہوم تقاضے حکمت عملی ص ۱۰۸

۴۴۔ ندوی مولانا محمد حنیف مسئلہ اجتہاد ص ۱۳۷

۴۵۔ مودودیؒ ابو اعلیٰ سید مکاتیب ص ۲۴۶

۴۶۔ ندوی مولانا محمد حنیف مسئلہ اجتہاد ص ۱۳۸،۱۴۳

۴۷۔ سلیم منصور خالد دینی مدارس میں تعلیم ص ۲۱،۲۰

۴۸۔ محمد موسیٰ بھٹو، پاکستانی معاشرہ لائحہ عمل کی تلاش میں ص ۴۹

۴۹۔ ماہنامہ چراغ راہ اسلامی قانون نمبر ۱۲ ص ۳۶۷ (حاشیہ) امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی ص ۲۹۱ بحوالہ میزان الکبری شعرانی

۵۰۔ یوسف القرضاوی، علامہ امت مسلمہ بگاڑ اور علاج: ص ۷۱

دور حاضر میں مذہبی انتہاء پسندی کا رجحان اور اس کا خاتمہ
(تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں)

پروفیسر ڈاکٹر محمد اشرف شاہین قیصرانی، کوئٹہ

مذہبی انتہاء پسندی کا حقیقی مفہوم:

لغت میں انتہاء کے معنی ہیں "حد سے زیادہ" [۱] اور اس طرح گویا یہ "ظلم" کا مترادف ہے [۲] جس کے اصطلاحی معنی ہوا کرتے ہیں کہ کوئی کام اس طرح کرنا کہ مقررہ حدود کی خلاف ورزی ہو۔ اس پس منظر میں انتہا پسندی کا مطلب ہوگا "ایسا طرز عمل جو حدود آشنا نہ ہو"۔ مذہبی کا سابقہ لگا کر مذہبی انتہاء پسندی کا مفہوم ہوگا "مذہبی بنیادوں پر ظلم و تعدی، غیر معتدل اور غیر متوازن رویہ نیز صرف اپنے مذہب کو اعلیٰ اور برتر سمجھتے ہوئے دوسرے انسانوں یا دوسرے مذاہب کے پیروکاروں سے نفرت کرنا، ان کی تذلیل وتحقیر (Persecution) کرنا، انہیں راندہ درگاہ سمجھنا، ان کے مذہبی شعائر اور رسوم کی توہین کرنا، عبادت گاہوں اور مقدس کتب یا مقدس شخصیات پر عملی یا زبانی دست درازی یا گستاخی (Blasphemy)، اُن پر مذہبی حوالوں سے ایسی پابندیاں عائد کرنا جن سے ان کی مذہبی آزادی سلب ہوتی ہو نیز تکریم آدم کے منافی ہر عمل مذہبی انتہا پسندی کے زمرے میں آتا ہے"۔ فرقہ واریت بھی مذہبی انتہاء پسندی ہے۔ کیونکہ فرقہ واریت میں ایک ہی مذہب کے پیروکار باہم متفرق ہو کر ایک دوسرے کی اس طرح تذلیل وتکفیر کرتے ہیں کہ ان میں سے ہر فرقہ خود کو تو برحق سمجھتا ہے اور یہی حق دوسرے کو دیئے بغیر اس کے مسلک یا مذہب کی توہین کرتا ہے اور بلاحق یہ فرقے ایک دوسرے کی جان، مال اور آبرو کے درپے آزار ہوتے ہیں۔

عام معنوں میں اعتدال اور توازن سے ہٹ کر جو بھی مذہبی رویہ اختیار کیا جائے وہ معروف اصطلاح میں مذہبی انتہاء پسندی ہی قرار دیا جائے گا خواہ یہ رویہ خود مذہب کے اندر رہتے ہوئے ہی افراط وتفریط کا مظہر ہو اور اس کا تعلق عبادت جیسی بے ضرر اور معصوم چیز سے ہی کیوں نہ ہو۔ مثلاً ترک دنیا اسلامی تعلیمات کے اعتبار سے مذہبی انتہا پسندی ہے اور چرچ کے موجودہ سسٹم کے تحت امریکہ میں سیاست کی بات کرنا مذہبی اعتبار سے مذہبی انتہاء پسندی ہے۔ یہ ہیں مذہبی انتہاء پسندی کے مختلف روپ اور لغوی واصطلاحی مفہوم۔

تاہم یہاں یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اپنے اپنے مذہب اور مسلک پر راسخ العقیدگی کے ساتھ کاربند رہنا، اپنے مذہب کی سچائی پر ایمان اور یقین رکھنا، عملی زندگی میں مذہبی قوانین اور رسوم و شعائر کو اختیار کرنا، اپنی مذہبی تعلیمات کے مطابق اپنی معاشرت، سیاست، معیشت (بلکہ تمام شعبہ ہائے حیات) کو ترتیب دینا اور ان پر عمل پیرا ہونا مذہبی انتہاء پسندی کے زمرے میں نہیں آتا (کیونکہ اسلام اور جدید عیسائیت کی تعلیمات دین اور دنیا کے بارے میں یکسر مختلف ہیں) بعض ناقدین اسلام،

قرآن پاک کی ازلی اور ابدی حفاظت کے عقیدے کو یا توہین رسالتؐ پر مسلمانوں کے مشتعل ہونے کو مذہبی انتہاء پسندی قرار دیتے ہیں جبکہ مسلمانوں کا طرز عمل دیگر مذاہب کے ساتھ بھی ایسا ہی ہے۔ ایک حقیقی مسلمان نہ تو دوسرے مذاہب کی توہین کرتا ہے اور نہ ہی دوسروں کو اپنے مذہب کی توہین کی اجازت دیتا ہے۔ بلکہ وہ جس قدر اپنے نبی برحق، کتاب مقدس اور عبادت گاہ کو محترم سمجھتا ہے۔ اتنی ہی اس کے دل میں دوسرے انبیاء کرام، ان کی لائی ہوئی کتب مقدسہ اور دوسرے مذاہب کی عبادت گاہوں کی عزت وحرمت بھی ہوا کرتی ہے۔ ایک مسلمان کسی بھی پیغمبر یا مقدس شخصیت کی توہین کا تصور بھی نہیں کر سکتا اور نہ ہی کسی غیر مسلم کے مال، جان یا آبرو کے درپے آزار ہو سکتا ہے۔ (چند استثنائی مثالیں ہر مذہب اور ہر مقام پر ہو سکتی ہیں)

تاریخی تناظر میں مذہبی انتہاء پسندی:

یہ بات تو یقینی طور پر کہنا بہت مشکل ہے کہ مذہبی انتہاء پسندی کا اولین مظاہرہ کب اور کہاں ہوا تاہم یہ حقیقت ہے کہ دنیا کے کم وبیش سبھی مذاہب میں کسی نہ کسی مرحلے پر مذہبی انتہاء پسندی کا مظاہرہ ضرور ہوا بلکہ بعض مذاہب کی تو تعلیمات میں ہی انتہا پسندی کے عناصر شامل رہے مثلاً ہندومت یا برہمنیت میں ذات پات کی تقسیم اور دوسرے مذاہب کے پیروؤں کو ملیچھ اور ناپاک سمجھنا خود مذہبی تعلیمات کا حصہ ہے بلکہ اپنے ہی مذہب میں شودر اگر کسی برہمن کو وید پڑھتے ہوئے سن لے تو اس کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈال دینا چاہئے۔[۳] قدیم تاریخ سے صرف نظر کرتے ہوئے اگر قبل از اسلام صرف چھٹی صدی عیسوی کا ہی ایک طائرانہ جائزہ لیا جائے تو عیسائیوں کی صورتحال تو یہ تھی کہ اس کے دو فرقے اس حد تک مذہبی انتہاء پسندی کا شکار تھے کہ ایک دوسرے کو ایسا ہی خارج از مذہب اور بے دین سمجھتے تھے جیسے متضاد مذاہب کے پیرو۔[۴] سائرس (Cyrus) کی نیابت مصر کے دس سال (۶۳۱۔۴۱) کی تاریخ وحشیانہ سزاؤں اور لرزہ خیز مظالم کی داستانوں سے لبریز ہے۔[۵] یمن کے یہودی بادشاہ ذونواس کے نجران کے عیسائیوں پر وحشیانہ مظالم بھی لرزہ خیز ہیں جس میں مجموعی طور پر ۲۰ ہزار عیسائیوں کو زندہ جلایا گیا یا قتل کر دیا گیا (قتل اصحب لاخدود۔ البروج۔۴)[۶]

یہ واقعہ بھی چھٹی صدی عیسوی (۵۲۳ء) یعنی آنحضرتؐ کی ولادت سے ۵۰ برس قبل کا ہے۔ ابن ہشام کے بقول ''ذونوس اپنے لشکر کے ساتھ نجران والوں کی طرف گیا اور انہیں یہودیت کی دعوت دی۔ ان سے کہا یا تو یہودیت اختیار کر دیا مرنے کیلئے تیار ہو جاؤ۔ انہوں نے موت پسند کی۔ ذونواس نے ان کے لئے خندقیں کھودیں۔ بہتوں کو آگ میں جلا ڈالا بہتوں کو تلوار سے قتل کر ڈالا اور ان مقتولوں کے ناک کان کاٹے گئے''۔[۷]

سید ابوالحسن علی ندوی معتبر تاریخی روایات کے حوالوں سے چھٹی صدی عیسوی کی مذہبی انتہاء پسندی پر سیر حاصل بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ.......

''چھٹی صدی کے آخر میں یہودیوں اور عیسائیوں کی باہمی رقابت و منافرت اس حد کو پہنچ گئی تھی کہ ان میں سے کوئی دوسرے فریق کو ذلیل کرنے اور اس سے اپنی قوم کا انتقام لینے اور مفتوح کے ساتھ غیر انسانی

سلوک کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتا تھا۔ ۶۱۰ء میں یہودیوں نے انطاکیہ میں عیسائیوں کے خلاف بلوہ کیا۔ شہنشاہ فوقاس (Phocas) نے ان کی سرکوبی کے لئے مشہور فوجی افسر بنوسوس (Bonosus) کو بھیجا اس نے پوری یہودی آبادی کا اس طرح خاتمہ کیا کہ ہزاروں کو تلوار سے، سینکڑوں کو دریا میں غرق کرکے، آگ میں جلا کر اور درندوں کے سامنے ڈال کر ہلاک کر دیا۔ ۶۱۵ء میں جب ایرانیوں نے شام کو فتح کیا تو یہود ہی کے مشورہ و ترغیب سے خسرو نے عیسائیوں پر وحشیانہ مظالم کئے اور بیشتر عیسائیوں کو تہ تیغ کیا۔ ایرانیوں پر فتح حاصل کرنے کے بعد ہرقل (Heraclius) نے زخم خوردہ عیسائیوں کے مشورہ سے ۶۳۰ء میں یہودیوں سے سخت انتقام لیا اور ان کا اس طرح قتل عام کیا کہ رومی مملکت میں صرف وہ یہود ہی بچ سکے جو ملک چھوڑ کر چلے گئے یا کہیں چھپے رہے''۔[8]

ہندومت، یہودیت اور عیسائیت جیسے بڑے مذاہب میں مذہبی انتہاء پسندی کی یہ مثالیں یہ واضح کرنے کے لئے کافی ہیں کہ دنیا کے کم و بیش سبھی مذاہب کسی نہ کسی مرحلہ پر مذہبی انتہاء پسندی کا شکار رہے ہیں لیکن حضور رسالتماب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری کے وقت تو یہ انتہاء پسندی اپنی آخری حدوں کو چھو رہی تھی۔

سید امیر علی نے اپنے الفاظ میں اس صورتحال کی نقشہ کشی کرتے ہوئے لکھا ہے:

''زرتشت، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ نے جو شمع روشن کی تھی۔ اس کی لو انسانی خون کے چھینٹوں سے بجھائی جا چکی تھی۔ ایک بگڑی ہوئی زرتشتیت نے اور ایک اس سے بھی زیادہ بگڑی ہوئی عیسائیت نے جو ایک دوسرے سے برسر پیکار تھیں۔ انسانی ضمیر کی ناطقہ بندی کر رکھی تھی اور کرہ ارض کے بعض شاداماں ترین خطوں کو لہو کی ندیوں کا سنگم بنا رکھا تھا۔ بالادستی کی خاطر مسلسل رزم آرائیوں، دائمی خانہ جنگیوں اور مذہبوں اور فرقوں کی لگاتار چپقلشوں نے قوموں کا خون زندگی نچوڑ لیا تھا اور روئے زمین کے باشندے جو ایک بے جان مشائخ پرستی کی آہنی ایڑیوں سے کچلے جا رہے تھے خدا سے اپنے آقاؤں کے مظالم کی فریاد کر رہے تھے۔ دنیا کی تاریخ میں ایک نجات دہندہ کی اس سے زیادہ ضرورت کبھی لاحق نہ ہوئی تھی اور نہ کبھی اس کے ظہور کے لئے اس سے موزوں تر وقت آیا تھا''۔[9]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اور اسلام:

مذہبی رواداری بمقابلہ مذہبی انتہاء پسندی:

گزشتہ سطور میں ظہور اسلام سے قبل کی مذہبی انتہاء پسندی کا تذکرہ ہو چکا۔ آپؐ نے اپنی تشریف آوری کے ساتھ ہی اسے یہ کہہ کر مذہبی رواداری میں بدل دیا کہ......

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ۨ الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا

هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ ص فَامِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ [۱۰]

''آپ کہہ دیجئے اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں جس کی حکومت ہے آسمانوں اور زمین میں اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ وہی جلاتا ہے اور مارتا ہے سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول نبی اُمی پر''۔

یہ وہ آفاقی پیغام تھا جس نے وحدت اقتدار صرف ذات باری تعالیٰ کے لئے مخصوص کر دی اور رسالت مآبؐ تمام انسانوں کے لئے (بلا تخصیص مذہب وملت) نبی برحق واعظم وآخر قرار پائے گویا وحدت اقتدار میں وحدت انسانیت کا مستقبل بھی پوشیدہ تھا۔

پھر آپ ﷺ نے اپنی بات کی بجائے لوگوں کے سامنے اس خدا کا پیغام پیش کیا جو صرف مسلمانوں کا نہیں بلکہ سورۃ فاتحہ کی پہلی ہی سطر میں خود کو رب العالمین کی حیثیت سے تسلیم کرواتا ہے اور اپنے حبیب پاک کو رحمۃ للعالمین کا لقب عطا فرماتا ہے۔ گویا ربوبیت خداوندی اور رحمت رسالت مآب تمام جہانوں اور تمام انسانوں کے لئے عام ہیں نہ کہ صرف مسلمانوں کے لئے۔ سارے انسان خواہ وہ کسی رنگ، نسل، زبان سے ہوں آدم کی اولاد ہیں اور اللہ سے قریب تر وہ ہے جو متقی ہے [۱۱] چنانچہ رب العالمین نے رحمۃ للعالمین کی زبان مبارک سے تمام عالم انسانیت (بالخصوص اہل کتاب) کو یہ پیغام دیا کہ آؤ سب مل کر اس بات پر متحد ہو جائیں کہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ کریں گے۔ کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں گے اور نہ اپنے میں سے کسی کو کسی پر ماسوائے اللہ فوقیت اور ترجیح دیں گے اور نہ اس کے سوا کسی کو مالک اور آقا سمجھیں گے اگر یہ اہل کتاب اس بات پر کاربند نہ ہوں تو کہہ دیجئے کہ تم سب گواہ رہو ہم اللہ کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ط فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ [۱۲]

اس آیت کی تشریح میں یہ بات لکھی گئی ہے اور بالکل درست ہے کہ

''اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے اور اس کے سارے بندے جس ملک وملت اور جس دین وعقیدے کے بھی ہوں اس کے لئے برابر ہیں کسی کو یہ حق نہیں کہ کسی پر اپنی فضیلت جتائے اور نہ کسی کے لئے جائز ہے کہ اللہ کے سوا کسی کو حاجت روا سمجھے۔ اسلامی سماج دنیا کی تاریخ میں اولین مثال ہے کہ مسلمانوں کی حکومت میں ہر کیش وملت کے لوگ صلح وآشتی اور امن وامان کے ساتھ بستے تھے اور سب کو مساویانہ شہری حقوق حاصل تھے''۔ [۱۳]

یہ دعویٰ کس حد تک درست ہے اس کی گواہی خود عیسائی مصنفین نے بھی دی ہے۔ سر آرنلڈ لکھتے ہیں......

''یہ بات کہ ان لوگوں کا قبول اسلام کسی طاقت یا جبر کا نتیجہ نہیں تھا ان خوشگوار تعلقات سے بھی واضح ہوتی ہے جو اس زمانے کے عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان موجود تھے۔ خود محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی

ایک عیسائی قبائل سے معاہدات کیئے جن کی رو سے آپ ﷺ نے ان کی حفاظت کا ذمہ لیا اور انہیں اپنے مذہب پر آزادی سے عمل کرنے کی ضمانت دی اور ان کے مذہبی پیشواؤں کے ان تمام حقوق اور اقتدار کو قائم رکھا جو انہیں اسلام سے قبل حاصل تھا"۔[۱۴]

سر آرنلڈ آگے چل کر یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ......

"پہلی صدی ہجری کے مسلمان فاتحین نے عربی النسل عیسائیوں سے جس رواداری کا مظاہرہ کیا اور جس کا سلسلہ ان کے بعد آنے والی نسلوں نے بھی جاری رکھا ان کو دیکھتے ہوئے ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ جن عیسائی قبائل نے اسلام قبول کیا۔ انہوں نے برضا و رغبت ایسا کیا"۔[۱۵]

یہ تو رہا عیسائیوں سے آنحضرتؐ کے حسن سلوک کا معاملہ یہودی اگرچہ آپؐ کی دشمنی اور ایذا رسانی میں ہمیشہ پیش پیش رہے اور آپؐ نے ان کے خلاف قوت بھی استعمال کی لیکن آپؐ تو کیا کبھی کسی عام مسلمان نے بھی حضرت موسیٰؑ کے خلاف کوئی سخت لفظ تک استعمال نہیں کیا اور نہ ہی توریت مقدس کے بارے میں کوئی توہین آمیز بات کہی گئی بلکہ آنحضرتؐ کے عہد میں یہودیوں کے نیک اور ایماندار اشخاص بھی کشادہ قلبی سے داد تحسین پاتے رہے[۱۶] کیونکہ اسلام نے یہ بات واضح کر دی تھی کہ۔

"جو لوگ (پیغمبر اسلام) پر ایمان لائے وہ ہوں یا وہ لوگ ہوں جو یہودی کہلاتے ہیں یا نصاریٰ اور صابی ہوں جو بھی اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور نیک کام کیئے تو وہ اپنے ایمان اور عمل صالح کا اجر اپنے پروردگار سے ضرور پائے گا۔ اس کے لئے نہ تو کسی طرح کا خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوگا"۔[۱۷]

قرآن پاک کی اس بنیادی تعلیم نے مسلمانوں کو ایسی کشادہ ظرفی عطا کی کہ انہوں نے نہ صرف اپنے دور عروج میں بلکہ عہد انحطاط میں بھی تمام پیغمبروں اور تمام مذاہب کے بانیوں کا ہمیشہ احترام کیا اور اپنے ممالک میں غیر مسلم شہریوں کی عزت و ناموس، مذہب، جان اور مال کے تحفظ کو ریاست کا بنیادی فرض قرار دیا شاید یہی وجہ ہے کہ تاریخ نے بھی بغیر کسی تحفظات کے اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ قرون وسطیٰ میں جب انسانی وقار اختلاف رائے یا مذہب کی بناء پر تشدد کا نشانہ بنتا تھا مسلم ریاستوں میں غیر مسلم شہری خاص طور پر یہودی مکمل طور پر امن و آشتی کی زندگی بسر کرتے تھے اور جب کبھی کسی حکمران نے اقتدار کے نشے میں مدہوش ہو کر کوئی غلط قدم اٹھایا تو اہل علم نے بادشاہ وقت کو ٹوکا اور اس کے غلط رویئے سے اپنی بیزاری کا اعلان کیا۔ عہد حاضر کا یہ واقعہ بھی مسلم حکمرانوں کی رواداری اور وسعت ظرف کی تاریخ میں ہمیشہ دلچسپی سے پڑھا جائے گا کہ جب دوسری جنگ عظیم میں نازی جرمنی کی فوجیں پولینڈ میں داخل ہوئیں تو انہوں نے پولینڈ کی یہودی آبادی کے خلاف اپنی پالیسی کو دہرایا اور نازی رہنما ریشاں نے کہا تم (یہودی) مالی تاوان دے کر اپنی جان بچا کر اپنی پسند کے ملک میں جا سکتے ہو چنانچہ یہودیوں نے مالی تاوان دیا اور ترکی جانے کی اجازت مانگی کیونکہ وہ مسلم ممالک میں ہمیشہ امن و آشتی سے زندگی بسر کرتے رہے ہیں۔ یاد رہے کہ جب ۱۹۶۴ء میں نازی لیڈر ریشاں کو ارجنٹائن سے اسرائیل دیا گیا اور اس پر مقدمہ چلا تو اسرائیل میں آباد پولش یہودیوں نے مندرجہ بالا بیان عدالت میں دیا۔[۱۸]

یہ تھا ماضی بلکہ ماضی قریب میں بھی مسلمانوں کا غیر مسلموں سے مذہبی رواداری کا طرز عمل لیکن دیکھنا یہ ہے کہ دور حاضر میں مذہبی انتہاء پسندی کا رجحان اپنے دامن میں کیا حقائق و بصائر لئے ہوئے ہے۔

دور حاضر میں مذہبی انتہاء پسندی کا رجحان:

حقیقت یہ ہے کہ دور حاضر میں مذہبی انتہاء پسندی صرف مسلمانوں ہی میں نہیں دنیا بھر میں بڑھ گئی ہے لیکن یہ بات اتنی سادہ بھی نہیں اور اتنی آسانی سے کسی کو ہضم بھی نہیں ہوسکتی کہ آپ جس کو انتہاء پسندی کا مورد الزام ٹھہرائیں وہ اسے تسلیم بھی کر لے۔ اس لئے تجزیاتی طریقہ کار اختیار کرتے ہوئے اس کے عوامل و عناصر کا جائزہ لینا ہوگا۔

مسلمانوں میں انتہا پسندی:

اگر چہ اسلام میں نظریاتی طور پر انتہاء پسندی کا کوئی تصور نہیں اور ہمیشہ مسلمانوں نے غیر مسلموں سے فیاضانہ سلوک کیا لیکن خوارج کا طرز عمل دیکھیں تو یقیناً یہ انتہاء پسندی کا منہ بولتا ثبوت تھا اور اس نے ملت اسلامیہ کو ناقابل تلافی نقصان بھی پہنچایا مگر خوارج کی انتہاء پسندی کو جمہور مسلمانوں میں کبھی بھی پذیرائی حاصل نہ ہوسکی البتہ فرقہ پرستی مسلمانوں میں مختلف ادوار میں اپنے تارو پود ضرور بکھیرتی رہی اور اس سے ملت اسلامیہ کا شیرازہ ہمیشہ بکھرتا رہا حتیٰ کہ اسلامیان ہند کی اجتماعی شیرازہ بندی کے باوصف علامہ اقبالؒ کو یہ کہنا پڑا کہ

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

ہم لاکھ انکار کریں مگر حقیقت چھپائے نہیں چھپتی گذشتہ دو عشروں سے پاکستان میں مذہبی انتہاء پسندی اور فرقہ واریت کو فروغ ملا ہے کبھی شیعہ سنی فساد، کبھی اقلیتوں پر حملے، کبھی عبادت گاہوں میں بم دھماکے، کبھی مذہبی شخصیات کے قتل، ایک دوسرے کی تکفیر، علی ہذا القیاس وہ مذہب جس کے سربراہ نے ''الخلق عیال اللہ'' کہہ کر پوری مخلوق کو اللہ کا کنبہ قرار دیا تھا اور یہ بھی کہ جو اس کنبے کے ساتھ جتنا زیادہ حسن سلوک روا رکھے گا وہ اس قدر خدا کے نزدیک زیادہ محبوب ہوگا۔[۱۹] آج دنیا کی انگشت نمائی کی زد میں ہے کیونکہ مسلمانوں کا طرز عمل اپنے ہادی اکمل کی سیرت پاک پر نہیں رہا۔ اس باب میں سیرت طیبہ کا پیغام کیا ہے آگے گفتگو کی جائے گی۔ یہاں صرف مرض کی نشاندہی مقصود ہے۔

یورپ کی انتہاء پسندی:

یہ بات ہمیں تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ مسلمانوں میں مذہبی انتہاء پسندی اور فرقہ واریت (بالخصوص پاکستان میں) پروان چڑھی ہے لیکن دوسری طرف بھی برابر کی آگ لگی ہوئی ہے۔ فرانس میں مذہبی علامات (اسکارف، پگڑی وغیرہ) پر پابندی کا بل منظور ہو گیا۔ اس ضمن میں فرانس نے ریاستی سکولوں میں مذہبی نشانیاں یا علامات کے استعمال کے خلاف قانون سازی کے راستے کا

انتخاب کیا ہے۔ چاہے یہ مذہبی نشانی سکارف ہو یا صلیب یا یہودیوں کا کلاہ مقدس بلاشبہ فرانس نے اس سمت آگے بڑھنے سے پہلے سیکولرازم کا ڈھنڈورا پیٹا اس لئے تمام مذہبی علامات کے ساتھ ایک جیسا سلوک کرنا پڑا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اصل مسئلہ مسلمان بچیوں کے اسکارف پہننے کا تھا جو مسلم شناخت کا ایک واضح اور کھلا اظہار ہے۔[۴۰] جرمنی جہاں مسلمان آبادی میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے، میں صورتحال اور بھی بدتر ہے۔ اگرچہ جرمنی کا آئین (آرٹیکل نمبر ۴) تمام مذاہب کے ساتھ مساوی سلوک کی ضمانت دیتا ہے لیکن وہاں بھی دو ریاستوں میں مسلمان بچیوں کو سکارف پہننے سے روک دیا گیا ہے البتہ صلیب یا کلاہ پر کوئی پابندی نہیں لگائی گئی۔ یہ صرف مسلمانوں کے ساتھ امتیازی سلوک ہے۔[۴۱] برطانیہ، عراق اور افغانستان کے خلاف امریکہ کی کارروائی میں برابر کا شریک ہے۔ برطانیہ میں اگرچہ مسلمانوں کی بہت بڑی آبادی ہے مگر وہاں بھی مذہبی انتہاء پسندی کی خبریں آتی رہتی ہیں۔ مجموعی طور پر یہ تبصرہ بڑا برمحل اور مناسب معلوم ہوتا ہے کہ......

> ''انتہاء پسندی اور عدم برداشت یورپ میں بیماری کی شکل اختیار کرتا جا رہا ہے۔ یورپ کی ریاستیں اس رجحان کو برابر ابھار رہی ہیں۔ سوویت یونین کے خاتمے اور مشرقی یورپ کی آزادی کے بعد وہاں عیسائی اخلاقی اصول پھر سے زندہ ہو رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے اسلام کے خلاف معاندانہ ذہنیت بھی پروان چڑھ رہی ہے۔ اگر دنیا نے انتہاء پسندی اور عدم برداشت کے خلاف جدوجہد کرنی ہے تو یورپی ممالک کو پہلے اپنے گریبان میں جھانکنا ہوگا اور مسلمان ریاستوں کو انتہاء پسندی اور بنیاد پرستی کے معاملے پر مطعون کرنے سے قبل اپنے گھر کی فکر کرنا ہوگی''[۴۲]

امریکہ کی انتہاء پسندی:

۹/۱۱ سے قبل امریکہ اپنی مذہبی رواداری کے اعتبار سے ایک مثالی ملک تھا جہاں ہر فرد کو مکمل تحفظ اور مذہبی آزادی حاصل تھی۔ ۹/۱۱ کے حادثے کے بعد امریکی حکومت کی پالیسیوں میں اتنا شدید ردوبدل ہوا کہ دنیا بھر کے مسلمان امریکی حکومت کی نظروں میں مشکوک اور انتہاء پسند قرار پائے۔ افغانستان میں طالبان کی انتہاء پسندی اور عراق میں صدام کے مہلک ہتھیاروں کو بہانہ بنا کر ان ممالک کو کھنڈروں میں بدل دیا گیا۔ امریکہ کے مسلمان شہری مشکوک قرار پائے۔ رجسٹریشن، فنگر پرنٹس اور نہ جانے کیا کیا پابندیاں عائد کر دی گئیں۔ امریکی حکومت کے ان وحشیانہ اقدامات نے پورے عالم اسلام کو چونکا دیا۔ نتیجتاً اسلامی ممالک میں بھی مذہبی بنیادوں پر سوچا جانے لگا اور یہ سوال بھی پیدا ہونے لگا کہ امریکی حکومت نے عراق کو تو مہلک ہتھیاروں کے بہانے نیست و نابود کر کے رکھ دیا لیکن عراق کے پہلو میں اسرائیل جس بے دردی سے مہلک ہتھیار استعمال کر کے عربوں کا خون بہا رہا ہے اس پر امریکی حکومت کیوں خاموش ہے۔ دنیا بھر کے مسلمان یہ سوچتے ہیں کہ فلسطین کی سرزمین پر جس قدر دہشت و بربریت کے مظاہرے ہو رہے ہیں انہیں امریکہ کی حمایت حاصل ہے۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ۹/۱۱ کے حادثے کے بعد امریکہ اور یورپ کی حکومتوں نے اس واقعہ کے مجرموں کی بجائے اسلام اور تمام مسلمانوں کو ہی انتہاء پسند اور دہشت گرد کہنا شروع کر دیا اور

ساتھ ہی جہاد اور جہادی تنظیموں کو دہشت گردی کا مترادف اور محرک قرار دیا۔ یہ بات بذات خود ایک طرح کی انتہاء پسندی ہے کہ جہاد اور اسلام کو امن و آشتی کے تناظر کی بجائے انتہاء پسندی کے تناظر میں دیکھا جائے حالانکہ اسلام سلامتی اور امن کا دین ہے اور جہاد دنیا بھر کے مظلوموں کی حمایت کا سہارا ہوا کرتا ہے۔ بہرحال امریکہ کی انتہاء پسندی بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہی۔

چند دیگر ممالک کی انتہاء پسندی:

پاکستان، یورپ اور امریکہ کے بعد باقی دنیا پر نظر ڈالیں تو سرفہرست پاکستان کا ہمسایہ ملک ہے جہاں سے مسجدوں کو مندروں میں تبدیل کرنے، مساجد کو شہید کرنے اور مسلمانوں کو اپنا مذہب تبدیل کرنے پر مجبور کرنے کی خبریں تواتر سے آ رہی ہیں۔ سکھوں اور عیسائیوں کے ساتھ بھی دوسرے درجے کے شہریوں جیسا سلوک اور ان کے مذاہب کی توہین مذہبی انتہاء پسندی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ عالم اسلام میں طالبان نے بھی بعض معاملات میں بلاشبہ مذہبی انتہاء پسندی کا مظاہرہ کیا لیکن کسی دوسرے مذہب کے ساتھ نہیں۔ ایران میں بھی مذہبی تشدد کی لہریں ابھریں اور اب بھی اصلاح پسندوں کو انتخابات کے لئے نااہل قرار دیا جا رہا ہے مگر یہ ایرانیوں کا اندرونی معاملہ ہے۔ عرب ممالک اسرائیل کی جارحیت پسندی سے ہی جان نہیں چھڑا پا رہے اوپر سے امریکہ اور برطانیہ کی دھمکیوں نے بھی انہیں ادھ موا کر رکھا ہے۔

ان حالات میں جبکہ دنیا بھر میں مذہبی انتہاء پسندی کا رجحان روز افزوں ہو اس بات کا انکار ممکن نہیں کہ پاکستان بھی کسی حد تک مذہبی انتہاء پسندی کا شکار ضرور ہے یہ پہلے ہی لکھا جا چکا ہے کہ گذشتہ دو دہائیوں میں اس میں نمایاں اضافہ بھی ہوا ہے اگرچہ یہ ردعمل فطری ہے بقول شاعر ؎

دنیا نے تجربات و حوادث کی شکل میں
جو کچھ مجھے دیا ہے وہ لوٹا رہا ہوں میں

لیکن بحیثیت مسلمان مذہبی انتہاء پسندی ہمارے شایان شان نہیں اور نہ ہی یہ ہماری میراث ہے اور نہ ہی ہمیں اس پر نازاں ہونا زیب دیتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ عالم اسلام بالخصوص پاکستان مذہبی انتہاء پسندی کا سارا زور خود اپنے اوپر صرف ہو رہا ہے نتیجتاً دن بدن عالم اسلام بالخصوص پاکستان کمزور ہو رہے ہیں اور دشمنوں کا ہم بال بھی بیکا نہیں کر سکتے۔ اس لئے اس رجحان کا قلع قمع کرنا ازبس ضروری ہے کیونکہ (اولاً) مذہبی انتہاء پسندی اسلامی تعلیمات کے سراسر منافی ہے۔ (ثانیاً) مذہبی انتہاء پسندی سے ہم کسی اور کا کچھ نہیں بگاڑتے بلکہ خود تباہی کی منزل کے قریب ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

خاتمہ کیونکر ممکن ہے؟

مذہبی انتہاء پسندی کے خاتمے کے لئے (موضوع کی مناسبت سے) سیرت طیبہ پر عمل اور تعلیمات نبوی علیہ الصلوۃ والسلام کا مکمل اتباع ہی کارگر ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ یہی وہ اسوہ حسنہ ہے جو انفعالیت یا رہبانیت کی نہیں بلکہ تحرک اور فعالیت کے ساتھ

رحمت ورافت کی تعلیم دیتا ہے۔سید سلیمان ندوی نے نہایت وضاحت و بلاغت سے اس کی منظر کشی کی ہے وہ لکھتے ہیں......

اگر عملی مثالیں چاہتے ہو تو اسلام کے اس اولین داعی و واعظ کی سیرت طیبہ کو دیکھو جس نے فاتح بن کر مفتوح ہو کر نہیں، حاکم ہو کر محکوم بن کر نہیں۔ بیک دفعہ مکہ کے ان ہزاروں دشمنوں کو معاف کر دیا جن میں سے ہر ایک اس کے خون کا پیاسا رہ چکا تھا جس نے اس کو معاف کر دیا جس نے اس کے قتل یا گرفتاری کے لئے اہل مکہ کا اشتہار و انعام سن کر اس کا تعاقب کیا تھا[۲۳] جس نے خیبر میں اپنی زہر دینے والی یہودیہ کو معاف کیا تھا[۲۴] جس نے اپنے چچا کے قاتل کو معاف کیا تھا[۲۵] جس نے حمزہؓ کی لاش کو بے حرمت کرنے والی اور ان کے جگر کو چبانے والی کو معاف کیا[۲۶] جس نے تنعیم کی وادی میں قریش کے اس گرفتار دستہ کو معاف کیا[۲۷] جو اس کے قتل کے ارادے سے آیا تھا، جس نے نجد کے ایک نخلستان میں جب وہ محو خواب تھا اپنے ایک تیغ بکف حملہ آور کو قابو میں پا کر معاف کیا[۲۸] جس نے ان طائف والوں کے حق میں دعائے خیر کی جنہوں نے اس پر کبھی پتھروں کی وہ بارش کی تھی جس سے اس کے پاؤں خون آلود ہو گئے تھے[۲۹] جس نے احد کے میدان میں اپنے چہرہ کے زخمی کرنیوالوں کو نیک دعا دی[۳۰] جس نے دشمنوں کے حق میں بددعا کرانے والوں کو کہا کہ میں دنیا میں لعنت کے لئے نہیں بلکہ رحمت کے لئے آیا ہوں[۳۱] صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم[۳۲]

سید سلیمان ندوی کی تحریر سے درج بالا اقتباس پیش کرنے کے دو مقاصد ہیں۔

...... اولاً اس بات کی وضاحت کہ اسلامی تعلیمات میں جہاں عفو و درگزر کی تعلیم ہے وہاں فاتح اور حاکم بننے کا تصور بھی موجود ہے۔ دیگر مذاہب کے پیروکاروں کو سمجھنا چاہئے کہ اسلام انفعالیت اور رہبانیت کا مذہب نہیں ہے۔

...... ثانیاً مسلمانوں کے لئے اسوہ حسنہ کی صحیح تصویر پیش کرنا تا کہ وہ جہاد اور غلبہ دین کی محبت میں عفو و درگزر کو چھوڑ کر مذہبی انتہاء پسندی کا شکار نہ ہو جائیں بلکہ اپنے پیغمبر اکرمؐ کی عطا کردہ مذہبی رواداری کی تعلیمات پر عمل پیرا ہوں اور حسن اخلاق سے دنیا کو اپنا گرویدہ کریں۔

دیگر مذاہب کے پیروکار اسلام کے مزاج کو سمجھیں:

دیگر مذاہب کے پیروکاروں کو یہ ضرور سمجھنا چاہئے کہ اسلام عیسائیت کی طرز کا انفعالیت پسند اور رہبانیت کا مذہب نہیں وہ ایک فعال، متحرک، جامع، عالمگیر اور تمام نظام ہائے حیات پر چھا جانے والا دین ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے......

هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَ دِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ كُلِّهٖ[۳۳]

"وہی ہے (اللہ) جس نے بھیجا اپنے رسول (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو الہدیٰ (قرآن حکیم) اور دین حق (اسلام) دے کر تا کہ غالب کر دے اسے کل کے کل دین (نظام ہائے زندگی) پر"۔

یعنی اسلام کا مزاج ہی قوت اور شوکت کا مزاج ہے۔ وہ ایک کونے میں سمٹ کر اللہ اللہ کرنے کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ اللہ کی

عطا کردہ تعلیمات کو نظام زندگی کے ہر شعبے اور دنیا کے ہر کونے تک پہنچانے کی تعلیم دیتا ہے لہٰذا اس کے پیروکار اسلام کا پرچم لئے دنیا کے ہر کونے تک پہنچیں گے اور اسلامی معاشروں کا تشخص عیسائی، ہندو، زرتشتی یالا دینی معاشروں جیسا نہیں ہوگا۔ اسلام کی تعلیمات صرف مساجد اور خانقاہوں تک محدود نہیں ہوں گی بلکہ سیاست، معاشرت، معیشت، عدالت سبھی اسلامی تعلیمات کے عکاس ہونگے لہٰذا سیکولر معاشروں کے افراد مسلمانوں کی اس قسم کی خواہشات یا جدوجہد کو مذہبی انتہاء پسندی نہ سمجھیں کیونکہ یہ ان کی ذمہ داری بھی ہے۔ ان کے پیغمبر اکرم کا حکم اور اتباع بھی اور ان کی اُخروی نجات کا ذریعہ اور ضرورت بھی۔ ان کے اللہ نے ہی انہیں یہ حکم دیا ہے کہ......

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ [۳۴]

''بے شک تمہاری راہنمائی کیلئے اللہ کے رسول (کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے جو اللہ تعالیٰ سے ملنے اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہو''۔

حقیقتاً تو تمام الہامی مذاہب کا مزاج یہی ہونا چاہئے لیکن دین اور دنیا کی تفریق نے ان مذاہب کو عبادت گاہوں تک محدود کر دیا ہے اور عام معاشرے میں کہیں مذہب کا نشان تک نظر نہیں آتا خواہ آپ امریکہ، یورپ یا دنیا بھر کے کسی بھی غیر مسلم ملک میں چلے جائیں۔

مسلمانوں کا رویہ کیسا ہونا چاہئے؟

اگرچہ اسلام عیسائیت جیسی اخلاقیات کا قائل نہیں نہ ہی وہ اپنے پیروکاروں سے کسی غیر فطری برداشت اور تحمل کی توقع رکھتا ہے تاہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مجموعی طرز عمل عفو و درگزر، رواداری اور صلح جوئی کی تعلیم دیتا ہے۔ اگرچہ معروف سیرت نگار قاضی عیاضؒ نے یہ لکھا ہے کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کفار و منافقین سے خاطر تواضع، حسن اخلاق اور حسن سلوک سے پیش آتے تھے اور ان کی اذیتوں کو برداشت کرتے تھے ان پر عمل پیرا ہونا آج ہمارے لئے ممنوع اور ناجائز ہے [۳۵] کیونکہ قاضی عیاضؒ کا خیال یہ ہے کہ یہ طرز عمل صرف اس وقت کے لئے تھا کہ جب اسلام مکہ میں بے یار و مددگار تھا۔ مدینہ میں کفار اور مشرکین میں سے دشمنان اسلام کو کیفر کردار تک پہنچایا گیا لیکن آج ایک بار ہم پھر وہیں کھڑے ہیں جہاں اسلام مکی دور میں تھا اور پھر اس وقت تک آپؐ کی ذات مبارک موجود تھی اور وہ اخلاق اور قانون میں توازن قائم رکھتے تھے [۳۶] لیکن آج ہم میں نہ تو آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی موجود ہے اور نہ ہی ہم اخلاق اور قانون میں توازن قائم رکھ سکتے ہیں۔ نہ حکومت و سیادت ہے اور نہ اعتدال و میانہ روی۔ نتیجتاً ہمیں حکمت اور دانشمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے آنحضرتؐ کے مکی دور کا اسوہ حسنہ اختیار کرنا ہوگا اور آپؐ کے اخلاق فاضلہ عفو و درگزر کو اپنانا ہوگا۔ اگر دنیا کی انتہاء پسندی کا جواب ہم بھی مذہبی انتہا پسندی سے دیں گے تو شاید یہ حکمت اور دانائی کے خلاف ہو کیونکہ آج کی دنیا میں مسلمان اپنے اس مقام سے بہت نیچے ہیں جو کبھی دنیا کی امامت اور سیادت کی شکل میں مسلمانوں کو حاصل تھا۔ افغانستان اور عراق کے ساتھ دشمنوں کا رویہ سراسر ناجائز اور غلط ہی سہی مگر

اس سے مسلمانوں کی اجتماعی قوت اور حیثیت کا اندازہ بھی ہو گیا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان فرامین اور واقعات کی اتباع کریں جو آپ کے ذاتی اوصاف کے حوالے سے صرف آپ کے عفو و درگزر، مذہبی رواداری، حسن اخلاق، محبت و اخوت، علم و حکمت اور اعتدال و توازن پر مبنی ہیں۔ رہا معاملہ انتقام، غصے اور مذہبی انتہا پسندی کا۔ تو یہ چیزیں اولاً تو اسلام میں ہیں ہی ناپسندیدہ اور اگر کہیں سیرت طیبہ میں ان کا ذکر ہے تو وہ صرف استحکام ریاست اور محارم الٰہی و حدود اللہ کے قیام کے لئے ہے۔ [۲۷] جبکہ آج عالم اسلام جس خوفناک صورتحال سے دوچار ہے وہاں بہرصورت مذہبی انتہاء پسندی کو بالائے طاق رکھنا ہوگا۔ آخر کافر و مشرک بھی اللہ ہی کی مخلوق ہیں اور اللہ کے نزدیک سزا کے مستحق بھی لیکن اللہ کا حکم یہ ہے کہ......

"(اے پیغمبرؐ) مسلمانوں سے کہہ دیجئے کہ ان کو جو خدا کے دنوں پر یقین نہیں رکھتے معاف کر دیا کریں تا کہ خدا ایسے لوگوں کو ان کے کرتوتوں کا بدلہ دے" [۲۸]

اب رہا تعلیمات نبوی اور سیرت طیبہ میں عفو و درگزر، رواداری اور غیر مسلموں سے تعلقات کا مسئلہ تو اس ضمن میں احادیث مبارکہ اور سیرت طیبہ کے واقعات پر مشتمل ایک ضخیم کتاب لکھی جا سکتی ہے اور کئی کتابیں لکھی بھی جا چکی ہیں۔ اس مقالہ میں اب ان تعلیمات کا احاطہ کرنے کی گنجائش نہیں۔ حتمی بات یہی ہے کہ سیرت طیبہ پر عمل سے ہی مذہبی انتہاء پسندی کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے تاہم تجزیاتی مطالعے سے دور حاضر میں مذہبی انتہاء پسندی کے رجحان کے درج ذیل اسباب سامنے آتے ہیں جن کی نشاندہی اور خاتمے کے لئے تجاویز آئندہ صفحات پر پیش کی جا رہی ہیں۔

دور حاضر میں مذہبی انتہاء پسندی کے رجحان کے اسباب اور خاتمے کے لئے تجاویز و سفارشات

(۱) عالمی طاقتوں اور دیگر مذاہب کی انتہاء پسندی کے خلاف ردعمل:

مسلمانوں اور بالخصوص پاکستان بلکہ عالم اسلام میں مذہبی انتہاء پسندی اس ردعمل کے طور پر سامنے آئی جس کا موجب عالمی طاقتوں کا مسلمانوں سے امتیازی سلوک تھا۔ فلسطین، بوسنیا، عراق، افغانستان، کشمیر، چیچنیا اور پھر ۹/۱۱ کے بعد دنیا بھر میں مسلمانوں اور اسلام کو جس طرح مورد الزام ٹھہرایا گیا مسلمانوں نے بھی ردعمل کے طور پر مذہبی انتہاء پسندی کا سہارا لیا اگرچہ اس مذہبی انتہاء پسندی کو جمہور مسلمانوں اور حکومتوں کی اشیر باد حاصل نہیں پھر بھی مسلمانوں کی اسلام اور اسلامی ممالک اور اسلامی تنظیموں سے ہمدردی قابل فہم ہے۔ اس کا علاج اس کے سوا کچھ نہیں کہ مسلمان اپنی کمزور حیثیت کو سمجھیں اور مذہبی انتہاء پسندی کی بجائے اسوہ حسنہ پر عمل پیرا ہوں۔

(۲) نظام تعلیم کی ثنویت اور دین کی تشریح و تعبیر کا مسئلہ:

ہمارے یہاں نظام تعلیم کے دو متوازی دھارے بہہ رہے ہیں۔ اس تقسیم اور ثنویت کی وجہ سے دین کی تشریح و تعبیر کے تمام

حقوق صرف ایک طبقے تک محدود ہو گئے ہیں جبکہ دوسرا طبقہ ذہنی مرعوبیت اور غلامانہ ذہنیت کا عکاس ہے۔ اس نظام تعلیم کے بانی لارڈ میکالے کے ایک رشتہ دار (Sir Charles Trevelyer) نے ایجوکیشن انکوائری کمیٹی کے کنوینر کی حیثیت سے ۱۸۳۸ء میں Education of Indian People کے نام سے اپنی رپورٹ میں لکھا تھا کہ......

''مسلمانوں کا نظام تعلیم طاقت، فخر ومباہات اور جوش عزائم پر مبنی ہے۔ اقتدار کی ہوس اور لذائذ جسمانی مذہب کی تائید میں لائے جاتے ہیں۔ کرہ ارض مومن کی میراث ہے ان کے علاوہ سب کافر او رغاصب ہیں جس سے بجز سیاسی مقتضیات کے کوئی روابط نہیں رکھے جاسکتے۔ تمام ملک با اختیار خداوندی مسلمانوں کی ملک ہے''۔ [۳۹]

اس انگریز ماہر تعلیم کی رائے سے جزوی اختلاف کے باوجود اس بات سے انکار ممکن نہیں کہ آج بھی اسی تشریح و تعبیر کے ساتھ ہمارا نظام تعلیم ہمیں لے کر اکیسویں صدی میں داخل ہوا ہے کیونکہ آج بھی دینی اور دنیاوی تعلیم کی ثنویت برقرار ہے۔ اس ثنویت کو ختم کرنا ہوگا اور اپنے تعلیمی نظام کی اساس اسلامی نظام افکار پر رکھنی ہوگی مگر یہ تبھی ممکن ہے جب نظام تعلیم دینی اور دنیاوی کی ثنویت سے پاک ہوگا۔ [۴۰]

مذہب اور جدید سیاست کی آمیزش:

بڑھتی ہوئی مذہبی انتہاء پسندی کا ایک ممکنہ سبب مذہب جدید اور سیاست کی آمیزش بھی ہے۔ بلا شبہ سیاست مذہب کا ایک شعبہ ہے لیکن بقول شرف الدین اصلاحی......

''اسلام کے زیر اثر فروغ پانے والے تصورات سیاست کچھ اور ہیں۔ دنیا میں جب تک اسلامی تصور سیاست کی کارفرمائی رہی دنیا سے عفو و درگزر، فلاح و بہبود عامہ کے وہ مناظر دیکھے کہ شاید و باید جب سے دنیا میں غیر اسلامی تصور سیاست کو فروغ ہوا ہے باہمی منافرت، جوش انتقام، لوٹ کھسوٹ کا دور دورہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس قسم کی سیاست کو رواج دیا اس کے زیر اثر قائم ہونے والی ریاست میں بلا امتیاز وتفریق مسلم اور غیر مسلم سب کے لئے امن اور سلامتی کی ضمانت ہے''۔ [۴۱]

کچھ ایسے ہی نظریات مرحوم مولانا کوثر نیازی کے تھے جو ان کی کتاب ''انداز بیاں'' میں ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں اور بھی بہت سے علماء عصر حاضر کی سیاست کو ناپسند کرتے ہیں اور مجتنب رہتے ہیں لیکن ایسے حضرات کی بھی کمی نہیں جو سیاست کو عبادت کا نام دے کر مذہب کے نام پر مذہبی انتہاء پسندی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ حکومت کو علماء کرام، دانشوروں اور سیاست کاروں کا نیشنل کنونشن طلب کر کے اس اہم مسئلے پر علماء کو اعتماد میں لینا چاہیے۔ سیاست نے مذہبی انتہاء پسندی کے ساتھ ساتھ تعلیمی نظام کو بھی ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے اور اس میں سیکولر اور مذہبی دونوں قسم کے سیاست کار اور ان

کی تنظیمیں شامل ہیں۔

حکمت اور دانشمندی کا فقدان:

تبلیغ دین اور جہادی کاوشیں یقیناً قابل قدر ہیں لیکن ان کی بنیاد ''اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ'' کے اسوہ حسنہ پر ہونی چاہئے۔ اس ضمن میں آپ کی تیرہ برس کی مکی زندگی کا طرز عمل ہمارے لئے بہترین نمونہ ہے۔ ہم مکی زندگی کو فراموش کر کے یکدم مدنی فتوحات حاصل کرنا چاہتے ہیں جبکہ دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ صبرو استقامت کے ساتھ مسلم امۃ اپنی تعمیر و ترقی، حکمت و دانش اور سائنس و ٹیکنالوجی کے حصول پر اپنی توجہ مرکوز کرے۔ اپنے اتحاد و اتفاق کو مضبوط بنائے اپنی معیشت اور سیاست کی تعمیر نو پر توجہ دے اور کسی قسم کے تہذیبی تصادم وغیرہ سے گریز کرے۔ ممکن ہے کہ مغرب نے تہذیبی تصادم کا نظریہ امت مسلمہ کو برانگیخت کرنے یا اپنی حیثیت سے بڑھ کر اپنے مقام کا تعین کرنے کے لئے پیش کیا ہو تا کہ امت مسلمہ خود کو مغرب کا مدمقابل تصور کر کے تصادم کی پالیسی اختیار کرے اور مغرب اپنی ایٹمی قوتوں سے یا عراق اور افغانستان کی طرح ایک ایک کر کے انہیں ہزار سال پیچھے دھکیل دے۔ ان حالات میں ہمیں ہرگز مغرب کی مذہبی انتہاء پسندی کا جواب ایسے ہی عمل سے نہیں دینا بلکہ مذہبی رواداری کے بل بوتے پر اپنا سکہ منوانا ہوگا اور خود کو حقیقی معنوں میں اس قدر طاقتور بنانا ہے کہ کم از کم ہم مغرب سے برابری کی سطح پر بات تو کر سکیں۔ یہی حکمت اور دانشمندی کا تقاضا ہے۔ پاکستان کے اندر حکومت اور اپوزیشن (بالخصوص مذہبی جماعتوں) کو بڑے تدبر اور حکمت کا مظاہرہ کرنا ہوگا کہ کہیں ہماری جذباتی تقریروں اور تحریروں سے مغرب کو ہمیں مذہبی انتہاء پسندی کا طعنہ دینے کا موقعہ نہ ملے یقیناً یہ وقت ہم سے نہایت احتیاط کا متقاضی ہے۔

لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام
آفاق کی اس کارگہ شیشہ گری کا

غربت و افلاس:

مذہبی انتہاء پسندی اگرچہ ایک الگ چیز ہے اور غربت و افلاس دوسری لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ غربت و افلاس انسانی کو کفر و عصیان تک لے جاتے ہیں، ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ دعا یاد ہے کہ ''الھم انی اعوذ بک من الکفر و الفقر''[۴۲] ممکن ہے کہ غربت اور بیروزگاری کے مارے اور کچلے ہوئے کچھ بدنصیب دہشت گردوں کے ساتھی بن کر اپنی اور اپنے زیر کفالت افراد کے پیٹ کی آگ بجھاتے ہوں اور اس کے بدلے میں ان کی من مانی خواہشات کو پورا کرتے ہوں جن میں کوئی خودکش حملہ، بم پھینکنا، فائرنگ کرنا، مذہبی شخصیات کو قتل کرنا وغیرہ جیسے اقدامات بھی شامل ہو سکتے ہیں پس مسلمان ملکوں بالخصوص پاکستان، انڈونیشیا، بنگلہ دیش وغیرہ جیسے ممالک کو اپنے غریب عوام پر خصوصی توجہ دینی چاہئے تا کہ کوئی محروم المعیشت فرد صرف پیٹ کی آگ بجھانے کے لئے مذہبی انتہاء پسندی میں ملوث نہ ہو۔

متفرق اسباب:

(i) مذہبی انتہاء پسندی ایک قسم کا نفسیاتی عارضہ بھی ہوسکتی ہے اور بہت سے افراد اس میں مبتلا ہوتے ہیں بالخصوص دور حاضر میں جب وہم، خوف، روحانی اضطراب، ذہنی دباؤ اور طرح طرح کی پریشانیوں نے انسان کو گھیر رکھا ہے۔ ممکن ہے کچھ لوگ اس قسم کے نفسیاتی عارضے میں مبتلا ہوں۔

(ii) تشدد اور قتل و غارت کی تشہیر جس انداز میں عالمی میڈیا بالخصوص انگریزی فلمیں کرتی ہیں ان سے بھی نوجوانوں کا متاثر ہونا ناممکنات میں سے نہیں۔

(iii) بعض مذہبی رہنما طلباء کو جنت اور ثواب کی خوشخبریاں سنا کر تشدد اور مذہبی انتہاء پسندی کی طرف راغب کر دیتے ہیں۔

(iv) صحیح اسلامی لٹریچر اور غیر جانبدارانہ فکر کے حامل دینی مدارس تقریباً ناپید ہیں۔ حکومت کو ایسے مدارس کے قیام پر خصوصی توجہ دینی چاہئے اور مثبت فکر کے حامل علماء کے تحریر کردہ اسلامی لٹریچر کی بھرپور سرپرستی کی جائے۔

سیرت طیبہ کا پیغام:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر جو پیغام ہمیں دیا تھا ہم اس کے وارث ہیں انہوں نے فرمایا تھا کہ شاید آنے والی نسلیں میرے پیغام کو کماحقہ سمجھ سکیں۔ دراصل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام تمام نوع انسان کے لئے ہے آپؐ کے پیغام نے ''آزادی اور دلیل'' کی تنگ وادیوں کو بے پایاں وسعتوں سے بدل دیا تھا اور آج جب کہ ہماری ''آزادی اور دلیل'' کا مفہوم سمٹ سمٹا کر بہت محدود ہو رہا ہے۔ ضرورت ہے کہ اسی پیغام کو پھر گوش ہوش سے سنا جائے۔ آہ! آج ہم اس کے تبعین اس کی صداقت اور اس کی روحانی عظمتوں سے بہت دور جا پڑے ہیں۔ کاش ہم آپؐ کے عظیم الشان بلند ترین اور پاکیزہ پیغام کو سنیں اور حضورؐ کے اسوہ حسنہ کو حرز جان بنائیں تاکہ دوسرے لوگوں سے ہمارا سلوک نیک ہو اور ہم اپنے عظیم الشان پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح جس کی عالمگیر رحمت اور نور ہدایت سے تمام نسل انسانی فیضیاب ہو رہی ہے اپنے دشمنوں سے بھی حسن سلوک روا رکھیں وگرنہ اس پاک انسان کی عالمگیر تعلیم کے بنیادی اصول ابہت الہی اور اخوت انسانی سے ہم ابداء شناسا نہیں ہو سکتے۔ صلوا علیہ وآلہ۔[۴۳]

حواشی و حوالہ جات

۱۔ سید نسیم امروہوی، نسیم اللغات (اردو) میں انتہا کے معنی لکھتے ہیں ''حد، خاتمہ، اخیر، حد سے زیادہ''۔

۲۔ مستند ماہرین لغت کی رائے میں ظلم کے بنیادی معنی ہیں ''کسی شے کو غلط جگہ پر رکھنا'' اخلاقیات میں ظلم کے معنی اس طرح بیان کئے جاتے ہیں کہ ''کوئی کام اس طرح کرنا کہ مقررہ حدود کی خلاف ورزی ہو اور کسی دوسرے شخص کے حق میں دخل اندازی ہو'' (ڈاکٹر توشی ہیکو ازتسو ''قرآن میں اخلاقی اصطلاحات کی ساخت، مترجم محمد خالد مسعود مطبوعہ المعارف لاہور اپریل۔ جون ۱۹۹۵ء)

۳۔ منوشاستر اور مذاہب عالم کی بہت سی کتب میں برہمنوں اور شودروں کے حقوق بیان کئے گئے ہیں۔

۴۔ Alferd J. Butler' Arabs Conquerers of Egypt and the last thirty years of the Roman Dominion' pp 23-30

۵۔ Ibid, pp183-189

۶۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن (تفصیلات کے لئے دیکھئے تفسیر سورۃ البروج ج ۶)

۷۔ ابن ہشام، سیرت النبی (ترجمہ وتہذیب مولانا عبدالجلیل صدیقی، مولانا غلام رسول مہر) ج اول ص ۶۱

۸۔ ابوالحسن علی، ندوی، ''بعثت محمدیؐ سے پہلے'' مطبوعہ نقوش ج سوم ص ۹۸

۹۔ سید امیر علی دنیائے قبل از اسلام پر ایک نظر (مطبوعہ نقوش ج سوم محولہ بالا ص ۲۲)

۱۰۔ الاعراف ۱۵۸:۷

۱۱۔ الحجرات ۱۳:۴۹

۱۲۔ ال عمران ۶۴:۳

۱۳۔ ڈاکٹر محمد صغیر حسن معصومی ''نقش پیغمبر...... سماجی انصاف'' مطبوعہ نقوش ج سوم ص ۴۳۲

۱۴۔ Sir Arnold, Preaching of Islam, p.48

۱۵۔ Ibid, p

۱۶۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، اسلام کا نظریہ حیات ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۹۸ء ص ۱۳۷

۱۷۔ البقرہ ۶۲:۲

۱۸۔ المعارف، لاہور اکتوبر دسمبر ۱۹۹۶ء جنوری مارچ ۱۹۹۷ء ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور (اداریہ)

۱۹۔ ''الخلق عیال اللہ احبھم ابرھم لصیالہ. مشکواۃ المصابیح کتاب الحب فی اللہ

(۲۲۔۲۱۔۲۰) یہ تینوں حوالہ جات معروف ماہر بین الاقوامی تعلقات وتجزیہ نگار محترمہ شیریں مزاری کے ایک مضمون سے لئے گئے ہیں جو پہلے معروف انگریزی روزنامہ The News میں شائع ہوا اور بعد میں روزنامہ خبریں کی ۲۶ جنوری ۲۰۰۴ء کی اشاعت میں ''مہمان کالم'' کے ذیل میں اس کا اردو ترجمہ احمد یار نے ''یورپ کی انتہاء پسندی'' کے عنوان سے تحریر کیا۔

۲۳۔ حوالہ جات ۲۳ تا ۳۱ یہ حوالہ جات سید سلیمان ندوی کی تحریر کے ایک طویل اقتباس میں آئے ہیں۔ یہ زیادہ تر معروف تاریخی واقعات ہیں جو کم وبیش تمام معتبر کتب حدیث وسیرت میں درج ہیں۔ سید سلیمان ندوی نے اپنی کتاب میں ان حوالہ جات کو اصل ماخذ ومصادر سے نقل کیا ہے۔ دیکھئے (سیرۃ النبی جلد ششم بذیل ''اسلام کی اخلاقی تعلیم کا تکمیلی کارنامہ)

۳۲۔ سید سلیمان ندوی سیرۃ النبی جلد ششم ص ۸۷ مکتبہ مدینہ لاہور ۱۴۰۸ھ

۳۳۔ التوبہ ۳۳:۹

۳۴۔ الاحزاب ۲۱:۳۳

۳۵۔ حضرت قاضی عیاض اندلسی، کتاب الشفاج دوم ص ۳۹۱ مکتبہ نبویہ لاہور ۱۴۱۰ھ (مترجم محمد اطہر نعیمی)

۳۶۔ سید سلیمان ندوی نے وضاحتاً لکھا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو تعلیم پیش کی وہ عفو اور عادلانہ انتقام یعنی اخلاق اور قانون دونوں کا مجموعہ ہے (سیرۃ النبی ج ۶ ص ۵۲)۔ ندوی صاحب ایک اور مقام پر بھی رقمطراز ہیں کہ ''جس طرح عفو ودرگزر بلند ہمتی کا

کام ہے اسی طرح عدل اور مناسب قانونی انتقام بھی بساضروری ہے۔محکومانہ اخلاق کی خوگیری کا وعظ قناعت پسندی کے لئے ضروری سہی مگر حاکمانہ روح بھی قوم کے اندر موجود رہنی چاہئے تا کہ دنیا کے عدل کی میزان قائم رہے"۔(سیرۃ النبی ج ۶ ص ۵۱)

۳۷۔ آنحضرت ؐ کی تعلیمات میں سزا اور انتقام کا معاملہ جماعت اور حکومت کے سپرد ہے تا کہ جماعت اور ملک کا نظام قائم رہے جبکہ عفو و درگزر کو انسانی شخصیت کے مدارج کمال کا ذریعہ بتایا گیا تا کہ افراد کی روحانی پاکیزگی اور اخلاقی بلندی برابر ترقی کرتی رہے (سیرۃ النبی/سلیمان ندوی/ ج ۶ ص ۵۴)

۳۸۔ الجاثیہ ۱۴:۴۵

۳۹۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی، قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل، ص ۱۷۵ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور طبع اول ۱۹۸۹ء

۴۰۔ ایضاً صفحہ ۱۹۰

۴۱۔ شرف الدین اصلاحی "عہد جدید کے مسائل اور آنحضرت ؐ کا پیغام" (مطبوعہ نقوش رسول نمبر جلد سوم ص ۷۰۹)

۴۲۔ علامہ عبداللہ یوسف علی "محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" مطبوعہ نقوش جلد سوم ص ۲۱۷

دورِ حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اس کا خاتمہ تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

پروفیسر ڈاکٹر نثار احمد

(۱)

دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان مسلمان ممالک میں خصوصاً اور دنیا کے دوسرے ممالک میں عموماً روز افزوں نظر آتا ہے، ظاہر ہے اس کی بہت ساری وجوہات ہیں تاہم ایک سبب بظاہر یہ ہے کہ پچھلے دو چار برسوں میں ملکی اور عالمی سطح پر پے در پے ایسے واقعات و حادثات رونما ہوئے اور دنیا کے مختلف ذرائع ابلاغ نے بالخصوص مغربی دنیا کے پرنٹ و الیکٹرانک میڈیا نے اُن کی ایسی تشہیر کی اور ایسی تصویر پیش کی کہ منظر دیکھنے والوں کے لئے بہت بھیانک ہو گیا اور انتہا پسندی سے احتراز وقت کی ضرورت بن گیا۔ یہاں تک کے ہماری آج کی مجلس میں یہ ایک باقاعدہ موضوع بحث کے طور پر سامنے ہے کہ مختلف قسم کی انتہا پسندی میں سے مذہبی انتہا پسندی کا خصوصاً کس طرح خاتمہ کیا جا سکتا ہے۔ ہم سب چونکہ بفضلہ تعالیٰ مسلمان ہیں، ایک قرآن کے ماننے والے، ایک قبلہ پر متفق، ایک امت کے ارکان، ایک رسول ﷺ کے تابع فرمان اور ایک قوم کے افراد ہیں، اس لئے یہ دیکھنا مناسب ہے کہ مسئلہ زیر بحث میں ہمیں اسوہ نبویؐ سے کیا رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔

اس سلسلہ میں اصل گفتگو سے پہلے ایک تو یہ جان لینا ضروری ہے کہ انتہا پسندی سے کیا مراد ہے نیز مذہبی انتہا پسندی میں کیا کیا داخل ہے اور دوسرے یہ کہ اسوہ نبویؐ سے رہنمائی کے لئے ایک نظر بعثت مبارکہ سے پہلے اور بعد پائی جانے والی انتہا پسندی کی کیفیت و کمیت پر بھی ڈالنا ضروری ہوگی تاکہ یہ پتہ چل سکے کہ احکام و تعلیماتِ نبویؐ کے نتیجہ میں انتہا پسندی کا خاتمہ کس طرح ہوا۔

(۲)

انتہا پسندی کے الفاظ بجائے خود شدت وحدت کو ظاہر کرتے ہیں۔ انتہا کے لفظی معنی ہیں کسی چیز کی آخری حد یا کنارہ۔ کسی دائرہ کا آخری گھیرا، کسی صفحہ کی آخری لکیر کی وسعت کا احاطہ کلی، خاتمہ، روک یا آخری سرا جو اسے کسی دوسری حد اور انتہا سے ممتاز و ممیز کر دے۔[۱] حد و انتہا مادی شکل کی بھی ہو سکتی ہے اور معنوی بھی نیز ہر حد و انتہا کے واقعتاً دو رخ ہو سکتے ہیں۔ ایک کم سے کم یا نیچے کی حد یا آخری کیر سے گر جانا اور ایک حد و نہایت یا غایت و انتہا اوپر کی طرف حد سے اوپر گذر جانا، دائرہ سے باہر نکل جانا، گویا انتہا پسندی کا اصولاً زیادہ سے زیادہ یا کم سے کم دونوں صورتوں پر اس کا اطلاق ہوتا ہے یعنی افراط و تفریط دونوں شکلوں میں پائی جاتی ہے۔ ان دونوں انتہاؤں (کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ حد) کے درمیان وسط (بیچ)، عدل و قسط اور اعتدال کی منزل ہے۔[۲] روزمرہ گفتگو میں جب انتہا پسندی کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے تو اس سے عرفاً اور عموماً حد اعلیٰ، بالا کی طرف ہی

بڑھ جانے یا گذر جانے کا اشارہ ہوتا ہے یعنی سیاسی، معاشی، معاشرتی یا مذہبی کسی بھی معاملہ میں حد سے آگے بڑھ جانا۔ حد سے آگے بڑھنے کا رجحان و میلان جسے ہم "انتہا پسندی" کہتے ہیں دراصل عدل و اعتدال کو خاطر میں نہ لانے اور وسط و قسط ترک کر دینے سے ہی پیدا ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں ظاہر ہے (انتہا پسندی) کا لفظ تو استعمال نہیں ہوا البتہ انتہا پسندی کی نمائندگی اور اس کی کیفیت و کمیت کا اظہار دوسرے کئی الفاظ و اصطلاحات سے بخوبی ہو جاتا ہے چنانچہ اعتدال سے آگے گذرنا اور انتہا پسندی، حدود شکنی ہے۔ "ظلم" و زیادتی ہے اور اس کو غلو کہا گیا ہے یعنی مبالغہ کرنا، حد سے آگے بڑھنا، جبکہ یہی طغیان، اعتدیٰ افراط اور عدوان ہے۔[۳] علاوہ ازیں قرآن میں یہ نمائندہ الفاظ و اصطلاحات جہاں جہاں پائے جاتے ہیں ان کے سیاق وسباق سے پتہ چلتا ہے کہ انتہا پسندی سے ظلم و زیادتی، جبر و جور، تشدد و تغلب، قتل و غارت گری، فتنہ و فساد پورے معاشرہ میں پھیل جاتا ہے۔

(۳)

انتہا پسندی کا میلان و رجحان یا رویہ خواہ دینی دینوی کسی معاملہ میں ہو یا انسانی زندگی کے کسی بھی شعبہ میں پایا جائے بہر حال عقل و نقل کسی اعتبار سے پسندیدہ نہیں بلکہ قابل مذمت اور خطرناک ہے اور مختلف درجات میں مہلک نتائج کو جنم دیتا ہے۔ انتہا پسندانہ رویہ بنیادی طور پر بے اعتدالی اور بے راہ روی کا نتیجہ ہوتا ہے تاہم اور دوسرے بہت سے اسباب بھی اس میں حصہ لیتے ہیں مثلاً بعض لوگ طبعاً انتہا پسندانہ طبیعت لیکر پیدا ہوتے ہیں اور انتہا پسندی ان کی سرشت میں داخل ہوتی ہے جیسا کہ سورہ علق (آیت ۶) میں فرمایا گیا: كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰٓی[۴] (یا سچ مچ بیشک انسان حد سے نکل جاتا ہے (ترجمہ تھانویؒ) انتہا پسندی کی ایک وجہ لاعلمی، ناواقفیت اور جہالت ہے۔ حدود و قیود سے ناواقفیت بجائے خود حدوں کی پامالی اور ان سے تجاوز کا باعث بنتی ہے اور جہالت میں اکھڑپن، ناشائستگی، عدم برداشت، تشدد اور تغلب سب چیزیں داخل ہیں جو بالآخر انتہا پسندی پر منتج ہوتی ہیں۔ علم، طاقت، عزت، دولت، ثروت، علم، عقل وغیرہ اگرچہ عطیہ خداوندی ہیں لیکن اکثر اوقات آدمی اس زعم باطل میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ یہ اس کے کسب و محنت کا نتیجہ اور ملکیت ذاتی ہے پھر فخر و غرور گھمنڈ میں آکر انا و لا غیری کا خبط اس پر سوار ہو جاتا ہے اور وہ انتہا پسندی کی انتہا پر پہنچ کر اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى[۵] (میں ہوں رب تمہارا سب سے اوپر۔ ترجمہ محمود الحسنؒ) کا دعویٰ کر بیٹھتا ہے۔ یہی فرعونیت ہے۔ قرآن میں مختلف حوالوں سے فرعون کا تقریباً ۷۴ مرتبہ ذکر آیا ہے لیکن اس کے فرد جرم میں مرکزی شق ہے: اِنَّهٗ طَغٰى[۶] کہ وہ حد سے بہت بڑھ گیا تھا۔ انتہا کی انتہا کو پہنچ گیا تھا جس کی مزید تشریح یہ کی گئی کہ: اِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِی الْاَرْضِ ج وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِیْنَ[۷] اور فرعون ملک میں متکبر و متغلب اور (کبر و کفر میں) حد سے بڑھا ہوا تھا (ترجمہ ف م جالندھری) اور فرمایا گیا: اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ[۸] (بیشک فرعون نے ملک میں بہت سر اٹھا رکھا تھا) اس انتہا پسندی کے نتیجہ میں اسے نشان عبرت بنا دیا گیا[۹] انتہا پسندی کے فروغ و افزائش میں بعض اوقات ذاتی غرض و منفعت حب جاہ و مال و منصب[۱۰] بھی کارفرما حیثیت اختیار کر لیتی ہے چنانچہ وسائل و ذرائع میں جائز و ناجائز، حق و باطل، صحیح غلط کا امتیاز بے معنی ہو جاتا ہے پھر ضد ہٹ دھرمی، انتقام، خصومت، انانیت، انتہا پسندی کی راہوں کو پر پیچ بنا کر انسانیت کو تباہی و ہلاکت سے دوچار کر دیتی ہیں اور اس پہلو سے انتہا پسندی اور دہشت گردی میں فرق بہت کم رہ جاتا ہے کیونکہ دونوں کا بظاہر نتیجہ ایک ہی ہوتا ہے لہٰذا انسانیت، شرافت اور

معاشرت باہمی کی خیر اسی میں ہے کہ ان اسباب و محرکات کا بھی قلع قمع کیا جائے جو انتہا پسندی کی راہ ہموار کرتے ہیں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ دنیا کو شرف انسانیت کا اعزاز، شرفت تہذیب کی خیرات اور تحسین معاشرت کی سوغات صرف اسی وقت نصیب ہوئی جبکہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے۔

(۴)

آج سے ڈیڑھ ہزار برس پہلے، عرب کے جاہلی معاشرہ میں جس وقت رسول رحمت، حضور ختمی مرتبت علیہ الصلوٰۃ و التحیۃ کی بعثت مبارکہ ہوئی تو احوال و کیفیات کا تجزیہ بتاتا ہے کہ اس معاشرہ کی نمایاں ترین خصوصیت انتہا پسندی تھی۔ جس طرح انسانی زندگی کے ہزار رنگ ہیں انتہا پسندی کے انواع و اقسام بھی بے شمار ہیں تاہم سب دائروں کا مرکزہ مذہبی انتہا پسندی میں مرتکز تھا۔ مذہبی انتہا پسندی کا سب سے بڑا مظہر شرک و بت پرستی تھا اور شرک و بت پرستی کا محور و مرکز اس گھر کو بنا دیا گیا تھا جو اصلاً اللہ کا گھر، خدا پرستی کا مرکز اور نشر گاہ توحید تھا۔

توحید اللہ کی وحدانیت و یکتائی ہے بے مثل، بے عیب وحدہ لا شریک لہ، یک و تنہا ذات مالک الملک ذوالجلال و الاکرام، تصور، حقانیت اور حقیقت میں عدل و قسط کی نمائندہ جبکہ شرک ایک سے زیادہ بلکہ سینکڑوں کی تعداد میں خداؤں کا یقین خلاف حقیقت بھی، ذہنی، تصوراتی انتہا پسندی بھی، جہالت و ظلم کی نمائندہ (اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ)[۱۱] عرب جاہلیت میں انتہا پسندی اگرچہ ذہنی و عملی ہزار شکلوں میں موجود تھی لیکن اس کا سب سے بڑا مظہر مذہبی انتہا پسندی کی صورت میں نمایاں تھا چنانچہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا اپنے مخاطبین یعنی مشرکین مکہ سے ایک یہی تو مطالبہ تھا کہ وہ صرف ایک کلمہ (توحید) کا اقرار کر لیں تو عرب و عجم کی بادشاہی ان کے قدموں میں ہوگی۔[۱۲] یہ ایک کلمہ ہی ان کی انتہا پسندانہ مشرکانہ زندگی پہ خط تنسیخ پھیر رہا تھا۔ وہ بلبلا اٹھے، وہ کلمہ، اس کی دعوت، اس کے اثرات اس کے تقاضے ان کے مذہبی شب و روز، ان کی معاشرتی زندگی، ان کے معاشی فوائد، ان کی بداخلاقیاں سب کے لئے سخت نقصان دہ ثابت ہو رہے تھے۔ شرک، بقول قرآن ظلم ہے اس لئے مشرکوں ظالموں نے انفرادی طور پر موحد اہل ایمان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جس سے خود ذات رسالت مآب بھی مستثنیٰ نہ تھی پھر اجتماعی طور پر انتہا پسندی کا مظاہرہ چھ سال بعد ہی مشرکین مکہ یعنی قریش نے اس طرح کیا کہ نہ صرف سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ بنو مطلب سمیت پورے خاندان بنو ہاشم کا معاشی اور معاشرتی مقاطعہ کر دیا۔[۱۳] اس ظالمانہ سلوک اور اجتماعی انتہا پسندی کا سلسلہ تین سال تک برابر جاری رہا۔ ایسے ظالمانہ سلوک اور انتہا پسندی کی اس سے پہلے پورے عرب کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی لیکن جب کفار و مشرکین مکہ کی معاندانہ کوششوں اور ظالمانہ کارروائیوں کے باوجود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغی مساعی نے مدینہ میں بھی کامیابی حاصل کر لی تو ان کی انتہا پسندی عروج پر پہنچ گئی اور انہوں نے دار الندوہ کے ایک خصوصی اجلاس میں آقائے رسالت پناہ علیہ التحیۃ والصلوٰۃ کے قتل کا منصوبہ بنا ڈالا۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر آپ تقدیر و تدبیر الٰہی کے تحت شمشیر بردار مشرکوں کے محاصرہ سے ہجرت کی رات بخیر و عافیت نہ نکل جائے تو انہی لمحات میں وہشت گردی کا ایک بڑا واقعہ ظہور پذیر ہو جاتا۔

ہجرت نبوی کے بعد ریاست مدینہ قائم ہو جانے اور قوت و شوکت حاصل ہو جانے کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم نے قریش مکہ کی انتہا پسندی کا جواب انتہا پسندی سے نہیں دیا بلکہ ایک محتاط، معتدل، ترقی یافتہ معاشرہ کی داغ بیل ڈالی اور اس کا عملی نمونہ سب سے پہلے خود اس مدنی معاشرہ کی ازسرنو تبدیلی سے فرمایا جہاں آپ نے قدم رنجہ فرمایا اور جہاں انتہا پسندانہ مزاجی حالات نے اس خطہ کے باشندوں کے لئے اسے جہنم زار بنا دیا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد اور آپ کی مساعی جمیلہ سے مدینہ طیبہ جنت نشان قرارِ جاں بن گیا۔ اس خوشگوار تبدیلی کا نقشہ قرآن نے ان الفاظ میں کھینچا ہے: وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ج وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ط (آل عمران ۱۰۳) اور یاد کرو احسان اللہ کا، اپنے اوپر جبکہ تھے تم آپس میں دشمن پھر الفت دی تمہارے دلوں میں اب ہو گئے اس کے فضل سے بھائی اور تم تھے کنارے پر ایک آگ کے گڑھے کے پھر تم کو اس سے نجات دی (ترجمہ شیخ الہند)

حضور نبی کریم رؤف الرحیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے یثرب کی اُس سرزمین کو جہاں بد امنی، قتل و غارت گری، لاقانونیت، کا دور دورہ تھا، جہاں کسی کی جان مال عزت آبرو محفوظ نہ تھی جہاں اوس وخزرج اور یہودی قبائل ایک دوسرے کے خون کے پیاسے بنے ہوئے تھے، جہاں مزاج کی حکمرانی تھی اور انتہا پسندی ہر طرف بال کھولے کھڑی تھی) امن و امان کا گہوارہ بنایا، عدل واحسان کی حکمرانی سے متمتع کیا، ایک قانون اور دستور کا پابند کیا، ہر قسم کی انتہا پسندی کو ممنوع ٹھہرایا، خوں آشام قبائل کو شیر وشکر کیا۔ مزاج کو راج سے بدلا، ایک مرکز عطا کیا۔ اخلاق، مروت اخوت اعتدال کی فضا قائم کی، پوری بستی کے حدود کو حرم قرار دیا اور ایک شہر بے مایہ کو تاجدارِ مدینہ نے مدینہ بنا کر مفتخر کر دیا۔ اب جو امت تشکیل پائی وہ ''امت وسط'' قرار دی گئی: وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا [۱۴] (اور اس طرح ہم نے تم کو امت وسط/ امت معتدل بنایا ہے) امت معتدل، موضح القرآن کے مطابق، وہ امت ہے ''جس میں نہ افراط ہے نہ تفریط'' عیسائیوں نے افراط اختیار کی کہ حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا بنا دیا اور یہودیوں نے تفریط کہ ان کی پیغمبری کو بھی نہ مانا، امت معتدل نے نہ ان کو حد سے زیادہ بڑھایا نہ گھٹایا بلکہ ان کے درجہ پر رکھا''۔ (حاشیہ ف م جالندھری ص ۳۵) حاشیہ عثمانی کے مطابق ''وسط یعنی معتدل کا یہ مطلب ہے کہ یہ امت ٹھیک سیدھی راہ پر ہے جس میں کچھ بھی کجی کا شائبہ نہیں اور افراط وتفریط سے بالکل بری ہے۔ (۲۷) علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں۔ الوسط (بفتح السین) اس چیز کو بھی کہتے ہیں جو دو مذموم اطراف کے درمیان واقع ہو یعنی معتدل جو افراط وتفریط کے بالکل درمیان ہوتا ہے نیز فرماتے ہیں کہ معنی اعتدال کی مناسبت سے یہ لفظ عدل نصفۃ سواء کی طرح ہر عمدہ اور بہترین چیز کے لئے بولا جاتا ہے چنانچہ اس معنی میں امت مسلمہ کے متعلق فرمایا گیا۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا (۲: ۱۴۳) [۱۵]

(۵)

یہ کہنا گویا عین حقیقت ہے کہ امت مسلمہ یا مسلمانوں کا بحیثیت امت وسط دائرہ حیات، اعتدال و توسط کے گرد ہی گھومتا ہے، اور زندگی کے تمام شعبوں میں کارفرمائی میانہ روی کی ہے تاکہ انفرادی واجتماعی زندگی کا ہر گوشہ توازن وہم آہنگی سے ہمکنار ہو۔ اور ہر قسم کی بے اعتدالی، ناروا زیادتی، غلو اور انتہا پسندی سرزد نہ ہونے پائے۔ دین اسلام کی یہ ایسی بنیادی صفت ہے کہ حضور اکرم معدن الجود واکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے آنے والے تمام انبیاء ورسل بھی اس اہم مقصد کے لئے کوشاں رہے کہ

عدل وقسط قائم ہو اور کتب وصحائف کا نزول بھی اس غرض سے ہوا کہ لوگ راستی و میانہ روی کو اپنی زندگیوں میں جاری و ساری کریں [۱۶] اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین و شریعت تو سرتا سر عدل و قسط، اعتدال و اقتصاد کی آئینہ دار ہے۔ عقائد، عبادات، معاملات، اخلاقیات کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جہاں اس کی کارفرمائی نہ ہو یا اسے نظر انداز کر دیا گیا ہو۔ درحقیقت اس دین فطرت میں ظاہر و باطن کا ہر جلوہ اور فکر وعمل کا ہر ذرہ اقتصاد آشنا اور مبنی بر عدل ہے اور جلوہ ہائے نبوت سے ہم آہنگ ہے۔
عن عبداللّٰہ بن سرجس ان النبی صلی اللّٰہ علیہ و آلہ وسلم قال السمت الحسن و التودۃ والاقتصاد جزء من اربع و عشرین جزء اً من النبوۃ (ترمذی، مشکوٰۃ) بروایت عبداللہ بن سرجس جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''حسن سیرت (نیک چال چلن) بُردباری اور میانہ روی نبوت کے اجزاء میں سے چوبیسواں حصہ ہے۔ [۱۷]

قرآن حدیث میں مسئلہ زیر بحث کے دونوں پہلوؤں پر جگہ بہ جگہ احکام و ہدایات سے نوازا گیا ہے یعنی اس پہلو سے بھی کہ عدل و اعتدال اقتصاد و میانہ روی اختیار کی جائے جو اس بات کو متلزم ہے کہ فکر وعمل کی ہر چیز اور نظام و انتظام کا ہر عنصر اپنے اپنے دائرہ میں ٹھیک ٹھیک کام کرے اور مطلوبہ مثبت نتائج پیدا کرے اور دوسری طرف ہر معاملہ میں حدود سے تجاوز نہ کیا جائے اعتدائی عدوان، طغیان وعفیان اور تکلیف مالایطاق سے پرہیز کیا جائے کہ یہیں سے غلو، تجاویز بے جا اور انتہا پسندی کی مختلف جہتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ جو اپنی سنگینی میں دہشت گردی سے مماثل ہو جاتی ہیں۔

اسلام کا مزاج بہرحال اور بحیثیت مجموعی قسط و اعتدال سے ہی عبارت ہے کہ یہ تعمیر باطن بھی کرتا ہے اور ظاہر کو بھی درست رکھتا ہے۔ حکم ہے اِعۡدِلُوۡا هُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰى [۱۸] دل کی کھوٹ اور ناجائز خواہشات ہی بے راہ روی و بے اعتدالی کی پرورش کرتی ہیں۔ فَلَا تَتَّبِعُوا الۡهَوٰٓى اَنۡ تَعۡدِلُوۡا [۱۹] اللہ تو بہرصورت عدل کی ہی تلقین کرتا ہے [۲۰] (اِنَّ اللّٰهَ يَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ [۲۱]) اس لئے اہل ایمان کو اس کی تابعداری لازم ہے (واقسطوا [۲۲]) کیونکہ اللہ ایسے لوگوں کو پسند کرتا ہے اُن سے محبت رکھتا ہے۔ **ان اللّٰہ یحب المقسطین** [۲۳] سورہ لقمان میں فرمایا گیا کہ اقصد فی مشیک چال میں میانہ روی اختیار کرو [۲۴]۔ یہ میانہ روی زندگی کے ہر معاملہ ہر گوشہ میں مطلوب و محمود ہے ارشاد رحمۃ للعالمین ہے، **ما احسن القصد فی الغنیٰ ما احسن القصد فی الفقر وما احسن القصد فی العبادۃ (مسند بزار، کنز العمال)** حضرت حذیفہ سے روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خوش حالی میں میانہ روی کیا ہی خوب ہے ناداری میں اعتدال کی روش کیا ہی اچھی ہے اور عبادات میں میانہ روی کیا ہی بہتر ہے۔ [۲۵] یہ روش یہ رویہ ہر لحاظ سے بہتر ثابت ہوتا ہے۔

یہ ارشاد رسالت مآب کیسا معنی خیز ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دین آسان ہے کوئی شخص دین سے زور آزمائی نہ کرے کیونکہ یہ دین اس پر غالب آ کر رہتا ہے۔ اس لئے سیدھے رہو! میانہ روی اختیار کرو اور ہشاش بشاش رہو۔ [۲۶] ایک اور حدیث قدسی میں ہے کہ ''مومن کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو ذلیل کرے۔ صحابہؓ نے دریافت فرمایا۔ مومن اپنے آپ کو ذلیل کیسے کرتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ناقابل برداشت (طاقت سے زیادہ) آزمائش میں اپنے آپ کو ڈال دیتا ہے (ترمذی مشکوٰۃ) [۲۷]

اس لئے یہ بات طے ہے کہ اعتدال و میانہ روی تک کرنے سے ہی انتہا پسندی کو فروغ ملتا ہے۔ انتہا پسندی، اعتدیٰ عدوان ہر صورت میں منع ہے چنانچہ مختصر الفاظ میں مگر جامع انداز میں یہ حکم دے دیا گیا کہ وَلَا تَعْتَدُوْا (حد سے آگے نہ بڑھنا)[۲۸] سورہ بقرہ میں یہ مضمون کئی جگہ بیان ہوا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا[۲۹] (یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں سو ان سے آگے مت بڑھنا) اور دوسری جگہ فرمایا گیا: اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ[۳۰] (بیشک اللہ حد سے آگے بڑھ جانے والوں کو پسند نہیں کرتا)۔ انتہا پسندی کی مذمت دوسرے الفاظ میں اس طرح کی گئی۔ وَلَا تَطْغَوْا ۚ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ[۳۱] (اور حد سے تجاوز نہ کرنا، اللہ تمہارے سب اعمال کو بخوبی دیکھ رہا ہے) یہی حکم سورہ طٰہٰ میں مکرر دیا گیا[۳۲] حدود سے تجاوز کرنے والوں (لِلطّٰغِيْنَ) سرکشوں کو بُرے ٹھکانے کی وعید سنائی گئی[۳۳] یہی وعید جہنم سورہ بنا (۲۲) میں بھی مذکور ہے۔ مذہبی انتہا پسندی تو اور بھی زیادہ دین و دنیا دونوں جگہ خسارے کا باعث ہوسکتا ہے لہٰذا یہود و نصاریٰ، اہل کتاب کو سرزنش کرتے ہوئے گویا اہل ایمان کو بھی تنبیہ کر دی گئی کہ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ (اپنے دین کے معاملہ میں حد سے آگے نہ بڑھو، غلو سے کام نہ لو)[۳۴] نیز دین میں غلو یا انتہا پسندی میں دوسرے لوگوں کے آلہ کار بننے سے بھی گریز کرنا چاہئے۔[۳۵] یہ بھی احتیاط ضروری ہے کہ کسی ظلم و زیادتی انتہا پسندی کے کاموں میں نہ تو کسی سازش اور منصوبہ بندی کا حصہ بنیں (فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ)[۳۶] اور نہ اس قسم کے کاموں میں مدد و تعاون بہم پہنچائیں (وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ)[۳۷]

[تعلیمات نبویؐ سے تو یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مذہبی انتہا پسندی کی وہ شکل و صورت جو بظاہر بڑی معصوم ہے اور جس میں کسی دوسرے کا نقصان بھی نہیں ہے لیکن بہر حال اعتدال سے تجاوز اور غلو پایا جاتا ہے۔ اس لئے وہ بھی شرعاً ممنوع ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر اس قسم کی کسی بے اعتدالی کی خبر ملتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا فوری نوٹس لیتے اور اصلاحی تدابیر اختیار فرماتے تھے چنانچہ مثلاً ایک صحابی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصی کے بارے میں جب ہمہ تن مصروف عبادت ہونے کی اطلاع تو ان کو فوراً بلا بھیجا۔ بخاری کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا۔ اے عبداللہ کیا مجھے یہ اطلاع نہیں ملی ہے کہ تم دن کو روزہ رکھتے ہو اور رات کو قیام کرتے ہو میں نے عرض کیا جی ہاں میں ایسا ہی کرتا ہوں آپ نے فرمایا یہ طرز عمل اختیار نہ کرو، روزہ رکھو اور افطار بھی کرو، رات کو تہجد بھی پڑھو اور آرام بھی کرو۔ اس لئے کہ تمہارے بدن کا بھی تم پر حق ہے تمہاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے۔ تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے تمہارے مہمان کا بھی تم پر حق ہے''[۳۸] (بخاری۔ مشکوٰۃ) حضرت انس سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بوڑھے کو دیکھا کہ وہ اپنے دو بیٹوں کے درمیان پاؤں گھسیٹتے ہوئے جا رہا ہے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا اسے کیا ہوگیا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا ''اس نے نذر مانی ہے کہ بیت اللہ کا سفر پیدل کریگا۔ آپؐ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ اس شخص کے اپنے آپ کو عذاب دینے سے بے نیاز ہے'' اور اسے حکم دیا کہ وہ سواری پر سوار ہو کر اپنا سفر پورا کرے۔[۳۹] بخاری و مسلم کی ایک اور حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ ایک مسجد (البیت) میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ چھت کے کنڈوں سے بندھی ایک رسی لٹک رہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ماھذا الحبل؟ یہ رسی کیسی ہے؟ آپ کو بتایا گیا کہ یہ (ایک عورت) زینب نے اپنے لئے لٹکا رکھی ہے کہ جب تھکن سے

اونگھ آنے لگتی ہے تو اپنے آپ کو اس سے لٹکا لیتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا حلوه لیصل احد کم نشاطه فاذا فتر فلیر قد ''۔ اس کو فوراً کھول ڈالو، تم میں کوئی اس وقت تک نماز پڑھے جب تک کہ نشاط و فرحت رہے، جب اونگھ آنے لگے تو اسے چاہئے کہ سو جائے۔[۲۹]

اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض اوقات انتہا پسندی کا ارتکاب لاعلمی میں یا نادانستہ طور پر بھی ہو جاتا ہے۔ اور بعض اوقات کچھ نادیدہ محرکات وقتی جذبات واحساسات کے تحت بھی انتہا پسندی سرزد ہو جاتی ہے۔ حاصل گفتگو یہ کہ انتہا پسندی اور غلو چاہے اس کی نوعیت، شکل اور اظہار کتنا ہی مختلف کیوں نہ ہو، دین کے نزدیک بہرحال پسندیدہ اور مستحسن نہیں بلکہ اس کے خاتمہ کے لئے شعوری کوششوں کی ضرورت ہے اور مذہبی انتہا پسندی کا امتناع تو بدرجہ اولیٰ لازم ہے۔ مگر ہاں یہ احتیاط لازم ہے کہ انتہا پسندی کی نوعیت و ماہیت کو پہلے سمجھ لیا جائے۔ اس لئے کہ کسی مقصد کے لئے جدوجہد، تحریک، ترغیب اور تخریب کے خطوط بہت قریب سے گذرتے ہیں اور دفع واستیصال کے لئے پہلے حکمت و تدبر اور تحمل کو کام میں لانا چاہئے اور آخری چارہ کار کے طور پر طاقت کا استعمال کرنا چاہئے کیونکہ اس بات کا بہت اندیشہ ہے کہ نشہ طاقت ہی کہیں خرابی کا باعث نہ بن جائے

صاحب نظراں نشہ قوت ہے خطرناک!

اسناد حواشی:

۱۔ یہ معنیٰ و مفہوم اردو، فارسی، عربی تمام لغات میں کم وبیش یکساں ہے مثلاً اردو لغت (جدید نسیم اللغات مرتبہ مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی و سید قائم رضی، نسیم امروہوی، مطبوعہ غلام علی اینڈ سنز لاہور طبع ہشتم ۱۹۸۴ء) کے مطابق انتہا حد خاتمہ (۹۲) کو کہتے ہیں اور حد کے معنی ہیں سرحد، کنارہ، انتہا، احاطہ (۴۱۵) غائیت کا مطلب غرض، انتہا انجام، غایت درجہ اخیر درجہ ہے (ایضاً ۶۶۲) فرہنگ عامرہ (رتبہ محمد عبداللہ خاں خویشگی مطبوعہ مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد ۱۹۸۹ء) کے مطابق انتہا، اخیر، حد، سرا، انجام ہے (۶۴) اور حد کے معنی حد، کنارہ، انتہا، اوٹ آڑ کے ہیں (ایضاً ۲۱۳) جبکہ المنجد کے مطابق: نهاه ينهوه نهوا و نهاه ينهاه (روکنا، منع کرنا، صفت مذکر (ناه) صفت مؤنث (ناهیہ) جس چیز سے روکا جائے (منهى عنه) نتهی. انتهاء عن الشي (چیز کا نہایت تک پہنچنا) النها غايت الشى (چیز کی غایت و آخری حد یا درجہ) آخری کنارہ (النهايه ج نهايات: غايته الشی و آخره نهايات الدار: حدودها: وهى اقاصیها و اواخرها) دیکھئے: لویس معلوف. المنجد فی اللغه والا علوم طبع دوم تہران۔ ایران (۸۴۳) نیز الحد (مص) ج حدود الحاجز بين الشئين. منتهى الشى. حد الشی (ایضاً ۱۲۰)

۲۔ اعتدال، استقام: توسط بين حالتين (ایضاً ۴۰۱) وسط الشى: مابين طرفيه الاوسط: ج اواسط: المتوسط المعتدل، اوسط الشى مابين طرفيه (ایضاً ۹۰۰) قسط: الشى: جعل بين الواحد و الآخر منها مسافة معلومة على السوية (ایضاً ۶۲۸)

۳۔ ملاحظہ ہو: ظلم حد سے گزرنا ہی ہے: وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَه' (الطلاق ۱) وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (بقرہ ۲۲۹) غلو بھی حد سے گذرنا۔ غلا يغلو غواً و علواً۔ مبالغہ کرنا حد سے بڑھنا (المنجد ۸۸۶) قرآن میں ہدایت ہے۔ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ (النساء ۱۷۱) اور فرمایا گیا قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ (مائدہ ۷۷) طغى طغا طغى طغياً و طغيانا طغواً و طغوا و طغواماً. جا وزا القدر و الحد حد اور اندازہ سے تجاوز طغیان ہے۔ سورہ طٰہٰ میں حضرت موسیٰ کو فرعون کی طرف یہ کہہ کر بھیجا گیا (اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّه' طَغٰى (طٰہٰ: ۲۴)

تم فرعون کے پاس جاؤ کہ وہ حد سے زیادہ بڑھ چکا ہے۔ حدود فراموش، حدود شکن، سرکش، ہو گیا ہے پھر حضرت موسیٰ و ہارون دونوں کو

فرعون کے پاس جانے کا حکم دوبارا انہی الفاظ میں مذکور ہے اِذْهَبَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی (طہ۴۳) یہی تکرار سورۃ النازعات میں بھی (۱۷) ہے حدود شکنی، سرکشی انسان کی سرشت میں داخل ہے (العلق ۶) كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى قوم نمرود فرعون کا جرم سرکشی و حدود شکنی ہی تھا (اَلَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ (الفجر۱۱) جو فتنہ و فساد کا موجب ہوتا ہے۔ فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ (الفجر۱۲) اس لئے حکم ربانی یہ ہے روزمرہ باتوں (مثلاً کھانے پینے) میں بھی حدود سے تجاوز نہ کیا جائے وَلَا تَطْغَوْا (طہ۸۱)

اعتدیٰ اور عدوان دونوں کا مآخذ و مادہ ایک ہے عدو (ع دو) علامہ راغب اصفہانی نے لکھا ہے کہ العدو کے معنی حد سے بڑھنے اور باہمی ہم آہنگی نہ ہونا ہے۔ اگر اس کا تعلق دل کی کیفیت سے ہو تو یہ عداوۃ اور معاداۃ کہلاتی ہے اور اگر رفتار سے ہو تو اسے عدو کہا جاتا ہے اور اگر عدل و انصاف میں خلل اندازی کی صورت میں ہو تو اسے عدوان اور عدو کہا جاتا ہے (اصفہانی، امام راغب۔ مفردات القرآن (اردو ترجمہ) استاذ محمد عبدہ الفلاح الفیر وز پوری۔ المکتبۃ القاسمیہ لاہور طبع اول ۱۹۶۳ء ص ۶۰۳) اعتداء حد سے آگے بڑھنا یا بقول علامہ راغب حق سے تجاوز کرنے کے ہیں (ایضاً) حکم ہے تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا (یہ اللہ کی (مقرر کی ہوئی) حدیں ہیں ان سے تجاوز نہ کرو (بقرہ۲۲۹) حد سے نکلنے والے عادون (مومنون ۷) اور معتدین ہیں جن کو اللہ پسند نہیں کرتا (بقرہ ۱۹۰ نیز مائدہ ۸۷، اعراف ۵۵) ظلم و زیادتی میں حد سے گزرنا عدوان۔ زیادتی کا بدلہ لینے میں بھی عدوان سے پرہیز کا حکم دیا گیا (بقرہ ۱۹۳، نساء ۳۰) بقول امام راغب الافراط کے معنی حد سے بہت زیادہ تجاوز کر جانے کے ہیں اور سورہ کہف (آیت ۲۹) میں یاد الٰہی سے غفلت میں پڑنے والا خواہش نفس کی پیروی کرتا ہے اور اس کا کام حد سے بڑھ جانے والا (وکان امرہ فرطاً) ہے (ایضاً ۶۹۸) یعنی افراط و تفریط میں حد سے بڑھا ہوا۔ (ایضاً)

۴۔ سورہ علق کی اس آیت (۶) اور اس سے متصل آیات (۷ تا ۱۴) میں انتہا پسندی کی جن تفصیلات کو بیان کیا گیا ہے مفسرین کے مطابق ان کا مصداق ابوجہل تھا مثلاً ملاحظہ ہو حاشیہ عثمانی ص ۷۹۷ (مجتمع الملک فہد للطباعۃ المصحف الشریف۔ مدینہ منورہ ۱۴۰۹ھ)

۵۔ النازعات (۲۴)

۶۔ طہ (۲۴،۴۳) نازعات (۱۷)

۷۔ یونس ۸۳

۸۔ قصص (۴)

۹۔ النازعات (۲۶)

۱۰۔ سورہ تغابن میں ہے: وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۱۶) اور جو اپنے جی کی حرص سے بچایا گیا وہی کامیاب ہیں۔ کئی صحابیوںؓ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو بھیڑیئے جو بکریوں کے جھنڈ میں چھوڑ دیئے جائیں وہ ان کو اتنا برباد نہیں کرتے جتنی مال اور جاہ کی حرص انسان کے دین و ایمان کو برباد کر دیتی ہے (سیرۃ النبی ج ۶ ص ۵۹۸ بحوالہ ترمذی و صحیح ابن حبان و طبرانی و ابو یعلیٰ و بزار) آپؐ نے فرمایا "حرص سے بچو کیونکہ اسی نے اگلوں کو اس کی دعوت دی کہ انہوں نے (بے گناہوں کا) خون بہایا اسی نے اگلوں کو دعوت دی کہ انہوں نے رشتہ کے حق کو کاٹا اور اس نے اگلوں کو دعوت دی کہ حرام کو حلال سمجھا" (ایضاً ص ۵۹۷ بحوالہ صحیح ابن حبان و مستدرک حاکم)۔

۱۱۔ لقمان (۱۳)

۱۲۔ بعثت مبارکہ کے بعد تبلیغ کے بالکل ابتدائی مرحلہ میں ہی قریش کے ایک وفد سے بات چیت کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ (فان تقبلو منی ماجئتکم به فهو حظکم فی الدنیا و الآخرة) اگر تم وہ قبول کر لو جسے میں پیش کر رہا ہوں تو اس میں تمہاری دنیا اور آخرت دونوں کی بہتری ہے (ابن هشام السیرۃ البدیہ۔ مصطفیٰ لبابی ص ۱۹۳۶ء ج ص ۳۱۶) پھر اس ابتدائی دور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مخاطبین کو یہ یقین دلایا: کلمة ان انتم تکلمتم بها ملکتم بها العرب و دانت لکم بها العجم (ایک کلمہ ہے اگر تم اسے اختیار کر لو تو اس کے نتیجے میں سارا عرب تمہارے زیرنگیں ہو جائیگا اور تمام عجم تمہارے پیچھے چلے گا)

ابن سعد: الطبقات الکبریٰ دار صادر۔ بیروت ۱۹۶۰ء ج ۱ص ۲۰۲

۱۳۔ اس واقعہ کو عام طور پر مورخین اور صحاب سیر ''شعب ابی طالب میں محصوری'' کا نام دیتے ہیں۔ جو خلاف حقیقت ہے تاہم معاشرتی اور معاشی مقاطعہ کا ثبوت خود اس دستاویز کے مندرجات میں موجود ہے جو قریش کی طرف سے بطور حلف نامہ تحریر کر کے خانہ کعبہ میں آویزاں کیا گیا تھا۔ (لاینا کحوھم ولا یبا یعوھم حتی یسلموا الیھم النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

۱۴۔ البقرہ: ۱۴۳

۱۵۔ راغب اصفہانی ص ۴۷۴

۱۶۔ ملاحظہ سورۃ الحدید (آیت ۲۵)

۱۷۔ عبدالغفار حسن عمر پوری (مرتبہ) انتخاب حدیث اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور اپریل ۱۹۸۱ء ص ۱۶۷

۱۸۔ مائدہ (۸)

۱۹۔ نساء (۱۳۵)

۲۰۔ اعراف (۲۹)

۲۱۔ النحل (۹۰)

۲۲۔ حجرات (۹)، نساء (۱۳۵)

۲۳۔ حجرات (۹)، مائدہ (۴۲)، ممتحنہ (۸)

۲۴۔ لقمان (۱۹)

۲۵۔ عبدالغفار حسن ص ۶۶

۲۶۔ ایضاً ص ۶۶، ۶۷

۲۷۔ ایضاً ص ۶۷ (حضرت ابوھریرۃؓ کی یہ روایت بخاری میں بھی ہے۔ دیکھئے: امام نووی ریاض الصالحین من کلام سید المرسلین۔ دارالاشاد۔ بیروت ص ۵۲)

۲۸۔ مائدہ (۸۷)

۲۹۔ بقرہ (۲۲۹)

۳۰۔ بقرہ (۱۹۰)

۳۱۔ ھود (۱۱۲)

۳۲۔ طہٰ (۸۱)

۳۳۔ ص (۵۵)

۳۴۔ النسآء (۱۷۱)

۳۵۔ المائدہ (۷۷)

۳۶۔ المجادلہ (۹)

۳۷۔ مائدہ (۲)

۳۸۔ غفار حسن ص ۶۸، ۶۹

۳۹۔ ایضاً

۴۰۔ امام نووی (ریاض الصالحین ص ۵۲)

دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اس کا خاتمہ تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

ڈاکٹر ہمایوں عباس

اہل مغرب نے انتہا پسندی کی تعریف اور دائرہ کار کو اپنے مفادات کے پیش نظر بیان کیا ہے بقول اقبالؒ ان کا طرز عمل یہ ہے۔(جہاد، ضرب کلیم)

حق سے اگر غرض ہے تو زیبا ہے کیا یہ بات
اسلام کا محاسبہ، یورپ سے درگزر

زیر نظر مقالہ میں بنیادی طور پر پاکستان میں مذہبی انتہا پسندی کا کیا مفہوم ہوسکتا ہے اور اس کے اسباب، اثرات اور تدارک پر بحث کی کوشش کی گئی ہے۔

مفہوم:

۔کسی فرد یا مذہبی گروہ کا اپنے بارہ میں یہ گمان کہ اسی کی رائے یا مکتب فکرہی حق پر ہے اور باقی تمام لوگ باطل نظریات کے پیروکار ہیں اور ان کی روش صراط مستقیم سے ہٹی ہوئی ہے۔علاوہ ازیں فروعی مسائل میں ضد اور ہٹ دھرمی کا ایسا طرز عمل اپنانا کہ بنیادی اور حقیقی مسائل نظروں سے اوجھل ہو جائیں۔ واضح رہے کہ تقویٰ اور احتیاط اور چیز ہے۔

قرآن کریم کی اصطلاح میں انتہا پسندی کے مختلف مظاہر کیلئے درج ذیل تعبیرات ہوسکتی ہیں۔ یہ تعبیرات انتہا پسندی کے متنوع پہلوؤں/عوامل/عناصر کو ظاہر کرتی ہیں۔

(ا) غلو فی الدین: (سورۃ النساء:۱۷۱، سورۃ المائدہ:۷۷)

دین میں کسی چیز کا جو مقام و مرتبہ ہو اس کو بڑھا کر کچھ سے کچھ کر دینا ''غلو فی الدین'' ہے جو حکم صرف استحباب اور استحسان کا درجہ رکھتا ہے اس کو فرض یا واجب قرار دے دیا جائے اور کسی فقیہ یا مجتہد کو امام معصوم بنا دیا جائے۔ حدیث میں ایاکم والغلو فی الدین کہہ کر اہل اسلام کو اس سے منع کیا گیا ہے۔

ابوالکلام آزاد نے اس لفظ کی جو وضاحت کی ہے، حقیقتاً انتہا پسندی کی بہترین عکاس ہے ''یعنی حقیقت و اعتدال سے متجاوز ہو کر بہت دور تک چلے جانا۔ اگر کسی کی محبت و تعظیم پر آئے تو اتنی تعظیم کہ اسے خدا کے درجہ تک پہنچا دیا۔ مخالفت پر آئے تو اتنی مخالفت کی کہ اس کی صداقت سے ہی انکار کر دیا۔ اگر زہد و عبادت کی راہ اختیار کی تو اتنی دور تک چلے گئے کی رہبانیت تک پہنچ

گئے، اگر دنیا کے پیچھے پڑے تو اتنے چھوٹ ہو گئے کہ نیک و بد کی تمیز ہی اٹھا دی گئی"۔ (ترجمان القرآن جلد اول ص ۴۰۴)

عبداللہ یوسف علی نے اہل اسلام کو تنبیہہ کی ہے:

Let our Muslims also beaware lest they fall into excesses either in doctrine or in formalism (page:233)

(۲) مغضوب (سورۃ الفاتحہ: ۷)

وہ لوگ جنہوں نے اگر انبیاء کے پیغام کو قبول کیا تو اس کے کچھ حصہ کو تو ضائع کر دیا اور بقیہ کی کتر بیونت کر کے اپنی خواہشات کے مطابق بنا لیا۔ پس انتہا پسند وہ طبقہ ہے جس نے دین کو اس کی اصل اور حقیقی شکل میں نہ رہنے دیا۔ ہر دور کے علمائے سوء اس کی بہترین مثال ہیں۔

(۳) ضالین (سورۃ الفاتحہ: ۷)

جن لوگوں نے اعمال میں گمراہی اختیار کی اور وضع کردہ احکامات میں تحریف کی جیسے الصلوۃ، الصیام اور دیگر عبادات کے مفہوم میں خطا اور انحراف سے کام لیا۔ اس دور کے جاہل اور اجڈ صوفیہ اس کی مثال ہیں۔

(۴) جہل (سورۃ النساء: ۱۷)

جذبات سے مغلوب ہو کر کوئی شرارت، ظلم یا گناہ کا کام کرنا۔

(۵) فساد فی الارض (سورۃ البقرۃ: ۱۱)

کسی چیز کا حد اعتدال سے تجاوز کر جانا۔ انتہا پسندی میں بھی بنیادی چیز راہ اعتدال سے ہٹ جانا ہے۔

(۶) رہبانیت (سورۃ الحدید: ۲۷)

رہبانیت کا معنی شدید تعبد ہے۔ انتہا پسندی کی یہ وہ عملی صورت جو دین سے برگشتگی کا سبب بنتی ہے۔ اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "لا رهبانية فى الاسلام" کہہ کر اس کی شدید مذمت کی ہے۔ انتہا پسندی کی یہ شکل اخلاقی تنزل، سستی و کاہلی، بدنیتی، غرور، تکبر اور نامعقول احساس برتری کا سبب بنتی ہے۔

(۷) فتنہ (سورۃ البقرہ: ۱۹۱)

کسی کو جبر و ظلم سے اس کے مذہب سے برگشتہ کرنے کی کوشش کو فتنہ کہتے ہیں اور اس کو شدید جرم کہا گیا ہے۔ اسی طرح ہر قسم کا مکر و فریب، فساد، شرک، رسوائی اس کے مفہوم میں شامل ہے۔ یہ بہت سے اجتماعی مفاسد، اختلاف، پراگندگی اور خونریزی کا سرچشمہ ہے۔

(۸) طاغوت (سورۃ البقرہ:۲۵۶)

کسی چیز کا اپنی مناسب حد سے آگے بڑھ جانا اور سرکشی اختیار کرنا اسے ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔

ان تعبیرات سے ظاہر ہوتا ہے کہ "جھل" کے نتیجہ میں انتہا پسندی رونما ہوتی ہے تو "مغضوب" اور "ضالین" کی صورت میں دو انتہا پسند طبقے معرضِ وجود میں آتے ہیں جس سے معاشرہ، فتنہ، رہبانیت اور طاغوت کا شکار ہو کر "فساد فی الارض" کا مظہر بن جاتا ہے۔

کیا امت مسلمہ انتہا پسند ہوسکتی ہے؟

عصر حاضر میں انتہا پسندی کی اصطلاح کیلئے قرآنی تعبیرات سے یہ واضح ہے کہ امت محمد یہ کسی بھی صورت میں انتہا پسند نہیں ہوسکتی کیونکہ ایک طرف حد اعتدال کی روش سے انحراف کرنے والے تمام تر مظاہر کو قرآن نے ناپسند کیا تو دوسری طرف فرعون اور قارون کی صورت میں انتہا پسندی کے انجام کو عیاں کیا۔ قرآن کریم نے اس امت کو ایک ایسے خطاب سے نوازا جس کا احساس ہوتے ہوئے یہ امت بحیثیت مجموعی انتہا پسندی کا کبھی اور کسی بھی صورت میں شکار نہیں ہوسکتی۔ یہ ایسی امت ہے جو کند رو ہو نہ تند رو، افراط میں ہو نہ تفریط میں بلکہ ایک نمونہ ہو اور اس کے لئے "امت وسط" جیسی جامع ترین اصطلاح استعمال کی گئی۔

كَذٰلِكَ جَعَلْنَا كُمْ اُمَّةً وَّ سَطاً (البقرہ:۱۴۳)

یہ امت معتدل ہے ہر جہت سے۔

(۱) عقیدہ کے لحاظ سے راہ غلو اپناتی ہے نہ تقصیر و شرک کی راہ چلتی ہے۔

(۲) یہ نہ کلی طور پر دنیا میں غرق ہے کہ معنویت اور روحانیت کو بھول جائے اور نہ ہی عالم معنویت و روحانیت میں ایسی ڈوبی ہوئی کہ جہانِ مادہ سے بالکل بے خبر۔

(۳) یہودیوں کی طرح مادہ پرست ہے اور نہ عیسائیوں کی طرح رہبانیت کی دلدادہ۔

(۴) اس طرح نہیں ہے کہ اپنی معلومات پر جمود کا شکار ہو جائے اور دوسروں کے علم کی پذیرائی نہ کرے اور نہ اس احساس کمتری میں مبتلا ہے کہ ہر آواز کے پیچھے لگ جائے۔

(۵) روابط اجتماعی کے اعتبار سے یہ دنیا سے الگ تھلگ نہیں اور نہ اپنی اصالت و استقلال کو چھوڑنے والی۔

(۶) دولت پر سانپ بن کر بیٹھنا اس امت کا وتیرہ نہیں اور ذاتی ملکیت کی نفی اس شریعت کا مزاج نہیں۔

(تفسیر نمونہ جلد اول ص:۳۴۹ معارف القرآن جلد اول ص:۳۷۱)

الغرض "امت وسط کا لفظ اس قدر وسیع معنویت اپنے اندر رکھتا ہے کہ کسی دوسرے لفظ سے اس کے ترجمے کا حق ادا نہیں کیا جا سکتا اس سے مراد ایک ایسا اعلیٰ اور اشرف گروہ ہے جو عدل و انصاف اور توسط کی روش پر قائم ہو، جو دنیا کی قوموں کے

درمیان صدر کی حیثیت رکھتا ہو جس کا تعلق سب کے ساتھ یکساں حق اور راستی کا تعلق ہو اور ناحق ناروا تعلق کسی سے نہ ہو۔

(تفہیم القرآن جلد اول ص: ۱۱۹)

احادیث...... یہ امت انتہا پسند نہیں:

(۱) اپنے اوپر سختی نہ کرو ورنہ یہ سختی تم پر لازم کر دی جائے گی۔ ایک گروہ نے (انتہا پسندی کا رویہ اپنا کر) اپنے اوپر سختی کی تو اس پر سختی کی گئی، اس گروہ کے باقی افراد صوامع اور راہب خانوں میں ہیں۔ (مسند ابو یعلیٰ)

(۲) ابو موسیٰ اشعری کو یہ نصیحت کی ''نرمی کرنا سختی نہیں، خوشخبری سنانا، تنفر نہ کرنا، مل جل کر رہنا، باہمی اختلاف سے بچنا۔ (متفق علیہ)

(۳) دین آسان ہے اور جو انتہا پسندی کا رویہ اپنائے گا تو وہ مغلوب ہو جائے گا۔ پس سیدھی اور میانہ روی کی راہ اپناؤ اور بشارت حاصل کرو۔ (متفق علیہ)

(۴) کچھ لوگوں نے ازواج مطہرات سے دریافت کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر کی تنہائیوں میں کیا کرتے ہیں۔ پھر ازواج مطہرات کا جواب سن کر ان لوگوں نے آپ کے عمل کو قلیل سمجھا۔ ان لوگوں سے کسی نے کہا میں کبھی گوشت نہیں کھاؤں گا، کسی نے کہا میں کبھی شادی نہیں کروں گا، کسی نے کہا میں بستر پر نہیں سوؤں گا، پھر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان لوگوں کی یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے فرمایا کیا بات ہے کچھ لوگ ایسی ایسی باتیں کرتے ہیں حالانکہ میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، رات میں نماز کیلئے کھڑا بھی ہوتا ہوں نیز میں گوشت بھی کھاتا ہوں اور شادیاں بھی کرتا ہوں پس جو شخص میری سنت کو پسند نہیں کرتا وہ مجھ سے نہیں۔

اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کا عطا فرمودہ دین راہ اعتدال پر مبنی ہے اور اس راہ اعتدال سے انحراف انتہا پسندی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پسند نہ تھی۔

یہاں پر یہ واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ انتہا پسندی کے کسی بھی رویہ کو اپنانا اسلام میں پسندیدہ نہیں لیکن ایک مسلمان کا اپنے معتقدات پر یقین کامل اور ان کی حقانیت کا ایمان انتہا پسندی نہیں۔

پاکستان میں مذہبی انتہا پسندی کے اثرات:

ڈاکٹر مصطفیٰ محمد الطحان کے بقول: ''انتہا پسندی فرد اور معاشرے کے خلاف جرم ہے۔ وہ صحیح اسلامی روح کے منافی ہے'' انتہا پسندی کے معاشرہ پر انتہائی منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ خارجی اور معتزلی تحریک سے امت کو پہنچنے والے نقصان سے بھی اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے (ماضی میں یہ دونوں تحریکیں انتہا پسندی کی واضح مثال ہیں)۔ پاکستان میں انتہا پسندی کے اثرات درج ذیل ہیں:

(۱) اسلامی تحریکیں افرادی قوت کے غلط استعمال کی وجہ سے دیگر تحریکوں سے پیچھے رہ گئی ہیں۔ افرادی قوت کے ساتھ ساتھ

کثیر مالی نقصان بھی برداشت کرنا پڑا جس کے نتیجے میں یورپ کی مختلف این جی اوز معرض وجود میں آئیں۔

(ب) جس طرح جنگ اپنے بعد ہولناک مسائل چھوڑ جاتی ہے اسی طرح انتہا پسندی کے عملی مظاہرہ کے بعد مختلف قسم کے جانی نقصانات نے یتیموں اور بیواؤں کا مسئلہ پیدا کر دیا۔

۱۹۹۰ء سے مارچ ۲۰۰۲ء تک ایسے واقعات میں ہلاک/ زخمی ہون والے افراد کا جدول درج ذیل ہے:

سال	کل واقعات	زخمی	ہلاک
۱۹۸۷ء	۲۵	۱۵۳	۱۱
۱۹۸۸ء	۱۰	۱۰	۱
۱۹۸۹ء	۶۷	۶۷	۱۰
۱۹۹۰ء	۲۷۴	۲۷۴	۳۲
۱۹۹۱ء	۱۸۰	۲۶۳	۵۳
۱۹۹۲ء	۱۳۵	۱۱۹	۵۸
۱۹۹۳ء	۹۰	۲۴۷	۳۹
۱۹۹۴ء	۱۶۲	۳۱۶	۷۳
۱۹۹۵ء	۸۸	۱۸۰	۵۹
۱۹۹۶ء	۷۱	۲۱۰	۸۳
۱۹۹۷ء	۹۷	۱۷۵	۲۰۰
۱۹۹۸ء	۳۶	۸۰	۱۳۲
۱۹۹۹ء	۲۱	۴۵	۵۳
۲۰۰۰ء	۲۴	۹۰	۳۷
۲۰۰۱ء	۵۴	۱۸۰	۱۵۴
۲۰۰۲ء	۱۰	۳۹	۲۱
ٹوٹل	۱۳۴۲	۲۴۷۰	۱۰۱۶

(ج) یہ بھی ہوا کہ انتہا پسندی سے اسلام کی تصویر مسخ ہوئی۔ اسلام کو جنگ و جدل، نقص امن اور عدم برداشت کا مذہب قرار دیکر ''اسلام'' اور دہشت گردی کو مترادف قرار دے دیا گیا۔ اس دوران بہت سے لوگوں نے اپنی ذاتی دشمنیوں کو

اسلامی تحریکات سے وابستہ کر دیا۔

(د) ایسا کثیر مناظرانہ لٹریچر شائع ہوا جس نے جذباتیت کو پروان چڑھایا۔

(ر) عوام فکری خلفشار کا شکار ہو گئے جس کی وجہ سے جدید حلقہ ارتداد، ارتیاب اور شک کا شکار ہو گیا مگر اس فکری ارتداد کو روکنے کیلئے ''ابوبکر'' موجود نہیں۔

پاکستان میں مذہبی انتہا پسندی کی دو جہتیں:

پاکستان میں انتہا پسندی دو پہلوؤں سے قابل توجہ ہے دونوں کے اعتبار سے جائزہ ضروری ہے لیکن مقالہ ہذا میں زیادہ زور پہلی پر دیا جائے گا اور دوسری ضمناً شامل ہو گی۔

1- بین المسالک انتہا پسندی (اہل اسلام کے مختلف مسالک کے مابین)

2- بین المذاہب انتہا پسندی (یعنی عیسائیت، مسلمانوں اور دیگر الہامی و غیر الہامی مذاہب کے درمیان)

بین المسالک انتہا پسندی/ مذہبی انتہا پسندی:

پاکستان میں بسنے والے مختلف مکاتب فکر ایک دوسرے کے خلاف باہم دست و گریباں ہیں۔ اس کا لازمی نتیجہ تشتت و افتراق ہے۔

شجر ہے فرقہ آرائی، تعصب ہے ثمر اس کا

آئمہ کے فروعی اور جزوی اختلافات پر فرقوں اور مذہبوں کی بنیاد رکھنے والے علماء نے فرقہ ہائے اسلامی کو باہمی نفرت اور نزاعات کا ذریعہ بنالیا ہے اور نفاق پرور علماء نے فقہ اسلامی کے نام پر تمام دنیا کو فتنہ و فساد سے بھر دیا۔ مختلف فرقوں کے باہمی عناد و پرخاش کا یہ عالم ہے کہ مسجد کے منبروں تک سے ایک فرقہ غالب دوسرے فرقہ مغلوب پر لعنت بھیجتا ہے۔

ان اختلافات نے تین قسم کے انتہا پسندانہ نظریات کو فروغ دیا۔ ان تین چیزوں سے ہی پاکستانی مسلمانوں کا جذباتی استحصال کیا گیا جس سے امت کی وحدت ہی پارہ پارہ نہ ہوئی بلکہ پاکستان بھی کمزور ہو گیا وہ تین نظریات اور ان کے بارہ میں اسلام کی حقیقی تعلیمات کا مختصر جائزہ درج ذیل ہے۔

۱۔ فتاویٰ کفر ۲۔ فتاویٰ شرک ۳۔ جہادی کلچر

فتاویٰ کفر:

چند غلط فہمیوں کی بناء پر مختلف مذہبی گروہوں نے ایک دوسرے پر کفر کے فتاویٰ لگائے جس کے نتیجے میں انتہا پسندوں کے دو گروہ وجود میں آئے حالانکہ کلمہ گو کو کافر کہنا شریعت اسلامی میں ایک ناقابل معافی جرم ہے۔ حدیث میں ہے:

اذا قال الرجل لاخیه کافر فقد باء بها احدهما.

جب کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہے تو بے شک ان دونوں میں سے ایک ضرور اس کلمہ کفر کا حقدار ہو جاتا ہے۔

یہی وہ خطرہ ہے جس کی وجہ سے علمائے کرام اور فقہاء عظام نے تکفیر مسلم کے معاملہ میں پھونک پھونک کر قدم رکھا۔ امام تقی الدین سبکی رحمتہ اللہ علیہ لکھتے ہیں: اے بھائی اللہ تعالیٰ ہم کو اور تم کو توفیق عطا فرمائے مسلمان کو کافر کہنے پر اقدام بڑی دشوار چیز ہے۔ جس شخص کے دل میں ایمان ہو گا وہ بد مذہبوں کے کافر کہنے کو بھی خطرناک جانے گا''۔ یقیناً کافر کہنا بڑا ہولناک اور بڑے خطرے کی چیز ہے۔ اس سلسلہ میں سیرت نبوی سے یہ نکتہ سمجھنا ضروری ہے کہ جب حالت جنگ میں حضرت اسامہ نے ایک مد مقابل کو عین اس وقت قتل کر دیا جب اس نے کلمہ پڑھ لیا تھا ظاہر ہے کہ اس حالت میں کلمہ پڑھنا موت کے خوف کی وجہ سے ہی ہو گا مگر نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب تک کوئی علی الاعلان ضروریات دین کا انکار نہ کرے اس وقت تک اسے مسلمان ہی سمجھنا چاہئے اور اس کے قتل سے اجتناب کرنا چاہئے۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ کسی کلمہ گو کو کافر سمجھ کر قتل کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔

حضرت شیخ احمد سرہندی المعروف بہ مجدد الف ثانی علماء اور صوفیا دونوں کے لئے مسلمہ شخصیت ہیں۔ وہ اہل قبلہ کو کافر کہنے کے بارہ میں ایک بصیرت افروز بات لکھتے ہیں ''چونکہ بدعتی فرقے اہل قبلہ ہیں ان کو کافر کہنے کی جرات نہیں کرنی چاہئے جب تک کہ وہ ضروریات دینیہ کا انکار نہ کریں اور احکام شریعہ میں سے متواترات کا رد نہ کریں اور جو چیز یقینی طور پر دین میں آئی ہے اس کو رد نہ کریں۔ علماء نے فرمایا ہے کہ اگر کسی میں ننانویں وجہ کفر کی ظاہر ہوں اور ایک وجہ اسلام کی پائی جائے تو اس کی وجہ تصحیح کرنی چاہئے اور کفر کا حکم نہ کرنا چاہئے''۔

کفر کے ان فتاویٰ کا ایک سبب قلت علم بھی ہے۔ عوام الناس میں اسی قلت علم کی بناء پر ایک حدیث کے بارہ میں غلط فہمی پیدا کی گئی جس کے نتیجہ میں تصلب مذہبی نے جنم لیا۔ حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ میری امت ۷۳ گروہوں میں تقسیم ہو جائے گی ''کلها فی النار الاواحدة'' (ترمذی) اس روایت کی بناء پر ہر گروہ نے اپنے آپ کو جنتی گروہ میں شمار کیا اور دوسرے گروہ کو جہنمی جس سے مسلمانوں کی وحدت میں ایک خلیج حائل ہو گئی، یہ سمجھا جانے لگا کہ جنتی اور جہنمی ایک کیسے ہو سکتا ہے یقیناً اہل جنت اور اہل جہنم دو مختلف گروہ ہیں لیکن کیا حدیث کا یہی مفہوم ہے جو عام طور پر سمجھایا گیا؟ حقیقت حال پر غور کیا جائے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ ہمارے ذوق فرقہ پرستی نے جو سمجھا وہ صحیح نہیں کیونکہ

(۱) اس مضمون کی روایات کثرت طرق کی بناء پر صحیح ہیں نہ کہ ہر روایت۔ ایسی روایت کی بناء پر کسی کو جہنمی قرار نہیں دیا جا سکتا جب کہ یہ قرینہ بھی موجود ہے کہ حدیث میں ایک فرقہ کے علاوہ باقی فرقوں کو بھی میری امت فرمایا گیا ہے (ستفترق امتی) کافر نہیں کہا گیا۔

(۲) خلود فی النار اور دخول فی النار میں فرق ہے۔ ایک فرقہ تو بغیر کسی سزا کے براہ راست جنت میں جائے گا اور دوسرے لوگ آہستہ آہستہ سزا پوری کرنے کے بعد جنت میں جائیں گے کیونکہ جس کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو گا اس کیلئے خلود فی النار (جہنم میں ہمیشہ رہنا) کی سزا نہیں۔

(۳) یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وعید اور تنبیہ ہو۔ اس خیر امت کو تو ''امت واحدہ'' بن کر رہنا چاہئے تھا نہ کہ خود افتراق و انتشار کا شکار ہوکر اسلام کی کمزوری کا سبب بنا شاید اسی وجہ سے فرقہ ناجیہ کے اوصاف ان روایات میں الجماعة، السواد الاعظم، وما کان علیہ و اصحابہ بتائے گئے ہیں جو مت کے اتحاد کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

فتاویٰ شرک:

جس طرح کسی کلمہ گو مسلمان کو کافر نہیں کہہ سکتے اسی طرح اسے مشرک بھی نہیں کہا جاسکتا۔ قرآن نے یہود نصاریٰ کے شرک بواح کے باوجود مشرک کا لفظ استعمال نہ کیا اگرچہ ان کے طرف فعل شرک کی نسبت کی۔ ہمارے ہاں کلمہ گو مسلمانوں پر شرک کے فتاویٰ کی اس قدر بوچھاڑ ہے کہ تمام مسلمان شرک میں ڈوبے نظر آتے ہیں۔ ان فتاویٰ سے انتہا پسندی کا ایک دوسرا مظہر سامنے آیا جو پہلے سے مختلف ہے۔

خورشید گیلانی مرحوم نے کفر وشرک کے ان فتاویٰ کا ذکر کسی دلسوزی سے کیا ہے:

''دنیا امت محمدی کو مسلمان کے طور پر دیکھتی ہے خواہ وہ مسلمان ایران کا شیعہ ہو، پاکستان کا سنی ہو، ہندوستان کا دیوبندی ہو اور سعودی عرب کا اہلحدیث ہو، دنیا کے نقشے اور اقوام متحدہ کے دفتر میں یہ ممالک مسلمان سمجھے جاتے ہیں، کوئی انہیں شرک، کافر، یہودی اور عیسائی ملک قرار نہیں دیتا۔ حج بیت اللہ مسلمان کرتے ہیں کوئی سکھ، ہندو حج کو نہیں جاتا، قبلہ رخ نماز مسلمان پڑھتے ہیں کوئی یہودی اور بدھ نہیں پڑھتا مگر ہم ہیں کہ ابھی ہمارے اندر کفر و اسلام کا معرکہ برپا ہے اگر ہم ایک دوسرے کے فتوؤں کے مطابق کافر ہیں اور گمراہ، مرتد اور بدعتی، شرک اور گستاخ رسولؐ ہیں تو اس جزیرے کی ضرور نشاندہی کی جائے جہاں مسلمان بستے اور سانس لیتے ہیں''۔ (وحدت ملی ص: ۱۸)

جہادی کلچر:

مسئلہ کشمیر اور افغان جنگ کے نتیجہ میں تیس ہزار پاکستانی نوجوان داعی اجل کو لبیک کہہ چکے ہیں اور ۲ لاکھ نوجوانوں نے جہادی اور فرقہ وارانہ تنظیموں میں سرگرمی سے شرکت کی اور جہادی تنظیموں نے ان مجاہدین کے لئے دو ارب سے زائد رقم بھی خرچ کی۔ اس کے نتیجہ میں کابل ملا اور نہ ہی سری نگر لیکن پاکستان میں جہاد کے نام سے ایک ایسا کلچر وجود میں آیا جس نے مذہبی انتہاء پسندی کو فروغ بھی دیا اور جہاد کے نام پر اسلامی فکر جہاد کو رسوا بھی۔ جہادی تنظیموں کی بنیاد چونکہ مختلف مکاتب فکر کے دینی مدارس تھے اس لئے عوام الناس میں جنونیت کے ساتھ ساتھ اپنے مسلک کے حوالہ سے غلو کا پیدا ہونا لازمی عنصر تھا (پاکستان میں مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والی تقریباً ۱۰۴ جہادی تنظیمیں ہیں) الغرض جہادی اسلام پر مبنی فکر نے انتہاء پسندی کی ایک زبردست لہر کو فروغ دیا۔ ہمارے بہترین دماغ، زندگیاں اور سرمایہ انتہا پسندی کی نذر ہو گئے۔ طالبان/ القاعدہ کو دنیا بھر میں انتہا پسندی کی علامت بنا کر مسلمانوں کے لئے مسائل پیدا کیے گئے۔

انتہا پسندی کے درج بالا تین علمی/عملی افکار کے نتیجہ میں معاشرہ پر جو اثرات مرتب ہوئے اس کی بھی عموماً تین صورتیں ہی سامنے آئی ہیں:

۱۔ بے گناہوں کا قتل

۲۔ ایک جگہ ہوئے ظلم کے بدلے میں دوسری جگہ کے افراد سے بدلہ لینا

۳۔ رائے عامہ کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے غیر متعلق لوگوں پر ظلم کرنا۔

پاکستان میں مذہبی انتہاء پسندی کے اسباب:

پاکستان کے معروضی حالات کے پیش یہاں مذہبی انتہا پسندی کے آغاز اور پھر نشو و نما کے درج ذیل اسباب ہو سکتے ہیں:

(۱) مذہب کا غلط استعمال:

پاکستان میں وڈیروں، سیاستدانوں اور علمائے سوء نے مذہب کو اپنے ذاتی پھر سیاسی مفادات کے لئے استعمال کیا جس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ عوام الناس شعور و علم سے عدم آگہی کی بناء پر انتہا پسند رویوں کا شکار ہو گئے۔ کئی فرقہ وارانہ تنظیموں کے پس پردہ سرمایہ داروں کا ہاتھ ہے۔ یہ لوگ مذہب کی آڑ میں کاروباری/سیاسی رقابتیں نبھاتے ہیں۔

(۲) جہالت:

علم شریعت سے ناواقفیت کی بناء پر بھی پاکستان میں انتہا پسندی کے رجحانات پیدا ہوئے۔ دینی مدارس نے طلباء کو ضخیم لٹریچر تو ازبر کروا دیا لیکن ان کے پس پردہ جو دینی روح اور فکر کارفرما تھی اس کے لئے بصیرت پیدا نہ کی، یونیورسٹیوں میں تیار ہونے والے اساتذہ نے دین کا مطالعہ صرف ثانوی مآخذ سے ہی نہ کیا بلکہ ادھورا مطالعہ ''نیم ملا خطرہ ایماں'' کا سبب بنا۔ اندھی تقلید اور اتباع ھوی اسی جہالت کا نتیجہ اور انتہا پسندی کا سرچشمہ ہیں۔

(۳) بیروزگاری/غربت:

ہمارے معاشرہ میں بے روزگاری اور غربت نے انتہا پسندانہ نظریات کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا۔ تباہ حال طبقوں کی فاقہ مستی انتہا پسندی کا رنگ لایا کرتی ہے۔ ڈاکٹر محبوب الحق نے ''جنوبی ایشیا میں انسانی ترقی'' کے حوالہ سے ۱۹۹۷ء میں ایک رپورٹ مرتب کی اس کے مطابق ''اندازہ ہے کہ اس وقت غریبوں کا تناسب کل آبادی کا ۳۰ فیصد ہے جو ۱۹۹۰ء میں ۲۰ فیصد تھا یعنی بہ الفاظ دیگر گذشتہ پانچ سال (۹۵-۱۹۹۰) میں انتہائی غریب افراد کی تعداد میں ۱۸ ملین افراد کا اضافہ ہو گیا''۔ بھوکا آدمی صرف اپنی بھوک مٹانے کا غرض مند ہوتا ہے اسے دنیا کے کسی انسان یا مذہب سے کوئی ہمدردی نہیں ہوتی اور جب بھوکے کو وڈیرے استعمال کریں تو انتہا پسند طبقہ ہی معرض وجود میں آئے گا۔

(۴) غیر ملکی امداد:

بیروزگاری اور غربت کے ہاتھوں تنگ نوجوانوں (بلکہ حکومت نے بھی) نے غیر ملکی اشاروں پر، مادی ضروریات کی تکمیل کے لئے انتہا پسند رجحانات کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔ عامر رانا کے بقول: ''امریکہ نے بے پناہ وسائل اس افغان جنگ میں جھونکنا شروع کر دیئے۔ برزنسکی نے ۳ جولائی ۱۹۷۹ء کو انکشاف کیا کہ جمی کارٹر نے اس مقصد کیلئے ۵ ملین ڈالر کا ایک خفیہ فنڈ منظور کیا تھا یہ خفیہ امریکی فنڈ عوام اور کانگریس سے بھی خفیہ رکھا گیا تھا۔ جان پلگر کے بقول: اس فنڈ کا مقصد ایک ایسی عالمی دہشت گرد تحریک کا قیام تھا جو وسط اشیا میں روسی حکومت کو ختم کرنے کے لئے اسلامی بنیاد پرستی کو فروغ دے سکے۔ امریکہ اور سعودی عرب نے افغان جنگ کے دوران افغانستان اور پاکستان کو ۵ء۴۰ بلین امریکی ڈالر فراہم کئے اور اسلحے اور منشیات کے کاروبار کے ساتھ ساتھ جہاد اس خطے کا اہم کاروبار بن گیا''۔ (جہاد کشمیر و افغانستان ص: ۱۷۔۱۸)

غیر ملکی دولت، ارتکاز دولت کا سبب بھی بنی جس نے انتہا پسندی کو مادی توانائی فراہم کی۔

(۵) روحانیت کا فقدان:

بیروزگاری، غربت، غیر ملکی امداد اور مادہ پرستی کے نتیجہ میں روحانی اور اخلاقی قدریں ناپید ہوگئیں۔ خون سفید ہو گئے اور ذاتی مفادات کی بالادستی قائم ہوگئی۔ عصر حاضر کی طرف ہی اشارہ فرماتے ہوئے رحمت دو عالم نے فرمایا تھا ''عنقریب ایسا زمانہ آئے گا کہ تمہارے خلاف دنیا کی قومیں ایک دوسرے کو اس طرح دعوت دیں گی جس طرح بھوکے ایک دوسرے کو خوان کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ کسی نے پوچھا کیا یہ اس وجہ سے ہوگا کہ ہم لوگ اس زمانہ میں کم ہوں گے؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ تعداد میں تم اس زمانے میں بہت زیادہ ہو گے لیکن اس زمانے میں تمہاری حیثیت سیلاب کے رخ پر بہنے والے خس و خاشاک اور جھاگ کی ہوگی اور اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہاری ہیبت نکال باہر کرے گا اور خود تمہارے دلوں میں وھن پیدا کر دے گا۔

پوچھا گیا وھن کیا ہے؟ آپ نے فرمایا:

حب الدنیا و کراھیۃ الموت. کہ دنیا کی محبت اور موت سے نفرت۔ (ابوداؤد)

(۶) انتہا پسندی کے خاتمہ کی آڑ میں انتہاء پسندی:

بدقسمتی سے ہمارے ملک میں مذہبی انتہا پسندی کے خاتمہ کی آڑ میں انتہا پسندوں کا ایک نیا گروہ تیار ہوگیا جس نے تعقل و تفکر کے بل بوتے پر اباحیت پسندی اور مادر پدر آزادی کو اپنا لیا۔ قرآن و حدیث میں من مانی تاویلات کیں اور سلف صالحین کی سیرت و کردار کو مشکوک بنانے کی سعی مذموم کیں۔ جب تک انتہا پسندوں کا یہ گروہ موجود ہے دوسرا ختم نہیں ہوسکتا۔

انتہا پسندی کے خاتمہ کے لئے اسلام کی تعلیمات:

امت محمدیہ کو ''امت وسط'' قرار دینے کے بعد انتہا پسندی کے سدباب کیلئے کوئی اور کوشش نہ بھی کی جاتی تو تنہا یہی وصف کافی تھا کیونکہ یہ ''خیرامت'' پر منتج ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود اسلام نے ایسی تعلیمات پیش کیں جن پر عمل کے نتیجہ میں انتہا پسندی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

ایسی تعلیمات کا اجمالی خاکہ درج ذیل ہے:

(۱) مقاصد شریعہ:

شریعت کے جو عمومی مقاصد ہیں وہ از خود اس چیز کے مظہر ہیں کہ دین، نفس، عقل، نسل اور مال کی حفاظت کیلئے اللہ تعالیٰ نے یہ نظام مبعوث فرمایا ہے۔ ان چیزوں کی حفاظت سے معاشرتی انتشار، بے سکونی، قلبی بیماریاں ختم ہوں گی اور معاشرہ مضبوط اور مستحکم بنیادوں پر استوار ہوگا۔

(۲) تعصب و جاہلیت کا خاتمہ:

تعلیمات نبوی کی روشنی میں یہ بات ظاہر و باہر ہے کہ کسی قسم کا تعصب اور جاہلیت کی رمق بھی اسلامی معاشرہ میں قابل قبول نہیں، جاہلیت وعصبیت سفاکی و بے رحمی کو جنم دیتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عصبیت کے ہر در کو بند کیا۔

لیس منا من مات علی العصبیة، لیس منا من دعا الی العصبیه، لیس منا من قاتل علی العصبیه (ابوداؤد)

جس نے عصبیت پر جان دی وہ ہم میں سے نہیں، جس نے عصبیت کی طرف بلایا وہ ہم میں سے نہیں، جس نے عصبیت پر جنگ کی وہ ہم میں سے نہیں۔

یہ عصبیت اور جاہلیت تو آپ کو اتنی ناگوار تھی کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو ماں کی گالی دی تو آپ نے اسے بھی جاہلیت سے تعبیر فرمایا:

انک امرو فیک جاهلیه (بخاری)

اس ناگوار جذبہ کے تحت اپنے مکاتب فکر کے مختلف نام رکھنا اور اشتعال انگیز نعرے لگانا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناپسند فرمایا۔ ایک غزوہ میں گھوڑوں کو پانی پلاتے ہوئے دو افراد مہاجر و انصار میں تکرار ہوگئی۔ جس کے نتیجہ میں دونوں نے اپنے اپنے ساتھیوں کو اے گروہ انصار اور اے گروہ مہاجرین کہہ کر پکارنا شروع کر دیا لوگ جمع ہونا شروع ہو گئے اور قریب تھا کہ جنگ شروع ہو جائے مگر جوں ہی یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی فوراً آپ باہر تشریف لائے اور سختی سے فرمایا:

مابال دعوی الجاهلية (بخاری)

یہ کیا جاہلیت کی پکار ہے۔

(۳) فروعی مسائل میں راہ اعتدال:

ہر فرد کی رائے ایک ہی مسئلہ پر یکساں نہیں ہوسکتی قرآن وحدیث سے استنباط مسائل میں سلف صالحین کی آراء میں تنوع ہے۔ اس کے باوجود (استثنائی حالات چھوڑ کر) سلف صالحین کے دلوں میں ایک دوسرے کا احترام تھا۔ جس اسلام نے مشرکین کے معبودان باطل کیلئے یہ حکم جاری فرمایا:

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ

وہ مسلمان باہم کس طرح برسر پیکار ہوسکتے ہیں (اغیار کی سازشوں سے ایسا ضرور ہوا)۔ تاریخ اسلام میں ایسا بھی ہوا کہ مسلکی تعصب نے سقوط بغداد کا رنگ دکھایا اور آج بھی اس کا نتیجہ بزدلی، دون ہمتی اور پست ہمتی کی صورت میں نکلا ہے جس اسلام نے اہل کتاب کیلئے مشترکہ نکات کی بنیاد پر اتحاد واتفاق کی گنجائش رکھی ہے تو اپنے مسلمان بھائیوں کے لئے اس آیت کی روشنی میں مشترکہ پلیٹ فارم پر اتحاد کیوں نہیں ہوسکتا۔

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ

اس سلسلہ میں ایسے علماء کے اقوال اور بعض واقعات نقل کئے جاتے ہیں جنہوں نے راہ اعتدال کو اپنایا اور انتہا پسندی کے اس زمانہ میں یہ ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔

(۱) حضرت عثمان نے منیٰ میں دوگانہ کی بجائے چار رکعت ادا کیں حالانکہ صحابہ کبار کا معمول قصر ہی تھا۔ صحابہ جب حضرت عثمان کے پیچھے نماز ادا کرتے تو چار ہی پڑھتے جب اس تضاد کا سبب پوچھا تو عبداللہ بن مسعود نے فرمایا امت میں انتشار پیدا کرنا شر ہے دو کیا؟ چار کیا؟ اختلاف اپنی جگہ لیکن اس اختلاف کو وجہ اختلاف بنانا درست نہیں۔ (ابوداؤد) صحابہ کو امت کے اتحاد واتفاق کا کس قدر خیال تھا لیکن آج صحابہ ہمارے عقیدتوں کے مرکز تو ضرور ہیں لیکن عملی اور فکری حوالہ سے ہم ان سے کوسوں دور۔ آج ہم ان کے رستے پر چل کر امت کو انتہا پسندی کے نرغے سے کیوں نکال نہیں رہے؟

(۲) فقہی آراء کی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے اہلحدیث مکتبہ فکر کے نامور عالم حافظ محمد گوندلوی لکھتے ہیں "یہ سارے کام فعلی ہیں سنت سے ثابت ہیں۔ باہمی فقہی اختلافات کے باوجود کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ نماز میں ہاتھ باندھنا فرض ہے اور پھر سنت بھی اس قسم کی ہے کہ اس کے ترک سے نماز ہو جاتی ہے۔ انور شاہ صاحب نے بھی اسے تسلیم کیا ہے۔ اسی طرح اذان، اقامت کے مسائل ہیں ان تمام مسائل میں اختلاف جواز کا نہیں اختیار کا ہے اور دونوں طرح جائز ہے کوئی اس طرح کرے اور کوئی اس طرح۔ (درس بخاری ص:۸۱)

اس سلسلہ میں خطبات بہاولپور میں ڈاکٹر حمید اللہ کا اپنے پرائمری سکول کے ایک استاد کا یہ بیان بھی اعتدال کی روش اپنانے اور ایسے مسائل کی حقیقت سمجھنے میں مدومعاون ہوسکتا ہے: "شیعہ اور سنی بھائی بھائی ہیں دونوں مسلمان ہیں۔ اصل میں ان میں جو فرق ہے وہ ایک مصلحت سے ہے اللہ میاں کو اپنے حبیب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس سے اس قدر محبت تھی

کہ اس نے چاہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر ہر سنت کو قیامت تک محفوظ رکھے۔ رسول اللہ نے کبھی یوں نماز پڑھی اور کبھی دوسری طرح پڑھی۔ اگر سارے لوگ ایک ہی طریقے سے پڑھیں تو دوسرے طریقے سے پڑھی ہوئی رسول اللہ کی نماز غائب ہو جائے گی لہٰذا ان کی ایک سنت پر یہ لوگ عمل کر رہے ہیں اور دوسری سنت پر وہ لوگ لیکن دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی سنت پر عمل کر رہے ہیں۔ (خطبات بہاولپور ص:۳۴)

کاش ہمارے اندر بھی محبت رسول کا ایسا جذبہ آئے جس سے وحدت امت کی راہ نکلے۔

(۳) حضرت ابن عمر، ابن الزبیر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں خارجیوں کے پیچھے نماز پڑھ لیتے تھے۔ جب کہ ابن الزبیر کی خارجیوں سے جنگ ہو رہی تھی۔ آپ سے سوال کیا گیا کہ آپ ابن الزبیر اور خوارج دونوں کے پیچھے نماز پڑھ لیتے ہیں حالانکہ ان کی آپس میں جنگ ہے آپ نے فرمایا جو بھی حی علی الفلاح کہے گا میں اس کے ساتھ آواز ملاؤں گا لیکن جو کسی مسلمان بھائی کو قتل کرنے اور اس کا مال لوٹنے کے لئے پکارے گا میں اس کی بات نہیں مانوں گا۔ (المغنی لابن قدامہ جلد۲، ص:۱۸۶)

(۴) امام احمد بن حنبل نے فرمایا جو شخص جمعہ کی نماز کسی کے پیچھے پڑھنے کے بعد دوبارہ پڑھے گا وہ بدعتی ہے۔ (المغنی لابن قدامہ جلد۲، ص:۸۹)

(۵) کاش ہم حسن بصری کو ماننے والے ان کے اس قول کو مان لیں: ''مومن، منافق کے پیچھے نماز پڑھے تو اس کی نماز کا کوئی نقصان نہیں اور منافق مومن کے پیچھے پڑھے تو اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ (المحلی جلد۴:۲۱۴)

(۶) ابن حزم لکھتے ہیں: ہمارے علم میں کوئی صحابی بھی ایسا نہیں جس نے مختار، عبید اللہ بن زیاد اور حجاج کے پیچھے نماز پڑھنے سے انکار کیا ہو حالانکہ ان سے بڑھ کر کوئی فاسق نہیں۔ (المحلی جلد۴، ص:۲۱۴) (فتاویٰ ابن تیمیہ جلد۲۳، ص:۳۴۷)

(۷) قاضی ابو یوسف اور امام محمد عیدین میں تکبیر، ابن عباس کے مذہب کے مطابق کہتے تھے۔

(۸) القفال شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے قاضی ابو عاصم حنفی رحمتہ اللہ علیہ کو مسجد میں داخل ہوتے دیکھا تو مؤذن سے کہا کہ آج اذان ترجیع کے بغیر، حنفی طریقہ کے مطابق دی جائے۔ اذان کے بعد علامہ القفال شافعی نے ابو عاصم حنفی سے نماز پڑھانے کی درخواست کی تو ابو عاصم حنفی نے رفع یدین کے ساتھ شافعی طریقہ سے نماز پڑھائی۔ (اس مسئلہ کی تفصیل کیلئے فقہی اختلافات کی اصلیت، اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل، حجتہ اللہ البالغہ، اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ اور وحدت امت ملاحظہ فرمائیں)

درج بالا واقعات اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ اسلاف امت میں وحدت کو سب سے زیادہ ضروری خیال کرتے تھے۔ دور حاضر کے مسلمانوں نے شعوری یا لاشعوری طور پر فقہی مسالک و مکاتب فکر کو اصل دین سمجھ لیا۔ یہی انتہا پسندی کی روش ہے۔ درج بالا مثالیں اس سے بچنے کی تلقین کرتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مالکیہ، احناف، شوافع، حنابلہ اور جعفریہ سب کے سب قابل احترام ہونے کے باوجود فقہی مکاتب فکر ہیں۔ اصل دین قرآن اور سنت ہے۔ مولانا انور شاہ کشمیری، فقہ حنفی کے نامور وکیل

سمجھے جاتے ہیں۔ ایک دن تلامذہ نے حالت غم میں دیکھا تو اس کرب واضطراب کی وجہ دریافت کی۔ کہنے لگے: ''ہم نے ساری زندگی اس باتیں لگا دی کہ حنفی مسلک کی ترجیح اور فضیلت دوسرے مسالک کے مقابلہ میں ثابت کر دیں، جبکہ ہماری اصل ذمہ داری تو اسلام کی اساسی تعلیمات کو پیش کرنا تھا'' علماء نے اس ذمہ داری کا احساس نہ کیا تو نتیجہ ساری امت بھگت رہی ہے۔

اعتدال پسندی کی اس بحث کا خلاصہ یوں بیان کیا جا سکتا ہے:

۱۔ جزوی وفروعی مسائل میں اختلاف لازمی ہے۔
۲۔ اس قسم کے اختلافات پر تقلید جامد اور تعصب مذہبی کی بنیاد رکھنا ناجائز ہے۔
۳۔ تقلید کا لازمی نتیجہ فرقہ بندی اور فرقہ بندی کا ثمر تعصب باہمی آویزش ورنجش ہے۔
۴۔ زوال تحقیق کا نتیجہ فتنہ کاوش وتعمق اور جزئیات پرستی ہے اس لئے تفریعات کے اختلاف کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف بنیادی اصولوں پر قصر شریعت تعمیر کرنا چاہئے۔

(۴) انسانی قتل اور ظلم کی ممانعت:

پہلے یہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ انتہا پسندی کا عملی اثر قتل انسانی یا انسانوں پر ظلم کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ اسلام نے ان دونوں سے منع کیا ہے۔ اس سلسلہ کی چند تعلیمات درج ذیل ہیں:

۱۔ بوڑھے ضعیف چھوٹے بچے اور عورتوں کو قتل نہ کرو۔ (ابوداؤد)
۲۔ جس نے کسی معاہد کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھ سکے گا۔ (بخاری)
۳۔ جو ہمارا ذمی ہے اس کا خون ہمارے خون کی طرح ہے۔
۴۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تڑپا تڑپا کر قتل کرنے سے منع کیا ہے۔ (ابوداؤد) [یہاں تک کہ جانور کو تیز دھار آلہ سے ذبح کرنے کا حکم ہے]
۵۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول نے فرمایا اگر آسمان اور زمین مل کر بھی کسی مومن کے قتل میں شریک ہوں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو جہنم کی آگ میں جھونک دے گا۔ (ترمذی)

علامہ کاشانی نے سورہ توبہ کی آیت ۲۹ کے تحت لکھا ہے: ''اللہ تعالیٰ نے قتال کی اباحت قبول جزیہ تک رکھی ہے جب اباحت ختم ہو جاتی ہے تو عصمت لامحالہ ثابت ہو جاتی ہے''۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کے قتل سے اس طرح منع فرمایا کہ اسے کفر سے تعبیر کیا۔

عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا میرے بعد کافر مت ہو جانا کہ دوسرے کی گردن مارنے لگو۔

(بخاری)

انتہاء پسند اپنے فعل کے جواز کیلئے دینی جذبہ وحمیت کا نام لیتے ہیں اس طرز عمل کو صحابہ نے پسند نہ کیا'' حضرت عبداللہ

بن عمر کے پاس ابن زبیر کے واقعے کے دوران دو آدمی آئے اور کہا کہ اے ابن عمر لوگ ضائع ہو گئے اور آپ صحابی رسول ہیں آپ کو کیا مانع ہے کہ اس موقعہ پر نکلیں۔ ابن عمر نے جواب دیا کہ میرے اوپر میرے بھائی کا خون حرام ہے اس لئے نہیں نکلتا انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان قٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَاتَكُوْنَ فِتْنَةٌ. ابن عمر نے جواب دیا ہم نے جنگ کی حتیٰ کہ فتنہ ختم ہو گیا اور دین اللہ کیلئے خالص ہو گیا اور تم جنگ کرتے ہو کہ فتنہ ہو اور دین غیر اللہ کیلئے ہو جائے''۔

انتہا پسند بھی یہی چاہتے ہیں کہ فتنہ ہو اور دین غیر اللہ کیلئے ہو جائے۔

اسلام نے آتش زنی، لوٹ مار، زیر حراست اموات، عصمت دری، سفراء کے قتل، مقتولین کا مثلہ اغوا وغیرہ سے منع کیا ہے۔ جو ظلم/قتل انسانی کی مختلف صورتیں ہیں رہتی دنیا تک اسلام نے ہابیل اور قابیل کو امن پسندی صلح جوئی اور دہشت گردی، انتہا پسندی کی علامت بنا کر پیش کیا ہے۔

(۵) مذہبی آزادی:

اسلام نے ہر شخص کو پوری مذہبی آزادی دی ہے اور اس معاملہ میں کسی جبر کا قائل نہیں۔ گمراہ طبقات کو دیکھ کر آپ پریشان ہوتے چاہتے تھے کہ وہ راہ ہدایت پر آ جائیں تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

فَذَكِّرْ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ۔ (سورۃ الغاشیہ ۲۱-۲۲)

آپ نصیحت کرتے جائیے، آپ نصیحت کرنے والے ہیں ان پر جبر کرنے والے نہیں۔

لَآاِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ کہہ کر قرآن کریم نے مذہبی آزادی کے عالمگیر اصول کو بیان فرمایا۔ حضرت عمر نے ایک نصرانی بڑھیا کو اسلام کی دعوت دی تو اس کے جواب میں اس نے کہا ''انا عجوز كبيرة والموت الى قريب'' یعنی میں ایک قریب الموت بڑھیا ہوں آخری وقت میں اپنا مذہب کیوں چھوڑوں۔ یہ سن کر حضرت عمر نے اسے مجبور نہ کیا بلکہ لَآاِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ کی آیت تلاوت فرمائی (معارف القرآن) تاریخ نے اسی سلسلہ کو دہرایا۔ تمدن اسلام وعرب میں ہے ''مسلمانوں کا دوسرے لوگوں سے سلوک اس قدر محبت بھرا اور نرم تھا کہ ان کے سرداروں نے انہیں اپنی مذہبی تقریبات تک منعقد کرنے کی اجازت دے رکھی تھی۔ کئی ایک تواریخ میں ہے کہ عیسائیوں کا ایک گروہ جو بعض سوالات اور تحقیقات کیلئے پیغمبر اکرم کی خدمت میں پہنچا تھا اس نے اپنی مذہبی عبادت مسجد نبوی میں آزادانہ انجام دی۔ (تفسیر نمونہ)

(۶) عزت نفس کا تحفظ:

اسلام کے نزدیک معاشرہ کے ہر فرد کے جذبات قابل احترام ہیں۔ اسلام نے ہر فرد و بشر کی عزت کے تحفظ کو یقینی بنانے کیلئے تمام ضروری ہدایات اور تعلیمات دی ہیں اور ہر ایسے قول و فعل سے منع کیا ہے جس سے دوسرے شخص کی عزت پر کوئی حرف آئے۔ اس ضمن میں اسلامی تعلیمات کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

۱۔ بدگمانی سے بچنے کی تلقین کی (سورۃ الحجرات) اسے جھوٹی بات قرار دیا (بخاری و مسلم) اور نیک گمان کو کعبہ کی حرمت سے

بڑھ کر قرار دیا (ابن کثیر)۔

۲۔ دوسروں کے عیوب کی ٹوہ لگانے سے منع کر کے (الحجرات) مسلمان کے عیوب کی پردہ داری کرنے کا حکم دیا۔ (بخاری)

۳۔ غیبت جو نفرت، کینہ اور بغض پیدا کر کے معاشرہ میں انتہا پسندی کے جراثیم کی نشوونما کرتی ہے اس سے بھی بڑی سختی سے منع کر دیا۔ (سورۃ الحجرات)

۴۔ ایک دوسرے پر عیب لگانے سے روک دیا گیا ہے (سورۃ الحجرات) اسلوب ایسا اختیار کیا ہے وہ بذات خود پیغام محبت ہے۔ پیر محمد کرم شاہ لکھتے ہیں "جب تم کسی کی پردہ داری کرو گے تو وہ تمہارے عیوب ونقائص ہی طشت از بام کرے گا اور جس کی برائیاں تم کرتے نہیں تھکتے وہ کوئی غیر تو نہیں تمہارا بھائی ہے۔ (ضیاء القرآن)

۵۔ ہر نام اور لقب جو معمولی سے معمولی غیر مطلوب مفہوم رکھتا ہے اور کسی مسلمان کی تحقیر و تذلیل کا سبب بنتا ہے۔ اسلام اسے ممنوع قرار دیتا ہے۔ (سورۃ الحجرات)

اسلام کی اگر درج بالا تعلیمات پر عمل کیا جائے تو انتہا پسندی، اعتدال پسندی کا رنگ اختیار کر سکتی ہے۔

(۷) فساد فی الارض کی ممانعت:

آج کل جو تخریب کاری، اسلامی عبادت گاہوں پر حملے اور ہر روز کا قتل عام انتہا پسند طبقے کا کام ہے حالانکہ قرآن کریم میں فساد فی الارض کی ممانعت فرمائی۔ یہ ان لوگوں کا کام ہے جو اسلامی تعلیمات سے جاہل ہیں۔

قرآن کریم نے ارشاد فرمایا:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَاؕ (البقرہ:۱۱۴)

اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اللہ کی مسجدوں میں خدا کا نام لئے جانے سے روکے اور ان کی ویرانی کی کوشش کرے۔

فساد، قتل سے بھی بڑا جرم ہے، اَلْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ

ایسے انتہاء پسند لوگوں کیلئے قرآن کریم نے بڑی ہی سخت سزا تجویز کی ہے، جہنم میں خلود اور غضب الٰہی۔

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ .

درج بالا تعلیمات کے علاوہ درج ذیل اصول بھی انتہا پسندی کے خاتمہ کیلئے اسلام کی بنیادی تعلیمات میں شامل ہیں:

۱۔ خطبہ حجۃ الوداع: انتہا پسندی کے حوالہ سے عالمی امن، عالمی انسانی برادری کے قیام کی ضرورت کو واضح کرتا ہے نیز معاشی واقتصادی استحصال کے خاتمہ کی تلقین کرنے کے ساتھ ساتھ زیر دست اور افلاس زدہ انسانیت کے تحفظ کا پیغام دیتا ہے۔

2 - صلح حدیبیہ صبر و تحمل اور ضبط نفس کے پیغام کے علاوہ اس بات کی مظہر ہے کہ نیک نیتی پر مبنی مطالبات کا احترام کیا جائے۔

۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف اقوام سے ۳۰ سے زائد معاہدات کیئے ان کا اساسی مقصد بنی نوع انسان کی بہتری، امن کا قیام، ظلم کا خاتمہ اور اسلام کی رہنمائی میں لوگوں کی معاشی، سیاسی اور اجتماعی حقوق کی مساوات ہے۔

۴۔ اسلام نے فرد کو فارغ البالی اور بے روزگار رہنے سے منع کیا اس ضمن میں حضرت عمر کا یہ فرمان اسلام کے اس نکتہ نظر کا صحیح عکاس ہے۔"انی لا کرہ ان اری احد کم فارغا سبھلاً لا فی عمل دنیاہ ولا فی عمل آخرتہ." یعنی میں اس بات کو سخت ناپسند کرتا ہوں کہ میں تمہیں نکما بیٹھے ہوئے دیکھوں نہ تم دنیا کا کوئی کام کر رہے ہو اور نہ تم آخرت کو سنوار رہے ہو۔(ضیاء القرآن)

۵۔ تحائف کے تبادلہ کا حکم نبوی "السلام علیکم" کی کثرت، خدمت خلق، دوسروں کیلئے اخلاص وخیر خواہی کے جذبات جیسے ارشادات بھی واضح کرتے ہیں کہ معاشرہ میں صلح و آشتی، امن و سلامتی، اخوت ومحبت اور پیار بانٹنے کا سلسلہ جاری رہے۔

۶۔ اتحاد امت کی تلقین اور تفرقہ سے اجتناب کا حکم بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہے۔

۷۔ مکی زندگی: دوسروں کو برداشت کرنے، صبر و تحمل اور ضبط نفس کا عملی نمونہ

الغرض ہم Global Village کے اس زمانہ میں حقیقت پسند ہو کر یہ کہہ سکتے ہیں۔

قرآن	......	کتاب امن
سیرت رسول	......	ضابطہ امن
عبادات	......	حصول امن اور فروغ محبت کی عملی تربیت
تو پھر امت وسط	......	خیر امت......انتہا پسند، دہشت گرد، جنونی، جذباتی......وغیرہ کیسے ہو سکتی ہے؟

پاکستان میں انتہا پسندی کے خاتمہ کیلئے تجاویز:

۱۔ انتہا پسندی سے نجات کیلئے ضروری ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقی روح سے عوام الناس کو آشنا کرنے کے لئے کوشش کی جائے اس سلسلہ میں حکومتی اور انفرادی سطح پر اقدامات کیئے جائیں۔

۲۔ لوگوں میں اخلاقیات کے ضمن میں تقویٰ، توکل، قناعت، رزق حلال اور اولی الامر کی اطاعت کا شعور بیدار کیا جائے۔

۳۔ ہر قسم کے تعصبات سے بچنے کے لئے ضروری اقدامات کیئے جائیں۔

۴۔ حکمران اپنے کردار میں انتہائی محتاط رہیں۔

۵۔ ایسی احادیث اور آیات جو اخوت ومحبت، اتحاد امت، انسانی عزت واحترام رواداری سے متعلق ہیں ان کو مختلف کرنسی نوٹوں پر تحریر کیا جائے، ہر چوک میں بورڈز لگائے جائیں، ٹیلیویژن اور ریڈیو سے ایسی آیات و احادیث کو نشر کیا جائے۔ جیسے

۱۔ کسی عربی کو عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں۔

۲۔ اللہ کی رسی کو تم سب مل کر مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔

۳۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔

۴۔ صوفیا کی تعلیمات کا بنیادی نکتہ انسانی احترام، باہمی محبت، خدمت خلق اور رواداری تھا۔ اس لئے ضروری ہے کہ صوفیا کی تعلیمات کے حوالہ سے اخبارات میں فیچر شائع کئے جائیں، نصاب کی کتابوں میں ان کو شامل کیا جائے اور ریڈیو ٹیلی ویژن پر نشر کئے جائیں۔

۶۔ ہمارے اسلاف، صحابہ، اہل بیت، اولیاء، محدثین، پوری امت کا مشترکہ سرمایہ ہیں۔ اس بات کا اہتمام کیا جائے کہ ان کے ایام ولادت و وصال کو سب مکاتب فکر اکٹھا مل کر منائیں ایک ہی سٹیج پر مختلف مکاتب فکر کے رہنما موجود ہوں تو عوام میں اعتدال آئے گا یہ اہتمام سرکاری و غیر سرکاری ادارے کریں۔

۷۔ تاریخ اسلام کو از سر نو مرتب کر کے ضعیف، موضوع اور اسرائیلی روایات سے پاک کیا جائے۔ مسلمانوں کے شاندار ماضی کو اجاگر کیا جائے۔

۸۔ تمام مکاتب فکر کے دینی مدار (حفظ اور ناظرہ کے درجات کو چھوڑ کر اس وقت پاکستان کے دینی مدارس کے طلباء کی تعداد تقریباً دو لاکھ ہے) میں یکساں نصاب رائج کیا جائے اور پانچ مختلف وفاق بنانے کی بجائے ایک بورڈ کے تحت امتحان لئے جائیں۔ اس سلسلہ میں اساتذہ کو خصوصی تربیت دی جائے۔

۹۔ ذرائع ابلاغ کی تطہیر کی جائے۔

۱۰۔ خدمت خلق کی اہمیت اور معاشرتی ارتقاء میں اس کا کردار اور خدمت خلق کیلئے اسلام کی خصوصی تعلیمات کو اجاگر کیا جائے۔

۱۱۔ تنگ نظری قوم پرستی، نسلی دشمنی اور مذہبی تعصب سے نجات حاصل کی جائے۔ اس کیلئے قومی اور بین الاقوامی سطح پر مذہبی عدم رواداری کے خلاف وسیع پیمانے پر مہم چلانے کی ضرورت ہے نیز ہمیں لوگوں کو اس بات کی پوری آزادی دینا ہوگی کہ ہر کوئی اپنے طریقے سے عبادات اور رسوم ادا کرے اور کوئی بھی دوسرے مسلک پر اپنے مسلک کے تصورات کو مسلط نہ کرے۔

۱۲۔ فرقہ وارانہ تنظیموں کو خلاف قانون قرار دیا جائے اور مذہبی عقائد و اعمال پر مشتمل لٹریچر تیار کروایا جائے اور مفت تقسیم کیا جائے یہ لٹریچر دینی بصیرت کا سبب بنے۔ اسی طرح مختلف مکاتب فکر کے رہنما مل بیٹھیں اور ایک دوسرے کے نظریات کے بارہ میں صحت مندانہ مکالمہ کریں اور اسلام کی ایک تعبیر پر اتفاق کریں۔

۱۳۔ شیعہ اور سنی مکتبہ فکر کی متفق روایات حدیث کا مستند مجموعہ مرتب کیا جائے۔

۱۴۔ کلمہ گو مسلمان کو کافر کہنا اور لکھنا قابل سزا جرم قرار دینے کیلئے قانون سازی کی جائے۔

۱۵۔ ملک میں موجود ہر قسم کے متنازعہ لٹریچر کو ضبط کر لیا جائے اور آئندہ سے ایسے لٹریچر پر پابندی لگا دی جائے۔

دورِ حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اس کا خاتمہ تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی روشنی میں

مولانا سعید احمد صدیقی، کراچی

سُبْحَانَهُ مَا اَعْظَمَ شَانَهُ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ منهلٍ و منسجم امّابعد

۱۔۱ رحمۃ للعٰلمین، خاتم النّبیین، ہادیٔ عالم، نبی آخر الزماں علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہر شعبہ زندگی میں ہماری رہنمائی فرمائی ہے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پوری حیات طیبہ اور آپ ﷺ کی تعلیمات میانہ روی پر مبنی ہیں۔ بے اعتدالی، اسراف اور انتہا پسندی سے آپ ﷺ نے سختی سے منع فرمایا ہے۔ صحابی رسول؟ حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''مَا اَحْسَنَ الْقَصْدُ فِي الْغِنَاءِ مَا اَحْسَنَ الْقَصْدُ فِی الفقرِ مَا اَحْسَنَ الْقَصْدُ فِیُ الْعِبَادَۃِ''[۱]

دولتمندی میں درمیانگی کتنی اچھی ہے، محتاجی میں درمیانگی کتنی اچھی ہے، عبادات میں درمیانگی کتنی اچھی ہے۔

۲۔۱ سرور کائناتؐ کے سب سے عظیم معجزے، الہامی نسخۂ کیمیا میں عبادات کے معاملے میں بھی غلو، انتہا اور زیادتی سے روکتے ہوئے دعا یا نماز میں ہماری آواز کتنی ہو یہ میثاق الٰہی جاری فرمایا۔

''وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِکَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِکَ سَبِيْلًا''[۲]

اور اپنی نماز نہ بہت بلند آواز سے پڑھو اور نہ بالکل آہستہ اور ڈھونڈو اس کے بیچ کی راہ۔ یہاں تک کہ قرآن مجید فرقان حمید نے ہماری چال ڈھال کو میانہ روی کے سانچے میں ڈھالنے کا حکم دیا۔

ارشادِ ربانی ہے۔

''وَاقْصِدْ فِیْ مَشْيِکَ''[۳]

اور میانہ چال چل

۳۔۱ ''سخاوت اور فیاضی سے بہتر کوئی چیز نہیں، سارے مذاہب نے اس کی تاکید پر تاکید کی ہے اور جو جس قدر زیادہ لٹا سکے وہ اسی قدر تعریف کے قابل سمجھا گیا۔ اسلام نے اس راہ میں بے اعتدالی سے پرہیز کیا اور اس کو اچھا نہیں سمجھا کہ دوسروں کو دے کر تم خود محتاج بن جاؤ''[۴]

اس ضمن میں میانہ روی کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

''وَلَا تَجْعَلْ يَدَکَ مَغْلُوْلَةً اِلٰی عُنُقِکَ وَلَا تَبْسُطْهَا کُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا''[۵]

اور نہ تو اپنا ہاتھ اپنی گردن میں باندھ لے اور نہ اس کو بالکل کھول دے کہ تو بیٹھ جائے ملامت کا نشانہ بن کر تھکا ہارا

قرآن مجید فرقان حمید میں جابجا اہل ایمان کے اوصاف بیان ہوئے ہیں۔ جن کی بناء پر بندہ مومن اپنے رب کا قرب

حاصل کرتا ہے۔ اس ضمن میں ایک جگہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ بندوں کی اخلاقی خصوصیتوں کا ذکر فرمایا اور یہ ارشاد ہوا۔

"وَالَّذِيْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَ كَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا" [۶]

اور جو خرچ کریں تو فضول خرچی نہ کریں اور نہ بہت تنگی کریں اور ہو اس کے درمیان اعتدال سے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

"اکلفو امن الاعمال ماتطیقون" [۷]

اتنا ہی عمل کا الزام کرو جتنا تم کرسکو۔

۲۔ مذہبی انتہا پسندی کیا ہے؟

۲۔۱ سب سے اہم اور حل طلب جو امر ٹھہرا وہ یہ ہے کہ ہم اس بات کی وضاحت کریں کہ مذہبی انتہا پسندی کیا ہے؟ اور ہم اس فریضے سے اسی وقت سبکدوش ہوں گے جب ہم مذہبی انتہا پسندی کو تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں واضح کرسکیں، کیونکہ اقوام عالم میں ایسے بھی باشعور اور دانشور ملیں گے جو داڑھی اور پگڑی کی سنت حسنہ پر عمل کرنے کو مذہبی انتہا پسندی گردانیں گے اور اگر تھوڑی اور جستجو کریں تو ایسے اسکالر ملیں گے جو جہاد اور اسلامی عبادات پر عمل کرنے کو مذہبی انتہا پسندی شمار کریں گے اور اگر تھوڑا سا اور آگے چلے جائیں تو ایسے باکمال لوگ بھی ملیں گے جو شراب نہ پینے اور ڈانس نہ کرنے کو مذہبی انتہا پسندی کے زمرے میں قید کردیں گے۔

۲۔۲ تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں:

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انتہاء پسندی کو غلو سے تعبیر فرمایا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"قُلْ يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ" [۸]

کہو اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو اور ان کے تخیلات کی پیروی نہ کرو جو تم سے پہلے گمراہ ہوئے اور بہتوں کو گمراہ کیا اور سیدھے راستے سے بھٹک گئے۔

ان آیات میں رب ذوالجلال نے نصاریٰ کو غلو دین سے روکا اور ان لوگوں کو خوش بخت کہا گیا جو دوسروں کے انجام سے نصیحت اور عبرت حاصل کرتے ہیں۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے جسے امام احمد نے اپنی مسند امام نسائی اور ابن ماجہ نے اپنی سنن میں اور حاکم نے اپنی مستدرک میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔

"ایا کم والغلو فی الدین انما ھلک من قبلکم بالغلو فی الدین" [۹]

تم دین میں غلو کرنے سے بچو تم سے پہلے کے لوگ دین میں غلو کے باعث ہلاک ہوئے۔

اسی حوالے سے ہمیں صحیح مسلم میں ابن مسعودؓ سے یہ روایت ملتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"هلک المتنطعون"[۱۰]

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ جملہ تین مرتبہ فرمایا۔ امام نوویؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو بال کی کھال نکالتے ہیں۔ شدت پسندی کا رویہ اپناتے ہیں اور اپنے اقوال اور اعمال میں حد سے بڑھ جاتے ہیں۔

ابو یعلی نے اپنی مسند میں حضرت انس بن مالکؓ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"لا تشدّ دوا علیٰ انفسکم فیشدد علیکم قوماً شددوا علیٰ انفسهم فشدد علیهم فتلک بقایا هم فی الصوامع والدیارات"[۱۱]

اپنے اوپر سختی نہ کرو ورنہ یہ سختی تم پر لازم کر دی جائے گی ایک گروہ نے (انتہا پسندی کا رویہ اپنا کر) اپنے اوپر سختی کی تو ان کے اوپر سختی کی گئی اور اس گروہ سے بچے ہوئے باقی افراد صوامع اور راہب خانوں میں ہیں۔

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دینداری کے سلسلے میں ہر ایسے رویہ پر ٹوکا جس میں غلو کی طرف رجحان پایا جاتا ہو اور آپ ﷺ نے ہر اس عمل پر ٹوکا جو اسلام کی راہ اعتدال سے میل نہ کھاتا ہو آپ ﷺ نے روحانیت اور مادیت میں توازن اور دین و دنیا میں یگانگت پیدا کی اور دین میں آسانی پیدا کی دین میں مشکلات پیدا کرنا انتہاء پسندی ٹھہرا جو لوگوں کو مذہب سے دور کرنے کا باعث ہوا، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

"یُرِیْدُ اللّٰهُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَ لَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ"[۱۲]

اللہ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے سختی نہیں چاہتا۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"یسّروا ولا تعسروا بشروا ولا تنفروا"[۱۳]

آسانی پیدا کرو اور مشکل نہ پیدا کرو خوشخبری سناؤ اور نفرت نہ دلاؤ۔

۳-۲۔ رسول اللہ ﷺ کو جب دو باتوں میں کسی ایک کو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا تو آپ ﷺ نے ہمیشہ اسی بات کو پسند کیا جس میں آسانی ہو۔ بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو یہی وجہ ہے کہ جب آپ ﷺ تنہا نماز پڑھتے تو بہت طویل پڑھتے یہاں تک کہ پاؤں مبارک پر ورم آ جاتا اور جماعت کے لئے یہ حکم فرمایا:

"اِذا صلیٰ احد کم بالناس فلیخفف فان فیهم ضعیف والسقیم والکبیر واذا صلیٰ احد کم لنفسه فلیطول مایشاء"[۱۴]

جب تم میں کوئی امام ہو تو اسے ہلکی نماز پڑھانی چاہئے اس لئے کہ مقتدیوں میں کمزور' بیمار اور بوڑھے بھی ہوتے ہیں اور جب کوئی تنہاء نماز پڑھے تو وہ حسب خواہش اپنی نماز طویل کر سکتا ہے۔

۴-۲۔ مذہبی انتہاء پسندی کی ایک صورت یہ ہے کہ اپنے علاوہ ہر ایک کو کافر سمجھا جائے ایک فرقہ دوسرے فرقہ کے خلاف کفرو

شرک کے فتوے لگائے اور ان کو خارج از اسلام سمجھے۔[۱۵] جب کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''ایما رجل قال لاخیہ یا کافر فقد باء بھا احد ھما''[۱۶]

جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کو کافر کہے تو یہ قول دونوں میں سے کسی ایک پر ضرور پڑے گا۔

حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک۔

''لانکفر اھل القبلۃ بذنب''[۱۷]

ہم کسی گناہ کی وجہ سے اہل قبلہ کی تکفیر نہیں کرتے۔

اہل قبلہ سے کیا مراد ہے؟ اس کا جواب فقہاء نے یہ دیا ہے کہ "واعلم ان اھل القبلۃ الذین اتفقوا علیٰ ماھو من ضروریات الدین کحدوث العالم و حشر الاجساد"[۱۸]

۲۔۵ مذہبی انتہا پسندی کی ایک صورت یہ ٹھہری کہ ہم زبردستی دوسرے کو اپنا ہمنوا بنائیں دینی معاملات میں زبردستی کریں جب کہ قرآن حکیم کہتا ہے کہ ''لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْتَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ''[۱۹] دین کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں بلاشبہ ہدایت گمراہی سے الگ ظاہر ہوچکی ہے۔

قرآن حکیم نے تو باطل پرستوں کو بھی برا بھلا کہنے سے روکا گویا اس کو انتہاء پسندی گردانا ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ"[۲۰] اور تم (اے مسلمانو!) ان کو جن کو یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں برا بھلا مت کہو کیونکہ پھر وہ بھی جہالت کی بناء پر حد سے تجاوز کر کے اللہ کی شان میں گستاخی کرنے لگیں گے۔

۲۔۶ میاں بشیر احمد برصغیر میں دینی اداروں کے قیام کے حوالے سے رقم طراز ہیں ''ان مساعی کا نتیجہ یہ ہوا کہ مذہب سے بیگانگی بہت حد تک کم ہوگئی اور مغرب کی ذہنی غلامی سے نجات ملی لیکن ساتھ ہی ایک ایسی فضا بھی پیدا ہوگئی جس میں اپنی ہر چیز اچھی اور دوسروں کی ہر چیز بری نظر آنے لگی''[۲۱]

آپ ﷺ کی سیرت طیبہ میں ہمیں ہر چیز بین بین اور اعتدال میں نظر آتی ہے کہیں بھی زیادتی یا انتہا پسندی کا ہلکا سا شائبہ بھی نظر نہیں آتا حدیث پاک کے الفاظ ہمیں اس طرح نظر آتے ہیں۔

''وَعَلیٰ اِسرافِ الجاھِلِ اِلا حِلماً''[۲۲]

اور جاہلوں کی جانب سے کی جانے والی زیادتیوں پر آپ ﷺ کا حلم بڑھتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام استق کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی لیکن جب اس نے انکار کیا تو فرمایا:

"لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ" دین کے معاملے میں زبردستی نہیں۔[۲۳]

۳۔ مذہبی انتہا پسندی کا اظہار کس طرح ہوتا ہے۔

۱۔۳۔ مذہبی انتہا پسندی یہ قرار پائی کہ ہر چیز میں غلو کیا جائے صرف اپنے آپ کو حق پر سمجھا جائے اور دوسروں کو ناحق سمجھا جائے ساتھ ہی اس سے جینے کا حق' عزت نفس' امن و سکون اور ہر وہ چیز چھین لی جائے جو اسکے احترام کا سبب بنے ساتھ ہی انکے حقوق غصب کئے جائیں ان سے بغض و عداوت' ظلم و بربریت' دغا بازی' دورخا پن' جھوٹ اور فحش گوئی کا سلوک روا رکھا جائے۔

ہم جب دنیا پر نظر دوڑاتے ہیں تو ہمیں عالمی سطح پر' ملکی سطح پر اور مقامی سطح پر مذہبی اور معاشرتی رویوں کے حوالے سے مذہبی انتہا پسندی سے واسطہ پڑتا ہے اور اس کا اظہار ہمیں ان صورتوں میں نظر آتا ہے۔

۲۔۳ قتل:

مذہبی انتہا پسندی کی بناء پر انسان نے انسان کا خون صرف اس وجہ سے بہایا کہ اس کا تعلق مخالف مذہب سے ہے اسکی مثال ہمیں فلسطین' گجرات' کوسوو' چیچنیا' افغانستان اور خود اپنے ملک میں بھی نظر آتی ہے اگر عالمی اعداد و شمار جمع کریں تو یہ الگ بحث ہوگی۔

۱۰۹۹ء میں فتح یروشلم کے موقع پر یہودیوں نے ستر ہزار سے زائد مسلمان مردوں' عورتوں اور بچوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا[۲۴] ہندوؤں کی مذہبی کتب مقدسہ عدم برداشت اور قتل و غارت گری سے بھری ہوئی ہیں۔ یجر وید میں لکھا ہے! یہہ اگنی۔ غارت گری کی جنگ میں مال غنیمت لائے[۲۵] اے اگنی ہماری مزاحمت کرنے والی جماعتوں کو مغلوب کر ہمارے دشمنوں کو بھگا دے۔ اے اجیت دیوتاؤں کو نہ ماننے والے حریفوں کو قتل کر اور اپنے پجاری کو شوکت و عظمت نصیب کر[۲۶] رگ وید میں لکھا ہے! ہر بدگو کو قتل کر دے اور جو کوئی ہم کو خفیہ طریقوں سے تکلیف پہنچائے اسے برباد کر[۲۷] اے مینو (غضب کا دیوتا) ہم سے لڑنے والوں پر غالب آ' توڑے جا' قتل کیے جا' دشمنوں کو کچلے جا۔[۲۸]

قرآن کریم نے سورۃ بروج میں مذہبی مخالفین کا قتل بڑے دردناک انداز میں بیان کیا اور قاتلوں کے لئے کہا ''مارے گئے اور غارت ہوئے خندق والے یعنی ایندھن والی آگ والے[۲۹] اسی طرح یہود نے اپنے معاصر اہل مذہب پر زیادتیاں کیں' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بقول متی انجیل کے صلیب پر چڑھا دیا گیا[۳۰] قرآن کہتا ہے نہ سولی دی گئی نہ قتل کیا گیا[۳۱] اہل عرب اسلام سے پہلے مخالفین کے ساتھ جو سلوک کرتے بقول شبلی نعمانی جنگ کے مقاصد میں مال غنیمت حاصل کرنا جذبہ تفاخر اور انتقام ہوتا تھا' دشمن کا مثلہ کرنا' اعضا کاٹنا زندہ جلا دینا معمولی درجہ کی باتیں تھیں[۳۲] خود ہمارے ملک پاکستان میں مذہبی انتہا پسندی کی بناء پر مساجد و مجالس پر شب خون مارا گیا۔[۳۳]

۳۔۳ جلاوطنی:

مذہبی انتہا پسندی کے اظہار کا ایک ذریعہ مخالفین کی جلاوطنی ہے کہ صرف اس وجہ سے کہ یہ ہمارے مذہب کا مخالف ہے

ہمارے مذہب پر نہیں اس کو ملک بدر کر دیا جائے یا ایسے حالات پیدا کر دیئے جائیں کہ وہ قتل یا جلاوطنی میں سے کسی ایک کو قبول کرے اسکی ابتداء سب سے پہلے مشرکین مکہ نے کی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: یُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ أَنْ تُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ [۳۳] وہ تم کو اور پیغمبر کو صرف اس وجہ سے جلاوطن کرتے ہیں کہ تم اپنے رب اللہ پر ایمان لائے ہو۔ مؤرخین مغرب کا اندازہ ہے کہ ''فرڈیننڈ'' کے غرناطہ پر آخری حکم جلاوطنی تک جن لوگوں نے اسپین کو چھوڑا ان کی تعداد ۳۰ لاکھ ہے لیکن ایک مؤرخ کا بیان ہے کہ افریقہ کی طرف ہجرت کرنے والے مسلمانوں میں سے ۴/۳ وہ مسلمان تھے جو راستے ہی میں قتل ہوئے اور وہ غریب منزل مقصود تک نہ پہنچ سکے [۳۵] اسی طرح یہودیوں کو انکی سازشوں کی وجہ سے ۷۲۲ قبل مسیح انکے وطن سے نکالا گیا یہ خروج عظیم تھا۔ ۵۸۶ قبل مسیح میں ایک بار پھر انہیں وطن بدر ہونا پڑا۔ تیسری بار ۶۳ عیسوی میں پھر ۷۰ عیسوی میں اور آخری ۱۳۵ میں انہیں انکے وطن سے نکالا گیا۔ اس عمل نے یہودیوں کو دور دراز تک پہنچا دیا لیکن یہودیوں کی اکثریت یروشلم کے قریب ہی عرب ممالک میں موجود رہی۔ ان میں سے تین بڑے اور صاحب اختیار قبائل بنی قینقاع' بنی نضیر' بنی قریضہ مدینہ ہی میں موجود تھے۔ [۳۶] یہودیوں نے ہمیشہ مسلمانوں کے خلاف سازشیں کیں مسلمان عورتوں کی عصمت دری کی اور انتہا پسندی کی وجہ سے جنگ میں کود پڑے جس کے نتیجے میں مدینے سے بھی باہر نکلے۔ [۳۷] غزوہ بنی مصطلق ۵ھ کی فتح کے بعد عبداللہ بن ابی اپنی قوم کو کہتا ہے مدینے پہنچتے ہی معززین (یعنی ہم اہل مدینہ) (نعوذ باللہ) ذلیلوں (مسلمانوں) کو نکال باہر کریں گے۔ [۳۸] قیام پاکستان کے وقت کتنے ہی لوگ جلاوطن ہوئے اور کتنے دل آزار واقعات پیش آئے۔ ماضی قریب میں ۷۰ لاکھ سے زیادہ افغانی روس کی بربریت کی وجہ سے ملک بدر ہوئے اور آج بھی دنیا میں یہ سب کچھ مذہبی انتہا پسندی اور توسیع پسندانہ عزائم کی وجہ سے ہو رہا ہے۔

۴۔۳ سب وشتم:

مذہبی انتہا پسندی کے اظہار کا ایک اہم طریقہ مخالفین کو طعن وتشنیع کا نشانہ بنانا ان پر سب وشتم اور لعن طعن ہو اور اس کو ثواب سمجھا جائے۔ تنقید اصلاح کے حوالے سے نہ ہو بلکہ نفرت کے حوالے سے ہو۔

۵۔۳ دوسروں کا امن وسکون برباد کرنا:

مذہبی انتہا پسندی کے اظہار کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اپنی عبادات اور لوازمات اس طرح ادا کئے جائیں کہ دوسروں کا امن وسکون برباد ہو جائے مثلاً لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے ٹیپ بجانا صبح سے شام تک لاؤڈ اسپیکر کا بے جا استعمال۔ رمضان المبارک میں رات ۲ بجے سے اعلانات اور دوسرے طریقوں کا روا رکھنا جس سے اہل محلہ کا امن وسکون برباد ہو۔

۶۔۳ حقوق سلب کرنا:

صرف اس وجہ سے کسی کی کاٹ کرنا کہ وہ اسکا ہم مسلک نہیں۔ حقوق کی ادائیگی میں جانبداری کا مظاہرہ کرنا۔ اگر وہی کام اپنے ہم مسلک کا ہو تو فوراً اسکے لئے بے چین ہو جانا۔ فلسطین کے مسلمانوں نے جب گن شپ ہیلی کاپٹر' ٹینک اور گولی کے جواب میں پتھر اٹھایا تو امریکی دانشوروں نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ غریب اسرائیلیوں کے خلاف چٹان استعمال کی جارہی ہے۔ [۳۹]

الغرض اخلاق نبویؐ سے کنارہ کشی اور مخالفت صرف اس وجہ سے ہو کہ وہ ہم مذہب نہیں مذہبی انتہا پسندی کے زمرے میں آتا ہے اور یہ نہ صرف فرد کی اپنی ذات بلکہ اپنی قوم اپنے ملک اور اقوام عالم کیلئے زہر ہلاہل ہے جس کی اصلاح نہ صرف ضروری ہے بلکہ دنیا کے تمام امور پر مقدم ہے ورنہ آج جو زمین پر شورش برپا ہے وہ انتہائی ہلاکت پر پہنچے گی۔

۴۔ مذہبی انتہا پسندی کی وجوہات:

۱۔۴۔ اب ہم ان وجوہات کا احاطہ کرنے کی کوشش کریں گے جن کی بناء پر مذہبی انتہا پسندی وجود میں آئی اور فی زمانہ اس میں جنون کی حد تک اضافہ ہو چکا ہے۔

۲۔۴۔ مقتدرہ قوتوں کا کردار ادا کرنے سے قاصر رہنا:

مذہبی انتہا پسندی یا مذہبی جنون کی اہم وجوہات میں سب سے اہم وجہ یہ ہے کہ مقتدرہ قوتوں کو جو کردار ادا کرنا چاہئے وہ اس سے قاصر رہتی ہیں یا اس سے پہلوتہی کرتی ہیں یا منفی کردار ادا کرتی ہیں یا پھر خود مذہبی انتہا پسندی کا حصہ بن جاتی ہیں ہم یہاں موثر قوتوں کا ذکر کرتے ہوئے بقایا سے طوالت کی وجہ سے پہلوتہی کریں گے۔

۳۔۴ اقوام متحدہ:

اقوام عالم کیلئے اقوام متحدہ کی حیثیت ایک سایہ دار درخت اور آرام دہ چھتری کی سی ہے مگر سوئے قسمت اس کا کردار مختلف ممالک کے حوالے سے مختلف نظر آتا ہے۔ فلسطین کے حوالے سے کچھ ہے تو اسرائیل کے حوالے سے کچھ ہے' کشمیر کے حوالے سے کچھ ہے تو مشرقی تیمور کے حوالے سے کچھ ہے، عراق کے حوالے سے کچھ ہے تو کویت کے حوالے سے کچھ ہے۔ افریقہ کے لئے الگ پالیسی، یورپی ممالک کیلئے الگ پالیسی۔ اسی طرح افغانستان کے حوالے سے پالیسی الگ نظر آتی ہے۔ ان باتوں کی وجہ سے ایک عدم اعتماد اور مایوسی کی کیفیت پیدا ہونا لازمی امر ہے۔ یہی مایوسی اور عدم اعتماد انسان کو جنون اور مذہبی انتہا پسندی کی طرف لے جاتا ہے۔ اگر فلسطین اور کشمیر کے حوالے سے اقوام متحدہ کی قرار دادوں پر عمل ہوتا تو یقیناً ہمیں برصغیر اور مشرق وسطیٰ میں ایک جذباتی انتہا پسندی اور مایوسی کی کیفیت ہرگز ہرگز نظر نہیں آتی۔ اگر ہم یہ چاہیں کہ عالمی سطح پر مذہبی انتہا پسندی ختم ہو تو اقوام متحدہ اپنے منشور کے مطابق غیر جانبدارانہ کردار ادا کرے اور اپنی قرار دادوں اور اصولوں کو عملی جامہ پہنائے۔

اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کا ۶ اگست ۱۹۹۰ کا فیصلہ بڑے بھیانک نتائج لایا جس کے نتیجے میں عراق پر تجارتی پابندی عائد کئے جانے کے نتیجے میں پانچ سال کے اندر اندر پانچ لاکھ عراقی باشندے موت کے منہ میں چلے گئے۔ ۵ سال اور اس سے کم عمر کے ساڑھے تین لاکھ بچے لقمہ اجل بن گئے۔[۴۰]

اقوام متحدہ کے سب سے اہم ملک اور اسکے کرتا دھرتا امریکہ کی پالیسی سب کے سامنے ہے۔ امریکہ ہی نے دو ایٹمی حملے کیے جس سے ہیروشیما میں ۷۰ ہزار افراد ہلاک ہوئے اور ناگاساکی میں ۴۰ ہزار افراد ہلاک ہوئے اور اتنے ہی زخمی ہوئے۔[۴۱]

جب تک یہ اپنے کردار کو غیر جانبداری اور رواداری پر نہیں لائیں مذہبی انتہا پسندی اور بڑھے گی۔

۴۔۴ حکومت:

اگر ہم اسلامی حکومت کے حوالے سے گفتگو کریں تو آج دنیا میں کوئی بھی حکومت اس قبیل کی نظر نہیں آتی جس کا اسلامی تشخص مدنی تشخص کہلائے۔ حکومت کا کیا کردار ہو اس حوالے سے قرآن کریم کا فرمان بڑا واضح ہے۔ "اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ ؕ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ" [۴۲] یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں دسترس دیں تو نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں اور نیک کام کرنے کا حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام خدا ہی کے اختیار میں ہے۔

جب حکومت وقت اپنا مذہبی تشخص برقرار نہ رکھ سکے، وہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر تو کجا وہ خود لہو ولعب میں پڑی ہو نماز کی ادائیگی تو بڑی بات ہے اس کی تو صبح ہی دس بجے ہوتی ہو، زکوٰۃ کی ادائیگی تو کیا وہ خود کرپشن کے بادشاہ کہلائیں تو مذہبی خلا کو پر کرنے کیلئے دوسرے لوگ سامنے آئیں گے جن کے ہاتھ میں نہ تو زمام اقتدار ہوگا اور نہ قانون کا تازیانہ یہ اپنے انداز میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیں گے۔ کچھ میں تو حلمِ نبوی کی جھلک ہوگی اور موعظہ حسنہ ہوگا اور حکمت ہوگی اور اسکی تفسیر ہوں گے "اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ" [۴۳] اور بلا تو اپنے رب کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ۔ اور کچھ ایسے ہوں گے جو ننگی تلوار کہلائیں گے۔ ان میں للکار بھی ہوگی اور شیر کی گھن گرج بھی اور جوانی کی حرارت بھی ہوگی یہیں سے مذہبی انتہا پسندی کی ابتداء ہوگی۔ اگر حکومت خیر امت کا مصداق ہوتی اور اس نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر اپنے ذمے لئے ہوتا تو مذہبی انتہا پسندی کا وجود نہ ہوتا۔ سورۃ مریم میں تمام انبیاء صادقین کے ذکر کے بعد خدا فرماتا ہے۔ "فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِھِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوۃَ وَاتَّبَعُوا الشَّھَوٰتِ" [۴۴] انکے بعد انکے جانشین ایسے ہوئے جنہوں نے نماز کو برباد کر دیا اور اپنی خواہشوں کی پیروی کی۔ "اسلامی حکومت نہ صرف اسلامی تہذیب وتمدن کی داغ بیل ڈالے بلکہ سارے عالم کے انسانوں کو خود ساختہ قانون کی غلامی سے نکال کر قانون الٰہی کی اطاعت وفرمانبرداری میں دے دیا جائے۔" [۴۵]

غیر مسلم حکومتیں بھی اپنی تعلیمات اور اپنے قوانین پر عملدرآمد میں قاصر ہیں کیونکہ دنیا کا کوئی بھی مذہب اور قانون قتل، آبروریزی، ذہنی وجسمانی تشدد اور عزت نفس مجروح کرنے کی اجازت نہیں دیتا اور یہ چیزیں پوری دنیا میں عروج پر نظر آتی ہیں۔

۵۔۴ علماء کا موثر کردار ادا نہ ہونا:

اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں علماء امت کو انتہائی اعلیٰ مقام عطا کیا گیا ارشاد باری تعالیٰ ہے "اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا" [۴۶] بے شک اللہ سے اس کے بندوں میں وہی ڈرتے ہیں جو علم والے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں "العلماء ورثۃ الانبیاء" [۴۷] علماء انبیاء کے وارث ہیں اس طرح آپ نے فرمایا "العلماء مصابیح الجنۃ وخلفاء الانبیاء" [۴۸] علماء جنت کے چراغ ہیں اور نبیوں کے خلیفہ ہیں۔ اس اعتبار سے علماء کا کام امت کی رہنمائی ہے اور ان کا کردار ہی مصلح کا ہے مگر بدقسمتی سے ان میں کچھ ایسے ہیں جن کی خود اصلاح کی ضرورت ہے اور کچھ ایسے ہیں جنہوں نے اسلام کے زریں

اور آفاقی اصولوں کو چھوڑ کر اپنے آپ کو فروعی مسائل کی تبلیغ کیلئے وقف کر لیا ہے۔ تمام علماء کو ملکر لائحہ عمل مرتب کرنا ہے اور پوری امت کی رہنمائی کرنی ہے ورنہ مذہبی انتہاء پسندی کی لہر مزید طغیانی لائے گی۔

۶۔۴ غربت و مایوسی:

مذہبی انتہا پسندی کی وجوہات میں سے ایک وجہ غربت و مایوسی بھی ہے۔ فقر ایک ایسی چیز ہے جو انسان کے اندر منفی سوچ کو پروان چڑھاتی ہے۔ پیارے نبی کا فرمان ہے "کادالفقران یکون کفراً"[۴۹] قریب ہے کہ فقیری کفر ہو۔ اسی طرح ایک موقعہ پر ہادی برحق ﷺ فرماتے ہیں "الھم انی اعوذ بک من الکفر و الفقر"[۵۰] یا اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں کفر اور فقر سے۔ اگر ہم اپنے ملک کے حوالے سے گفتگو کریں تو یہاں امیر، امیر تر ہے اور غریب، غریب تر ہے اور یہی چیز انسان میں منفی سوچ کا محور ہوتی ہے۔ اگر بندے کا رجحان مذہبی ہے اور وہ فقر و فاقے سے نبرد آزما ہے تو یقیناً یہ راستہ مذہبی انتہا پسندی پر منتج ہوگا اسکے خاتمے کیلئے دولت کی منصفانہ تقسیم ضروری ہے۔ باری تعالیٰ نے بالکل حق فرمایا: "اَمْوَالُكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰماً"[۵۱] زندگی کا قیام و دوام مال کے ذریعے ہے۔ ضروری ہے نظام زکوٰۃ شفاف طریقے سے رائج ہو، وطن میں بسنے والا ہر انسان زکوٰۃ دے یا جزیہ دے۔ قرآن نے بالکل صراحۃً کہا ہے "فِیْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ"[۵۲] اور مالداروں کے حال میں سوال کرنے والوں اور محروم رہ جانے والے کا حق ہے۔ جب حقدار حق سے محروم رہے گا تو بھی اس کا قدم انتہا پسندی کی طرف اٹھے گا آپؐ نے حضرت معاذؓ کو حکم دیا تھا "خذمِنْ اَغنیاء ھم و تُرَدُّعلیٰ فقرائھم"[۵۳] یعنی جس علاقے کے مالداروں سے زکوٰۃ لی جائے، اس علاقے کے غرباء پر خرچ کی جائے۔ اگر ہم ایک سطح تک غربت کا خاتمہ کر دیں تو ساتھ ہی مایوسی اور انتہاء پسندی کا بھی خاتمہ ہوگا ورنہ مایوسی، منفی سوچ اور تشدد کا عنصر نمایاں ہوگا۔

۷۔۴ عدم اعتماد:

ایک اور چیز جس نے معاشرے کو کھوکھلا کر دیا ہے اور جنونی بنا دیا ہے وہ عدم اعتماد کی فضا ہے۔ آج عالمی سطح پر، قومی سطح پر اور مقامی سطح پر جھوٹ، پروپیگنڈا اور دھوکہ دہی عام ہے۔ ایک بے یقینی اور عدم اعتماد کی فضا قائم ہے۔ اعلیٰ حکومتی عہدیدار سے لیکر عام انسان تک اسوۂ حسنہ سے خالی نظر آتا ہے۔ ہمارے ملک کے انتہائی قابل احترام ادارے بھی کرپشن، جانبداری اور انصاف سے خالی نظر آتے ہیں۔ آج بدقسمتی سے دولت کے بل بوتے پر، قرابت داری، لسانیت اور با اثر مافیا کی وجہ سے ایک دوسرے سے تعاون ہو رہا ہے حالانکہ قرآن ہمیں نبوت کے زبان سے یہ حکم ربوبی سناتا ہے۔ "وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ"[۵۴] اور نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کرو اور گناہ اور دشمنی کے کاموں میں تعاون نہ کرو۔

۵۔ مذہبی انتہا پسندی کا خاتمہ تعلیماتِ نبویؐ کی روشنی میں:

۵۔۱ اب ہم مذہبی انتہا پسندی کا خاتمہ تعلیماتِ نبویؐ کی روشنی میں پیش کریں گے جن پر عمل پیرا ہو کر نہ صرف ہم اپنے معاشرے میں بلکہ پورے عالم میں ایک صالح اور پاکیزہ معاشرہ قائم کرسکیں گے جہاں رحمت الٰہی موجزن ہوگی اور جہاں لوگ ایک دوسرے پر سب وشتم کرنے کے بجائے ایک دوسرے کے ہمدرد اور دعا گو ہوں گے، حقوق سلب کرنے کے بجائے حقوق دینے والے ہوں گے، ایک دوسرے کے خلاف نفرت اور انتہا پسندی کا رجحان آج جو چہار دانگ عالم میں نظر آرہا ہے اور جس میں مسلم اور غیر مسلم کی کوئی تخصیص نہیں اسکا خاتمہ ہوسکے گا اور جس طرح آج انسان انسان کے خون کا پیاسا نظر آرہا ہے یہ خونی تشنگی دور ہوسکے گی۔

۵۔۲ ہر انسان کو مکرم سمجھا جائے اس کا احترام کیا جائے، کسی بھی صورت میں اسکی بے اکرامی نہ کی جائے۔ ہر انسان کی عزت نفس اور وقار کا احترام کیا جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے "وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ"[۵۵] اور تحقیق ہم نے اولادِ آدم کو عزت بخشی۔

۵۔۳ دوسروں کے نقطۂ نظر کو سمجھنے کی کوشش:

فی زمانہ سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ ہر فرد، ہر ادارہ، ہر پارٹی اپنا نقطۂ نظر دوسروں کو سمجھانے کی کوشش کرتی ہے۔ دوسروں کا نقطۂ نظر ہرگز سمجھنے کی کوشش نہیں کریں گے۔ ہمارے لئے انتہائی ضروری ہے کہ مخالف کا نقطۂ نظر سمجھیں اور یہ بھی دیکھیں کہ وہ ہمارے بارے میں کیا سوچتا ہے۔ اسکے لئے ہمیں تحمل، بردباری، رواداری، برداشت اور اعلیٰ ظرفی کو اپنانا ہوگا۔ دوستی کا ماحول پیدا کرنا ہوگا، قرآنی حکمت عملی کو اپنانا ہوگا "اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ"[۵۶] بلا اپنے رب کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ۔

۵۔۴ ہر صورت میں اسوۂ حسنہ کی پیروی:

اہل ایمان میں انتہا پسندی کی ایک اہم وجہ جس کا فقدان ہے وہ یہ ہے کہ ہم مکمل طور سے اسوۂ حسنہ کی پیروی نہیں کر رہے۔ ہم غلو افراط وتفریط کے بجائے ہر معاملے میں آپؐ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کریں "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" (۵۷) تحقیق ہم کو پیغمبرؐ کی چال چلنی ضرور ہے آپؐ حلیم کامل تھے کیا آپ کی سچی پیروی کرنے والے انتہا پسندی کا شکار ہوسکتے ہیں؟

۵۔۵ برائی کے مقابلے میں بھلائی:

مذہبی انتہا پسندی کے خاتمے کیلئے اہم ترین امر یہ ہے کہ معاشرہ کو اس ڈھب پر لایا جائے کہ برائی کے مقابلے میں بھلائی کرنے کا جذبہ پیدا ہو یہ نہ کہ برائی کے مقابلے میں اس سے بڑی برائی کی جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے "وَلَا تَسْتَوِى الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ط اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ"[۵۸] بھلائی اور برائی

برابر نہیں، تم برائی کا جواب اچھائی سے دو پھر تم دیکھو کہ تم میں اور جس میں دشمنی تھی ایسا ہو جائے گا جیسے دوست قرابت والا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ برائی کا جواب برائی سے دینے سے روکتے ہیں ارشاد فرماتے ہیں "وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ ... أُولَٰئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ" [59] وہ برائی کی نیکی سے دفع کرتے ہیں انکے لئے آخرت کا اچھا انجام ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سورۃ حم السجدہ میں آیت ۳۴ کی شرح ان الفاظ سے فرماتے ہیں "امر الله المومنین بالصبر عندالغضب والحلم عبدالجهل والعفو عند الا سائة فاذ افعلواذلک عصمهم الله عن الشيطن وخضع لهم عدوهم كانه ولی حمیم" [60] "اللہ نے اہل ایمان کو حکم دیا ہے غصے کے وقت صبر کا، جہالت کے وقت برداشت کا اور برائی کے وقت معافی کا معاملہ کریں۔ جب ایسا کریں گے تو اللہ ان کو شیطان سے محفوظ کر دے گا اور انکے دشمن کو ان کے لئے جھکا دے گا کہ گویا وہ قریبی دوست ہو۔"

آپؐ فرماتے ہیں "ان الله لایمحوالسیء بالسیء ولکن یمحوالسئی بالحسن ان الخبیث لا یمحوالخبیث" [61] اللہ برائی کو برائی کے ذریعے نہیں ختم کرتے بلکہ برائی کو بھلائی سے مٹاتا ہے۔ بری چیز کبھی بری چیز کو نہیں مٹاتی۔ آپ کا یہ ارشاد گرامی بھی پیش نظر رہے "صل من قطعک واعف عمن ظلمک واحسن الی من اساء الیک" [62] جو تم سے قطع تعلق کرے تم اس سے صلہ رحمی کرو اور جو تم پر ظلم کرے اسکو معاف کرو اور جو تمہارے ساتھ برائی کرے اسکے ساتھ بھلائی کرو۔

۶۔۵ ترش روئی اور تلخی سے پرہیز کیا جائے:

علماء امت لوگوں کو حلیم الطبع ہونے بردباری اختیار کرنے اور رفق ولطف اپنانے کا درس دیں نرم دلی لوگوں کو گرویدہ بناتی ہے جبکہ ترش روپے اور سخت گیری ماحول میں تلخی کو جنم دیتی ہے جس سے معاشرے میں انتہاء پسندی پروان چڑھتی ہے اللہ نے اپنے حبیب پاکؐ کے بارے میں فرمایا: "فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ" [63] تو اللہ کی رحمت کے سبب تم ان کے لئے نرم دل ہوتے اور اگر آپؐ مزاج کے اکھڑ، سخت دل ہوتے تو لوگ آپؐ کے پاس سے تتر بتر ہو جاتے۔ آپؐ کے یہ فرامین ہمیشہ ہمارے پیش نظر رہیں "الیوم یوم المرحمة" آج رحم وکرم کا دن ہے۔ جو آپؐ نے فتح مکہ کے موقع پر فرمایا اور اپنے جانی دشمنوں سے کہا "اذهبوا فانتم الطلقاء" جاؤ تم لوگ تمام سزاؤں سے بری ہو [64] اور آپؐ نے فرمایا: الیوم یوم البر والوفاء" آج کا دن نیکی اور وفا شعاری کا ہے [65] قرآن نے اہل ایمان کے اوصاف کو کس طرح واضح کیا کہ "وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ" [66] اور وہ غصہ پی جاتے ہیں اور لوگوں کو معاف کرتے ہیں اسی طرح قرآن نے کہا: "وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ" [67] اور جب ان کو غصہ آتا ہے تو وہ معاف کر دیتے ہیں۔ آپؐ فرماتے ہیں "ان الغضب الیفسد الایمان کمایفسد الصبر العسل" [68] غصہ ایمان کو ایسا خراب کر دیتا ہے جیسا ایلوا شہد کو۔ آپؐ فرماتے ہیں "لاتغضب ولک الجنته" [69] غصہ نہ کر تیرے لئے جنت ہے۔

۵-۷ ساری مخلوق کو اللہ کا کنبہ سمجھا جائے:

پیارے نبیؐ کا ارشاد ہے "الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ"[۷۰] ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے تو وہ شخص اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہوگا جو اسکی عیال کے ساتھ حسن سلوک کرے گا۔ مگر بدقسمتی سے آج یہ اللہ کا کنبہ انتہاء پسندی کا شکار ہو کر پوری دنیا میں ایک دوسرے کا خون بہا رہا ہے۔ وجہ صرف یہ کہ زمین پر اپنی بڑائی کا چاہنا ہے حالانکہ قرآن کہتا ہے۔ "تِلْکَ الدَّارُ الْاٰخِرَۃُ نَجْعَلُھَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا"[۷۱] یہ آخرت کا گھر ہم ان کے لئے کرتے ہیں جو زمین میں بڑائی نہیں چاہتے اور نہ فساد۔

اور مسلمان سب سے زیادہ آپس میں دست و گریباں ہیں اور یہ شروع سے ہے۔ بدقسمتی آج اس میں بہت زیادہ شدت آ گئی ہے۔ علامہ اقبال نے بھی اسی کا شکوہ کیا اور کہا۔

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں[۷۲]

اسی طرح شاعر مشرق نے فرمایا۔

شجر ہے فرقہ آرائی، تعصب ہے ثمر اسکا
یہ وہ پھل ہے کہ جنت سے نکلواتا ہے آدم کو[۷۳]

اگر ہم صدق دل اور حسن نیت سے ساری مخلوق کو اللہ کا کنبہ سمجھ کر فرمان نبویؐ کے مطابق اس سے حسن سلوک اور محبت رکھیں تو عصبیت، فرقہ آرائی اور مذہبی انتہا پسندی اگر ختم نہ بھی ہوگی تو اس میں بہت حد تک کمی آ جائے گی۔

مولانا ظفر علی خان نے کیا خوب فرمایا۔

خواجہ یثربؐ کے حسن خلق کا اعجاز دیکھ کر
دشمنان حق بھی ٹھہرے مستحق انعام کے
گالیاں دیتے کافرؔ آپؐ دیتے تھے دعا
تھے یہ انداز آیہ رحمت کے لطف عام کے[۷۴]

۵-۸ جہاد:

جہاد اسلام کا اہم رکن ہے اور قرآن کریم میں اکثر مقامات پر اہل ایمان کو جہاد کی ترغیب دی گئی سورہ انفال، سورہ توبہ اور سورہ محمد کا موضوع ہی جہاد ہے آپؐ فرماتے ہیں "الجہاد ماض الی یوم القیامۃ"[۷۵] کہ جہاد قیامت تک جاری رہے گا۔ لیکن جہاد سے مراد صرف اور صرف قتال ہو اسکے لئے ہم سیرۃ النبیؐ کی طرف رجوع کرتے ہیں جہاں علامہ شبلی نعمانی سید سلیمان ندوی فرماتے ہیں "اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جہاد اور قتال ہم معنی ہیں، حالانکہ ایسا نہیں ہے قرآن پاک میں دونوں لفظ

الگ الگ استعمال ہوتے ہیں اس لئے جہاد فی سبیل اللہ (خدا کی راہ میں جہاد کرنا) اور قتال فی سبیل اللہ (خدا کی راہ میں لڑنا) ان دونوں لفظوں کے ایک معنی نہیں بلکہ ان دونوں میں عام و خاص کی نسبت ہے' یعنی ہر جہاد قتال نہیں ہے بلکہ جہاد کی مختلف قسموں میں سے ایک قتال اور دشمنوں سے لڑنا بھی ہے اسی لئے قرآن پاک میں ان دونوں لفظوں کے استعمال میں ہمیشہ فرق ملحوظ رکھا گیا۔[۶]

۶ حاصل کلام:

۶۔۱ آخر میں ہم بڑے وثوق اور امید پیہم کے ساتھ یہ عرض کریں گے کہ اگر عالمی سطح پر بڑی طاقتیں جھوٹ' پروپیگنڈہ' جانبداری اور ناانصافی ترک کردیں۔

۶۔۲ ملکی سطح پر حکومت وقت اپنی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے قرآنی تعلیمات کے مطابق اقامت صلوہ ایتاء الزکوۃ' امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ خودسرانجام دیں۔[۷]

۶۔۳ اس طرح دینی اداروں میں جدید تعلیم کی فکر ہے بالکل اسی طرح عصری تعلیمی اداروں میں مذہبی تعلیم کا بندوبست کیا جائے جو کہ اس وقت نہ ہونے کے برابر ہے اور عملی طور پر معدوم ہے۔

۶۔۴ اسی طرح غربت اور مفلسی کا خاتمہ کیا جائے، طبقاتی نظام کو ختم کیا جائے۔

۶۔۵ لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کیلئے خاطرخواہ قانون بنا کر فی الفور نافذ العمل کیا جائے (معین الدین حیدر جب وزیر داخلہ تھے یہ قانون بنا تھا مگر پتہ نہیں کیوں نافذ نہ ہوسکا۔

۶۔۶ اسی طرح حکومت تمام مکاتب فکر کے علماء کو ایک میز پر جمع کرے' اسلامی نظریاتی کونسل کا دائرہ اختیار بڑھایا جائے۔

۶۔۷ علماء امت تمام مکاتب فکر کے حقیقی معنوں میں اپنا کردار ادا کریں اور حلم نبویؐ کی ترغیب دیں۔

۶۔۸ عوامی سطح پر علماء اپنے خطبات میں برداشت' حقوق کی ادائیگی' امانت و دیانت اپنانے ،دغا بازی' دھوکہ بازی' ظلم و بربریت' بغض و عداوت' غیبت و چغل خوری' بہتان طرازی' جھوٹ' وعدہ خلافی' فحش گوئی اور بدگمانی سے بچنے کی تلقین کریں۔

۶۔۹ کسی بھی مسلمان کو خوفزدہ کرنے سے منع کریں''لا یحل لمسلم ان یروع مسلما[۸]

۶۔۱۰ حتی الامکان فروعی مسائل کے ذریعے اشتعال پیدا ہونے کا سدباب کریں اور اس پر لچک دار رویہ اپنائیں اور رواداری کا مظاہرہ کریں۔

۶۔۱۱ اپنے مسلک کو چھوڑو نہ اور دوسرے کے مسلک کو چھیڑو نہ[۹] کا درس دیں تو انشاء اللہ مذہبی انتہا پسندی کا خاتمہ بتدریج ممکن ہوسکے گا۔

۷ آخر میں ہم اس ہادی برحقؐ کو ماہر القادری کے الفاظ میں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں جس نے ہمیشہ میانہ روی'

رواداری، حلم و بردباری، تحمل و برداشت، ہر ایک سے خیر خواہی اور عفو درگزر کا درس دیا۔

سلام اس پر کہ اسرار محبت جس نے سمجھائے
سلام اس پر کہ جس نے زخم کھا کر پھول برسائے
سلام اس پر کہ جس نے خون کے پیاسوں کو قبائیں دیں
سلام اس پر کہ جس نے گالیاں کھا کر دعائیں دیں [۸۰]

وصلی اللہ علیٰ خیر خلقه محمد وعلیٰ اله و اصابه اجمعین.

حواشی وحوالہ جات

۱۔ علی متقی الہندی، کنز العمال، بیروت دار المعارف، جلد ثانی ص ۷
۲۔ القرآن، بنی اسرائیل۔ ۱۱۰
۳۔ القرآن لقمان۔ ۱۹
۴۔ شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ کراچی، دارالاشاعت، جلد ۶، ص ۲۵۵
۵۔ القرآن بنی اسرائیل۔ ۲۹
۶۔ القرآن، فرقان ۶۷
۷۔ صحیح بخاری، بحوالہ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی کراچی، دارالاشاعت جلد ۶ ص ۲۵۵
۸۔ القرآن، المائدہ ۷۷
۹۔ نسائی، سنن النسائی، کتاب المناسک، ص ۲۱۷
۱۰۔ مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم، قدیمی کتب خانہ، کراچی ج ۳ ص ۱۲۶
۱۱۔ ابو داؤد، سلیمان بن اشعث سنن ابی داؤد، کتاب الادب ص ۴۴
۱۲۔ القرآن، البقرہ ۱۸۵
۱۳۔ طبرانی بحوالہ معدن الاقائق ص ۴۵۲
۱۴۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، کتاب الصلوۃ
۱۵۔ باہمی تکفیر کے سلسلے میں مزید ملاحظہ ہو مولانا طاسین کا کتابچہ مسئلہ ایمان و کفر قرآن و حدیث کی روشنی میں، تنظیم اسلامی پاکستان
۱۶۔ صحیح بخاری، بحوالہ تفہیمات حصہ دوم ص ۱۸۱
۱۷۔ جواہر الفقہ، ج ۱ ص ۳۱
۱۸۔ جواہر الفقہ، ج ۱ ص ۳۳
۱۹۔ القرآن، البقرہ ۲۵۶
۲۰۔ القرآن، الانعام ۱۰۸
۲۱۔ تشکیل پاکستان، میاں بشیر احمد، سندھ ٹیکسٹ بک بورڈ جام شورو
۲۲۔ قاضی عیاض/ الشفا تعریف حقوق المصطفیٰ جلد اول صفحہ ۶۱

۲۳۔ شبلی نعمانی' الفاروق' ملتان مکتبہ صدیقیہ' جلد دوم' ص ۴۷۵

۲۴۔ Arnold Loyn bee J./A Study of History V-12

۲۵۔ یجروید (مطبوعہ لاہور) ۴۴/۸

۲۶۔ یجروید۶/۳۷

۲۷۔ رگ وید۔ ا'۲۹' ۷

۲۸۔ رگ وید۔۱۰' ۴۴' ۳

۲۹۔ القرآن' سورۃ البروج' ۴' ۵

۳۰۔ نیازی ڈاکٹر لیاقت علی خان مطالعہ سیرت ص ۱۱۶

۳۱۔ القرآن سورہ النساۃ ۱۵۷

۳۲۔ شبلی نعمانی' سیرۃ النبیؐ کراچی دارالاشاعت' ج ۴' م ص ۱۷۶

۳۳۔ قومی اخبارات' جنگ' نوائے وقت وغیرہ

۳۴۔ القرآن الممتحنہ' ۱

۳۵۔ الاسلام واحضارۃ العربیہ ج ا' ص ۲۵۲' الاخبار الاندس ج ۳ ص ۲۷۵

۳۶۔ بوڈے۔ آر۔ وی۔ سی' محمد رسول اللہؐ ص ۱۲۷

۳۷۔ ایضاً' ص ۱۳۱

۳۸۔ القرآن سورہ منافقون' ۸

۳۹۔ قومی اخبارات جنگ' نوائے وقت وغیرہ

۴۰۔ ماہنامہ دعوۃ اسلام آباد' جنوری ۱۹۹۶ء

۴۱۔ مجتبیٰ موسوی' مغربی تمدن کی ایک جھلک ص ۷۷

۴۲۔ القرآن' سورہ حج ۴۱

۴۳۔ القرآن' النحل' ۱۲۵

۴۴۔ القرآن سورہ مریم ۵۹

۴۵۔ شبلی نعمانی' سیرۃ النبیؐ کراچی دارالاشاعت' ج ۷ ص ۴۱

۴۶۔ القرآن' سورہ فاطر ۲۸

۴۷۔ ابن نجار بحوالہ معدن الاقائق ص ۲۱۸

۴۸۔ فردوس دیلمی بحوالہ معدن الاقائق ص ۲۱۸

۴۹۔ ابن منیع بحوالہ معدن الاقائق ص ۲۳۹

۵۰۔ ایضاً ص ۱۱۶۹

۵۱۔ القرآن' سورہ النساء ۵

۵۲۔ القرآن' سورہ المعارج ۲۵

۵۳۔ البخاری' محمد بن اسماعیل' الجامع الصحیح ' کتاب الزکوٰۃ

۵۴۔ القرآن' المائدہ۲

۵۵۔ القرآن' بنی اسرائیل ۷۰

۵۶۔ القرآن' النحل ۱۲۵

۵۷۔ القرآن' الاحزاب ۲۸

۵۸۔ القرآن' حم السجدۃ' ۳۴

۵۹۔ القرآن' الرعد ۲۲

۶۰۔ ابن کثیر ج ۴ص ۱۰۱' قدیمی کتب خانہ' اردو بازار کراچی

۶۱۔ مشکوٰۃ' الجزا الثانی ص ۸۴۵' حوالہ کاروان حیات' مولانا وحید الدین فضلی سنز کراچی

۶۲۔ الحدیث بحوالہ معارف القرآن' مفتی محمد شفیع صاحب مکتبہ دار العلوم کراچی ج ۲ص ۱۹۰

۶۳۔ القرآن' ال عمران' ۱۵۹

۶۴۔ مولانا مجیب اللہ ندوی' اسلام کے بین الاقوامی اصول وتصورات' مرکز تحقیق لاہور ص ۶۴

۶۵۔ ایضاً

۶۶۔ القرآن' ال عمران' ۱۳۴

۶۷۔ القرآن' الشوریٰ ۳۷

۶۸۔ بیہقی بحوالہ مظاہر حق

۶۹۔ اربعین نووی ص ۱۱۷

۷۰۔ الحدیث بحوالہ اسلامی ثقافت ڈاکٹر نصیر احمد ناصر

۷۱۔ سورہ القصص آیت ۸۳

۷۲۔ کلیات اقبال' ص ۴۷' شیخ غلام علی اینڈ سنز' لاہور

۷۳۔ ایضاً

۷۴۔ ظفر علی خان' ہم اور ہمارے رسولؐ ۱۷۷

۷۵۔ الحدیث

۷۶۔ شبلی نعمانی' سیرۃ النبیؐ' کراچی' دار الاشاعت جلد پنجم ص ۲۱۱

۷۷۔ خلاصہ آیت سورۃ حج آیت ۴۱

۷۸۔ ابوداؤد' سلیمان بن اشعث' سنن ابی داؤد' کتاب الادب

۷۹۔ یہ قول مولانا اشرف علی تھانوی کا ہے جو کہ دراسات اسلامیہ (قاضی مجیب الرحمٰن) سے لیا گیا ہے۔

۸۰۔ ماہر القادری بحوالہ سید رفیع الدین اشفاق اردو میں نعتیہ شاعری' ص ۶۱۶ ' اردو اکیڈمی سندھ

دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اسکا خاتمہ تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

محمد ساجد خاکوانی، اسلام آباد

دور حاضر:

دور وقت کا پیمانہ ہے، جس کا مطلب تاریخ کا کوئی مخصوص ٹکڑا ہوتا ہے [۱] جس میں انسان کے رویوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے جبکہ حاضر کا لغوی مطلب ''موجود'' ہے۔ [۲] دور حاضر سے مراد وہ وقت بھی ہے جس میں کہ انسان موجود ہو یعنی موجودہ دور جو انسان کو اسکے ماضی سے ممیز کرتا ہو اور مستقبل کی طرف پیش بندی کا باعث ہو۔ [۳] دور جدید کی اس تعریف کی رو سے انسان کا ہر دور، دور جدید ہوتا ہے۔ ہزاروں سال قدیم دور کا انسان بھی اپنے حساب سے دور حاضر کا ہی باسی تھا اور اگر آج کے دور کے انسان کو ہزاروں سال بعد زندہ کر کے کھڑا کیا جائے تب بھی وہ اپنے اس دعوے سے شاید دستبردار نہ ہو کہ اس کا تعلق دور حاضر سے ہے۔

انسان کے اجتماعی رویے کا مطالعہ کرنے کے لئے اسکی تاریخ کو ادوار میں تقسیم کیا جاتا ہے، چنانچہ پانچ عناصر ایسے ہیں جن کے باعث انسانی اقوام ایک دور سے دوسرے دور میں داخل ہو جاتی ہے:

۱۔ تہذیب و تمدن اور ثقافت میں نمایاں تبدیلی۔

۲۔ مباحات اور ممنوعات کے معیارات میں تبدیلی۔

۳۔ نبوی ریاست کا قیام۔

۴۔ انقلاب

۵۔ آزادی

حضرت موسی علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کا ایک نیا دور آزادی شروع ہوا، خاتم النبین ﷺ کے بعد انسانیت کا ایک نیا دور شروع ہوا، صنعتی انقلاب کے بعد انسانی بود و باش میں واضح تبدیلی رونما ہوئی جس سے ایک نئے دور کا آغاز ہوا، انقلاب فرانس کے بعد صحیح اور غلط کے قدیمی معیارات تغیر تبدیل کا شکار ہوئے چنانچہ یورپ میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا اور بیسویں صدی میں پاکستان سمیت بیشتر اقوام آزادی کی دولت سے فیض یاب ہوئیں جس سے ان کے ہاں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔

مذہبی انتہا پسندی کا رجحان

''تاریخ کے صفحات میں ہمیں متعدد ایسی مثالیں ملتی ہیں جہاں مختلف مذاہب کے پیروکاروں نے دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کو اپنی شدید نفرت اور حقارت کا نشانہ بنائے رکھا۔ اس منفی سوچ کا ہمیشہ یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ مذہب اور عقیدے کے

تحفظ کی آڑ میں مذہبی عناصر ایک دوسرے کے خلاف آپس میں دست و گریباں ہوتے رہے۔ اسی طرح بے قاعدہ جنگ میں ایک کم خرچ ہتھیار کے طور پر دہشت گردی کا مقصد بھی، قانون سے بالاتر رہتے ہوئے اپنے حریف کے خلاف طاقت استعمال کر کے اسے نفسیاتی طور پر خوف زدہ کرنا ہوتا ہے۔ اس دہشت گردی کی جڑیں بہت پرانی ہیں''۔[۴]

دور حاضر میں اگرچہ ہزاروں مذاہب ہیں لیکن ان میں سے پانچ ایسے ہیں جن کی انتہا پسندی حالات پر براہ راست اثر انداز ہو رہی ہے۔ ان میں سے چار مذاہب ہندومت، یہودیت، عیسائیت اور سیکولرازم کی مذہبی انتہا پسندی کو ریاستی معاونت حاصل ہے جبکہ اسلامی انتہا پسندی کو اس طرح کی معاونت میسر نہیں ہے۔

ا۔ ہندو انتہا پسندی کا رجحان:

بھارت[۵] دنیا میں ہندو اکثریت کا سب سے بڑا ملک ہے۔ اس میں پچیس صوبے اور سات ریاستیں (آسام، آرنچل پردیش، مانی پور، میغالایا، میزورام، ناغال اور تری پورہ) ہیں، ہر صوبے کو ایک خاص حد تک آئینی آزادی حاصل ہے۔ یہ تمام صوبے اور ریاستیں مرکز کے تحت ہیں جس کا صدر مقام نئی دہلی ہے۔

ا۔ آسام[۶]

آسام بھارت کے شمال مشرق میں واقع ہے، اسکی حدود بنگلہ دیش، بھوٹان، چین اور برما سے ملتی ہیں، اسکی آبادی تقریباً 23 ملین نفوس پر مشتمل ہے، جن میں آسامی اور بنگالی زبان بولنے والے واضح اکثریت سے ہیں۔ بنگالی ہندوؤں کو اہم سول ملازمتیں ملنے سے برطانوی دور میں ہی آسامی اور بنگالی کے درمیان نفرت کا آغاز ہو گیا تھا، یہ آگ اس وقت بھڑک اٹھی جب ۱۸۳۷ء کو بنگالی کو آسام کی سرکاری زبان قرار دے دیا گیا اگرچہ یہ فیصلہ ۱۸۷۲ء میں واپس لے لیا گیا لیکن اسکی چنگاریاں آج بھی الاؤ بھڑکانے کے لئے کافی ہیں۔ اس صوبے میں ۱۹۴۷ء سے ہی علیحدگی کی تحریکیں چل رہی ہیں، اسکی وجہ وہاں کے علاقائی اور نسلی گروہ اور قبائلی نظام ہے۔ علیحدگی پسند گروہوں کے ارکان اکثر و بیشتر سرکاری عمارتوں پر اور سرکاری نمائندوں پر حملہ آور ہوتے رہتے ہیں۔ ان حملوں اور حملہ آوروں سے نبرد آزما ہونے کے لئے وہاں کی سرکاری مشینری کو بے پناہ اختیارات میسر ہیں جس کے نتیجے میں وہاں کی پولیس اور نیم فوجی دستوں نے اپنے عقوبت خانے بنائے ہوئے ہیں اور تفتیش کے بہانے بعض اوقات عام شہریوں کو بھی دھر لیا جاتا ہے۔

۱۹۸۳ء کے انتخابات میں بنگالی زبان بولنے والے مسلمانوں اور آسامیوں کے باہمی جھگڑوں میں ہزاروں قیمتی انسانی جانیں ضائع ہوئیں۔ اپریل ۱۹۸۷ء میں آسامیوں نے مسلمانوں کے ایک کیمپ پر حملہ کر کے ۶۵ افراد قتل کر ڈالے اور ۵۰،۰۰۰ کو بے گھر کر دیا تاکہ ان پر مزید حملے کئے جا سکیں۔ آسام کے بودو قبائل نے ایک دھمکی کے تحت اکتوبر ۱۹۹۳ء میں ۶۰ مسلمان مارے، کوکرا جھر میں ۲۷ مئی ۱۹۹۴ء کو ۲۲ مسلمان قتل کئے، اسی سال ۲۴ جولائی کو بنس باری میں ۴۶ مسلمانوں کو ہلاک کیا اور بارپتا میں ایک حملہ جس کا دورانیہ ایک ہفتہ تک محیط تھا ۱۰۰ سے زائد مسلمانوں کو قتل کیا اور ہزاروں گھروں کو نذر آتش کر دیا۔

ب۔ آندھرا پردیش ۔

آندھرا پردیش بھارت کا ایک صوبہ ہے جو مملکت کے جنوب مشرق میں واقع ہے، آزادی سے قبل یہ خطہ نظام کے تحت ایک ذیلی ریاست کے طور پر نیم خود مختار انتظامیہ کے تحت تھا اس صوبے کا شمار ہندوستان کے غریب ترین صوبوں میں ہوتا ہے، بہار کے بعد اس صوبے میں غربت کی شرح سب سے زیادہ ہے۔ ۱۹۶۹ء کے ایکٹ کے بعد سے اس صوبے میں مسلسل بے چینی ہے جس کی وجہ پولیس اور نیم فوجی دستوں کو اس ایکٹ کے تحت ملنے والے بے پناہ اختیارات ہیں، جس کا ثبوت یہ ہے کہ ۷۸۔۱۹۷۷ میں ۴۰۰ افراد کے قتل کی تحقیق کے لیے بیٹھنے والے کمشن کی رپورٹ تا حال سامنے نہیں آئی۔ اسکے بعد ۱۹۸۸ء میں ۱۶۱ افراد کو پھر تہ تیغ کر دیا گیا۔ ۱۹۸۹ میں وہاں کے (ہندو) جاگیرداروں نے ۲۰۰ افراد کو قتل کیا جس کے بعد سے حکومت نے اپنی فورسز کو تعینات کیا ہے اور اب صورت حال یہ ہے کہ تقریباً بیس ملین افراد ان نیم فوجی دستوں کے ظالمانہ رویوں کے تحت زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔

آندھرا پردیش میں یہ معمول بن چکا ہے کہ پولیس اور ہندو انتہا پسند گروہ مل کر مختلف دیہاتوں پر ہلہ بولتے ہیں اور وہاں کے مقامی لوگوں کو قتل کرتے ہیں، اغوا کرتے ہیں اور خواتین سے اجتماعی زیادتی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اس طرح کے واقعات کی اکثریت ہندوں کے اچھوت اور بڑی ذاتوں کے درمیان معمولی تلخ کلامی سے شروع ہوتے ہیں، مثلاً جولائی ۱۹۹۱ء میں چندر نامی گاؤں جو ضلع کنڑ میں واقع ہے میں ایک سینما ہال میں اچھوت نوجوان راوی کی لات آگے بیٹھے بڑی ذات کے ہندو کی سیٹ سے ٹکرا گئی، اگلے دن بڑی ذات والوں نے راوی کے والد کو پیٹا اور اسے حکم دیا کہ راوی کو ہمارے ڈیرے پر پیش کرے، راوی شہر سے باہر تھا اور ان کے ہاتھ نہ چڑھ سکا چنانچہ جب راوی لوٹا تو اسے پولیس نے دھر لیا اور زیورات کی چوری کا الزام لگا کر جیل بھیج دیا۔ اچھوتوں میں جب بے چینی پیدا ہوئی تو بڑی ذات والوں نے ان کو اپنے کھیتوں میں کام کرنے سے روک دیا، ۴ اگست کو راجہ بابو نامی اچھوت پر اعلیٰ ذات والے ایک گروہ نے حملہ کر کے اسے شدید زخمی کر دیا ۵ اگست کو گولدی نامی دکاندار کو زدوکوب کیا گیا اور ۶ اگست کو انسپکٹر سائی بابو اور سب انسپکٹر شیخ مادرولی نے اچھوتوں کو حکم دیا کہ گاؤں خالی کر دیں۔ اس حکم پر خاطر خواہ عمل نہ ہوسکنے کی وجہ سے سو سے زائد اعلیٰ ذات والوں نے حملہ کیا اور ۸ افراد قتل ہو گئے اور ان کی لاشوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے اور ۷ افراد لاپتہ ہو گئے جبکہ بعض غیر جانبدار ایجنسیوں نے قتل ہونے والوں کی تعداد ۲۵ بتلائی ہے۔ جب اس حملے کی پولیس کو شکایت کی گئی تو جواب ملا کہ پولیس اعلیٰ ذات والوں کے ساتھ ہے۔ ۹۳۔۱۹۹۱ء کے دوران آندھرا پردیش میں اس طرح کے واقعات میں ۴۹۶ افراد قتل ہوئے جن میں سے ۹۵ فیصد اچھوت تھے۔

پولیس حراست میں قتل بھی آندھرا پردیش میں ایک معمول کی بات ہے ۱۹۸۴ میں ۱۰ جنوری سے ۲۴ ستمبر تک اس نوعیت کے ۱۱۱ قتل ہوئے۔ اسکی ایک مثال مصطفیٰ علی خان، باڈی بلڈر ہے جسے پولیس کے ساتھ بدتمیزی کے جرم میں اس کے چھ بھائیوں سمیت گرفتار کر کے تھانہ مغل پورہ ضلع حیدر آباد منتقل کر دیا گیا۔ وہاں ایک پولیس افسر پرسنا کمہار نے ۲۶ مارچ ۱۹۹۵ء کو براہ

راست اپنے ریوالور سے گولی مار کر اس بیس سالہ نوجوان کو اسکے بھائیوں کے سامنے ہلاک کر دیا۔

ج۔ بہار:

بہار کی ریاست بھارت کے شمال مشرقی حصے میں واقع ہے۔ یہ اکلیم جاگیردارانہ ریاست ہے جو جملہ مسائل کا شکار ہے۔ یہاں کا سب سے بڑا مسئلہ اونچی ذات کے زمینداروں کے ناجائز تقاضے ہیں جو پبلک میں پریشانی کا باعث بنتے ہیں۔ ہر گاہ کہ حکومت نے وہاں زرعی اصلاحات کی کوشش کی ہے لیکن وہ مسائل کے حل کے لئے ناکافی ثابت ہوئی ہیں، اس دعوے کے ثبوت کے لئے یہی بات کافی ہے اکیسویں صدی کی دہلیز پر آج بھی بہار میں بعض نیچی ذات کے لوگ پیدائشی طور پر زمین کی ملکیتی حقوق سے محروم ہیں اور وسائل ہونے کے باوجود وہ زمین کا کوئی ٹکڑا خرید نہیں سکتے کہ ان کا تعلق معاشرے کے نچلے طبقے سے ہے۔ بہار میں غربت کی شرح کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ چار کلو چاول کے حقیر معاوضے پر سارے دن کے مزدور میسر ہیں جبکہ پٹنہ، جہان آباد اور گایا میں نچلی ذات کے مزدور دو کلو سے بھی کم مزدوری پر راضی ہو جاتے ہیں۔

بہار میں ۹۲۔۱۹۹۱ء کے دوران ۱۱۹۱ اچھوت قتل ہوئے، اسکی وجہ وہاں موجود بدمعاشوں کے بڑے بڑے گروہ ہیں جو جاگیرداروں کے پروردہ ہیں۔ ان کا کام اچھوتوں، غریبوں، مزدوروں اور سیاسی کارکنوں کا قتل ہے۔ ان کا طریقہ کار یہ ہے کہ یہ کسی گاؤں پر کنٹرول حاصل کر لیتے ہیں، اس گاؤں میں قتل کی وارداتیں اور لوٹ مار کرتے ہیں تسکین نفس کے لئے عورتوں کو اغوا کرتے ہیں۔ ماضی قریب میں ان گروہوں کے ہاتھوں ۹۰۔۱۹۸۹ء میں تسکھورا میں ۱۴، کارکٹ بیگھا میں ۶ (یہ دونوں مقامات ضلع پٹنہ میں ہیں)، یکم جنوری ۱۹۹۱ کر سی ضلع روہتاس میں ۱۱، ۲۲ جولائی ۱۹۹۱ کو دیو چاند اور سہاریہ (ضلع بھوج پور) میں ۱۴، ۲۱ ستمبر ۱۹۹۱ء کو سوان بیگھا (گہان آباد میں ۷، ۳۰ ستمبر ۱۹۹۱ کو تندہا (گایا) میں ۷، ۲۳ دسمبر کی رات من اور برسیوان (گایا) میں ۱۰ اور یکم جولائی ۱۹۹۲ بد کا ضلع ہزاری باغ میں ۱۶ افراد قتل ہوئے۔

گزشتہ کئی سالوں سے اچھوتوں کے خلاف اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کی سفاکانہ کارروائیوں میں بہت زیادہ اضافہ ہو گیا ہے، اسکی وجہ یہ ہے کہ اب اچھوت بھی بھارت کے آئین کے مطابق برابر کے حقوق مانگتے ہیں، اس مقصد کے لئے انکی تنظیمیں بھی موجود ہیں لیکن ان کی مذہبی تعلیمات کے باعث اس نوعیت کی کارروائیوں سے اعلیٰ ذات والوں کے ہاں اچھوتوں سے نفرت میں اضافہ ہوا ہے چنانچہ بہار میں اچھوتوں کے ساتھ ظالمانہ سلوک کے کئی مقدمات درج کئے گئے جن کی ایک مثال مہاویر راوی داس (عمر ۲۵ سال) جو ایک موسیقار تھا اور مالتی دیوی (عمر ۱۸ سال)، جو دو سال سے باہمی پیار محبت میں گرفتار تھے لیکن ذات کا عدم توازن انکی امنگوں میں رکاوٹ تھا۔ صبر کا بندھن جب اپنا وجود برقرار نہ رکھ سکا تو انہوں نے چھپ کر شادی کر لی، بات کھلنے پر جون ۱۹۹۵ء میں مہاویر راوی کو پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا گیا جبکہ اسکی زوجہ مالتی دیوی کو ننگا کر کے جلتی لکڑیوں پر پھینک کر نذر آتش کر دیا گیا۔

اچھوتوں کے خلاف انتقامی کارروائی کا ایک طریقہ انکی خواتین سے اجتماعی زیادتی بھی ہے، اسکی ایک مثال فروری

۱۹۹۲ء کا واقعہ ہے جس میں ۳۴ اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کے قتل کا بدلہ ایک سو سے زائد اچھوت خواتین کی اجتماعی زیادتی سے لیا گیا جن میں ۸ سال سے لے کر ۶۰ سال تک کی عمر کی خواتین شامل تھیں۔ اس کارروائی کے دوران ایسے واقعات بھی ظہور پذیر ہوئے جنہیں قلم لکھنے سے قاصر ہے۔ اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کے کمانڈر نے اس واقعے کا جواز بتاتے ہوئے وضاحت کی کہ قتل کا بدلہ قتل سے نہیں لیا گیا کیونکہ قتل سے دشمنی ایک ہی بار ختم ہو جاتی ہے جبکہ انکی خواتین کی اجتماعی زیادتی سے دشمنی اور اس کا خاندان آہستہ آہستہ گھٹ گھٹ کر ختم ہوتے ہیں، جو کہ انتقام کا ایک سخت تر طریقہ ہے۔ سود کے عوض بچوں کی ادائیگی جو وبا کی شکل اختیار کر چکا ہے، تو کوئی جرم ہی نہیں سمجھا جاتا اور نہ ہی اسکے خلاف کوئی مقدمہ یا کوئی جمہوری ردعمل ظاہر کیا جاتا ہے۔

د۔ پنجاب:

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو تقسیم ہند کی کارروائی کے دوران پنجاب کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ان دو ملکوں کی سرحد کو اس صوبے کے درمیان سے گزار دیا گیا۔ تقسیم کے بعد ہجرت مکمل ہونے پر سکھ، مشرقی پنجاب میں رہ گئے۔ ۱۹۵۳ء میں سکھوں کے راہنماؤں نے مطالبہ کیا کہ مشرقی پنجاب کو پنجابی اکثریت کی ریاست قرار دیا جائے، اس مطالبے کو مرکزی حکومت نے اس لئے مسترد کر دیا کہ اس طرح سکھ علیحدگی پسند تحریک کا اندیشہ تھا۔ اس فیصلے کے خلاف سکھوں نے تحریک چلائی جس پر ۶۱-۱۹۶۰ء کے دوران ۵۰،۰۰۰ سکھوں کو گرفتار کر لیا گیا۔

۱۹۸۱ء سے سکھ اکالی دل کے راہنماؤں اور مرکزی حکومت کے درمیان مذاکرات کا طویل سلسلہ چلا، جس میں سکھوں نے صوبائی دارالحکومت کی تبدیلی، سکھوں کے عائلی قوانین کا نفاذ، فوج میں سکھوں کا کوٹہ اور آئین میں پنجابیوں کے حقوق کی ضمانت جیسے چند اور مطالبات بھی شامل تھے۔ یکم مئی ۱۹۸۲ء دلی سرکار نے مذاکرات کا سلسلہ بند کر کے سکھوں کی متعدد تنظیموں پر پابندی لگا دی اور انکے اہم راہنما گرفتار کر لئے، نتیجہ سکھ نوجوانوں نے اپنے مقدس مقام ''گولڈن ٹمپل'' میں قلعہ بند ہو کر آزادی کا مطالبہ کر دیا اور ''خالصتان'' نامی سکھوں کی ریاست کے لئے تحریک شروع کر دی۔

۶ اکتوبر ۱۹۸۳ء کو اس وقت حالات قابو سے باہر ہو گئے جب سکھوں نے ایک بس سے چھ ہندوؤں کو نکال کر قتل کر دیا۔ پنجاب میں صدر راج نافذ کر دیا گیا اور غیر ملکی صحافیوں کو علاقہ بدر کر کے اور مقامی صحافیوں پر رپورٹنگ ممنوع کر کے بھارتی فوج نے سکھوں کے مرکزی مذہبی مقدس مقام ''گولڈن ٹمپل'' پر دھاوا بول دیا، جو اقوام متحدہ کے جنیوا معاہدہ کی کھلی خلاف ورزی تھی۔ یہاں سنت جرنیل سنگھ بھنڈرانوالہ کی قیادت میں موجود ''گولڈن ٹمپل'' کے اندر تمام سکھ مار ڈالے گئے۔ یہ واقعہ ۴ جون ۱۹۸۴ء کا ہے۔

۳۱ اکتوبر ۱۹۸۴ء کو دو سکھ محافظوں کے ہاتھوں بھارتی وزیر اعظم اندرا گاندھی کے قتل کے بعد دہلی میں فسادات پھوٹ پڑے۔ ہر نظر آنے والے سکھ کو پیٹا گیا، چھرا گھونپنے کی بے شمار وارداتیں ہوئیں، سکھوں کے گھروں اور انکی دکانوں پر تیل چھڑک کر آگ لگائی گئی، سکھ آبادی پر بم پھینکے گئے، سکھوں کے پڑوسیوں نے سکھ عورتوں سے اجتماعی زیادتی کی اور انکے بچوں تک کو

قتل کر ڈالا۔ کم از کم ۵۰،۰۰۰ افراد بے گھر ہوئے اور جائیداد و مال و متاع کے نقصان کا کچھ اندازہ نہیں۔ اس کے بعد سے اب تک ایک سرد جنگ کا سا سماں ہے۔

ھ۔ جموں اور کشمیر:

اس خطے کا مسئلہ بھی ہندوستان کی آزادی سے تعلق رکھتا ہے۔ برطانوی حکومت نے ریاستوں کو اس بات کی آزادی دی تھی کہ وہ پاکستان اور بھارت میں سے جس کے ساتھ چاہیں الحاق کرلیں۔ کشمیر کے حکمران راجہ ہری سنگھ نے کسی کے ساتھ الحاق کا اعلان نہ کیا کہ شاید اس طرح کشمیر کو آزاد ریاست مان لیا جائیگا۔

اگست ۱۹۴۷ء میں کشمیر کے مسلمانوں نے مسلح جدوجہد آزادی شروع کردی اور راجہ کو بتایا گیا کہ پاکستان کی فوج بھی سادہ کپڑوں میں ان کے ساتھ ہے۔ راجہ نے بھارتی وزیراعظم پنڈت نہرو سے مدد کی درخواست کی، نہرو نے جواب دیا کہ راجہ اگر کشمیر کا بھارت کے ساتھ الحاق کا اعلان کرے تو بھارتی حکومت اسکی مدد کو تیار ہے۔ ۲۷ اکتوبر ۱۹۴۷ کو راجہ اس شرط پر بھارت کے ساتھ الحاق پر آمادہ ہوگیا کہ کشمیر میں کشمیر کا ہی دستور نافذ رہے گا۔ چنانچہ بھارتی فوجیں کشمیر میں داخل ہوئیں اور انہوں نے کشمیر مجاہدین آزادی کو ریاست کے مغربی ایک تہائی حصے میں دھکیل دیا جو "آزاد کشمیر" کہلاتا ہے۔

اس وقت برطانوی حکومت کے نمائندوں نے تجویز دی کہ کشمیر کے مسئلے کو ریفرنڈم کے ذریعے حل کرلیا جائے تاکہ خانہ جنگی ختم ہوسکے۔ بھارتی حکومت نے ریفرنڈم کے لئے شرط عائد کی کہ پاکستانی افواج کشمیر خالی کردیں، پاکستان اس شرط کو ماننے کے لئے تیار نہ تھا چنانچہ ریفرنڈم کا انعقاد کھٹائی میں پڑ گیا یہاں تک کہ (بھارتی) کشمیر میں انتخابات کے ذریعے عوام نے اپنے نمائندے چن لئے اور انہوں نے کشمیر کا نیا آئین منظور کر کے اپنا کام شروع کردیا بالآخر یکم جنوری ۱۹۴۹ کو اقوام متحدہ کی مداخلت سے خانہ جنگی عمل میں آ گئی۔

۱۹۵۰ اور ۱۹۶۰ کے دوران مرکز کی مسلسل مداخلت کشمیریوں کے لئے اعصاب شکن ثابت ہوئی جس کے نتیجے میں ریفرنڈم کے ذریعے آزادی کے نعرے بلند ہوئے جبکہ ۱۹۶۴ء میں پہلا عسکری گروہ جموں اینڈ کشمیر لبریشن فرنٹ وجود میں آ گیا جس کا واضح اعلان آزادی کی خاطر جنگ کرنا تھا۔ ۱۹۹۳ تک اس طرح کے دیگر گروہ بھی وجود میں آ چکے تھے۔ تب سے اب تک کشمیر میں آٹھ لاکھ سے زائد بھارتی افواج تعینات ہیں، اسی ہزار سے زائد کشمیری مسلمان قتل کئے جاچکے ہیں۔ املاک کے نقصان کا کوئی تخمینہ نہیں لگایا جاسکتا، اجتماعی عصمت دری کی وارداتیں روز کا معمول ہیں اور نتیجہ شہری آزادیاں ختم ہو کے رہ گئی ہیں۔

مسئلہ کشمیر اب عالمی اداروں میں گونجنے لگا ہے، کشمیر میں ہونے والا تشدد جنگ کی یاد تازہ کرتا ہے۔ مسلمان اکثریت کا یہ علاقہ براہ راست بھارتی ریاستی دہشت گردی کا شکار ہے صرف مسلمان نوجوانوں کی تلاشی لی جاتی ہے، صرف مسلمانوں کے مذہبی مقامات اور عبادت گاہوں کو نشانہ بنایا جاتا ہے، صرف مسلمانوں کو تفتیش کے بہانے گرفتار کر کے بے پناہ تشدد کیا جاتا ہے اور

اکثر اوقات پولیس اور فوج کی تحویل میں ہی مار ڈالا جاتا ہے اور صرف مسلمان راہنماؤں کو انکی پیرانہ سالی کے باوجود پس دیوار زنداں دھکیل دیا جاتا ہے۔ علاقائی اور بین الاقوامی پریس اس کارروائی کو ہندوانہ تعصب کا شاخسانہ لکھتے ہیں، خود بھارتی قیادت کے بیانات اس دعوے کی تصدیق کے لئے کافی ہیں جبکہ عالمی انسانی حقوق کی تنظیموں کو بھی وہاں جانے کی اجازت میسر نہیں ہے۔ سالہا سال سے جاری بھارتی ریاستی دہشت گردی کے اعداد و شمار لکھنے کے لئے دفتر درکار ہیں جس کا یہ موقع نہیں۔

و۔ بھارت میں مسیحی اقلیت:

بھارت میں مسیحی اقلیت کی حالت بھی دیگر مذہبی اقلیتوں اور اچھوتوں سے مختلف نہیں۔ بھارتی حکومت مسیحیوں کو تحفظ دینے میں مسلسل ناکام ہو رہی ہے۔ انسانی حقوق کی عالمی تنظیم نے ۳۷ صفحات کی ایک رپورٹ جاری کی ہے جس کے مطابق مارچ ۱۹۹۸ء کے بعد سے مسیحیوں کے خلاف تشدد کی کارروائیوں میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔ ان کارروائیوں میں پادریوں کا قتل، ننز کے ساتھ اجتماعی آبروریزیاں اور مسیحیوں کے تعلیمی اداروں، مذہبی مقامات اور عبادت گاہوں کا جلاؤ گھیراؤ شامل ہے۔ مزید براں یہ کہ ہزارہا مسیحیوں کو زبردستی ہندو بننے پر بھی مجبور کیا گیا[۸]۔

ا۔ یہودی انتہا پسندی کا رجحان:

بنی اسرائیل تیرہ سو قبل مسیح میں فلسطین میں داخل ہوئے اور دو سو سال کی مسلسل جدوجہد کے بعد یہاں قابض ہو گئے۔ یہاں کے اصل باشندوں کا ذکر بائبل میں تفصیل سے موجود ہے۔ آٹھویں صدی قبل مسیح میں اسیریا نے یہودیوں کا قلع قمع کر دیا اور دیگر اقوام کو جن میں اکثریت عربوں کی تھی یہاں آباد کیا۔ چھٹی صدی قبل مسیح میں بخت نصر نے ایک بار پھر یہودیوں کو جلاوطن کیا اور بیت المقدس کی اینٹ سے اینٹ بجا کر ہیکل سلیمانی تک کو ملیا میٹ کر دیا۔ ایرانیوں کی مدد سے یہودی دوبارہ آباد ہوئے اور انہوں نے ہیکل کی تعمیر نو کی لیکن ۷۰ء میں بغاوت کے جرم میں رومیوں نے ایک بار پھر بیت المقدس اور ہیکل کو مسمار کر دیا جبکہ ۱۳۵ء میں ایک دوسری بغاوت کی پاداش میں رومیوں نے پورے فلسطین سے یہودیوں کو نکال باہر کیا اور انکے داخلے پر پابندی لگا دی اور یہاں عرب قبائل آباد ہوئے۔ طلوع اسلام کے وقت یہ علاقہ عربوں سے ہی آباد تھا۔[۹]

گزشتہ دو ہزار سال سے یہودی ہفتہ میں چار مرتبہ یہ دعا مانگتے آئے ہیں کہ فلسطین کا علاقہ انہیں واپس ملے۔[۱۰] ایک منصوبے کے تحت ۱۸۸۰ء سے یہودی خاندان فلسطین منتقل ہونے لگے۔ ۱۹۰۱ء میں مشہور یہودی راہنما تھیوڈور ہرتزل (صیہونی (Zionist) تحریک کا بانی) نے سلطان عبدالحمید خان (سلطان ترکی) کو یہ پیغام بھیجا کہ یہودی ترکی کے تمام قرضے ادا کرنے کو تیار ہیں بشرطیکہ انہیں اپنا وطن آباد کرنے کی اجازت دے دی جائے۔ سلطان نے بیک جنبش قلم یہ پیشکش مسترد کر دی۔[۱۱]

۱۹۱۷ء میں یہودیوں نے برطانوی حکومت سے تحریری وعدہ لے لیا کہ انہیں فلسطین میں آباد کیا جائے گا یہ وعدہ اعلان بالفور کے نام سے مشہور ہے۔ ۱۹۲۲ء میں مجلس اقوام نے فیصلہ کیا کہ حکومت انگلستان فلسطین میں یہودیوں کی آبادکاری کرے۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد تک پوری دنیا سے یہودی سمٹ سمٹ کر فلسطین میں جمع ہو چکے تھے۔ ۱۹۴۷ء میں برطانوی حکومت نے

مسئلہ فلسطین اقوام متحدہ میں پیش کیا، جنرل اسمبلی نے ایک قرارداد کے ذریعے ۵۵ فیصد رقبہ یہودیوں کو اور ۴۵ فیصد رقبہ فلسطینیوں کو دینے کا فیصلہ کیا چنانچہ ۱۴ مئی ۱۹۴۸ء کو رات دس بجے اسرائیلی ریاست کے قیام کا اعلان کر دیا گیا۔[۱۱]

۱۹۴۸ء سے آج دن تک فلسطینیوں کی تین نسلیں گزر چکیں لیکن انہیں آسودگی اور راحت دیکھنے کو بھی نہ ملی، آئے دن کی گولیاں، بمبارمنٹ، ٹینکوں کا دھاوا اور مکانوں کی تباہی نے فلسطین کو ایندھن بنایا ہے۔ تقریباً آٹھ سو کے لگ بھگ اقوام متحدہ کی قراردادیں بھی اسرائیلی مذہبی تشدد میں کمی نہ کرسکیں، عالمی قیادت کے معاہدے بھی سراب ہی ثابت ہوئے۔ اب صورت حال یہ ہے نوجوانوں کے ذہنوں میں راسخ ہو چکا ہے کہ اسرائیلی افواج انہیں زندہ نہیں چھوڑیں گی جس کے نتیجہ میں وہ خودکش حملوں میں جام شہادت نوش کر جاتے ہیں ان نوجوانوں میں لڑکوں کے ساتھ ساتھ نوجوان لڑکیاں بھی ہم قدم ہیں۔

مسیحی اور مغربی لادینی (سیکولرازم) انتہا پسندی کا رجحان

مسیحی اور مغربی لادینی (سیکولرازم) کو ایک ہی صف میں اس لئے کھڑا کیا گیا ہے فی زمانہ ان کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ یورپ اور امریکہ کی اکثریت مذہب مسیحی کی پیروکار ہے جبکہ اس اکثریت کے منتخب نمائندے سیکولرازم کے دعوے دار ہیں۔ اکیسویں صدی کی دہلیز پر دہشت گردی کے خلاف امریکہ اور یورپ کا اتحاد کسی حوالے کا محتاج نہیں ہے جبکہ اس دہشت گردی کے خلاف جنگ کا آغاز کرتے ہوئے امریکی صدر جارج ڈبلیو بش کا یہ بیان دنیا بھر کے اخبارات و رسائل اور سکرین پر پڑھا، دیکھا اور سنا گیا کہ انہوں نے اس جنگ کو صلیبی جنگ قرار دیا۔

کثیر الاشاعت امریکی جریدے نیوز ویک نے اپنی ۱۰ مارچ ۲۰۰۳ء کی اشاعت میں ایک رپورٹ شائع کی ہے جو تین مقالوں پر مشتمل ہے جس میں امریکی صدر بش کی مذہبی ماہیت اور انکی سیاسی و عسکری ایجنڈے پر مذہبی غلبہ کے بارے میں تفصیلی وضاحتیں کی گئی ہیں۔ اسی اشاعت میں پادری مارٹن مارتی نے Bush and God کے عنوان کے تحت ایک مقالے میں لکھا ہے کہ عراق پر چڑھائی کے سلسلے میں صدر بش کی جانب سے بار بار جمہوریت کی بجائے آزادی کا لفظ استعمال کیا جانا بذات خود ایک مذہبی پس منظر کا حامل ہے اور یہ کہ صدر بش کے عیسائی رفقائے کار فتح عراق کو علاقے میں عیسائیت کی تبلیغ کے لئے مشرق وسطی کے ایک دروازے کے کھل جانے سے تعبیر کرتے ہیں۔[۱۲]

اسی اشاعت کے مطابق سیکولر امریکہ کے صدر بش خود عیسائیوں کے انتہا پسند دائیں بازو سے تعلق رکھتے ہیں اور انکی حکومتی مشینری کے کل پرزے بھی مذہبی عناصر سے تشکیل پاتے ہیں۔ چنانچہ صدر بش کے پرسنل آفس کے سربراہ انڈریو کارڈ کی والدہ ایک مشہور راہبہ ہے جبکہ قومی سلامتی میں انکی مشیر کونڈولیزا کے رائس کے والد امریکی ریاست الاباما کے ایک کلیسا میں واعظ رہ چکے ہیں۔[۱۳]

سیکولر امریکہ نے اپنے قیام کے بعد سے اب تک آزادی دلانے کے نام پر کروڑوں لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارا، امریکی تاریخ نہتے اور بے گناہ لوگوں کے خون میں ڈوبی ہوئی ہے۔ کوریا کی جنگ میں امریکی افواج نے کم و بیش ایک لاکھ افراد کو قتل کیا جبکہ ویتنام کی جنگ میں ڈھائی لاکھ شہریوں کی ہلاکتیں ہوئیں۔ دنیا کے مختلف ملکوں میں جنگوں کے دوران بے گناہ افراد کا

خون کرنے کے علاوہ سینکڑوں فوجی آپریشنز میں امریکہ کی خفیہ ایجنسیاں بہت سے سربراہان مملکت کو بھی قتل کرا چکی ہیں۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران میں جاپان پر گرائے جانے والے ایٹم بم، سیکولرازم پر وہ بدنما داغ ہیں جنہیں امریکہ رہتی دنیا تک صاف نہ کر پائے گا، اس کارروائی میں ایک لاکھ جاپانی پل بھر میں جل کر راکھ کا ڈھیر بن گئے۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد سیکولرازم کے ہی دو بازو کمیونزم اور جمہوریت (کیپٹل ازم) کے درمیان سرد جنگ کا آغاز ہوا۔ کم وبیش نصف صدی پر محیط یہ دور ایک طرح سے نفسیاتی دہشت گردی کا بدترین دور تھا جس کا ایندھن تیسری دنیا کے ممالک بالعموم اور مسلمان ممالک بالخصوص بنے۔ اس دور میں سیکولر خفیہ ایجنسیوں، فوجی سازشوں، فوجی کارروائیوں اور پروپیگنڈے کے ذریعے دنیا بھر میں مہنگائی، بدامنی، کھنچاؤ، علاقائی ولسانی تعصب اور جھوٹ اور دھوکے سے عوام کو بے وقوف بنانے کا بازار گرم رہا۔ مخالف ممالک کے سربراہوں کو قتل کرانا، مخالف ممالک میں علیحدگی پسندی کو ہوا دینا اور سود کے جال میں پھانس کر سیاسی مقاصد حاصل کرنا سیکولر ریاستوں کا وطیرہ رہا۔

پہلے روس نے اور پھر امریکہ نے افغانستان میں بدترین مذہبی دہشت گردی کا مظاہرہ کیا، روس نے پندرہ لاکھ افراد کو قتل کیا پچیس لاکھ افراد بے گھر ہوئے اور املاک کے نقصان کا کوئی اندازہ نہیں اور بارہ سال تک یہ مشق ستم جاری رہی۔ روس کے ٹوٹنے کے بعد چند ہی سال گزرے تھے جن میں افغانستان میں مذہبی حکومت قائم ہوئی لیکن یہ مذہبی حکومت سیکولر مذہبی دہشت گردی کا شکار ہوئی اور تادم تحریر سیکولر امریکی افواج افغانستان میں موجود ہیں اور آئے دن ظلم و دہشت گردی کی نئی مثال رقم ہو رہی ہیں۔ جبکہ سیکولر روس کی افواج شیشان میں بعینہ یہی کہانی اپنی بندوق سے لکھ رہی ہیں۔

-- یورپ کی صلیبی سیکولر افواج نے بھی پیچھے رہنا گوارا نہ کیا اور ہزار ہا شہریوں کو قتل کر کے بوسنیا کے اندر ایک چھوٹی سی مسلمان ریاست کو تہ و بالا کر دیا۔ اب تک مسلمانوں کی ۲۸۶ اجتماعی قبریں دریافت ہوچکیں جن میں زندہ درگور کرنے کے ماضی بعید کے جرم کو بھی تازہ کیا گیا۔ اقوام متحدہ نے بوسنیا کے مسلمانوں کے لئے ۳۲ قراردادیں منظور کیں جن میں خوراک، ادویات اور نئے نظام حکومت کے بارے میں وضاحتیں شامل تھیں لیکن ان میں سے صرف ایک قرارداد پر عمل ہوا جس میں تحریر تھا کہ بوسنیا کے مسلمانوں کو اسلحہ نہ پہنچنے دیا جائے، اقوام متحدہ کی افواج نے بوسنیا کے باہر سخت ترین محاصرہ کر کے اس قرارداد پر عمل کو یقینی بنا دیا اور سیکولر یورپ کی افواج نے بوسنیا کے اندر مسلمانوں کی نسل کشی کر کے اقوام متحدہ کے جنیوا معاہدے کے بین الانسانی منشور کے سامنے موت کو اندھا ناچ نچایا۔

د۔ اسلامی انتہا پسندی کا رجحان:

اسلامی مذہبی انتہا پسندی دو لحاظ سے غیر اسلامی مذہبی انتہا پسندی سے مختلف ہے:

ا۔ اسلامی مذہبی انتہا پسندی کی پشت پر کوئی ریاست یا حکومت موجود نہیں ہے، چند نیم عسکری گروہ ہیں جو ان کارروائیوں میں ملوث ہیں۔

ب۔ اسلامی انتہا پسندی دراصل ردعمل کے طور پر ابھری ہے اسکے جواز اور اسکے آغاز کی ذمہ دار غیر اسلامی مذہبی انتہا پسندی ہی ہے۔

اسلامی انتہا پسندی کی دو اقسام ہیں:

ا۔ اسلامی داخلی مذہبی انتہا پسندی:

مسلمان داخلی طور پر مختلف مکاتب فکر کے حوالے سے تفرقہ بازی کا شکار ہیں۔ آج سے کچھ عرصہ قبل تک ان فرقوں کے انتہا پسند بازو ایک دوسرے کے مذہبی و سیاسی راہنماؤں اور عبادت گاہوں تک پر حملہ آور ہوتے تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ اب یہ حقیقت طشت از بام ہو چکی ہے کہ ان کارروائیوں میں علماء دین قطعاً بھی ملوث نہیں رہے۔ مذہبی طبقے کی محرومیوں سے فائدہ اٹھا کر دشمنوں نے ہر دو اطراف کے حساس جذبات رکھنے والے عناصر کو لالچ، خوف اور دباؤ کے تحت ایسا کرنے پر مجبور کیا، لیکن بہت دیر سے سہی جب علمائے دین کے مقتدر طبقے نے اس حقیقت کو جان لیا تو اتحاد و یگانگت کی پہلے والی فضا ایک بار پھر لوٹتی ہوئی نظر آئی اور اختلافات اپنی صحیح مقام یعنی مسند علم تک آن پہنچے جہاں انکی موجودگی باعث رحمت ہے۔ اس طرح داخلی اسلامی مذہبی انتہا پسندی اپنے انجام کو پہنچی۔

ب۔ اسلامی خارجی مذہبی انتہا پسندی:

''اکتوبر ۲۰۰۰ کے بعد سے تقریباً روزانہ فلسطینی دہشت گرد گروپس حماس اور اسلامی جہاد نہتے اسرائیلی بچوں اور خواتین کا قتل کرتے ہیں، یہاں چند اس نوعیت کے بڑے حملوں کا ذکر کیا جاتا ہے''۔[۱۵]

یہودیوں کے خلاف مذہبی انتہا پسندی:

ا۔ ۲۹ جنوری ۲۰۰۴ء یروشلم پوسٹ کے مطابق ایک فلسطینی نے دس اسرائیلی ہلاک اور پچاس کو زخمی کر دیا۔

۲۔ ۱۵ جنوری ۲۰۰۴ء یروشلم پوسٹ کے مطابق دو بچوں کی فلسطینی ماں نے ۴ اسرائیلیوں کو قتل کر دیا۔

۳۔ ۱۵ نومبر ۲۰۰۳ء یروشلم پوسٹ کے مطابق ایک نوجوان نے اپنے آپ سے بم باندھ کر بیس اسرائیلیوں کو ہلاک کر دیا اور سینکڑوں زخمی ہو گئے۔

۴۔ ۱۵ نومبر ۲۰۰۳ء ترکی میں یہودیوں کی بستی میں طاقتور بم دھماکہ، ۲۳ افراد ہلاک اور ۳۰۰ سے زائد زخمی۔[۱۶]

امریکہ اور یورپ کے خلاف مذہبی انتہا پسندی:[۱۷]

ا۔ ۱۹ اگست ۲۰۰۳ ٹرک میں رکھا بارود پھٹنے سے بغداد میں اقوام متحدہ کے ہیڈ کوارٹر میں ۲۴ افراد ہلاک ہو گئے، ان میں اقوام متحدہ کا خصوصی نمائندہ بھی شامل تھا۔

۲۔ ۲۹ اگست ۲۰۰۳ء نجف میں بم دھماکے میں ۱۲۵ افراد ہلاک ہو گئے اور دو سو سے زائد زخمی۔

۳۔ ۲۷ اکتوبر ۲۰۰۳ء بغداد میں مسلسل بم دھماکوں میں ۴۳ افراد قتل اور ۲۱۶ سے زائد زخمی ہوئے۔

۴۔ ۱۵ نومبر ۲۰۰۳ استمبول میں برطانوی بنک کے سامنے کار بم دھماکہ، ۲۷ ہلاک اور ۴۵۰ زخمی۔

۵۔ ۱۲ نومبر ۲۰۰۳ء عراق میں اٹلی کی افواج پر حملہ ۱۸ ہلاک۔

ان کے علاوہ افغانستان، سعودی عرب، وطن عزیز پاکستان اور دنیا کے تقریباً ان تمام خطوں میں جہاں جہاں غیر ملکی افواج یا غیر ملکی ایجنسیاں اپنا ڈیرہ ڈالے بیٹھی ہیں انکے خلاف نفرت کا اظہار کیا جا رہا ہے۔

مذہبی انتہا پسندی کا خاتمہ تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی

ا۔ مذہبی معاشرہ:

مذہبی انتہا پسندی کے تدارک کے لئے محسن انسانیت ﷺ کا اولین اقدام معاشرے کو مذہبی بنیادوں پر استوار کرنا تھا۔ مذہبی معاشرے سے مراد ایسا معاشرہ جو وطن، رنگ، نسل یا زبان سمیت کسی بھی اس طرح کے جذبے کی بجائے خالصتاً مذہب کے جذبے سے وجود میں آیا ہو۔ جہاں افراد کا باہمی رشتہ محض مذہب کی بنیاد پر قائم ہو۔ اسی معاشرتی جذبے کو قرآن نے کہا کہ انما المومنون اخوۃ[۱۸] بے شک مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ یہی مذہبی اخوت ہی اس معاشرے کے افراد کا باہمی رشتہ تھا۔

محسن انسانیت ﷺ نے نبوت کا دعویٰ کیا، ایک الگ مذہب کی طرف انسانیت کو دعوت دی اور وحی کی تعلیمات پر قانون سازی کرتے ہوئے خالصتاً مذہبی معاشرہ تشکیل دیا۔ اسی بارے میں قرآن نے کہا کہ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ[۱۹]: یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوۃ دیں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے۔ مذہبی معاشرے کے قیام سے مذہبی انتہا پسندی کے اختتام کے لئے درج ذیل صورتیں مہیا ہوئیں:

ا۔ مذہب ریاست کا معاملہ قرار پایا:

سیرت النبی ﷺ میں مذہبی معاشرے کی تشکیل سے ریاست اور حکومت براہ راست مذہب میں دخیل ہوئی جس سے مذہب کو طاقت میسر آئی، اس طاقت کو محسن انسانیت ﷺ نے فرعونیت اور آمریت کی بجائے تقویٰ اور انسان دوستی کا درس دیا جس سے مذہبی انتہا پسندی پہلے قدم پر ہی دم توڑ گئی۔ اس مذہبی معاشرے میں ایک مذہب، دین اسلام کو برتری حاصل تھی اور باقی ادیان اس کے تابع تھے اس لئے کہ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ[۲۰] وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اسے پوری جنس دین پر غالب کر دے خواہ مشرکوں کو یہ کتنا ہی ناگوار کیوں نہ ہو۔

ب۔ مذہب اجتماعیت کا معاملہ قرار پایا:

معاشرے کو مذہبی بنیادیں فراہم کرنے سے مذہب کو اجتماعیت میسر ہوئی، اجتماعیت کی برکات سے آج کی دنیا بھی جمہوریت کے نام سے خوب واقف ہے۔ محسن انسانیت ﷺ نے مذہبی معاشرے کو نماز، روزہ، حج اور جہاد کے میدان سمیت جملہ معاملات میں اجتماعیت کا درس دیا، جیسے وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ[۲۱] اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔ اس درس اجتماعیت کی بدولت معاشرے میں مذہبی تشدد ختم ہوا۔

ج۔ مذہب میں مشاورت:

اس اجتماعیت کے راستے مشاورت اور شورائیت نے مذہب میں جگہ پائی کیونکہ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ[۲۲] اور انکو شریک مشورہ رکھو، تو دیگر مذاہب اور انکے پیروکاروں کے ساتھ کیا جانے والا معاملہ بھی بحث و مباحثہ کا موضوع بنا اور جب کسی موضوع پر عمدہ بحث کا اجتماعی راستہ کھل جائے کیونکہ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ[۲۳] اور لوگوں سے مباحثہ کروایسے طریقے سے جو عمدہ ہو، تو انتہا پسندی دم توڑ دیتی ہے۔

د۔ مذہب میں معاشرے کے سب طبقات کی نمائندگی ہوئی:

معاشرے کو مذہبی بنیادوں پر استوار کرنے سے مذہب میں گویا معاشرے کے سب طبقات کا دخول یقینی ہوگیا جبکہ مذہبی انتہا پسندی عموماً اس وقت جنم لیتی ہے جب فرد واحد یا ایک مخصوص طبقہ مذہب کا ٹھیکیدار بن جائے، محسن انسانیت ﷺ نے مذہبی معاشرہ بنا کر مذہب کو کسی خاص طبقے کی اجارہ داری سے نجات دلائی چنانچہ آزاد، غلام، امیر غریب، پڑھے لکھے، ان پڑھ اور حاکم اور محکوم حتیٰ کہ مذہبی اور غیر مذہبی سب ہی مذہب میں کھنچے چلے آئے کیونکہ یٰاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ[۲۴] اے (سب) لوگو اپنے رب کی عبادت کرو، اور جب سبھی طبقات کسی معاملے میں ایک ہو جائیں تو انتہا پسندی کس پر ہوگی؟

ہ۔ مذہبی قوانین سب پر بلا امتیاز لاگو ہوئے:

مذہب کو انفرادی معاملہ قرار دینے سے مذہبی قوانین صرف ان لوگوں پر لاگو ہونگے جو خود سے اپنے اوپر انہیں لاگو کریں گے، اس سے معاشرے میں عدم توازن پیدا ہوگا اور مذہبی اور غیر مذہبی طبقاتی تقسیم جنم لے گی، اس تقسیم سے مذہبی طبقہ غیر مذہبی طبقے کو اپنے کم تر گردانے گا جس سے یہ طبقاتی تقسیم بالآخر مذہبی تشدد کو معاشرے میں در لائے گی۔ اس کے مقابلے میں محسن انسانیت کے مذہبی معاشرے میں یہ قوانین سب پر لاگو ہوئے اور معاشرتی مساوات، معاشی مساوات، قانونی مساوات اور سماجی مساوات کے ساتھ ساتھ مذہبی مساوات نے بھی جنم لیا اسی لئے فرائض و نواہی میں معاشرے کے سب طبقات کو محسن انسانیت ﷺ نے برابر کھڑا کر دیا، ابتداء میں روزہ کی بجائے فدیہ دینے کی اجازت تھی کیونکہ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ[۲۵] اور جو روزہ رکھنے کی قدرت رکھتے ہوں (پھر نہ رکھیں) تو وہ فدیہ دے دیں، لیکن بعد میں یہ اجازت بھی

منسوخ ہوگئی چنانچہ یہ مذہبی مساوات تھی جو مذہبی عدم تشدد کی ضامن ہوئی۔

۲۔ کثیر المذہبی معاشرہ:

مذہبی انتہا پسندی کی روک تھام کے لئے دوسرا اہم قدم جو سیرت النبی ﷺ کے مطالعے سے سامنے آتا ہے وہ کثیر المذہبی معاشرے کا قیام ہے۔ آپ ﷺ کے بنائے ہوئے معاشرے میں ہر مذہب کا فرد سما سکتا تھا اور اسے اس کے تمام تر مذہبی حقوق بدرجہ اتم حاصل تھے۔ اس وقت عرب میں دو بڑے بڑے مذاہب کے پیروکار موجود تھے، یہود اور مشرکین۔ آپ ﷺ نے یہود سے میثاق مدینہ کا معاہدہ کیا اور اس معاہدے کی رو سے یہودیوں کو اس نبوی معاشرے کا جز مانا گیا[۲۶]۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر آپ ﷺ نے قریش مکہ کی اس شرط کو تسلیم کرلیا کہ اگر ان کا کوئی فرد مدینہ آئے گا تو اسے لوٹا دیا جائے گا[۲۷]۔ گویا کفار مکہ کو بھی اس معاشرے میں آنے کی اجازت مل گئی۔

کوئی بھی معاشرہ اپنے اندرونی دشمنوں کو ایک پل برداشت نہیں کرتا لیکن یہ نبوی معاشرے کی وسعت دامانی تھی کہ منافقین کا ایک گروہ وہاں نہ صرف یہ کہ موجود تھا بلکہ اپنی بد باطنیوں سمیت اسے برداشت کیا جاتا تھا، کئی مواقع پر جب مخلص مسلمانوں کا پیمانہ صبر لبریز ہوا تب بھی ظرف نبوی ﷺ نے انہیں کچھ بھی کہنے سے منع فرما دیا۔ عبداللہ بن ابی جو رئیس المنافقین تھا، اسکی بعض شرارتوں پر اسکے بیٹے تک نے آپ ﷺ سے اجازت چاہی کہ وہ اپنے باپ کو خود قتل کردے لیکن محسن انسانیت ﷺ نے اجازت دینے سے انکار کر دیا[۲۸]۔ اس طرح عملاً ایک ایسا معاشرہ وجود میں آیا جس میں ہر مذہب کے ماننے والے لوگ موجود تھے۔ اس طرح محسن انسانیت، انسانیت کو درس دے رہے تھے مذہبی انتہا پسندی کے انسداد کا ایک ذریعہ کثیر المذہبی معاشرے کا قیام بھی ہے۔

۳۔ مذہبی برداشت (عدم حرج):

مذہبی انتہا پسندی کو روکنے کے لئے آپ ﷺ نے مذہبی برداشت کا درس دیا۔ آپ ﷺ توحید کے سب سے بڑے داعی ہیں اور آپ ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب توحید کی سب سے بڑی کتاب ہے جس نے یہ سبق دیا کہ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ اور (اے مسلمانو) یہ اللہ کے سوا جنہیں پکارتے ہیں انہیں گالیاں نہ دو، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ شرک سے آگے بڑھ کر جہالت کی بنا پر اللہ کو گالیاں دینے لگیں۔[۲۹] قرآن ہی دین اسلام کی طرف بلانے والی سب سے بڑی کتاب ہے لیکن دوسرے مذاہب کی رعایت میں یہ آیت قابل غور ہے کہ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ[۳۰] یہ حق ہے تمہارے رب کی طرف سے اب جس کا جی چاہے مان لے اور جس کا جی چاہے انکار کر دے اور جو لوگ رب کا حکم مان لیں اور ایمان لے آئیں ان کو مذہبی انتہا پسندی سے روکنے کے لئے فرمایا وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ[۳۱] اور اس نے دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی، اور لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ[۳۲] دین کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں۔ نبوی ﷺ معاشرے سے بڑھ کر ان آیات ربانی کا عمل نفاذ اور کہاں دیکھا جاسکتا ہے؟ اور جس معاشرے

میں مذہبی برداشت اس حد تک موجود ہو وہاں مذہبی انتہا پسندی کیسے رواج پا سکتی ہے؟

۴۔ مذہبی توازن:

آپ ﷺ کی تعلیمات جہاں معاشی توازن، معاشرتی توازن، سیاسی توازن اور سماجی توازن کا درس دیتی ہیں وہاں مذہب کو بھی توازن کا درس دیتی نظر آتی ہیں چنانچہ حقوق اللہ، حقوق العباد اور حقوق النفس میں توازن ہی اسلام قرار پایا۔ ایک بار تین افراد مدینہ طیبہ آئے اور انہوں نے آپ ﷺ کے معمولات کے بارے میں دریافت کیا، جواب سن کر انہوں نے عدم اطمینان کا اظہار کیا اور ایک نے کہا میں روزانہ روزہ رکھوں گا۔ دوسرے نے کہا کہ میں اپنی بیویوں کے پاس نہیں جاؤں گا اور تیسرے نے کہا کہ اب سے رات کو صرف عبادت ہی کرتا رہوں گا۔ وہ چلے گئے۔ جب ان تینوں افراد کے بیانات آپ ﷺ کے علم میں لائے گئے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا خوف رکھنے والا ہوں، میں روزہ رکھتا بھی ہوں اور نہیں بھی رکھتا، بیویوں کے پاس بھی جاتا ہوں اور راتوں کو آرام بھی کرتا ہوں اور عبادت بھی۔ [۳۳] توازن کا درس دینے والے نبی کا معاشرہ مذہبی انتہا پسندی سے پاک ہی رہا۔

۵۔ کثیر المذہبی رواداری:

قرآن مجید نے واضح طور پر فرمایا کہ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْ وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَ النَّصٰرٰی وَالصّٰبِئِیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَرَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ [۳۴] بے شک ایمان والے ہوں، یہودی، عیسائی یا صابی ہوں جو بھی اللہ اور یوم آخر پر ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے اور اسکے لئے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں۔ یہ کثیر المذہبی رواداری ہی تھی کہ قرآن مجید نے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ قُلْ یٰٓاَهْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِکَ بِهٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ط [۳۵] اے نبی ﷺ کہیئے اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے، یہ کہ ہم اللہ کے سا کسی کی بندگی نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنالے۔ جس موقع پر آپ ﷺ پڑوسی کے حقوق سے امت کو آگاہ فرما رہے تھے تو ایک مسلمان نے سوال کیا کہ کیا غیر مسلم پڑوسی کے بھی اتنے ہی حقوق ہیں جواب نبوی ﷺ ہاں میں تھا۔ [۳۶]

۳۔ حرف آخر

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ص وَاذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ج وَکُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَکُمْ مِّنْهَا ط کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَکُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّکُمْ تَهْتَدُوْنَ O [۳۷]

سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔ اللہ کے اس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے، تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اس نے تمہارے دل جوڑ دیئے اور اس کے فضل و کرم سے تم بھائی بھائی بن گئے۔ تم آگ سے بھرے ہوئے ایک گڑھے کے کنارے کھڑے تھے، اللہ نے تم کو اس سے بچا

لیا۔ اس طرح اللہ اپنی نشانیاں تمہارے سامنے روشن کرتا ہے شاید کہ ان علامتوں سے تمہیں اپنی فلاح کا سیدھا راستہ نظر آ جائے۔

حقیقت یہ ہے یورپی تہذیب نے ایک بار پھر انسانیت کو چھٹی صدی کی دہلیز پر لا کھڑا کیا ہے، آج قبیلہ بنی نوع انسان کی حالت زار اس تاریک ترین صدی سے کچھ مختلف نہیں، انفرادی غلامی کو ختم کر کے قوموں کو غلام بنانے کا قبیح تر عمل جاری ہے، تعلیمی اداروں میں علم کے نام پر جہالت کی تعلیم دی جاتی ہے جس کے نتیجے میں انسان کو خود آگاہی اور خدا آگاہی کی بجائے خود فراموشی اور خدا فراموشی کا درس ملتا ہے، بظاہر عالمی گاؤں (Global Village) بننے والا کرہ ارض دراصل سود کی بیڑیوں اور شکنجوں میں جکڑا ہوا مہاجن کا ڈیرہ بن گیا ہے، بین الاقوامی ادارے انسانیت کے نام پر تعصب، علاج کے نام پر نسل کشی، جمہوریت کے نام پر سامراجی تسلط، اظہار رائے کی آزادی کے نام پر بلیک میلنگ اور مذاکرات کے نام پر ظالم کو مزید مہلت دینے کا عمل پوری قوت سے جاری رکھے ہوئے ہیں۔

ایک طویل عرصہ سے جاری اس تماشے کے بعد اب جبکہ دنیا کے عوام اس کی حقیقت کو جاننے کے قابل ہوئے تو ماضی قریب سے مذہب کے نام پر انتہا پسندی کا ایک نیا کھیل شروع کر دیا گیا۔ اس انتہا پسندی کو ''دہشت گردی'' کا نام بخشا گیا اور اقوام متحدہ میں چھ دن کی مسلسل اور طویل میٹنگ کے باوجود بھی اس ''دہشت گردی'' کی تعریف نہ کی جا سکی کیونکہ اس میٹنگ میں موجود بڑی طاقتیں ہر قائم کی جانے والی تعریف کی زد میں خود کو آتا محسوس کرتی تھیں۔

آج اکیسویں صدی کی دہلیز پر دنیا جان چکی ہے کہ مذہب بہر حال ہر انسان کی ذاتی اور ہر انسانی معاشرے کی اجتماعی ضرورت ہے۔ اب اہل مذہب کی ذمہ داری ہے کہ اپنے اندر اتحاد و یگانگت پروان چڑھا کر اپنے طرف اٹڈنے والے اس طوفان کا مقابلہ کریں۔ اس کے لئے ضروری ہے باہمی انتہا پسندی کو ترک کیا جائے، ایک دوسرے کو برداشت کرنے کا مادہ پیدا کیا جائے، فریق ثانی کی کمزوریوں کی ردہ پوشی کی جائے، اختلافات کو عوام الناس تک لانے سے احتراز کیا جائے اور مختلف الامور کی بنیاد پر فاصلے پیدا کرنے کی بجائے متفق الامور کو باہمی ربط و ملاقات کا بہانہ بنایا جائے اور ان عظیم تر مقاصد کے لئے سیرت النبی ﷺ اور اسکے بعد خلافت راشدہ سے بڑھ کر اور کوئی نمونہ نہیں ہوسکتا۔

حواشی وحوالہ جات:

1/ Hans Wehr, *A Dictionary of Written Arabic* Labnan ,1980 ,299.

۲۔ ابن منظور، لسان العرب، ص ۳/۲۱۴ دار الاحیا التراث العربی، بیروت

3. www.researchpubs.com 19-1-2004

۴۔ یوناہ الیگزنڈر (مترجم: کرنل غلام سرور) مذہب کی آڑ میں دہشت گردی، سہ ماہی مغرب اور اسلام، اکتوبر دسمبر ۲۰۰۲ء ص ۴۳، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد۔

۵۔ ہندوستان کے بارے میں جملہ تفصیلات درج ذیل اداروں کی رپورٹوں سے مرتب کی گئی ہیں، حوالے کے لئے انٹرنیٹ کی ویب سائٹ کا پتہ اور تاریخ دی گئی ہے۔

a. Amnesty International
b. Human Rights Watch - Asia
c. The International Red Cross,

d. The British Paliamentary Human Rights Group
e. U N, Human Rights Rapporteurs
f. Human Rights and Lawyers orgnizations Inside india
g. India`& National Human Rights Commission
6. www.dial.pipex.co 21-1-2004
7. www.dial.pipex.co 21-1-2004
8. www.hrw.org.com 21-1-2004 (Wabsite of Human Right watch)

۹۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، یہودیت قرآن کی روشنی میں، ادارہ ترجمان القرآن لاہور۲۰۰۰ء ص ۲۹۰، ۲۸۹۔

۱۰۔ ایضاً

۱۱۔ ایضاً ص ۲۹۲

۱۲۔ ایضاً ص ۳۰۰، ۲۹۹

۱۳۔ ماہنامہ غازی، کراچی، اپریل ۲۰۰۳ء ص ۱۶

۱۴۔ ایضاً ص ۱۷

15. www.Facst of israel.com 9-2-2004
16. Monthly *Herald*, January 2004, p83.
17. Ibid

۱۸۔ سورۃ الحجرات، آیت ۱۰

۱۹۔ سورۃ الحج، آیت ۴۱

۲۰۔ سورۃ توبہ، آیت ۳۳

۲۱۔ سورۃ بقرہ آیت ۴۳

۲۲۔ سورۃ آل عمران، آیت ۱۵۹

۲۳۔ سورۃ نحل، آیت ۱۲۵

۲۴۔ سورۃ بقرہ، آیت ۲۱

۲۵۔ سورۃ بقرۃ، آیت ۱۸۴

۲۶۔ عبدالسلام ھارون، تھذیب سیرت ابن ھشام ص ۱۲۴ دارالبحوث العلمیہ کویت ۱۹۷۷

۲۷۔ ایضاً ص ۲۲۷

۲۸۔ طبری، ابن جریر، تاریخ طبری تاریخ الامم والملوک، ص ۲/۱۱۰ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۹۹۷

۲۹۔ سورۃ الانعام، آیت ۱۰۸

۳۰۔ سورۃ کھف، آیت ۲۹

۳۱۔ سورۃ حج، آیت ۷۸

۳۲۔ سورۃ بقرہ، آیت ۲۵۶

۳۳۔ باب ترغیب فی النکاح، کتاب النکاح، صحیحین

۳۴۔ سورۃ البقرۃ آیت ۶۲

۳۷۔ سورۃ آل عمران، آیت ۱۰۳

دور حاضر میں مذہبی انتہاء پسندی کا رجحان اور اس کا خاتمہ تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

پروفیسر ایم نذیر احمد تشنہ، آزاد کشمیر

حرف اول:

انسان جسم اور روح کا مجموعہ ہے۔ روح انسانی کا اعتراف ہر مذہب میں موجود ہے۔ روح لطیف ہونے کی وجہ سے مذہب کا موضوع اور جسم مادی ہونے کی وجہ سے سائنس دانوں کی توجہ کا مرکز ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ انسان کائنات میں سب سے بڑی حقیقت ہے اور حقیقت اصلیہ [۱] کا سب سے بڑا شاہکار ہے۔

انسان کائنات میں سب سے بڑی حقیقت ہونے کی وجہ سے حقیقت اصلیہ کا سب سے بڑا محرم راز بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے رازوں میں شامل کرنے کے لئے وحی، الہام، وجدان، مشاہدے اور تجربے کی صلاحیتیں بھی اس پیکر آب وگل کو ودیعت کر دی ہیں۔ یہی ذرائع علم انسان کے علم و عرفان کے سرچشمے ہیں۔ امام غزالیؒ کے فلسفے کے مطابق انسان کو اللہ نے ایک ساتویں حس عطا کی ہے جسے وحی کی حس کہا جاتا ہے مگر یہ حس اللہ تعالیٰ نے اپنے مخصوص برگزیدہ ہستیوں کو عطا کی ہے جن کو پیغمبر کہتے ہیں۔ چھٹی حس کے بندے الہام سے وجدان تک کے لوازمہ علم سے سرفراز کئے گئے ہیں، جبکہ پانچ حسیں خاص و عام کے لئے عام کر دی ہیں اور ان دروازوں کے ذریعے ان پر علم کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ عقل بھی رازداں ہونے کی دعویدار ہے۔ بقول امام غزالیؒ ''فکر و خیال انسان کو حقیقت سے قریب تر کر سکتے ہیں مگر ہم آغوش نہیں کر سکتے''۔ [۲]

حقیقت سے ہم آغوش ہونے کیلئے سب سے دائمی، ابدی، قطعی حتمی اور مستند ذریعہ وحی کا ہے۔ ابدیت اور دوامیت پر یقین رکھنے والے وحی کو ہی حقیقت سے ہم آغوش ہونے کا سرچشمہ خیال کرتے ہیں اور وجودیات کو ایمانیات کے ذریعے قبول کرتے ہیں۔ اس کے برعکس عقلی اور حسی علوم کے ذریعے مابعد الطبیعات (METEPHYSICS) تک رسائل حاصل کرنے والے غور وفکر، مشاہدے اور تجربے کو بروئے کار لاتے ہیں۔ اس طرح اکثر وحی کی تعلیمات سے تعلق توڑ کر فلسفہ، منطق، قیاس، گمان اور تجربے کے ما حاصل کو اپنے عقیدے کی بنیاد بنا لیتے ہیں۔ ''سائنس دان مابعد الطبیعیات کے حدود میں قدم رکھتے ہی وہ بھی علمی طریقے کو چھوڑ کر قیاس گمان، اندازے، تخمینے اور فرضیے کے پیچھے چل پڑتے ہیں پھر ان سب گروہوں کے اوہام اور گمانوں کو کسی نہ کسی تعصب کا روگ بھی لگ جاتا ہے اور وہ ایک الگ فرقہ بن جاتا ہے''۔ [۳]

یہ فرقہ جب تک افراط وتفریط سے دامن بچا کر دو ساحلوں کے اندر حد اعتدال میں میانہ روی سے رواں رہتا ہے تو بے ضرر ہوتا ہے اور جب یہ راہ اعتدال سے تجاوز کر لیتا ہے تو طغیانی اور طوفانی صورتحال اختیار کر لیتا ہے۔ اس وقت کی صورتحال انتہائی

کشیدہ اور خطرناک ہوتی ہے"جب مذاہب یا فرقے افراط وتفریط کا شکار ہو جاتے ہیں تو انتہاء کی یہ صورت حال مذہبی انتہاء پسندی کہلاتی ہے۔ انتہاء پسندی کی سب سے بڑی خطرناک صورتحال وہ ہے جو ایک ہی ملک میں مختلف مذہبی گروہوں اور فرقوں میں ہوتی ہے"۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے ماضل قوم بعد هدی کانوا علیه الا اوتوا الجدل[۴] جو قوم ہدایت سے ہٹ کر گمراہ ہو جاتی ہے، اسے جھگڑا دے دیا جاتا ہے۔ یہی مذہبی انتہاء پسندی اور اس کو تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں حد اعتدال میں لانے کی علمی سعی ہمارے مقالے کا موضوع ہے۔

مذہبی انتہاء پسندی:

مذہبی انتہاء پسندی سے مراد کسی دوسرے مذہب یا فرقے کے بارے میں غلط اطلاعات فراہم کرنا، کسی مذہب کے بارے میں نفرت پھیلانا، کسی مذہب کے عقائد و نظریات کا مذاق اڑانا، کسی مذہبی قائد کے بارے میں نازیبا کلمات تحریر یا تقریر کرنا، کسی مذہب کا قافیہ تنگ کرنا تاکہ وہ اسے ترک کرنے پر مجبور ہو جائے دوسرے فرقے کے عقائد و نظریات کو کمتر اور حقیر ثابت کرنا تاکہ وہ اپنے فرقے کو تبدیل کرنے پر رضامند ہو جائے۔ دوسرے گروہ کے رہنماؤں کو تہ تیغ کرنا یا ان کے پیروکاروں کو موت کے گھاٹ اتارنا، بھونڈے طریقے سے اپنے فرقے کی تبلیغ کرنا اور دوسرے فرقے کو ناجائز طریقے سے نیچا دکھانا وغیرہ مذہبی انتہاء پسندی کو فروغ دینے کے اسباب و محرکات ثابت ہوتے ہیں۔

مذہبی انتہاء پسندی اور مذہبی عدم رواداری کو چار حوالوں سے تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ مذاہب کے مابین تصادم

۲۔ مذاہب کے اندر عدم رواداری

۳۔ مذہب اور سیکولرازم میں نزاع

۴۔ مذہب اور کمیونزم میں جارحیت

۱۔ مذاہب کے مابین تصادم:

ایک مذہب حملہ آور ہوتا ہے اور دوسرا مذہب اس کا ہدف بنتا ہے اس کی اولین مثال یہودیت کا عیسائیت پر حملہ ہے۔ یہودیت حضرت یعقوب علیہ السلام کے چوتھے بیٹے یہوداہ سے منسوب ہے۔ ان سے قبل و بعد کے تمام انبیاء جس دین کے ساتھ مبعوث فرمائے گئے، وہ اسلام ہی تھا۔ یہودیت کا ڈھانچا چوتھی صدی قبل مسیح سے بننا شروع ہوا اور پانچویں صدی عیسوی تک بنتا رہا۔[۵] دین حق سے جدا ہونے والا سب سے پہلا مذہب یہودیت تھا۔ یہودیوں نے توریت میں تحویلات، تصرفات اور تحریفات کے ذریعے شریعت موسوی کو من پسند مذہب میں تبدیل کر دیا اس کے بعد یہودی غیر یہودیوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لئے کمر بستہ ہوگئے۔ ان کا کہنا تھا کہ ہم چوں کہ خدا کے طرف دار ہیں اور ہمارا فریق مقابل خدا کا باغی ہے۔ اس لئے ہمیں حق پہنچتا ہے کہ اسے جس طریقے سے بھی ممکن ہو زک پہنچائیں ہم پر کوئی پابندی نہیں ہے کہ خدا کے باغیوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں

صداقت، امانت اور وفائے عہد کا لحاظ رکھیں۔ ربی اشماعیل کہتا ہے کہ اگر امی اور اسرائیل کا مقدمہ قاضی کے پاس آئے تو قاضی اگر اسرائیلی قانون کے مطابق اپنے مذہبی بھائی کو جتوا سکتا ہے تو اس کے مطابق جتوائے اور کہے کہ یہ ہمارا قانون ہے اور اگر امیوں کے قانون کے تحت جتوا سکتا ہے تو اس کے تحت جتوائے اور کہے کہ یہ تمہارا قانون ہے اور اگر دونوں قانون ساتھ نہ دیتے ہوں تو پھر حیلے سے بھی وہ اسرائیلی کو کامیاب کرے۔[6] یہودی علماء نے موسیٰ علیہ السلام سے منسوب کر کے اپنے سپہ سالاروں اور سرداروں کو حکم دیا کہ اسیران جنگ میں سے مردوں، بچوں اور عورتوں کو جو مرد کا منہ دیکھ چکی ہیں قتل کر دو لیکن ان لڑکیوں کو جو مرد سے واقف نہیں اپنے لئے زندہ رکھو۔[7] یہودی موقع محل کے مطابق ایسے احکامات پیغمبروں کے حوالے سے وضع کر لیتے جو ان کے لئے فائدہ مند ہوتے حالاں کہ بنی اسرائیل کے لئے رب العزت کا حکم تھا۔ انہ من قتل نفسا بغیر نفس اوفساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا[8] ہم نے بنی اسرائیل کو حکم دیا جو کوئی مار ڈالے بغیر کسی جان کے بدلے کے یا زمین پر فساد پھیلانے کے بغیر گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر ڈالا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی طرف اللہ کے آخری نبی تھے۔ ان کی بعثت پر یہودیوں نے ان کو نبی ماننے سے انکار کر دیا اور ان کو مصلوب کر کے ان سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کی۔ حالانکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے نبی اور شریعت موسوی کے پابند تھے، عقائد، احکام اور عبادات میں اپنے آپ کو دوسرے بنی اسرائیل سے قطعاً الگ نہ سمجھتے تھے۔ عیسائیوں کا یہودیوں سے اختلاف صرف اس امر میں تھا کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح تسلیم کر کے ان پر ایمان لائے تھے اور یہودی ان کو مسیح ماننے سے انکار کرتے تھے۔ ''پونٹس پیلاطس نے عید کے دن ایک سزائے موت کے مستحق مجرم کو رہا کرنے کا اعلان کیا تو یہودیوں کی پوری قوم کے مذہبی پیشواؤں نے مسیح علیہ السلام کو سزائے موت دینے اور برابا ڈاکو کو رہا کرنے کا مطالبہ کیا''۔[9] بعد ازاں یہ فاصلے اور دوریاں اتنی بڑھ گئیں کہ یہودیوں نے عیسائیت کا ناطقہ پوری طرح بند کر دیا اور ان کا جینا دوبھر کر دیا۔

سینٹ پال نے رومیوں، یونانیوں، غیر یہودیوں اور غیر اسرائیلیوں میں بھی مذہب کی تبلیغ و اشاعت شروع کر دی اور اس غرض کے لئے ایک نیا دین بنا ڈالا جس کے عقائد، اصول اور احکام اس دین سے مختلف تھے جسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیش کیا تھا جلد ہی عیسائیت یہودیت کے مقابلے میں ایک بڑا مذہب بن گیا۔ ۷۰ء میں رومی سپاہ سالار ٹیٹس نے یروشلم پر حملہ کیا۔ اس موقع پر قتل عام میں ایک لاکھ ۳۳ ہزار آدمی مارے گئے، ۶۷ ہزار آدمی گرفتار ہو کر غلام بنائے گئے ان غلاموں کو مصری کانوں میں کان کنی، کلوسیموں میں جانوروں سے پھڑوانے یا شمشیر زنوں کے کھیل کا تختہ مشق بننے کے لئے استعمال کیا گیا تمام دراز قد اور حسین لڑکیاں فاتحین کے لئے چن لی گئیں اور یروشلم شہر کی اینٹ سے اینٹ اور ہیکل کو مسمار کر کے پیوند خاک کر دیا گیا۔ فلسطین سے یہودی اثر و اقتدار ایسا مٹا کہ دو ہزار برس تک اس کو سر اٹھانے کا موقع نہ ملا۔ ۶۱۰ء میں شہنشاہ فوقاس (PHOCAS) نے یہودیوں کی سرکوبی کے مشن پر انطاکیہ میں اس دور کے معروف فوجی افسر بنوسوس (BONOSUS) کو بھیجا جس نے ہزاروں تلوار سے کاٹ کر، دریا میں غرق کر کے، آگ میں جلا کر اور درندوں کے سامنے ڈال کر پوری یہودی آبادی کا خاتمہ کر دیا۔[10]

ظہور اسلام کے بعد یہودیوں اور عیسائیوں کی مخالفت کا یکساں ہدف اسلام بن گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد

میں مدینہ سے خیبر تک یہودیوں نے ریشہ دوانیوں کے جال پھیلائے اور بالاخر فتح خیبر ۷ھ میں ذمی کی حیثیت سے اسلام کی بالادستی تسلیم کر لی اور عہد فاروقیؓ میں کسریٰ کو نیچا دکھا کر ۶۳۹ء میں قیصر روم سے فلسطین، شام اور مصر کے ملک چھین کر براعظم یورپ میں دھکیل دیا۔''عباسی خلیفہ ہارون الرشید نے حرثمہ کو مامور کیا جس نے ۱۹۲ھ تک رومیوں کی سیاسی اور عسکری قوت کا پوری طرح خاتمہ کر دیا حتیٰ کہ پھر انہیں کبھی اسلامی علاقوں کی طرف نظر اٹھانے کی ہمت نہ پڑی''۔[۱۱]

گیارہویں صدی عیسوی کے ربع آخر میں عیسائی یورپ اور مسلم ایشیاء کے درمیان محاذ آرائی کا ایسا سلسلہ شروع ہوا جو صلیبی جنگوں کے نام سے دو سو سال تک جاری رہا شاہان یورپ کی نظروں میں پوپ کا رتبہ کم ہو گیا۔ اس وقت اربن ثانی عیسائیوں کا پوپ تھا۔ اربن نے اپنی گرتی ہوئی ساکھ کو بچانے کے لئے مسلمانوں کے خلاف مذہبی جہاد کا اعلان کر دیا''۔ اس نے مسیحیوں کو یہ مژدہ سنایا کہ اگر وہ اس مقدس جنگ میں شامل ہوں گے تو ان کے تمام گناہ دھل جائیں گے، مر گئے تو جنت میں داخل ہوں گے اور اگر زندہ رہے تو مشرقی ممالک کی دولت حسن اور وسائل ان کے قبضہ واختیار میں ہوں گے۔ چنانچہ مجرم اور گنہگار اپنے جرموں کا کفارہ ادا کرنے کے لئے اور گناہوں سے سبکدوش ہونے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے صلیبی جنگوں (CRUSADE WAR) کا سلسلہ ۱۰۹۷ء سے شروع ہو کر ۱۳۲۰ء تک جاری رہا اس میں فریقین کے لاکھوں آدمی لقمہ اجل بنے''۔[۱۲]

انگریز ۱۶۰۰ء میں تاجر بن کر ہندوستان آیا اور ۱۸۵۷ء میں پورے ہندوستان پر ہاتھ صاف کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس کی مذہبی انتہاء پسندی کا پادری ایڈمنڈ کا گشتی مراسلہ منہ بولتا ثبوت ہے''گورنر جنرل کی قیام گاہ سے ایک مراسلہ کمپنی کے تمام ملازمین کے نام جاری کیا جس میں کہا گیا کہ ہندوستان میں عیسائیت ہی امن برقرار رکھ سکتی ہے''۔

ہندوستان میں ہندومت کے پیرو ہندو تعصب، تنگ نظری اور انتہاء پسندی میں اپنا جواب آپ ہیں''سوامی دیانند کے مطابق دھرم کے مخالفوں کو زندہ آگ میں جلا دو، دشمن کے کھیتوں کو اجاڑ دو اور لوگوں کو بھوکا مار کر ہلاک کر دو۔ جس طرح بلی چوہے کو تڑپا تڑپا کر مارتی ہے۔ اسی طرح دشمنوں کو تڑپا تڑپا کر ہلاک کرو''۔[۱۳] اگر تم ایک گائے کی خاطر کراچی سے لے کر مکہ تک تمام مسلمانوں کو ختم کر دو تو بھی تھوڑا ہے۔ ہندو دھرم میں جانوروں کا گوشت منع ہے لیکن مسلمانوں کا خون پینا جائز ہے، کسی ہندو کو اس کے پینے سے پس و پیش نہیں کرنا چاہئے[۱۴] دور حاضر میں ہندوؤں نے مذہبی بنیاد پر تاریخی سکھ گولڈ ٹمپل کو روند ڈالا اور تاریخی عمارت بابری مسجد کو شہید کر کے رام مندر کی تعمیر سے مذہبی انتہاء پسندی کا منہ بولتا ثبوت فراہم کر دیا ہے۔

۲۔ مذہب کے اندر عدم رواداری:

عیسائیت ظہور اسلام کے وقت دو گروہوں میں تقسیم تھی۔ رومن کیتھولک پوپ کے پیرو تھے اور ان کا مرکز روم تھا۔ مشرقی کلیسا یا یونانی کلیسا کا مرکز قسطنطنیہ تھا۔ دونوں گروہوں میں شدید نوعیت کے اختلافات تھے۔ اپنے ہم مذہبوں کے خلاف تقریباً تمام یورپ میں کیتھولک کی سرپرستی میں صدیوں خون کی ہولی کھیلی جاتی رہی موت کے منہ میں جھونکنے کے نت نئے اذیت ناک طریقے دریافت کئے گئے۔ تاریخ انسانیت میں رومن چرچ سے بڑھ کر کسی اور ادارے نے عدم برداشت سے ظلم کی اتنی طویل

ہیبتناک داستان رقم نہیں کی"۔[۱۵]

ہندوستان میں ہندومت کے تعصب اور ظلم وستم کے خلاف بدھا[۱۶] نے بدھ مت کی اصلاحی اور تجدیدی تحریک چلائی، جسے اس نے غریب الغربا بنا دیا۔ اس کے خلاف دوسری بڑی تحریک سکھ مت کی ہے ہندومت دور حاضر میں سکھ ازم کو روندنے کے مذموم ہتھکنڈے آزمارہا ہے۔

عیسائیت کے کیتھولک اور پروٹسٹنٹ فرقوں کی طرح بدقسمتی سے مسلمانوں کے دو گروہوں سنی اور شیعہ نے اسلام میں عدم رواداری کی فضا قائم کررکھی ہے۔ سقوط بغداد ۱۲۵۸ء سے سقوط بغداد ۲۰۰۳ء تک مسلمانوں کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہوئی نظر آتی ہے۔ "ادھر منگول ایران اور خراسان میں مسلمانوں کا قتل عام اور ان کی آبادیوں کو تخت وتاراج کررہے تھے اور ادھر مرکز اسلام بغداد میں حنفی، حنبلی، شیعہ اور سنی فرقہ وارانہ فسادات اپنے عروج پر تھے۔ مسلمانوں کی اس باہمی نا اتفاقی اور مذہبی جنون پرستی کا نتیجہ یہ ہوا کہ بغداد کی اینٹ سے اینٹ بج گئی اور مرکز خلافت کی دفاعی قوت پارہ پارہ ہوکررہ گئی۔"[۱۷]

دکن، بنگال اور دہلی میں بھی باہمی نا اتفاقی اور مذہبی جنون نے کام لیا جس کے نتیجے میں سلطان ٹیپو، سراج الدولہ اور بہادر شاہ ظفر کی مسلم حکومتیں دم توڑ گئیں۔[۱۸]

جعفر از بنگال و صادق از دکن
ننگ آدم، ننگ دین، ننگ وطن

اقبالؒ

۳۔ مذہب اور سیکولرازم میں نزاع:

ایک ملک کے مذہبی اور لادینی گروہ برسرپیکار ہو جاتے ہیں۔ غیر مذہبی گروہ کا یہی مذہب ہوتا ہے کہ ان کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ وہ مذہبی گروہ کے اعتقادات کا مذاق اڑاتے ہیں اور روایات کے ہر نقش کہن کو مٹا دینا چاہتے ہیں حتیٰ کہ وہ مذہبی گروہ کی مخالفت اور ضد میں حیوان پرست، جنات پرست اور ہم جنس پرست بن کر مذہبی گروہ کا منہ چڑاتے ہیں مثلاً ایک سیکولر گروہ تحریک نسواں کا علم بردار بن کر خواتین کے بارے میں واضح احکام دینے والے مذہب، مذہب اسلام کی مخالفت کرنے لگتا ہے۔

۴۔ مذہب اور کمیونزم میں جارحیت:

کمیونزم ایک نظریہ ہونے کی وجہ سے ایک مذہب بھی ہے اور خدا کا انکاری ہونے کی وجہ سے سیکولرازم کا ایک فرقہ بھی ہے۔ کمیونزم نے تمام مذاہب کی اقدار (VALUES) کو ترقی پسندیت کی چوٹ لگا کر فناہ کے گھاٹ اتارنے کی کوشش کی ہے۔ کمیونزم تبت سے بدھ مت کو دیس نکالا دینے کے لئے تشدد کی کارروائیاں اپنا رہا ہے اور تبت کے بدھ مت کے مذہبی پیشواء کو غریب الوطن ہوکر ہندوستان میں پناہ لینے پر مجبور کردیا۔ روس نے ترکستانی وسط ایشیاء کی مسلم ریاستوں کو ایک عرصے تک کمیونزم کے پنجہ استبداد میں جکڑے رکھا۔

جدول: مذہبی انتہاء پسندی کے علم بردار ممالک

ملک	نوعیت	کیفیت
۱۔ بھارت	ہندو، عیسائی، مسلمان، سکھ	ہندو بنیاد پرست بی جے پی کے اقتدار میں آنے سے دیگر مذاہب میں عدم تحفظ بڑھ گیا ہے۔ بابری مسجد مسمار کر کے رام مندر کی تعمیر مذہبی انتہاء پسندی کی علامت ہے۔
۲۔ تبت	بدھ مت: کمیونزم	چین نے ۱۹۵۰ء کے عشرے میں قبضہ کر کے بدھ مت کو دبانے اور دلائی لامہ کو تبت سے ہندوستان دھکیلنے کی کارروائی کی۔
۳۔ بوسینا	عیسائی، مسلمان	شدید جنگ کے بعد امن فوج کی وجہ سے عارضی امن قائم ہے۔
۴۔ ایتھوپیا	عیسائی، مسلمان	عیسائی مسلمانوں کے ساتھ رہنا پسند نہیں کرتے۔
۵۔ اریٹریا	عیسائی، مسلمان	دونوں مذہب ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی راہ اپنائے ہیں۔
۶۔ مشرقی تیمور	عیسائی، مسلمان	ریفرنڈم کے بعد عیسائیوں کو دے دیا گیا۔
۷۔ شمالی آئر لینڈ	کیتھولک، پروٹسٹنٹ	باہم برسرِ پیکار ہیں۔
۸۔ سری لنکا	ہندو، بدھ مت	ہندو ۱۸ فیصد بدھ مت کو ملک سے نکالنے کے لئے سرگرم عمل ہے۔
۹۔ قبرص	عیسائی، مسلمان	امن فوج کی وجہ سے شعلے سرد ہیں۔
۱۰۔ مشرق وسطیٰ	عیسائی، یہودی، مسلمان	عیسائی یہودیوں کے ذریعے نام نہاد امن قائم کرنے کی فکر میں ہیں۔
۱۱۔ پاکستان	سنی مسلمان، شیعہ مسلمان	باہمی چپقلش کو مذہبی انتہاء پسندی کے نام سے اچھالا جاتا ہے۔
۱۲۔ فلسطین	یہودی، مسلمان	یہودی، عیسائیوں کی مدد سے فلسطین پر قبضہ جمانا چاہتے ہیں۔
۱۳۔ فلپائن	عیسائی، مسلمان	مسیحی حکومت مسلمانوں کو دبانے کی راہ اختیار کئے ہوئے ہے۔
۱۴۔ سوڈان	عیسائی، مسلمان	عیسائی اور مسلمان ایک دوسرے کے ساتھ رہنا برداشت نہیں کرتے۔
۱۵۔ افغانستان	عیسائی، مسلمان	اسلامی تشخص ختم کرنے کے لئے عیسائی کوشاں ہیں۔

اسلام میں فرقہ بندی:

دنیا کی رنگینیاں، مختلف شکلوں، صورتوں اور فکروں سے قائم ہیں۔ یہ اختلافات فطری اور ناگزیر حقیقت ہیں اور ان فطری اختلافات کو روکنا فطرت کے خلاف ہے۔ فاطر کا اس فطرت کے بارے میں ارشاد ہے۔

"گر اللہ کی مشیت یہ ہوتی (کہ تم میں کوئی اختلاف نہ ہو) تو وہ تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا، مگر وہ جسے چاہتا ہے گمراہی میں ڈالتا ہے اور جسے چاہتا ہے راہ راست دکھاتا ہے اور ضرور تم سے تمہارے اعمال کی باز

پرس ہوکر رہے گی۔" [۱۹]

امت میں دو قسم کے اختلاف ہوتے ہیں پہلی قسم کا اختلاف اجتہادی ہے اس اجتہادی اختلاف کو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "رحمت" قرار دیا ہے۔ دوسرا اختلاف نظریاتی ہے نظریاتی اختلاف میں حقیقت اور اصلیت کے مدمقابل ایک نظریہ تخلیق کیا جاتا ہے ذہن کی غلط اپج، خواہشات نفسانی کا غلبہ، عقیدت کا غلو اوہام و قیاسات کی ملاوٹ، خود ساختہ قوانین کی شمولیت، فلسفیانہ موشگافیوں، فروعی اختلافات میں مبالغہ، بغض و عداوت اور مخالفت کی آمیزش سے بے شمار مذاہب اور فرقے بنتے چلے جاتے ہیں۔ یہ کفر، شرک، بدعت اور ظلمت ہی ہوتے ہیں۔ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے ترمذی کی عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے۔

"......وان بنی اسرائیل تفوتت علی ثنتین و سبعین ملة. و تفترق امتی علی ثلث و سبعین ملة کلهم فی النار الا ملة واحد قالو امن هی یا رسول الله ؟ قال ما انآ علیه و اصحابی" [۲۰]۔ بنی اسرائیل پھوٹ کر بہتر طریقوں پر ہو گئے تھے اور میری امت تہتر فرقوں میں متفرق ہوگی، یہ سب فی النار ہیں سوائے ایک فرقہ کے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ یا رسول اللہ یہ ناجی فرقہ کونسا ہوگا؟ فرمایا جس صفت پر میں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور میرے اصحاب (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) ہیں۔ [۲۱]

ہر کوئی اپنے اپنے فرقے کو "ما انا علیہ واصحابی" کی کسوٹی پر پرکھ کر حقیقت سے ہم آغوش کر سکتا ہے مگر تمام فرقوں کی کثرت کو حدت میں لانا ہوا کو مٹھی میں بند کرنے کے متواترادف ہے"۔ اگر اللہ کا منشاء واقعی یہ ہوتا کہ انسان سے مذہبی اختلاف کا اختیار چھین لیا جائے اور چاروناچار سارے انسانوں کو ایک ہی مذہب کا پیرو بنا کر چھوڑا جائے تو اس کے لئے اللہ کو اپنے نام نہاد طرف داروں کی اور ان کے ذلیل ہتھکنڈوں سے مدد لینے کی کوئی حاجت نہ تھی یہ کام وہ خود اپنی تخلیقی طاقت سے کر سکتا تھا"۔ [۲۲]

انسان کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ صراط مستقیم اور صراط منحنی میں سے جس کا چاہے، انتخاب کر لے۔ جائے استاذ خالی است و وجہ اختلاف باقی است کے مصداق اختلاف کی گنجائش باقی رہتی ہے اس صورت سے عہد برآہ ہونے اور حقیقت سے ہم کنار ہونے کے لئے ایک مسلمان کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ حسنہ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے نقش قدم کی اتباع اور پیروی ضروری ہو جاتی ہے۔

تعلیمات نبوی ﷺ:

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پوری دنیا کے لئے نذیر اور بشیر بنا کر بھیجا گیا۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا [۲۳]

اسی بناء پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا [۲۴]

آپ بنی نوع انسان کے لئے قیامت تک کے لئے نبی ہیں۔آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ میں نوع انس وجن کے لئے بہترین نمونے اور عمل کے نقوش موجود ہیں۔آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ کے بارے میں ارشاد ربانی ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ [۲۵]

مومنین کے لئے آپ ﷺ کی ذات رحمت خداوندی ہے۔اسی لئے آپ ﷺ کی بعثت کو اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام احسانات پر اولیت اور فوقیت دی ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ [۲۶]

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی پر وحی نازل ہوتی تو سب سے پہلے آپ ﷺ اس کی تلاوت فرماتے اور عمل پیرا ہو کر صحابہؓ کے لئے سنت کا معیار قائم فرماتے۔اس بناء پر ارشاد ربانی ہوا۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ [۲۷]

رحمت، رافت، صداقت، شفقت، عبادت، شجاعت، عدالت، سخاوت، فراست، متانت اور ثبات کے بہترین نمونے آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ میں موجود ہیں، زندگی کے وسیع وعریض میدان کا کوئی کونا ایسا نہیں جہاں حبیب کبریا نے اپنے اسوہ حسنہ کے حسین نقوش نہ چھوڑے ہوں۔یہ جامعیت یہ ہمہ گیری اسوہ محمد ﷺ کے علاوہ کہیں بھی نظر نہیں آتی۔زندگی کے ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والا آدمی اس آب زلال سے اپنی پیاس بجھا سکتا ہے۔[۲۸]

فطرت انسانی کا سب سے بڑا نباض خالق کائنات ہے اور انسان کی سب سے بڑی مربی ومحسن آپ ﷺ کی ذات ہے اس لئے دین اسلام میں بنی نوع انسان کی نجات اور فلاح کا ذریعہ ہے۔

معیار فلاح دارین یہی ہے کہ اپنے آپ کو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچا دو کیونکہ دین اسی کا نام ہے اگر ایسا نہیں تو یہ سب بولہبی ہے۔

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دین ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است
(اقبالؒ)

اعلان نبوت کے ساتھ ہی مخالفت کی تند وتیز آندھیاں چلنے لگیں۔ہاشمیوں کے علاوہ سب قریش آپ ﷺ کی مخالفت پر کمر بستہ تھے عمرو بن ہشام (ابوجہل) اور عمر بن خطاب قریش میں دو بہادر دشمن تھے۔آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی، اے اللہ دو میں سے ایک کو اپنے دین کے لئے قبول فرمالے۔اللہ تعالیٰ نے عمرؓ کو اپنے دین کے لئے قبول فرمالیا۔

آپ ﷺ عام الحزن ۱۰ نبوی میں حضرت زید بن حارثہؓ کے ہمراہ طائف پہنچے۔تین بھائیوں مسعود، حبیب اور عبد یالیل طائف کے سرداروں کو دعوت سلام دی۔انہوں نے بڑی رعونت سے آپ کا پیغام حق ٹھکرا دیا۔ایک بولا، خدا تم کو بھیج کر خلاف

کعبہ نچوانا چاہتا ہے۔ دوسرا بولا خدا کو تم سے بہتر آدمی رسالت کے لئے نہیں ملا۔ تیسرا بولا خدا کی قسم میں تجھ سے بات نہیں کروں گا کیونکہ اگر واقعی رسول اللہ ہیں تو جواب دینا بے ادبی ہے اور اگر نہیں ہیں تو آپ اس قابل نہیں کہ آپ سے بات کی جائے۔ یہ بجھتے ہوئے تیر تھے جو مخالفین نے ایک ایک کر کے چھوڑے اور آپ کو شہر کے اوباش لڑکوں کے حوالے کر دیا وہ دور تک آپ پر آوازے کستے، گالیاں دیتے اور پتھر مارتے چلے گئے، یہاں تک کہ آپ ﷺ زخموں سے چور ہو گئے اور جوتیاں خون سے بھر گئیں اس سفر میں اتنی تکلیفوں اور ایذاؤں کے بعد، ایک شخص تک مسلمان نہ ہونے کے رنج اور صدمہ کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل خدا کی عظمت اور محبت سے بھرپور تھا۔ اس موقع پر حضرت جبریل علیہ السلام پہاڑوں کے فرشتے کو لے کر حاضر ہوئے اور عرض کی کہ اگر آپ اشارہ فرمائیں تو وہ ان پہاڑوں کو آپس میں ملا دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے انسانوں کے خلاف بددعا یا لعنت کے لئے نہیں بھیجا گیا[۳۰] بے شک آپ ﷺ کو سارے جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔

وَمَا اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ.[۳۱]

قریش نے مسلمانوں کو مکہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا آپ ﷺ نے مدینہ پہنچ کر میثاق مدینہ کے نام سے تحریری معاہدہ کیا۔ اس معاہدے کے دو حصے تھے۔ پہلے حصے کا تعلق مہاجرین اور انصار سے اور دیگر حامی قبائل سے تھا معاہدے کا دوسرا حصہ یہود مدینہ سے متعلق تھا۔ تاریخ میں مسلمانوں، غیر مسلموں اور یہودیوں کو امن کے معاہدے پر پہلی بار جمع کیا گیا اور اس معاہدے سے پہلی بار اجتماعی زندگی کا آغاز ہوا۔

صلح نامہ حدیبیہ ۶ ھ میں حضرت علیؓ تحریر کرنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابتدائیہ میں بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم لکھوایا تو قریش کے نمائندے سہیل بن عمرو[۳۲] نے اعتراض کیا کہ "میں نہیں جانتا کہ رحمٰن کون ہے۔ "باسمک اللھم" لکھوائیں، جو تم ہمیشہ سے لکھتے آئے ہو۔ اس کلمے میں کوئی شرک نہیں تھا اس لئے آپ ﷺ نے وہی لکھ دینے کا حکم دیا اس کے بعد وہ محمد رسول اللہ پر بھی معترض ہوا تو آپ ﷺ نے اپنا نام محمد بن عبداللہ لکھوایا معاہدہ ابھی زیر تحریر تھا کہ سہیل بن عمرو کے فرزند ابو جندلؓ زنجیروں میں جکڑے وارد ہوئے۔ سہیل بن عمرو نے کہا کہ یہ معاہدے پر عمل درآمد کا پہلا موقع ہے آپ ﷺ نے ابو جندلؓ سے کہا کہ خدا تیری کشائش کے لئے کوئی سبیل نکالے گا۔ یہ فرما کر معاہدے کو حتمی شکل دے دی۔

فتح مکہ ۸ ھ کے موقع پر آپ ﷺ کا خطاب مساوات انسانی کا ابدی پیغام ہے۔ اے قریش جاہلیت کا غرور اور نسب کا افتخار خدا نے مٹا دیا ہے سب لوگ، آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام مٹی سے بنے تھے بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں معزز ترین شخص وہ ہے جو تقویٰ میں سب سے بڑھ کر ہے۔ جاؤ تم آزاد ہو اور تم پر آج کوئی مواخذہ نہیں۔" اس اعلان کی صدا گونج رہی تھی کہ پورا مکہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھ کر اپنی قلبی تبدیلی کا اعلان کر رہا تھا اور اپنی مکمل و غیر مشروط اطاعت کا یقین دلا رہا تھا"۔[۳۳] آپ ﷺ نے دشمنوں کو اخلاق کے اسلحہ سے فتح کیا۔[۳۴]

خطبہ حجۃ الوداع ۱۰ ھ ایک بین الاقوامی منشور کی حیثیت رکھتا ہے۔ "لوگو! اسلام کے رشتے نے مختلف رنگ و نسل کے انسانوں کو باہم بھائی بنا دیا ہے۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ سب اہل اسلام ایک برادری ہیں۔ جس طرح اس دن،

اس مہینے اور مقام کی حرمت ہے، اسی طرح ایک مسلمان کا خون، مال اور آبرو دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔ دیکھو تم جلد اپنے رب کے سامنے حاضر ہوں گے اور تم تمہارے اعمال کی بابت پوچھا جائے گا۔ خبردار میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ آپس میں ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔ جان لو یہ ہر گنہگار اپنے گناہ کا خود ذمہ دار ہوتا ہے۔ باپ کے جرم کا ذمہ بیٹے پر یا بیٹے کا ذمہ باپ پر عائد نہیں ہوتا''۔

منشی شیشو پرشاد اسلام کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کرتا ہے۔

سرزنش کافر کی اور اسلام ناممکن ہے یہ
ہو دل آزاری سے اس کو کام ناممکن ہے یہ
خون کافر پر نہیں حصر و قیام اسلام کا
اس سے مستحکم نہیں ہرگز نظام اسلام کا
حب عالمگیر سے چمکا نام اسلام کا
ورنہ میں کرتا نہ ہرگز احترام اسلام کا

اسلام میں مساوات بین الناس کی تعلیم دیتا ہے۔ وہ رنگ ونسل و وطن کے امتیازات مٹا کر تمام نوع انسانی کی ایک عالمگیر برادری اخلاقی و دینی بنیادوں پر قائم کرتا ہے۔

صحابہ کالنجوم:

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلفائے راشدینؓ آسمان رشد و ہدایت کے اختران سحر ہیں۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب اور اس دلیل کے دلیلیں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی زندگیاں ہیں۔ اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم، میرے صحابہ کرام ستاروں کی مانند ہیں۔ تم ان میں سے جس کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ۔ [۵۵] حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت اسامہؓ کو جنگ موتہ کے شہیدوں کا انتقام لینے کے لئے شام روانہ کرتے ہوئے جو دس نصیحتیں کی تھیں، وہ اسلام کی جنگی حکمت عملی کے سنہری اصول ہیں۔ ان میں سے ایک ''تم کو ایسے لوگ بھی ملیں گے جو دنیا چھوڑ کر خانقاہوں وغیرہ میں عبادت کے لئے بیٹھیں گے، ان کو، ان کے حال پر چھوڑ دینا''۔ [۵۶] حضرت عمرؓ نے بیت المقدس کی فتح کے موقع پر بہ نفس نفیس جا کر ایلیا (بیت المقدس) والوں کے لئے جو عہد نامہ یا امن نامہ ۱۷ھ میں تحریر کیا وہ مسلمانوں کی مذہبی رواداری اور امن پسندی کا شاہکار ہے۔ یہ امان ان کی جان، مال، گرجا، صلیب، توانا، بیمار اور ان کے تمام مذہب والوں کے لئے ہے۔ نہ ان کے گرجاؤں میں سکونت کی جائے گی نہ ان کو یا ان کے احاطے کو کوئی نقصان پہنچایا جائے گا، یہ ان کے صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی کی جائے گی۔ مذہب کے بارے میں ان پر جبر نہ کیا جائے گا، نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا۔ ایلیا والوں میں سے جو شخص اپنی جان و مال لے کر یونانیوں کے ساتھ نکل جانا چاہے وہ بھی اور ان کے گرجے اور صلیب مامون ہیں تا آں کہ وہ اپنی جائے پناہ تک پہنچ جائے۔ اس تحریر پر خدا، رسول خدا کے

خلیفہ عمر بن خطابؓ اور مسلمانوں کا ذمہ ہے۔ اس پر خالد بن ولیدؓ، عمرو بن العاصؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور معاویہ بن ابی سفیانؓ گواہ ہیں۔ حضرت عثمان غنیؓ جب پوری طرح سبائیوں کے نرغے میں آ گئے تو حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے عرض کی آپ امت کے امام ہیں اور مصیبت میں مبتلا ہیں۔ اس لئے تین صورتوں میں سے ایک صورت اختیار فرمایئے باغیوں کا قوت کے ساتھ مقابلہ کیجئے، مکہ نکل جایئے یا شام چلے جایئے۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے فرمایا "میں رسول خداﷺ کا پہلا خلیفہ بننا نہیں چاہتا جس کے ہاتھوں امت کی خون ریزی کا آغاز ہو، مکہ میں بھی یہ باغی خون ریزی سے باز نہیں آئیں گے۔ میں اہل مکہ کو فتنے میں ڈالنا نہیں چاہتا، شام کے لوگ ضرور وفادار ہیں اور معاویہؓ بھی وہاں موجود ہیں لیکن دارالہجرت مدینہ اور جوار رسول کو چھوڑ نہیں سکتا۔"[۳۷]

حضرت علیؓ کی حضرت عائشہ صدیقہؓ جنگ جمل میں مدمقابل تھیں لیکن جنگ کے اختتام کے بعد آپؓ نے آگے بڑھ کر ان کی خیریت دریافت کی اور ان کے حلیف بصری رئیس عبداللہ بن خلف کے محل میں ٹھہرایا۔ جنگ جمل کے دیگر شرکاء کے لئے اعلان کروایا کہ بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے زخمیوں پر کوڑے نہ برسائے جائیں۔ جو ہتھیار ڈال دے اس کو امان دی جائے اور مال غنیمت نہ لوٹا جائے۔[۳۸]

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے تمام عمال کے نام تاکیدی فرمان جاری کیا کہ حضرت علیؓ کے متعلق خطبہ میں جو ناشائستہ الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں، وہ فوراً بند کر دیں اور ان کی جگہ قرآن مجید کی آیات داخل کر دی جائیں۔ اس سے انصاف پسند لوگ بالخصوص بنو ہاشم اور شیعان علی کو ایک گونا اطمینان نصیب ہوا۔[۳۹] آپ نے خوارج کے خلاف تلوار کی پالیسی ختم کر کے علم و حکمت کی پالیسی اختیار کی انہوں نے خوارج کے سردار بسطام کو لکھا کہ میرے ساتھ مناظرہ کر لو، اگر ہم حق پر ہوئے تو ہماری اطاعت کر لینا اور اگر تم حق پر ہوئے تو ہم اپنے متعلق غور کریں گے۔ اس پر بسطام نے دو آدمیوں کو بھیجا۔ طبری اور ابن اثیر کا قول ہے کہ ان میں سے ایک نے آپ کے نقطہ نگاہ کو تسلیم کر لیا اور دوسرا واپس چلا گیا تاہم خوارج نے ان کے دور خلافت میں کوئی فتنہ انگیزی نہ کی۔[۴۰]

سلطان صلاح الدین ایوبی سے بیت المقدس حاصل کرنے کے لئے ۱۱۹۰ء میں شاہ انگلستان رچرڈ اور شہنشاہ جرمنی فیڈرک اور باربروسا یروشلم پر حملہ آور ہوئے۔ "اس لڑائی میں شاہ جرمنی اور شاہ انگلستان دونوں بیمار پڑ گئے سلطان کو ان کی بیماری کا علم ہوا تو تازہ پھل، مفرح مشروبات اور اپنا معالج روانہ کیا۔ سلطان کے حسن سلوک سے متاثر ہو کر شاہ انگلستان رچرڈ نے صلح کی درخواست کی اور تیسری صلیبی جنگ عیسائیوں کو بیت المقدس کی زیارت کی اجازت اور مسلمانوں کا بیت المقدس پر قبضے کا مشترکہ اعلان جاری کیا گیا۔[۴۱] (اقبالؒ)

دم طوف، کرمک شمع نے یہ کہا کہ وہ اثر کہن
نہ تری حکایت سوز میں، نہ مری حدیث گداز میں

راہ عمل:

فرد کی حیثیت سے مسلمان اللہ کی شان رحیمی کا مظہر اور جماعت کی حیثیت سے مومنوں کا گروہ دنیا میں رحمت اللعالمین کا

نمائندہ ہے۔ آخرت کی جواب دہی اور تقویٰ لازمہ اسلام ہیں۔ رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجتماعی زندگی کا تصور دیا اور عمرانی زندگی کے اصول بخشتے ہوئے حسن عمل کو معاشرے کے استحکام کے لئے خشت اول قرار دیا۔ آپ ﷺ نے اخوت و مودت، جان و آبرو، عزت و ناموس، کسب حلال، تعلیم و تربیت، تہذیب و اخلاق، تعمیر کردار، ضبط وتحمل، رواداری، حلم و برداشت، عفو و درگزر، صداقت و امانت، امن و امان اور حسن نیت کو معاشرتی زندگی کی متاع عزیز اور دشنام طرازی، بہتان، غیبت، چغلی، طعن وتشنیع، بخل، احتکار، اکتناز، غربت، افلاس، بے کاری، فحاشی و عریانی، بے حیائی، انتشار، فتنہ، فساد، دہشت گردی، قتل و غارت، باہمی رقابت اور فرقہ بندی کو معاشرے کے لئے زہر ہلاہل اور امت کے لئے سم قاتل قرار دیا ہے۔

اسلام مساوات بین الناس کی تعلیم دیتا ہے۔ وہ رنگ ونسل اور وطن کے امتیازات مٹا کر تمام نوع انسانی کو ایک عالمیہ برادری اخلاقی و دینی بنیادوں پر قائم کرتا ہے۔

''ان دماء کم و اموالکم حرام علیکم کحرمة یومکم هذا فی شهر کم هذا فی بلد کم هذا [۴۲]

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنی نوع انسان کو خدا کا کنبہ قرار دے کر اس کی فلاح ونجات کے لئے اللہ تعالی کا اکمل دین پیش کرنے کا حق ادا کر دیا۔ آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا ''میں تمہارے درمیان اللہ کی کتاب اور سنت رسول اللہ چھوڑے جا رہا ہوں، جب تک تم اس پر کاربند رہو گے، کبھی گم راہ نہ ہو گے''۔ آج مصحف آسمانی سے روگردانی اور صحیفہ سنت اللہ کی رہنمائی سے منہ موڑنے کے باعث مذہبی تعصب اور فرقہ بندی کی لعنت رونما ہوئی ہے۔ یہی دو معیارات راہ عمل اور راہ نجات ہیں، جن پر عمل پیرا ہونے کا حکم اللہ نے اور اللہ کے رسول ﷺ نے امت کو ہدایت فرمائی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا ۔ [۴۳]

فرقہ بندی شرک، کفر اور ضلالت ہے۔ فرقہ ساز اور اس کے پیروکار اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے مقابلے میں گروہ بندی کرتے ہیں اور وہ اللہ کے حکم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فکر و حکمت سے اپنے فرقے کے رہنما اور خود کو بالاتر یا مدمقابل خیال کرتے ہیں۔ فرقہ بندی دین میں غلو اور امت مسلمہ کے اتحاد معنوی میں نقب زنی ہے۔ جس سے رسول اللہ ﷺ نے :

''ایا کم و الغلوا فی الدین فانما هلک من کان قبلکم بالغلوا فی الدین''.

ارشاد فرما کر اس شجر خبیثہ سے دور رہنے کی ہدایت فرمائی ہے۔

بقول اقبالؒ:

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

ہماری فرقہ بندی مخالفین کے ہاتھ میں موثر ہتھیار ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تحریک پاکستان میں ہم من پسند نتائج حاصل نہیں کر سکے۔ بعض مذہبی جماعتیں مسلم قائدین کا اپنی فرقہ بندی کا نشانہ بنا کر انہیں عوام سے دور لے جانے کے لئے کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی ہیں۔

سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا افسانہ کیا
کہتی ہے تجھ کو خلق خدا غائبانہ کیا
(آتش)

فرقہ بندی میں نفرت، کدورت، وحشت اور انتہاء پسندی اس وقت آتی ہے جب غیر فطری انداز میں اس کی تبلیغ کی جاتی ہے۔تبلیغ کا فریضہ ادا کرنے کے لئے فکر آخرت اور تقویٰ شرط اول ہے اور اسے قرآنی اسلوب کے مطابق ادا کرنے سے دعوت حق کی ادائی ہوتی ہے۔

اُدْعُ اِلیٰ سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَ الْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ۔

سید سلیمان ندویؒ کے بقول تبلیغ و دعوت کے یہ تینوں اصول وہی ہیں جو منطقی استدلال میں عموماً کام میں لائے جاتے ہیں۔ قرآن پاک نے پہلے طریق کو حکمت، دوسرے کو موعظت حسنہ اور تیسرے کو جدال سے تعبیر کیا اور استدلال کے یہی وہ طریقے ہیں جن سے ایک شخص دوسرے کے سامنے اپنے مدعا کو ثابت کرتا ہے۔[۴۵] دعوت کامل کو کامل بنانے کے لئے لازم ہے کہ

کلموا الناس علی قدر عقولھم اتریدون ان یکذبوا اللہ و رسولہ۔

لوگوں سے ان کی ذہنی سطح اور عقلی استعداد کے مطابق گفتگو کرو، کیا تم چاہتے ہو کہ تمہاری گفتگو ان کے اذہان اور عقول سے بالاتر ہو اور وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو جھٹلانے لگیں۔

جہاد و قتال کیا اقدامات کرنے کا حق اسلامی حکومت کو ہے۔ انفرادی اور گروہی کارروائیوں سے فتنے سر اٹھاتے ہیں۔فتنہ و فساد سے بچنا مشکل ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض علماء اسے بھی ایک مستند جماعت یا خود حکومت کا فرض قرار دیتے ہیں۔ ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر۔اس حکم کا تعلق ارباب اقتدار سے ہے اہل ایمان کے لئے ان کے پروردگار نے یہ بات لازم ٹھہرائی ہے کہ انہیں اگر کسی سرزمین میں سیاسی خود مختاری حاصل ہو جائے تو وہ اپنے اندر سے ایک گروہ کو اس کام پر مقرر کریں کہ وہ لوگوں کو خیر کی طرف بلائے، برائی سے روکے اور بھلائی کا حکم دے۔[۴۶]

دین اسلام میں تفرقہ اندازی اور فرقہ واریت کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ تاہم پاکستان میں اس فرقہ واریت کو ہوا بنا کر ایک مربوط سوچ کے تحت ٹٹی کی آڑ میں شکار کھیلا جا رہا ہے۔ اسی سوچی سمجھی سکیم کے تحت مغربی میڈیا اور اس کے دانشور مسلمانوں کو اشتعال انگیز ناموں بنیاد پرست (FUNDAMENTALIST)، دہشت گرد (TERRORIST) جنونی (FANATICS) دقیانوسی (BACKWARD) اور انتہاء پسند (EXTREMIST) وغیرہ سے یاد کر کے مسلمانوں کو بدنام کرنے کی راہ اختیار کرتے ہیں۔

مذہبی انتہاء پسندی اتنی انتہاء کی نہیں ہے، جتنی اسے باہر والے ذرائع ابلاغ اچھالتے ہیں اور ہمیں مذہبی انتہاء پسندی کا مورد الزام ٹھہراتے ہیں۔ باہر کے ذرائع ابلاغ اسے پروپیگنڈا کی شکل دیکر اچھالتے ہیں اور ہم اسے کسی مصلحت کوشی کے تحت تسلیم بھی کرتے ہیں۔ عذر گناہ بدتر از گناہ، بدقسمتی سے ہم نے اپنے آپ کو انتہاء پسند قوم کے حوالے سے متعارف بھی کرا لیا ہے۔

ذرا سی بات تھی اندیشہ عجم نے اسے
بڑھا دیا ہے زیب داستاں کے لئے
(اقبالؒ)

مذہبی انتہاء پسندی کے پس منظر میں باہمی رقابت، کدورت اور وحشت کارفرما ہوتی ہے جس کی آڑ میں دشمن فرقہ بندی کو ہوا دیتا ہے اور اسے موثر ہتھیار کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ فرقہ بندی جہالت، ظلمت اور عصبیت کا نتیجہ ہوتی ہے اگر اسے انسانیت اور آدمیت کے نام پر خیر باد کہہ کر قطرے کو دریا میں ضم کر دیا جائے تو ملت مار آستین کی دست برد اور اپنوں کی نادانی سے محفوظ رہ سکتی ہے۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ [۴۰]

حرف آخر:

مقالے کے ابتدائی صفحات کے مطالعے سے یہ حقیقت مترشح ہوتی ہے کہ مذہبی انتہاء پسندی اور فرقہ واریت ہر دور میں بین الاقوامی سطح پر تمام ممالک اور مذاہب کا مشترکہ مسئلہ رہا ہے لیکن فرقہ واریت اور مذہبی انتہاء پسندی سے دامن بچانے کی جتنی ضرورت اس وقت پاکستان میں محسوس کی جا رہی ہے وہ کبھی بھی نہیں تھی۔ مذہبی انتہاء پسندی کی آڑ میں دہشت گردی اور قتل و غارت سے ہزاروں جانوں کا ضیاع حد درجہ ناقابل تلافی اور قابل صد افسوس ہے۔ مذہبی انتہاء پسندی کے باعث قومی سطح پر مذہبی تعصب ایک عفریت اور وبا کی شکل اختیار کر گیا ہے۔

اتحاد معنوی ان میں برائے نام ہے
دیکھتے ہو اک گروہ ایک راہ ہو کر کب گیا
(اکبر الہ آبادی)

فرقہ واریت اور مذہبی انتہاء پسندی سے نجات حاصل کرنے کے لئے بنیادی بات یہ ہے کہ اسلام کے اندر تمام مذاہب [۴۱] اپنی اپنی تعلیمات کا بغور مطالعہ کریں اور اپنے آپ کو سمجھنے کے بعد دوسرے مذاہب کا بھی گہرے غور و فکر کے ساتھ جائزہ لیں تاکہ جو غلط باتیں ان سے منسوب ہیں ان کا اندازہ ہو سکے۔ تقابل ادیان اور تقابل مذاہب کے مطالعے کے بعد ہی کوئی حتمی رائے قائم کی جا سکتی ہے۔ اگر ہم اپنی رائے کو درست سمجھتے ہوئے دوسروں تک پہنچانا چاہتے ہیں تو حکمت دعوت کے اصولوں کو مدنظر رکھا جائے۔

حکومت مختلف مذاہب کے عقائد و نظریات سے آگاہی (AWARENESS) پیدا کرنے کے لئے کتابیں چھاپ، سیمینار کرے اور کنونشن منعقد کرے تاکہ غلط اطلاعات اور منفی پروپیگنڈے کا تدارک ہو سکے۔ لاعلمی اور جہالت دو بڑے روگ ہیں۔ ان سے بچاؤ کے لئے مذہب کے اندر اور مذہب کے درمیان ایک دوسرے کو اور خود اپنے آپ کو سمجھنے کی شدید ضرورت

ہے۔ کسی ملک کے اندر کسی گروہ کو من حیث القوم یا کسی فرقے کو من حیث الجماعت اسمبلی اور سینٹ میں زیر بحث لانے اور قانون سازی ہونے کے بغیر غلط اور گمراہ قرار دینا انتہاء پسندی ہے۔[۴۹]

جنوری ۱۹۵۶ء میں ہر مکتب خیال اور ہر طبقہ فکر سے تعلق رکھنے والے اکتیس جید و فاضل علماء کرام نے تفصیلی غور وفکر اور باہمی مشاورت کے بعد بائیس نکات پر اتفاق کیا تھا۔ مملکت پاکستان کا فرض ہے کہ ان بائیس نکات کو قانونی شکل دے۔ اس طرح مسلمہ اسلامی فرقوں کو حدود و قانون کے اندر مذہبی آزادی حاصل ہو جائے گی اور مذہبی انتہاء پسندی بھی دم توڑ جائے گی۔

اسلام پسندی یعنی سلامتی اور صلح کا رویہ اور رواداری مومن کے شعار میں سے ہیں لیکن دنیا کو یہ سمجھانا لازمی ہے کہ حقیقت میں مسلمان صلح جو اور رواداری کا پیکر ہے۔ مغرب اکیسویں صدی کو نئے عالمی نظام کا نام دے رہا ہے اور ایک نئے مذہب کے ظہور کا خواب دیکھ رہا ہے۔ اسلام کا خاتمہ اس کے خواب کی عملی تعبیر ہے۔ اس نے مقدس جنگ (CRUSADE) کا آغاز کر کے اس کی بنیاد رکھ دی ہے ہم فرقہ بندی اور مذہبی انتہاء پسندی کی لعنت سے دامن چھڑا کر ہی اسلام کے خلاف جدید جنگ کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔

حواشی وحوالہ جات:

۱۔ حقیقت اصلیہ یا حقیقت مطلقہ ایسے وجود کو کہتے ہیں جو از خود قائم ہو اور باقی تمام موجودات اپنے وجود کیلئے اس کی محتاج ہوں۔

۲۔ پروفیسر خالد یار خان، فکر و خیال کی تعلیمی اہمیت ص ۱۰۔ فکر و خیال جلد ۱، شمارہ ۵، ۶ تعلیمی بورڈ کراچی، جولائی، اگست ۱۹۶۳ء۔

۳۔ فلسفے کا اہم میدان وجودیات ہے جس میں مابعد الطبیعیات اہم موضوع ہے۔ فلسفی عقل کے ذریعے کائنات اور انسان کی حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اسے حقیقت اصلیہ تک پہنچنے کا ذریعہ بناتا ہے۔ سائنس دان مادے ہی کو حقیقت اصلیہ قرار دے کر مادے سے ماوری اور اس کے پس منظر میں اس کے خالق حقیقی یا حقیقت اصلیہ تک پہنچنے کی کوشش نہیں کرتے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ مادی کوششوں یعنی مشاہدے اور تجربے سے مادے تک رسائی ممکن ہو سکتی ہے مگر ماورائے حواس اور مابعد الطبیعیات کی حقیقت تو وحی کے ذریعے ہی سمجھی جا سکتی ہے۔

۴۔ مفتی محمد یوسف لدھیانوی۔ اختلاف امت اور صراط مستقیم، ص ۷۔ مکتبہ مدینہ اردو بازار لاہور۔ سن ندارد۔

۵۔ مولانا ابو اعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، ص ۴۹۰، جلد ۵

۶۔ تفہیم القرآن، ص ۲۶۶ جلد اول

۷۔ نقوش رسول نمبر ص ۳۱۱، ۳۱۲ جلد ۴ نقوش لاہور

۸۔ سورۃ المائدہ ۳۲

۹۔ تفہیم القرآن ص ۴۶۹ جلد ۵

۱۰۔ سید ابو الحسن ندوی۔ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر ص ۴۷ مجلس نشریات کراچی، ۱۹۶۷ء

۱۱۔ پروفیسر محمد عبداللہ ملک، تاریخ اسلام ص ۸۹، قریشی برادرز چوک اردو بازار لاہور، ۲۰۰۲ء

۱۲۔ رومن کیتھولک نے چرچ کا زور توڑنے کیلئے پروپیگنڈا کیا کہ پادری اور چرچ سے متعلقہ افراد بچوں کو جنسی تشدد کا نشانہ بناتے ہیں۔

۱۳۔ پروفیسر محمد عبداللہ ملک۔ تاریخ اسلام، ص ۲۴۸، ۲۶۲

۱۴۔ چودھری غلام رسول۔ مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، ص ۱۰۱، ۱۰۳ علمی کتب خانہ لاہور، ۱۹۸۰ء

۱۵۔ Abdul Hameed Qadri, Dimentions of Chirstianity P-32, Da' wah Academy Islamabad 1998

۱۶۔ بدھا کو بدھو قرار دیا اور اس کے پیروکاروں کو نیست و نابود کرنے اور غریب الوطن بنانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور بالآخر مہاتما بدھ قرار دے کر ہندومت میں ضم کرنے کی کوشش کی۔ ان حربوں سے ہندوستان میں بدھ مت دم توڑ گیا اور اس نے بیرون ہندوستان سری لنکا، شمیہ (لداخ)، تبت، چین اور جاپان غریب الوطن ہو کر جان بچائی۔ ہندوستان میں صرف ''بدھ واڑ'' کے ساتھ اس کی یاد باقی رہی۔

۱۷۔ پروفیسر محمد عبداللہ ملک۔ تاریخ اسلام، ص ۲۰۸، ۲۰۹

۱۸۔ مستعصم باللہ، ابن علقمی، سلطان ٹیپو، میر جعفر، سراج الدولہ، میر صادق اور بہادر شاہ ظفر، نواب الٰہی بخش سنی، شیعہ نظریاتی اختلاف کی وجہ سے مسلم حکومتیں زوال پذیر ہوئیں۔

۱۹۔

۲۰۔ خطیب ولی الدین محمد بن عبداللہؒ۔ مشکوٰۃ شریف، ص ۸۳۔ ادارہ ارشاد احمد شہید لاہور سن ندارد علامہ ابن جوزیؒ، تلبیس ابلیس (ترجمہ علامہ ابو محمد عبدالحق اعظم گڑھی)، کتب خانہ مجیدیہ ملتان۔ سن ندارد میں بہتر بدعتی فرقوں کی اچھے اصلوں اور ہر ایک اصل کی بارہ بارہ شاخوں کو بالوضاحت بیان کیا ہے۔ امام ترمذیؒ نے کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

۲۱۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے نقش قدم ہمارے لئے راہ عمل اور مشعل راہ ہیں یہاں سے ''اہل سنت و جماعت'' کی اصطلاح وجود میں آئی ہے۔ ''سنت طریقہ ہے جس پر رسول اللہ صلعم عمل فرماتے تھے اور وہ یقینی طور پر متواتر اصحاب سے حاصل ہوا''۔

۲۲۔ تفہیم القرآن، ص ۵۶۸

۲۳۔ سورۃ السباء: ۲۸

۲۴۔ سورۃ الاعراف: ۱۵۸

۲۵۔ سورۃ الاحزاب: ۲۱

۲۶۔ آل عمران: ۱۶۴

۲۷۔ آل عمران: ۳۱

۲۸۔ پیر کرم شاہ۔ نبی کریم بحیثیت معلم اخلاق، ص ۲۴۵ نقوش رسول نمبر جلد چہارم، لاہور ۱۹۸۳ء

۲۹۔ سورۃ حشر: ۷

۳۰۔ ابن ہشام ج ۲ ص ۶۲، بحوالہ تفہیم القرآن، ص ۵۹۸ جلد ۴

۳۱۔ سورۃ الانبیآء: ۱۰۷

۳۲۔ سہیل بن عمرو غزوہ بدر میں اسیر جنگ ہوا۔ یہ بہت زبان آور مقرر تھا۔ حضرت عمرؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی یا رسول اللہ! اجازت ہو تو ابن عمرو کے دانت توڑ دوں تاکہ اسلام کے خلاف ہرزہ رسائی نہ کر سکے۔ آپؐ نے فرمایا میں اللہ کا نبی ہوں اور مجھے زیب نہیں دیتا۔ عین ممکن ہے کہ یہ کسی مجلس میں مسلمانوں کے حق میں گفتگو کرے۔ آپ کی یہ پیش گوئی آپؐ کے وصال کے بعد پوری ہوئی جبکہ سہیل نے کفر کے خلاف اور اسلام کے حق میں موثر اور پرجوش خطبے دیئے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر سہیل بن عمر کی آمد پر آپؐ نے فرمایا سہیل سے

آنے سے ہمارا کام سہل ہوگیا۔ ابن عمرو فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے۔

۳۳۔ ڈاکٹر حمید اللہ۔ رسول اللہ کی سیاسی زندگی، ص 115، دارالاشاعت کراچی، 1984ء

۳۴۔ سید اسعد گیلانی۔ رسول اکرم کی حکمت انقلاب، ص ۷۹

۳۵۔ خلفائے راشدین کی سنت بھی طریقہ نبوت میں شامل ہے۔ ناجی فرقہ اس طریقے پر جس پر آپؐ مع اصحاب تھے۔ سب سے پہلے خوارج سنت و جماعت سے الگ ہوئے۔ خوارج عبداللہ بن خبابؓ کو بے سبب قتل کرنا روا اور ذمی کے باغ سے بے حلت اور بے دام پھل توڑنے سے احتراز کرتے تھے۔ آج بھی انتہاء پسند فرقوں میں خوارج کی سفاکی موجود ہے۔

۳۶۔ تاریخ اسلام، ص ۲۳۱

۳۷۔ تاریخ اسلام ص، ۳۵۰

۳۸۔ تاریخ اسلام ص، ۳۹۵

۳۹۔ بنو امیہ اپنی بداعمالیوں سے توجہ ہٹانے کیلئے بنو ہاشم اور شیعان علی کو لڑانے کے خفیہ ہتھکنڈے اور حربے اختیار کئے رکھتے تھے۔

۴۰۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو مورخین عمر ثانی، امام احمد بن حنبلؒ اور دوسرے عالی مرتبہ علماء نے آپؒ کو پہلی صدی ہجری کا مجدد قرار دیا ہے۔ امام شافعیؒ و سفیان ثوریؒ کا قول ہے کہ آپ پانچویں خلیفہ راشد تھے۔ تاریخ اسلام ص ۵۳۹ محمد عبداللہ ملک۔

۴۱۔ پروفیسر محمد عبداللہ ملک۔ تاریخ اسلام (خلافت بنو عباس) ص ۲۵۸، قریشی برادرز پبلشرز چوک اردو بازار لاہور، سن ۲۰۰۲ء

۴۲۔ مشکوٰۃ شریف، باب قصہ حجۃ الوداع ص ۶۸۳ بخاری کتاب العلم، ص ۴۸۶

۴۳۔ آل عمران: ۱۰۳

۴۴۔ جمعیت العلمائے ہند نیشنلسٹ علماء اور احرار نے تقسیم ہند کی مخالفت کی۔ ''فلسفی نیچریت ڈاکٹر اقبال کی زبان پر ابلیس بول رہا ہے'' تجانب اہل السنہ ص ۱۶۵ ''مسٹر محمد علی جینا کافر و مرتد ہے، اس کے بہت سے کفریات ہیں'' تجانب اہل السنہ ص ۱۷۲ بحوالہ علامہ احسان الٰہی ظہیر، مترجم عطا الرحمان ثاقب، بریلویت ص ۲۹۶، ۲۹۷ ادارہ ترجمان السنہ لاہور ستمبر ۱۹۹۱ء

۴۵۔ ڈاکٹر خالد علوی، رسول اکرم کا منہاج دعوت، بحوالہ ندائے خلافت سرورق لاہور، ۳۱ دسمبر ۲۰۰۳ء

۴۶۔ جاوید احمد غامدی، قانون دعوت ص ۱۵ دارالاشراق ۱۴۲ علامہ اقبال روڈ لاہور، مارچ ۱۹۹۲ء

۴۷۔ سورۃ آل عمران: ۱۰۵

۴۸۔ اسلام دین ہے اور مذہب ہر گروہ کا اپنا اپنا طریقہ یا فرقہ ہے۔ مذہب کے معنی راستے کے ہیں۔ ایک منزل کے کئی راستے ہوتے ہیں۔ جادہ مستقیم منزل سے جلد ہم کنار کر دیتا ہے تاہم دیگر راستے بھی بدیر اور بمشکل منزل سے ہم آغوش کر ہی دیتے ہیں۔ امت میں مذہبی اور فقہی اختلاف اسی صورت میں رحمت رہ سکتا ہے کہ ہر مذہب مذہبی انتہاء پسندی سے باز رہے اور اپنے آپ کو اپنے مذہب کی حدود و قیود میں رکھے۔

۴۹۔ قومی اسمبلی و سینٹ نے قانون سازی کر کے مرزائیت کو غیر مسلم قرار دیا۔ کسی فرقے یا فرد واحد کو تکفیر کی ہوائی چھوڑنے کا حق نہیں ہونا چاہئے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وحی کے بعد ہی کسی کے منافق ہونے کا اعلان فرمایا۔ اب ہر کسی کو خوف خدا اور اپنی آخرت کی فکر کرنی چاہئے۔ دعوت کا فریضہ اہل علم اور اہل تقویٰ کے لئے واجب قرار پاتا ہے۔

الحمد لله رب العلمين

دورِ حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اس کا خاتمہ
تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

اسد اللہ رشید، کراچی

اس جہان رنگ و بو کی تخلیق کے بعد جب رب کائنات نے اسے جلوہ گاہ حیات بنایا اور انسان کو خلعت وجود بخشا تو اسے بے یار و مددگار نہیں چھوڑا۔ اس کے جسمانی تقاضوں کی تکمیل اور زیست کے سامان کے لئے غذا و خوراک کا بندوبست کیا۔ خضروات کے حصول کے لئے زمین کے سینے کو نرم کیا، لحمیات کے لئے جانوروں کو تخلیق کیا اور فواکہ و اثمار سے اس کے دہن کو شیریں کیا۔ رب دو جہاں نے جہاں انسان کی جسمانی ضروریات کا خیال رکھا وہیں اس کی روحانی و اخلاقی بالیدگی، خرد افروزی اور اپنے سے تعلق کے لئے انبیاء کے سلسلے کو شروع کیا۔ اس سلسلۃ الذہب کی پہلی کڑی حضرت آدمؑ تو آخری کڑی محسن انسانیت، قائد تہذیب وتمدن، صاحب خلق عظیم، شاہ امم، فخر موجودات، خاتم مرسل، ہادی عالم اور جمال اولین حضرت محمد مصطفی ﷺ ہیں۔ آپ ﷺ کی ذات بابرکات پر بے شمار درود و سلام ہوں۔ آپ ﷺ ختم نبوت و رسالت سے سرفراز فرما کر مبعوث کئے گئے۔ حضرت آدمؑ کی آمد سے لیکر آپ ﷺ کی رسالت تک کم وبیش باختلاف روایات ایک لاکھ 24 ہزار انبیاء اس دنیا میں تشریف لائے۔ ان رسولوں کو نیا دین، نئی شریعت اور نئی کتب دی گئیں۔ حضرت داؤدؑ کو زبور، حضرت موسیٰؑ کو توریت اور حضرت عیسیٰؑ کو انجیل اور صاحب خلق عظیم نبی ﷺ انقلاب، رہنمائے عالم ﷺ کو لازوال، ابدی اور لافانی معجزہ قرآن کریم مرحمت فرمایا گیا۔ اس طرح سے دین موسوی، دین عیسوی اور دین محمدی وجود میں آئے۔ ازمنہ سابقہ میں یہ دستور خداوندی رہا کہ نئے نبی کی آمد سے پچھلا دین اور نبوت منسوخ ہوتی گئی اور لوگوں پر نئے نبی کی اتباع و پیروی اور اس پر ایمان لازمی قرار پایا۔ اس دستور خداوندی کے مطابق آپ ﷺ کی بحیثیت خاتم النبیین آمد سے "محمد مصطفی ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول ﷺ اور خاتم النبیین ہیں۔ (احزاب ۴۰) تمام ادیانؒ و مذاہب منسوخ ہوئے اور دین محمدی و مذہب اسلام آخری و ابدی اور آفاقی مذہب قرار پایا۔

تسلیم و رضا کا تقاضا تھا کہ پچھلے مذاہب ادیان والے (دین موسوی و دین عیسوی) اس نئے مذہب کو دل و جان سے قبول کرتے اور آمنا وصدقنا کہہ کر آپ ﷺ پر ایمان لاتے اور دستور خداوندی کی تعمیل کرتے ہوئے کم از کم اس کو برحق سمجھتے ہوئے اسلام کے خلاف مذہبی انتہا پسندی و شدت پسندی اور تعصب کا مظاہرہ نہ کرتے لیکن تاریخ شاہد ہے کہ آج تک انہوں نے اپنی مخاصمت، ریشہ دوانیاں اور جارحیت برقرار رکھی۔ تعلیمات اسلام شاہد ہیں کہ اسلام نے نہ صرف پچھلے مذاہب ادیان کو حق جانا بلکہ ان کا اپنے وقتوں میں برحق ہونا ان کے ایمان کا جزو قرار پایا۔

عنوان:

دور حاضر میں مذہبی انتہاء پسندی کا رجحان اور اس کا خاتمہ، تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں ایک ایسا سلگتا ہوا موضوع ہے کہ آج اس موضوع پر جس تفصیل اور شرح و بسط کے ساتھ لکھنے کی ضرورت تھی شاید پہلے کبھی نہ تھی۔ انتہاء پسندی Extremness انتہاء پسندی Extremist اور مذہبی انتہاء پسند Religious Extremness دور حاضر کے پرنٹ میڈیا Print Media الیکٹرونک میڈیا Electronic Media اور عالمی ذرائع ابلاغ کے لئے پسندیدہ موضوع ہیں اور ان تمام Issues کو انہوں نے مذہب اسلام اور مسلمانوں کی طرف پھیر دیا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مذہبی انتہا پسندی کو تاریخی تناظر میں مذہب اسلام، عیسائیت، یہودیت اور ہندوازم کی تعلیمات کے تقابلی مطالعے Comparative Study کے بعد اس طرح دنیا کے سامنے لایا جائے کہ ان کے دل و دماغ سے تعصب و عناد کے وہ بادل چھٹ جائیں جنہوں نے صدیوں سے ان کے اذہان کو مفلوج کر دیا ہے نیز مذہبی انتہا پسندی کے زہرناک اثرات اور خوفناک نتائج سے باخبر کرتے ہوئے اس کا حل بھی تلاش کیا جائے۔

عنوان مختلف پہلوؤں پر مشتمل ہے اگر اس کو جداگانہ انداز سے دیکھا جائے تو عنوان کے درج ذیل پہلو سامنے آتے ہیں۔

۱۔ مذہب ۲۔ انتہاء پسندی ۳۔ مذہبی انتہاء پسندی کا تاریخی و تقابلی جائزہ

۴۔ اسلام اور مذہبی انتہاء پسندی ۵۔ دور حاضر میں مذہبی انتہاء پسندی کا رجحان ۶۔ مذہبی انتہاء پسندی کا خاتمہ

۷۔ مذہبی انتہاء پسندی کا خاتمہ تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

درج ذیل مقالے میں ان پہلوؤں کو ترتیب وار بیان کیا جائے گا۔

۱۔ مذہب (Religion)

مذہب عربی زبان کا لفظ ہے۔ مادہ ذ۔ ہ۔ ب ہے تصریفی لحاظ سے ظرف مکان کے وزن پر ہے۔ لغوی طور پر اس سے مراد وہ طریقہ یا راستہ ہے جس پر چلا جائے۔[۱]

1۔ اصطلاحی لحاظ سے مفکرین نے مختلف الفاظ میں مذہب کی مختلف تعریف کی ہے۔

۱۔ سرای بی ٹیلر Taylor نے مذہب کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

[۲] Religion means the belief in Spiritual Beings.

۲۔ فرید وجدی نے لکھا ہے۔

"مذہب ان معقول خیالات کے مجموعے کا نام ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ تمام افراد انسانی رشتہ میں منسلک ہو جائیں اور وہ جسمانی فائدہ سے اس طرح بہرہ یاب ہوں جس طرح قوت عقلیہ سے وہ ہدایت حاصل کرتے ہیں۔[۳]

۳۔ برونائٹ ہیڈ لکھتا ہے ''مذہب اعتقاد کی اس قوت کا نام ہےجو وہ انسان اور انسانی کریکٹر میں انقلاب پیدا کر دیتی ہے بشرطیکہ انہیں خلوص کے ساتھ قبول کیا جائے اور بصیرت کے ساتھ سمجھا جائے۔[۴]

(مذہب کی قرآنی تعریف)

''مذہب ان ہدایات اور احکام کا نام ہے جو وقتاً فوقتاً اللہ نے اپنے انبیاء علیہ السلام کے ذریعے اپنے بندوں کے لئے بھیجے جن پر گامزن ہو کر انسان اس دنیا اور آخرت کی زندگی کے گیسو سنوار سکتا ہے۔

اسلام نے مذہب کے لئے ''دین'' کا لفظ استعمال کیا ہے ارشاد الٰہی ہے:

اِنَّ الدِّینَ عِندَ اللّٰہِ الاسلامَ اسلام ہی خدا کے نزدیک حقیقی دین ہے۔[۵]

۲۔انتہا پسندی Extremness

انتہا عربی زبان کا لفظ ہے۔ مادہ ن۔ ھ۔ ی ہے باب افتعال سے انتھی انتھاء کا مطلب ہے نہایت تک پہنچنا[۶] اردو میں مستعمل لفظ ''نہایت'' اسی سے ماخوذ ہے اس کے معنی ہیں آخری حد اور انتہا۔[۷]

لفظ انتہاء پسندی اسم کیفیت ہے انتہاء پسند کی۔ انتہاء پسند، اعتدال پسند کی ضد ہے، انتہاء پسند سے مراد کسی کام کے اخیر کو چاہنے والا۔ اور انگریزی میں Extremness اس کے مترادف ہے۔ عربی زبان میں انتہاء پسندی کے لئے ایک لفظ ''غلو'' استعمال ہوا ہے۔ اس کا مطلب ہے حد سے تجاوز کرنا[۸] انتہاء پسندی اور غلو کے بالمقابل اعتدال اور اعتدال پسندی کا لفظ مستعمل ہے۔ اعتدال بھی عربی زبان کا لفظ ہے اور اس کا مادہ ع۔ د۔ ل ہے۔ عدل سے مراد ہے میانہ روی اور درمیانی راہ اختیار کرنا۔ بالفاظ دیگر افراط و تفریط سے اپنے آپ کو دور رکھنا۔ اعتدال پسندی کے لئے انگریزی میں Moderation کا لفظ استعمال ہوتا ہے[۹] انتہاء پسندی کو جب مذہب کے ساتھ منسلک کیا جائے اور کہا جائے کہ مذہبی انتہاء پسندی Religious Extremness تو اس سے انسان کا مذہب میں غلو اور شدت اختیار کرنا اور حد سے تجاوز کرنا مراد لیا جائیگا نیز انسان کا دیگر مذہبی اقوام سے سخت گیرانہ، متشددانہ اور غیر لچکدارانہ رویہ اختیار کرنا مراد ہوگا۔

مذہبی انتہاء پسندی (تاریخی و تقابلی جائزہ)

جب ہم مذہب اسلام کی بات کرتے ہیں تو دیگر مذاہب یہودیت، عیسائیت اور ہندو مذہب بھی ذہن میں آتے ہیں۔ اسلام کی مذہبی انتہا پسندی کا جائزہ لینے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ مختلف مذاہب کی انتہاء پسندی کا تاریخی، واقعاتی اور احکامی لحاظ سے تقابلی مطالعہ و جائزہ Comparative Study لیا جائے تاکہ اس تقابلی مطالعہ سے (بالا ضداد تبین الاشیاء آپس میں مقابلہ کرنے سے اشیاء کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے)۔ واضح ہو جائے کہ کون سے مذاہب کے پیروکار تشدد، انتہاء پسندی و سخت گیری کے قائل ہیں اور کون سے نہیں؟

ا۔ یہودیت اور انتہاء پسندی (Jewishness & Extremness)

یہودی مذہب تنگ نظری، انتہاء پسندی، تشدد پسندی اور ہٹ دھرمی سے عبارت ہے۔ یہ ایک محدود نسلی مذہب Racial Religion ہے جو مذہب کی آفاقی اور عالمگیر قدروں سے عاری ہے۔ قوم یہود صرف دنیا میں ہی افضل ترین قوم نہ تھی بلکہ عند اللہ بھی محبوب ترین قوم تھی کیونکہ اس نے توحید کی بنیاد رکھی تھی مگر یہ لوگ فرمان اور مغرور ہو گئے انہوں نے انبیاء کو قتل کرنا شروع کیا۔ قرآن میں اس طرح بیان کیا ہے۔

وَيَقْتُلُونَ الانبياءَ بِغَيرِ حق ۔ جس قدر انعامات اللہ نے اس قوم پر کئے اتنے کسی قوم پر نہیں کئے، لیکن یہ ایسی بدبخت قوم تھی۔ جتنا اللہ نے ان پر انعام واکرام کیا یہ اتنی ہی سرکش و باغی ہوتے گئے۔ جس کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو امارت اور حکومت سے محروم کر کے ان پر ذلت و مسکنت مسلط کر دی۔ جس کو قرآن نے وَضُرِبَتْ عَلَيهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ کہہ کر بیان کیا ہے۔ بنی اسرائیل کو اعزاز نبوت سے محروم کر کے تاج بنی اسمٰعیل میں منتقل کر دیا۔

ہمارے پیارے نبی ﷺ سرکار دو جہاں بنی اسماعیل سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہودی آنحضرت ﷺ کی نبوت کو برداشت نہ کر سکے۔ عیسائی اور یہودیوں کی انتہا پسندی شدت پسندی اور اسلام بیزاری کی اصل وجہ ہی یہ ہے کہ وہ نبوت کو بنی اسرائیل کا خاصہ سمجھتے رہے۔ ان کے وہم و گمان میں نہیں تھا کہ حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد میں نبوت منتقل ہو جائے گی اور وہ نبوت سے محروم کر دیئے جائینگے۔

انتہاء پسندی پر مبنی ان کی تعلیمات ملاحظہ ہو:

جنگی قیدیوں، مال غنیمت اور مفتوحین کے متعلق توریت کی تعلیمات یہ ہیں۔

> ''جب تو کسی شہر سے جنگ کرنے کو اس کے نزدیک پہنچے تو پہلے اسے صلح و آشتی کا پیغام دے تاکہ وہ تجھے صلح کا جواب دے اور اپنے پھاٹک تیرے لئے کھول دے۔ وہاں کے باشندے تیرے باجگذار بن کر تیری خدمت کریں، اگر وہ تجھ سے صلح نہ کریں بلکہ لڑنا چاہیں تو اس کا محاصرہ کرنا اور جب تیرا خدا اسے تیرے قبضے میں دے تو وہاں سے ہر مرد کو تلوار سے قتل کر ڈالنا اور عورتوں کے بال بچوں اور چوپایوں، شہر کے سب مال لوٹ کر اپنے لئے رکھ لینا۔[۵۲]
>
> ''سنو تم ان بچوں کو جو لڑکے ہیں سب کو قتل کرو اور ہر ایک عورت کو جو مرد کی صحبت سے واقف ہو چکی ہو جان سے مارو لیکن وہ لڑکیاں جو مرد کی صحبت سے واقف نہیں ہوئیں ان کو اپنے لئے زندہ رکھو۔[۵۳]

۲۔ عیسائیت اور انتہاء پسندی Christianity & Extremness

عیسائیت کی تاریخ شروع ہی سے جبر و تشدد اور انتہاء پسندی کی تاریخ ہے حالانکہ عیسیٰؑ کی تعلیمات نے عفو اور محبت کی تعلیم

یہاں تک دی کہ اگر کسی کے گال پر کوئی طمانچہ مارے تو دوسرا گال بھی اس کی طرف پھیر دے۔

عیسائیت کی انتہاء پسندی کا جائزہ لینا ہے تو پھر ہسپانیہ کی تاریخ اور سقوط غرناطہ اس کے لئے کافی ہے۔ سقوط غرناطہ تاریخ کی وہ خونی کتاب ہے جس کے ہر صفحہ قرطاس پر غم والم، درد وکرب، بربریت، وحشت اور سفاکیت کی داستانیں رقم ہیں۔ سقوط غرناطہ ظلم وسفاکی اور جور وستم کا زخم رسیدہ باب ہے۔

عیسائی اسلام کو حرف غلط کی طرح مٹانے کے لیے پہلے مساجد ومدارس کو زمین بوس کرتے ہیں، مذہبی کتابوں کو نذر آتش کرتے ہیں، اسلامی نام بدلنے پر مجبور کرتے ہیں مگر اس کے باوجود بھی جب شمع اسلام کو سینوں میں فروزاں دیکھتے ہیں تو تبدیلی مذہب کا قانون نافذ کر کے کشتوں کے پشتے لگا دیتے ہیں اور قانون پر عملدرآمد نہ کرنے والوں کو قابل گردن زنی ٹھہراتے ہیں۔ سقوط غرناطہ کے موقع پر ڈون جون نے پچاس ہزار شہری ذبح کر کے ان کی لاشوں پر تہوار منایا۔[۱۲]

صلیبی جنگیں بھی عیسائی انتہاء پسندی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ ۱۰۹۹ء میں فتح یروشلم کے موقع پر بدترین انتہاء پسندی اور خون ریزی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ۷۰ ہزار سے زائد مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ آٹھ دن تک مسلسل قتل عام کے بعد مسلمانوں کی لاشیں اور انسانی اعضاء خون میں تیر رہے تھے۔[۱۳]

ہندو انتہا پسندی:

دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کی جھوٹی دعوے دار بھارتی حکومت مذہبی انتہاء پسندی کی سب سے بڑی علم بردار ہے۔ ہندوؤں کی مذہبی کتب مقدسہ انتہاء پسندی اور قتل وغارت گری سے بھری پڑی ہیں۔

ہندومت کی تعلیمات کا خلاصہ سوامی دیانند کے الفاظ میں یہ ہے ''دھرم کے مخالفوں کو زندہ آگ میں جلا دو۔ دشمنوں کے کھیتوں کو اجاڑ دو۔ گائے بیل اور لوگوں کو بھی مار کر ہلاک کر دو جس طرح بلی چوہے کو تڑپا تڑپا کر مارتی ہے اس طرح دشمنوں کو تڑپا تڑپا کر ہلاک کر دو''۔[۱۴]

یجروید میں لکھا ہے:

> ''اے اگنی ہماری مزاحمت کرنے والی جماعتوں کو مغلوب کر۔ ہمارے دشمنوں کو بھگا دے۔ اے اجیت دیوتاؤں کو نہ ماننے والے حریفوں کو قتل کر اور اپنے پجاری کو شوکت وعظمت نصیب کر''۔[۱۵]

یہ تو ہندوؤں کی مذہبی تعلیمات کی انتہاء پسندی کے دو نمونے تھے۔ ہندو رہنماؤں کے بیانات مذہبی انتہاء پسندی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ ذیل میں ان کے دو رہنماؤں کے بیانات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ ہندو رہنما ڈاکٹر کشیور ابلی رام کہتا ہے:

> ''ہندوستان کا پورا کو چک ہندوؤں کا ہے جو اس میں ہزار ہا سال سے رہتے چلے آ رہے ہیں اور مسلمان دنیا کے اس حصہ میں اجنبی اور غیر ملکی ہیں''۔[۱۶]

۲۔ راج کمار اتھی نے ہندو مسلم اتحاد کا یہ طریقہ کار پیش کیا "بلا شبہ ہندو مسلم ایکتا (اتحاد) نہیں ہو سکتا جب تک سب مسلمان شدھ ہو کر ہندو نہ ہو جائیں"۔ [۱۷]

ذات پات، رنگ و نسل، برھمن اور اچھوت کے گورکھ دھندوں میں قید اور اصنام پرستی و گاؤ پرستی کا شکار ہندو اسلام اور مسلمانوں کو کب گوارا کرتے تاریخ بزبان خود اس حقیقت کی ترجمان ہے۔ انہوں نے فاتح سندھ محمد بن قاسم کو غاصب اور لٹیرا کہا۔ محمود غزنوی کو زر پرست اور ہوس پرست کہا۔ شاہان سلطنت مغلیہ کو شاہ پرست کہا حالانکہ تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ مسلمان نے برصغیر پاک و ہند میں اپنے دور اقتدار میں کبھی بھی مذہب کو بطور ہتھیار استعمال نہیں کیا اور نہ ہی اس مذہبی انتہاء پسندی اور تنگ نظری کا مظاہرہ کیا اور زبردستی انہیں مسلمان بنایا۔ یہ تو علمائے ربانیین، اولیاء اکرام اور صوفیان اکرام کا فیضان واثر تھا کہ ہندومت کی غلاظتوں میں پڑے ہوئے، ذات پات کے بندھنوں میں جکڑے ہوئے، بتوں کے آگے سجدہ ریز، مظلوم و ستم رسیدہ ہندو اپنے دامنوں کو جھاڑتے ہوئے، ذات پات کے بندھنوں کو توڑتے ہوئے اور غلط سجدوں سے اٹھ کر اسلام کے دامن عافیت میں آ گئے۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

محمد بن قاسم نے ہندوؤں کے لئے بھی جاگیریں وقف کیں برہمنوں کو بڑے بڑے عہدوں سے نوازا، صاحب آئینہ حقیقت نما لکھتے ہیں۔

"محمد بن قاسم اور اس کے عہد کے مسلمان گورنروں نے ملک سندھ میں ہندوؤں کے مندروں کے لئے بڑی بڑی جاگیریں وقف کیں۔"

کپتان الیگزینڈر ہملٹن ایک یورپی سیاح اپنے سفر نامہ ج ا۔ ص ۱۲۷ میں شہر ٹھٹھہ صوبہ سندھ کے متعلق لکھتا ہے۔

"ریاست کا مذہب اسلام ہے لیکن تعداد میں اگر دس ہندو ہیں تو ایک مسلمان ہے، ہندو کے ساتھ رواداری پورے طور پر برتی جاتی ہے اور وہ اپنے برت رکھتے ہیں اور تہواروں کو اس طرح مناتے ہیں جیسے اگلے زمانوں میں منایا کرتے تھے جبکہ بادشاہت خود ان کی تھی"۔ [۱۸]

یہ وہ تاریخی حقائق تھے جسے نہ ہی جھٹلایا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کا انکار کیا جا سکتا ہے۔ اب تحریک پاکستان میں ہندو ذہنیت کا جائزہ لیتے ہیں۔

تحریک پاکستان کے پورے عرصے میں ہندو انتہا پسندی پورے طور پر کارفرما رہی۔ ہندوؤں نے ہندو مسلم اتحاد کا پرفریب نعرہ لگایا اور کانگریس کی بنیاد ڈالی۔ قائداعظم پہلے ہندو مسلم اتحاد کے زبردست حامی اور کانگریس کے رکن تھے، لیکن جب انہوں نے ہندوؤں کا انتہاء پسندانہ اور متعصبانہ رویہ دیکھا تو دل برداشتہ ہو کر کانگریس چھوڑ کر مسلم لیگ میں شامل ہو گئے اور دو قومی نظریہ Two Nations Theory کے پرزور حامی کے طور پر سامنے آئے۔ تحریک پاکستان کے مختلف مراحل میں ہندوؤں نے

اپنی ہندو انتہا پسندی کا کھل کر اظہار کیا چاہے وہ شدھی اور سنگھٹن کی تحریکیں ہوں یا نہرو رپورٹ اور تقسیم بنگال کی مخالفت۔

یہ انتہا پسندی قیام پاکستان پر آ کر رک نہیں جاتی بلکہ ہنوز بدستور جاری ہے جس کا جائزہ ''دور حاضر میں مذہبی انتہاء پسندی کے رجحان'' کے ضمن میں لیا جائے گا۔

اسلام اور مذہبی انتہاء پسندی: Islam & Religious Extremness

اسلام مذہبی انتہاء پسندی کا نہ ابتداء سے قائل تھا اور نہ اب اسلام مذہب اعتدال ہے اس میں نہ افراط ہے نہ تفریط۔ مسلمانوں کو امت وسط اس لئے کہا گیا ہے کہ یہ اعتدال و میانہ روی کی راہ پر گامزن ہے۔ دین میں انتہاء پسندی اور غلو سے روکا گیا ہے۔

''ایاکم والغلو فی الدین انما هلک من قبلکم بالغلو فی الدین''[۱۹]

تم دین میں غلو کرنے سے بچو تم سے پہلے کے لوگ دین میں غلو کے باعث ہلاک ہوئے۔

صحیح مسلم میں ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا **''هلک المتنطون''**[۲۰]

آپ ﷺ نے یہ جملہ تین مرتبہ ارشاد فرمایا۔ امام نووی اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو بال کی کھال نکالتے ہیں۔ شدت پسندی کا رویہ اپناتے ہیں اور اپنے اقوال و اعمال میں حد سے بڑھ جاتے ہیں۔ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''لاتشدد و اعلیٰ انفسکم فیشدد علیکم قوماً شدد و اعلیٰ انفسکم فشدد علیهم فتلک بقایا هم فی الصوامع والدیارات''[۲۱]

اپنے اوپر سختی نہ کرو ورنہ یہ سختی تم پر لازم کر دی جائے گی۔ ایک گروہ نے (انتہا پسندی کا رویہ اپنا کر) اپنے اوپر سختی کی تو ان پر سختی کی گئی اور اس گروہ سے بچے ہوئے باقی افراد صوامع اور راہب خانوں میں ہیں۔ اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا ''ان لنفسک علیک حق'' تمہارے نفس کا تم پر حق ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ نفس کو اتنی مشقت میں نہ ڈالو کہ وہ بلبلا اٹھے۔ نفس کو کھلاؤ اگر وہ کھانے کا متقاضی ہو۔ اس کو آرام پہنچاؤ اگر وہ آرام کا متقاضی ہو۔ اسی لئے مسلسل روزوں سے منع کیا گیا ہے۔ اسلام دین و دنیا کے حسین امتزاج کا نام ہے۔ دین اور دنیا میں یگانگت پیدا کرنے کے لئے فرمایا ''لا رھبانیة فی الاسلام'' اسلام میں رہبانیت نہیں۔ عبادات اور زہد کے معاملے میں آپ ﷺ نے مبالغہ آرائی سے منع کیا اور ایسے رویوں پر نکیر بھی فرمائی۔

عاصیوں سے مجتنب ہے زاہد
زہد حد گناہ کو پہنچا

یہ مندرجہ بالا بحث تو مذہب کے بارے میں انتہا پسندی اور غلو سے متعلق ہے۔ ذیل میں غیر مسلموں کے بارے میں انتہا

پسندی اور شدت پسندی کی ممانعت میں بطور استشہاد قرآن کی آیت پیش کرتا ہوں۔

آج کل بڑے زور وشور سے یہ بحث جاری ہے کہ غیر مسلموں سے تعلقات قائم کئے جا سکتے ہیں یا نہیں۔ یا کسی طرح ان کو دوست بنایا جا سکتا ہے کہ نہیں؟ چند انتہا پسند اور شدت پسند اس سلسلے میں سخت گیر اور بے لوچ رویئے کے حامی ہیں جبکہ مندرجہ ذیل آیت صریحاً اس بات کا حکم دے رہی ہے کہ ضرورتاً مصلحتاً اور وقتی تقاضوں کو روبہ عمل لانے کے لئے ان سے تعلقات قائم کئے جائیں یا دوست بنایا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔

سورہ آل عمران کی آیت ہے۔

''مومنین اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا رفیق اور دوست ہرگز نہ بنائیں، جو کوئی ایسا کرے گا اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں۔ ہاں اگر تمہیں ان سے کوئی خوف ہو تو صحیح ہے''۔[۲۲]

قرآن نے واضح کیا ہے کہ:

اگر ان سے ڈر اور خوف کا اندیشہ ہو تو ان سے تعلقات قائم کئے جا سکتے ہیں۔

کہاں ہیں وہ لوگ جو اسلام کو تنگ نظر، شدت پسند اور انتہاء پسند بنانے پر تلے ہوئے ہیں؟ وہ آیت قرآنی کا مطالعہ تو کریں۔

دراصل ایسے گروہ اور جماعتیں اپنے مخصوص عزائم کے تحت سیاسی Political ہوں یا معاشی Economical اس طرح شدت پسندی اور انتہاء پسندی کو ہوا دیتی ہیں کہ لوگ ان کے آلہ کار اور ہمنوا بن جائیں اور پھر ان کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کریں۔

غلو پسندی اور انتہاء پسندی کے مفاسد:

غلو کا رویہ طبیعتو میں وحشت پیدا کرتا ہے۔ اس کی برداشت ہر انسان کے بس کی بات نہیں۔ شاذ و نادر ہی ایسے لوگ ہوں جو اس کو برداشت کر سکیں۔ طبیعتیں شدت پسندی سے اکتا جاتی ہیں اور ان میں چڑ چڑا پن پیدا ہو جاتا ہے۔ انسان فطری طور پر ضعیف پیدا کیا گیا ہے ''وخلق الانسان ضعیفا'' اس لئے فطری طور پر وہ اس کو برداشت نہیں کر سکتا۔ شریعت نے اتنا ہی بار گراں انسان کے کندھے پر ڈالا ہے جتنا وہ اس کو برداشت کر سکے۔ بے جا تکلیف اور مشقت میں نہیں ڈالا۔ ''لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا''[۲۳] اللہ کسی بھی شخص کو اس کی کشائش اور گنجائش سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ یہ شدت پسند اور انتہاء پسندی ہے جس نے اپنے آپ عبادات تک ہی یہ طرز عمل اختیار کرتے ہیں لیکن معاملات، تعلقات اور اخلاقیات کے حوالے سے ان کا طرزِ عمل بالکل منفی ہوتا ہے جبکہ اسلام عقائد، عبادات، معاملات، تعلقات اور اخلاقیات کے حسین مجموعے کا نام ہے۔

دورِ حاضر میں مذہبی انتہاء پسندی کا رجحان:

دورِ حاضر میں مذہبی انتہاء پسندی کے رجحان میں قابل افسوس حد تک اضافہ ہوا ہے۔ انتہاء پسندی ملکی سطح National

Level پر ہو یا عالمی سطح International Level پر قابل مذمت ہے اور دورِ حاضر میں تو اس نے عفریت کی شکل اختیار کر لی ہے۔ امن عالم پارہ پارہ ہو چکا ہے۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ دور حاضر میں عالمی سطح پر مذہبی انتہاء پسندی کا شکار آج مسلمان ہیں۔ عالم اسلام کے خلاف سازشیں جاری ہیں۔ اس وقت پوری دنیا مسلم امت کے خلاف جارحیت پر اتر آئی ہے۔ مسلم ملکوں اور ان کے مقدس مقامات پر وحشیانہ حملے کئے جا رہے ہیں۔ یہ ایک ایسی جنگ ہے جس پر ساری غیر مسلم یہودی، صلیبی، اشتراکی اور ہندو طاقتیں متفق ہیں اور اسلام کو پھلتا پھولتا برداشت نہیں کر سکتیں۔ باوجود آپس میں باہمی تضادات ہیں۔ اسلام کے خلاف سب متحد ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''جو لوگ منکر حق ہیں وہ ایک دوسرے کی حمایت کرتے ہیں''۔

طرفہ تماشا یہ ہے کہ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے کے مصداق انہوں نے مسلمان کے لئے بنیاد پرست Fundamentalist اور انتہاء پرست Extremist سخت گیر Oppressive اور نہ جانے کیسی کیسی اصطلاحات چن کر عالمی نشریاتی اداروں کے حوالے کر دی ہیں۔ اپنے مذموم اور مسموم پروپیگنڈے کے لئے الفاظ کے دروبست سے کھیلنے والے ان عالمی شاطر بازوں اور چالبازوں نے پرنٹ میڈیا Print Media اور الیکٹرانک میڈیا Electronic Media کو اس عیاری و مکاری سے استعمال کیا ہے کہ ہر دیکھنے والی آنکھ اور سننے والے کان ان کے دام فریب میں آ چکے ہیں۔

آج ان عالمی نشریاتی اداروں پر ان عالمی طاقتوں کے کاسہ لیس اور گماشتے ناگ بنے بیٹھے ہیں، جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ ثابت کرنے میں دن رات مصروف ہیں۔ ان کی ساری تان مسلمانوں کو بنیاد پرست Fundamentalist اور انتہاء پسند Extremist ٹھہرانے پر ٹوٹتی ہے۔

اس کے برعکس یہ کہنا حقیقت ہے کہ آج عالم اسلام لہولہان ہے۔ ایک خونچکاں داستان اس سے وابستہ ہے۔ ان کے جسم سے لہو ٹپک رہا ہے۔ آج اگر ہم دنیا پر نظر دوڑائیں تو کشمیر سے لے کر بوسنیا اور عراق و افغانستان سے لے کر کوسوو الجزائر تک ایک طویل مصائب و آلام کا سلسلہ ہے جس کے نتیجے میں لاکھوں مسلمان اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں اور لاکھوں زخمی و معذور ہو کر ہمیشہ کے لئے محتاج ہو چکے ہیں۔ یہ سب مسلمانوں کے خلاف مذہبی انتہاء پسندی اور امتیازی سلوک کا نتیجہ ہے۔

برق گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر

ذیل میں کچھ ایسے ممالک جہاں مسلمانوں کے خلاف مذہبی انتہاء پسندی اپنے عروج پر ہے۔

ا۔ ہندوستان:

دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کی دعوے دار ہندوستان حکومت مذہبی انتہاء پسندی کی سب سے بڑی پشتیبان ہے۔ اس کی بنیادی وجہ انتہاء پسندی اور تعصب کا وہ خمیر ہے جو ان کی رگوں میں دوڑ رہا ہے۔ انہوں نے مسلمانوں کو کبھی تسلیم ہی نہیں کیا اور ہمیشہ غاصب اور لٹیرے ٹھہرایا۔ قیام پاکستان سے قبل کے فسادات ہوں یا بعد کے انہوں نے ہمیشہ مسلمانوں کے خون کی ندیاں

بہائی ہیں۔ گجرات میں مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلی گئی۔ گھروں کو نذر آتش کیا گیا۔ پاکستان کے وجود کو کبھی تسلیم نہیں کیا گیا۔ ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء کی جنگیں اسی مذہبی جنون پرستی کا شاخسانہ ہیں۔ ہندوستان میں مسلمانوں کے مقامات مقدسہ کی بے حرمتی کی گئی اور مساجد کو بھی مسمار کر دیا گیا۔ اجودھیا میں مشہور اور تاریخی بابری مسجد کو شہید کیا گیا اور دعویٰ کیا گیا کہ یہاں رام مندر تھا۔ اب بھی وہ وہاں رام مندر بنانے پر مصر ہیں۔ ملاحظہ ہو وزیر اعظم واجپائی کا حالیہ بیان ''اقتدار میں آ کر ہر قیمت پر رام مندر بنائیں گے''۔[۲۴] بھلا اس طرح کے اقدامات سے مذہبی انتہا پسندی پر قابو پایا جا سکتا ہے؟

۲۔ اسرائیل:

اسرائیل کے قیام کے بعد سے اس خطہ پر پہلے سے آباد مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا ان کی پراپرٹیاں خرید لی گئیں یا ان پر قبضہ کر لیا گیا۔ قیام اسرائیل سے قبل یہودی پوری دنیا میں دربدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور تھے، درماندگی ان کا مقدر تھی اور وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ کی منہ بولتی تصویر تھے۔ اگر عالمی طاقتوں کی حاشیہ نشینی اور آشیرباد نہ ہوتی تو قیامت تک اس طرح بے اماں و بے مکاں رہتے۔

۱۴ مئی ۱۹۴۸ء کو ایک سازش کے تحت ''اعلان بالفور'' کے نتیجے میں اسرائیل کے قیام کی منظوری دے کر عالم عرب کے قلب میں خنجر گھونپ دیا گیا۔ وہ دن اور آج کا دن اسرائیل عالم عرب کے لئے سوہان روح بنا ہوا ہے۔ کوئی دن ایسا نہیں گذرتا جب مسلمانوں کے لاشے نہ گرتے ہوں، کوئی عورت بیوہ نہ ہوتی ہو، کوئی بچہ یتیم نہ ہوتا۔ لیکن دنیا کی خاموشی باعثِ حیرت کہ کوئی اسے لگام دینے والا نہیں۔

اب جبکہ دنیا ایٹمی تباہی کی ہولناکیوں سے واقف ہو چکی ہے اور اسے رول بیک کرنا چاہتی اسرائیل کا رویہ ہٹ دھرمانہ اور ضدانہ ہے۔ ملاحظہ ہو ''اسرائیل نے ایٹمی پروگرام کے معائنے کی عالمی ایجنسی کی درخواست مسترد کر دی''۔[۲۵]

عربوں نے اس شجرہ خبیثہ کو جڑ سے اکھاڑنے کے لئے ۱۹۴۸ء، ۱۹۵۶ء، ۱۹۶۷ء اور ۱۹۷۳ء کی جنگیں لڑیں مگر وہ اس کا قلع قمع نہ کر سکے اور خود انتشار کا شکار ہو گئے۔

۳۔ بوسنیا:

یورپ کے قلب میں سفید فام مسلمانوں کا ملک، بھلا انگریز اسے کہاں برداشت کر سکتا تھا۔ آج اقوام متحدہ اپنے ایوانوں سے بوسنیا کے نہتے مسلمانوں کے ساتھ کی جانے والی سفاکی کے نظارے دیکھ رہی ہے۔ جانوروں اور پرندوں سے محبت کرنے والوں کے لئے بوسنیائی مسلمانوں کا خون جانوروں سے زیادہ مقدس نہیں۔ سربیا کے عیسائیوں کے درندگی اور مظالم ''صلیبی جنگوؤں'' کی آدم خوری کی یاد دلاتے ہیں۔ ۱۹۹۵ء میں شہید ہونے والے ہزاروں بوسنیائی باشندوں کی اجتماعی قبریں دریافت ہو چکی ہیں اور ہو رہی ہیں۔ مظالم کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے۔[۲۶]

حالیہ دور میں مذہبی انتہاء پسندی کی مثال کشمیر کی آزادی کی عدم پیشرفت ہے۔ نصف صدی سے یہ مسئلہ ابھی تک لاینحل

ہے جبکہ معمولی سی ہلچل سے مشرقی تیمور East Taimor کو انڈونیشیا سے جدا کر کے باقاعدہ ایک عیسائی State بنا دیا گیا راتوں رات U.N.O میں قرارداد یں منظور کرا کر اسے آزادی، نام اور پرچم دے دیئے جائیں تو اہل کشمیر کہاں جائیں؟

علاوہ ازیں خود ان آزادی کے دعویداروں اور جمہوریت کے متوالے ملکوں کے اندر مسلمانوں کے ساتھ مذہبی امتیاز Religious Discrimination کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے۔ مسلمانوں پر حدود اور قیود عائد کی جا رہی ہیں حال ہی میں فرانس میں مسلمان عورتوں اور بچیوں پر حجاب کرنے اور اسکارف لینے پر پابندی عائد کر دی گئی تھی۔

مذہبی انتہاء پسندی کا خاتمہ: Eradication of Religious Extremness

مذہبی انتہاء پسندی کو ختم کرنے کے لئے اس وقت دنیا میں کوئی نظام موثر کارگر ثابت نہیں ہو سکا۔ عالمی سطح پر سوشلزم Socialism کا تجربہ بھی ہو چکا۔ سرمایہ دارانہ نظام Capitalism بھی آزمایا جا چکا ہے۔ مغربی جمہوری نظام Western Democratic System کے ثمرات کا بھی دنیا مشاہدہ کر چکی ہے۔ New World Order کے نتائج بھی دنیا کے سامنے ہیں۔ Unipolar Power کے خطرات بھی پوری دنیا پر منڈلا رہے ہیں۔ اب صرف ایک ہی نظام رہتا ہے اور وہ ہے محمد عربی ﷺ کا لایا ہوا ''دین اسلام'' جس کے بارے میں دنیا کے تمام دانشوروں اور انسانیت کے بہی خواہوں کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ ایسے وقت میں اسلام ہی مستقبل میں امن عالم کی ضمانت فراہم کر سکتا ہے۔ اب جائزہ لیتے ہیں مذہبی انتہاء پسندی کے تدارک اور انسداد کا تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں۔

دور حاضر میں مذہبی انتہاء پسندی کا خاتمہ تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں:

مندرجہ بالا انتہاء پسندی کے تناظر میں تعلیمات و عمل نبوی کا مطالعہ کرتے ہیں تو اسلام کی عدم انتہاء پسندی نمایاں ہو کر سامنے آتی ہے جس کی نظیر لانے سے دوسرے مذاہب قاصر ہیں۔ آپ ﷺ کے اقوال و ارشادات اور آپ ﷺ کا عمل مبارک جسے حدیث قولی اور فعلی کہا جاتا ہے، تعلیمات نبوی ﷺ کا حصہ ہیں چونکہ نبی کریم ﷺ کا قول و فعل قرآن کے تابع تھا۔ قرآن وحی متلو ہے اور حدیث غیر متلو لہٰذا دونوں حوالوں سے مذہبی انتہاء پسندی کا جائزہ لیتے ہیں۔

عدم انتہاء پسندی قرآنی تعلیمات کی روشنی میں:

قرآنی تعلیمات مذہب کے اس تصور سے یکسر مختلف ہے جو لوگوں کے ذہن میں پختہ ہو چکا ہے۔ اسلام ایک عالمیہ برادری کے تصور کی بنیاد فراہم کرتا ہے جس سے دوسرے مذاہب کے لوگوں کو برداشت کرنا ممکن و سہل ہو جاتا ہے۔

۱۔ اسلام غیر مسلموں کے مقدس اشیاء کی توہین کرنے سے منع کرتا ہے۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ

۲۔ اسلام دنیا کا واحد مذہب ہے جس نے آ کر اعلان کیا کہ مذہب کے معاملے میں کوئی زبردستی اور جبر نہیں۔

"لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ"۔[۲۸]

۳۔ اسلام مذہب اختیار کرنے کے معاملے میں اختیار دیتا ہے۔

"فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْیَکْفُرْ"[۲۹]

۴۔ اسلام نے دیگر مذہب کے ساتھ پر امن بقائے باہمی Peaceful Co-existance کا رشتہ قائم کرنے کے لئے اہل کتاب کو آگے بڑھنے کی دعوت دی۔

"یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا"

اے اہل کتاب آؤ ایسے کلمے کی طرف جو ہمارے تمہارے درمیان مشترک ہو۔[۳۰]

۵۔ مذہبی آزادی کے لئے یوں کہا:

"لِکُلِّ اُمَّۃٍ جَعَلْنَا مَنْسَکًا ھُمْ نَاسِکُوْہُ فَلَا یُنَازِ عُنَّکَ فِی الْاَمْرِ"

ہر امت کے لئے عبادت کا ایک طریقہ مقرر ہے جس پر وہ چلتی ہے اس معاملے میں لوگ آپ سے جھگڑا نہ کریں۔[۳۱]

۶۔ لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ.

تمہارے لئے تمہارا دین اور ہمارے لئے ہمارا دین۔[۳۲]

۷۔ مذہب قبول کرنے میں کوئی زبردستی نہیں۔

اسلام نے مذہب اختیار کرنے کا کا معاملہ ہر شخص پر آزادانہ چھوڑا ہے کہ وہ با اختیار ہے آیت پر غور کیجئے۔

"وَلَوْ شَآءَ رَبُّکَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ کُلُّھُمْ جَمِیْعًا ط اَفَاَنْتَ تُکْرِہُ النَّاسَ حَتّٰی یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ"[۳۳]

ترجمہ: اگر آپ ﷺ کا رب چاہتا تو جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کے سب ایمان لے آتے کیا آپ لوگوں کو مجبور کریں گے کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔

۸۔ فیصلہ ظاہر پر ہوگا باطن پر نہیں۔

"وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓی اِلَیْکُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا"

جو کوئی تمہیں (مسلمانوں کا سا) سلام کرے اسے یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں۔[۳۴]

یہ آیت بتاتی ہے کہ کسی کو انتہاء پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جھٹ کافر نہیں قرار دینا چاہئے۔

۹۔ عدل وانصاف اپنے ہوں یا پرائے، مسلم ہوں یا غیر مسلم سب برابر ہیں:

"وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی"

اور کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر نہ ابھارے کہ عدل نہ کرو بلکہ عدل کرو یہ تقویٰ کے قریب ہے۔[۳۵]

انتہاء پسندی سے متعلق ایک شبہ کا ازالہ :

ان تمام تعلیمات کے بعد اگر کوئی یہ شبہ کرے کہ مسلمانوں کا ہتھیار اٹھانا یا اپنا بچاؤ کرنا انتہاء پسندی کے زمرے میں آتا ہے یہ سراسر غلط فہمی ہے۔ اسلام نے جنگ کی اجازت دو صورتوں میں دی ہے۔

۱۔ مسلمانوں پر اس حد تک ظلم کیا جائے کہ وہ بنیادی حقوق سے محروم ہو جائیں (یعنی انسان کی جان و مال، عزت، نسل، دین وفکر وعقل کا تحفظ نہ ہو سکے)۔

یہ پانچ بنیادی حقوق فقہاء اسلام نے قرآن و حدیث کی تعلیمات کی روشنی میں متعین کئے ہیں۔ اصل عبارت موافقات شاطبی ج ۴، ص ۲۲ یہ ہے۔

"مجموع الضروريات خمسة حفظ الدين و النفس و النسل و المال و العقل"

فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر ان پانچ حقوق کی رعایت نہیں دی جائے گی تو انفرادی زندگی میں فساد و بگاڑ پیدا ہوگا اور قومی و بین الاقوامی معاملات میں بھی کشیدگی ہوگی۔

۲۔ مسلمانوں کے دین کو مٹانے کی کوشش کی جائے۔

ان مندرجہ بالا تعلیمات کو دیکھتے ہوئے اگر جان و مال کی حفاظت کے لئے مزاحمت کی جائے۔ عزت کی پامالی کو بلا چوں چراں قبول نہ کیا جائے۔ من پسند مذہب کی بجائے مسلط کردہ مذہب کو رد کر دیا جائے تو یہ انتہاء پسندی نہیں شدت پسندی نہیں۔

عدم انتہاء پسندی تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں :

تعلیمات نبوی ﷺ میں آج بھی اثر پزیری ہے۔ آپ ﷺ کی تعلیمات کی صداقت کا سورج کبھی گہنایا نہیں۔ اس کی تابانیاں اور ضوفشانیاں اس طرح برقرار ہیں جس طرح پہلے تھیں۔ آنحضرت ﷺ کی تعلیمات آفاقی (Universal) ہیں۔ اس میں کسی خطے، نسل، قبیلے، کنبے یا قوم کا اختصاص نہیں۔ آپ ﷺ کی تعلیمات اعتدال کی راہ دکھاتی ہیں اور بنی نوع انسان کو پر امن بقائے باہمی Peaceful Mutual Co-existence کے اصول کے ذریعے تمام مذاہب عالم کے پیروکاروں کو زندہ رکھنے اور جینے کا حق دیتی ہیں۔

ملاحظہ ہوں آپ ﷺ کی تعلیمات :

اسلامی حکومت غیر مسلموں کی جان، مال، عزت اور بنیادی حقوق کی اس طرح پاسداری کرتی ہے۔ جس طرح مسلمانوں کے حقوق کی ضمانت دیتی ہے۔

آپ ﷺ کا فرمان ہے:

۱۔ جس نے کسی غیر مسلم ذمی پر ظلم کیا یا اس کے حقوق میں کمی کی یا اس کی طاقت سے زیادہ اس کو تکلیف دی یا اس کی کوئی چیز

اس کی دلی رضامندی کے بغیر حاصل کر لی تو قیامت کے روز میں اس کی طرف سے وکیل بن کر دعویٰ کرونگا۔[۳۶]

۲۔ آپ ﷺ نے فرمایا جس نے کسی زیر معاہد غیر مسلم کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھے گا۔[۳۷]

۳۔ آپ ﷺ نے فرمایا "لایرحمه الله من لا یرحم الناس"۔

اللہ اس پر رحم نہیں کرتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا یہاں مسلمین نہیں۔ فرمایا بلکہ الناس کہہ کر تمام انسانیت کو اس میں شامل کر دیا۔ یہ اسلام ہی کا ظرف ہے کہ اس نے مسلم، کافر اور مشرک تمام انسانوں کے ساتھ بلا امتیاز Without Discrimination اچھا سلوک روا رکھنے کی تاکید کی۔

یہ آپ ﷺ کے عملی فرمان کا ایک حصہ تھا۔ آپ ﷺ نے عملی طور پر بذات خود ایسے تاریخی معاہدات کئے جو آپ کی وسیع النظری، دور اندیشی اور عدم انتہاء پسندی کو ظاہر کرتے ہیں۔ ان میں سب سے اہم میثاق مدینہ، صلح حدیبیہ اور معاہدہ نجران کا ذکر ہے۔ تفصیل درج ذیل ہے۔

ا۔ میثاق مدینہ۔ عدم انتہاء پسندی کا شاہکار دستور:

مدینہ منورہ آمد اور ریاست کے قیام کے بعد آپ ﷺ نے مسلمانوں اور یہود وغیرہ کے مابین ایک معاہدہ کیا اسے دنیا کا پہلا تحریری دستور کہا جاتا ہے۔ یہ تاریخ ساز معاہدہ واضح طور پر دو حصوں میں تقسیم ہے پہلے حصہ میں ۲۳ دفعات ہیں اور دوسرے میں ۲۴۔ پہلا حصہ مسلمانوں کے باہمی تعلقات اور حقوق و فرائض کی نشاندہی کرتا ہے جبکہ دوسرا حصہ اہل اسلام اور دیگر اہل مدینہ کے باہمی تعلقات، حقوق، فرائض اور دیگر امور کی وضاحت کرتا ہے۔ "میثاق مدینہ" میں واضح اور دوٹوک الفاظ میں اس امر کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ غیر مسلم یہودیوں کو مکمل مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔

ا۔ بنو عوف کے یہود مسلمانوں کے ساتھ (ریاستی معاملات میں) ایک جماعت (فریق) سمجھے جائیں گے، یہود کے لئے ان کا دین ہے اور مسلمانوں کے لئے ان کا دین ہے۔ یہی ضمانت ان کے موالی اور ان کے اپنے لئے ہے۔ ان میں سے جو شخص ظلم کرے یا عہد شکنی کرے یا کوئی جرم کرے تو وہ صرف اپنے لئے اور اپنے خاندان کے لئے مصیبت پیدا کرے گا۔

۲۔ اہل معاہدہ صلح و خیر خواہی اور باہمی مشاورت کو اختیار کریں گے اور غداری کی بجائے وفا شعاری کو اپنائیں گے۔

۳۔ کوئی شخص اپنے حلف سے غداری نہیں کرے گا اور مظلوم کی مدد کی جائے گی (خواہ وہ کوئی ہو)۔

۴۔ اور جب ان (یہود وغیرہ) کو کسی صلح نامے میں شرکت یا اس کی پابندی کے لئے بلایا جائے گا تو ان کے لئے ان میں شرکت کرنا اور اس کی پابندی کرنا ضروری ہوگا اور جب وہ (یہود) اس مقصد کے لئے بلائے جائیں گے تو مومنوں کے لئے بھی اس میں شرکت اور اس کی پابندی ضرور ہوگی۔[۳۸]

غور کیا جائے تو مذکورہ صفات میں آپ ﷺ نے یہود کو وہ مراعات دیں جو کوئی تو کجا یہودی بھی تصور نہیں کر سکتے تھے۔ یہ

بقائے باہمی کے اصول اور عدم انتہا پسندی کی روشن مثال ہے۔

۲۔ صلح حدیبیہ: آپ کی صلح جوئی اور کشادہ قلبی کا مظہر:

آپ ﷺ نے ۶ ہجری میں جب عمرے کا ارادہ فرمایا،اور اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر حدیبیہ کے مشہور مقام پر پہنچے تو وہاں مشرکین مکہ نے روک دیا اور عمرہ ادا کرنے کی اجازت نہیں دی، طویل گفت وشنید کے بعد ایک معاہدہ طے پایا، اس کی چند شقیں یہ بھی تھیں۔

(۱) قریش کا جو شخص اپنے والی یا آقا کی اجازت کے بغیر بھاگ کر مدینے جائے گا اس کو واپس کیا جائیگا، اگر چہ وہ مسلمان ہو کر جائے۔

(۲) محمد ﷺ کے ساتھیوں میں سے جو شخص قریش کے پاس مکہ چلا جائے گا اس کو واپس نہیں کیا جائے گا۔

(۳) جو مسلمان پہلے سے مکہ میں مقیم ہیں ان میں سے کسی کو اپنے ساتھ نہ لے جائیں اور اگر مسلمانوں میں سے کوئی شخص مکہ میں رہنا چاہے تو اسے نہ روکا جائے۔ اتنی سخت شرائط پر آپ ﷺ نے کمال ضبط تحمل اور صبر و برداشت کا مظاہرہ فرمایا اور مشرکین کی ان شرائط کو یک طرفہ ہونے کے باوجود تسلیم کر لیا، غیر مسلموں کے ساتھ رواداری اور برداشت کا یہ بے مثال مظاہرہ تھا۔

۳۔ معاہدہ نجران: رواداری اور عدم شدت پسندی کا مظہر:

۲ ہجری میں نجران کے عیسائیوں پر مشتمل وفد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ کا اس وفد کے ساتھ حسن سلوک اور پھر ان کے ساتھ طے پانے والے معاہدہ اسلام کی قوت برداشت کے عملی ثبوت ہیں۔ یہ وفد جب آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؐ نے نہ صرف اس وفد کو مسجد نبوی ﷺ میں ٹھہرایا بلکہ انہیں وہاں اپنے مذہب کے مطابق نماز ادا کرنے کی اجازت بھی دی پھر طویل گفت وشنید کے بعد جو معاہدہ طے پایا اس میں بھی عیسائیوں کی بھرپور رعایت رکھی گئی، اس کی چند دفعات ملاحظہ فرمائیے۔

۱۔ اہل نجران اور ان کے اطراف کے تمام باشندوں کی جانیں، ان کا مال، ان کا مذہب، ان کے قبیلے، خواہ وہ حاضر ہوں یا غائب، ان کے متبعین، خواہ تھوڑے ہوں یا زیادہ سب کی حفاظت کیلئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ ذمہ دار ہوں گے۔

۲۔ ان کے نہ کسی اسقف کو اس کے عہدے سے ہٹایا جائے گا نہ کسی راہب کو نہ کسی کاہن کو۔ (یہ ان کے مذہبی عہدے تھے)۔

۳۔ ان سے کسی سابقہ جرم یا خون پر مواخذہ نہیں ہوگا۔

۴۔ نہ انہیں زبردستی فوجی خدمت پر مامور کیا جائے گا، نہ اس سے عشر لیا جائے گا۔

۵۔ اور اہل نجران میں سے اگر کوئی اپنا حق طلب کرے گا تو ان کے درمیان انصاف کیا جائے گا نہ ان پر ظلم ہونے دیا جائے

گا نہ ان پر کسی کو ظلم کرنے دیا جائے گا۔

۶۔ اہل نجران میں سے کسی شخص کو دوسرے جرم میں ماخوذ نہیں کیا جائے گا۔[۳۹]

☆ مکہ سے آپ ﷺ کو ہجرت پر مجبور کرنے والے کفار جب قحط میں مبتلا ہوئے تو آپ ﷺ نے رواداری سے بڑھ کر ان کے ساتھ احسان کا سلوک کیا اور انہیں پانچ سو اشرفیاں امداد بھیجی۔[۴۰]

☆ اس طرح جب یمامہ کے سردار ثمامہ نے اسلام لانے کے بعد اپنے ہاں سے مکہ کے لئے خوراک کی رسد بند کر دی تو اہل مکہ کی پریشانی دیکھ کر آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اہل مکہ کی رسد بحال کر دی جائے۔[۴۱]

☆ اس سے بھی بڑھ کر فتح مکہ کا اہم واقعہ ہے جب آپ ﷺ سخت جانی دشمنوں کو معاف کر کے کہتے ہیں ''الیوم یوم المرحمة'' آج کا دن رحم کا دن ہے۔ اعلان فرماتے ہیں ''اذھبو انتم الطلقاء'' جاؤ تم آزاد ہو۔[۴۲]

علاوہ ازیں آپ ﷺ نے اپنی روزمرہ کی زندگی میں غیر مسلموں کے ساتھ شدت اور سخت گیری کا معاملہ نہیں فرمایا۔ ملاحظہ ہو چند مظاہر:

حضرت ابو ہریرہؓ کی والدہ کافر تھیں جہالت کی وجہ سے آنحضرت ﷺ سے گستاخی کرتیں۔ ابو ہریرہؓ نے خدمت میں عرض کی تو بجائے بد دعا دینے کے آپ ﷺ کے دست مبارک ہدایت کی دعا کے لئے اٹھ آئے۔[۴۳] ایک دفعہ ایک یہودی کا جنازہ گزر رہا تھا۔ جنازہ جب آپ ﷺ کے پاس آیا تو آپ احترام آدمیت کی خاطر کھڑے ہو گئے۔ اللہ اللہ[۴۴] ایک یہودی لڑکا آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضری دیا کرتا تھا ایک دفعہ وہ کئی روز تک نظر نہیں آیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ وہ بیمار ہے آپ عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔[۴۵]

ان ارشادات و معمولات کو دیکھ کر فقہاء اسلام نے کچھ ضابطے اور اصول مقرر کئے ہیں جو درج ذیل ہیں۔

۱۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے عبادت خانے نہ گرائے جائیں۔ ان لوگوں کو ناقوس بجانے سے نہ روکا جائے البتہ نماز کے اوقات مستثنیٰ رہیں گے اور اپنی عید کے دن صلیب نکالنے سے نہ روکے جائیں۔[۴۶]

۲۔ کسی پادری کو اس کے موقف سے، کسی راہب کو اس کی راہبیت سے نہ ہٹایا جائے اور کسی پر کسی قسم کی سختی نہ کی جائے۔[۴۷]

۳۔ اگر کوئی مسلمان غیر مسلموں کے خنزیر یا شراب ضائع کر دے تو اس کی قیمت ادا کرنی ہوگی۔[۴۸]

۴۔ **ھم احرار فی شھادتھم و مناکحاتھم و مواریثھم و جمیع احکامھم.**

یہ لوگ اپنے شہادت کے احکام، نکاح کے معاملات، وراثت کے قوانین اور دوسرے تمام پرسنل لاء Personal Law میں آزاد ہوں گے ''**ولا یحال بینھم و بین شرائعھم**''۔ ان کے اور ان کی شریعتوں کے درمیان حائل نہ بنا جائے۔

۵۔ ان کے دین میں کسی قسم کی زبردستی نہ کی جائے۔[۴۹] ان تمام تصریحات اور وضاحتوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام نے دوسرے مذاہب کو جس قدر آزادی اور سہولتیں دی ہیں اور جس طرح وسعت قلبی اور فراخدلی کا مظاہرہ کیا اس کا عشر

عشیر بھی آج کی نام نہاد مذہب قوموں کو حاصل نہیں۔

خلاصہ کلام:

اس مقالہ میں مختلف مذاہب کی مذہبی انتہا پسندی اور عدم انتہا پسندی کا تاریخی اور احکامی لحاظ سے جائزہ لیا گیا۔ مذہبی انتہاء پسندی ہر لحاظ سے قابل مذمت ہے خواہ اس کا مظاہرہ کسی بھی مذہب کے ماننے والوں کی طرف سے کیا جائے مسلمان ہوں، عیسائی ہوں، یہودی ہوں یا ہندو۔ اگر مذہبی انتہاء پسندی کا یہی رجحان رہا اور اس کا خاتمہ نہ کیا گیا تو امن عالم مفقود ہو جائے گا اور روئے زمین ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ کا نمونہ پیش کرے گی۔ تصادم ہوگا، خوف ریزیاں بڑھیں گی اور انسانیت متاثر ہو گی۔

آج اگر دنیا کو امن کا گہوارہ بنانا ہے اور آنے والی نسلوںؑ کی بقا کا انتظام کرنا ہے تو عالمی سطح پر امن و آشتی کو فروغ دینا ہوگا۔ احترام آدمیت، احترام انسانیت اور احترام مذہب کے تقاضوں کو پورا کرنا ہوگا اور نبی آخر داعظم کی آفاقی، ابدی، ہمہ گیر عالمگیر تعلیمات پر عمل پیرا ہونا ہوگا۔ اس شعر پر اپنے مقالے کو ختم کرتا ہوں۔

امن کے نغمے پھر اک بار سنائیں اختر
محفل دہر کو رشک گلستاں کر دیں

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ وسلم تسلیما کثیرا

حواشی وحوالہ جات

۱۔ لویس معلوف، المنجد دارالاشاعت کراچی، ص ۳۵۷

۲۔ Encyclopedia of BritinicaV-19, Ed.13, Pg. 103,1929

۳۔ تطبیق الدیانۃ الاسلامیۃ، ص ۲۴

۴۔ ڈاکٹر سید حسین قادری شور، امام غزالی کا فلسفہ مذہب واخلاق، ص ۱۸۱

۵۔ سورہ آل عمران آیت ۱۹

۶۔ لویس معلوف، المنجد دارالاشاعت کراچی، ص ۱۰۵۶

۷۔ وارث سرہندی، علمی اُردو لغات (جامع)، علمی کتب خانہ کبیر اسٹریٹ اردو بازار لاہور

۸۔ راغب اصفہانی/المفردات، ص ۳۶۵ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی

۹۔ Practical Dictionary Pg 439, Kitabistan Publishing Co. Lahore

۱۰۔ کتاب استثناء باب ۲۰، آیات ۱۰۔۱۴

۱۱۔ گنتی بات ۳۱۔۹۔۱۶۔۱۷۔

۱۲۔ لین پول اسٹینلے، مسلمان اندلس میں ترجمہ منشی حامد علی صدیقی، ص ۳۵۴

۱۳۔ ندوی شاہ معین الدین احمد، تاریخ اسلام نصف آخر میں ص ۴۹۹، ناشران قرآن لاہور

۱۴۔ چوہدری غلام رسول، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، ص ۱۰۱ ص ۱۰۳، علمی کتب خانہ لاہور ۱۹۸۰ء

۱۵۔ یجروید ۶/ ۳۷

۱۶۔ منشی عبدالرحمن خان، تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی، صفحہ ۲۴ ادارہ اسلامیات لاہور ۱۹۹۲ء

۱۷۔ منشی عبدالرحمن خان، تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی، صفحہ ۱۲۴ ادارہ اسلامیات لاہور ۱۹۹۲ء

۱۸۔ سفرنامہ کپتان الیگزنڈر ہملٹن، ج ۱، ص ۱۲۷۔۱۲۸

۱۹۔ نسائی کتاب المناسک، ص ۲۱۷

۲۰۔ صحیح مسلم ج ۳، ص ۱۳۶

۲۱۔ ابوداؤد کتاب الادب، ص ۴۴

۲۲۔ آل عمران ۲۸ آیت

۲۳۔ بقرہ ۲۸۶

۲۴۔ روزنامہ جنگ کراچی مورخہ ۸ فروری ۲۰۰۴ء

۲۵۔ روزنامہ جنگ کراچی مورخہ ۸ فروری ۲۰۰۴ء

۲۶۔ روزنامہ ڈان کراچی مورخہ ۱۷ فروری ۱۹۹۹ء

۲۷۔ انعام ۱۰۸

۲۸۔ البقرہ ۲۵۶

۲۹۔ کہف ۲۹

۳۰۔ آل عمران ۶۴

۳۱۔ الحج ۶۷

۳۲۔ الکافرون ۶

۳۳۔ یونس ۹۹

۳۴۔ نساء ۹۴

۳۵۔ مائدہ ۸

۳۶۔ ابوداؤد باب ذمۃ المسلمین

۳۷۔ صحیح بخاری ج ۲، ص ۱۰۲۱

۳۸۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ/ الوثائق السیاسیۃ، صفحہ ۶۱۔۶۲ دار النفس بیروت ۱۹۸۵ء

۳۹۔ ڈاکٹر حمید اللہ الوثائق السیاسیۃ، صفحہ ۱۷۶

۴۰۔ سرخسی، المبسوط ج ۱۰/ ۹۲ طبع بیروت

۴۱۔ ابن ہشام السیرۃ النبویہ، طبع بیروت ج ۲، ص ۶۳۹

۴۲۔ ابن ہشام ج ۴، ص ۵۵

۴۳۔ السیوطی، الخصائص الکبریٰ طبع بیروت ج ۲، ص ۱۶۹

۴۴۔ بخاری ج ۱، ص ۱۷۵

۴۵۔ بخاری ج ۱، ص ۱۸۱

۴۶۔ کتاب الخراج امام ابو یوسف ص ۴۳/ بحوالہ اسلام اور جدید دور کے مسائل تقی امینی ص ۳۳۶

۴۷۔ ایضاً

۴۸۔ رد المختار ج ۳، ص ۷۳

۴۹۔ طبری بحوالہ اسلام اور جدید دور کے مسائل ص ۳۳۷

دورحاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اوراس کا خاتمہ تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں

پروفیسر ڈاکٹر مولانا محمد اکرام اللہ جان قاسمی، پشاور

مذہبی انتہا پسندی (Religious Extremism) کا مفہوم:

انتہا پسندی میں انتہا عربی جبکہ پسندی فارسی کا لفظ ہے جس کے معنی کسی کام کی انتہاء کو چاہنے کے ہیں اور یہ اعتدال پسندی کی ضد ہے۔[1]

جدید عربی میں اس کے ہم معنی الفاظت صلب اور تطرف ہیں[2] لوئس معلوف کی مشہور عربی لغت "المنجد" نے ان لفظوں کی تشریح اس طرح کی ہے "تصلب' کے معنی ہیں "صار صلبا" فلاں صلب یعنی شدید اور سخت ہوگیا۔ کہا جاتا ہے "هُوَ صُلْبٌ فِيْ دِيْنِهِ" یعنی وہ اپنے دین میں پکا ہوگیا۔ اور "راع صلب العصا" سخت لاٹھی والا چرواہا (کہا جاتا ہے) "اذا كان يعنف الابل" جب کوئی اونٹ وغیرہ چرانے میں سختی سے کام لے۔

تطرف: "جاوز حد الاعتدال" فلاں حد اعتدال سے تجاوز کر گیا۔ "ومنه تطرف في آرائه اى جاوز حد الاعتدال فيها" فلاں نے اپنے خیالات میں حد اعتدال سے تجاوز کیا۔

الطرف: منتهى كل شى ء طرف کے معنی ہر چیز کے انتہائی سرے کے ہیں۔[3]

عربی کی مشہور لغت "المعجم الوسيط" نے بھی تصلب کے معنی تشدد، طاقتور بننے اور سختی و درشتی کے بیان کئے ہیں۔[4]

اسی تطرف لفظ کے انگریزی معنی مشہور عربی انگریزی لغت "المورد" نے یوں بیان کئے ہیں۔

تطرف=Extremism, radicalism, extravagance, excess (iveness), immoderation, intemperateness, going to extremes. (5)

اس کے علاوہ The Oxford English Dictionary اور Dictionary of the English Language میں Extremism اور Extreme کی مندرجہ ذیل تعریف وتوضیح کی گئی ہے۔

EXTREMISM= Tendency to be extreme, disposition to go to extremes, to look at a problem with a specific angle, distinctively a superlative signification.

EXTREME = Most in any direction; outermost or farthest: the extreme edge

of the field. Being in or attaining the greatest degree; very intense. Extending far beyond the norm. Of the greatest severity; drastic. Archaic. Final; last

قدیم اور فصیح عربی میں انتہا پسندی کے لئے غلو کا لفظ استعمال ہوا ہے چنانچہ عربی اردو کی مشہور لغت ''المنجد'' میں غلو کے معنی لکھے ہیں۔ تیر کو انتہائی دور تک پھینکنا۔ کسی کام میں مبالغہ کرنا کسی چیز کی قیمت کا چڑھنا یا کسی چیز کو مہنگی قیمت پر خریدنا۔[ے] ابن منظور افریقی نے بھی لسان العرب میں غلو کے معنی حد سے تجاوز کرنے کے بیان کئے ہیں۔[۵]

انتہاء پسندی کو مذہب کی طرف منسوب کرنے سے اس کا مفہوم مندرجہ ذیل ہوگا۔

☆ کسی مذہب کا ایسے اصول و مبادی پر مشتمل ہونا جو انتہاء پسندانہ اور انسانی شرف کو پامال کرنے والے ہوں یا انسانی طاقت سے ان کی بجا آوری باہر ہو۔ جیسے ہندومت میں دھرم (مذہب) کے مخالفوں کو زندہ آگ میں جلانا۔ ان کو تڑپا تڑپا کر ختم کرنا، ان کا بند بند کاٹ دینا۔ یہودیت میں کسی قوم پر فتح پالینے کے بعد ان کے کسی ذی نفس کو جیتا نہ چھوڑنا۔ عورتوں، بچوں، بوڑھوں کو قتل کر کے تمام شہر کو غارت کرنا اور آبادی کو آگ لگا دینا۔ عیسائیت میں گناہ کرنے کی صورت میں اپنے ہاتھ، پاؤں وغیرہ کاٹ دینا اور اپنے سب مال و منال کو خیرات کر کے تجرد کی زندگی بسر کرنا۔ (تفصیل مع حوالہ جات کے آرہی ہے)۔

☆ مذہبی انتہا پسندی کی ایک صورت یہ ہے کہ کوئی مذہب فی نفسہ تو انتہاء پسندانہ احکام سے پاک ہو مگر اس کے پیروکار مفہوم کا صحیح تعین نہ کر سکنے کے باعث غلو اور حد سے تجاوز کے شکار ہوں۔ جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے روزانہ روزہ رکھنے، رات بھر نماز پڑھنے اور زندگی بھر شادی نہ کرنے کا تہیہ کیا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اس سے روک کر اپنے اسوہ پر عمل کرنے کی تلقین کی۔ (تفصیل آئندہ اوراق میں آرہی ہے)۔

☆ یہ بھی مذہبی انتہاء پسندی کی ایک صورت ہے کہ مذہب کا کوئی فرد یا گروہ محض اپنے آپ کو حق پر سمجھے اور اپنے سوا تمام لوگوں کو کافر، گمراہ یا غلط راستے پر گامزن سمجھے۔

☆ مذہبی انتہا پسندی کی ایک انتہائی صورت یہ ہے کہ کوئی فرد یا گروہ اپنے نظریات کے مخالف کو واجب القتل قرار دے اور ہر جائز و ناجائز طریقے سے ان کے ختم کرنے کو ثواب اور جہاد بتائے۔ چاہے اس میں بے گناہ افراد بھی موت کی بھینٹ چڑھ جائیں۔

☆ مذہبی انتہا پسندی (Religious Extremism) کے الفاظ نئے نہیں، پرانے ہیں تاہم اس کو جدید مفہوم کا جامہ مغرب نے پہنایا ہے اور مغربی میڈیا جس کا زمام کار یہود و نصاریٰ کے ہاتھوں میں ہے نے مسلمانوں ہی کو انتہاء پسند (Extremist)، بنیاد پرست (Fundamentalist)، جنونی (Fanatics) اور دہشت گرد (Terrorist) قرار دے کر شب و روز ایک طوفان بدتمیزی برپا کئے ہوئے ہیں۔

اسلام عدل و مساوات پر مبنی اعتدال پسند مذہب ہے جس کو یہ امتیاز و خصوصیت حاصل ہے کہ اس نے سابقہ تمام ادیان

و مذاہب کے انتہاء پسندانہ اصول و احکام کی بیخ کنی کر کے لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ...... لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ اور خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُھَا کے بلند پایہ اصول و احکام پر اپنی مذہبی بنیاد قائم کی ہے چنانچہ اسلام کے اعتدال پسندانہ اصول و احکام کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات اور اسوۂ مبارکہ کی روشنی میں پیش کرنے سے قبل ضروری ہے کہ دیگر مشہور مذاہب و ادیان کے انتہاء پسندانہ اصول و احکام پر بھی ایک تقابلی نگاہ ڈالیں۔

بائبل (توراۃ) میں یہودیت کے انتہاء پسندانہ احکام

دشمنوں کے ساتھ سلوک:

☆ اور جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضہ میں کر دے تو وہاں کے ہر مرد کو تلوار سے قتل کر ڈالنا...... پر ان قوموں کے شہروں میں جن کو خداوند تیرا خدا میراث کے طور پر تجھ کو دیتا ہے کسی ذی نفس کو جیتا نہ بچا رکھنا۔ [۹]

☆ ان علاقوں کے پھل دار درخت اپنے لئے چھوڑ دو اور بے پھل کے درخت کاٹ کر اڑا دو۔ [۱۰]

☆ اور جیسا خداوند نے موسیٰ کو حکم دیا تھا اس کے مطابق انہوں نے مدیانیوں سے جنگ کی اور سب مردوں کو قتل کیا...... اور بنی اسرائیل نے مدیان کی عورتوں اور ان کے بچوں کو اسیر کیا اور ان کے چوپائے اور بھیڑ بکریاں اور مال و اسباب سب کچھ لوٹ لیا اور ان کی سکونت گاہوں کے سب شہروں کو جن میں وہ رہتے تھے اور ان کی سب چھاؤنیوں کو آگ سے پھونک دیا۔ [۱۱]

☆ ان بچوں میں جتنے لڑکے ہیں سب کو مار ڈالو اور جتنی عورتیں مرد کا منہ دیکھ چکی ہیں ان کو قتل کر ڈالو لیکن ان لڑکیوں کو جو مرد سے واقف نہیں اور اچھوتی ہیں اپنے لئے زندہ رکھو۔ [۱۲]

☆ خداوند نے ساول کو حکم دیا "سو اب تو جا اور عمالیق کو مار اور جو کچھ ان کا ہے سب کو بالکل نابود کر دے اور ان پر رحم مت کر بلکہ مرد اور عورت، ننھے بچے اور شیر خوار، گائے بیل اور بھیڑ بکریاں، اونٹ اور گدھے سب کو قتل کر ڈال۔ [۱۳]

ہم مذہبوں کیلئے انتہا پسندانہ احکام:

☆ یہودیت کو چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کرنے والوں کے بارے میں کہا گیا ہے۔

"تو اس شہر کے باشندوں کو تلوار سے ضرور قتل کر ڈالنا اور وہاں کا سب کچھ اور چوپائے وغیرہ تلوار ہی سے نیست و نابود کر دینا اور وہاں کی ساری لوٹ کو چوک کے بیچ جمع کر کے اس شہر کو اور وہاں کی لوٹ کا تنکا تنکا خداوند اپنے خدا کے حضور آگ سے جلا دینا اور وہ ہمیشہ کو ایک ڈھیر سا پڑا رہے اور پھر کبھی بنایا نہ جائے۔ [۱۴]

☆ جو شخص کاہن (مذہبی پیشوا) یا قاضی کی بات نہ مانے وہ قتل کر دیا جائے۔ [۱۵]

☆ ماں باپ کے نافرمان کو سنگسار کیا جائے۔ [۱۶]

☆ قصاصاً قتل ہونے والا شخص ملعون اور ناپاک ہوتا ہے۔[۱۷]

☆ اگر لڑکی شادی سے پہلے بدکاری کرے تو شادی کے بعد معلوم ہونے پر سنگسار کی جائے...... مرد اور شادی شدہ عورت زنا کریں تو دونوں کو قتل کیا جائے...... اگر مرد اور کنواری لڑکی شہر میں زنا کریں تو سنگسار کئے جائیں...... اور ویران جگہ میں کریں تو صرف مرد کو مار ڈالا جائے۔[۱۸]

☆ اگر کسی آدمی کو کوئی کنواری لڑکی مل جائے جس کی نسبت نہ ہوئی ہو اور وہ اسے پکڑ کر اس سے صحبت کرے اور دونوں پکڑے جاویں تو وہ مرد جس نے اس سے صحبت کی ہو لڑکی کے باپ کو چاندی کے پچاس مثقال دے اور وہ لڑکی اس کی بیوی بنے کیونکہ اس نے اسے بے حرمت کیا اور وہ اسے اپنی زندگی بھر طلاق نہ دینے پائے۔[۱۹]

☆ عورت کسی بری حرکت کے باعث پسند نہ آئے تو طلاق دے کر گھر سے نکال دی جائے۔[۲۰]

☆ جو کوئی اپنے باپ یا اپنی ماں کو مارے وہ قطعی جان سے مار ڈالا جائے او جو کوئی کسی آدمی کو چرائے وہ قطعی مار ڈالا جائے اور جو اپنے باپ یا اپنی ماں پر لعنت کرے وہ قطعی مار ڈالا جائے۔[۲۱]

☆ غیر اللہ کے نام پر قربانی دینے والے کو قتل کیا جائے۔[۲۲]

☆ جو کوئی سبت (ہفتہ) کے دن کام کرے اسے مار ڈالا جائے۔[۲۳]

☆ لڑکی سے بدکاری کرنے والا بری، جانور سے بدکاری کرنے والا سنگسار کیا جائے۔[۲۴]

☆ اگر کاہن (مذہبی پیشوا) کی بیٹی بدکاری کرے تو اسے آگ میں جلا ڈالا جائے۔[۲۵]

☆ جو کوئی کسی کی لاش کو چھوئے وہ سات دن تک ناپاک رہے گا...... اگر کوئی آدمی کسی گھر میں مر جائے تو اس گھر کے رہنے والے اور وہاں جانے والے سات دن تک ناپاک رہیں گے۔ ان کے عبادت گاہ میں داخل ہونے سے عبادت گاہ بھی ناپاک ہو جائے گی۔[۲۶]

انجیل کی رو سے عیسائیت کے خلاف عقل اور انتہا پسندانہ احکام:

☆ اور جو کوئی ان چھوٹوں میں سے جو مجھ پر ایمان لائے ہیں کسی کو ٹھوکر کھلائے اس کیلئے یہ بہتر ہے کہ ایک بڑی چکی کا پاٹ اس کے گلے میں لٹکایا جائے اور وہ سمندر میں پھینک دیا جائے اور اگر تیرا ہاتھ تجھے ٹھوکر کھلائے تو اسے کاٹ ڈال اور اگر تیرا پاؤں تجھے ٹھوکر کھلائے تو اسے کاٹ ڈال...... اور اگر تیری آنکھ تجھے ٹھوکر کھلائے تو اسے نکال ڈال۔[۲۷]

☆ مسیح جو ہمارے لئے لعنتی بنا اس نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑا دیا[۲۸] کیونکہ جسے پھانسی ملتی ہے وہ خدا کی طرف سے ملعون ہے۔[۲۹]

☆ یہ نہ سمجھو کہ میں (عیسیٰ) زمین پر صلح کرانے آیا ہوں۔ صلح کرانے نہیں بلکہ تلوار چلوانے آیا ہوں کیونکہ میں اس لئے آیا ہوں کہ آدمی کو اس کے باپ سے اور بیٹی کو اس کی ماں سے اور بہو کو اس کی ساس سے جدا کر دوں اور آدمی کے دشمن

اس کے گھر ہی کے لوگ ہوں گے۔[۴۰]

☆ میں زمین پر آگ بھڑکانے آیا ہوں اور اگر لگ چکی ہوتی تو میں کیا ہی خوش ہوتا۔[۴۱]

☆ اور جب وہ (عیسیٰ) بھیڑ سے یہ کہہ رہا تھا اس وقت اس کی ماں اور بھائی باہر کھڑے تھے۔ اور اس سے بات کرنا چاہتے تھے کسی نے اس سے کہا دیکھ تیری ماں اور تیرے بھائی باہر کھڑے ہیں اور تجھ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ اس نے خبر دینے والے کو جواب میں کہا۔ کون ہے میری ماں اور کون ہے میرا بھائی؟ اور اپنے شاگردوں کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا دیکھو میری ماں اور میرے بھائی یہ ہیں کیونکہ جو کوئی میرے آسمانی باپ کی مرضی پر چلے وہی میرا بھائی اور میری بہن اور ماں ہے۔[۴۲]

☆ اگر کوئی میرے پاس آئے اور اپنے باپ اور ماں اور بیوی بچوں اور بھائیوں بہنوں بلکہ اپنی جان سے بھی دشمنی نہ کرے تو میرا شاگرد نہیں ہو سکتا۔[۴۳]

☆ عیسیٰ نہ صرف خود شراب پیا کرتا تھا بلکہ معجزہ کے ذریعہ پانی سے شراب بنایا کرتا تھا۔[۴۴]

☆ مریم نامی ایک بدچلن عورت عیسیٰ کی خدمت کرتی اور عیسیٰ اس سے محبت رکھتا تھا۔[۴۵]

☆ عیسیٰ ان لوگوں کے پاس بیٹھ کر کھانا کھاتا جن کی کمائی حرام کی ہوتی تھی۔[۴۶]

☆ عیسیٰ گندے ہاتھوں سے کھانا کھایا کرتے تھے۔[۴۷]

☆ عیسیٰ نے اپنے لئے گدھا کسی سے زبردستی حاصل کیا تھا۔[۴۸]

☆ عیسیٰ اپنی نبوت کو چھپاتے پھرتے تھے۔[۴۹]

☆ عیسیٰ لوگوں کے گناہ معاف کرتا تھا۔[۵۰] اس نے اپنے شاگردوں کو بھی گناہوں کی معافی کا اختیار دیا تھا۔[۵۱]

☆ عیسیٰ کے صحابہ میں سے بارہ خصوصی شاگرد تھے۔ ان میں سے ایک یہوداہ اسکریوتی نے عیسیٰ کو تیس روپے کے عوض یہود کے ہاتھوں پھانسی کے لئے گرفتار کروایا۔[۵۲] یہوداہ اسکریوتی میں شیطان سمایا ہوا تھا۔[۵۳] مسیح کے تمام شاگردوں (صحابہ) میں رائی کے دانے کے برابر ایمان نہیں تھا۔[۵۴]

ہندومت کے ظالمانہ احکام

دشمنوں سے سلوک:

☆ دھرم (مذہب) کے مخالفوں کو زندہ آگ میں جلا دو۔[۵۵]

☆ دشمنوں کے کھیتوں کو اجاڑ دو یعنی گائے بیل بکری اور لوگوں کو بھوکا مار کر ہلاک کرو۔[۵۶]

☆ اپنے مخالفوں کو درندوں سے پھڑوا ڈالو۔[۵۷]

☆ ان کو سمندر میں غرق کرو۔[۵۸]

☆ جس طرح بلی چوہے کو تڑپا تڑپا کر مارتی ہے اس طرح ان کو تڑپا کر مارو۔[۴۹]

☆ مخالفوں کا جوڑ جوڑ اور بند بند کاٹ دیا جائے۔[۵۰]

☆ ان کو پاؤں کے نیچے کچل دو اور ان پر رحم نہ کرو۔[۵۱]

عورتوں سے متعلق احکام:

☆ عورتوں کے ساتھ محبت نہیں ہوسکتی۔ عورتوں کے دل فی الحقیقت بھیڑیوں کے بھٹ ہیں۔[۵۲]

☆ لڑکی باپ کی جائیداد کی وارث نہیں۔[۵۳]

☆ مذکر اولاد نہ ہوتے ہوئے بھی بیٹی وارث نہیں بلکہ متبنّیٰ جو غیر کا بیٹا ہوتا ہے وارث ہوتا ہے۔[۵۴]

☆ نکاح ثانی کی ممانعت ہے۔[۵۵]

☆ خلع کی ممانعت ہے خواہ خاوند کیسا ہی ہو۔ بے رحم، ظالم، دائم المریض ہو مگر عورت کو اس سے علیحدہ ہونے کی اجازت نہیں۔[۵۶]

☆ عورتوں کا وجود صرف اس لئے ہے کہ بچے دیں اور ان کی پرورش کریں اور ہر روز خانہ داری کے کام میں مصروف ہیں۔[۵۷]

☆ کسی لڑکی یا نوجوان عورت یا بوڑھی عورت کو کبھی گھر میں بھی کام اپنے اختیار سے نہیں کرنا چاہئے۔ بچپن میں عورت کو باپ کے تابع رہنا چاہئے اور جوانی میں شوہر یا بیٹوں کا اگر وہ انہیں چھوڑ کر چلی جائے تو اپنے اور اُپنے شوہر دونوں کے خاندان پر بدنامی کا دھبہ ڈالے گی۔[۵۸]

☆ عورتوں کے لئے مذہبی تعلیم کی ممانعت ہے۔[۵۹]

☆ مرد اور عورت دونوں کیلئے نجات کے راستے جدا جدا ہیں۔ مرد اپنے بل بوتے پر نجات حاصل کر سکتا ہے۔ مگر عورت کی نجات خاوند پر مرمٹنے میں ہے۔ وہ براہ راست خدا سے نجات حاصل نہیں کر سکتی۔[۶۰]

☆ عورت اور شودر دونوں گناہ کے قالب ہیں۔[۶۱]

ذات پات کی ظالمانہ تفریق:

☆ وید (مذہبی سیادت) کیلئے برہمن، حکومت کیلئے چھتری، کاروبار کیلئے ویش اور دکھ اٹھانے کیلئے شودر کو پیدا کیا گیا ہے۔[۶۲]

☆ جو کچھ اس دنیا میں ہے برہمن کا مال ہے چونکہ وہ خلقت میں سب سے بڑا ہے۔ کل چیزیں اسی کی ہیں۔[۶۳]

☆ برہمن کو اگر ضرورت ہو تو وہ کسی گناہ کے بغیر اپنے غلام شودر کا مال بہ جبر لے سکتا ہے۔ اس غصب سے اس پر کوئی جرم عائد نہیں ہوتا کیونکہ غلام، صاحب جائیداد نہیں ہوسکتا۔ اس کی کل املاک مالک کا مال ہے۔[۶۴]

☆ سزائے موت کے عوض برہمن کا صرف سر مونڈا جائے گا لیکن اور ذات کے لوگوں کو سزائے موت دی جائے گی۔[۶۵]

☆ شودر جس عضو سے برہمن کی ہتک کرے وہی عضو اس کا کاٹ دیا جائے اگر برہمن کے برابر بیٹھ جائے تو کمر پر داغ لگا

کر چوتڑ کٹوا کر ملک سے باہر نکال دینا چاہئے۔[۶۶]

☆ وید سننے پر دونوں کانوں میں سیسہ ڈال دو۔ پڑھنے پر زبان کاٹ دو۔ یاد کرنے پر اس کے دل کو چیر دو۔[۶۷]

اسلام میں عدم تشدد، اعتدال، رواداری اور احترام انسانیت کی تعلیم

ارشادات باری تعالیٰ:

☆ لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ج قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ [۶۸]

''دین کے بارے میں کسی پر کسی قسم کی زبردستی نہیں ہے۔ بے شک ہدایت گمراہی سے جدا کی جا چکی ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے سیدھا راستہ بھی بہ وضاحت بیان کر دیا ہے اور گمراہی کے راستے کی بھی نشاندہی کر دی ہے۔ اب جو چاہے ہدایت والا راستہ اختیار کر کے رب کی خوشنودی اور جنت کا مستحق ٹھہرے اور جو چاہے گمراہی کے راستے پر چلے اور خدا کے غضب اور جہنم کا سزاوار ٹھہرے۔ دین قبول کرنے میں کسی پر جبر کرنا اسلام میں روا نہیں ہے۔

☆ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ○ [۶۹]

''تو کیا آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لوگوں پر زبردستی کریں گے کہ ایمان لے آویں۔''

☆ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ [۷۰]

''اور اپنے رب کی طرف دعوت دو حکمت کے ساتھ اور اچھی نصیحت کے ساتھ اور ان کے ساتھ اس طریقہ سے بحث و تمحیص کر جو بہت ہی بہتر ہو۔''

☆ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ [۷۱]

''پس اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کیلئے نرم ہو گئے ہیں اور اگر آپ تند خو، سخت مزاج ہوتے تو یہ تم سے بھاگ کھڑے ہوتے۔''

☆ خُذِ الْعَفْوَ وَ اْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ ○ [۷۲]

''درگزر کی عادت بنایئے اور نیکی کا حکم کیجیے اور جاہلوں سے چشم پوشی کیجیے۔''

☆ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ○ [۷۳]

''اور جس نے صبر اختیار کیا اور معاف کیا تو بے شک یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔''

☆ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ط فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَ بَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ○ [۷۴]

جواب میں وہی کہو جو اس سے بہتر ہو پھر تو دیکھ لے گا کہ تجھ میں اور جس میں دشمنی تھی گویا دوست ہوں گے گرم جوش۔''

☆ وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ط وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ○ [۷۵]

''(اور جنت کے حقدار وہ پرہیزگار ہیں جو) غصہ کو پی جانے والے ہیں اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں اور اللہ

تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند رکھتا ہے۔"

☆ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ط [۷۶]

"اور تم برا بھلا مت کہو ان کو جن کی یہ پرستش کرتے ہیں اللہ کے سوا، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کو بے ادبی اور ناسمجھی میں برا کہہ بیٹھیں"

☆ وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ط [۷۷]

"اگر دشمن صلح کی طرف جھک جائیں تو آپ بھی صلح کی طرف جھک جائیں اور اللہ کی ذات پر بھروسہ رکھیں۔"

☆ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِى الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ط [۷۸]

"جس کسی نے کسی انسان کو بغیر نفس کے بدلہ کے یا زمین میں فساد پھیلانے کے قتل کر دیا تو گویا اس نے تمام روئے زمین کے انسانوں کو قتل کر دیا"

☆ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِىْ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ○ [۷۹]

"اور تحقیق ہم نے بنی آدم کو شرافت بخشی ہے اور اس کو خشکی اور تری میں برتری دی ہے اور اسے پاکیزہ رزق عطا کیا ہے اور اسے مخلوقات میں سے بہت سوں پر فضیلت بخشی ہے۔"

☆ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ط اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ○ [۸۰]

"اے لوگو! بے شک ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت (آدم و حوا) سے پیدا کیا اور ہم نے تمہاری پہچان کے لئے تم کو قوموں اور قبیلوں میں تقسیم کیا۔ بیشک تم میں زیادہ باعزت اللہ کے ہاں وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا خبردار ہے۔"

☆ يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِىْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ ط [۸۱]

"اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق طور پر غلو (انتہا پسندی) اختیار مت کرو۔"

احادیث سید الانام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

☆ **ایها الناس ان ربکم واحد وان اباکم واحد الا لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربیٍ ولا لا حمر علی اسود ولا لا سود علی احمر الا بالتقوی.** [۸۲]

(خطبہ حجتہ الوداع سے ایک اقتباس ہے) "اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے۔ تمہارا باپ (آدمؑ) ایک ہے۔ خبردار کسی عربی کو کسی عجمی پر یا کسی عجمی کو کسی عربی پر یا کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی برتری اور

فضیلت حاصل نہیں۔ ہاں تقویٰ سے فضیلت حاصل ہوتی ہے۔''

☆ **ایاکم والغلو فی الدین انما ھلک من قبلکم بالغلو فی الدین** [۸۳]

''مسلمانو! تم اپنے آپ کو دین میں غلو سے باز رکھو اس لئے کہ تم سے پہلی امتیں دین میں غلو کی وجہ سے ہلاک ہوئی ہیں۔''

☆ **لیس الشدید بالصرعة انما الشدید الذی یملک نفسه عند الغضب** [۸۴]

''پہلوان وہ نہیں ہے جو دوسروں کو بچھاڑ دے۔ پہلوان وہ ہے جو غصہ کی حالت میں اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔''

☆ **اذا صلی احدکم بالناس فلیخفف فان فیھم الضعیف و السقیم والکبیر و اذا صلی احدکم لنفسه فلیطول ماشاء** [۸۵]

''جب تم میں سے کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے تو مختصر پڑھائے کیونکہ جماعت میں کمزور، بیمار اور عمر رسیدہ لوگ ہوتے ہیں اور جب کوئی تم میں سے اکیلے نماز پڑھے تو جتنی چاہے لمبی کرے۔''

تاریخ میں مذہبی انتہاء پسندی کی مثالیں:

انسانی تاریخ مذہبی انتہاء پسندی کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ازمنۂ سابقہ میں جب بھی کسی مذہب کے پیروکاروں یا ان میں سے کسی گروہ کو طاقت اور اقتدار ملا ہے اس نے دوسروں کے قتل و غارت گری میں تمام انسانی حدود کو پار کیا ہے۔ قتل وقتال اور فساد و غارت گری میں عموماً مذہبی احکام وتعلیمات کو پس پشت ڈال کر ذاتی عناد اور بے جاء تعصب سے کام لیا جاتا۔ مفتوح قوم کو اول تا آخر فنا کرنا، عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور جانوروں تک کو تہ تیغ کرنا، کھڑی فصلوں اور درختوں کو تباہ کرنا، اسباب وسامان لوٹ کر آبادی کو آگ لگانا اور شہروں وآبادیوں کی اینٹ سے اینٹ بجادینا عام شیوہ تھا۔ انتقام کا جوش اس پر بھی ٹھنڈا نہ ہوتا بلکہ مقتول سرداروں کے سروں کو کاٹ کر نیزوں میں اچھالا جاتا، ان سروں کو اپنے سرداروں کے پاس تحفہ کے طور پر بھیجا جاتا اور دشمن کی کھوپڑیوں میں شراب پی کر انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کیا جاتا تھا۔ ذیل کے سطور میں تاریخی حوالوں سے اس کی مثالیں دی جاتی ہیں۔

یہود ہمیشہ اللہ تعالیٰ اور اپنے انبیاءؑ سے باغی رہے۔ پیسہ اور دنیاوی جاہ وجلال کی محبت میں ہمیشہ وہ تمام مذہبی اور اخلاقی اقدار کو پس پشت ڈال دیتے تھے۔ اس کی پاداشت میں ان پر تاریخ میں کئی تباہیاں آپڑی ہیں۔ ہمیشہ ملک بدر کئے گئے ہیں، الٰہی غضب و پھٹکار کے نتیجہ میں صرف یروشلم میں ۹۵۷ قبل مسیح میں پانچ لاکھ یہودی مارے گئے۔ ۱۱۷ ق م میں ایک لاکھ بیس ہزار قتل کئے گئے۔ ۱۰۷ ق م میں چالیس ہزار ذبح کئے گئے۔ ۱۳۵ ق م میں پانچ لاکھ اسی ہزار یہودی ہلاک کئے گئے۔ ۷۰ ق م میں یروشلم ہی میں گیارہ لاکھ یہودی تہ تیغ کئے گئے۔[۸۶] نیرو نے ۶۴ء میں عیسائیوں پر جو ظلم روا رکھے اس کا اندازہ کچھ اس سے ہوسکتا ہے کہ اس نے عیسائیوں کو جانوروں کی کھال میں بھروا کر کتوں کے آگے ڈال دیا۔ کچھ کو گرم تارکول کی چادریں پہنائی گئیں

اور انہیں شاہراہوں پر مشعل کی طرح کھڑا کر کے جلا دیا گیا۔ عیسائیوں کے بدن کی چربی سے اپنے لئے موم بتیاں بنا کر ان کی روشنی میں وہ یہ بھیانک تماشہ دیکھتا تھا۔[۸۷] ۷۰ عیسوی میں طیطس رومی نے بیت المقدس کو فتح کر کے شہر کی تمام نوجوان لڑکیوں کو فاتحین میں تقسیم کر دیا جوان مردوں کو جنگلی جانوروں سے پھڑوا دیا۔ ستانوے ہزار آدمی گرفتار کئے جن میں سے گیارہ ہزار بھوک کی تاب نہ لا کر مر گئے۔ کل ہلاک ہونے والوں کی تعداد ایک لاکھ تیس ہزار بتائی جاتی ہے۔[۸۸] خسرو پرویز نے ۶۴۵ء میں بیت المقدس کو فتح کیا تو کلیسائے قسطنطین اعظم میں آگ لگا دی۔ مقدس صومعوں اور معبدوں کے جواہرات لوٹ لئے۔ بیت المقدس میں قتل عام کا حکم دیا اور نوے ہزار عیسائی مفتوحین کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کے جواب میں ہرقل نے جب ایران پر حملہ کیا تو پورے ارمیان شہر کو پیوند خاک کر دیا اور قیصر جسٹینین نے جب افریقہ کے ونڈالوں پر حملہ کیا تو اس نے پانچ لاکھ کی اس پوری آبادی کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔[۸۹] اسلام سے قبل ذونواس نے یمن میں خندق کھدوائی اور بیس ہزار کے قریب ان عیسائیوں کو زندہ جلوا دیا جنہوں نے یہودیت اختیار کرنے سے انکار کیا تھا۔[۹۰] خود عرب منتشر قبائل میں بٹے ہوئے تھے۔ ہر قبیلہ دوسرے کے خون کا پیاسا ہوتا تھا۔ معمولی معمولی باتوں پر تلواریں نکل پڑتیں اور کشت و خون کا ایک لامتناہی سلسلہ چل پڑتا۔ اسلام سے قبل قبیلہ بکر اور تغلب بن وائل دو قبیلوں کے درمیان حرب البسوس کے نام سے ایک لڑائی چھڑی جس میں بے انتہا جانیں ضائع ہوئیں یہ لڑائی چالیس سال تک چلتی رہی اس لڑائی کا سبب بسوس نامی بڑھیا کی ایک اونٹنی تھی۔[۹۱] قبیلہ عبس و ذبیان کے دو نوجوانوں نے داحت و غبرا نامی گھوڑوں پر مقابلہ کیا جب داحس غبراء سے آگے نکلنے لگا تو قبیلہ ذبیان کے جوانوں نے شکست کے ملال سے مخالف گھوڑے پر حملہ کر دیا، اس پر دونوں قبیلوں میں لڑائی چھڑ گئی جو چالیس برس تک جاری رہی۔[۹۲]

بقول الطاف حسین حالی

کہیں تھا مویشی چرانے پہ جھگڑا کہیں پہلے گھوڑا بڑھانے پہ جھگڑا
لب جو کہیں آنے جانے پہ جھگڑا کہیں پانی پینے پلانے پہ جھگڑا
یوں ہی روز ہوتی تھی تکرار ان میں اور چلتی رہتی تھی تلوار ان میں[۹۳]

اسی طرح تاریخ شاہد ہے کہ عیسائیوں نے جب بھی مسلمان پر غلبہ پایا ہمیشہ ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے ہیں۔

عیسائی سیرت نگار جان بیگٹ (John Bagot) اپنی کتاب (The Life and time of Muhammad) میں رقم طراز ہے کہ

''۱۰۹۹ء میں جب عیسائیوں نے یروشلم کو فتح کیا تو ستر ہزار سے زائد مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔''[۹۴]

اس واقعہ کے بارے میں علامہ شبلی نعمانی ''الفاروق'' میں فرماتے ہیں:

''عیسائیت کا اصل چہرہ یہ ہے کہ یروشلم میں صلیبی سپاہیوں نے مسجد عمر میں گھس کر نہتے مسلمانوں کا قتل عام کیا تھا۔ ایک عینی شاہد لکھتا ہے کہ اس وقت دل ہلا دینے والے شور و غل میں کسی کی آواز سنائی نہیں دیتی

تھی۔ مسجد عمر کے صحن میں خون، سواروں کے ٹخنوں اور گھوڑوں کی رکابوں تک پہنچ رہا تھا۔ ستر ہزار سے زائد مسلمانوں کو قتل کر دیا گیا۔ اس کے برعکس مسلمانوں کا طرز عمل ملاحظہ کیجئے کہ فلسطین کی فتح کے بعد جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ شہر میں داخل ہوتے ہیں تو حکم دیتے ہیں کہ راہبوں پر تلوار نہ اٹھاؤ، عبادت گاہوں کو مسمار نہ کرو، اور پھر آپ رضی اللہ عنہ وہاں کے بشپ کی اجازت حاصل کر کے ان کے گرجے میں نماز ادا کرتے ہیں۔ [۹۵]

ایک طویل عرصہ تک مسلمانوں نے سپین (اندلس) پر پرامن حکومت کی ہے مگر جب ۱۴۹۲ء میں وہاں عیسائیوں نے قبضہ کیا تو انہوں نے مسلمانوں اور یہودیوں کے ساتھ کیا طرز عمل اختیار کیا۔ اس سلسلے میں مشہور برطانوی مصنفہ کیرن آرمسٹرانگ (Karren Armstrong) اپنی کتاب "The Battle for God" میں لکھتی ہیں:

"۱۴۹۹ء میں سپین میں رہنے والے مسلمانوں سے کہا گیا کہ یا تو عیسائیت قبول کر لیں یا پھر سپین سے نکل جائیں۔ اس طرح چند صدیوں تک یورپ مسلمانوں سے خالی ہو گیا...... یہودیوں کو بھی کہا گیا کہ یا تو عیسائیت قبول کر لیں یا سپین سے نکل جائیں۔ بہت سے یہودیوں (۷۰۰۰۰) نے عیسائیت قبول کی تاہم اسی ہزار یہودی سرحد پار کر کے پرتگال چلے گئے جبکہ پچاس ہزار یہودی نئی مسلمان عثمانی سلطنت کو فرار ہو گئے۔" [۹۶]

وہ عیسائیوں کے تعصب کے بارے میں مزید لکھتی ہیں:

"اسلامی ریاست (سپین) میں یہودیت، عیسائیت اور اسلام چھ صدیوں سے بھی زیادہ طویل عرصہ تک امن اور ہم آہنگی کے ساتھ رہے تاہم جوں جوں عیسائی فوجیں اسلامی علاقوں کو فتح کرتی گئیں ان کے ساتھ ساتھ سامیت (یہودیت) دشمنی بھی پھیلتی گئی۔ ۱۳۷۸ء اور ۱۳۹۱ء میں یہودیوں پر عیسائیوں نے حملے کئے وہ انہیں گھسیٹتے ہوئے بپتسمہ کرنے کے مقامات پر لے جاتے اور موت سے ڈرا کر عیسائیت قبول کرنے پر مجبور کرتے۔ عیسائیت قبول کرنے والوں کو اس کے باوجود Marranos (خنزیر) کہا جاتا تھا۔" [۹۷]

New Encyclopaedia Britannica کا مقالہ نگار لفظ "Spain" کے تحت لکھتا ہے:

"۱۴۹۲ء میں سپین میں اسلامی حکومت کا خاتمہ ہوا۔ ساڑھے تین لاکھ مسلمانوں کو مذہبی عدالت میں پیش کیا گیا ان میں سے تقریباً ۳۰ ہزار کو سزائے موت ملی اور ۱۲۰۰۰ کو زندہ جلا دیا گیا۔" [۹۸]

اس طرح عیسائیوں نے وہاں کے دیگر ممالک میں مسلمانوں کے ساتھ کیا رویہ اپنایا۔ معروف سکالر محمد مارماڈیوک پکتھال نے اپنی کتاب اسلامی کلچر میں لکھا ہے کہ:

ہسپانیہ، صقلیہ اور اپالیہ میں مسلمانوں کا ایک قتل عام ہوا کہ ان ممالک میں مسلمانوں کا نام لینے والا بھی باقی

نہ رہا اور یونان کی ۱۸۲۱ء کی بغاوت میں مسلمانوں کو یوں چن چن کر قتل کیا گیا کہ ان کا نام ونشان مٹ گیا اور ان کی مسجدوں کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی۔[۹۹]

عیسائیت میں پاپائے روم کو غیر معمولی اختیارات حاصل تھے۔ وہ لوگوں کے گناہوں کو بخشتا اور جنت و دوزخ کی ڈگریاں عطا کرتا۔ مارٹن لوتھر نے سولہویں صدی عیسوی میں اس کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ ''مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ'' کے مولف ڈاکٹر محمد دین لکھتے ہیں:

''مارٹن لوتھر ۱۴۸۳ء میں پیدا ہوا وہ پروٹسٹنٹ فرقے کا بانی تھا جس نے پاپائیت کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی تھی۔ اس نے اپنی زندگی میں سب سے پہلے مغفرت ناموں کی تجارت کے خلاف آواز بلند کی۔ اس نے پوپ کے غیر معمولی اختیارات کے خلاف بغاوت کر دی اور بپتسمہ اور عشاء ربانی کے سوا ان تمام رسوم کو من گھڑت قرار دیا جو رومی کلیساء نے ایجاد کر رکھی تھی۔''[۱۰۰]

لوتھر کی مصلحانہ تحریک کے ردعمل میں خود عیسائیوں نے اپنے ہم مذہبوں کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ اس کی تفصیل عبدالحمید قادری اپنی تالیف Dimentions of Christainty میں بیان کرتے ہیں۔

''مارٹن لوتھر کی احتجاجی تحریک میں انگلستان کے ۲۸۶ مذہبی علماء کو زندہ جلا دیا گیا۔ سپین میں ۲۳۰۰۰، نیدر لینڈ میں ۵۰۰۰۰ اور دیگر یورپی ممالک میں ۲۵۰۰۰ سے زائد کو قتل کیا گیا۔ تاریخ انسانیت میں رومن چرچ نے جو مذہبی انتہاء پسندی کی حد کر دی تھی اس کی مثال ڈھونڈنے سے نہیں ملتی۔''[۱۰۱]

آج دنیا کو افہام وتفہیم اور برداشت کا سبق دینے والے عیسائیوں نے ماضی میں جو تفرقہ بازی اور مذہبی انتہا پسندی کی حد کر دی تھی اس کا نقشہ انگریز مورخ آئیل ڈیورنٹ یوں پیش کرتے ہیں۔

''سترہویں صدی عیسوی میں یورپ کے مختلف ممالک میں لڑی جانے والی طویل ترین جنگ جس میں جرمنی، فرانس، آسٹریا، سویڈن وغیرہ نے حصہ لیا۔ ۱۶۱۸ء سے لے کر ۱۶۴۸ء تک مسلسل ۳۰ برس جاری رہنے والی جنگ کو ''سی سالہ جنگ'' کا نام دیا جاتا ہے۔ اس میں صرف جرمنی کے ایک کروڑ بیس لاکھ افراد مارے گئے۔ طویل ترین جنگ عیسائیوں کے رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ فرقوں کے درمیان لڑی گئی جو بعدازاں ایک صلح نامہ کے نتیجہ میں اختتام پذیر ہوئی۔''[۱۰۲]

عالمی طاقتوں کا مسلمانوں کے خلاف رائے میں ہمیشہ اتفاق رہا ہے۔ ۱۸۱۵ء میں منعقد ہونے والے مقدس اتحاد (Holy Alliance) میں جس میں روس، جرمنی اور کروشیا کے سربراہان نے شرکت کی تھی۔ تین اصول طے کئے گئے جو عالمی سطح کی ناانصافیوں کی بنیاد ثابت ہوئے۔ ان اصولوں میں ایک یہ تھا کہ یورپ اور اس کے قرب وجوار میں کسی مسلمان طاقت کو سر اٹھانے کا موقع نہ دیا جائے گا۔[۱۰۳] اس کے علاوہ بیسویں صدی کی بڑی جنگوں پر نظر دوڑائیں تو معلوم ہوگا کہ:

☆ روس میں سوشلزم کے انقلاب میں تقریباً چار کروڑ افراد ہلاک ہوئے۔

☆ چین میں کمیونزم نافذ کرنے کیلئے ڈیڑھ کروڑ زمینداروں کو پھانسی دی گئی۔

☆ کوریا میں صرف دو سال میں ۵۰ لاکھ مرد اور عورتیں ہلاک ہوئیں۔

☆ امریکہ و جاپان کی جنگ ۱۹۴۵ء میں امریکہ کی طرف سے جاپان پر دو ایٹم بم گرائے گئے جس سے ہیروشیما میں ۷۰ ہزار افراد اور ناگاساکی میں ۴۰ ہزار افراد ہلاک ہوئے اور زخمی و مستقل معذور ہونے والوں کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے۔

عالمی امن کی علمبردار مغربی دنیا نے جنگ عظیم اول اور جنگ عظیم دوم کی صورت میں دو دفعہ پوری دنیا کو تباہی کی بھٹی میں جھونکا چنانچہ ۱۴ / اگست ۱۹۱۴ء کو جنگ عظیم اول کا میدان جنگ گرم کیا گیا جو بعد ازاں ۱۵۶۵ دنوں تک جاری رہی۔ اس جنگ میں ساڑھے چھ کروڑ افراد دھکیلے گئے۔ ایک کروڑ فوجی میدان میں مارے گئے۔ ڈیڑھ کروڑ شہری قتل ہوئے۔ دو کروڑ سے زائد افراد دائمی معذور ہوئے۔ لاکھوں بچے یتیم ہوئے۔ پچاس لاکھ عورتیں بیوہ ہوئیں۔ لاکھوں عورتیں، بچے، فوجی اور شہری لاپتہ ہوئے۔[۱۰۴]

جبکہ دوسری عالمی جنگ میں ۳۵ ملین انسان ہلاک ہوئے۔ بیس بلین ہاتھ پاؤں سے معذور ہوئے۔ سترہ ملین لیٹر خون زمین پر بہایا گیا۔ بارہ ملین حمل ساقط ہوئے۔ تیرہ ہزار پرائمری و سیکنڈری سکول، چھ ہزار یونیورسٹیاں اور آٹھ ہزار لیبارٹریاں ویران و برباد ہوگئیں۔[۱۰۵]

جنگ عظیم دوم کے اختتام پر اخبارات میں یہ خبر لگی کہ روس نے امریکی کارخانوں سے یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ وہ چالیس لاکھ مصنوعی ٹانگیں تیار کریں جو جنگ میں لنگڑے لولے ہو جانے والے فوجیوں کو لگائی جائیں گی۔[۱۰۶]

مذکورہ بالا تمام واقعات میں مذہبی انتہاء پسندی بنیادی عنصر کے طور پر یا دیگر اسباب کے ساتھ ایک بنیادی سبب کے طور پر کارفرما رہی ہے۔ اب آئیے دیکھتے ہیں ماضی قریب یا زمانۂ حال میں مذہبی انتہاء پسندی کی کیا حالت ہے۔

عصر حاضر میں مذہبی انتہاء پسندی کی مثالیں:

انسان نے اکیسویں صدی میں قدم رکھا۔ اس نے بے مثال سائنسی ترقی کی۔ ہوا کے دوش پر اڑ کر مہینوں کا سفر گھنٹوں میں طے کرنے لگا۔ مواصلات کے برق رفتار نظام، ڈاک، ٹیلیفون، موبائل فون اور فیکس وغیرہ نے انسان کا انسان کے ساتھ رابطہ مستحکم، ہمہ وقت اور تیز کر دیا۔ ریڈیو، ٹی وی، کیبل نیٹ ورک نے اسے پل پل کی خبروں سے باخبر رکھا۔ اب وہ جنگل میں رہ کر گھر بار کے احوال سے باخبر اور مستقل رابطے میں رہتا ہے۔ کمپیوٹر، انٹرنیٹ اور اس کی متنوع دنیا نے علوم وفنون اور معلومات کو ہر انسان کی دسترس میں دے دیا ہے۔ ایک عظیم الشان کتب خانہ چند روپوں کی ایک سی ڈی میں ڈال کر کوئی بھی جیب میں پھرا سکتا ہے۔ ان آسائشوں اور اس طرح کی دیگر سائنسی آلات نے دنیا کو ایک عالمی گاؤں (Global Village) میں تبدیل کر دیا ہے۔

مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ انسان نے مادی ترقی تو کر لی ہے مگر خود اپنے طور پر روحانی اور اخلاقی لحاظ سے روز بروز دیوالیہ پن کا شکار ہوتا جا رہا ہے۔ سائنس نے اگر اسے سہولتیں دی ہیں تو دنیا کو آناً فاناً تباہ کرنے کا ذریعہ ''ایٹم بم'' بھی ہوس گیر ہاتھوں میں دے دیا ہے۔ بے حیائی، فحاشی اور تن آسانی کے رسوا کن تحفوں سے بھی نوازا ہے۔ مذہبی، علاقائی، نسلی اور رنگوں کے تعصبات نے جلتی پر تیل کا کام دیا ہے جس سے جنگل کا قانون ''جس کی لاٹھی اس کی بھینس'' نافذ ہو چکا ہے۔ قبر کے کیڑوں کی طرح کہ لاش ختم ہونے کے بعد ایک دوسرے پر پل پڑتے ہیں ہر بڑی طاقت چھوٹی طاقت کو ختم کرنے کے درپے ہے۔ ہر ایک اپنی بالاتری کی سرگرمی (Struggle for Existance) کیلئے سرگرم عمل ہے۔ اس صورت حال سے ساری دنیا عموماً اور عالم اسلام خصوصاً متاثر ہوا ہے۔ عالم اسلام انڈونیشیا سے مراکش تک اور اندلس سے یمن تک، یہودیت، عیسائیت اشتراکیت، اشتمالیت، سوشلزم، لادینیت، افرنگیت، برہمیت اور مغربی طاغوتی طاقتوں کے جال میں جکڑا ہوا ہے۔ مغرب کی یہودی لابی نے دنیائے عرب کی پیٹھ میں اسرائیل کا چھرا گھونپ دیا ہے۔ اپنے خبث باطن کو چھپا کر اسے ''دہشت گردی کے خلاف جنگ'' قرار دیتے ہوئے بھی ان کے منہ سے کبھی بے خیالی میں نکل جاتا ہے کہ صلیبی جنگوں کا دوبارہ آغاز ہو چکا ہے۔

کشمیر، فلسطین، عراق، افغانستان، بوسنیا، چیچنیا، ایران اور لیبیا پر حملے اور ان کے خلاف عالمی پابندیاں اسی جذبے کی عکاسی کرتی ہیں۔ مسلمان کی مثال ایسی بن چکی ہے جیسے ایک ظالم نے کسی مظلوم کو دبوچا ہو۔ اس پر گھونسوں اور لاتوں کی بارش کر رہا ہو لیکن اگر مظلوم آہ و فریاد کیلئے منہ کھولے تو اس کے منہ پر ایک زوردار طمانچہ مزید رسید کر کے کہا جائے کہ ''چپ کر بدمعاش''۔ مسلمان کو ہر جگہ پیٹا بھی جا رہا ہے اور ''دہشت گرد'' و ''انتہاء پسند'' کے طعنے بھی دیئے جا رہے ہیں۔ عالمی طاغوتی طاقتوں کی قانونی پشت پناہ اقوام متحدہ (UNO) بظاہر خاموش تماشائی اور بے بس بیٹھی ہے مگر درپردہ وہ ان کی مذموم خواہشات کی تکمیل میں مدد و معاون ہے۔ آیئے عالمی سطح پر انتہاء پسندانہ عزائم کے مظاہر کا جائزہ لیں۔

امریکہ:

روسی ریاستوں کا شیرازہ بکھرنے کے بعد امریکہ دنیا کی واحد سپر پاور کے طور پر ابھرا۔ اس نے برداشت اور رواداری اپنانے کے بجائے پوری دنیا پر حکمرانی کے خواب دیکھنا شروع کئے۔ امریکہ داخلی طور پر ماضی میں بدترین نسلی امتیاز کا شکار رہا ہے۔ اب بھی نسلی تعصب امریکی معاشرے کی پیشانی پر بدنما داغ ہے۔ امریکہ میں سیاہ فاموں کو رسوا کرنا امریکی تہذیب کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ وہاں پر سیاہ فاموں کو سفید فاموں کے ہم پلہ بننے کیلئے آگ اور خون کے دریا سے گذرنا پڑا۔ انصاف، مساوات اور فراخ دلی کے کھوکھلے نعروں کے باوجود مذہبی اور نسلی امتیاز کو روز ہوا دی جا رہی ہے۔ خواتین کی آزادی کے نام پر خواتین عدم تحفظ کا شکار ہیں۔ امریکی میڈیکل ایسوسی ایشن کی ایک تحقیقاتی رپورٹ کے مطابق امریکہ میں ہر سال ۸ لاکھ خواتین زنا بالجبر کا شکار ہوتی ہیں۔ ہر پندرہ سیکنڈ کے بعد ایک خاتون بے آبرو ہوتی ہے۔ ان میں ۱۹ تا ۲۱ سال کی خواتین زیادہ ہیں۔ روزانہ ۱۵ تا ۲۵ سال عمر کی خواتین کی لاشیں ملتی ہیں۔ [۲]

بڑی طاقتیں بے تحاشا جنگی سازوسامان تیار کرتی ہیں جس کی فروخت کیلئے انہیں منڈیوں کی تلاش ہوتی ہے۔ یہ طاقتیں مسلمانوں کو آپس میں لڑا کر ایک تیر سے دو شکار کھیلتی ہیں۔ اس کی ایک مثال عراق ایران جنگ ہے۔ ۱۹۷۹ء میں ایران میں وہاں کا مذہبی انقلاب آیا۔ امریکہ کو خطرہ تھا کہ اسلامی دنیا کیلئے یہ انقلاب نمونہ بن کر دوسرے اسلامی ممالک اس کی تقلید نہ کر لیں۔ عراق ان دنوں تیل کی دولت سے اسلحہ سازی کے ارتقائی مراحل طے کر کے ایٹمی طاقت حاصل کر رہا تھا۔ امریکہ نے عراق کی قیادت کو شیشے میں اتار کر ایران پر حملے کے لئے برانگیختہ کیا۔ ۱۹۸۰ء سے ۱۹۸۸ء تک دونوں ملک بے فائدہ جنگ لڑتے رہے۔ اس جنگ میں چار لاکھ عراقی اور چھ لاکھ ایرانی مارے گئے اور بیسوؤں ارب ڈالر خرچ ہوئے جس سے نہ صرف دونوں ملکوں بلکہ عالم اسلام کی قوت اور اتحاد کو سخت دھچکا لگا۔

اس طرح بڑی طاقتیں مشرق وسطیٰ سے تیل اور دوسری دولت ہتھیانے کی فکر میں رہتی ہیں۔ ایک بار پھر عراق، امریکہ کے دام فریب میں آ گیا اور یکم اگست ۱۹۹۰ء کو کویت پر حملہ کر بیٹھا، امریکہ کو موقع ملا اور عراقی جارحیت کے جواب کے بہانہ پر عرب ممالک میں اپنا فوجی تسلط قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس دوران سعودی عرب اور کویت کو نہ صرف ہتھیار فروخت کئے بلکہ فوج اور جنگ کے بھاری اخراجات بھی وصول کئے اور سعودی عرب جو عالم اسلام پر اپنا مال خرچ کرتا تھا اب اندرونی طور پر ٹیکسز لگانے پر مجبور ہو گیا۔

دنیا کے واحد سپر پاور کو اسرائیل کے خلاف اقوام متحدہ کی ۶۰ کے قریب قراردادیں نظر نہیں آتیں۔ آج تک ایک قرارداد پر عمل نہیں کروا سکا مگر عراق کے خلاف ایک قرارداد کی بنیاد پر پورے ملک کو نیست و نابود کر دیا۔

امریکہ نے دوبارہ عراق کے خلاف فوج کشی کر کے تاریخ میں بدترین بربریت اور وحشت کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس نے اتحادیوں کے ذریعہ عراق کے خلاف پہلی جنگ میں ۴۲ دنوں میں ۸ ہزار ٹن بارود برسایا جو ہیروشیما پر گرائے جانے والے بارود سے سات گنا زیادہ تھا۔ امریکی وزارت دفاع پینٹاگون کے مطابق ایک لاکھ دس ہزار بم برسائے گئے یعنی ۴۲ دنوں میں اس جنگ میں اوسطاً ہر دو منٹ بعد ایک بم گرایا گیا اور یہ سارے بم جنگی نوعیت کی اہمیت والی جگہوں کے علاوہ کنوؤں، پانی کے ذخیروں اور رہائشی مقامات پر گرائے گئے۔ اس جنگ میں تقریباً دو لاکھ عراقی فوجی اور سویلین کام آئے۔ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کا ۶ راگست ۱۹۹۰ء کا فیصلہ اس سے بھی زیادہ بھیانک نتائج کا حامل تھا۔ عالمی سطح پر سلامتی کے ٹھیکیداروں کے اس فیصلہ کے نتیجہ میں عراق پر تجارتی پابندیاں عائد کئے جانے کے نتیجہ میں پانچ سال کے اندر اندر پانچ لاکھ عراقی باشندے موت کے منہ میں چلے گئے۔ ۵ سال اور اس سے کم عمر کے ساڑھے تین لاکھ بچے لقمہ اجل بن گئے۔[۱۹۸] عرب عراق جنگ میں عرب دنیا کو ۶۰۷ بلین ڈالر کا نقصان برداشت کرنا پڑا ہے جو کہ پوری دنیا کے بیرونی قرضوں کی رقم سے دوگنا ہے۔

۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کو امریکہ میں ایک بڑا سانحہ پیش آیا۔ ہائی جیکروں نے جہازوں کو اغواء کر کے نیویارک کی مشہور ترین عمارت ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے ٹکرا کر اس بلڈنگ کو زمین بوس کر دیا اس میں موجود چار ہزار افراد ہلاک ہو گئے، حملہ کا ذمہ دار اسامہ بن لادن اور اس کی تنظیم القاعدہ کو ٹھہرایا گیا۔ امریکہ نے طالبان کو الٹی میٹم دیا کہ بن لادن سمیت القاعدہ کے اہم ارکان امریکہ کے

حوالے کئے جائیں۔ طالبان نے اس کے جواب میں کہا کہ بن لادن پر افغانستان کے اندر مقدمہ چلایا جائے گا۔ امریکہ نے اس تجویز کو مسترد کیا اور اسامہ کے حوالہ نہ ہونے کی صورت میں ۷/اکتوبر کو امریکہ نے شمالی اتحاد کی مدد سے طالبان کے خلاف افغانستان پر حملہ کر دیا۔ دو مہینے کے اندر اندر طالبان حکومت ختم کر دی گئی۔ افغانستان پر تاریخ کی بدترین جنگ مسلط کر دی گئی۔ تورا بورا میں اسامہ کو ختم کرنے کیلئے وہ بم استعمال کئے گئے جس سے کئی میلوں تک آکسیجن ختم ہو جاتی تھی اور انسانوں سمیت ہر ذی روح ختم ہو جاتا۔ اس بمباری میں تقریباً تیس ہزار افراد ہلاک ہوئے۔ بے گناہ ہزاروں شہریوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور سینکڑوں عمارتیں ملبہ کا ڈھیر بن گئیں۔ ستم بالائے ستم یہ کہ طالبان کے گرفتار شدہ رہنماؤں اور القاعدہ کے شک میں بہت سارے افراد کو گوانتاناموبے (کیوبا) میں قید کر دیا گیا جہاں ان کو ذہنی کوفتوں اور جسمانی اذیتوں کے ساتھ ساتھ تذلیل نفسی کا نشانہ بنایا گیا ان پر کسی عدالت میں مقدمہ چلائے بغیر ذاتی انتقام میں یہ سب کچھ کیا گیا اور ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔

امریکہ کی طرف سے خون مسلم کی ارزانی میں افغانستان پر بے جا تسلط ابھی جاری تھا کہ ایک بار پھر عراق کے خلاف میدان جنگ گرم کیا گیا۔ اس بار جنگ کے لئے یہ جواز بنایا گیا کہ عراق کے پاس مہلک ایٹمی ہتھیار ہیں۔ یہاں امریکہ بہادر سے یہ کون پوچھے کہ سب سے زیادہ یہی ہتھیار تیرے پاس اور اسرائیل کے پاس ہیں جو چیز تمہارے لئے جائز اور ضروری ہے اور دوسروں کے ہاتھ میں کیوں نہیں ہو سکتی اور اگر یہ ہتھیار انسانیت دشمن ہیں تو تیرے ایٹمی ذخیرے پر بھی یہی تعریف صادق آتی ہے پھر دنیا نے دیکھا کہ عراق کو ظلم وستم کا تختۂ مشق بنایا گیا۔ پورے ملک پر بے تحاشا بمباری کی گئی۔ جانی و مالی نقصانات کے علاوہ پورے ملک کو کھنڈرات میں تبدیل کر دیا گیا مگر وہ ایٹمی ہتھیار برآمد نہ ہو سکے جس کو بہانہ بنا کر یہ ساری کارروائی کی گئی تھی۔ ایٹمی ہتھیار برآمد نہ ہونے کا اعتراف برطانیہ اور اب امریکہ نے بھی کر لیا ہے بلکہ بی بی سی نے واضح طور پر کہہ دیا تھا کہ جنگ سے قبل عراق کے ایٹمی ہتھیار کے بارے میں غلط اعداد وشمار اور معلومات فراہم کرنے کے بارے میں ہمارے اوپر دباؤ تھا جس کا حقیقت کے ساتھ بہت کم واسطہ تھا۔

روس...... (افغانستان پر یلغار)

روس کے مظالم کی داستان بڑی طویل ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہاں پر صرف سوشلزم انقلاب برپا کرنے کے لئے چار کروڑ افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے۔ روس نے ظاہر شاہ کے وقت سے افغانستان میں اپنے تاثرات کے نفوذ کیلئے راہ و رسم بڑھا دیئے تھے۔ افغان صدر ظاہر شاہ بیرون ملک کے دورے پر تھا کہ سردار داؤد نے اس کا تختہ الٹ دیا۔ اپریل ۱۹۸۷ء میں نور محمد ترکی کی قیادت میں صدر داؤد کا تختہ الٹ کر کمیونسٹ انقلاب برپا کر دیا گیا۔ افغانستان کا پورا ملک اسلامی اور مقامی روایات پر سختی سے کاربند ہے۔ ملک میں خانہ جنگی چھڑ گئی۔ ۲۵/دسمبر ۱۹۷۹ء کو روسی افواج نے افغانستان پر بلہ بول دیا۔ امریکہ نے اپنے مقاصد کے حصول کے لئے روس مخالف عناصر کو اسلحہ، رقم اور سامان رسد کی فراہمی شروع کر دی۔ اگلے آٹھ نو برس میں امریکہ نے ان عناصر کو دو ارب ڈالر کا اسلحہ دیا۔ ستمبر ۱۹۸۶ء میں امریکہ نے مجاہدین کو اینٹی ایئر کرافٹ میزائل دینے شروع کئے

جس سے جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ سینکڑوں روسی طیارے گرنے سے روس کی کمر ٹوٹ گئی۔ اس جنگ میں ۳۵ ہزار کے قریب روسی ہلاک ہوئے۔ بالآخر فروری ۱۹۸۹ء تک روسی افواج کو ذلت آمیز شکست کے بعد افغانستان سے نکلنا پڑا۔ یہی شکست آخر کار روس کے ٹوٹ پھوٹ کا ذریعہ بنی اور اس کے کئی حصے بخرے ہو گئے۔ روس کا افغانستان سے نکلنا تھا کہ امریکہ مہربان نے نظریں پھیر لیں۔ اب اس نے روایتی ہرجائی پنے سے کام لے کر افغان مجاہدین اور ان کے بوجھ سے سب سے زیادہ متاثر ملک پاکستان کو بے یارو مددگار چھوڑ دیا۔ افغانستان میں جہاد میں ۱۵ لاکھ افغان مجاہدین وعوام نے جام شہادت نوش کیا اور پورا ملک کھنڈرات کا نمونہ بن گیا۔

روس……چیچنیا مظالم:

افغانستان پر ظلم کے پہاڑ توڑنے کی پاداش میں روس کا اندرونی توازن بگڑ گیا اور وہ سپر پاور ہونے کے باوجود اپنی وحدت قائم نہ رکھ سکا۔ اس دوران کے بگاڑ کے سبب وسط ایشیاء کی چھ مسلم ریاستیں آزاد ہو کر خود مختار حیثیت اختیار کر گئیں۔ ۱۹۹۱ء میں چیچنیا نے بھی روس سے الگ ہو کر اپنی خود مختاری کا اعلان کیا۔ چیچنیا کی ایک ملین میں ۸۰ فیصد سنی مسلمانوں کی آبادی ہے۔ روس نے ۱۹۹۴ء تا ۱۹۹۶ء چیچنیا پر جنگ مسلط رکھی اور وہاں کے مسلمانوں کو قوت کے بل بوتے پر دبانے کا یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

چیچن مجاہدین کے ویب سائٹ ''کوہ قاف'' کے مطابق اب تک چیچنیا کو مندرجہ ذیل تباہی کا سامنا کرنا پڑا۔

نوع آبادی	کل تعداد	تباہ شدہ املاک
مساجد	۴۱۲	۳۹۹
چرچ	۹	۵
لائبریریاں	۷۱۷	۵۸۰
کالج و یونیورسٹیاں	۱۰	۱۰
سکول و ہاسٹل	۸۹۲	۸۵۱
جمنازیم	۴۱۲	۲۴۳
ہوٹل	۳۶۰	۳۶۰
سٹیڈیم و سپورٹس کمپلیکس	۲۴	۲۱
پارک و تفریح گاہیں	۴۳	۳۹
میوزیم، یتیم خانہ، چڑیا گھر	ایک، ایک، ایک	تمام [۱۰۹]

بوسنیا:

یوگوسلاویہ میں چھ کی وحدت سے ۱۹۹۱ء میں تین ریاستیں الگ ہوگئیں۔۱۹۹۲ء میں بوسنیا کی پارلیمنٹ نے بھی کروشیا اور سربیا کی طرح خودمختاری اختیار کرلی۔ یوگوسلاویہ اور سرب عیسائی، بوسنیائی مسلم ریاست کو ہرگز برداشت نہیں کرسکتے تھے چنانچہ سربوں نے البانوی نژاد مسلمانوں کا قتل عام شروع کردیا۔ بوسنیا میں خون ریزی، عصمت دری اور گینگ ریپ کا انسانیت کش اور اخلاق کش اور اخلاق سوز بازار گرم رہا اور تین لاکھ البانوی نژاد مسلمان گھربار چھوڑنے پر مجبور ہوگئے۔ سربیا میں عیسائیوں کی درندگی اور مظالم کی داستان بڑی طویل ہے۔ایک روح فرما اور رونگھٹے کھڑے کردینے والا واقعہ ملاحظہ ہو۔

> ''مشرقی بوسنیا کے علاقے تزلا کے قرب و جواز میں ایک غم سے نڈھال عینی گواہ کے مطابق تین مسلمان لڑکیوں کو جنگلے سے باندھ دیا گیا۔ ان سے اجتماعی آبروریزی کی گئی پھر تین روز کے بعد ان لڑکیوں پر پٹرول چھڑک کر ان کو زندہ جلا دیا گیا۔''[۱۱]

سربوں کے ہاتھوں ۱۹۹۵ء میں شہید ہونے والے ہزاروں بوسنیائی باشندوں کی اجتماعی قبریں دریافت ہوئی ہیں۔ یہ قبریں ان آٹھ ہزار بوسنیائی باشندوں میں سے بعض کی ہیں جو ۱۹۹۵ء میں لاپتہ ہوگئے تھے اور بعد میں ان کا کوئی سراغ نہیں مل سکا۔ ان کو سربوں نے پشت پر ہاتھ باندھ کر قتل کردیا تھا اور پھر اس کا ثبوت مٹانے کیلئے بلڈوزروں کے ذریعے ان قبروں کو ہموار کردیا گیا تھا۔ اب تک ساڑھے تین ہزار افراد کی قبریں دریافت ہوچکی ہیں۔[۱۱]بوسنیا میں جنگ بندی کے ایک سال بعد ایک برطانوی صحافی نے وہاں کی جو دلخراش رپورٹ پیش کی اس کا کچھ حصہ ملاحظہ ہو۔

> ''جن علاقوں میں سرب درندوں کا قبضہ ہوا وہاں مسلمانوں کو ہر جگہ سے جمع کیا گیا ان کو دریاؤں کے پلوں پر لے جا کر جانوروں کی طرح لٹا کر ذبح کیا گیا اور ان کی لاشوں پر مٹی ڈال دی گئی۔ اقوام متحدہ کے کیمپوں میں پناہ گزین مسلمانوں پر بھی سرب درندوں نے حملے کئے ہتھوڑوں سے ان کے سر کچل دیئے کھوپڑیاں توڑ ڈالیں۔ معصوم بچوں کو گنوں کے بٹوں سے مار مار کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ بعض شہروں میں بڑے بڑے تندوروں میں مسلمانوں کو جلا دیا گیا۔''[۲۰] انسانی تاریخ کے اس سیاہ ترین جرم اور وحشت و بربریت کے اس قتل عام میں بوسنیا کے دس لاکھ مسلمانوں میں سے ڈھائی لاکھ مسلمان صلیبی سربوں کے ہاتھوں انتہائی بے دردی سے قتل کردیئے گئے۔[۲۱]

اسرائیل:

یہود اپنی سازشی ذہن، ریشہ دوانیوں اور انسان دشمن پالیسیوں کی وجہ سے ہمیشہ تاریخ انسانی میں معتوب، ذلیل اور بے بس رہے ہیں اور در در کی ٹھوکریں کھاتے پھرتے رہے ہیں، ان کو دنیا میں کبھی یکجائی نہیں ملی ہے۔ اپنی وحدت اور یہودی ملک کی تشکیل کیلئے یہودیوں نے دنیا بھر میں کئی سال خفیہ کانفرنسیں کیں۔ بالآخر ۱۸۹۷ء میں انہوں نے بڑے غور وخوض کے بعد اپنی

تمام تر مساعی ان تین نقاط پر مرکوز کرنے کا فیصلہ کیا۔

(۱) یہودیوں کیلئے ایک قومی وطن کا قیام (۲) دنیا کے مالی نظام پر قبضہ و تسلط (۳) اسلامی ممالک کو نیست و نابود کرنا

ان مقاصد کے حصول کے لئے یہودیوں نے ساری دنیا میں ایک سازشی جال بچھایا جس کے تحت یہودیوں کی ایک عظیم اور پراسرار شخصیت نے ۳۳ درجے یہودیوں کے نمائندوں کا ایک اجلاس بلایا جس کی کئی نشستوں میں اس نے اپنے عظیم سازشی منصوبے کی تفصیلات بہ غرض توثیق بیان کیں جو باقاعدہ ایک مسودہ کی صورت میں ضبط تحریر میں لائی گئیں اور اس پر ان نمائندوں نے اپنے تصدیقی دستخط ثبت کئے۔ دنیا کی یہ بدنام ترین دستاویز ''پراٹوکول'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس دستاویز کا اردو ترجمہ ''عظیم سازشی منصوبہ'' کے نام سے عالمی ادارہ اشاعت اسلام، چہلیک ملتان سے شائع ہو چکا ہے۔ اس منصوبہ کے تحت نظام عالم میں اس وقت ہر جگہ یہودی اثر و نفوذ کارفرما ہے۔ یو این او، یونیسکو، ورلڈ بنک، انٹرنیشنل مانیٹرنگ فنڈ (IMF) وغیرہ کی کلیدی آسامیوں پر یہود قابض ہیں۔ دنیا کی بڑی حکومتوں میں ان کا عمل دخل ہے۔ دنیا کی عظیم سائنسی لیبارٹریوں، اسلحہ ساز کارخانوں، فلمی نگار خانوں، نشریاتی اداروں، خبر رساں ایجنسیوں، صنعتی و تجارتی مرکزوں پر یہود چھائے ہوئے ہیں۔[۱۱۴] بڑی طاقتوں کی چال بازی سے عالم اسلام اور عرب ملکوں کی وحدت کو پارا پارا کرنے کے لئے دنیائے عرب میں اسرائیل کی حکومت کا قیام عمل میں لایا گیا۔ دوسری جنگ عظیم میں یہودیوں نے اپنی مالی اور فوجی امداد سے اتحادیوں کو اپنا ہم نوا بنا لیا جس کے نتیجہ میں ۱۴ مئی ۱۹۴۸ء کو امریکہ اور برطانیہ کی ملی بھگت سے اسرائیلی حکومت قائم کر دی گئی عربوں نے اس کی مدافعت میں ۱۹۴۸ء، ۱۹۵۶ء، ۱۹۶۷ء اور ۱۹۷۳ء میں جنگیں لڑیں مگر بڑی طاقتوں کی پشت پناہی کے باعث وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔[۱۱۵]

اسرائیلیوں نے فلسطین میں ظلم و ستم کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ امریکہ، برطانیہ اور دیگر اسلام دشمن ممالک اس کی مکمل پشت پناہی کر رہے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ امریکہ کو عراق میں مہلک ہتھیار کے محض شبہ پر حملہ کا جواز مل جاتا ہے اور اس بہانے پورے ملک کو تہہ و بالا کر دیتا ہے مگر اسرائیل کے سینکڑوں ایٹم بم نظر نہیں آتے۔ مظلوم فلسطینیوں کے گھروں سے روزانہ معصوم بچوں اور جوانوں کے جنازے اٹھتے ہیں، ان کے گھر بلڈوزروں کے ذریعہ مسمار کئے جاتے ہیں، ان کے محلوں میں ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں گشت کرتی نظر آتی ہیں۔ اس ظلم کے ردعمل کے طور پر ''انتفاضہ'' کی تحریک اور خودکش حملوں نے جنم لیا ہے اور ابھی دنیا نظارہ کر رہی ہے کہ دیکھتے ہیں ظلم و ستم کا یہ سلسلہ کہاں جا کر رکتا ہے اور اس کا کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔

بھارت:

برصغیر پر بدقسمتی سے ایک طویل عرصہ تک انگریز حکمران رہے۔ ہندوستان میں رہتے ہوئے انگریز کی کیا پالیسی تھی؟ جناب جانباز مرزا اپنی تالیف ''انگریز کے باغی مسلمان'' میں رقم طراز ہیں۔ الٰہ آباد کے کمانڈر لیفٹیننٹ کرنل جان کرک نے ۱۸۵۷ء کے فوراً بعد کہا تھا:

''ہماری کوشش ہونی چاہئے کہ ہندوستان میں موجودہ مذاہب اور نسلوں کی صورت میں جو اختلاف ہے

اسے پوری طاقت صرف کر کے برقرار رکھا جائے اور اسے کسی صورت ختم نہیں ہونا چاہئے۔ آئندہ حکومت ہند کا سب سے بڑا اصول ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' ہونا چاہئے۔''[۶]

پھر انگریز نے اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لئے ہمیشہ ہندوؤں کو مسلمانوں کے خلاف استعمال کیا۔ پروفیسر سید محمد سلیم ''تاریخ نظریہ پاکستان'' میں لکھتے ہیں:

''ہندوستان کے گورنر جنرل لارڈ ایلن باور نے اپنی حکومت کی پالیسی بیان کرتے ہوئے صاف الفاظ میں کہا تھا ''میں اس حقیقت سے آنکھیں بند نہیں کر سکتا کہ یہ نسل (مسلمان) بنیادی طور پر ہماری دشمن ہے اس لئے ہماری صحیح پالیسی یہ ہے کہ ہندوؤں کو خوش کیا جائے۔''[۷]

ہندوؤں میں مسلمانوں کے خلاف کتنا تعصب تھا؟ مہاشہ پرتاب سنگھ کی زبانی سنئے۔

''۱۹۲۷ء میں سکھر میں ایک جلسہ عام سے خطاب کے دوران مہاشہ پرتاب سنگھ نے علی الاعلان ہندوؤں کو کہا تھا ''اگر تم ایک گائے کی خاطر کراچی سے لے کر مکہ تک تمام مسلمانوں کو ختم کر دو تو بھی تھوڑا ہے۔ ہندو دھرم میں جانوروں کا گوشت کھانا منع ہے لیکن مسلمانوں کا خون پینا جائز ہے۔ کسی ہندو کو اس کے پینے میں پس و پیش نہیں کرنا چاہئے۔''[۸]

ہندومت کی انتہاء پسندی کے باعث برصغیر کئی ملکوں میں تقسیم ہوا۔ ۱۹۴۷ء میں مسلمانوں کا قتل عام ہوا۔ بابری مسجد شہید کی گئی۔ ہزاروں مسجدوں میں مسلمانوں کو نماز پڑھنے کی اجازت نہیں۔ آئے دن ہندو انتہا پسند تنظیمیں مشہور مساجد کو مندروں میں تبدیل کرنے کے اعلانات کر رہی ہیں۔ کشمیر میں مسلمانوں کا قتل عام جاری ہے۔ اس کے علاوہ سکھوں کا قتل عام کر کے ان کے مذہبی و مقدس مقام ''گولڈن ٹیمپل'' کو برباد کیا گیا۔ عیسائی اقلیتوں کا قتل عام اور ان کے گرجوں کا انہدام کیا گیا۔ نچلی ذات کے ہندوؤں کے ساتھ جانوروں سے بدترین سلوک کیا جا رہا ہے۔ بھلا جو لوگ اپنے ہم مذہبوں کو برداشت نہیں کر سکتے ان سے دوسروں کے بارے میں رواداری اور برداشت کی توقع کس طرح کی جا سکتی ہے؟ ہندوؤں کی انتہاء پسندی نہ صرف مسلمانوں کیلئے ہے بلکہ وہ اپنے سوا کسی اور کو برداشت نہیں کر سکتے چنانچہ وہاں آسٹریلیا کے گراہم اسٹیوارٹ کو زندہ جلا دیا گیا۔ ۲۵ دسمبر تا ۴ جنوری ۱۹۹۸ء آٹھ گرجا گھر جلائے گئے۔ عیسائی خاتون سے گینگ ریپ کیا گیا۔ اڑیسہ میں دو سو عیسائی مکانات نذر آتش کئے گئے۔ کیرالہ میں دو پادری ہلاک کئے گئے۔[۹] اس کے بالمقابل اہل پاکستان کا حوصلہ دیکھئے کہ قیام پاکستان کے بعد ۳۱ جنوری ۱۹۴۸ء کو بھارتی آنجہانی لیڈر مہاتما گاندھی کے قتل کی وجہ سے پاکستان میں سوگ منانے کے لئے سرکاری دفاتر بند رہے۔[۱۰] بھارتی ریاست گجرات میں یکم مارچ ۲۰۰۲ء میں ہندو مسلم فسادات بھڑک اٹھے جس کی وجہ سے مرکزی شہر احمد آباد سمیت ۲۶ شہروں میں کرفیو نافذ کر دیا گیا تھا جو بعد ازاں ۳۷ شہروں تک بڑھا دیا گیا۔ اس کے باوجود ہندو انتہاء پسند تنظیموں نے دل کھول کر مسلمانوں کا قتل عام کیا۔ واقعات کے مطابق احمد آباد کے علاقے گل مارگ میں ایک مسلمان وزیر سمیت ۳۸ مسلمانوں کو ایک مکان میں بند کر کے آگ لگا دی گئی جس سے تمام مسلمان زندہ جل گئے۔ جرمنی ریڈیو کے مطابق احمد آباد کے مسلمان اکثریتی

آبادی والے علاقے میں ایک گھر یا مسجد ایسی نہیں تھی جو ہندو بلوائیوں کے جنون اور آتش انتقام سے محفوظ رہی ہے۔ ان فسادات کی وجہ سے ایک لاکھ مسلمان متاثر ہوئے۔

مسئلہ کشمیر:

برطانیہ نے ۱۹۴۷ء میں برصغیر کو دو ملکوں میں تقسیم کیا مگر ریاست جموں وکشمیر کے عوام کی خواہشات کے برعکس اس کا الحاق ہندوستان کے ساتھ کر کے دونوں ملکوں کو ہمیشہ کیلئے الجھا دیا۔ بھارت ریاست و جموں کشمیر میں استصواب رائے کا سلامتی کونسل میں وعدہ کرنے کے بعد اس سے مکر گیا ہے۔ اس چپقلش کے باعث پاک بھارت کے درمیان ۱۹۴۸ء، ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء کی جنگیں ہو چکی ہیں۔ بھارت کی سات لاکھ فوج ریاست جموں وکشمیر میں برسرپیکار ہے۔ تحریک آزادی کشمیر میں جانوں کا نذرانہ پیش کرنے والے شہداء کی تعداد کے حوالے سے ایک رپورٹ کے مطابق کشمیر میں بھارتی فوج نے گذشتہ ۱۵ برس کے دوران ریاستی دہشت گردی کی بدترین کارروائیوں میں ۸۷۶۷۸ کشمیری شہید کر دیئے۔ ذرائع کے مطابق شہید ہونے والوں میں سے ۶۵۶۱ کو دوران حراست شہید کیا گیا۔ اس عرصہ کے دوران ۹۲۹۷ عفت مآب خواتین کی بے حرمتی کی گئی اور ایک لاکھ چار ہزار تین سو اسی سے زائد مکانات اور دکانیں جلا کر خاکستر کر دی گئیں۔ بھارتی فوج کی ریاستی دہشت گردی کی وجہ سے اس عرصہ کے دوران ۲۱۸۲۶ خواتین بیوہ جبکہ ۱۰۵۲۱۰ بچے یتیم ہو چکے ہیں۔ اس وقت ۷۵۵۴ کشمیری بھارت اور مقبوضہ کشمیر کی مختلف جیلوں میں نظر بند ہیں۔ دریں اثناء بھارتی فوجیوں نے سال ۲۰۰۳ء کے دوران ۲۸۲۸ افراد کو شہید کیا جن میں سے ۲۹۴ افراد کو حراست کے دوران شہید کیا گیا۔ بھارتی فوجیوں نے اس عرصہ کے دوران ۴۶۰ مکانات اور دکانوں کو جلایا۔ ریاستی دہشت گردی کی کارروائیوں کے نتیجہ میں گزشتہ سال ۶۵۱ عورتیں بیوہ ہوئیں جبکہ ۲۱۶۹ سے زیادہ بچے یتیم ہوئے، سال ۲۰۰۳ء میں ۳۰۰ سے زیادہ عورتوں کی بے حرمتی کی گئی۔ [۱۲۱]

عصر حاضر کے مسلمانوں میں مذہبی انتہاء پسندی:

اسلام جو منتشر قبائل کو یکجا کرنے اور مختلف افکار و نظریات کو عقیدہ توحید کے ایک مرکز پر جمع کرنے آیا تھا اور تاریخ نے دیکھا کہ خون کے پیاسے بھائی بھائی بن گئے اور ایک دوسرے پر اپنی جان اور مال خرچ کرنے کو سعادت سمجھنے لگے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی سے خود عیاں ہے کہ منافقین سے درگذر کیا۔ مجرمین اور ذات کے دشمنوں سے چشم پوشی کی تاکہ امت میں وحدت قائم رہے اور وہ افتراق و انتشار کا شکار نہ ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تعلیمات کے ذریعہ مسلمانوں کو ایک جسم کی مانند قرار دیا اور فرمایا کہ مسلمان مسلمان کیلئے سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہے جس کے ایک حصہ نے دوسرے کو مضبوط کیا ہوتا ہے۔ بدقسمتی سے آج مسلمان ان تعلیمات پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے آپس میں ہی دست وگریبان ہیں۔ وہ امت جو ہر لحاظ سے ناقابل تقسیم وحدت تھی اور جسے بنیان مرصوص بن کر زمانے میں اسلام کے پیغام کو پوری انسانیت تک پہنچانا تھا آج وہ خود افتراق اور تشتت کا شکار ہے۔ مسلمانوں کی مختلف جماعتیں اور گروہ مسلکوں کی بنیاد پر ایک دوسرے سے برسرپیکار ہیں اور چھوٹے

چھوٹے فروعی اختلافات کی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ غیر مسلموں والا سلوک شروع کر دیا ہے جو کہ انتہائی خطرناک بات ہے۔ کسی معاملہ میں اختلاف رائے کا ہونا بذات خود مذموم نہیں کیونکہ اختلاف رائے سے تحقیق کی نئی جہتیں کھلتی ہیں اور آسانی کے مختصر ترین راستے سامنے آتے ہیں لیکن اختلاف رائے کو اتنا بڑھا دینا کہ باہمی نزاع اور جنگ و جدال تک نوبت پہنچ جائے بہرحال مذموم اور ناپسندیدہ ہے۔ غیر منصوص احکام میں اختلاف رائے خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں ہوا۔ اس طرح حضرات خلفاء راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے عہد میں جب نئے نئے مسائل سامنے آئے جن کا قرآن و احادیث میں صراحۃً حکم مذکور نہ تھا ان کے درمیان اختلاف رائے ہوا لیکن بات کبھی مستقل جھگڑوں، تفرقہ بازیوں اور ایک دوسرے کی تفسیق و تکفیر تک نہیں پہنچی۔ جیسے کہ آج کل ہو رہا ہے۔ ایک گروہ فروعی اور جزوی اختلاف کی بناء پر دوسرے گروہ کو کافر، مرتد اور واجب القتل قرار دیتا ہے بلکہ اس قتل کو کار ثواب اور جہاد بتاتا ہے اور یوں بھی کہہ دیتے ہیں کہ جو اسے کافر نہ مانے وہ بھی کافر ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فتنہ کے سدباب کے لئے فرمایا تھا:

ثلاث من اصل الایمان الکف عمن قال لا اله الا الله لا تکفره بذنب ولا تخرجه من الاسلام بعمل [۱۳۲]

''تین چیزیں اصل ایمان ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ جو لا الہ الا اللہ کا اقرار کرتا ہے اس کو کافر کہنے سے باز رہا جائے۔ کسی گناہ کے سبب اسے کافر قرار نہ دیا جائے اور کسی عمل کے سبب اسلام سے خارج نہ کیا جائے۔''

فقہائے اسلام نے کفر کے حوالے سے اصول بیان کیا ہے:

من قواعد اهل السنة ان لایکفر واحد من اهل القبلة [۱۳۳]

''اہل سنت کے بنیادی قواعد میں سے ایک یہ ہے کہ اہل قبلہ میں سے کسی کو کافر نہ کہا جاوے''

وعن ابی حنیفة لا نکفر اهل القبلة بذنب [۱۳۴]

''اور امام اعظم ابوحنیفہؒ سے منقول ہے کہ ہم اہل قبلہ کو کسی گناہ کے سبب کافر نہیں ٹھہراتے۔''

اسلام میں مذہبی رواداری اور مستشرقین کے اعترافات:

اسلام مذہبی رواداری، اعتدال اور عدم تشدد کا حامل دنیا کا پہلا مذہب ہے جس نے ہمیشہ نہ صرف یہود و نصاریٰ کے ساتھ بلکہ مجوس و مشرکین کے ساتھ بھی رواداری کا سلوک برتا ہے۔ بدقسمتی سے اہل مغرب نے ہمیشہ اسلام اور ہادی اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے جا الزامات کے ذریعہ بدنام کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس بات کا اعتراف خود انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار لفظ ''محمد'' کے تحت کرتا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

"Few great men have been so malignad as Muhammad. Christian scholars of medieval Europe painted him as an impostor, a lecher, and a

man of blood. A corruption of his name, "Mahound" even came to signify the devil"

''بہت کم بڑے لوگوں کو اتنا زیادہ بدنام کیا گیا ہے جتنا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بدنام کیا گیا ہے۔ قرون وسطیٰ کے یورپ کے مسیحی علماء نے ان کو فریبی، عیاش اور خونی انسان کے روپ میں پیش کیا حتیٰ کہ آپ کے نام کا ایک بگڑا ہوا تلفظ مہاوند (نعوذ باللہ) شیطان کے ہم معنی بنا دیا گیا ہے۔''[۱۲۵]

مسلمانوں کو آج کل ایک طعنہ بنیاد پرستی (Fundamentalism) کا دیا جاتا ہے حالانکہ بنیاد پرستی کی ابتداء آج سے تقریباً ایک صدی پہلے خود عالم عیسائیت نے کی ہے۔ مشہور برطانوی مصنفہ کیرن آرمسٹرانگ "The Battle of God" میں رقم طراز ہیں:

''ولیم بیل ریلے نے ۱۹۱۹ء میں امریکی ریاست فلاڈیلفیا میں ایک بہت بڑی کانفرنس منعقد کی جس میں تمام پروٹسٹنٹ فرقوں سے تعلق رکھنے والے چھ ہزار قدامت پسندوں نے شرکت کی اور ''ورلڈ کرسچین فنڈامنٹلز ایسوسی ایشن'' (WCFA) کو باقاعدہ طور پر قائم کیا گیا۔ اس کے فوری بعد ریلے نے چودہ مقرروں اور انجیل گانے والوں کے ایک طائفے کے ساتھ پورے امریکہ میں اٹھارہ شہروں کا ایک انتہائی منظم دورہ کیا...... ریلے نے کہا کہ یہ محض کوئی الگ تھلگ جنگ نہیں بلکہ ''یہ تو ایک لامختتم جنگ ہے۔''[۱۲۶] انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا اس کا اعتراف مندرجہ ذیل الفاظ میں کرتا ہے۔

"Fundamentalist and Evangelical comprise ■ mixed group of theologically conservative communions that stress the full, and often verblal, inspiration of the Bible and its complete authority over faith and practice" [۱۲۷]

''بنیاد پرست اور مقدس انجیلی مبلغین ایک ایسے گروہ پر مشتمل ہے جو مذہبی قدامت پرستی کے تانے بانے سے بنا ہے۔ یہ گروہ زیادہ تر کتاب مقدس بائبل (انجیل) کے لفظی معنی اور اس کے ٹھیٹ عمل پر زور دیتا ہے۔''

دوسری بنیاد پرست تنظیم یہودی پارٹی ''ایگودا اسرائیل'' (اسرائیل کا اتحاد = Agudat Israil) کی تھی۔ یہ ۱۹۱۲ء میں مسنیکڈی اور گر کے ہیسیڈم نے قائم کی تھی۔ ۷۰ء سے لے کر اس وقت پہلی مرتبہ یہود متحد ہوئے تھے۔ اس تنظیم نے توراۃ کی اساس پر ایک الٰہی ریاست قائم کی تشکیل کا نظریہ اور اس کے لئے عملی جدوجہد شروع کی تھی۔[۱۲۸] جہاں تک انتہاء پسندی کا تعلق ہے تو اس کی ایک بنیادی وجہ اصل الٰہی تعلیمات کو بگاڑنا اور اپنے پیغمبروں کے مقدس مشن اور راستے سے انحراف ہے۔ اگر یہود و نصاریٰ اپنے اپنے دین میں تحریف نہ کرتے تو آج آسمانی مذاہب والے کم از کم بنیادی آسمانی عقائد پر متفق ہوتے۔ مولانا عبدالکریم پاریکھ اپنی کتاب ''یہودیت...... قرآن کی روشنی میں'' میں مذہبی انتہاء پسندی کے اسباب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ نے اپنی کتابوں میں تحریف کی۔ جس کی وجہ سے اصلی تعلیمات معدوم ہوگئیں اور حق و باطل کی آمیزش ہوگئی۔ اگر یہود و نصاریٰ اس فعل قبیح کا ارتکاب نہ کرتے تو آج آسمانی مذاہب والے بنیادی آسمانی تعلیمات پر متفق ہوتے۔[۱۲۹]

مذہبی انتہاء پسندی کی دوسری وجہ ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ پیغمبر آخر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انکار کرتے ہیں جبکہ

مسلمانوں کے ہاں حضرت موسیٰ وحضرت عیسیٰ سمیت تمام سابقہ انبیاء پر ایمان لانا فرض ہے اگر وہ بھی پیغمبر آخر کو تسلیم کر لیتے جیسے کہ ان کی آسمانی کتب میں تصریحات اور پیشگوئیاں موجود ہیں تو اصلاح کی راہ نکل آتی۔[۱۳۰]

یہود و نصاریٰ نے الٰہی احکام کو پس پشت ڈال کر خود اپنے دین کے ٹھیکیدار بن گئے تھے۔ تحریف و تبدیل کی حد کرنے کے علاوہ انہوں نے اپنے مذہبی پیش رووں کو بے حد مذہبی اختیارات دیئے تھے یہاں تک کہ عیسائیت میں گناہوں کا بخشنا اور جنت و دوزخ الاٹ کرنا پادریوں کا کام بن گیا تھا۔ چوہدری غلام رسول ''مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ'' میں لکھتے ہیں:

''عیسائیوں کا پوپ سے متعلق یہ عقیدہ تھا کہ وہ خدا کا نائب اور عیسیٰ کا قائم مقام ہے اس کا نہ کوئی فیصلہ غلط ہو سکتا ہے نہ اس کے کسی حکم پر تنقید کی جا سکتی ہے وہ گناہ گاروں کے گناہ معاف کر سکتا ہے۔ اس عقیدے نے آہستہ آہستہ معافی ناموں (Indulgences) کی صورت اختیار کر لی۔ معافی نامے عام بکنے شروع ہو گئے۔ شہر شہر، قریہ قریہ معافی ناموں کی ایجنسیاں قائم کر دی گئیں۔ ہر گناہ کیلئے الگ قیمت کا معافی نامہ ہوتا تھا۔ ان معافی ناموں کو خرید کر نہ صرف زندہ لوگ اپنے گناہ معاف کرواتے تھے بلکہ اپنے فوت شدہ والدین کے گناہوں کی بخشش کیلئے بھی خریدے جاتے تھے۔ مغفرت نامے فروخت کرنے والے گلی کوچوں میں آواز لگا کر فروخت کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب معافی ناموں کی تجارت عام ہو گئی تو تمام مسیحی یورپ اور کلیسا خاص طور پر گناہوں اور جرائم کی دلدل میں پھنس گیا۔[۱۳۱] عیسائیت کی یہی وہ انتہا پسندانہ باتیں تھیں جن کے خلاف مذہب عیسائیت میں مارٹن لوتھر ایک مصلح کی حیثیت سے اٹھ کھڑا ہوا جس کا ردعمل ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ ۲۸۶ مذہبی علماء کو جلا دیا گیا تھا اور تقریباً ایک لاکھ افراد کو لقمہ اجل بنا دیا گیا تھا۔''

تاریخ انسانیت میں یہ ایک زندہ حقیقت ہے کہ کوئی مذہب یا نظریہ تلوار کے بغیر نہیں پھیلا گویا تلوار اور جنگ غلبہ دین اور افکار و نظریات کی ترویج کیلئے ایک ضروری چیز رہی ہے مگر اسلام وہ پہلا مذہب ہے جس نے جنگ کے اصول مقرر کئے ورنہ اسلام سے قبل دیگر مذاہب والے مفتوحہ اقوام پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑتے تھے اس کی کچھ مثالیں اس سے قبل سطور میں گذر چکی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دور جاہلیت کے تمام وحشیانہ جنگی طریقوں کو بھی منسوخ کر دیا اور ایسے قوانین نافذ فرمائے جو آج بھی احترام آدمیت کا درس دیتے ہیں۔ ان قوانین کے مطابق جنگ کے دوران عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کے قتل، عبادت گاہوں اور فصلوں کی تباہی و بربادی اور دشمنوں کے ہاتھ، ناک کان وغیرہ کاٹنے پر پابندی لگا دی گئی۔[۱۳۲] رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وسعت ظرفی اور دوسروں کو برداشت کرنے کی اعلیٰ ترین مثال یہود کے مقدس مقام کوہ سینا (مصر) کے ساتھ عیسائیوں کا کلیساء سینٹ کیتھرائن کی حفاظت اور عیسائیوں کے حقوق کے بارے میں ایک نامہ مبارک تحریر فرمانا ہے۔ حسن اتفاق سے آج تک یہ کلیساء موجود ہے اور اس کے ساتھ ہی تاریخ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نامہ مبارک بھی اصل حالت میں موجود ہے۔

ڈاکٹر حافظ محمد ثانی اپنی کتاب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور رواداری میں رقم طراز ہیں:

''۶۲۷ء میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سینٹ کیتھرائن متصل کوہ سینا کے راہبوں اور تمام

عیسائیوں کو پوری آزادی اور وسیع حقوق عطاء کئے اور مسلمانوں کو تاکید کی کہ وہ

۱) عیسائیوں کے گرجاؤں، راہبوں کے مکانوں اور نیز زیارت گاہوں کو ان کے دشمن سے بچائیں۔

۲) تمام مضر اور تکلیف رساں چیزوں سے پوری طور پر ان کی حفاظت کریں۔

۳) ان پر بے جا ٹیکس نہ لگایا جائے۔

۴) کسی کو اپنی حدود سے خارج نہ کیا جائے۔

۵) کوئی عیسائی اپنا مذہب چھوڑنے پر مجبور نہ کیا جائے۔

۶) کسی راہب کو اپنی خانقاہ سے نہ نکالا جائے۔

۷) کسی زائر کو اپنی زیارت سے نہ روکا جائے۔

۸) مسلمانوں کے مکان اور مسجد بنانے کی غرض سے عیسائیوں کے گرجے مسمار نہ کئے جائیں۔[۱۳۳]

اسلام نے تلوار کی زد کو میدان جنگ میں محض برسرپیکار افراد تک محدود رکھا اور دوسرے لوگوں سے تعرض نہ کرنے کی تاکید کی ہے۔ ڈاکٹر خالد علوی ''انسان کامل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' میں لکھتے ہیں:

محاربین (Belligerents) کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ ایک اہل قتال (Combatants) اور دوسرے غیر اہل قتال (Non-Combatants)۔ اہل قتال وہ ہیں جو عملاً جنگ میں حصہ لیتے ہیں یا عقلاً وعرفاً حصہ لینے کی قدرت رکھتے ہیں یعنی جوان مرد، اور غیر اہل قتال وہ ہیں جو عقلاً وعرفاً جنگ میں حصہ نہیں لے سکتے یا عموماً نہیں لیا کرتے مثلاً عورتیں، بچے، بوڑھے، بیمار، زخمی، اندھے، مقطوع الاعضاء، مجنون، سیاح، خانقاہ نشین، زہد، معبدوں اور مندروں کے مجاور اور ایسے ہی دوسرے بے ضرر لوگ۔ اسلام نے طبقہ اول کے لوگوں کو قتل کرنے کی اجازت دی ہے اور طبقہ دوم کے لوگوں کو قتل کرنے سے منع کیا ہے۔''

خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب فوجیں شام کی طرف روانہ کیں تو ان کو دس ہدایات دیں۔ وہ ہدایات اسلامی تعلیمات جنگ کا ملخص ہیں وہ ہدایات یہ ہیں۔

(۱) عورتیں، بچے اور بوڑھے قتل نہ کئے جائیں۔

(۲) مثلہ (اعضاء کا کاٹنا) نہ کیا جائے۔

(۳) راہبوں اور عابدوں کو نہ ستایا جائے اور نہ ان کی عبادت گاہیں مسمار کی جائیں۔

(۴) کوئی پھل دار درخت نہ کاٹا جائے اور نہ کھیتیاں جلائی جائیں۔

(۵) آبادیاں ویران نہ کی جائیں۔

(۶) جانوروں کو ہلاک نہ کیا جائے۔

(۷) بدعہدی سے ہر حال میں احتراز کیا جائے۔

(۸) جولوگ اطاعت کریں ان کی جان و مال کا وہی احترام کیا جائے جو مسلمانوں کی جان و مال کا کیا جاتا ہے۔

(۹) اموال غنیمت میں خیانت نہ کی جائے۔

(۱۰) جنگ میں پیٹھ نہ پھیری جائے۔[۱۳۴]

۱۶ھ/۶۳۷ء میں جب مسلمانوں نے پہلی مرتبہ بیت المقدس کو فتح کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انتہائی رواداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے مندرجہ ذیل امان نامہ لکھ کر دیا تھا:

''یہ وہ امان ہے جو اللہ کے بندے امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے ایلیاء کے لوگوں کو دی۔ یہ امان ان کی جان، مال، گرجے، صلیب، تندرست بیمار اور ان کے تمام اہل مذاہب کیلئے ہے۔ ان کے گرجوں میں نہ سکونت اختیار کی جائے گی نہ وہ گرائے جائیں گے اور نہ ان کو اور ان کے احاطوں کو نقصان پہنچایا جائیگا۔ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی نہ کی جائے گی۔ نہ مذہب کے معاملہ میں ان پر جبر کیا جائے گا۔ نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہنچایا جائے گا۔[۱۳۵]

اسلام میں ہر مذہب کے ماننے والوں کو پرسنل لاء اور کلچر میں آزادی دی گئی ہے۔ ابو عبیدہ کتاب الاموال میں تحریر فرماتے ہیں:

هم احرار فی شهاداتهم ومنا کحاتهم و موا ریثهم و جمیع احکامهم

''یعنی یہ لوگ اپنی شہادت کے احکام، نکاح کے معاملات، وراثت کے قوانین اور دوسرے تمام مذہبی احکام میں آزاد ہوں گے۔''[۱۳۶]

اسلام میں دوسرے مذاہب، ان کے مذہبی پیشواؤں اور عبادت خانوں کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے۔ امام ابو یوسفؒ کتاب الخراج میں فرماتے ہیں:

لا یهدم لهم بیعة ولا یمنعون من ضرب النوا قیس الا فی اوقات الصلوة ولا من اخراج الصلبان فی یوم عیدهم[۱۳۷]

''یہودیوں اور عیسائیوں کے عبادت خانے نہ گرائے جائیں یہ لوگ ناقوس بجانے سے نہ روکے جائیں البتہ نماز کے اوقات مستثنیٰ رہیں گے اور ان کو ان کی عید کے دن صلیب نکالنے سے نہ روکا جائے۔''

خنزیر اور شراب کے اسلام میں سخت حرمت کے باوجود یہ حکم رکھا گیا کہ اگر کوئی مسلمان کسی غیر مسلم کے خنزیر یا شراب کو ضائع کرے گا تو وہ اس کا تاوان بھرے گا۔[۱۳۸] اسلام کے ان احکام اور عادلانہ فراخدلانہ اقدامات کو دیکھ کر مستشرقین اسلامی رواداری کے اعتراف پر مجبور ہو گئے چنانچہ فرانسیسی مستشرق موسیو سیڈیلیٹ (M. Sedillet) خلاصہ تاریخ عرب میں لکھتا ہے۔

''جو لوگ اسلام کو وحشیانہ مذہب کہتے ہیں ان کے ضمیر کے تاریک ہونے کی واضح دلیل یہ ہے کہ وہ ان صریح آیات کو نہیں دیکھتے جن کے اثر سے عربوں کی وہ تمام بری خصلتیں مٹ گئیں جو مدت دراز سے سارے ملک میں رائج تھیں۔ انتقام لینا،

خاندانی عداوت کو جاری رکھنا، کینہ پروری اور جور وظلم، دختر کشی وغیرہ جیسی مذموم رسومات کو قرآن نے مٹا دیا۔ ان میں سے اکثر چیزیں پہلے بھی یورپ میں تھیں اور اب بھی ہیں۔ [۱۳۹]

سر تھامس آرنلڈ اپنی کتاب The Preaching of Islam میں اعتراف کرتا ہے:

اگر اسلام جلوہ گر نہ ہوتا تو دنیا شائد زمانہ دراز تک انسانیت، تہذیب اور شائستگی سے روشناس نہ ہوتی۔ یہ امر واقع ہے کہ آج دنیا میں مساوات، امداد باہمی، علمی جدوجہد اور نوع انسانی کے ساتھ ہمدردی کی جو تحریکیں جاری ہیں وہ سب کی سب اسلام ہی سے مستعار لی گئی ہیں۔ اسلام نے جلوہ گر ہو کر حکومتی نظاموں کا ڈھانچہ بدل دیا۔ دنیا کے اقتصادی نظام میں انقلاب برپا کر دیا۔ اسلام نے ایک ایسا مکمل نظام حیات پیش کیا جو مسلمانوں ہی کیلئے نہیں بلکہ ساری دنیا کیلئے ایک رحمت ثابت ہوا۔ یہ ایسی خوبیاں ہیں جن کے سامنے نہ صرف میری بلکہ ہر انصاف پسند انسان کی گردن جھک جانی چاہئے۔'' [۱۴۰]

دشمنان اسلام، اسلام کے بارے میں یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے حالانکہ اسلام بلند اخلاق و کردار اور دل کو موہ لینے والے انسانی اقدار کے ذریعہ پھیلا ہے۔ تاریخ میں کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ اسلام کو کسی پر زبردستی ٹھونسا گیا ہو۔ اس کے بالمقابل عیسائیت کے بزور بازو پھیلانے کے شواہد موجود ہیں۔ مولانا مودودیؒ نے اپنی کتاب ''نصرانیت...... قرآن کی روشنی میں'' میں تفصیل سے لکھا ہے کہ عیسائی بادشاہ تھیوڈوسیوس نے غیر مسیحی عبادت کو موجب سزائے موت قرار دیا تھا۔ اس نے مندروں کو توڑنے، ان کی جائیداد ضبط کرنے اور عبادت کے سامانوں کو مٹانے کا حکم دیا تھا۔ مصر کے آرچ بشپ تھیو فیلوس نے خاندان بطالسہ کا عظیم الشان کتب خانہ نذر آتش کر دیا تھا۔ اس کے بعد مولانا مودودی لکھتے ہیں ''ان مظالم کا نتیجہ یہ ہوا کہ بت پرست رعایا نے تلوار کے خوف سے اس مذہب کو قبول کر لیا جس کو وہ دل سے پسند نہیں کرتی تھی۔ بددل اور بے اعتقاد پیروؤں سے مسیحی کلیسا بھر گئے۔ ۳۸ برس کے اندر روم کی عظیم الشان سلطنت سے وثنیت (بت پرستی) کا نام ونشان مٹ گیا اور یورپ، افریقہ اور شرق اردن میں تلوار کے زور سے مسیحیت پھیل گئی۔'' [۱۴۱]

اس کے بالمقابل ٹی ڈبلیو آرنلڈ نے The Preaching of Islam میں کھلے دل سے اعتراف کیا ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں بلکہ اخلاق و کردار کے زور سے پھیلا ہے نیز مسلمانوں نے غیر مذہب والوں کو ہر جگہ مذہبی آزادی دی ہے۔ انہوں نے تفصیلاً لکھا ہے کہ کس کس جگہ عیسائی اقلیت میں اور مسلمانوں کے زیر دست تھے۔ جنہیں بڑی آسانی سے بزور بازو مسلمان بنایا جا سکتا تھا مگر مسلمانوں نے ایسا نہیں کیا اگر کسی جگہ بادشاہوں نے اس کا ارادہ بھی کیا تو مسلمان مفتیوں نے ان کو اس ارادے سے باز رکھا ہے۔'' [۱۴۲] وہ مزید اسی کتاب میں ایک دوسری جگہ اعتراف کرتا ہے۔

''کوئی مذہب اسلام کی طرح روادار اور صلح کل نہیں ملے گا جس نے دوسروں کو اس طرح مذہبی آزادی دی ہو...... رواداری مسلمانوں کی طبیعت کا ایک محکم خاصہ اور مکمل مذہبی آزادی ان کے مذہب کا دستور العمل رہا ہے۔'' [۱۴۳]

مذہب وعقیدہ کے آزادی کے تحت ''اسلام اور بین الاقوامی تعلقات'' کے مولف عبدالحمید احمد ابوسلیمان رقم طراز ہیں کہ عام نوع انسانی کے ساتھ تعلقات کے معاملہ میں اصولی انداز فکر کا قرآن وسنت کے اندر محبت، حسن سلوک، حلم وشرافت اور

محافظت کے الفاظ میں اظہار کیا ہے..... خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ہم دیکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوستانہ رویہ رکھنے والے نجران کے عیسائی قبائل کے ساتھ جزیہ کا معاہدہ اور مدینہ کے یہودی قبائل کے ساتھ امن و تعاون کا معاہدہ طے کیا۔ دوسری طرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہی یہودیوں کے بعض قبائل کے خلاف جنگ لڑی جو مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لئے کوشاں تھے۔ یہ معرکے حالات کی مجبوریوں اور تدبیری ضروریات کے تحت ہوئے تھے۔[۱۴۴]

اسلام کی رواداری کی ایک زندہ مثال یہ ہے کہ جو جو لوگ مسلمان ہوئے وہ اپنے اسلام پر دل سے قائم و دائم رہے۔

وقار احمد، غزوات سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں لکھتے ہیں:

''اسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیادت کا اعجاز نہیں تو اور کیا کہا جائے کہ سوائے خیبر (یہود) کے جس شہر اور جس قبیلہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح کیا وہ جان نثار اور معتقد بن گئے یہ یقیناً اس لئے تھا کہ اسلام کی جنگیں ان کے قتل و غارت کیلئے نہیں بلکہ ہدایت و فلاح کیلئے ہوتی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر فاتح کی طرح حریف کے درپے آزار ہونے کے بجائے ان کے ہمدرد ہوتے تھے۔[۱۴۵]

عیسائی مورخین نے ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں تعصب سے کام لیا ہے۔ Sir Thomas Carlyle وہ پہلے عیسائی محقق ہے جس نے تعصب سے ہٹ کر انصاف کی نظر سے اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بغور مطالعہ کیا اور اس نے ۱۸۴۰ء میں مشاہیر اسلام پر اپنی مشہور زمانہ کتاب *Heros and Heroship* لکھی۔ اس میں ایک مقالہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام سے متعلق ہے۔ انہوں نے اسلام کا تلوار کے ذریعہ پھیلنے کو بڑی منطقی انداز میں رد کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''اسلام کیلئے تلوار بے شک استعمال ہوئی تھی مگر سوال یہ ہے کہ یہ تلوار آئی کہاں سے تھی؟'' ان کا مقصد ہے کہ تلوار چلانے والوں کو آخر کس چیز نے مجبور کر کے مسلمان کیا تھا۔ وہ تو کم از کم اپنی رغبت سے مسلمان ہوئے تھے تو جو مذہب ابتداً خالص اخلاق و کردار کے زور سے پھیلا اگر بعد میں تلوار استعمال میں ہوئی بھی ہے تو یہ انقلابات کے داغ بیل ڈالنے کیلئے لازمی امر ہے۔
>
> آگے تحریر کرتے ہیں:
>
> ''ایک لحاظ سے تو ہمیں اپنے عیسائی مذہب کا دامن بھی خون کے دھبوں سے پاک نظر نہیں آتا۔ جب اس کے ہاتھ میں تلوار آئی تو استعمال بھی ہوئی۔''[۱۴۶]

پروفیسر آرنلڈ اسلام کی اشاعت کی وجوہ و اسباب بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ ''مسلم مجاہد کی وہ خیالی تصویر بھی حقیقت سے بہت دور ہے جس کے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں قرآن دکھایا گیا ہے۔ اسلام کی صحیح روح کا مظہر وہ مسلمان مبلغ تاجر ہیں جنہوں نے نہایت خاموشی کے ساتھ اپنے دین کو روئے زمین کے ہر خطے میں پہنچایا ہے۔''[۱۴۷] واضح رہے کہ ''مسلمان مجاہد کی خیالی تصویر جس کے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں قرآن ہے'' سے راقم کے خیال میں پروفیسر آرنلڈ کا اس

طرف اشارہ ہے کہ امریکی اعلیٰ ترین عدالت ''سپریم کورٹ'' میں جہاں ۱۹۳۳ء سے عام سیشن ہو رہے ہیں تاریخ عالم کی عظیم قانون دہندہ کو ایک تصویر میں دکھایا گیا ہے۔ اس تصویر میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے ہاتھ میں تلوار پکڑے دکھایا گیا ہے۔ مسیحی دنیا کے تعصب بھرے اس نظریے کی حامل یہ تصویر تا حال نصب ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔[۱۴۸] عیسائیت چھوڑ کر اسلام قبول کرنے والوں کے بارے میں پروفیسر آرنلڈ لکھتے ہیں:

''اس عام خیال کو قبول کرنا دشوار ہے کہ ان عیسائیوں میں اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے اور ہم اس بات پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ جبر و اکراہ کی بجائے دوسرے اسباب کو تلاش کریں جو ان کے تبدیلی مذہب کا موجب بنے۔''[۱۴۹]

مفتوح اور زیر نگین آنے والوں کے ساتھ پیغمبر رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا سلوک رہا ہے؟

فتح مکہ کے دن مسلمانوں پر سابقہ مصائب و آلام کے پہاڑ توڑنے والوں کے بارے میں انسان کے فطری انتقامی جذبہ کے تحت انصار کے علمبردار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے منہ سے یہ کلمات نکل گئے تھے:

الیوم یوم الملحمۃ...... الیوم تستحل الکعبۃ ''آج قتل و قتال کا دن ہے اور آج خانہ کعبہ میں بھی خون بہایا جائے گا''۔ اس کے جواب میں پیغمبر رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

کذب سعد...... الیوم یوم الرحمۃ ''سعد نے غلط کہا...... آج تو رحم و کرم، عفو و درگذر اور عام معافی کا دن ہے۔''[۱۵۰]

کرن آرمسٹرانگ سیرت طیبہ پر اپنی کتاب "Muhammad a western Attempt to Understanding Islam" میں اس تاریخی اور ناقابل تردید حقیقت کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتی ہے۔

"Muhammad....Founded a Religion and a Tradition that was not based cultural on the sword, despite the western myth, and whose name Islam, signifies peace and reconciliation" (151)

''محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ایسے مذہب اور تہذیب کے بانی تھے جس کی بنیاد تلوار پر نہ تھی۔ مغربی پروپیگنڈے اور افسانہ کے باوجود اسلام کا نام امن اور صلح کا مفہوم رکھنے والا ہے۔''

تاریخ عالم پر نگاہ رکھنے والا کوئی بھی انصاف پسند آدمی جب عالمی جنگوں اور اس کے نتیجہ میں واقع ہونے والی ہلاکتوں کا مقابلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غزوات کے ساتھ کرتا ہے اور واقعہ کی تہہ تک پہنچ جاتا ہے تو انگشت بدنداں رہ جاتا ہے چنانچہ فتنہ تاتار میں دس لاکھ افراد بے دردی سے تہہ تیغ کئے گئے۔ روسی انقلاب نے انیس لاکھ افراد کو نگل لیا۔ پہلی جنگ عظیم میں ایک کروڑ کے قریب اور دوسری جنگ عظیم میں پانچ کروڑ کے قریب افراد ہلاک ہوئے جبکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام حیات طیبہ میں ۲۷ غزوات ہوئے یعنی وہ جہاد جن میں آپ بنفس نفیس شریک ہوئے اور ۵۶ سرایا ہوئیں یعنی وہ جہاد جن میں

صحابہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور خود شریک نہیں ہوئے۔

قاضی محمد سلیمان منصور پوری کی تحقیق کے مطابق جوانہوں نے اپنی کتاب ''رحمتہ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' میں کی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں تمام غزوات وسرایا میں مسلمان شہداء کی کل تعداد ۲۵۹ ہے جبکہ کافر مقتولین کی تعداد ۷۵۹ ہے۔ مسلمان اور کافر تمام مقتولین کا مجموعہ ۱۰۱۸ بنتا ہے۔[152] ان گنے چنے افراد کے کام آنے پر دنیا کا وہ عظیم الشان انقلاب برپا ہوا جس کی کرنیں آج تک چار دانگ عالم میں ضوفشاں ہیں۔ باقی انقلابات نے کروڑوں افراد کی جانیں لے کر کچھ بھی اثرات مرتب نہیں کئے مگر اسلام کے دیرپا اثراب بھی پورے آب وتاب کے ساتھ موجود ہیں چنانچہ مشہور امریکی ماہر فلکیات اور دانشور ڈاکٹر میخائل ایچ ہارٹ (Dr. Michael H. Hart) اور ان کی اعلیٰ تعلیم یافتہ اہلیہ نے دنیا کی مشہور شخصیات کا مطالعہ کیا۔ اس مطالعہ کے حاصل کے طور پر انہوں نے "The 100" (سو عظیم شخصیات) نامی کتاب لکھی جو ۵۷۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں تاریخ انسانی کی سو اعلیٰ ترین شخصیات کے حالات درج ہیں جنہوں نے مصنف کے نزدیک تاریخ پر گہرے اثرات مرتب کئے ہیں۔ کتاب میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام شخصیات کے مقابلہ میں سرفہرست رکھا گیا ہے کیونکہ مصنف کے نزدیک وہ تاریخ کے سب سے گہرے اثرات اور زندہ نقوش چھوڑنے والی شخصیت ہیں۔ وہ رقم طراز ہیں:

"Muhammad was the only man in history who was supremely successful on both the religious and the secular levels." (153)

''پوری تاریخ انسانی میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وہ واحد شخصیت ہیں جو دینی اور دنیاوی دونوں اعتبار سے غیر معمولی طور پر کامیاب وکامران ہوئے۔''

اعتدال، رواداری اور عدم تشدد......اسوۂ حسنہ سے عملی مثالیں:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات پوری دنیا کیلئے کامل نمونہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا میں اعتدال، رواداری اور عدم تشدد کی اعلیٰ ترین عملی مثالیں قائم کی ہیں۔ اسلام کے آغاز ہی سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اہل مکہ نے ظلم وستم کے پہاڑ توڑنا شروع کئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالیاں دیں، قتل کے منصوبے بنائے۔ راستوں میں کانٹے بچھائے۔ جسم اطہر پر نجاستیں گرائیں۔ جادوگر، مجنون اور نہ جانے کیا کیا نام دیئے مگر بقول ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام زندگی اپنی ذات کیلئے کبھی کسی سے بدلہ نہیں لیا۔ ہاں اگر کوئی خدائی حرمت کو پامال کرتا تو اس صورت میں سختی کے ساتھ مواخذہ فرماتے۔[154]

ذیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ سے اس سلسلے میں چند عملی مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

☆ نبوت سے قبل جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر ۳۵ سال تھی۔ اہل مکہ نے بیت اللہ شریف کی تعمیر نو کا فیصلہ کیا جب حجر اسود کی تنصیب کا موقع آیا تو ہر قبیلہ والے اس سعادت کو حاصل کرنے کے لئے میدان میں اتر آئے۔ قریب

تھا کہ تلواریں چل پڑتیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دانشمندانہ فیصلہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پتھر کو اٹھا کر ایک چادر میں رکھا اور تمام قبیلوں کے سرداروں سے کہا کہ اس چادر کو مشترکہ طور پر اٹھا کر خانہ کعبہ تک لے چلو۔ جب پتھر اپنی جگہ تک پہنچا دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اٹھا کر اسے اس کی جگہ پر نصب فرمایا اور یوں خون خرابہ ہوتے ہوتے رہ گیا۔[۱۵۵]

☆ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان نبوت فرمایا تو کفار نے ہر طرح سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ستانا شروع کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا ابو جہل اور ابولہب آپؐ کے جانی دشمن بن گئے۔ ابولہب کے دو بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دو صاحبزادیوں حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہ اور حضرت رقیہ رضی اللہ عنہ کا نکاح ہوا تھا۔ ان دونوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادیوں کو طلاق دیدی۔ اس طرح اہل مکہ نے خاندان قریش کا معاشرتی مقاطعہ (Social Bycot) کیا۔ یہ حالت سن ۷ نبوت سے ۱۰ نبوت تک جاری رہی۔ بھوک اور پیاس سے بچے بلبلا اٹھتے مگر اہل مکہ کو ان پر رحم نہ آتا۔ ان تمام حالات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صبر اختیار کیا۔[۱۵۶]

☆ ایک بار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حرم شریف میں نماز پڑھ رہے تھے۔ ابو جہل کے اکسانے پر بد بخت عقبہ بن ابی معیط اٹھا اور گندگی بھرا اوجھڑی لا کر سجدے کی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوپر رکھ دی۔ کفار اس منظر کو دیکھ کر ہنسی لے لوٹ پوٹ ہو رہے تھے۔ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہ دوڑتی ہوئی آئیں اور اس گندگی کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم مبارک سے ہٹا دیا۔[۱۵۷]

☆ اہل مکہ سے ناامید ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت اسلام کی غرض سے طائف کا سفر اختیار کیا۔ وہاں کے سرداروں نے دعوت قبول کرنے کی بجائے برا بھلا کہا اور لڑکوں کو پیچھے لگا دیا جنہوں نے پتھر مار مار کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لہولہان کر دیا۔ بخاری کی روایت کے مطابق اس وقت مختلف فرشتے آئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اہل طائف کی تباہی کی اجازت چاہی مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں اگر یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو اللہ تعالیٰ ان کی نسل سے مسلمان پیدا فرمائے گا۔[۱۵۸]

☆ ابوسفیان کی بیوی ہندہ اسلام لانے سے قبل سخت ترین دشمن اسلام تھی۔ اس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہیتے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کروا کر ناک کان کٹوائے، سینہ چاک کرایا اور دل و جگر نکلوا کر چبایا۔ فتح مکہ کے دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بلند اخلاق اور بے مثال عفو و درگذر سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے اسلام لانے پر خوشی کا اظہار فرمایا۔[۱۵۹]

☆ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے ان کا سینہ چاک کرنے والا وحشی بن حرب تھا۔ جو ہندہ کا غلام تھا۔ (وحشی بن حرب کے لفظی معنی ہیں جنگلی، لڑائی کی پیداوار) فتح مکہ کے بعد یہ طائف بھاگ گیا کیونکہ اہل طائف ابھی اسلام نہیں لائے تھے مگر

جب اہل طائف نے بھی اسلام قبول کر لیا تو وحشی کے لئے جائے پناہ نہیں رہی اور جب مجبوراً بارگاہ رسالت میں اسلام لانے کی غرض سے حاضر ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا اسلام قبول فرما کر سب کچھ معاف فرمایا۔[۶۰]

☆ عکرمہ بن ابی جہل اسلام لانے سے قبل باپ کی طرح سخت ترین دشمن اسلام تھا۔ فتح مکہ کے دن خوف کے مارے یمن بھاگ گیا۔ ان کی بیوی نے جو مسلمان ہو چکی تھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عکرمہ کے لئے امان طلب کیا اور عکرمہ جب دربار نبوت میں پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرط خوشی سے اس کی طرف ایسے دوڑے کہ چادر مبارک جسم اطہر سے کھسک کر نیچے گر پڑی۔[۶۱]

☆ صفوان بن امیہ قریش کے سرداروں میں سے تھا اور کٹر دشمن اسلام تھا۔ اس نے عمیر بن وہب کو بھاری رقم کا لالچ دے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کے ارادہ سے مدینہ بھیجا تھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی کے ذریعہ اس کے ارادے کی اطلاع ہو گئی تھی جب وہ خدمت اقدس میں پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے اقدام سے پہلے ہی اس کے ارادے کی اطلاع اسے کر دی اور فرمایا کہ تمہارے اور صفوان کے درمیان خانہ کعبہ کے پاس فلاں فلاں بات ہوئی تھی۔ یہ سن کر عمیر فوراً اسلام لے آیا تاہم صفوان فتح مکہ کے دن بھاگا اور جدہ پہنچا جہاں سے یمن جانا چاہتا تھا۔ عمیر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور صفوان کیلئے امان کی درخواست کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا عمامہ مبارک بطور امان کی نشانی عطا فرمائی۔ صفوان عمیر کے ہمراہ دربار رسالت میں پہنچا اور چار ماہ کی مہلت طلب کی۔ بعد میں اسلام قبول کیا۔[۶۲]

☆ مسلمانوں کی خاطر ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک یہودی زید بن سعنہ سے قرضہ لیا۔ مقررہ وقت ادائیگی سے قبل ہی وہ یہودی آیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نامناسب اور گستاخانہ انداز سے پیش آیا۔ حضرت عمرؓ سے برداشت نہ ہو سکا اور اس کی گردن اڑانے کی اجازت چاہی مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے عمرؓ! تمہیں چاہیئے کہ مجھے حسن ادائیگی کی تلقین کرتے اور اسے حسن طلب کی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ صرف اس کا قرض واپس کرنے کا حکم فرمایا بلکہ حسن سلوک کے طور پر بیس صاع زیادہ کھجوریں دینے کا حکم فرمایا۔ اس حسن سلوک سے وہ یہودی متاثر ہو کر مسلمان ہو گیا۔[۶۳]

☆ عبداللہ بن ابی بن سلول رئیس المنافقین، دل سے اسلام کا دشمن و بدخواہ تھا۔ غزوہ احد کے موقع پر بہانہ بنا کر اس نے مسلمانوں کی جمعیت جو ایک ہزار پر مشتمل تھی سے تین سو اپنے افراد جدا کر کے واپسی اختیار کی۔ یہ مشرکین و یہود کے ساتھ خفیہ ساز باز رکھتا اور مسلمانوں کے راز ان کو منتقل کرتا تھا۔ ایک دفعہ ایک مہاجر اور ایک انصاری کی آپس میں ان بن ہو گئی دونوں نے اپنی اپنی قوم کو پکارا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے موقع پر پہنچ کر معاملہ رفع دفع کیا مگر عبداللہ بن ابی نے کہا کہ مدینہ چل کر ذلیل مسلمانوں یعنی مہاجرین کو نکال دوں گا اور کہا کہ پیغمبر کے ساتھیوں سے ہاتھ اٹھا لو تو وہ خود یہاں سے بھاگ کھڑے ہوں گے۔ اس کی تفصیل سورۂ منافقون میں آئی ہے۔ واقعہ افک یعنی

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر بہتان لگانے میں بھی اس کا بنیادی کردار تھا۔ اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ اس سے درگذر کا معاملہ فرمایا اور جب مرا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہؓ کی ناپسندیدگی کے باوجود اپنا کرتہ عنایت فرمایا جس میں اسے دفن کیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کیلئے استغفار کیا۔[۱۶۴]

☆ سب سے بڑھ کر طیش اور غضب کا موقع افک کا واقعہ تھا جبکہ منافقین نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر نعوذ باللہ تہمت لگائی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبوب ترین بیوی اور ابوبکرؓ جیسے یار غار اور افضل ترین صحابی کی صاحبزادی تھی۔ شہر منافقوں سے بھرا پڑا تھا جنہوں نے دم بھر میں اس خبر کو اس طرح پھیلایا کہ سارا مدینہ گونج اٹھا۔ دشمنوں سے شماتت، ناموس کی بدنامی، محبوب کی بے عزتی، یہ باتیں انسان کے صبر وتحمل کے پیمانہ میں نہیں سما سکتیں تاہم رحمت عالمؐ نے ان تمام کے ساتھ کیا کیا؟...... واقعہ کی تکذیب خود خدا نے کر دی اور اس سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی طرح کوئی انتقام نہیں لیا۔[۱۶۵]

☆ ہبار بن الاسود وہ شخص تھا جس کے ہاتھ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو سخت تکلیف پہنچی تھی۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا حاملہ تھیں اور مکہ سے مدینہ ہجرت کر رہی تھیں۔ کفار نے مزاحمت کی۔ ہبار بن الاسود نے جان بوجھ کر ان کو اونٹ سے گرا دیا جس سے ان کو سخت چوٹ آئی اور حمل ساقط ہو گیا۔ فتح مکہ کے بعد مجبوراً آستانہ رحمت پر جھک آیا اور اپنی جہالت اور قصور کا اعتراف کیا۔ پھر کیا تھا؟ باب رحمت سامنے کھلا تھا اور دوست دشمن کی تمیز یکسر مفقود تھی۔[۱۶۶]

☆ تاریخ انسانی میں فتح مکہ انسانی رواداری، صبر وتحمل، برداشت اور وسیع القلبی کی وہ لازوال اور عدیم النظیر روشن مثال ہے جس کا عشر عشیر بھی تاریخ عالم کے معلمین اخلاق کی عملی زندگی میں نظر نہیں آتا۔ اس دن مکہ کے تمام ظالم و جابر کفار و مشرکین سامنے بے بس اور گردن جھکائے کھڑے تھے۔ وہ سب تھر تھر کانپ رہے تھے، ان کو اپنی موت سامنے نظر آ رہی تھی۔ آج رب کائنات نے ان تمام کو پیغمبر رحمتؐ کے قبضہ میں دے دیا تھا۔ چاہتے تو چشم زدن میں سب کی گردنیں کٹوا کر سابقہ ظلموں کا بدلہ لے لیتے۔ اس حالت میں پیغمبر رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز اٹھی ''تمہیں معلوم ہے میں تمہارے ساتھ کیا کرنے والا ہوں؟'' سب نے جواب میں کہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کریم بھائی کے کریم بیٹے ہیں اور ہم آپ کی طرف سے رحم واحسان کے امیدوار ہیں۔ پھر کیا تھا دریائے رحمت امنڈ آیا اور اہل مکہ کی ظلموں بھری تاریخ کو بہا کر لے گیا۔ فرمایا:

لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم الطلقاء[۱۶۷]

''آج تم پر کوئی مواخذہ نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔''

☆ ہجرت سے قبل یثرب (مدینہ) میں اوس وخزرج کے دو دشمن قبیلوں کے علاوہ یہود کے مختلف قبائل اور دیگر مشرکین آباد تھے گویا مدینہ مختلف عقائد، قبائل اور نسلوں کی آماجگاہ تھا۔ ہجرت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان تمام کو ایک

پلیٹ فارم پر جمع کیا اور اس اتحاد کو قائم رکھنے کے لئے دنیا کا پہلا تحریری دستور وجود میں آیا جس پر تمام کا اتفاق ہوا اور اس کی رو سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ کی پہلی اسلامی ریاست کا سربراہ تسلیم کیا گیا۔ یوں مدینہ میں ایک مختلف الخیال عناصر پر مشتمل ایسا معاشرہ وجود میں آیا جس میں میثاق مدینہ کی وجہ سے یہود، انصار، مہاجرین اور دوسرے قبائل ایک تنظیمی اتحاد میں شامل ہو گئے اور سب ایک دوسرے کے وجود کا اعتراف کرنے لگے۔[۱۶۸]

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی کتاب ''عہد نبوی میں نظام حکمرانی'' کے مطابق میثاق مدینہ دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور ہے۔ یہ تاریخ ساز میثاق دو حصوں میں تقسیم ہے۔ پہلے حصہ میں ۲۳ اور دوسرے میں ۲۴ دفعات شامل ہیں۔ پہلا حصہ مسلمانوں کے باہمی تعلقات اور حقوق و فرائض کی نشاندہی کرتا ہے جب کہ دوسرا حصہ اہل اسلام اور دیگر اہل مدینہ کے باہمی تعلقات، حقوق و فرائض اور دیگر امور کی وضاحت کرتا ہے۔ ایک دفعہ کے الفاظ یہ ہیں ''مسلمانوں کیلئے مسلمانوں کا دین اور یہودیوں کے لئے یہودیوں کا دین ہے'' یعنی مدینہ میں جتنے بھی لوگ بستے تھے ان کو دینی، عدالتی اور قانونی آزادی کا اظہار دلایا گیا تھا۔ اس سے بڑھ کر مفاہمت بین المذاہب کا وسیع عملی مظاہرہ دیکھنا کہاں نصیب ہوگا؟؟![۱۶۹]

عرب محقق اور سیرت نگار محمد حسین ہیکل میثاق مدینہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ وہ تحریری معاہدہ ہے جس کی بدولت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آج سے چودہ سو سال قبل ایک ایسا ضابطہ انسانی معاشرہ میں قائم کیا جس سے شرکاء معاہدہ میں ہر گروہ اور ہر فرد کو اپنے اپنے عقیدہ و مذہب کی آزادی کا حق حاصل ہوا، انسانی زندگی کی حرمت قائم ہوئی، اموال کو تحفظ ملا اور شہر امن کا گہوارہ بنا۔[۱۷۰]

☆ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غیر مسلموں کو مسجد میں ٹھہراتے۔ ان کو ان کے طریقہ پر مسجد میں عبادت کرنے کی اجازت دیتے۔ ایک مرتبہ نجران کے عیسائیوں کا وفد مدینہ آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں مسجد میں حاضر ہوا۔ اس وقت ان کی نماز کا وقت آ گیا اس لئے انہوں نے مسجد ہی میں نماز شروع کر دی۔ بعض مسلمانوں نے روکنا چاہا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو منع کر دیا اور فرمایا نماز پڑھ لینے دو چنانچہ عیسائیوں نے مسجد نبوی کے اندر نماز پڑھی۔[۱۷۱]

☆ ایک بار ایک یہودی کا جنازہ گذر رہا تھا۔ جنازہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احترام آدمیت کی خاطر کھڑے ہو گئے۔[۱۷۲]

☆ اعتدال اور میانہ روی کے حوالہ سے اسلام کو دیگر مذاہب میں خاص امتیاز حاصل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ صرف دنیاوی امور میں بلکہ دینی امور میں بھی اعتدال اپنانے کا حکم فرمایا ہے۔

ایک بار تین صحابہؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے وہ عبادت کے بارے میں جاننا چاہتے تھے کہ کس قدر عبادت کریں۔ ایک نے کہا میں ساری رات عبادت کروں گا اور آرام نہیں کروں گا۔ دوسرے نے کہا میں روزانہ روزہ رکھوں گا اور کبھی ناغہ نہیں کروں گا۔ تیسرے نے کہا میں ساری عمر نکاح نہیں کروں گا اور شہوت پوری کرنے سے دور رہوں

گا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اور زیادہ پرہیز گار ہوں اس کے باوجود میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور بغیر روزہ کے بھی رہتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں اور میں نے نکاح بھی کیئے ہیں پس جو میرے طریقہ کے خلاف کرتا ہے وہ ہم میں سے نہیں۔[۱۷۳]

ایک بار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک رسی دو ستونوں کے درمیان باندھی ہوئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا یہ رسی کس لئے ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے لٹکائی ہے۔ جب وہ عبادت کرتے کرتے تھک جاتی ہے تو اس سے لٹک کر تھکاوٹ اتارتی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ رسی کھول دو جب تک تم میں سے کوئی تازہ دم رہے تو نماز پڑھے اور جب تھک جائے تو آرام کرلیا کرے۔[۱۷۴]

☆ ایک دفعہ ایک دیہاتی آیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مسجد میں پیشاب کیلئے بیٹھ گیا۔ صحابہؓ اس کو مارنے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو منع فرمایا جب دیہاتی فارغ ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے بلایا اور فرمایا کہ یہ مسجدیں بول و براز کیلئے نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ذکر، نماز اور قرآن کی تلاوت کیلئے ہیں پھر ایک شخص کو حکم دیا وہ ایک ڈول پانی لایا اور اس پیشاب پر بہادیا۔[۱۷۵]

پس چہ باید کرد؟!

گزشتہ سطور سے یہ بات بہ وضاحت عیاں ہوگئی کہ دین اسلام امن وسلامتی، عدل وانصاف، اعتدال ومیانہ روی، عفو ودرگذر، اور رواداری وعدم تشدد کا دین ہے۔ اس کو انتہاء پسندی یا دہشت گردی کی طرف منسوب کرنا اغیار اور اسلام دشمنوں کے تعصب پر مبنی کارستانی ہے۔ بدقسمتی سے آج کل پوری دنیا کی میڈیا بھی یہودی ونصرانی لابی کے ہاتھوں میں ہے اور وہ دین اسلام کو اس کی اصل تعلیمات کے برعکس پیش کررہی ہے تاہم یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کوئی وقت تھا جب کہ اسلام اور مسلمان دونوں کا ایک ہی مفہوم لیا جاتا تھا یعنی جو کچھ اسلام تھا وہی مسلمان کا عمل تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اسلام کا چرچا تھا اس کی ترقی ہو رہی تھی، لوگ اسلام اور مسلمانوں کو اچھا دین اور اچھے پیروکار سمجھتے تھے۔ اب اسلام اور مسلمان دونوں کا مفہوم الگ الگ ہو گیا ہے یعنی اسلام کی تعلیمات اور مسلمان کے عمل وکردار میں ایک واضح فرق بلکہ تضاد سامنے آیا ہے۔ مسلمان مسلمان کے گریبان میں ہاتھ ڈالے ہوئے ہے۔ دنیائے کفر متحد ہے اور عالم اسلام افتراق وانتشار کا شکار ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات اور اسوۂ حسنہ کو عام کیا جائے اس کو بار بار پڑھا اور سوچا جائے اور پھر اس کو عمل میں لایا جائے۔

مگر معاملہ صرف مسلمانوں کا نہیں ہے۔ تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی۔ اب دنیا ایک عالمی گاؤں (Global Village) کا روپ اختیار کر چکی ہے۔ مختلف مذاہب، اقوام اور ممالک والے ایک دوسرے سے بے نیاز نہیں رہ سکتے۔ عالمی برادری کو بھی اپنی سوچ وفکر اور عمل وکردار پر نظر دوڑانی پڑے گی۔ یورپ اور امریکہ کے دانشوروں اور ارباب اختیار کو چاہئے کہ وہ اپنے اندر اسلام کی حقیقی تعلیمات کو صحیح طور پر سمجھنے کا حوصلہ و برداشت پیدا کریں۔ وہ تعصب کا چشمہ اتار کر ہادیٔ اعظم، رحمتہ

للعالمین، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عملی زندگی کا منصفانہ مطالعہ کریں اور پھر تاریخ انسانیت کے تمام مصلحین سے اسلامی حقیقی زندگی کا تقابل کر کے اس کی ہمہ گیر اور عدیم النظیر حیثیت کو تسلیم کر لیں۔ وہ اس حقیقت کو بھی تسلیم کر لیں کہ اسلام اور مسلمان روئے زمین کی ایک عظیم قوت ہیں۔ ان کو صفحہ ہستی سے نہیں مٹایا جا سکتا۔ ان کے ساتھ ٹکر لینے کی بجائے وہ اصول ''پرامن بقاء باہمی'' (Peaceful Mutual Co-existance) کے راستے تلاش کریں۔ یہی وہ راستہ ہے جس سے دنیا میں امن قائم ہوگا اور سلامتی وخوشحالی آئے گی لیکن اگر وہ سیاسی، مذہبی، معاشی اور معاشرتی لحاظ سے مسلم امہ کے سامنے رکاوٹیں کھڑی کرنے اور ان کو دنیا سے نیست ونابود کرنے کے تانے بانے پروئیں گے تو یہ ان کی خام خیالی ہوگی۔ اس طرح کرنے سے دنیا کا امن بھی تباہ ہوگا اور خود ان کو بھی زندگی بھر چین وامن کا سانس لینا نصیب نہ ہوگا۔

یورپ وامریکہ نے مادی ترقی تو بہت کر لی ہے لیکن خود اعلیٰ انسانی صفات وکردار اور بلند روحانی اقدار سے یکسر خالی اور تہی دست ہے۔ ان کے ہاں کتوں اور جانوروں کی حیثیت تو ہے لیکن انسانی زندگی اور اس کا احترام معدوم ہے۔ ان کو سائنس و ٹیکنالوجی میں ترقی کے ساتھ ساتھ اپنے عمل وکردار کی اصلاح اور تاریخ ساز اسلامی روایات کے سرچشمہ سے مستفید ہونے کے بارے میں بھی سوچنا ہوگا۔ علامہ اقبالؒ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا۔

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گذر گاہوں کا	اپنے افکار کی دنیا میں سفر نہ کر سکا
اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا	آج تک فیصلۂ نفع و ضرر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا	زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

(۱۶)

مآخذ ومراجع

(۱) وارث سرہندی: علمی اردو لغت، علمی کتاب خانہ لاہور ۱۹۹۰ء، ص ۱۳۷

(۲) خلیل الرحمٰن نعمانی: المعجم، اردو عربی لغت، دارالاشاعت کراچی ۱۹۹۴ء، ص ۷۹

(۳) لوئس معلوف: المنجد فی اللغۃ والاعلام، طبع دار المشرق بیروت، طبعۃ ۲۳، ص ۴۶۴

(۴) المعجم الوسیط، طبع المکتبۃ الاسلامیۃ استانبول، ترکیا۔ ج ا ص ۵۱۹

(۵) دکتور روحی البعلبکی: المورد، قاموس عربی انکلیزی، طبع ۱۰، ۱۹۹۷ء، دارالعلم للملائین بیروت، ص ۳۳۱

(۶) The Oxford English Dictionary, London 1969, Vol iii pp 476/Te American Heritage: Dictionary of the English Language, USA 2003. word "Extreme"

(۷) مجلس تدوین وتربیت: المنجد عربی اردو لغت، دارالاشاعت کراچی ۱۹۷۵ء، ۲۱۶

(۸) ابن منظور افریقی: لسان العرب، طبع اول، داراحیاء التراث العربی، بیروت ۱۹۸۸/ ۱۴۰۸ھ، ج ۱۰ ص ۱۱۲

(۹) بائبل: استثناء، ۲۰: ۱۳ تا ۱۶

(۱۰) استثناء:۲۰:۱۹،۲۰
(۱۱) گنتی۳۱:۷'۹_۱۰
(۱۲) گنتی۳۱:۱۷_۱۸
(۱۳) سموئیل اول،۱۵:۳
(۱۴) استثناء۱۳:۱۵'۱۶
(۱۵) ایضاً ۱۷:۱۲
(۱۶) ایضاً ۲۱:۱۸'۲۱
(۱۷) ایضاً ۲۱:۲۲'۲۳
(۱۸) ایضاً ۲۲:۲۰'۲۶
(۱۹) ایضاً ۲۲:۲۸'۲۹
(۲۰) ایضاً ۲۳:۱
(۲۱) خروج ۲۱:۱۵_۱۷
(۲۲) ایضاً ۲۲:۲۰
(۲۳) ایضاً ۳۵:۲
(۲۴) ایضاً ۲۲:۱۶،۱۹
(۲۵) احبار ۲۱:۹
(۲۶) گنتی ۱۹:۱۱'۱۴'۲۰
(۲۷) مرقط ۹:۴۲_۴۷
(۲۸) گلتیوں ۳:۱۳
(۲۹) استثناء ۲۱:۲۳
(۳۰) متی ۱۰:۳۴_۳۶/لوقا ۱۲:۵۱_۵۳
(۳۱) لوقا ۱۲:۴۹
(۳۲) متی ۱۲:۴۶_۵۰/مرقس ۳:۳۱_۳۵
(۳۳) لوقا ۱۴:۲۶
(۳۴) یوحنا ۲:۱_۱۰
(۳۵) لوقا ۷:۳۷_۳۹/ یوحنا ۱۱:۵
(۳۶) مرقس:۲:۱۵،۱۶/لوقا ۵:۲۹،۳۰
(۳۷) متی ۱۵:۲
(۳۸) متی ۲۱:۲_۶/مرقط ۱۱:۳_۷

(۳۹) متی ۱۶:۲۰

(۴۰) لوقا ۵:۲۰

(۴۱) یوحنا ۲۰:۲۲

(۴۲) متی ۲۶:۱۴_۱۶، ۵۰

(۴۳) لوقا ۱۷:۱۵_۲۰

(۴۵) یجروید، ادھیاء ۱۳ منتر ۱۲

(۴۶) ایضاً منتر ۱۳

(۴۷) یجروید ۱۵، ۱۷، ۱۹

(۴۸) ایضاً ۱۵:۱۸

(۴۹) ایضاً ۱۶:۶۵

(۵۰) ایضاً ۱۳:۲۸

(۵۱) ایضاً ۱۷:۳۹

(۵۲) رگوید منڈل ۱۰ سوکت ۹۵ منتر ۱۵

(۵۳) اتھروید کانڈا، سوکت ۱۷، منتر ا

(۵۴) منوشاستر، ادھیاء ۹

(۵۵) منو ۱۵:۱۵۱

(۵۶) منو ۵:۱۵۱

(۵۷) منو ۹:۴۷

(۵۸) منوشاستر ۵:۱۴۷، ۱۴۹

(۵۹) منو ۹:۱۸

(۶۰) منو ۲:۶۶/۹:۱۸/۵:۱۵۵

(۶۱) گیتا، ادھیاء ۹ شلوک ۳۲

(۶۲) یجروید ۳۰:۵

(۶۳) منوشاستر باب اول ۱۰۰

(۶۴) منو، باب ہشتم ۴۱۷

(۶۵) منو باب ہشتم ۳۷۹

(۶۶) منو ۲:۲۸۱/ اتھروید ۱۹:۲۲

(۶۷) منو ۵:۱۱

(۶۸) البقرۃ:۲۵۶

(۶۹) یونس:۹۹

(۷۰) النحل:۱۲۵

(۷۱) ال عمران:۱۵۹

(۷۲) الاعراف:۱۹۹

(۷۳) الشوریٰ:۴۳

(۷۴) حٰم السجدہ:۳۴

(۷۵) ال عمران:۱۳۴

(۷۶) الانعام:۱۰۸

(۷۷) الانفال:۶۱

(۷۸) المائدۃ:۳۲

(۷۹) بنی اسرائیل:۷۰

(۸۰) الحجرات:۱۳

(۸۱) الاحزاب:۳۳

(۸۲) ابن قیم الجوزی: زادالمعاد، مکتبۃ الرسالۃ بیروت ۱۹۷۹ء، ج ۴ص ۳۲

(۸۳) احمد بن حنبل: المسند، ج ۱ص ۳۵۶/ ابن ماجہ: کتاب المناسک ص ۶۳

(۸۴) بخاری، محمد بن اسماعیل: الجامع الصحیح، کتاب الادب، باب الحذر من الغضب حدیث نمبر ۵۷۶۳

(۸۵) بخاری: کتاب الصلوۃ ج ۱ص ۱۰۲

(۸۶) ماہنامہ نقوش، سیرت رسول نمبر، طبع لاہور، ج ۴ص ۳۱۳

(۸۷) متولی یوسف چلپی، مسیحیت۔ ترجمہ از شمس تبریز خان، مجلس نشریات اسلام کراچی ۱۹۷۲ء ص ۳۲، ۳۳

(۸۸) رضوی، واجد علی، سید: رسول اللہؐ میدان جنگ میں، پنجاب بکڈپو لاہور ۱۹۶۶ء ص ۲۷۲

(۸۹) ایضاً ص ۲۷۳

(۹۰) اسد سلیم شیخ: رسول اللہ ؐ کی خارجہ پالیسی، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۱۹۹۲ء ص ۲۰۵

(۹۱) الدکتور حسن ابراہیم حسن: تاریخ الاسلام السیاسی والدینی والثقافی والاجتماعی، داراحیاء التراث العربی بیروت ۱۹۶۴ء ج ۱ص ۵۳

(۹۲) ایضاً

(۹۳) الطاف حسین حالی: مسدس مدوجزر اسلام، رابعہ بک ہاؤس لاہور ص ۱۵، ۱۷

(۹۴) *The Life and Time of Muhammad: John Bagot*: اردو ترجمہ از حبیب حیدر آبادی، سٹیزن پبلشرز کراچی ص ۵۴۷

(۹۵) شبلی نعمانی: الفاروق، مطبع اعظم گڑھ ۱۹۷۹ء ج ۱ص ۱۷۴

(۹۶) *The Battle for God*: Karren Armstrong اردو ترجمہ ''خدا کیلئے جنگ'' از محمد احسن بٹ، نگارشات لاہور، ۲۰۰۳ء ص ۲۷

(۹۷) ایضاً ص ۳۱

(۹۸) *New Encyclopaedia Britannica*, 1979, under word "Spain"

(۹۹) محمد مارماڈیوک پکتھال: اسلامی کلچر، اردو ترجمہ پروفیسر محمد ایوب منیر، مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور، ص ۸۲

(۱۰۰) ڈاکٹر محمد دین: مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ (یہودیت ونصرانیت) تاج کتب خانہ، قصہ خوانی پشاور ص ۴۸

(۱۰۱) Qadri, Abdul Hameed: Dimensions of Christianity. Dawah Academy. Islamabad 1998.P32

(۱۰۲) آئیل ڈیورنٹ: تاریخ کا سبق، ترجمہ محمد بن علی باوہاب، یونائیٹڈ بک کارپوریشن کراچی ص ۱۵۸

(۱۰۳) ماہنامہ ترجمان القرآن، لاہور، دسمبر ۱۹۹۶ء ص ۵۶

(۱۰۴) اعجاز احمد فکرال: ضرورت امن، ایشیاء بک سنٹر لاہور، ص ۳۲

(۱۰۵) مجتبیٰ موسوی: مغربی تمدن کی ایک جھلک، ترقی اردو بورڈ، دہلی، ص ۷۶

(۱۰۶) ایضاً ص ۷۷

(۱۰۷) روزنامہ عوام کراچی، ۲۱ جنوری ۱۹۹۹ء

(۱۰۸) ماہنامہ دعوۃ، دعوہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، جنوری ۱۹۹۶ء

(۱۰۹) تفصیلات کیلئے انٹرنیٹ کی ویب سائٹ "www.kokaf.com" ملاحظہ کیجئے۔

(۱۱۰) نیوز ویک Newsweek ۱۷ اگست ۱۹۹۲ء

(۱۱۱) روزنامہ ڈان کراچی ۱۷ فروری ۱۹۹۹ء

(۱۱۲) ماہنامہ مجلۃ الدعوۃ، کراچی، اگست ۱۹۹۶ء

(۱۱۳) ایضاً

(۱۱۴) مقالات سیرت، قومی سیرت کانفرنس اسلام آباد ۱۹۹۹ء، مقالہ ڈاکٹر نورالدین جامی ملتان، ص ۳۸۱

(۱۱۵) ایضاً مقالہ پروفیسر ایم نذیر احمد تشنہ، ص ۱۹۸

(۱۱۶) جانباز مرزا: انگریز کے باغی مسلمان، مکتبہ تبصرہ لاہور ۱۹۹۰ء، ص ۳۴۱

(۱۱۷) سید محمد سلیم، پروفیسر: تاریخ نظریہ پاکستان، ادارہ تعلیمی تحقیق لاہور باب سوم ۱۹۹۶ء ص ۶۷

(۱۱۸) منشی عبدالرحمٰن خان: تعمیر پاکستان اور علماء ربانی، ادارہ اسلامیات لاہور، اشاعت دوم ۱۹۹۲ء ص ۲۸، ۲۷

(۱۱۹) ہفت روزہ تکبیر ۱۷ ستمبر اور ۷ مئی ۱۹۹۸ء / روزنامہ جنگ کراچی ۱۶ مارچ ۱۹۹۹ء

(۱۲۰) روزنامہ آج پشاور، اداریہ صفحہ ۳۱ جنوری ۲۰۰۴ء

(۱۲۱) بحوالہ پندرہ روزہ راہ وفا کراچی ۱۵ فروری ۲۰۰۴ء

(۱۲۲) سنن ابی داؤد: ج ۱ ص ۳۴۳

(۱۲۳) شرح عقائد النسفیہ، بحوالہ جواہر الفقہ، مفتی محمد شفیعؒ، ادارۃ المعارف کراچی ۱۴، ج ۱ ص ۳۰

(۱۲۴) ایضاً ص ۳۱

(۱۲۵) Encyclopaedia Britanica, 1984, "Muhammad" Vol; 12p609

(۱۲۶) کیرن آرمسٹرانگ: خدا کے لئے جنگ، ص ۲۵۱

(۱۲۷) Encyclopaedia Britanica, "Fundamentalist" Vol 7p777

(۱۲۸) کیرن آرمسٹرانگ: خدا کے لئے جنگ ص ۲۷۱ تا ۲۷۳

(۱۲۹) مولانا عبدالکریم پاریکھ: یہودیت...... قرآن کی روشنی میں، اسلامک پبلی کیشنز لمیٹڈ لاہور طبع دوم مارچ ۲۰۰۱ ص ۹۸

(۱۳۰) ایضاً ص ۱۹۹

(۱۳۱) چوہدری غلام رسول: مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، علمی کتب خانہ اردو بازار لاہور ص ۵۲۲، ۵۲۳

(۱۳۲) اسد سلیم شیخ: رسول اللہؐ کی خارجہ پالیسی، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور ۱۹۹۲ ص ۱۷۱

(۱۳۳) ڈاکٹر حافظ محمد ثانی: رسول اکرمؐ اور رواداری، فضلی سنز لمیٹڈ کراچی، اشاعت مارچ ۱۹۹۸ ص ۱۹۲، ۱۹۳

(۱۳۴) ڈاکٹر خالد علوی: انسان کاملؐ، الفیصل ناشران کتب لاہور، طبع چہارم ۲۰۰۲ ص ۳۰۰، ۳۱۰

(۱۳۵) ابن جریر طبری: انسان کاملؐ، الفیصل ناشران کتب لاہور، طبع چہارم ۲۰۰۲ ص ۳۰۰ و ۳۱۰

(۱۳۶) ابوعبیدہ، کتاب الاموال، ص ۱۴۰

(۱۳۷) امام ابی یوسف: کتاب الخراج ص ۱۴۳

(۱۳۸) ردالمختار ج ۳ ص ۲۷۳ بحوالہ اسلامی ریاست میں ذمیوں کے حقوق، از مولانا مودودی، ص ۱۶

(۱۳۹) ایم سیڈلیٹ: خلاصہ تاریخ عرب، اردو ترجمہ عبدالغفار، نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۸۶ء، ص ۳۴

(۱۴۰) Arnold, Sir Thomas: The Preaching of Islam, London 1961, p 277

(۱۴۱) سید ابوالاعلیٰ مودودی: نصرانیت...... قرآن کی روشنی میں، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، طبع چہارم ۲۰۰۰ء، ص ۷۶، ۷۷

(۱۴۲) ٹی ڈبلیو آرنلڈ: دعوت اسلام، مفید عام پریس آگرہ، طبع ۱۸۹۸ء ص ۴۴۸، ۴۴۹

(۱۴۳) ایضاً طبع کردہ محکمہ اوقاف پنجاب لاہور طبع ۱۹۷۲ء ص ۳۹۸

(۱۴۴) عبدالحمید احمد ابوسلیمان: اسلام اور بین الاقوامی تعلقات، منظر اور پس منظر، فیمس بکس لاہور بار اول ۱۹۹۱ء ص ۲۰۵

(۱۴۵) وقار احمد: غزوات سرور عالمؐ، تاج کتب خانہ قصہ خوانی پشاور دسمبر ۱۹۹۶ء ص ۲۸۷

(۱۴۶) محمد یحییٰ خان: پیغمبر اسلامؐ غیر مسلموں کی نظر میں، پیام پبلشرز، علامہ اقبال ٹاؤن لاہور طبع ۱۹۹۹ء ص ۵۲

(۱۴۷) آرنلڈ: اشاعت اسلام ص ۸

(۱۴۸) روزنامہ ڈان کراچی ۳ مارچ ۱۹۹۷ء

(۱۴۹) آرنلڈ: اشاعت اسلام ص ۷۳

(۱۵۰) بخاری، طبع نور محمد کراچی کتاب المغازی، ج ۲ ص ۶۱۳ / ابن قیم الجوزیہ: زاد المعاد، مکتبۃ الرسالۃ، بیروت ۱۹۷۹ء ج ا ص ۴۲۳

(۱۵۱) Karren Armstrong: Muhammad a Western Attempt to Understanding Islam London 1992. p 266

(۱۵۲) قاضی محمد سلیمان منصور پوری: رحمتہ للعالمین، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، ۱۹۷۳ء ج ۲ ص ۲۱۳

(۱۵۳) Michael, H. Hart: "The 100" New York 1978 p10

(۱۵۴) بخاری: الجامع الصحیح، طبع القاھرۃ ۱۳۴۵ھ، ج ۳ ص ۳۹۵

(۱۵۵) ابن کثیر: السیرۃ النبویہ، طبع بیروت، ج ا ص ۲۷۰۔۲۷۸

(۱۵۶) ابن حزم: جوامع السیرۃ ؒ ص ۶۴

(۱۵۷) ابن حجر: فتح الباری، ج ا ص ۳۰۲

(۱۵۸) بخاری: الجامع الصحیح طبع کراچی ج ا ص ۴۵۸

(۱۵۹) صفی الرحمٰن مبارکپوری: الرحیق المختوم طبع لاہور، ص ۵۵۶

(۱۶۰) ابن کثیر: ابدلیۃ والنھایہ، طبع بیروت ج ۴ ص ۱۸

(۱۶۱) محمد یوسف الکاندھلوی: حیاۃ الصحابہؓ طبع دہلی ج ا ص ۱۵۶

(۱۶۲) شبلی نغمانی: سیرت النبیؐ ج ۲ ص ۲۲۳ و ۲۱۵

(۱۶۳) الصالحی، محمد یوسف: سبل الھدیٰ والرشاد، طبع قاہرہ ۱۹۷۲ء، ج ۷ ص ۳۲

(۱۶۴) البخاری کتاب الجنائز ۱/۱۶۹، ۱۸۰، ۱۸۲ طبع کراچی

(۱۶۵) شبلی نعمانی: سیرت النبیؐ ج ۲ ص ۲۱۱

(۱۶۶) ایضاً ج ۲ ص ۲۱۵، ۲۱۶

(۱۶۷) قاضی محمد سلیمان منصور پوری: رحمتہ للعالمین طبع کراچی ج ا ص ۱۲۹

(۱۶۸) ڈاکٹر محمد حمید اللہ: عہد نبوی میں نظام حکمرانی، اردو اکیڈمی کراچی ۱۹۷۸ء ص ۷۵/عون الشریف قاسم: نشاۃ الدولۃ الاسلامیہ فی عہد الرسولؐ القاھرۃ ۱۹۸۱ء ص ۴۱

(۱۶۹) ڈاکٹر محمد حمید اللہ: عہد نبوی میں نظام حکمرانی ص ۷۶

(۱۷۰) محمد حسین ہیکل: حیات محمد، مطبعۃ النھضۃ المصریہ ۱۹۴۷ء ص ۲۲۷

(۱۷۱) بن قیم الجوزی: زاد المعاد ج ا ص ۱۵

(۱۷۲) بخاری: الجامع الصحیح ج ا ص ۱۷۵

(۱۷۳) مسلم: الجامع الصحیح رقم الحدیث ۱۴۰۱

(۱۷۴) بخاری: ج ا ص ۱۵۴

(۱۷۵) جمع الفوائد ج ا ص ۶۳

(۱۷۶) محمد اقبال، علامہ: کلیات اقبال (ضرب کلیم) طبع الفیصل ناشران کتب لاہور ۱۹۹۵ء، ص ۴۴۱

دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اس کا خاتمہ تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

حکیم حافظ عطاء الرحمان

الحمد لله الواحد القهار' العزيز الغفار' مكور الليل على النهار تذكرة لاولى القلوب والا بصار واشهد ان لا اله الا الله البرالكريم' الرؤوف الرحيم واشهد ان محمداً عبده ورسوله الهادى الى صراط مستقيم والداعى الى دين قويم صلوات الله وسلامه عليه وعلى سائر النبيين و آل كل وسائر الصالحين'

امابعد فقد قال الله تعالى. اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِىْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ[1]

(اے اولاد آدم! کیا میں نے تم سے قول وقرار نہیں کیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے)

دور حاضر کی جملہ حشر سامانیاں' حاشیہ آرائیاں' ملمع سازیاں' فتنہ انگیزیاں' الفاظ کی سحر انگیزیاں' ہدایت آسمانی سے دوریاں اور تعامل میں حالمجبوریاں ان سب سے عیاں ہے کہ اولاد آدم اپنے اس عہد الست کو بھول چکی ہے اور شیطان کے مکرو فریب کا شکار ہے۔ شیطان نے دور جدید میں بے شمار فتنے پیدا کر رکھے ہیں۔ تاکہ اولاد آدم ان فتنوں میں مبتلا ہو کر شہرت دوام و بقائے عام سے محروم رہ سکے۔ اسی لئے اہل علم دور جدید کو پرفتن دور سے تعبیر کرتے ہیں۔

یوں تو فتنوں کی تاریخ اتنی قدیم ہے جتنی خود انسان کی تاریخ قدیم ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ ان فتنوں کی شکل وصورت ہر دور میں مختلف رہی ہے۔ فتنے سے معاشرے میں جو مصائب ومسائل پیدا ہوتے ہیں اور معاشرتی امن وسکون جس طرح برباد ہوتا ہے وہ کسی بھی صاحب عقل وخرد سے مخفی نہیں ہے۔ اس لیے قرآن مجید نے فتنے کو قتل سے بدتر قرار دیا ہے۔ "والفتنه اشد من القتل"[2] (فتنہ قتل سے زیادہ سخت ہے)۔

قرآن مجید کی منشا ہے کہ فتنہ کی بیخ کنی کے لئے تمام وسائل بروئے کار لائے جائیں۔

"وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ"[3]

(ان سے لڑو جب تک کہ فتنہ نہ مٹ جائے اور اللہ کا دین غالب نہ آ جائے)

دور جدید میں یہی فتنہ اپنی بھیانک ترین شکل (مذہبی انتہا پسندی کی صورت) میں نمودار ہوا ہے پورا انسانی معاشرہ اس کی لپیٹ میں ہے۔ دنیا اس کے چنگل میں پھنس کر اپنا سب کچھ غارت کیا چاہتی ہے۔

مذہبی انتہا پسندی:-

قدیم لٹریچر تو کجا ماضی قریب میں بھی اس اصطلاح کا کوئی وجود نہیں ملتا اس لیے اسے سمجھنے کے لئے مذہبی اور انتہا پسندی کے بنیادی اجزا میں تحلیل کرنا ہوگا۔

(i) مذہبی۔(مذہب+ی) مذہب=روش٬اصل٬طریقہ٬اعتقاد۔[۴]

ی= اردو میں نسبت کے لیے لگائی جاتی ہے۔

مذہبی۔ ایسا شخص جو بااعتقاد اور بااصول ہو۔

(ii) انتہا پسندی (انتہا+پسند+ی)

(ا) اردو لغت میں انتہا کا مفہوم

انتہا: حد٬نہایت٬اخیر٬انجام۔

سو بار ایک دم میں گیا ڈوب ڈوب جی پر بحر غم کی پائی نہ کچھ انتہا ہنوز (میر)

کیا زمانے نے رنگ بدلا ہے ابتدا کیا تھی انتہا کیا ہے(داغ)[۵]

(ب) نوراللغات کے مطابق انتہا کا مفہوم

کسی کام یا بات وغیرہ سے روکنا یا باز رکھنا

خدا کو انتہا لینی تھی اے دل جور گردوں کی وگرنہ کب عدم سے ہم سا آفت کوش آتا ہے[۶]

انتہا کے ساتھ لاحقہ پسند لگے تو

(i) جامع فیروز اللغات کے مطابق

انتہا پسند: کسی کام یا چیز کی انتہا چاہنے والا٬اعتدال پسند کی ضد[۷]

(ii) اردو لغت کے مطابق: (ا) کسی کام کو اس کی ابتدائی منازل ترک کر کے انتہائی مدارج سے شروع کرنے والا٬حد سے تجاوز کرنے والا۔

(ب) (سیاست) حالات یا نظام کو بالکل بدل دینے کا حامی حکومت وقت کو ختم کر دینے کا نظریہ رکھنے والا۔[۸]

انتہا پسندی: اصولی طور پر یہ اسم کیفیت ہے۔[۹]

اس کا تعلق انسان کے خیالات٬احساسات٬کردار سے ہوتا ہے۔

انگریزی لغت کے مطابق انتہا پسندی Extremeness

حد سے بڑھا ہونا٬بہت ہی زیادہ ہونا[۱۰] (Of Views) Being Extreme.

انتہا پسند: تاریخی اعتبار سے یہ اصطلاح اٹھارویں صدی عیسوی کے اختتام پر برطانیہ میں اہل علم میں رائج ہوئی۔

انتہا پسند Extremist. اس اصطلاح کو سب سے پہلے ۱۷۹۴ء میں برطانوی سیاست دان چارلس جیمز (۱۷۴۹ء تا ۱۸۰۰) نے استعمال کیا اس سے وہ افراد اور جماعتیں مراد ہیں جو وسیع پیمانے پر اصطلاحات کی خواہش مند تھیں۔

موجودہ زمانے میں وہ جماعتی گروہ مراد لیا جاتا ہے جو کسی بڑی جماعت کے اندر رہ کر قدرے زیادہ تخیل پرست و انتہا پسند ہو بھارتی اشتراکیوں میں ایم۔این رائے آنجہانی کی ''ریڈیکل پارٹی'' اسی نوعیت کی تھی۔[۱۱]

مذہبی انتہا پسندی غیر مسلمز کی نظر میں:

ستمبر ۲۰۰۱ء کے بعد اہل اسلام پر مذہبی انتہا پسندی کا لیبل چسپاں کیا گیا مسلم سکالرز کی کم مائیگی علم کا ثبوت ہے کہ وہ آج تک اس کی کوئی واضح تعریف نہیں کر سکے غیر مسلمز نے اپنے اپنے نقطہ نظر کے مطابق اس کی تعریف کی ہے اور اس کے فریم میں اہل اسلام کو فٹ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اہل اسلام کو جدید القابات سے نواز رہے ہیں۔ مسلمان ٹس سے مس نہیں ہو رہے۔ اعتقادات اور نظریات کے میدان میں دفاعی پوزیشن اختیار کر رہے ہیں۔

(ا) امریکی دانشور فوح فلڈ مان (Foah Feldman) کے مطابق مذہبی انتہا پسندی کی تعریف:

مذکورہ دانشور نے اپنی حالیہ کتاب میں اسلام ازم کا مفہوم اس طرح بیان کیا ہے کہ ''دنیا کے بارے میں ایک جامع' سیاسی' روحانی اور شخصی اندازِ فکر ہے اور ہر اس بات کا مخالف ہے جو اسلامی نہیں''۔

(ب) (سی آئی اے) کے سابق افسر گراہر فلر (Graher Fuller) کے مطابق

''اسلامی انتہا پسندی سے مراد وہ شخص ہے جو اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ اسلامی عقائد عصر حاضر کی مسلم دنیا کو سیاسی اور سماجی حالت کی اصلاح کے لئے رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔''

(ج) فرانسیسی اسکالر اولیورائے کے مطابق ''سیاسی اسلام ایک اسلامی مملکت قائم کرنے کی کوشش کا نام ہے۔'' [۱۲]

مندرجہ بالا بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے۔

(۱) یہ اصطلاح ان افراد' جماعتوں کے لئے مخصوص تھی جو وسیع تر اصطلاحات کی خواہش مند تھیں۔

(۲) انتہا پسند کا اطلاق اس اقلیت پر کیا جاتا تھا جو تخیل پرست جذبات رکھتی تھی۔

(۳) انتہا پسند افراد وہ تھے جو اپنے نظریات کو اوپر سے ٹھونستے تھے نیز اپنے نظریات کے اصول و مبادی کی تعلیم و ترویج ضروری نہیں سمجھتے تھے۔

(۴) اپنے دور کے سیاسی (Setup) کو بدلنا چاہتے تھے۔

(۵) اپنے نظریات کے پرچار کے لئے آخری حد بھی پھلانگ جاتے تھے۔

(۶) مخصوص مفادات کے لئے اہل اسلام پر مذہبی انتہا پسندی کا لیبل چسپاں کیا جاتا ہے۔

موجودہ دور میں مذہبی انتہا پسندی کی اصطلاح اسی سے ماخوذ ہے لیکن افسوس اس بات پر ہے کہ بین الاقوامی الیکٹرونک میڈیا' پرنٹ میڈیا' دانش وران عالم' آئین اور قانون کے ماہرین' سیاسی پنڈت' حکومتی بزرجمہر' مذہبی انتہا پسندی کے حامی اور مخالفین اس کی کسی بھی قسم کی واضح تعریف پر ہنوز متفق نہیں ہو سکے۔

حالانکہ اکیسویں صدی میں دو اسلامی ممالک افغانستان و عراق اس مذہبی انتہا پسندی کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں پاکستان میں دہشت گردی کے متعلق ایک آرڈیننس ۱۹۹۷ء میں نافذ کیا گیا تھا اور ۲۰۰۱ء میں اس میں ترمیم کی گئی اس قانون میں بھی مذہبی

انتہا پسندی کی کوئی تعریف کا وجود نہیں ہے صرف مذہبی منافرت کے متعلق شق ۸ میں تین ذیلی شقیں شامل ہیں۔[۱۳]

اس کے باوجود حکومت وقت غیر مرئی قوتوں کے زیر اثر جہادی تنظیموں، خیراتی اداروں، مذہبی جماعتوں اور دوسری سماجی بہبود کی تنظیموں پر طرح طرح کی پابندیاں عائد کر رہی ہے جو کہ ایک عجوبے سے کم نہیں۔

راقم کے مطابق سب سے پہلے مذہبی انتہا پسندی کی کوئی جامع تعریف ضروری ہے اس کی یہ تعریف ہوسکتی ہے۔

مذہبی انتہا پسندی: کسی بھی گروہ، فرد کا ایسا رویہ جس کے زیر اثر وہ اپنے مذہبی رجحانات و نظریات کو دوسرے ہم معاشرہ افراد پر زبردستی ٹھونسے۔ نیز اپنے مالی و جانی وسائل کو بروئے کار لائے علاوہ ازیں ایسا گروہ، فرد دوسرے مذاہب کے لئے معاندانہ جذبات رکھے۔ ان جذبات کو فروغ دینے کے لئے کوشش بھی کرے۔

غیر مسلم سکالرز کی مذکورہ بالا تعریفات اس بات کی غماض ہیں کہ غیر مسلم معاشرے میں اسلام کو اپنا دشمن تصور کیا جا رہا ہے اور موجودہ تہذیب اور ترقی جو بزعم خود مغرب اپنا ہی حق تصور کرتا ہے اس کو اس کی بربادی کا حامل مذہب تصور کرتا ہے اسلام اور اہل اسلام کو عام لوگوں میں قابل نفرت بنانے کے لئے ذرائع ابلاغ، کتابیں اور مباحثے کر رہے ہیں تا کہ مغربی معاشرہ اسلام سے نابلد رہے اور مغربی تہذیب کا ڈنکا بجتا رہے۔

علاوہ ازیں مغرب اسلام کو اپنے سیاسی استحکام کے بھی منافی تصور کرتا ہے۔

دور جدید میں دانشوران اسلام میں سے اکثر نے علمی میدان میں پسپائی اختیار کر لی ہے۔ جن لوگوں کا تعلق بڑی بڑی علمی اور اسلامی شخصیات کے ساتھ تھا انہوں نے ''لبرل ازم'' کو بنیاد بنا کر ان شخصیات سے ایسی ایسی موشگافیاں کیں کہ عام قاری بھی سر پیٹ کے رہ جائے۔

پاکستان کے معروف صحافی ارشاد احمد حقانی اپنے مضمون ''مسلم معاشرے اور تعلیمات اسلامی فکری کنفیوژن کیوں؟ قسط نمبر ا'' بحوالہ ڈاکٹر جاوید اقبال پسر علامہ اقبال لکھتے ہیں۔

> ''دوران گفتگو ڈاکٹر جاوید اقبال نے مجھ سے کہا (دل تھام کر بیٹھیے اور غور سے سنیئے) کہ اقبال آخر وقت تک اپنا ذہن صاف نہ کر سکے کہ تہذیب مغرب کے بارے میں ان کا رویہ درپیش لاتعداد فکری حوالوں سے کیا ہونا چاہیے''۔[۱۴]

حالانکہ اقبال مغربی تہذیب کے متعلق جو نظریات رکھتے تھے اور اس کی ناپائیداری پر ان کا یقین جس قدر پختہ تھا یورپ کو ہدف تنقید بناتے ہوئے لکھتے ہیں۔

تاک میں بیٹھے ہیں مدت سے یہودی سود خوار　　جن کی روباہی کے آگے ہیچ ہے زور پلنگ
خود بخود گرنے کو ہے پکے ہوئے پھل کی طرح　　دیکھئے پڑتا ہے آخر کس کی جھولی میں فرنگ

مزید لکھتے ہیں:

اعجاز ہے کس کا یا گردش زمانہ　　ٹوٹا ہے ایشیا میں سحر فرنگیانہ[۱۵]

اقبال کے نزدیک اس دور میں سب سے بہتر اور ارفع سیاسی نظام اہل اسلام ہی کا ہے۔

خلافت اسلامیہ :-

یہ وہ تقریر ہے جو اقبال نے قیام لندن کے زمانے میں ''پان اسلامک سوسائٹی'' کے ایک اجلاس میں کی تھی اور جو ۱۹۰۸ء میں لندن کے ایک رسالے میں شائع ہوئی تھی اس میں اقبال نے اسلام کے طرز حکمرانی کی وضاحت کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ عہد حاضر میں اس سے بہتر طرز حکمرانی کوئی نہیں ہے۔

علاوہ ازیں ملت بیضا کے حوالے سے فرماتے ہیں۔

یہ ۱۹۱۰ء کی ایک تقریر ہے اس میں اقبال نے اسلام کے تصور قومیت پر روشنی ڈالتے ہوئے واضح کیا کہ یورپ کا تصور قومیت' وطنیت' انسانیت کے حق میں انتہائی مہلک اثرات رکھتا ہے اس کے برعکس اقبال کی عالم گیر انسانی وحدت و اخوت پر زور دیتے ہیں اور جغرافیائی حدود' نسل' زبان وغیرہ کے امتیازات کی تردید کرتے ہیں۔ اس میں اقبال نے اسلامی تہذیب' اسلامی سیرت اور مثالی تعلیمی اداروں کے بارے میں بڑی خوبصورت اور فکر انگیز بحث کی ہے۔[۱۶]

مذہبی انتہا پسندی کے اسباب:

(ا) بے روزگاری: معاشرے میں جب بے روزگاری عام ہو گی تو دولت کی تقسیم غیر منصفانہ ہو تو حساس طبیعت کے مالک افراد مذہب کو بنیاد بنا کر انتہا پسندی کے جذبات کو فروغ دیں گے اس طرح انہیں روزگار میسر آئے گا۔ معاشرے میں ان کی لیڈر شپ قائم ہو گی۔ وہ نڈر اور مہم جو تصور ہونگے۔ شہرت اُن کا مقدر ٹھہرے گی امریکہ کی آباد کاری ایسے ہی افراد کی رہین منت ہے۔

''سولہویں صدی میں مذہبی اختلافات اور انتشار کے دوران انگلستان کے کلیسیا میں پروٹسٹنٹ عیسائی فرقے میں ایک نیا طبقہ ابھرا جو چرچ آف انگلینڈ میں مزید اصطلاحات چاہتا تھا۔ یہ لوگ پیوریٹنز (Puritans) کہلاتے تھے۔۔۔۱۶۰۷ء (Puritans) فرقے کے انتہا پسندوں کا ایک چھوٹا سا گروپ جو یہ سمجھتا تھا کہ چرچ آف انگلینڈ میں کبھی بھی اصطلاح (اصلاح) نہیں ہو سکتی ملک چھوڑ کر (Leydon) ہالینڈ چلا گیا۔ جنہیں ہالینڈ حکومت نے پناہ دے دی۔ لیکن ہالینڈ میں ''جان کالون'' کے مقلد حکمرانوں (Calvanists) نے انہیں کم اجرت والے نچلے درجے کے کاموں تک محدود رکھا جس کی وجہ سے گروپ کے کچھ ارکان نے اس امتیازی سلوک سے دل برداشتہ ہو کر نئی دنیا (امریکہ) میں آباد ہونے کا عزم کیا (Leydon) پیوریٹنز کے ایک گروپ نے ۱۶۲۰ء میں ورجینیا کمپنی سے ایک سند کے ذریعے ایک علاقہ حصال کیا اور ایک سو ایک مردوں عورتوں بچوں پر مشتمل گروپ (فلاور) نامی جہاز کے ذریعے ورجینیا روانہ ہوا''۔[۱۷]

(۲) سیاسی اثر و رسوخ: سیاسی اثر و رسوخ کا حصول اور حکمرانی کا جذبہ ہر فرد میں موجود ہے بلکہ حکومت کرنے کا جذبہ آسمانی ودیعت ہے اس خواہش کی تسکین کے لئے بھی لوگ مذہبی انتہا پسندی اپناتے ہیں درج ذیل اقتباس اس کا ثبوت ہے۔

''(Baptists) کی کوئی باضابطہ چرچ تنظیم نہیں تھی ان کے کاشتکار مبلغ وہ لوگ تھے جنہیں ''حکم ربی'' ملا تھا جس کے بعد انہوں نے بائبل کا مطالعہ کر کے چرچ قائم کیا جس نے انہیں مقدس منصب عطا کیا۔ ان چرچز سے ابھرنے والے پادریوں نے دور دراز ویرانوں تک میں اپنے عقائد کی تبلیغ کی۔ اس قسم کے اصولوں اور طریقوں کی وجہ سے (Baptists) نے سرحدی علاقوں اور بیشتر جنوبی علاقوں میں غلبہ حاصل کیا۔''[۱۸]

(۳) اسلامی ممالک میں امریکہ کا حد سے بڑھا ہوا جمہوریت کے لئے دباؤ۔

اسلامی ممالک میں مذہبی انتہا پسندی کے اسباب کا سب سے اہم سبب یہ ہے کہ اسلامی ممالک میں جمہوریت کے فروغ کے لئے امریکہ کی کوششیں ہیں امریکہ اور یورپی ممالک اپنے معاشی مفادات کی خاطر ان ممالک میں ایسے اقدامات کرتے ہیں جن کے ری ایکشن کے طور پر عالم اسلام میں انتہا پسندی جنم لیتی ہے۔ امریکی تعلقات عامہ کے آرگن ''خبر و نظر'' کی یہ سرخی قابل غور ہے۔

''عراق اور دیگر اسلامی ممالک میں جمہوریت فروغ پا سکتی ہے'' کرینز

ایک اعلیٰ امریکی عہدیدار نے کہا ہے کہ دنیا کے دوسرے ممالک کی طرح اسلامی ملک بھی جمہوری نظام اپنانے کی بھرپور صلاحیت رکھتے ہیں۔ نائب وزیر خارجہ لورن کرینز (Lorne Craner)۔۔۔ نے ان خیالات کا اظہار ۳ ستمبر سٹیلائٹ ٹیلی ویژن ورلڈنیٹ کے گلوبل ایکسچینج پروگرام میں دمشق اور قاہرہ کے صحافیوں سے بات چیت میں کیا۔ انہوں نے کہا کہ عرب دنیا جنوبی ایشیا اور جنوب مشرقی ایشیا کے ملکوں کے تفصیلی دوروں میں میرا یہ یقین پختہ ہوا ہے کہ لاطینی امریکہ ایشیا اور وسطی یورپ کی طرح ان خطوں میں بھی جمہوریت پروان چڑھنے کی راہ میں کوئی ثقافتی یا مذہبی دیوار حائل نہیں''[۱۹]

حالانکہ موصوف کو معلوم ہے کہ اسلامی ممالک میں اکثریت ایسے افراد کی ہے جو بادل نخواستہ جمہوریت کے حق میں ووٹ دیتی ہے اور اسے اسلام کے مخالف ایک نظام حکومت تصور کرتی ہے۔

ii۔ کچھ اسلامی ممالک میں شہنشاہت قائم ہے۔

iii۔ بعض اسلامی ممالک میں آمریت یا فوجی ڈکٹیٹر شپ قائم ہے۔

ان حالات میں موصوف کا بیان اسلامی ممالک میں امریکی اثر و رسوخ کو ظاہر کرتا ہے۔ اس سے یہ بھی عندیہ ملتا ہے کہ امریکہ کی تمام کوششیں صرف جمہوریت ہی کے لئے ہیں۔ یہ بھی ایک قسم کی مذہبی انتہا پسندی ہی ہے۔

اسی شمارے میں مشہور پاکستانی صحافی ارشاد حقانی کا تبصرہ بھی مقالہ نگار کے دعوت کا ثبوت ہے۔

حقانی صاحب لکھتے ہیں۔

''ایک انتہا پر وہ مسلمان ہیں۔ جو اپنا ورثہ ترک کر کے جدیدیت کو گلے لگا چکے ہیں۔ دوسری جانب وہ مسلمان ہیں جو سمجھتے ہیں کہ جب سے مغرب نے ان کے معاملات میں مداخلت کا سلسلہ شروع کیا وہ مسائل کا شکار ہو گئے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ جدیدیت نہیں اپنائیں گے بلکہ جدید دنیا کو اسلامی رنگ میں ڈھالیں گے۔'' [۳۱]

حقانی صاحب کے تجزیہ سے بھی عیاں ہے کہ اسلامی ممالک میں مذہبی انتہا پسندی مغرب کی بے جا مداخلت اور جمہوریت کے لئے ناجائز دباؤ کا عکس ہیں۔

مذہبی انتہا پسندی کے اثرات:

مذہبی انتہا پسندی دور جدید ہی کی پیداوار ہے۔ بین الاقوامی لاینحل مسائل کی بنیاد میں اس انتہا پسندی کا تصور کسی نہ کسی صورت میں ضرور موجود تھا اور ہے۔

۱۹۹۷ء میں دہشت گردی کا قانون نافذ ہوا ۲۰۰۱ء میں اس قانون میں ترمیم ہوئی اور مذہبی انتہا پسندی کی خصوصی شق لائی گئی۔ اس سے دو عشرے قبل ملک میں فرقہ واریت کا فتنہ پیدا ہوا اس نے ملک کا امن وسکون برباد کیا۔

۱۹۷۹ء میں افغانستان پر روسی یلغار کے بعد عسکری اور جہادی تنظیمیں امریکہ اور یورپ کے ایماء پر قائم ہوئیں۔ روس کے خلاف ان تنظیموں کی کاوشوں کو جہاد کا نام دیا گیا۔ اس وقت یہ مجاہدین امریکہ کی آنکھ کا تارا تھے۔ اسی کے عشرے میں روس کا شیرازہ بکھرا۔ افغانستان میں خانہ جنگی شروع ہوئی۔ آخر کار طالبان برسر اقتدار آئے۔ اب یہی مجاہد امریکہ اور مغرب کی نظر میں مذہبی انتہا پسند ٹھہرے۔

۷۰ء ہی کی دہائی میں ہندوستان نے مشرقی پاکستان میں جارحیت کی۔ بھارت کو مغرب اور روس کی آشیرباد حاصل تھی۔ بنگلہ دیش قائم ہوا۔ نصف صدی قبل سے مسئلہ کشمیر ہنوز لاینحل (U.N.O) کے ایجنڈے پر موجود ہے۔ اسی زمانے سے ہی معاہدہ بالفور کی بنیاد پر مشرق وسطیٰ میں اسرائیل کا قیام عمل میں لایا گیا۔ یہ سب مذہبی انتہا پسندی ہی کی شروعات تھیں۔ لیکن باوجود انہیں درخور اعتناء نہیں سمجھا گیا۔

۱۹۶۷ء میں مذہبی انتہاء پسندی کی ہی بنیاد پر اسرائیل نے بیت المقدس اور دوسرے عرب ممالک پر قبضہ کیا۔ فلسطینی عوام آج بھی مہاجر کیمپوں میں زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔

رشیا اور دوسرے ممالک میں اہل اسلام کے ساتھ جو رویہ اپنایا گیا اور ہنوز اپنایا جا رہا ہے اسے مذہبی انتہا پسندی کے سوا کوئی اور نام دیا جا سکتا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ بیسویں صدی کے اہم سیاسی' مذہبی واقعات کی بنیاد کا مطالعہ کیا جائے تو ان سب میں مذہبی انتہا

پسندی کا عنصر نظر آتا ہے۔ لیکن یہ تمام انتہا پسندی مسلمانوں کی طرف سے نہیں تھی۔ اکیسویں صدی میں یہ عفریت پوری دنیا پر چھایا ہوا ہے۔ اس کا الزام اہل اسلام کو دینا کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔

بین الاقوامی برادری کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے رویے میں تبدیلی لائے۔ عالم اسلام بھی بیدار ہو کیونکہ عالم اسلام میں اس وقت کوئی ایسی قابل قدر ہستی موجود نہیں ہے جو اس فکری اور ذہنی انتشار کے دور میں ان کی رہنمائی کر سکے۔ علاوہ ازیں عالم اسلام میں کچھ اور بھی خامیاں ہیں۔ جن کی نشاندہی برطانیہ کے ایک اخبار ''اکانومسٹ'' کی اس رپورٹ سے ہوتی ہے۔

''عیسائیت کی طرح اسلام میں پوپ جیسی کسی مرکزی دینی شخصیت کا تصور موجود نہیں ہے۔ کفار کے مقابلے میں اسلامی یکجہتی کی بجائے ملکی مفاد دیکھا جاتا ہے۔ حکومتیں صرف اسلام کا نام لینے والوں سے خوف زدہ رہتی ہیں۔ بلکہ وہ جوڑ توڑ کر کے انہیں اپنے مقاصد کے لئے استعمال بھی کرتی ہیں۔''[۲۱]

موجودہ صورت حال میں ضرورت اس امر کی ہے کہ خامیوں کو دور کیا جائے۔ اصلاح احوال کے لئے کوشش کی جائے اس کے لئے بہترین طریقہ یہ ہے کہ رسول ﷺ کی سنت سے رہنمائی لی جائے۔

مذہبی انتہا پسندی کے رجحانات کے خاتمہ کے لئے تجاویز:۔

مذہبی انتہا پسندی ہو یا کوئی اور انسانی مسئلہ جو حل نہ ہو سکتا ہو یا اس کے حل میں کچھ مشکلات حائل ہوں۔ انہیں انسانی قانون سازی، طاقت کا استعمال حل نہیں کر سکتا۔ ہاں ان کی بناء پہ وہ مسئلہ وقتی طور پر دب تو سکتا ہے۔ اگر اہل دنیا اسے مکمل طور پر ختم کرنا چاہتے ہیں تو انہیں چاہئے کہ سیرت رسول ﷺ کی روشنی میں درج ذیل اقدامات کریں۔ یہ اقدامات مقامی، علاقائی، قومی اور بین اقوامی ہر سطح پر ہونے چاہئیں۔

(۱) حاکمیت اعلیٰ کا تصور:

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور کامیاب ترین طرز زندگی ہے اسلام میں اقتدار اعلیٰ کا مرکز اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ"[۲۲] (فرمانروائی صرف اللہ تعالیٰ کی ہے) اللہ تعالیٰ نے اپنی حکومت کو تسلیم کروانے کے لئے پیغمبر مبعوث فرمائے۔ تمام پیغمبروں نے اس دنیا میں حق کی دعوت دی سلسلہ نبوت کی آخری کڑی حضرت محمد رسول ﷺ ہیں آپ کی تشریف آوری ہی دنیا واہل دنیا کے مسائل کا حل تھی۔ جس میں کوئی کلام نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن مجید تو اس پہ شاہد ہے ہی۔ غیر مسلم بھی آپ کے وجود کو باعث رحمت اور امن وسکون مانتے ہیں۔

برناڈ شا نے کہا تھا: ''آج اگر محمد ﷺ کو حاکم مان لیا جائے تو امن قائم ہو سکتا ہے''[۲۳]

برناڈ شا دراصل کہنا یہ چاہتے ہیں کہ آپ کی سیرت، آپ کے وضع کردہ اصول، ضابطہ حیات اور اخذ کردہ قوانین آج بھی اس دور میں امن قائم کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یوں تو معاشرے میں بے شمار مسائل ہیں۔ انہیں حیطہ تحریر میں لانے کے لئے ایک دفتر درکار ہے لیکن اگر ارباب حل وعقد صرف مذہبی انتہا پسندی کے خاتمے کے لئے آپ کے اسوہ کو پیش نظر رکھیں۔

اس ضمن میں آپ کی طرف سے کیئے گئے اقدامات کو قانون کی شکل میں نافذ کریں۔ دیکھیئے! کہ یہ فتنہ اپنی موت آپ مر جائے گا اور اکیسویں صدی کا انسان سرخرو اور کامیاب ہوگا۔

(۲) ایمان بالکتب:

جب ہم ایمانیات کے حوالے سے سیرت کا مطالعہ کرتے ہیں تو اسلام اور دیگر مذاہب میں ایک خاص فرق موجود ہے قبل از اسلام ہندوازم، عیسائیت، یہودیت اور دوسرے مذاہب موجود تھے۔ عیسائیت اور یہودیت کا ذکر تو قرآن مجید نے بھی کیا ہے بلکہ ان کا مورث اعلیٰ ایک ہی ہے دونوں مذاہب باہمی تعصب اور انتہا پسندی کا جس قدر شکار ہو چکے تھے۔ اس کا نقشہ قرآن مجید نے ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

''وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ''[۲۴]

(یہود کہتے ہیں کہ عیسائی حق پر نہیں ہیں۔)

عیسائی یہودیوں کے متعلق یہ کہتے ہیں۔

''وَقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ''[۲۵]

(نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہودی حق پر نہیں ہیں)

اور حقیقت حال یہ تھی؟

وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ[۲۶] (سب لوگ تورات ہی پڑھتے ہیں)

اسی طرح ہندوؤں کی انتہا پسندی بھی پیش نظر رہے۔

''برھمن ویدوں کے باہر خدا کے فیضان کا تصور بھی نہیں کر سکتے''[۲۷]

معلوم ہوا کہ سابقہ مذاہب اپنے اپنے نظریات کے خول میں بند ہیں اپنے سے علاوہ کسی دوسرے مذہب کو برحق ماننا تو درکنار اسے مذہب کا درجہ دینا بھی گوارہ نہیں کرتے۔

اس تناظر میں قرآن مجید کا مقصد اور منشاء واضح ہے قرآن مجید ایمانیات میں سابقہ کتب پر ایمان کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتا ہے۔

والذین یومنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک[۲۸]

(اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں اس پر جو آپ کی طرف اتارا گیا اور جو آپ سے پہلے اتارا گیا (وہ متقی ہیں) اہل تقویٰ کی یہ خوبی گردانی گئی کہ وہ نبی ﷺ اور سابقہ انبیاء پر نازل ہونے والے تمام صحائف پر ایمان لائیں گے تو ان کا ایمان مکمل ہوگا۔ اسی پہ بس نہیں بلکہ قرآن مجید نے ابراہیمؑ و موسیٰ کے صحائف کا ذکر کیا اور فرمایا کہ ہدایت تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہے اور یہ تمام آسمانی کتب میں موجود ہے۔

"اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی. صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰی"[۲۹]

(یہ باتیں پہلی کتابوں میں بھی ہیں (یعنی) ابراہیم اور موسیٰ کی کتابوں میں)

آپ ﷺ نے میثاق مدینہ میں شق نمبر "۲۶" میں یہود کو اہل ایمان کے ساتھ ایک امت قرار دیا۔

"وان یهود بنی عوف امت مع المومنین" (بنو عوف کے یہود مومنین کے ساتھ ایک امت ہونگے) شق ۲۷ بنو نجار کے یہود شق ۲۸ بنو الحارث کے یہود شق ۲۹ بنو ساعدہ کے یہود شق ۳۰ بنو جشم کے یہود شق ۳۰ بنو الاوس کے یہود اور شق ۳۲ بنو ثعلبہ کے یہود بھی بنو عوف کی طرح ایک امت شمار کئے گئے ہیں۔[۳۰]

سابقہ کتب کے حاملین بھی نبی ﷺ کی سیرت کے مطابق اہل ایمان کے ساتھ ایک امت شمار ہوتے ہیں دور جدید میں بھی الہامی مذاہب کے ماننے والوں کو ایک امت قرار دیا جا سکتا ہے اس طرح اعتدال پسندی اور رواداری کا مظاہرہ کر کے مذہبی انتہا پسندی ختم کی جا سکتی ہے۔

(۳) احترام انسانیت:

آپ ﷺ کو جب قتال فی سبیل اللہ کا حکم دیا گیا تو آپ کے مدمقابل مشرکین مکہ تھے۔ بعدازاں ان کی اعانت کے لئے یہود آگے آئے اس طرح آپ ؐ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں ایرانیوں اور رومیوں کے خلاف اعلان جہاد فرمایا تھا۔ دس سالہ جہادی زندگی کا مطالعہ حیران کر دیتا ہے کہ آپ ؐ نے اس قدر کم خون ریزی کی' انسانی خون کا تحفظ اس قدر فرمایا کہ آج کے جدید دور کا انسان بھی حیران ہے۔

"ڈاکٹر حمید اللہ کی تحقیق کے مطابق مسلم شہداء کی تعداد ۱۲۰ غیر مسلم مقتولین کی تعداد ۱۵۰ کل تعداد ۲۷۰
قاضی سلمان منصور پوری کے مطابق مسلم شہداء کی تعداد ۲۵۹ غیر مسلم مقتولین کی تعداد ۷۵۹ کل تعداد ۱۰۱۸
راقم کی تحقیق کے مطابق مسلم شہداء کی تعداد ۳۲۱ غیر مسلم مقتولین کی تعداد ۹۳۵ کل تعداد ۱۲۵۶[۳۱]

دور جدید میں کشمیر' افغانستان' عراق' فلسطین' بوسنیا' ہندوستان' چیچنیا وغیرہ میں مسلم' عیسائی' یہودی' سکھ اور دوسرے مذاہب کے لوگ قتل ہوئے ہیں یا ہو رہے ہیں ان کی تعداد لاکھوں سے تجاوز ہے۔ لیکن افسوس کہ مسائل ہنوز حل نہ ہو پائے ہیں۔ نسل انسانی تباہی کے کنارے پر کھڑی ہے۔ امن وسکون سے ناآشنا ہے اسی پہ بس نہیں ہے عبادت گاہیں تجارتی ادارے اور بازار انسان کے خون سے رنگین ہیں۔ یہ ساری صورت حال بدل سکتی ہے شرط یہ ہے کہ آپ ﷺ کی سیرت سے انسانی جان کے تحفظ کا سبق سیکھا جائے اور اس پر عمل بھی کیا جائے۔

(۴) عصبیت کا خاتمہ:

آپ ﷺ نے جب کلمہ حق بلند کیا اس وقت عرب معاشرہ عصبیت کا شکار تھا۔ اقوام و قبائل اپنے آپ کو برتر تصور کرتے تھے۔ جس کی تفصیل سے کتب تاریخ بھری پڑی ہیں۔ اس بڑائی اور برتری کا انحصار خون' مذہب' نسل' رنگ' ملک اور علاقہ

پر تھا۔ جس طرح دور جدید میں اقوام عالم نے خود کو ترقی یافتہ، ترقی پذیر اور غیر ترقی یافتہ ممالک میں تقسیم کر رکھا ہے۔ اسی طرح طاقت کے بل پر (U.N.O) میں ویٹو کا حق رکھنے والے ممالک امریکہ، فرانس، برطانیہ، روس اور چین ہیں۔ ایٹمی کلب میں بھی یہی ممالک شامل ہیں۔ ایشیا اور افریقہ کو تیسری دنیا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اہل اسلام کو غیر مہذب کہا جاتا ہے لیکن پیغمبر اسلام نے ہمہ قسم عصبیت کا خاتمہ فرمایا آپ ﷺ کے فرمودات اس دور میں بھی ہماری رہنمائی کے لئے کافی ہیں۔

اگر (U.N.O) سپر پاورز اور وقت کے حکمران امن چاہتے ہیں تو انہیں سیرت طیبہ کی روشنی میں عصبیت کا خاتمہ کرنا ہوگا۔ معاشرتی مساوات کو اپنانا ہوگا۔ آپ ﷺ نے عصبیت کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی۔

عن واثلة بن اسقع قلت یا رسول الله ماالعصبیة قال ان تعین قومک علی الظلم [۳۱]

(حضرت واثلة بن اسقع فرماتے ہیں میں نے سوال کیا عصبیت کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ عصبیت یہ کہ تو اپنی قوم کی ظلم کے معاملے میں مدد کرے۔)

معلوم ہوا کہ بحثیت انسان حق کو پیش نظر رکھے فریق مخالف بھی اگر حق پر ہو تو اس کی مدد کرے اپنی قوم کا ساتھ نہ دے اس طرح وہ قوم ظلم کا شکار ہونے سے بچ جائے گی علاوہ ازیں آپ ﷺ نے انتہا پسندی اور عصبیت کے خاتمے کے لئے کس قدر جامع اصول پیش کیا ہے۔

عن عبدالله بن مسعود قال من نصر قومه علی غیر الحق فهو کالبعیر الذی ردی فهوینزع بذنبهم۔ [۳۲]

(فرمایا کہ جو شخص ناجائز معاملے میں اپنی قوم کی مدد کرتا ہے اس کی مثال اس اونٹ کی طرح ہے جو کنویں میں گر پڑا ہو وہ اس کی دم کو پکڑ کر کھینچے اور خود بھی کنویں میں جا گرے۔)

تعصب جس قسم کا بھی ہو اس کا خاتمہ آپ کی سیرت پر عمل کرنے سے ہی ہوگا جیسا کہ ماضی میں ہو چکا ہے۔

ڈاکٹر راڈویل اس تعصب کا خاتمہ اور اس کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

"قرآن نے اول تو جزیرہ نمائے عرب کے مختلف قبیلوں کو ایک مشاہیر کی قوم میں تبدیل کر دیا اس کے بعد اس نے اسلامی دنیا کی وہ عظیم الشان سیاسی و مذہبی جمعیتیں قائم کیں۔ جو آج یورپ اور مشرق کے لئے بڑی طاقت کا درجہ رکھتی ہیں" [۳۳]

اس اقتباس کا حاصل مطالعہ یہ ہے کہ قرآن نے قرآن ناطق (محمد ﷺ) کی وساطت سے عرب کے خانہ بدوشوں کو ایک ایسی قوم میں بدل دیا۔ آپ کا یہ اعجاز آج بھی رشک فلک ہے ڈاکٹر صاحب زبان حال سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ دور جدید کی انتہا پسندی بھی اسی صورت میں ختم ہو سکتی ہے کہ نبی ﷺ کو اپنا رہبر و رہنما تسلیم کیا جائے۔

(۵) بین الاقوامی تعلقات:

دور جدید کا اہم موضوع ہے اسلام نے سب سے پہلے اسی کو اپنایا ہے آپ ﷺ نے جب مدینہ میں قدم رنجہ فرمایا وہاں

آپؐ نے ایک معاہدہ تحریر فرمایا جسے میثاق مدینہ کہتے ہیں یہ معاہدہ بین الاقوامی تعلقات کی اساس ہے اس معاہدے میں قرآن مجید کا یہ اصول "لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ" [۳۵] (دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں ہے) کی حقیقی روح نظر آتی ہے۔

"میثاق مدینہ کی شق (۱۱۔۳) مہاجرین قریش، بنوعوف، بنوساعدہ، بنوالحارث، بنوجشم، بنوالنجار، بنوعمرو بن عوف، بنوالنبت اور بنوالاوس کا ذکر کیا گیا ہے اس میں ان قبائل کے رسم ورواج اور قبائلی قوانین کے تحفظ کی ضمانت دی گئی ہے۔

شق (۴۴۔۲۶) کے تحت یہود کو اہل ایمان کے ساتھ ایک امت قرار دیا ہے۔شق ۴۶ کے تحت شرکائے معاہدہ بیرونی حملہ آوروں کے خلاف مشترکہ دفاع کے پابند ہوں گے۔" [۳۶]

میثاق مدینہ کے مطالعہ سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام ایک ایسا دین ہے جو بین الاقوامی تعلقات کا حامی ہے۔ دور جدید میں U.N.O، دوسری بین الاقوامی تنظیمیں، علاقائی تنظیمیں اور معاشرتی رفاہی ادارے اپنے چارٹر اسی بنیاد پر ترتیب دیں تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ مذہبی انتہا پسندی کا خاتمہ نہ ہو۔

(۶) اعتدال پسندی:

اسلام کا مادہ (س ل م) ہے اس کا مفہوم امن وسلامتی ہے اسلام کا دوسرا نام دین اعتدال ہے۔قرآن حکیم میں امت مسلمہ کو اعتدال پسند امت قرار دیا۔"وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا" [۳۷] (اور اسی طرح ہم نے تم کو ایک معتدل امت بنایا۔)

آپ ﷺ نے اپنی پوری زندگی میں اسی اعتدال پسندی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے رکھا۔درج ذیل مثالیں اس کی عکاس ہیں۔

i۔ اہل نجران کا ایک وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عقائد کے حوالے سے کافی بحث مباحثہ ہوا۔ دوران بحث عیسائیوں کی عبادت کا وقت ہو گیا۔ نبی ﷺ نے انہیں مسجد نبوی ہی میں عبادت کی اجازت دی۔ وفد نے مسجد نبوی ہی میں اپنی عبادت ادا کی۔ مؤرخین کے بیان کے مطابق انہوں نے مشرق کی سمت رخ کیا۔صلیبیں نکالیں اور اپنی عبادت کی مسلمان بڑے تجسس سے انہیں دیکھ رہے تھے۔[۳۸] بہرحال اس بحث کا اختتام مباہلہ پر ہوا۔جس کا تذکرہ قرآن مجید میں ھ (۶۱/۳) موجود ہے۔

ii۔ آپ ﷺ نے قوم مجوس کے ساتھ بھی ایک معاہدہ فرمایا جس کی ایک شق قابل غور ہے۔

تم میں سے جو نیک کام کرے گا وہ اللہ کے ہاں اور میرے ہاں ضائع نہیں ہوگا۔ [۳۹]

iii۔ اہل قریش نے آپ ﷺ کے خلاف جو معاندرویہ اختیار کیا تھا۔ وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔لیکن فتح مکہ کے موقع پر آپ ﷺ نے جس اعتدال پسندی اور رواداری کا مظاہرہ فرمایا وہ بھی اپنی مثال آپ ہے آپ ﷺ نے نہ صرف تمام قریش مکہ کو معاف فرمایا بلکہ آپؐ نے اپنے سب سے بڑے دشمن اور جنگی حریف ابوسفیان کے گھر کو دارالامان قرار دیا۔[۴۰]

حالانکہ ابوسفیان قریش مکہ کا سربراہ تھا ابوجہل کی وفات کے بعد قریش مکہ نے جتنی بھی جنگیں اہل اسلام کے خلاف

لڑی تھیں وہ ان تمام میں سپہ سالار تھا لیکن یہ آپ ﷺ ہی کی اعتدال پسندی اور رواداری تھی کہ آپ ﷺ نے اس کے گھر کو وہ اعزاز بخشا کہ وہ آج بھی تاریخ میں امر ہے۔

آپ ﷺ کے یہی وہ اوصاف حمیدہ ہیں جو قیامت تک کے لئے منارہ رشد وہدایت ہیں سسکتی، بلکتی، تڑپتی انسانیت کو اگر امن وسکون مل سکتا ہے تو وہ آپ ﷺ کے دامن ہی سے مل سکتا ہے۔

(۷) اسلام مذہبی انتہا پسندی کا خاتمہ چاہتا ہے:

''وَلَا یَجْرِ مَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْکُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا'' [۱۱]

(جن لوگوں نے تمہیں مسجد حرام سے روکا تھا ان کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کردے کہ تم حد سے گزر جاؤ۔)

یاد رہے قریش مکہ نے اہل اسلام کو عمرہ کی ادائیگی سے روکا تھا جس کے نتیجہ میں صلح حدیبیہ ہوئی تھی۔

قند مکرر۔

وَلَا یَجْرِ مَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا [۱۲]

(کسی قوم کی عداوت تمہیں خلاف عدل پر آمادہ نہ کردے۔)

آپ ﷺ نے اسی اعتدال پسندی کو بنیاد بنا کر اسلام کا پیغام عام فرمایا عوام جوق در جوق اسلام کے دامن رحمت میں آئے۔ اہل اسلام کو چاہئے کہ نبی ﷺ کی سنت پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اسی طرح اعتدال پسندی کو اپنا کر اسلام کا پیغام عام کریں۔

واجعل التوفیق حظی — ونصیبی فی الحیاۃ

حوالہ جات:

۱۔ یٰس (۶۰:۳۶)

۲۔ البقرہ (۹:۲)

۳۔ ایضاً (۱۹۳)

۴۔ ''فیروز اللغات'' (عربی اردو) فیروز سنز لاہور ۱۹۶۸ء ط: اول، ص ۲۱۸

۵۔ ''اردو لغت'' ترقی اردو بورڈ لاہور ۱۹۷۷ء ط: ن ج: اول، ص ۹۰۰

۶۔ نیر نور الحسن ''نور اللغات'' نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد ۱۹۸۵ء ط: دوم ج اول، ص ۳۹۱

۷۔ ''جامع فیروز اللغات'' (اردو) فیروز سنز لاہور، نیا ایڈیشن، ص ۱۲۶

۸۔ ''اردو لغت'' ج اول، ص ۹۰۰

۹۔ ایضاً

۱۰۔ "Practical Dictionary", Kitabistan Publishing Company Urdu Bazar Lahore, P.P: 260

۱۱۔ ''اردو انسائیکلو پیڈیا'' فیروز سنز لاہور ط: سوم ۱۹۸۴ء ص ۱۳۲

۱۲۔ ''روز نامہ جنگ لاہور'' ۱۲ اکتوبر ۲۰۰۳ء اشاعت خصوصی (ادارہ) ص: ب

۱۳۔ P.L.D. 2002, Major Acts, P.P. 1064

۱۴۔ ''روزنامہ جنگ لاہور'' ۲۱ جون ۲۰۰۲ ' ارشاد احمد حقانی ' حرف تمنا ص ۶

۱۵۔ اقبال ''بال جبریل'' ' شیخ غلام اینڈ سنز لاہور ۱۹۸۷ ' ط: بست وششم ' ص ۵۹ ' ۵۴

۱۶۔ ''اقبالیات'' (B.A) ' یونٹ ۱۰ تا ۱۸ ' علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد ' نثر اقبال ' رحیم بخش شاہین

۱۷۔ ''امریکہ کی مختصر تاریخ'' مترجم اقبال احمد بیگ ' امریکی شعبہ تعلقات عامہ ۶۰ جناح ایونیو اسلام آباد ' مئی ۱۹۹۴ ' ص ۱۶

۱۸۔ ایضاً ' ص ۱۱۱

۱۹۔ ''خبر و نظر'' ستمبر ۲۰۰۳ ' ش: ۲ ' امریکی شعبہ تعلقات عامہ ۶۰ جناح ایونیو اسلام آباد ' ص ۱۴

۲۰۔ ایضاً ص ۵

۲۱۔ ''روزنامہ جنگ لاہور'' ۱۲ اکتوبر ۲۰۰۳ ' ص: ج (اشاعت خصوصی)

۲۲۔ سورۃ یوسف (۱۲:۴۰)

۲۳۔ محمد اسحاق قریشی ''حضور اکرمؐ پیغمبر امن و سلامتی'' ' مکتبہ زاویہ لاہور ' ۱۹۹۸ ' ط: اول ' ص: ۳۵

۲۴۔ سورت البقرۃ (۲:۱۱۳)

۲۵۔ ایضاً

۲۶۔ ایضاً

۲۷۔ محمد بلال ''حضور اکرمؐ کی رواداری'' ' فضل سنز کراچی ' ۱۹۹۸ ' ط: اول ' ص ۵۴

۲۸۔ سورۃ البقرۃ (۲:۴)

۲۹۔ الاعلیٰ (۸۷:۱۸ ' ۱۹)

۳۰۔ ''نقوش'' (رسول نمبر) جلد نمبر ۱۱ ' ص: ۶۲۶

۳۱۔ ''ماہنامہ رائی (انٹرنیشنل لاہور'' ستمبر ۲۰۰۳ ' جلد ۱۴ ' شمارہ: ۹ ' ''غزوات و سرایا میں اتلاف نفوس'' حکیم حافظ عطاء الرحمن ' ص: ۲

۳۲۔ ''سنن ابوداؤد'' (مترجم) ' ابوداؤد سلیمان بن اشعث / وحید الزمان ' نعمانی کتب خانہ حق سٹریٹ لاہور ' ۱۹۹۶ء ' ط: اول ' جلد سوم ' ص ۔ ۶۹
حدیث نمبر ۱۶۸۱

۳۳۔ ایضاً : حدیث نمبر ۱۶۷۹ ' ص ۲۹۶

۳۴۔ ''نقوش'' (رسول نمبر) ' محمد طفیل ' ادارہ فروغ اردو لاہور ' شمارہ ۱۳۰ ' جنوری ۱۹۸۳ ' جلد نمبر ۴ ' قرآن ' اسلام اور رسول ' عبدالصمد صارم ' ص
۳۶۹

۳۵۔ سورۃ البقرۃ (۲:۲۵۶)

۳۶۔ ''نقوش'' جلد نمبر ۱۱ ' ص: ۶۲۲ تا ۶۲۹

۳۷۔ سورۃ البقرۃ (۲:۱۴۳)

۳۸۔ ''نقوش'' محمد رسول اللہؐ ' حمید اللہ / نذیر حق ' جلد نمبر ۲ ' ص: ۲۱۱

۳۹۔ ''حضور اکرمؐ اور رواداری'' ص: ۱۹۴

۴۰۔ ''نقوش'' جلد دوم ' ص: ۱۸۹ ' بحوالہ طبری ' ج: ۳ ' ص: ۱۱۶ ' سنن بیہقی ' ۱۱۸/۹

۴۱۔ سورۃ المائدہ (۵:۲)

۴۲۔ ایضاً (۸)

دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اس کا خاتمہ تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

حافظ محمد طاہر سومرو

امت مسلمہ آج نازک دور سے گزر رہی ہے اور اس سے قبل بھی دین حق کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو ہر موقع پر ہمیں نظر آئے گا کہ امت حق کو ابتداء و آزمائش میں ڈالا گیا ہے اور یہ صرف امت محمدیہ تک محدود نہیں بلکہ اس سے قبل بھی ساری امتیں آزمائش میں مبتلا کی گئیں اور قرآن میں تو مومن کی حیات و ممات دونوں کو آزمائش سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس آزمائش کا مقصد صرف اور صرف عمدہ اخلاق اور اعلیٰ کردار کے حامل افراد کو ظاہر کرنا اور ممتاز کرنا ہے۔

امت مسلمہ کی حالت پر غور کریں تو ۵۶ مسلم ممالک میں تقسیم امت ایک دوسرے سے دور ہے OIC تنظیم ان مسلم ممالک کے درمیان رابطہ کا ذریعہ ہے لیکن عملی طور پر اس تنظیم کی کارکردگی مایوس کن نظر آتی ہے۔ وسائل کی موجودگی کے باوجود ان سے کما حقہ، فائدہ اٹھانے سے محرومی کی وجہ عدم تعاون اور مرکز کا نہ ہونا ہے لیکن اگر تمام اسلامی ممالک وسائل سے استفادے کے لئے یکجہتی سے کام کریں تو اسلام اور مسلمانوں سے اللہ کا کیا ہوا وعدہ "وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ" پورا ہوتا ہوا نظر آئے گا مگر اس کے لئے مومن بننا لازمی ہے۔ بدقسمتی سے امت پر جو کڑا وقت آیا ہے الطاف حسین حالی اسے سرور کائنات علیہ التحیۃ والثناء کے حضور یوں عرض کرتے ہیں

وہ دین جو بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغرباء ہے

امت کی ان آزمائشوں کا سامنا کرنے اور ان سے کامیابی سے نکل آنے کے لئے ہر دور میں کربلا والوں کا راستہ روشنی دکھاتا رہا ہے۔ مذہبی انتہا پسندی کا ذکر کرنے سے پہلے ان مسلم ممالک کا تذکرہ ضروری ہے جہاں مذہب موجود ہے۔ آج مسلم ممالک کی صورت حال یہ ہے کہ چند ممالک کے علاوہ کہیں بھی خوشحالی نہیں۔ فلسطین، کشمیر، چیچنیا اور بوسنیا کے مسلمان ظلم وتشدد کی چکی میں پس رہے ہیں۔ افغانستان اور عراق کی ہولناک تباہی دور حاضر کی انتہا پسندی کا تحفہ ہے۔ یہی کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کو حدیث پاک کے مطابق "وھن" کی بیماری لگ گئی ہے۔

دور حاضر میں مادی ترقی اپنے عروج پر پہنچ چکی ہے مغرب کے صنعتی انقلاب نے دنیا کا نقشہ بدل دیا ہے مگر اس مادی ترقی میں انسان کو جن مسائل کا سامنا کرنا پڑا ہے وہ اس قدر شدت اختیار کر گئے ہیں کہ اگر انہیں اب بھی حل نہ کیا گیا تو

ہماری داستاں تک بھی نہ ہو گی داستانوں میں

ان مسائل میں انتہا پسندی اور خصوصاً مذہبی انتہا پسندی بہت اہم اور سرفہرست ہے۔ درج ذیل سطور میں انتہا پسندی کے

رجحان اور سیرت نبوی کی روشنی میں اس کے حل کا جائزہ لینا ہے۔ پہلے موضوع کے حوالے سے چند اصلاحات کی وضاحت لازمی سمجھتا ہوں۔

دور حاضر:۔

دور کا اطلاق عموماً ایک ایسے عرصے پر ہوتا ہے جس میں حالات تقریباً یکساں ہوں اور اس عرصے میں ایسا کوئی صنعتی، معاشی، زرعی یا اسلامی انقلاب نہ آیا ہو جس سے تمام دنیا اپنے اثرات مرتب کئے ہوں اور تمام حالات کو تبدیل کر دیا ہو۔ انقلاب کی صورت میں اس انقلاب کے نام سے نیا دور شروع ہو جاتا ہے اس تعریف کی روشنی میں دور حاضر کا اطلاق مغرب کے صنعتی انقلاب کے بعد سے اب تک کے دور تک ہوگا۔ مغربی ممالک کی اکثریت غیر مسلم ہے۔ اگرچہ عیسائیوں اور یہودیوں کو اہل کتاب ہونے کا دعویٰ ہے مگر کتابوں میں من مانی تحریف کر کے اب وہ قانون الٰہی پر نہیں بلکہ خود ساختہ قوانین پر عمل پیرا ہیں اور یہ بات مسلمہ ہے کہ قوانین الٰہی کے علاوہ کوئی بھی قانون انسان کی مجموعی بھلائی و بہتری کا ضامن نہیں ہو سکتا لہٰذا مغربی ممالک کے قوانین مغرب کی قوموں کے لئے تو بھلائی کا سامان ہیں مگر دیگر ممالک کے لئے ان مغربی ممالک کا قانون مستقل دردِ سر ہے۔ مغرب کی اس ترقی کی وجہ مسلم آئینی ہے اور اس آئین میں عدل و انصاف، اعلیٰ اخلاقی قدریں مثلاً صداقت امانت اور حقوق انسانی شامل ہیں۔ جب سے اس طرف سے توجہ ہٹنی شروع ہوئی ہے مغربی معاشرہ بھی چیخ چیخ کر بے چینی کا رونا رو رہا ہے اور تنزلی کا وقت آنا شروع ہو گیا ہے۔

مغرب کی ترقی اور صنعتی انقلاب ان کی علم دوستی کی وجہ سے ہے۔ اس علم دوستی کے پیچھے بھی تصویر کا دوسرا رخ ہے۔ وہ ان مغرب کے نام نہاد مصلحین اور حکمرانوں کی وہ علم دشمنی ہے جس کو تاریخ انسانی کا سب سے المناک حادثہ کہا جا سکتا ہے۔

کبھی مسلمانوں کے عروج کا وہ دور تھا جب مغرب کے لوگ قرطبہ، طلیطلہ اور بغداد کی یونیورسٹیوں میں فروزاں علم کی قندیلوں سے نور کی خیرات مانگنے آتے تھے۔ یہیں سے ہی قرآن کے اسباق تتفکران، تتدبرون، تعقلون یاد کئے اور پھر مغرب میں تدبر و تفکر اور تعقل کے وہ چراغ روشن کئے کہ آج دنیا ان کی چمک دمک سے حیران و ششدر ہے یہ یاد رہے کہ مغربی ترقی و علوم کی حد مادیات تک ہے اور مادیات سے آگے انسانی فلاح کے لئے آج بھی مغربی مفکر ہوں یا مغرب سے تعلق رکھنے والا عام چرواہا سب مشرق اور مسلمانوں کی طرف ہی دیکھتے ہیں۔ مسلمانوں کے پاس علم و حکمت کا مرکز و منبع دورِ رسالت ہے۔ جہاں قدیم و جدید دنیا کے فلسفہ کی موشگافیاں اور علم و فکر کے پر پیچ دلائل ختم ہو جائیں اور بے بس نظر آئیں وہاں محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے میخانہ حکمت سے ایک جام حاصل کرنے والا خرد کی ان سب گتھیوں کو سلجھا کر صاحب جنون ہونے کی دعا کرتا نظر آتا ہے۔

انتہا پسندی:۔

کسی شے کا اپنے بلند ترین مقام پر ہونا انتہا پسندی کہلاتا ہے اب دور حاضر میں انتہا پسندی اور بالخصوص مذہبی انتہا پسندی کو سمجھنا از حد دقت طلب ہے۔ مذہبی تناظر میں انتہا پسندی کا معنی کسی شخص کا اپنے مذہب سے بے پناہ محبت و تعلق ہے اور

دور رسالت کے زریں عہد میں مذہب سے بے لوث محبت اور جاں نثاری کے ایسے واقعات نظر آتے ہیں جن سے آج بھی ہم مذہب سے وفاداری کا سبق سیکھ سکتے ہیں۔

انتہا پسندی کو دقیق نظر سے دیکھیں تو ہمیں اس کے دو رخ نظر آئیں گے۔

اول: ایسی انتہا پسندی جس میں اپنی ذات تک یہ لازم ہو کہ اپنی جان سے بھی بڑھ کر مذہب سے محبت کرنی ہے اور اس کو کوئی بھی نقصان دہ نہیں جانتا بلکہ مستحسن اور پسندیدہ ہے۔ دور رسالت میں اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً میں کَآفَّۃً کے معنی پر حقیقی معنوں میں عمل کیا جاتا تھا اور ہر شخص اپنے مذہب سے بے پناہ اور بے لوث محبت کرتا تھا۔

دوم: انتہا پسندی کی وہ صورت کہ ایک شخص مذہب سے اس قدر شدید محبت کرے کہ زبردستی اوروں کو بھی ہمنوا بنانے کی کوشش کرے۔

دور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو ہمارے لئے ہر دور میں ہدایت ورہنمائی کا سب سے بڑا مرکز ہے اور رہے گا پر نظر ڈالیں تو ہمیں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی جو اس بات کو ثابت کرے کہ کسی پر مذہب کو لازم اور لاگو کر کیا گیا ہو۔ دور رسالت میں دعوت وتبلیغ واسلام کے ساتھ اخلاق وکردار نے اسلام کو فروغ دینے میں بہت مدد کی اور تلوار اٹھانے کی ضرورت پڑی تو صرف اپنے دفاع یا زیادہ سے زیادہ ظلم وفتنے کے خاتمے کے لئے۔

دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کی مذکورہ دونوں صورتیں بھی موجود ہیں اور اس کے ساتھ ایک اور صورت بھی موجود ہے اور اسے ہم اس طرح واضح کر سکتے ہیں کہ مذہب آج فرقہ در فرقہ ہوتے ہوئے بٹ گیا ہے اور ہر فرقہ اسلام کی بجائے اپنے خاص فرقہ سے جڑا نظر آتا ہے اور راہ اعتدال سے ہٹ کر بغیر سوچ کے تکفیر تک کی فتویٰ بازی عام ہوتی جا رہی ہے اور ہر فرقہ دوسرے فرقہ کے لوگوں کو کافر، مرتد اور واجب القتل قرار دیتا ہے اور مذہبی انتہا پسندی اور مذہب سے وفاداری کی آڑ میں انسان کی زندگی جیسی متاع عزیز تک چھین لی جاتی ہے اور یہی وہ انتہا پسندی ہے جو سم قاتل ہے اور عصر حاضر کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔

انتہا پسندی کا ایک مظاہرہ افغانستان میں طالبان حکومت کا تجربہ تھا اس کا حال ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں اور یقیناً ایک مسلم حکومت کا زوال اور خاتمہ تمام مسلمانوں کیلئے آزمائش کا لمحہ ہے اور اس بات میں ذرا شک نہیں کہ اس کی وجہ صرف انتہا پسندی تھی۔ مذہب کے نام پر بے جا پابندیوں کے حصار میں جکڑے ہوئے لوگ اس حصار سے آزادی چاہتے تھے۔

اس انتہا پسندی کے نقصانات کا اندازہ کرنا بہت مشکل ہے۔ انتہا پسندی کے سبب پیدا ہونے والی دہشت گردی کا عفریت پاکستان اور عالم اسلام بلکہ پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لینے کے لئے بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے اس بات کو بھی ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ دہشت گردی انتہا پسندی کی ایک صورت ہے تو یہ کیوں پیدا ہو رہی ہے؟

معاشرے میں وسائل کی غلط تقسیم، سہولتوں کی کمی اور غربت وجہالت انسان کو انتہا پسند بنانے والے حقیقی محرک ہیں۔ بھوک سے لاچار شخص اس پیٹ کے جہنم کو بجھانے کے خاطر چند ٹکوں کے عوض انتہا پسند بن کر معصوم لوگوں کا خون بہانے سے بھی گریز نہیں کرتا اور ساتھ ہی مذہب کا لیبل لگا کر اس جرم سے بری ہونے کی کوشش کرتا ہے اور یوں مذہب اور وطن کو بیچ دیتا ہے۔

اسلام کو ہر دور میں حسینی صفت لوگ ملے ہیں جن کے دم قدم سے اسلام کے گلشن میں بہار ہے اور چار سو خوشبوئیں بکھر رہی ہیں مگر بدقسمتی سے میر جعفر و میر صادق جیسے کردار بھی اس قوم کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ بنے ہیں اور یہ وطن اور ضمیر فروش لوگ ہی اسلام کو ہر دور میں ذلیل کرتے آئے ہیں اور آج انتہا پسندی کے اس دور میں میر صادق اور میر جعفر جیسے کردار ایسے روپ میں موجود ہیں کہ ہم انہیں پہچاننے میں غلطی کر جاتے ہیں۔ بقول کہ

رہزنوں سے تو بھاگ نکلا ہوں
اب مجھے رہبروں نے گھیرا ہے

رہبروں کی شکل میں راہزنی، چوکیدار کے روپ میں چور قانون کے محافظ ہونے کا دعویٰ کرنے والے سب سے بڑے قانون شکن، محراب و منبر کے وارث وہ لوگ جو اقبال علیہ الرحمۃ کی نظر میں ایسے زاغ ہیں جنہوں نے عقابوں کے نشیمن پر قبضہ کرلیا ہے، مسند تدریس پر قابض لوگ نفرتوں کا درس دیں اور مستقبل کے معماروں کی تربیت پر مقرر لوگ انہیں خاک بازی کا سبق دے کر گلا گھونٹ دیں تو ایسے حالات میں لا الہ کی صدائے دلنواز کہاں سے بلند ہو جو شبستان وجود کو لرزا کر رکھ دے۔ سادہ لوح مسلمان تو

لڑتے تو اللہ کے گھر میں ہیں پڑھیں کیسے نماز
قبلہ تو ایک ہے پر ایک نہیں قوم حجاز

اور

دین کے نام پر بھائی سے جدا بھائی ہے

کی تصویر بنے ہوئے ہیں۔

دور حاضر میں ایک طرف تو اس انتہا پسندی سے ہم فرقوں میں بٹ گئے ہیں۔ ساتھ ہی دور حاضر کے صنعتی انقلاب نے جو ثقافتی یلغار کر دی ہے اور جس طرح انتہا پسندی کو غلط معنوں میں پیش کر کے مذہب کو بدنام کیا جا رہا ہے اس کا تدارک لازمی ہے۔ دور حاضر کا ہر شخص پریشان ہے اور حل کے لئے کوشاں ہے یہ دانشوروں، فلسفیوں اور خشک واعظوں اور ملاؤں کے بس کی بات نہیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام ہی اس کو حل کر سکتے ہیں۔

تعلیمات نبوی:۔

سیرت نبوی سے مراد حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کے وہ پاکیزہ اسباق ہیں جن پر عمل کرتے عرب کے بدو علم و فن میں دنیا کے امام بن گئے۔

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے

ان کا نصاب ایک، درسگاہ ایک، معلم کامل ایک تھا اس معلم کائنات نے ارشاد فرمایا:

انمابعثت معلماً. انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق

سیرت نبوی اور تعلیمات نبوی ہی ہر دور کے مسائل کے حل کے لئے اسوۂ حسنہ ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی سب سے اہم صنعت جامعیت ہے۔

جامعیت کی یہ صورت ہے کہ ایک بے کس و بے سروسامان مہاجر کے لئے بھی تعلیمات نبوی میں عملی پہلو موجود ہے اور مدینہ منورہ کی ریاست کے حکمران کو دیکھ کر آج کے حکمران بھی انداز حکمرانی سیکھ سکتے ہیں۔اصحاب صفہ کی درسگاہ کے معلم کے انداز کو اپنانا ہی عالم کی معراج اور خطیب مسجد نبوی کو مشعل راہ بنانا ہی خطباء کے لئے صراط مستقیم ہے۔سیدنا فاطمہؓ کے بابا اور اماں حلیمہ سعدیہ کے رضاعی بیٹے کی زندگی ہی ہمارے لئے مشعل راہ اور نشان منزل ہے۔غرض ایک ادنیٰ سے فرد سے لے کر حکمران وقت تک ہر شخص اس مینار ہدایت سے بقدر ظرف اپنا حصہ لے سکتا ہے۔

تعلیمات نبوی کا پہلا اور کامل سبق **قولوا لاالہ الا اللّٰہ تفلحوا** تھا۔ جب الٰہیت کے لئے ایک خدا کا اقرار کرلیا جائے تو پھر تمام لوگ اس الہ واحد کے بندے بن کر فلاح و بہبود کے لئے یوں سرگرم ہوں گے کہ تخریبی سرگرمیوں اور کارروائیوں کی طرف مائل نہ ہوں گے۔

قرآن کریم ہمارے لئے ہدایت کے لئے نازل ہوا تعلیمات نبوی قرآن کریم نبی کی تشریح وتوضیح ہیں درسگاہ نبوت کا نصاب قرآن کریم ہی تھا۔اسباب نزول قرآن جاننے کے لئے غور وفکر کیا جائے تو واضح ہوگا کہ قرآن کے نزول کا مقصد اولیں ہدایت انسانی ہے دور حاضر کے عظیم مفسر حضرت ضیاء الامت پیر محمد کرم شاہ الازہری اپنی تفسیر کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

> ''قرآن تمہیں عظمت وعزت کی بلندیوں کی طرف آج بھی لے جاسکتا ہے بشرطیکہ تم اس کی قیادت قبول کرلو۔اے اپنی قسمت برگشتہ پر آہ وفغاں کرنے والے نوجوانو! دنیا کی امامت تمہاری متاع گم گشتہ ہے تمہیں یہ واپس مل سکتی ہے اگر تم میں اس کی واپسی کی تڑپ ہو''۔

اور قرآن کریم پر عمل تعلیمات نبوی کی روشنی میں ہی ممکن ہے۔انتہا پسندی کا خاتمہ بھی اسی طریقے سے ممکن ہے کہ وہی ریاست مدینہ کا ماحول پیدا کیا جائے۔حضور اکرم نے ہمیشہ اپنے جاں نثاروں کو اسلام پر ثابت قدم رہنے کے لئے تو کہا مگر اکراہ فی الدین کو کبھی پسند نہ کیا کیونکہ اسلام کی یہی خصوصیت ہے کہ اس میں جبر وتشدد نہیں۔

قابل غور نکتہ:۔

دور حاضر میں مسلکی بنیادوں پر لڑنے جھگڑنے اور مساجد کو میدان جنگ بنانے والے عقابوں کے زاغ صفت وارثوں کی پیدا کی گئی صورت حال اور مساجد، امام بارگاہوں پر فریق مخالف کی جانب سے مسلح مزاحمت کو کیا نام دیا جائے؟

کیا ہم اسے مذہبی انتہا پسندی کہہ کر مذہب کو بدنام کرتے رہیں یا پھر انتہا پسندی کی ایسی توضیح ذہن میں راسخ کرلیں کہ انتہا پسندی کے نقصانات کے ذمہ دار وہ لوگ ثابت نہ ہوسکیں جن کی زندگی کا مقصد ہی اپنے دین سے محبت اور اس کی ہر حال

میں حفاظت ہو۔

دوسری تجویز زیادہ آسان اور مسائل کے حل کیلئے مفید ہے۔

خلاصہ بحث:۔

اپنی بات ختم کرتے ہوئے دوررسالت کے آخری خطبہ "منشور انسانیت" کا صرف ایک جملہ پیش خدمت ہے "الا لافضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی"

یہ پیغام راسخ ہو جائے تو انتہا پسندی پر قابو پانا آسان ہے۔عرب وعجم مل کر اس پیغام کو عام کریں اور دعا کریں کہ

لوٹ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو

تا کہ وہ دور ہمایوں پھر مل جائے جب مذہبی انتہا پسندی کا وہ رخ تھا جو صحیح معنوں میں فلاح کا ضامن ہے۔

برنارڈ شا کی یہ بات بھی حقیقتاً سو فیصد درست ہے" مجھے یقین ہے اگر ایسی شخصیت دنیائے جدید کی حکمرانی قبول کر لے تو تمام مسائل اس انداز سے حل کرنے میں کامیاب ہو جائے گی کہ دنیا کو وہ سکون وامن میسر ہوگا جس کی از حد ضرورت ہے"

بقول پروفیسر محمد حسین آسی

اے امن پسندو آ جاؤ سرکار کے سایہ رحمت میں
اس چارہ گر ہستی کے سوا، انسان کا کوئی بھی چارہ نہیں

وماعلینا الاالبلاغ

دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اس کا خاتمہ تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

حافظ عبدالغفار

علمائے منطق کہتے ہیں کہ کسی چیز کے بارے میں جیسا تصور ہوتا ہے۔ اس پر ویسا ہی حکم لگایا جاتا ہے۔ کیونکہ کسی مجہول اور انجانی چیز پر کوئی حکم لگانا ممکن نہیں ہوتا۔ جس چیز کے بارے میں یہی معلوم نہ ہو کہ اس کی ماہیت کیا ہے؟ اس کی حقیقت کیا ہے۔ اس پر حکم کیسے لگایا جا سکتا ہے۔

لہٰذا سب سے پہلے ضروری ہے کہ یہ معلوم کیا جائے کہ مذہبی انتہا پسندی کیا مفہوم کیا ہے؟ اس کی حقیقت کیا ہے اور اس کے اسباب و علامات کیا ہیں۔

انتہا پسندی کا لغوی معنی و مفہوم:

عربی زبان میں انتہا پسندی کو "تطرف" کہا جاتا ہے۔ یہ تطرف یتطرف باب تفعل سے ہے۔

المنجد کے مطابق:

تطرف: جاوز حد الاعتدال

متطرف: ای جاوز الاعتدال فیہا[1]

انگریزی زبان میں انتہا پسندی کو "Extremism" کہتے ہیں۔ یہ لفظ "Extreme" سے نکلا ہے۔ جس کے معنی

۱۔ very great in degree

۲۔ Not ordinary or usual

Extremism کا معنی ہے۔

The religious or political ideas or action are extreme not normal

Extreme ہی سے لفظ "Extremist" نکلا ہے جس کے معنی ہیں۔

A person who's opinions especially about religion or politics are extreme

انتہا پسندی کے مترادف:

قرآن و حدیث میں انتہا پسندی کے مترادفات کے طور پر جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ ان میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں۔

غلوٗ تشدیدٗ افراطٗ تنطع

غلو:

غلا یغلوا غلوا زیادہ ہونا' بلند ہونا' حد سے گزرنا

قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ...... [۳]

ایاکم والغلوفی الدین...... [۴]

تشدید:

شدد، یشدد، تشدد باب تفصیل سے ہے۔اس کے معنی بہادر ہونا، قوی ہونا، بلند اور مضبوط ہونا اور کسی کام میں سختی کرنا کے ہیں۔

اَوَلَمْ یَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ قَدْ اَھْلَکَ مِنْ قَبْلِہٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ ھُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَکْثَرُ جَمْعًا [۵]

افراط:

افراط یفرط افراط حد سے بڑھنا'

......وَکَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا

رَبَّنَا اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ یَّفْرُطَ عَلَیْنَا اَوْ اَنْ یَّطْغٰی

تنطع:

تنطع یتنطع تنطع

حدیث نبویؐ:

مسلمانوں کو تنبیہ کرتے ہوئے حضور ﷺ نے فرمایا:

ھلک المنطعون [۵]

یہ الفاظ آپؐ نے تین مرتبہ فرمائے۔

مذہبی انتہا پسندی کا تاریخی جائزہ:

مذہبی انتہا پسندی کی تاریخ کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے تمام مذاہب کے پیروکاروں میں خواہ وہ الہامی مذاہب ہوں یا غیر الہامی ان میں انتہا پسندی موجود رہی ہے۔مثال کے طور پر حضرت نوح (علیہ السلام) کی قوم نے اپنے آباؤ اجداد وُد سواع' یعوق' یغوث اور نسر کی اس قدر تعظیم کی کہ انہیں معبودیت کے درجے پر فائز کر دیا۔قرآن مجید نے ان کے نقل۔

اس طرح بیان کیا ہے۔

وَقَالُوْ لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا۔[۹]

اسی طرح حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی قوم نے بچھڑے کو مقدس قرار دیا جب کہ یہود و نصاریٰ نے حضرت عزیر (علیہ السلام) اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو اللہ کا بیٹا قرار دیا۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرٰى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ[۱۰]

مذہبی انتہا پسندی کے ضمن میں جب ہم امت مسلمہ کا ذکر کرتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ امت میں اختلافات کی دو نوعیتیں ہیں۔

بقول مولانا یوسف لدھیانوی:

''امت مسلمہ میں دو طرح کے اختلافات ہوئے ہیں۔ پہلی قسم کا اختلاف اجتہادی مسائل ہیں صحابہ کرام و تابعین اور ائمہ مجتہدین کے درمیان ہوا۔ جبکہ دوسری قسم کا اختلاف نظریاتی اختلاف کہلاتا ہے۔

امت میں نظریاتی اختلافات کی ابتداء حضرت عثمان غنی (رضی اللہ عنہ) کے آخری دور حکومت میں ہوئی۔ اس کے بعد شیعہ سنی اختلافات شروع ہوئے۔''[۱۱]

مذہبی انتہا پسندی کے روگ میں سب سے پہلے خوارج مبتلا ہوئے۔ اس کے بعد کئی دوسرے فرقے معرض وجود میں آئے۔ مثلاً

فرقہ جہمیہ:

جو جہم بن صفوان م ۱۲۸ھ کی طرف منسوب ہے۔

مسلک ظاہریہ:

امام بن حزم داؤد ظاہری کی طرف منسوب ہے۔ ان کے علاوہ مسلک معتزلہ جبریہ اور قدریہ شامل ہیں۔

علماء کا کردار:

پچھلی صدیوں میں ہمارے علماء کا کیا حال رہا ہے؟ اسلاف میں لاتعداد ہستیوں نے تو فی الواقع اس دین کی غیر معمولی خدمات انجام دیں۔ جن کے اثرات پہلے بھی نفع بخش تھے اور آج بھی ہیں۔ مگر عام طور پر علماء کا ایک طبقہ جن مشاغل میں مشغول رہا وہ یہ تھا۔ کہ چھوٹے چھوٹے مسائل پر مناظرہ بازی کرنا' چھوٹے مسائل کو بڑے مسائل بنایا اور بڑے بڑے مسائل کو مسلمانوں کی نظروں سے اوجھل کر دیا۔ اختلافات کو مختلف فرقوں کی مستقل بنیاد بنایا اور فرقہ بندی کو جھگڑوں اور لڑائیوں کا اکھاڑہ بنا کر رکھ دیا۔ معقولات پڑھنے پڑھانے پر عمریں گزار دیں اور قرآن و حدیث سے نہ خود ذوق رکھا اور نہ لوگوں میں پیدا کیا۔ فقہ

میں اگر کوئی دلچسپی لی تو وہ صرف موشگافیوں اور جزئیات کی بحثوں تک لی۔ تفقہ فی الدین پیدا کرنے کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔

مذہبی انتہا پسندی اور بنیاد پرستی:

تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ اہل یورپ و امریکہ کی طرف سے انتہا پسندی کی جو اصطلاح مسلمانوں کے لئے استعمال کی جاتی ہے وہ بنیاد پرستی کی اصطلاح کی ایک جدید صورت ہے۔ بنیاد پرستی وہ قدیم تحریک ہے جس کی بنیاد عیسائی پروٹیسٹنٹ فرقہ نے ۱۹۰۰ء میں امریکہ میں رکھی۔ اس وقت کے امریکی عیسائی اس حوالہ سے بڑے معتقد تھے کہ حضرت مسیح (علیہ السلام کے مجسم ہو کر واپس آنے کا وقت ہو چکا ہے اور حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے آنے کے ایک ہزار سال پورے ہو چکے ہیں۔ اس مقصد کو عملی جامہ پہنانے کے لئے نیا گرا بائبل کانفرنس کا بمقام New Yark انعقاد کیا گیا۔

۱۹۰۲ء میں امریکن بائبل لیگ کا قیام عمل میں آیا اور اس کے لئے ۱۲ ابواب پر مشتمل ایک دستاویز تیار کی گئی۔ جس کا نام تھا۔ :The Fundamentalist

کچھ عرصہ بعد انہی افراد نے نیویارک اور فلاڈلفیا میں مختلف کانفرنسز کا انعقاد کیا۔ جس کے نتیجے میں ایک مضبوط مسیحی بنیاد پرست تحریک World's Christian Fundamentalist Association کا قیام عمل میں آیا۔[۱۲]

دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان

دور جدید بنیادی طور پر الحاد و کج روی، بدعت و ضلالت اور دین سے بے نیازی کا دور ہے۔ اس دور میں ایسی ضروریات دین اور تعلیمات اسلام کہ جن میں کبھی بھی دورائیں نہیں ہوئیں۔ انہیں بھی مشکوک قرار دینے کی شعوری کوششیں ہو رہی ہیں۔ اور عصر حاضر کی تمام ضلالتوں اور بدعتوں کو عین دین و امان باور کرایا جا رہا ہے۔ اس دور میں ہم مذہبی انتہا پسندی کے رجحان کا دو پہلوؤں سے جائزہ لیتے ہیں۔

۱۔ ملکی وقومی سطح پر ۲۔ بین الاقوامی سطح پر

۱۔ ملکی وقومی سطح پر:

یہ بات یقینی ہے کہ سطح چاہے ملکی ہو یا بین الاقوامی انتہا پسندی کا رجحان بغیر سبب کے یوں ہی پیدا نہیں ہو جاتا۔ بلکہ اس کے پیچھے چند اسباب و محرکات کارفرما ہوتے ہیں۔ ان میں چند ایک درج ذیل ہیں۔

فہم دین میں کمی:

دینی بے بصیرتی، دین کی حکمت اور مقاصد دین کے سلسلے میں بے بضاعتی اور دین کی روح سے دوری انتہا پسندی کو فروغ دینے کا بنیادی سبب ہے۔ دین کی مکمل بے خبری اور جہل مطلق سے انتہا پسندی پیدا نہیں ہوتی بلکہ اس سے تو اخلاقی گراوٹ اور شریعت سے آزادی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

فہم دین میں کمی سے مراد وہ کم علم لوگ ہیں جو ناقص علم کے باوجود اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ وہ بھی علماء کے زمرے میں شامل ہیں۔ حالانکہ دین کی بہت سی باتوں سے ناواقف ہوتے ہیں اور جو کچھ وہ جانتے ہیں وہ ادھر ادھر کی غیر مربوط باتیں ہوتی ہیں۔ ان کے علم میں گہرائی نہیں ہوتی۔ نہ وہ متشابہات اور ظنیات کو محکمات اور قطعیات کی روشنی میں سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور نہ ہی وہ جزئیات کو کلیات سے مربوط کر پاتے ہیں۔

بقول امام شاطبی:

''وہ مذموم اختلاف جو امت مسلمہ کو الگ الگ گروہوں میں تقسیم کر دیتا ہے اور ان کے درمیان اختلاف کی خلیج کو وسیع کر دیتا ہے۔ اس کا پہلا سبب یہ ہے کہ جب آدمی اپنے بارے میں یہ خیال کرنے لگتا ہے یا لوگ اس کے بارے میں خیال کرتے ہیں کہ وہ عالم اور مجتہد ہے۔ حالانکہ وہ اس درجہ پر نہیں ہوتا اور پھر اس کے مطابق عمل کرنے لگتا ہے۔ اپنی رائے اور اختلاف کو اہمیت دینے لگتا ہے۔ تو پھر یہ اختلاف کبھی دین کے جزوی اور فروعی مسائل میں ہوتے ہیں اور کبھی اصولی اور کلی امور میں ہوتے ہیں۔'' [۱۳]

قرآن فہمی میں کمی:

قرآن کریم کے فہم میں کمی بھی انتہا پسندانہ رجحانات کے فروغ میں اہمیت کی حامل ہے۔ یہ وہ بنیادی سبب ہے۔ جو غلو اور انحراف کا سبب بنتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ لوگ محکمات کو چھوڑ متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔ حالانکہ راسخین علم کا یہ شیوہ نہیں ہوتا: بلکہ یہ تو ان لوگوں کا ہوتا ہے جن کے دلوں میں ٹیڑھ ہوتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے۔

فَيَتَّبِعُوْنَ مَاتَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَاوِيْلِهٖ [۱۴]

اختلاف رائے میں افراط وتفریط

سلف صالحین کے درمیان مذہبی معاملات میں اختلافات موجود تھے۔ مگر ان میں اختلاف رائے افتراق و انتشار اور انتہا پسندی میں تبدیل نہیں ہوا۔ اور ان کے دلوں کے اتحاد و اتفاق میں کوئی چیز رخنہ انداز نہ ہو سکی۔ جبکہ عصر حاضر میں امر' مباح' مندوب اور واجب پر ہمارے اختلافات نے جو شدت اختیار کی ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ فرقہ بندی کی صورت میں نکلا ہے۔

فرقہ بندی:

دور حاضر میں فروعی اور اجتہادی مسائل میں اس قدر مبالغہ آمیزی اور شدت پیدا ہوگئی ہے کہ مسائل میں یہ اختلافات باقاعدہ فرقہ بندی کی صورت میں سامنے آئے۔ آج ملک پاکستان میں بھی فروعی اور اجتہادی اختلافات شیعہ سنی' وہابی دیوبندی' حنفی اہلحدیث اختلافات باقاعدہ فرقوں کی صورت میں موجود ہیں۔

بقول مودودیؒ:

''فرقہ پرستی یہ ہے کہ فروع کے اختلاف کو اہمیت ذیکر اصولی اختلاف بنا دیا جائے اور پھر اس میں اتنا غلو کیا جائے کہ اس پر ایک گروہ بن جائے اور ہر گروہ اپنے مسلک کو بمنزلہ دین قرار دے اور اس پر اسقدر انتہا پسندانہ طرز عمل اختیار کرے کہ دوسرے گروہوں کی تذلیل و تکفیر کرنے لگے۔ اپنی نمازیں اور مسجد الگ کر لے۔ حتیٰ کہ دین کے تمام امور میں بھی دوسروں کے ساتھ اس کا تعاون ناممکن ہو جائے۔''[۵۱]

فروعات سے دلچسپی اور اہم مسائل سے غفلت

شریعت اسلامی میں عقائد اور بنیادی تعلیمات اصل کی حیثیت رکھتی ہیں جبکہ کچھ آداب زندگی اور اعمال و معاملات فرع کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آج لوگ ان فروعی مسائل کو بنیاد بنا کر ایک دوسرے سے الجھے ہوئے ہیں اور اپنا سارا زور اور وقت ان چھوٹی چھوٹی باتوں کو تسلیم کروانے پر لگا دیتے ہیں۔ مثلاً چھوٹی بڑی داڑھی رکھنے پر' درود و سلام کے اونچا اور آہستہ پڑھنے پر' نماز میں ہاتھ اوپر اور نیچے باندھنے پر اور رفع یدین کے کرنے یا نہ کرنے پر جبکہ امت مسلمہ کو دور جدید میں درپیش چیلنجوں کی طرف بہت کم غور و فکر کرتے ہیں۔

مخلصانہ دعوت دین کا نہ ہونا:

ملکی و قومی سطح پر انتہا پسندی کے رجحانات کے فروغ پانے کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ملک کے اندر جو افراد یا جماعتیں دعوت دین کا کام کر رہی ہیں وہ مخلصانہ اور خالص طریقے سے نہیں کر رہیں۔ ہر جماعت یا فرد اپنے مسلک اور اپنے نظریات و افکار کی دعوت دیتا ہے اور قرآن و سنت کو صرف اپنے مسلک و نظریات کے دفاع کے طور پر استعمال کرتا ہے۔ یہی وہ بنیادی سبب ہے کہ جس کی وجہ سے ملک میں انتہا پسندی فروغ پاتی ہے اور ملک میں متشدد گروپ پیدا ہوتے ہیں جو ایک دوسرے کے افراد و علماء کو قتل و غارت کی بھینٹ چڑھا دیتے ہیں۔

مناظرانہ لٹریچر:

انتہا پسندی کے رجحانات کو فروغ دینے کا ایک سبب مناظرانہ طرز کے لٹریچر کی اشاعت ہے۔ کیونکہ ایسا لٹریچر اولاً تو چند مخصوص موضوعات پر ہوتا ہے۔ ثانیاً اس کے اندر وہ تمام برائیاں موجود ہوتی ہیں۔ جو دلوں کو انسانوں کے قریب کرنے کی بجائے دور کرنے والی ہیں۔

عوامی جہالت:

جہالت اور ناخواندگی بھی ایک بنیادی سبب ہے۔ عوام کی کثیر تعداد ان پڑھ اور ناخواندہ ہے۔ جس کی وجہ سے وہ دین کا

درست شعور نہیں رکھتی۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ کسی کام کو دین سمجھ کے کرتی ہے تو اس پر وہ شدت اختیار کرتی ہے۔ اسی جہالت کی بنیاد پر پیشہ ور علماء نے مذہبی اختلافات میں غلو اور انتہا پسندی سے کام لیا۔ تا کہ ان کو روزگار میسر رہے۔ اور جاہل عوام اپنے مذہبی اور روحانی جذبات کو ان کے "ولولہ انگیز" خطابات سے تسکین دیتے رہیں۔

حکومت کا منفی رویہ:

بعض اوقات حکومت کا منفی رویہ بھی انتہا پسندی کا سبب بنتا ہے۔ حکومت کی قوم کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی، خواہشات کی پیروی، راسخ العقیدہ مسلمانوں کو تنگ کرنا، مذہبی اجتماعات پر پابندی لگانا اور مدارس پر چھاپے ڈلوانا بھی وہ عوامل ہیں جو مذہبی انتہا پسندی کو فروغ دیتے ہیں۔

بین الاقوامی سطح پر مذہبی انتہا پسندی کا رجحان

دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان جو اقوام عالم میں پایا جاتا ہے۔ اس کے چند ایک اسباب مندرجہ ذیل ہیں۔

طریقہ تبلیغ کی غلطی:

بین الاقوامی سطح پر اسلام کی تبلیغ کا درست طریقہ نہ اپنانا بھی مذہبی انتہا پسندی کے رجحان کا باعث بنتا ہے۔

بقول مولانا اصلاحیؒ:

"ہمارے مبلغوں اور مصنفوں نے اسلام کو مسلمانوں اور دنیا کے دوسرے ادیان کے درمیان ایک حریف کی حیثیت سے پیش کیا اور اس کی سچائی ثابت کرنے کے لئے دوسری آسمانی کتابوں کی تعلیمات کا مذاق اڑایا۔ آنحضرت ﷺ اور دوسرے انبیاءؑ کا مقابلہ کر کے دوسرے انبیاء کو کمتر ثابت کرنے کی کوشش کی گئی۔ حالانکہ قرآن مجید میں اس طرح کی مطلق ترجیح و تفصیل کی صریح ممانعت ہے اور یہ تعلیم دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہر پیغمبر کو کسی نہ کسی پہلو سے فضیلت دی ہے۔ اس غلطی کا ارتکاب حرف عام واعظوں اور مبلغوں ہی نے نہیں کیا بلکہ ہمارے ان بڑے بڑے مصنفین اور مولفین نے بھی کیا۔ جن کی کتابیں مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں کے لئے اسلام کے سمجھنے کا واحد ذریعہ تھیں۔"[۲۹]

امت مسلمہ کے خلاف کھلی جارحیت:

دور حاضر میں عالم اسلام میں جو مذہبی انتہا پسندی کا جو رجحان پایا جاتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی اور اہم وجہ غیر مسلم طاقتوں اور بالخصوص امریکہ کی مسلمانوں کے خلاف کھلی جارحیت ہے۔ پوری اسلامی دنیا کو مشرق و مغرب اور شمال و جنوب سے خفیہ اور اعلانیہ جارحیت کا سامنا ہے۔ فلسطین، کشمیر، چیچنیا، بوسنیا، افغانستان اور عراق وہ مقامات ہیں جہاں مسلمانوں پر ظلم وستم جاری ہے۔

دور حاضر میں غیر مسلم طاقتوں نے ہر اس مسلم ملک، تنظیم اور فرد کو انتہا پسند قرار دینا شروع کر دیا ہے جو اسلام کے اصولوں پر کار بند ہے۔ اور یہی بے اصولی اور ناانصافی مسلم دنیا میں مذہبی انتہا پسندی کا سبب ہے۔

تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں مذہبی انتہا پسندی کے رجحان کا خاتمہ

نبی مکرم ﷺ کی حیات مبارکہ کا ہر گوشہ اسوہ حسنہ اور نمونہ عمل ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ (عزوجل) کا ارشاد ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب:۲۱)

گویا اسی اسوہ حسنہ پر عمل پیرا ہو کر ہی ہم دنیا میں امن و آشتی کا قیام عمل میں لا سکتے ہیں۔ اگر ہم اخوت بھائی چارہ، رواداری اور امن و آشتی کے حوالے سے نبی کریم ﷺ کی سیرت مطہرہ پر نظر ڈالیں تو واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی تمام زندگی امن سلامتی اور اتحاد و اتفاق کی کوششوں اور جہد مسلسل سے بھرپور ہے اور ایسا کیوں نہ ہو کہ آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔ وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الانبیا:۱۰۷)

داعی اعظم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے جو دین حق ہمیں دیا ہے۔ وہ ایک مکمل نظام حیات ہے۔ اسلام دین اعتدال ہے۔ یعنی ہر چیز میں اعتدال تصور و عقائد میں، عبادات و معاملات میں اور قانون سازی میں۔ نیز اس کے دین اعتدال ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس کے لغوی معنی ہی امن و سلامتی اور تسلیم و رضا کے ہیں۔ اسی لئے قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ[۷]

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ[۸]

وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ[۹]

اسلام انتہا پسندی سے خبردار کرتا ہے اور ہر معاملہ میں میانہ روی اور اعتدال کی تلقین کرتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ[۱۰]

فرمان نبوی ﷺ ہے کہ

ایاکم والغلوا فی الدین فانما ھلک من قبلکم بالغلو فی الدین[۱۱]

ایک دوسرے مقام پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔

لا تشددا علی انفسکم، فیشدد علیکم فان قوماً شددو اعلی انفسھم، فشدد علیھم

اسلام دین یسر ہے:

اللہ تعالیٰ (جل جلالہ) ارشاد فرماتا ہے۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ[۱۲]

نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ کو یمن روانہ فرمایا تو یہ نصیحت کی۔ "یسروا ولا

تعسروا بشروا ولا تنفروا"[۲۴]

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

"ان الدین یسر ولن یشاد الدین احد الاغلبه فسددوا وقار بوا والبشروا"[۲۵]

ایک صحیح حدیث میں آیا ہے۔ "اَن الله یحب الرفق فی الامر کله"[۲۶]

عبادات و معاملات میں اعتدال:

رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو دین داری کے سلسلے میں ہر ایسے رویہ سے منع کیا ہے جس میں غلو اور انتہا پسندی کی طرف رجحان پایا جاتا ہو۔ صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم) میں سے جن لوگوں نے عبادات و زھد کے معاملہ میں مبالغہ کا وہ طریقہ اپنایا۔ جو اسلام کی راہ اعتدال سے موافقت نہیں رکھتا تھا تو آپ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے صحابہ کرام کی نکیر فرمائی۔ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ (رضی اللہ عنہا) سے مروی ہے۔

ان اناساً من اصحاب رسول الله ﷺ سالوا ازواج النبی ﷺ عن عمله فی السر فکانهم تقالوها. فقال بعضهم لا اکل اللحم بعضهم لا انام علی فراش فبلغ ذالک النبی ﷺ فقال مابال اقوام یقول احد هم کذاکذا ولکنی اصوم وافطر وانام واقوم واکل اللحم واتزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی.[۲۷]

افراد معاشرہ کی روزمرہ زندگی کے معاملات کے متعلق آپ ﷺ کے متعدد فرامین ہیں۔ جن میں سے چند یہ ہیں۔

۱. المسلم اخو المسلم لایظلمه ولا یخذله ولا یحقره.[۲۸]

۲. المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویدیه.[۲۹]

۳. لاتقاطعوا ولا تدابروا ولا تباغضوا ولاتحاسدوا و کونو عبادالله اخوانا ولا یحل لمسلم ان یهجراخاه فوق ثلث.[۳۰]

۴. لاتدخلون الجنة حتی تومنوا ولا تومنوا حتی تحابوا اولا ادلکم علی شیءٍ اذا فعلتموه تحاببتم افشوا السلام بینکم.[۳۱]

غیر مسلموں سے برتاؤ:

تعلیمات نبوی ﷺ غیر مسلموں سے اچھا برتاؤ کرنے اور ان سے ہمدردی اور رواداری سے پیش آنے کا درس دیتی ہے۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ[۳۲]

وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ[۳۳]

وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ[۳۴]

ایک دفعہ ایک شخص بطور مہمان نبی کریمؐ کے پاس آیا۔ آپ نے اسے کھانا کھلایا اور رات بسر کرنے کے لئے کمرہ بھی دیا۔ کیونکہ وہ شخص بدنیتی اور دشمنی کے ساتھ آیا تھا۔ اس لئے علی الصبح کمرے میں بستر پر غلاظت کر کے قبل اس کے کہ لوگ بیدار ہوں۔ اٹھ کر چلا گیا۔ صبح آپؐ وہاں آئے۔ غلاظت دیکھی تو اس کو اپنے ہاتھ سے دھویا اور بستر کو پانی سے صاف کیا۔ وہ شخص کمرہ میں اپنی تلوار بھول گیا تھا۔ جب وہ تلوار لینے واپس آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ آپ اس بستر کو اپنے ہاتھوں سے دھو رہے ہیں۔ آپ نے بجائے اس کو دھمکانے اور ڈرانے کے فرمایا کہ تم اپنی تلوار بھول گئے تھے۔ تلوار یہ رکھی ہے۔ لے لو۔ اس سلوک کے نتیجے میں وہ بے ساختہ پکار اٹھا۔ "**اشھدان لا الہ الا اللہ واشھدان محمد رسول اللہ**"

ایک بار یہودیوں کی ایک جماعت رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا کہ "**السام علیکم**" یعنی تم کو موت آئے۔ حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) سمجھ گئیں اور فرمایا۔ "**وعلیکم السام واللعن**" یعنی تم کو موت آئے اور تم پر لعنت ہو۔ آپ ﷺ نے سن کر فرمایا کہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) ٹھہر جاؤ۔ خدا تمام کاموں میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔[۳۶]

خیبر کی فتح کے بعد جب رسول اللہ ﷺ مطمئن اور یکسر ہو چکے تو زینت بنت حارث نامی عورت نے آپ کے لئے بھنی ہوئی بکری کا ہدیہ بھیجا۔ جو زہر آلود تھا۔ آپؐ نے گوشت کا ایک ٹکڑا چبایا لیکن نگلنے کے بجائے تھوک دیا۔ پھر فرمایا کہ یہ ہڈی مجھے بتلا رہی ہے کہ اس میں زہر ملایا گیا ہے۔ اس کے بعد آپ نے زینب کو بلایا تو اس نے اقرار کر لیا۔ جس پر آپ ﷺ نے اسے معاف کر دیا۔[۳۷]

دنیا نے پہلی جنگ عظیم کے بعد (WARSAW PACT) کی صورت میں فاتح اور مفتوح کا معاملہ دیکھا ہے اور دوسری جنگ عظیم کے بعد بھی۔ لیکن اس کے برعکس داعی اعظم حضرت محمد ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر اپنے جانی دشمنوں کے ساتھ جو حسن سلوک کیا۔ تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آپؐ نے اس موقع پر فرمایا۔

لاتثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم الطلقاء[۳۸]

غیر مسلموں سے برتاؤ کے ضمن میں جب ہم عہد نبویؐ کے غزوات وفتوحات کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں قتل و غارت نہ ہونے کے برابر ہوئی ہے اور یہی بات اسلام کے انسان دوست مذہب ہونے کا ثبوت ہے۔

ڈاکٹر حمید اللہ (مرحوم) کی تحقیق کے مطابق ۲ ھ سے ۹ ھ کے غزوات و سرایا میں ۱۲۴۰ افراد بھی ان جنگوں میں نہیں مرے۔ اس مجموعی تعداد میں مسلمانوں کے شہداء کی تعداد دشمن کے مقتولین سے بھی کم تھی۔[۳۹]

یہ تعلیمات نبویؐ ہی کا اثر تھا کہ انسانی روح کو وہم، خرافات، بندگی وغلامی، فساد و تعفن اور گندگی اور تارکی سے نجات ملی اور معاشرہ انسانی کو ظلم وطغیان، پراگندگی و بربادی، طبقاتی امتیازات، حکام کے استبداد اور کاہنوں کے رسوا کن تسلط سے چھٹکارا ملا اور دنیا کو عفت و نظافت، ایجادات و تعمیر، آزادی وتجدد، معرفت و یقین، وثوق و ایمان، عدالت و کرامت اور عمل کی بنیادوں پر زندگی کی بالیدگی، حیات کی ترقی اور حقدار کی حق رسائی کے لئے تعمیر ہوئی۔

آج دنیا امن وسلامتی چاہتی ہے۔ وہ محبت واخوت، رواداری اور صلح و آشتی کی تلاش میں ہے۔ اگر ہم تعلیمات نبویؐ کی

روشنی میں تعصب و تنگ نظری' نفرت وعداوت' ظلم وتشدد اور عدم برداشت کے رویوں کا جڑ سے خاتمہ کردیں تو دنیا سے مذہبی انتہا پسندی کے رجحان کا خاتمہ یقینی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ لویس معلوف المنجد' معجم' ایڈیشن ۵۳' المکتبہ الشرقیہ بیروت لبنان

۲۔ Oxford advanced Learner's Dictionary Sixth edition Published by OXFORD UNIVERSITY PRESS

۳۔ سورۃ المائدہ ۷۷

۴۔ ابن ماجہ' السنن' کتاب المناسک' باب قدر حصی الرمی

۵۔ سورۃ القصص' ۷۸

۶۔ سورۃ الکھف، ۲۸

۷۔ سورۃ طٰہٰ، ۴۵

۸۔

۹۔ سورۃ نوح، ۲۳

۱۰۔ سورۃ التوبۃ، ۳۰

۱۱۔ محمد یوسف لدھیانوی' اختلاف امت اور صراط مستقیم' مکتبہ مدینہ لاہور

۱۲۔ محمد الیاس' مرزا' بنیادی پرستی اور تہذیبی کشمکش' حرا پبلیکیشنز لاہور

۱۳۔ امام شاطبیؒ الاعتصام

۱۴۔ سورۃ ال عمران، ۷

۱۵ مودودی' ابوالاعلیٰ' سید' رسائل ومسائل' ج ۱' ص ۹۹' اسلامک پبلیکیشنز لاہور

۱۶۔ امین احسن اصلاحی' مولانا دعوت دین اور اسکا طریقہ کار' ص ۱۶' فاران فاؤنڈیشن لاہور

۱۷۔ سورۃ البقرہ، ۲۵۶

۱۸۔ سورۃ الحج، ۷۸

۱۹۔ سورۃ یونس، ۲۵

۲۰۔ سورۃ النساء، ۱۷۱

۲۱۔ ابن ماجہ' السنن' کتاب المناسک' باب قدر حصی الرمی

۲۲۔ ابی داؤد' السنن' کتاب الادب' باب فی الحسد

۲۳۔ سورۃ البقرۃ، ۱۵۸

۲۴۔

۲۵۔ بخاری' الجامع الصحیح ' کتاب الایمان' الدین یسر

۲۶۔ بخاری' الجامع الصحیح ' کتاب الاستیدان' باب کیف الرداھل الزمۃ بالسلام

۲۷۔ یوسف القرضاوی' ڈاکٹر' الصحوۃ الاسلامیۃ بین الجود والتطرف کا اردو ترجمہ اسلامی بیداری افکار اور انتہا پسندی کے نرغے میں' مترجم سلمان ندوی' مکتبہ تعمیر انسانیت' لاہور' ص ۱۸

۲۸۔ المسلم' الصحیح ' کتاب البر والصلہ والادب' باب تحریم ظلم المسلم وخذلہ واحتقارہ ودمہ وعرضہ ومالہ

۲۹۔ بخاری، الجامع الصحیح ، کتاب الایمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدیہ

۳۰۔ بخاری' الجامع الصحیح ' کتاب الادب' باب نہی عن التحاسد والتدابر

۳۱۔ المسلم الصحیح ' کتاب الایمان' باب لا یدخل الجنۃ الا المومنون وان محبۃ المومنین من الایمان وان افشاء السلام سبب لحصولھا

۳۲۔ سورۃ الانعام، ۱۰۸

۳۳۔ سورۃ الانفال، ۶۱

۳۴۔ سورۃ التوبۃ ۶۰

۳۵۔ حمید اللہ' ڈاکٹر' خطبات بہاولپور' ص ۳۱۲' مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی' اسلام آباد

۳۶۔ عبدالسلام بستوی' اسلامی خطبات' ج ۲' ص ۹۱' المکتبہ السلفیہ' لاہور

۳۷۔ صفی الرحمٰن' مبارکپوری' الرحیق المختوم' ج ۵۱۱/ المکتبہ السلفیہ' لاہور

۳۸۔ محمد طاہر محمود اشرفی' حافظ' رواداری سیرت طیبہ کی روشنی میں' ص ۳۳' عمر پبلیکیشنز' لاہور

۳۹۔ حمید اللہ' ڈاکٹر' خطبات بہاولپور' ص ۲۳۸' مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی' اسلام آباد

دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اس کا خاتمہ تعلیمات نبویؐ کی روشنی میں

بابر سلیمان لاہور

لفظ انتہا پسندی دو زبانوں عربی اور فارسی سے اردو میں آیا ہے۔ انتہا عربی زبان کا لفظ ہے اور پسند فارسی زبان سے آیا ہے جس کا مصدر پسندید ہے اور یہ دونوں الفاظ جو اپنا لغوی معنی رکھتے ہیں انہی معنوں میں یہ مستعمل بھی ہیں گویا ان کا لغوی اور اصطلاحی معنی ایک ہی ہیں۔ اس لئے انتہا پسندی کا عمومی مفہوم سمجھنا اتنا مشکل نہیں۔ آیئے پہلے ہم انتہا پسندی کے عمومی معنی پر غور کرتے ہیں۔ اس بات کو سمجھنے کے لئے اس چیز پر غور کریں کہ جو چیز عام حالات میں بھی اگر اہم ہو تو مخصوص حالات میں تو اس کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ یہ ہر اہم چیز کا ایک معین اصول ہے گو ہر اصول کی کچھ متشبہات بھی ہوتی ہیں اور یہی متشبہات ہی کسی قانون اور اصول کو ثابت کرتی ہیں۔ ایک انگلش کا مشہور مقولہ ہے۔

Excess of every thing is bad.

یہ مقولہ اپنے اندر بڑی معنوی اور نظریاتی گہرائی رکھتا ہے اگر آپ تمام کائنات کی چیزوں پر غور کریں تو آپ پر یہ راز افشاء ہوگا کہ کوئی چیز بھی بذات خود بری یا اچھی نہیں ہے بلکہ ہر چیز میں زیادتی یا کمی بری چیز ہے۔ ایک بہت ہی آسان فہم مثال لیجئے محنت کے ساتھ پڑھ لکھ کر ایک بڑا آدمی بننا بہت ہی اچھا اور صحت مندانہ معقول رصیہ ہے مگر کوئی شخص کسی امتحان کی تیاری میں اتنا غرق ہو جائے کہ اس کو اپنے کھانے پینے سونے کا بھی دھیان نہ رہے تو ایسا شخص امتحان کے دن ہوسکتا ہے کہ بیمار پڑ جائے اور امتحان نہ دے سکے۔ اب ایک شخص کی تیاری بھی پوری ہو اور وہ امتحان میں ٹاپ کرنے کی پوری اہلیت اور پوزیشن کا حامل بھی ہو مگر وہ اس سب کے باوجود بیمار پڑ جانے کی وجہ سے امتحان نہ دے سکے تو شاید اس کرب کا اندازہ اس شخص کے علاوہ کوئی دوسرا نہیں کر سکتا جس نے یہ کرب جھیلا ہے۔ اب ذرا غور کریں کہ ایسا کیوں ہوا۔ پڑھنا، لکھنا، محنت کرنا تو سب اچھی باتیں ہیں تو یہ شخص امتحان کیوں نہیں دے سکا۔ اگر آپ غور کریں تو یہ بات بالکل روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ ایسا صرف اور صرف انتہا پسندی کی وجہ سے ہوا۔ اس شخص نے پڑھنے لکھنے میں اتنی انتہا پسندی کا مظاہرہ کیا کہ ایک اچھا بھلا نظام تعطل کا شکار ہو گیا۔ اب اس سوچ سے کسی کو بھی اختلاف نہیں کہ امتحان میں محنت اولین شرط ہے مگر اتنے صحت مند رویے میں بھی جب انتہا پسندی کا رویہ شامل ہوا تو وہ بھی ناپسندیدہ اور شدید کرب کا حامل رویہ بن گیا۔ اس مثال سے انتہا پسندی کی عمومی نوعیت کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ اب آیئے اس بنیادی اور مرکزی نقطے کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں جو تمام اقسام کی انتہا پسندی کا بنیادی سبب ہے۔ جب اس نقطے پر غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ نظریاتی انتہا پسندی وہ واحد اور بنیادی انتہا پسندی ہے جس کی وجہ سے تمام قسم کی انتہا پسندیاں جنم لیتی ہیں۔

اگر ایک شخص کے شعور وفکر کو آپ انتہا پسند بنا دیتے ہیں تو اس شخص کا ہر قول وفعل انتہا پسندی ہی کا غماز ہوگا۔ اس لئے کہ تمام انسانوں کو جو چیز عمل کرواتی ہے وہ ان کا شعور یا نظریہ ہی ہے اب اگر شخص نظریاتی طور پر انتہا پسند ہے تو پھر اس شخص کا ہر رویہ انتہا پسند ہی ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ انسانیت کو جو سب سے زیادہ نقصان ہوا ہے اس کا سبب نظریاتی انتہا پسندی ہی تھا اگر ہم تاریخ کی ورق گردانی کریں تو یہ بات بخوبی معلوم ہوگی کہ انسانوں کو سب سے زیادہ خصوصاً پچھلی صدی میں جن دو نظریات نے متاثر کیا ہے وہ سوشلزم اور کمیونزم ہیں۔ آئیے اب ذرا دونوں نظریات کا مختصراً جائزہ لیتے ہیں تا کہ اس بات کو سمجھنے میں آسانی ہو کہ نظریاتی انتہا پسندی انسانیت کے لئے کتنا بڑا اسم قاتل ہے۔

کمیونزم اور انتہا پسندی:

کمیونزم کی تاریخ اور جبر کو سمجھنے کے لئے ویسے تو اس کا سارا پس منظر مدنظر رکھنا بڑی ضروری ہے مگر چونکہ ہمارے موضوع سے یہ تفصیل خارج ہے اس لئے اس کی تفصیل کی گنجائش نہ تو دامن وقت میں ہے نہ ہمارے مکالے کے دامن میں اس لئے سب سے بہتر اس تفصیل کا اجمال کچھ یوں ہے۔ کمیونزم کی تاریخ پر جتنی کتب بھی لکھی گئی ہیں ان کے مواد کا مجموعی خاکہ کچھ یوں ہے۔

اس نظام کا بنیادی اصول ''بے قید معیشت'' ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ صنعت وتجارت اور کسب معاش کے تمام طریقے اور معاشیات کا پورا نظام ہر قسم کے سرکاری قانون اور مذہبی پابندیوں سے کامل طور پر آزاد ہونے چاہئیں۔ حکومت اور مذہب کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی فرد کے معاشی اور اقتصادی نظام میں کسی قسم کی مداخلت کرے۔ اب اس تعریف پر غور کریں تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس نظام کا ایک ایک لفظ نظریاتی انتہاء پسندی کا مظہر ہے۔ اب اس نظریاتی انتہا پسندی نے کمیونزم کی شکل میں انسانیت پر کیا کیا ظلم توڑے ہیں ان کا اندازہ بخوبی ان اثرات کے جائزے سے ہوسکتا ہے جو کمیونزم نے انسانیت پر چھوڑے ہیں۔

''کمیونزم کی انتہا پسندی کے خوفناک اثرات''

i. مذہب کو نظام سیاست ومعیشت سے خالی ہاتھ کر کے گرجاؤں، مسجدوں اور خانقاہوں میں گوشہ نشین کر دیا جاتا ہے تا کہ وہ ناجائز ذخیرہ اندوزی میں رکاوٹ نہ بن سکے۔

ii. اس نظام میں تجارت وصنعت اور دولت کی گردش سود، سٹہ، قمار اور آڑھت کی بنیادوں پر ہوتی ہے۔ ان چاروں چیزوں کے منطقی نتیجہ کے طور پر پورے ملک کے وسائل پیداوار اور دولت کے تمام خزانے چند ساہو کاروں اور سرمایہ داروں کے ہاتھ میں سمٹ کر جمع ہو جاتے ہیں۔

iii. بڑے سرمایہ دار چھوٹے چھوٹے تاجروں کو اس قابل ہی نہیں چھوڑتے کہ وہ اپنے کاروبار کو ترقی دے سکیں یا باقی رکھ

سکیں۔

iv غریب کی غربت اور سرمایہ دار کی دولت روز بروز بڑھتی چلی جاتی ہے اور متوسط طبقہ روز بروز کم اور بے دست و پا ہوتا چلا جاتا ہے۔ معیار زندگی اتنا بلند ہو جاتا ہے کہ متوسط طبقہ کے لوگ اس کا ساتھ دینے پر مجبور ہونے کے باوجود اس کا ساتھ نہیں دے سکتے جن سے ان گنت معاشرتی الجھنیں پیدا ہو کر معاشرے کو گھن لگ جاتا ہے۔

v گھریلو صنعتوں اور دستکاریوں سے تیار ہونے والا مال ملوں کی پیداوار کا مقابلہ نہیں کر پاتا۔ اس کے سامنے گھریلو صنعتیں اور دستکاریاں دم توڑ دیتی ہیں اور دستکار چھوڑ کر مزدوری یا ملازمت کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

ان نکات کو بغور دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ کیمونزم کی انتہا پسندی نے انسانیت پر کیا کیا ظلم توڑے۔ اب آپ سمجھ سکتے ہیں کہ نظریاتی انتہا پسندی انسانیت کے لئے کتنا بڑا سم قاتل ہے۔ اب انتہا پسندی کے اہم معین اور مقرر اصول پر بھی غور کیجئے۔ تاریخ انسانی اس بات پر شاید عادل ہے کہ جب بھی کوئی انتہا پسندی روا رکھی گئی تو اس انتہا پسندی نے اپنے ساتھ بالکل متضاد انتہا پسندی کو ضرور وجود بخشا اور یہ عمل انتہا پسندی کے ظلم و جبر کے پیہم کو مسلسل بنا دیتا ہے جو ایک بہت ہی گھناؤنی صورت حال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کیمونزم کے خلاف جو نعرہ بلند ہوا وہ سوشلزم تھا اور یہ نظریہ کوئی راہ نجات نہیں تھا بلکہ ظلم و جبر اور استحصال کی اتنی گھناؤنی صورت تھی جتنا کہ کیمونزم اس نظریے نے انتہا پسندی کی صورت میں انسانیت پر کچھ اس قسم کے ظلم توڑے۔ سوشلزم کے لغوی معنی ''اجماعیت'' اور اصلاحی معنی ''اشراکیت'' ہیں۔ یہ لفظ انفرادیت کی ضد ہے۔ انفرادیت کا حاصل یہ تھا کہ فرد ہی سب کچھ ہے جماعت کچھ نہیں لہٰذا حکومت کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ فرد کے معاشی معاملات میں دخل اندازی کرے۔

سوشلزم کے اثرات:

سیاسی میدان میں انتہاء پسندی: جب سیاسی اصلاح کی تحریک شروع ہوئی تو انفرادیت کا علاج کسی معقول نظام کے بجائے ''مطلق العنان نظام'' کو قرار دیا گیا جس کے نتیجہ میں بادشاہوں نے مرکزی حکومتیں ہی قائم نہیں کیں بلکہ وہ خدائی اختیارات بھی استعمال کرنے لگے۔ انہوں نے مذہب کو بھی اپنے حکم کا پابند بنا لیا ہے۔ حیرت ہے کہ اس زمانے کے مفکرین اور فلاسفر بھی اس مطلق العنان شہنشاہی کا گیت گا رہے ہیں۔

مذہبی میدان میں انتہاء پسندی: یہی انتہا پسندی مذہب کے معاملے میں کارفرما رہی کہ قرون وسطیٰ میں پوپ اور پادری صرف پیشوا ہی نہیں تھے بلکہ ''مذہب سازی'' کے اختیارات بھی خود ہی استعمال کر رہے تھے۔ وہ پیسے لے کر جن گنہگاروں کی چاہیں ''مغفرت'' کر دیتے اور جن پر غضب متوجہ ہو جائے انہیں زندہ جلا دیتے تھے۔ اس طرح یورپ ایک خدا کی بجائے سینکڑوں خداؤں کا پجاری بنا ہوا تھا۔ مذہبی تنگ نظری اس حد تک بنی ہوئی تھی کہ انہیں عقل کی ہر بات مذہب دشمن نظر آتی تھی۔

معاشی میدان میں انتہا پسندی: یورپ کے مفکرین نے جن افراط و تفریط کو اختیار کیا اس کی سزا سب سے زیادہ

غریب عوام کو بھگتنی پڑی جو نجات کی امید لے کر ان داناؤں کے پیچھے چل کھڑے ہوئے تھے۔ یہ بیچارے جاگیرداروں کی چکی سے نکلے تو سرمایہ داری کے جال میں پھنسے اور اس سے نکلنے کی کوشش کی تو سوشلزم نے انہیں دبوچ لیا۔

اس تفصیل سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ انتہا پسندی بظاہر اپنے وجود میں ایک انتہا پسندی نظر آتی ہے مگر وہ کئی دوسری انتہا پسندیوں کو پروان چڑھاتی ہے۔ اس تفصیل کو بیان کرنے سے مقصد صرف یہ تھا کہ نظریاتی انتہا پسندی کے اتنے عمیق اور دوررس نتائج کا تاریخ میں اتنا خوفناک مظاہرہ ہو چکا ہے۔

اب آیئے اصل موضوع ''مذہبی انتہا پسندی'' کی طرف اگر آپ مندرجہ بالا پس منظر کو سامنے رکھیں تو اس بات کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ مذہبی انتہا پسندی کتنی گھناؤنی اور خوفناک انتہا پسندی ہے بلکہ اگر آپ غور کریں تو یہ بات کہنے میں کوئی مبالغہ نہیں ہوگا کہ تاریخ انسانی نے مذہبی انتہا پسندی سے زیادہ خوفناک اور گھناؤنی انتہا پسندی کا کبھی سامنا نہیں کیا۔ اس بات کو سمجھنے کے لئے ہمیں تاریخ میں مذہبی انتہا پسندی کی ابتداء کو تلاش کرنا ہوگا کہ وہ کون سے طرز ہائے فکر تھے جو مذہبی انتہا پسندی کا سبب بنے مگر اس سے پہلے ہم مذہبی انتہا پسندی کی ایک جامع تعریف پیش کرنا چاہیں گے جو کچھ یوں ہے۔

مذہبی انتہا پسندی کی جامع تعریف:

عقائد اور ارکان دین میں افراط و تفریط مذہبی انتہا پسندی کی تاریخ اور اس کے پس منظر کا جائزہ لیتے ہیں۔ اس بات کو سمجھنے کے لئے از بس ضروری ہوگا کہ ہم انسانی زندگی، نظریات و جذبات پر مذہب کے اثر کے جائزہ لیں تو ہم پر یہ حقیقت آشکار ہوگی کہ انسانی نظریات و جذبات پر سب سے زیادہ جس چیز نے اثر چھوڑا ہے وہ صرف اور صرف مذہب ہے۔ مذہب خواہ غلط ہی کیوں نہ ہو اپنے اندر شدید جذباتی اور نظریاتی اثر رکھتا ہے کہ کبھی بھی تاریخ انسانی اس کے اثر سے بالا نہیں رہی۔ اس کے لئے اگر ہم مذہب پر لکھے جانے والے لٹریچر کو بغور دیکھیں تو یہ حقیقت ہم پر بخوبی آشکار ہو جائے گی۔ آج کا جدید شخص بڑے منطقی انداز میں مذہب پر یہ اعتراض کرتا ہے کہ مذہب کی کوئی ضرورت نہیں یہ ایک پرانی دقیانوسی چیز ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ انسان کی آج کے دور کی سب سے بنیادی ضروریات بھی مذہب ہی پورا کرتا ہے۔ آج تک صدیوں سے جس سوال نے انسان کو بے چین رکھا ہے وہ یہ سوال ہے کہ ''میں کون ہوں اور کہاں سے آیا ہوں؟'' اس سوال پر اگر گہرائی سے غور کیا جائے تو یہ ایک سوال نہیں ہے بلکہ کئی سوالات کا مجموعہ ہے۔ اگر آپ غور کریں تو آپ محسوس کریں گے کہ کسی بھی انسان کی زندگی میں اس سے بڑا کوئی واقعہ نہیں کہ وہ اس دنیا میں بغیر اپنے ارادے کے آ گیا اور اس سے بھی زیادہ عجیب واقعہ یہ ہے کہ پھر ہم بغیر اپنے ارادے کے نہ چاہتے ہوئے اس دنیا سے چلے جاتے ہیں۔ آخر کون ہے جو ان زندگی کے دو اتنے بڑے واقعات کا محرک ہے۔ آپ فلسفے کی تاریخ کو کھنگالیں تو پتہ چلے گا کہ تمام فلسفی اس بات پر متفق ہیں کہ انسان کبھی ناممکن کی خواہش نہیں کرتا، انسان کی کوئی بھی خواہش ایسی نہیں ہے جو ناممکن یا غیر فطری ہو۔ اب اگر آپ غور کریں تو انسانوں کی چند بنیادی فطری خواہشات کو چند ایک بنیادی سوالات

کی صورت میں بیان کیا جا سکتا ہے۔

i انسان اپنی زندگی کو لازوال بنانے کی خواہش رکھتا ہے مگر ایسا اس دنیا میں ممکن نہیں۔

ii انسان اپنی زندگی میں اپنی تمام خواہشات پوری کرنا چاہتا ہے مگر ایسا ممکن نہیں۔

iii انسان ہمیشہ جوان اور توانا رہنا چاہتا ہے ایسا بھی ممکن نہیں۔

iv انسان اپنے چاہنے والوں سے جدا نہیں ہونا چاہتا مگر موت سب سے جدا کر دیتی ہے۔

اب تمام فلاسفر کہتے ہیں کہ انسان غیر فطری اور ناممکن کی خواہش نہیں کرتا مگر یہ تمام انسان کی عین فطری اور ممکن خواہشات ہیں مگر یہ سب خواہشات اب دنیا میں ممکن نہیں اور ان سوالات کا جواب کوئی جدید علم فزکس، کیمسٹری، بیالوجی، فلسفہ، نفسیات، منطق مل کر بھی نہیں دے سکتے۔ اب عقل اور انسان کے فطری تقاضے یہ تقاضا کرتے ہیں کہ کوئی ایسا علم کوئی ایسا نظریہ ہو جانا چاہئے جو ان فطری اور عقلی سوالات کا جواب دے اور وہ جواب صرف اور صرف مذہب دے سکتا ہے۔

یہ ہے مذہب کا فطری اور نظریاتی پہلو اب ذرا مذہب کا جذباتی پہلو بھی ملاحظہ ہو۔ جب کسی شخص کی ماں، بیوی، بہنیں، دوست، باپ کوئی بھی پیارا اس دنیا سے جدا ہوتا ہے تو ہر بیٹے، بھائی، خاوند کی یہ کتنی شدید خواہش ہوتی ہے کہ میرا مرنے والا عزیز آگے کس دنیا میں جانے والا ہے۔ اس کے ساتھ کیا حالات پیش آنے والے ہیں۔ ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر سوچیں یہ وقتی جدائی برداشت سے باہر ہے۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ بس موت کے بعد انسان ختم ہو جاتا ہے تو سوچئے اس انسان کو کوئی بھی تسلی دینے کے لئے انسان کے پاس کوئی لفظ ہے۔ بلکہ ہمیشہ کے لئے ایک نا ختم ہونے والا غم ہے کرب ہے دکھ ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ ساتھ رہنے والا انسان ہمیشہ کے لئے بچھڑ گیا اب کبھی نہیں ملے گا بلکہ مٹی میں مل کر مٹی ہو جائے گا۔

سچی بات یہ ہے کہ اگر مذہب کو بالکل نظر انداز کر دیا جائے تو اتنے فطری جذبوں کی کوئی تسکین نہیں ہے۔ اب آپ سمجھ سکتے ہیں کہ مذہب کا انسانی جذبات اور نظریات پر کتنا اثر ہے۔ یہی وجہ اگر آپ تاریخ اریان کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا آثار قدیمہ میں جتنی بھی نوادرات نکلیں وہاں سے مندر مساجد یا بت نکلے۔ یہ کتنا بڑا مذہب کا انسانی فطرت سے جذباتی اور نظریاتی رشتہ ہونے کا پتہ دیتا ہے یعنی انسانیت کبھی بھی مذہب کی گرفت سے خالی نہیں رہی۔ اب اس بات کو سمجھنا ذرا بھی مشکل نہیں ہوگا کہ مذہب کی طرف سے جو بھی حکم آئے گا بہر حال وہ اپنی ایک خاص قسم کی اہمیت سے جڑا ہوا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ تمام انسان خواہ کسی بھی دور کے ہوں اور کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں وہ اپنے مذہب کے مسلمہ عقائد کو ضرور مانتے ہیں یہی وجہ ہے کہ بت کو ماننے والا لاکھوں سال پہلے بھی بت کا پجاری تھا اور آج سن 2004ء میں بھی جو شخص (High Qualified) ہے مگر ہندو ہے تو وہ آج بھی بت کا پجاری ہے یعنی آج جو ساری جدید ترقی علم وفنون ٹیکنالوجی سے ہوئی یہ بھی مذہب کے اس جذباتی رشتے کو نہیں توڑ سکی بلکہ اس جذبے کے سامنے سارے فلسفے، منطق، فزکس، کیمسٹری، بیالوجی دھری کی دھری رہ گئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مذہب کی اس گہری گرفت اور ضرورت کو مغربی اور ہندو فلاسفر بھی مانتے ہیں۔ مگ یونیورسٹی کے پروفیسر مائیکل بریچر (Michal Blecher) نے پنڈت لال نہرو کی سیاسی سوانح حیات لکھی ہے۔ نئی دہلی کی ایک ملاقات میں 13 جون 1956ء کو انہوں نے

پنڈت جواہرلال نہرو سے سوال کیا آپ مختصر طور پر مجھے بتائیں کہ آپ کے نزدیک اچھے سماج کے لئے کیا چیزیں ضروری ہیں اور آپ کا بنیادی فلسفہ زندگی کیا ہے؟

ہندوستان کے سابق وزیراعظم نے جواب دیا''میں کچھ معیاروں کا قائل ہوں آپ ان کو اخلاقی معیار کہہ لیجئے یہ معیار ہر فرد اور سماجی گروہ کے لئے ضروری ہیں اگر وہ باقی نہ رہے تو تمام مادی ترقی کے باوجود آپ کسی مفید نتیجے تک نہیں پہنچ سکتے۔ ان معیاروں کو کیسے قائم رکھا جائے یہ مجھے نہیں معلوم ایک تو مذہبی نقطہ نظر ہے لیکن یہ تمام رسوم اور طریقوں کے ساتھ مجھے تنگ نظر آتا ہے۔ میں اخلاقی اور روحانی قدروں کو مذہب سے علیحدہ رکھ کر بڑی اہمیت دیتا ہوں لیکن میں نہیں جانتا کہ ان کو ماڈرن زندگی میں کس طرح قائم رکھا جاسکتا ہے۔ یہ ایک مسئلہ ہے۔

Nehrau: A Political Biography.

آیئے اب ذرا اس سلسلے میں مغربی ماہرین کی آرا کا جائزہ لیتے ہیں۔

ماہر سر ہنری مین (Sir Henry Maine) لکھتے ہیں:

''تحریری طور پر منقط قانون کا کوئی ایسا نظام چین سے پیرو (Peru) تک ہمیں نہیں ملتا جو اپنے دور آغاز سے ہی مذہبی رسوم وعبادات کے ساتھ ہم رشتہ نہ رہا ہو۔ Early Law and Custom (p.5)

ایک دوسرے مفکر ڈاکٹر مرائد مین کے الفاظ میں ہم اعتراف کرلیں کہ:

''ان مختلف کوششوں کا جائزہ لیا جائے تو یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ انصاف کے حقیقی معیار کو معین کرنے کے لئے مذہب کی رہنمائی حاصل کرنے کے سوا دوسری ہر کوشش بے قاعدہ ہوگی اور انصاف کے مثالی تصور کو عملی طور پر متشکل کرنے کے لئے مذہب کی دی ہوئی اساس بالکل منفرد طور پر حقیقی اور پائیدار ہے۔''

Legal Theory, P.450

اب ان سب آراء کو مدنظر رکھئے تو صاف طور پر یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ انسان کا فطری، جذباتی اور منطقی طور پر سب سے گہرا رشتہ مذہب سے رہا ہے اس کی ایک بنیادی وجہ یہ ہے کہ انسان کی فطری اور نفسیاتی ساخت ہی ایسی ہے کہ انسان اپنے سے اعلیٰ اور برتر ہستی کے سامنے جھکنا پسند کرتا ہے اور اسی کے حکم کو بغیر کسی تامل کے قبول بھی کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی بھی مذہب ہو۔ اس کی بنیاد ہمیشہ غیر معمولی ہستی سے منسلک ہوتی ہے۔ اب اس پس منظر کو سامنے رکھ کر ذرا برابر شک بھی اس بات کے سمجھنے میں نہیں رہتا کہ جو نعرہ مذہب کی بنیاد پر لگایا جائے گا وہ نہایت اہم ہوگا اور وہ نعرہ مذہبی انتہا پسندی پر مبنی ہوگا تو کتنا خطرناک ہوگا اس سے ہم یہ دعویٰ کرنے میں بالکل حق بجانب ہیں کہ تاریخ انسانی میں اس سے گھناؤنی اور خوفناک انتہا پسندی مذہبی انتہا پسندی ہے۔ آیئے اب ذرا دیکھتے ہیں انتہا پسندی کی ابتداء کہاں سے ہوئی اور اس نے انسانی دنیا پر کیا کیا ظلم ڈھائے۔ اس کی بہترین مثال عیسائی مذہب میں اپنائی جانے والی انتہا پسندی کے ضمن میں ملتی ہے۔ اگر غور کریں تو عیسائیت میں شرک کا عنصر جو آیا ہے تو اس کا سبب صرف مذہبی انتہا پسندی ہے۔

عیسائی مذہب نے حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریم کی محبت میں اتنا غلو کیا کہ ان کو خدا کا شریک ٹھہرا دیا۔ حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا قرار دے دیا، کچھ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کی محبت میں کیا۔ اب یہ کتنی غور طلب بات ہے کہ نبی سے محبت کسی بھی الہامی کتاب میں مذہب کی بنیادی شرط ہے مگر کتنی عجیب بات ہے محبت جب انتہا پسندی کا شکار ہو جائے تو شرک بن جاتی ہے۔ تاریخ انسانی میں ہر مذہبی انتہاء پسندی کی ابتداء ہے جیسے جیسے یہ انتہا پسندی آگے بڑھی اس نے انسانیت پر رونگٹے کھڑے کر دینے والے ظلم توڑے۔ اس انتہا پسندی نے عیسائیوں راہبوں کے نزدیک جسم کشی کو سب سے بڑا اخلاق کا معیار بتایا تھا اور یہ تصور دو سو سال تک قائم رہا۔ اس کی تفصیل ''تاریخ اخلاق یورپ'' میں کچھ یوں درج ہے۔ سینٹ میکریس اسکندری کی بابت مشہور ہے کہ وہ چھ ماہ تک برابر ایک دلدل میں سویا کئے تا کہ ان کے جسم کو زہریلی مکھیاں ڈسیں نیز یہ کہ یہ ہمیشہ ایک من لوہے کا وزن اپنے اوپر لادے رہتے تھے۔ ان کے مرید سینٹ یولیس تقریباً دو من لوہے کا وزن اپنے اوپر لادے رہتے تھے اور تین سال تک ایک خشک کنویں کے اندر مقیم رہے۔ ایک مشہور راہب یوحنا کے متعلق منقول ہے کہ وہ مسلسل تین سال تک کھڑے ہوئے عبادت کرتے رہے۔ ایک مدت میں ایک لمحہ کے لئے بھی نہ بیٹھے نہ لیٹے جب بہت تھک جاتے تو چٹان پر جسم کو سہارا دے لیتے۔ بعض زاہد لباس کسی قسم کا نہیں استعمال کرتے تھے، ستر پوشی کا کام اپنے جسم کے بڑے بالوں سے لیتے تھے اور چوپایوں کی طرح ہاتھ پیر کے بل چلتے تھے۔ راہبوں کے مسکن علی العموم اس وقت مکانات نہیں ہوتے تھے بلکہ وحشی درندوں کے غار کنویں یا قبرستان ہوتے تھے۔ اہل زہد کا طائفہ گھاس کھاتا تھا۔ جسم کی طہارت، روح کی پاکیزگی کے منافی سمجھی جاتی تھی اور جو زاہد مرتبہ زہد میں جتنی زیادہ ترقی کرتے جاتے تھے اسی قدر مجسمہ عفونت و غلاظت ہوتے، اینٹ اتھینیس نہایت فخر سے بیان کرتا ہے کہ سینٹ انٹونی سنی بھی مدت العمر اپنے پیر دھونے کے عصیاں کا مرتکب نہیں ہوا۔ سینٹ ابراہام نے پچاس سالہ مسیحی زندگی میں اپنے چہرہ یا پیر پر پانی کی چھینٹ نہ پڑنے دی۔ راہب الیگزینڈر بڑے تاسف اور فخر سے فرماتے ہیں کہ ایک وہ زمانہ تھا جب ہمارے الطاف منہ دھونا حرام جانتے تھے اور ایک ہم لوگ ہیں کہ حمام جایا کرتے ہیں۔ راہب معلموں کا بھیس بدل کر پھرتے تھے اور بچوں کو پھسلا پھسلا کر اپنے حلقہ میں شامل کرتے تھے۔ والدین کا اپنی اولاد پر کوئی اختیار نہیں رہ گیا تھا جو اولاد انہیں چھوڑ کر تارک الدنیا ہو جاتی تھی اس کے پبلک میں ہر طرف واہ واہ ہوتی تھی۔ پہلے جو اثر و اقتدار بزرگ خاندان یا والد کو حاصل ہوتا تھا وہ اب پادریوں اور راہبوں کی طرف منتقل ہو گیا۔ پادری دیہات سے لڑکوں کا اغواء کرتے تھے۔ ہنٹ ایمپروز میں اس قسم کی اغواء کی قوت اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ اسے دیکھ کر مائیں اپنے اپنے بچوں کو گھر کے اندر بند کر دیتی تھیں۔ اس انتہا پسندی کا نتیجہ یہ کہ جتنے مکرمات مردانگی و جوانمردی سے متعلق ہیں وہ سب مل کر معیوب قرار پائے۔ زندہ دلی، خوش طبعی صاف گوئی، فیاضی، شجاعت، جرأت کہ عابدان مرتاض کبھی ان کے قریب بھی ہو کر نہیں گزرے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ ہوا کہ خانگی زندگی کی بنیادیں متزلزل ہو گئیں اور دلوں سے اعزا کا احترام و ادب کافور ہو گیا۔ اس زمانہ میں ماں باپ کے ساتھ احسان فراموشی اور اعزاء کے ساتھ قساوت قلبی کی جس کثرت سے نظریں ملتی ہیں ان کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ یہ زاہدان صحرا اور عابدان مرتاض اپنی ماؤں کی دل شکنی کرتے ہیں۔ بیویوں کے حقوق کی پامالی کرتے تھے اور اپنی اولاد کو یہ دغا دیتے تھے کہ انہیں بے ولی و وارث دوسروں کے ٹکڑوں کے رحم پر چھوڑ دیتے تھے۔

ان تفاصیل سے بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے کہ مذہبی انتہا پسندی انسانی زندگی کے لئے کتنا بڑا سم قاتل ہے۔ اب آگے ذرا اسلامی تاریخ میں مذہبی انتہا پسندی کے جائزہ لیتے ہیں۔ میری ناقص رائے میں اسلامی تاریخ میں مذہبی انتہا پسندی کی ابتداء فاروق اعظم کے دور میں ہو گئی تھی جس کا شکار خود فاروق اعظم ہوئے اور ان کے بعد حضرت عثمانؓ کو بھی شہید کر دیا گیا مگر منظم طریقے سے اپنے اہداف کو طے کر کے ان کی ابتداء حضرت علیؓ کے دور میں ہوئی جس کا بانی ایک یہودی عبداللہ ابن صبا تھا۔ اس شخص نے اسلام کو جو نقصان پہنچایا اور جو فریب کاری لگائی ہے اس کی شدت آج تک محسوس ہو رہی ہے اور یہ بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ اسلام کے خلاف اس سے زیادہ منظم اور خطرناک سازش نہ ہوئی اور شاید نہ کبھی ہوگی۔ اس شخص نے خلافت ابوبکرؓ کے بعد ہی یہ نعرہ لگایا تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے افضل حضرت علیؓ ہیں لہٰذا خلافت کے حق دار وہ ہیں۔ اس کی اس سازش کو ابوبکرؓ وعمرؓ کے دور میں تعراتی پذیرائی نہ ملی مگر حضرت عثمانؓ کے دور میں اس کی اس سازش نے زور پکڑنا شروع کیا اور آخر کار اس کے کارندے جن کو تاریخ میں بلوائی کہا گیا نے حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا۔ اب آپ غور کریں جس سازش کا شکار حضرت عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ ہوئے وہ اتنی منتظم اور کامیاب کیسے ہوئی اگر ہم تاریخ کی ورق گردانی کریں تو ہم پر بخوبی یہ راز آشکار ہوگا کہ اس کے پیچھے بھی صرف اور صرف مذہبی انتہاء پسندی کا عنصر شامل تھا۔ اس سازش کے بانی عبداللہ ابن صبا نے جو نعرہ لگایا تھا اس نعرے کے پیچھے آنے والوں میں تمام مسلمان بھی شامل ہو گئے تھے۔ اس نے حضرت علیؓ کا جھوٹ موٹ محبت کا دم بھرا اور کہا کہ حضرت علیؓ مظلوم ہیں اور ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ ظالم ہیں انہوں نے علیؓ سے خلافت غصب کی ہیں لہٰذا اس کو ختم کرنا چاہئے تاکہ حضرت علیؓ کو خلیفہ بنایا جائے۔ اس شخص نے یہ انتہا پسندی کا نعرہ بالکل مذہبی رنگ میں لگایا اور اس کام کے کرنے والوں کو اجر کی بشارتیں بھی سنائیں اور آخر یہ مذہبی انتہا پسندی کا نعرہ کامیاب ہوا اور مسلمان اپنے تین عظیم خلفاء سے محروم ہو گئے۔ یہ ہے مذہبی انتہا پسندی کی تاریخ ابتداء۔ اب آیئے ذرا اپنے عہد کی مذہبی انتہا پسندی پر غور کریں یہ انتہا پسندی کستاں کستاں اپنے تدریجی مراحل طے کرتی ہے اور حقیقت یہی ہے کہ انسانیت کو جس قسم کی مذہبی انتہا پسندی کا آج سامنا ہے اس سے پہلے کبھی بھی نہ تھا۔ اس کا جائزہ لینے کے لئے مذہبی انتہا پسندی کی آج مروجہ شکلوں کو دیکھنا ہوگا۔ اس بات کو سمجھنے کے لئے ہم مذہبی انتہا پسندی کو ان اقسام میں تقسیم کر لیتے ہیں۔

- i- مذہبی انتہا پسندی اور عبادات
- ii- مذہبی انتہا پسندی اور مسالک
- iii- مذہبی انتہا پسندی اور دہشت گردی
- iv- مذہبی انتہا پسندی اور جہاد

اب دیکھیں عبادات جو کسی بھی مذہب کا ایک عظیم شعار ہے مگر ان میں بھی جب انتہا پسندی کا عنصر شامل ہو جائے تو وہ بھی فراخات بن جاتی ہے۔ مثال کے طور پر شب قدر مسلمانوں کے نزدیک بہت مبارک رات ہے مگر بہر حال اس رات نفل پڑھنا، تلاوت کرنا، نعتیں پڑھنا وغیرہ سب نفلی کام ہیں مگر ان کا اہتمام کس انتہا پسندی سے کیا جاتا ہے وہ سب جانتے ہیں۔ لوگ

سارا سال فرض نماز تو نہیں پڑھتے مگر نفل پڑھنے میں رات بھر گزار دیتے ہیں۔ اس پر طرہ یہ کہ صبح فجر کی نماز نیند کی نظر ہو جاتی ہے جو کہ فرض ہے دوسری طرف خود علماء حضرات ساری رات لاؤڈ سپیکر پر نعتیں پڑھتے ہیں اور تقاریر کرتے ہیں اور آس پاس کوئی بیمار یا طالب علم ہے اس کا کوئی خیال نہیں رکھا جاتا۔ بات یہاں تک ہی ہوتی تو خیر تھی مگر یہی انتہا پسندی کا عنصر عبادت سے نکل کر مسالک میں داخل ہوتا ہے اور پھر دہشت گردی اور خود ساختہ جہاد کی شکل میں رونما ہوتا ہے۔ یہی لوگ اپنے مسالک میں اتنی انتہا پسندی کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ دوسرے مسلک کے لوگوں کو کافر سمجھتے ہیں اور اپنے اختلافات مل بیٹھ کر ختم کرنے کے بجائے لوگوں کو اسلام سے ہی خارج کر دیتے ہیں اور پھر جب ایک شخص کافر ہو گیا تو اس کو مارنا تو خود بخود جائز ہو گیا۔ ظلم یہ ہے کہ ہر شخص خود کو حق کا علمبردار اور حق پر اپنی اجارہ داری سمجھتا ہے۔ اس لئے وہ دوسرے فریق کی بات بھی سننا گوارہ نہیں کرتا۔ یہ مذہبی انتہا پسندی کی ایک انتہائی خطرناک شکل ہے۔ اب اس انتہا پسندی کا یہ خطرناک پہلو بھی ذرا ملاحظہ ہو۔ ہر شخص اپنے تئیں جو بات ٹھیک سمجھتا ہے اس کو وہی بات ٹھیک لگتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں اپنی بات پر اتنا یقین محکم ہوتا ہے کہ ہم دوسرے کی بات سننا بھی گوارہ نہیں کرتے اور ان کو اپنی بات ہر حالت میں منوانا چاہتے ہیں اور جب وہ شخص ہمارے نظریے کا قائل نہیں ہوتا تو ہم اس کو راستے سے ہٹانا ہی مسئلے کا حل سمجھتے ہیں۔ اب اس فکر کی گہرائی میں اتر کر دیکھیں تو روز روزن کی طرح یہ بات سامنے آئے گی کہ اس رویے کے پیچھے جو چیز کارفرما ہے وہ صرف اور صرف مذہبی انتہا پسندی ہے اب آپ اس بات پر غور کریں کہ اصل معمہ کیا ہے تو آپ پر یہ حقیقت آشکار ہوگی کہ اصل میں مذہبی رہنماؤں نے اصل اسلام کی روح کو بڑی بری طرح مسخ کیا ہے۔ ان لوگوں نے جس چیز کو بھی اپنے مفادات میں شامل سمجھا ان کو دین بتایا اور اس پر طرہ یہ کہ ان کو ہی سارا دین بتایا۔ ان لوگوں نے ایسی ایسی نامعقول باتوں کو دین بتایا جن کا دین سے دور کا بھی تعلق نہیں تھا اور ان کو اتنا اہم بتایا جیسا انسان ان پر عمل نہ کرنے سے کافر ہو جائے گا مثلاً ٹخنے ڈھانپنے کو علماء کا ایک بڑا طبقہ حرام سمجھتا ہے اور اس کو تکبر کی وجہ بتلایا جاتا ہے حالانکہ اگر ٹخنے ننگے کرنے کے حکم کا اصل پس منظر سامنے ہو تو ٹخنے ڈھانپنے کی نوعیت بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ دراصل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں بڑے بڑے امیر لوگ Status symbol کے طور پر اپنے کاندھوں پر اتنی بڑی اور انمول چادریں اوڑھتے تھے کہ وہ پیچھے زمین پر گھسٹتی تھیں جس سے مقصود صرف یہ ہوتا تھا کہ لوگوں کو اپنی دولت کا تاثر دکھایا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سٹیٹس سمبل کو توڑ کر اس شعور اور تکبر پر چوٹ لگائی جو اس انداز فکر کے پیچھے کارفرما تھا چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ حکم دیا کہ میرے ماننے والو جو تہمد پہنے تو اس کو ٹخنوں سے اوپر رکھے تا کہ یہ تکبر اور طبقاتی علامت بالکل ختم ہو جائے۔ اب آج یہ چیز بالکل بھی سٹیٹس سمبل نہیں ہے بلکہ آج تو منرل واٹر اور موبائل فون وغیرہ سٹیٹس سمبل ہیں۔ اب اس دور کے کلچر کے طبقاتی نشان کو آج کے دور میں تکبر کی علامت دینا انتہائی بے وقوفی ہے مگر ہمارے علماء کرام اس چیز کو اس کا اب کم از کم دین سے کوئی تعلق نہیں رہا نماز روزے کی طرح فرض بناتے ہیں جس کی تفصیل ''ٹخنے ڈھانپنے کا عذاب'' نامی کتاب میں دیکھی جا سکتی ہے۔ اب آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ہماری قوم کس قسم کی انتہا پسندی کا شکار ہے۔ بالکل اسی طرح اپنے موقف کو سارا دین ثابت کرنے کے لئے ایسی مبالغہ آرائی کی جاتی ہے جس کی کوئی انتہا نہیں اور یہ صرف اس وجہ سے ہوا کہ ان لوگوں نے اس اہم بات کو نظر انداز کر دیا جو

سارے دین کی روح ہے وہ بات ہے۔ ''حال کا امر'' اگر یہ اصول نظر انداز کر دیا جائے تو سارا دین بے ہودگی اور مسخرا پن بن جاتا ہے۔ اب یہ کیا اصول ہے؟ تو اس کی تشریح راسخین فی العلم نے یوں کی ہے۔ ہر بندہ مومن کو ہر وقت یہ بات سامنے رکھنی ہوگی کہ اس کی طرف اللہ کا کونسا حکم کس وقت متوجہ ہے یعنی ان کو یہ دیکھنا ہوگا کہ اس وقت اگر نماز کا وقت ہے تو ایک شخص مسجد میں بیٹھا قرآن کی تلاوت کر رہا ہے تو اس شخص کے ذمہ یہ بات فرض ہے کہ وہ تلاوت چھوڑ کر نماز میں شامل ہو جائے حالانکہ عبادت تلاوت بھی ہے اور نماز بھی مگر دیکھنا یہ ہے کہ اس وقت میری طرف کونسا حکم متوجہ ہے۔ بالکل اسی طرح ایک شخص کی بیوی، ماں، بہن کوئی گھر میں بیمار ہے اور نماز کا وقت ہو گیا۔ اب نماز فرض ہے اور مسجد میں جماعت کے ساتھ جا کر پڑھنا واجب ہے مگر گھر میں اس بیمار کی عیادت کے لئے کوئی دوسرا نہیں ہے اور خطرہ ہے کہ اس شخص کے جانے سے یا تو بیمار کی بیماری بڑھ سکتی ہے یا موت واقع ہو سکتی ہے تو تمام فقہا کرام اس پر متفق ہیں کہ جس طرح عام حالات میں اس شخص کا مسجد جا کر نماز پڑھنا واجب ہے بالکل اسی طرح اب اس شخص کا گھر میں رہنا واجب ہے اور مسجد میں جا کر نماز پڑھنا ناجائز ہے۔ یہ ہے اصل دین کی روح۔

اس اہم بات کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے سارا دین مسخرہ پن بن جاتا ہے۔ اصل میں ہوتا یہ ہے کہ انتہا پسند علماء اپنے مفادات کے مطابق بعض جزوی قسم کے واقعات، احادیث، فروعی اختلافات ڈھونڈ لیتے ہیں اور ان کو اس انداز میں مبالغہ کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ عام آدمی یہ بات سمجھتا ہے کہ سارا دین یہی ہے۔ حالانکہ وہ تمام احادیث، واقعات، فروعی اختلافات جو بتائے جاتے ہیں وہ خاص اوقات کے ساتھ خاص ہوتے ہیں مثلاً اگر آپ احادیث پر غور کریں تو ایک عام انسان سطحی سوچ رکھنے والا پریشان ہو جائے گا۔ اس لئے کہ کسی حدیث میں ذکر کرنے کو سارا دین بتایا گیا ہے۔ کسی حدیث میں نماز کو سارا دین بتایا گیا ہے اور کسی حدیث میں خدمت خلق کو اور کسی حدیث میں جہاد کو سارا دین بتایا گیا ہے۔ اب اصل بات ہے کہ جس شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سوال پوچھا آپؐ نے اس شخص کی کیفیت حالات اور ذہنی سطح کو سامنے رکھ کر جواب دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جہاد میں جانے کی اجازت مانگنے آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تیرے ماں باپ ہیں؟ اس نے اثبات میں جواب دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جا ماں باپ کی خدمت کر اسی میں تیرا جہاد ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ماں باپ کی خدمت اور جہاد دو بالکل مختلف چیزیں ہیں یہ ایک کیسے ہوں گی؟ تو اس کی وجہ صرف ایک ہے کہ اس شخص کے حالات کے مطابق ماں باپ کی خدمت کا حکم اس کی طرف متوجہ تھا۔ اس لئے اس کا سارا دین بشمول جہاد ماں باپ کی خدمت تھا بالکل اسی طرح تمام احکام اور واقعات کا حال ہے مگر انتہا پسند قسم کے علماء کا بھی ایک طریقہ واردات ہے کہ وہ اپنے مفادات کے لئے ان خاص مواقع کو عام مواقع پر منطبق کرتے ہیں اس کو سمجھنے کے لئے سب سے بہتر مثال موجودہ میں جہاد کا مسئلہ ہے۔

اس وقت سب سے خطرناک مذہبی انتہا پسندی کی شکل جہاد ہے حالانکہ راسخین فی العلم کے نزدیک جہاد میں قتل و غارت اور دوسروں کی جان لینا اور وہ بھی اجر کی نیت سے پرلے درجے کی حماقت ہے۔ موجودہ دور میں ڈاکٹر اسرار صاحب نے اس پر بڑی سیر حاصل ریسرچ کی ہے۔ ان کی ریسرچ کا خلاصہ کچھ یوں ہے۔ جہاد عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی جدوجہد

ہے اس کا مترادف لفظ جو اردو میں مستعمل ہے وہ کوشش ہے جو کہ فارسی زبان کا لفظ ہے۔ ان کے اصطلاحی معنی ہیں، اللہ تعالیٰ کے دین کے لئے وہ سربلند ہو جائے اپنی مقدور بھر کوشش کرنا محض اللہ کی رضا کے لئے۔ اب جہاد کی تین اقسام ہیں۔

1- جہاد برائے بقاء

2- جہاد برائے حصول

3- جہاد برائے نظریہ وانقلاب

اب ذرا غور فرمائیے ان تینوں اقسام میں کہیں بھی جنگ یا قتال کا ذکر نہیں ہے۔ اصل میں اسلام نے قتل کا جہاں حکم اور اجازت دی ہے وہ صرف ہنگامی حالات میں دی ہے اور بڑی کڑی شرائط کے ساتھ دی ہے جس کی وضاحت کرتے ہوئے سید سلیمان ندوی رقم طراز ہیں۔ اول یہ کہ تم کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو جاؤ اور لڑائی سے ہاتھ اٹھا کر ہمارے بھائی بن جاؤ۔ اگر ایسا کرو گے تو تم دین، حکومت اور عزت کے تمام حقوق میں ہمارے برابر ہو جاؤ گے۔ اگر یہ منظور نہ ہو تو اپنے مذہب پر قائم رہ کر ہماری سیاسی حکومت کو قبول کر لو۔ اس حالت میں تمہاری حفاظت کی ہر قسم کی ذمہ داری ہمارے سر پر ہوگی اور اگر وہ ان دو میں سے کوئی بات قبول کر لیں تو ان سے لڑنا جائز نہیں۔ اب آپ غور کریں ان کڑے مراحل سے گزر کر پھر کہیں قتال کی اجازت ملتی ہے۔ اب انتہا پسند مولوی اس قتال کو ہی سارا کا سارا جہاد سمجھتے ہیں اور اس کی عوام کو دعوت دیتے ہیں اور اس قتال کو سارا دین اور جہاد بناتے ہیں۔ عام شخص کیونکہ دین کی روح سے واقف نہیں ہوتا وہ پورے کے پورے اس پروپیگنڈے میں آ جاتے ہیں۔ اس طرح نام نہاد دہشت گردی جنم لیتی ہے۔ آیئے اب ان اسباب پر غور کریں جو اس انتہا پسندی کی وجہ بنتے ہیں۔

مذہبی انتہا پسندی کے اسباب:

1- ناپختہ شعور: اگر آپ غور کریں تو کسی بھی انسان کے سارے عوامل کا اصل محرک اس کا شعور ہوتا ہے اگر کسی انسان کی فکری شعوری اپروچ کمزور ہے تو اس کے ہر قول وفعل میں سقم ہونا لازمی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سارے کا سارا اسلام شعوری تربیت کو اولین ترجیح دیتا ہے مگر افسوس صد افسوس ہماری عوام اور علماء کی اکثریت ابھی شعوری اعتبار سے بالکل بچپنے کے مراحل سے گزر رہی ہے۔ ایک پختہ شعور کے میرے نزدیک تین مدارج ہیں۔

1- صحیح اور غلط کا عمیق علم ہونا

2- حقیقت پسندی

3- تحقیق اور تحقیق کے ذرائع کی تحقیق

جب کوئی شخص یا گروہ اس شعور کا عادی ہوتا ہے تو اس کا دماغ ایک خالی سلیٹ کی طرح ہوتا ہے۔ اس پر کوئی بھی شخص زور خطابت کی بنیاد پر کچھ بھی لکھ لیں۔ ایسے شخص کی لگامیں ایک وقت میں کئی ہاتھوں میں ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری قوم نظریاتی کم اور جذباتی زیادہ ہے۔ اسی لئے انتہا پسند عناصر اپنے شعوری ناپختگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کو انتہا پسندی اور

دہشت گردی میں ملوث کر دیتے ہیں۔

2- معاشی بحران: دوسرے نمبر پر بہت بڑا ہیبت معاشی بحران ہے۔ غربت وہ لعنت ہے جو انسان کو کہیں کا بھی نہیں چھوڑتی۔ فاقہ انسان کو اندھا کر دیتا ہے۔ انسان ہر وقت ایک شدید مایوسی میں مبتلا رہتا ہے جو ان کو چوری ڈاکے تک لے جاتی ہے۔ مٹی کا انسان جسم فروشی جیسے کم تر پیشے کو بھی اپنا لیتا ہے۔ دور حاضر میں معاشی بحران کا سب سے خوفناک پہلو یہ ہے کہ انسان (Status Conscious) ہو گیا ہے۔ اس لئے وہ ہر وقت طبقاتی تفریق کو ختم کرنے کے درپے ہے۔ معاشی بحران انسان کو بے انتہا مایوس بنا دیتا ہے۔ حتیٰ کہ بعض اوقات انسان خودکشی بھی کر لیتا ہے۔ یہ رجحان بھی مذہبی انتہا پسندی کو ہوا دینے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ ہر شخص زندگی سے تو تنگ ہوتا ہی ہے اس پر طرہ یہ کہ یہ لوگ ان کو روپے یا جنت کی بشارت دے کر اپنے مذموم مقاصد کے لئے استعمال کرتے ہیں وہ بھی اس سوچ کے ساتھ چلو خود تو مر جاتے ہیں اور اس زندگی سے موت ہی بہتر ہے مگر گھر والوں کا تو بھلا ہو جائے یا چلو دنیا میں تو دکھ ہی دیکھے چلو کسی کو قتل کر کے خود بھی شہادت سے ہمکنار ہو کر جنت حاصل کر لیتے ہیں۔ اب آیئے دیکھتے ہیں کہ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری اس سلسلے میں کیا رہنمائی کرتی ہے۔

انتہا پسندی کا خاتمہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں:

کسی شخص کی زندگی کو اگر بغور دیکھا جائے تو اس کی زندگی کا انحصار صرف قول اور فعل پر ہی ہوتا ہے۔ زندگی کا دوسرا نام قول وفعل ہے۔ اب آیئے دیکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال اور افعال اس سلسلے میں ہماری کیا رہنمائی کرتے ہیں۔ جب ہم اس چیز کا جائزہ لیتے ہیں تو انسان حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو ہدایات منجانب اللہ تعالیٰ ملیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو اقوال ارشاد فرمائے اور جو افعال سرانجام دیئے وہ اس دور حاضر میں انتہا پسندی کے خاتمے کے لئے جامع لائحہ عمل پیش کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بڑا جامع ہمہ گیر اصول میانہ روی کا دیا۔ اب غور کریں تو اس کا الٹ صرف اور صرف انتہا پسندی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یوں ارشاد ہوا۔ فرمان الٰہی ہے ''اور تو نہ پکار اپنی دعا یا نماز میں اور نہ چپکے سے پڑھ اور ڈھونڈ ے اس کے بیچ کی راہ۔''

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ''اور جو خرچ کریں وہ فضول خرچی نہ کریں اور نہ بہت تنگی کریں اور سوا کے درمیان اعتدال کی راہ۔''

اس سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اتنے ہی عمل کا التزام کرو جتنا تم کر سکو۔'' دوسری جگہ حضرت حذیفہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''دولت مندی میں درمیانگی کتنی اچھی ہے۔ محتاجی میں درمیانگی کتنی اچھی چیز ہے۔ عبادت میں درمیانگی کتنی اچھی چیز ہے۔ اب غور کریں یہ ہدایات تو عام انتہا پسندی کا محرم صرف یہ بات ہے کہ ہمارا موقف مذہب ہر حالت میں تسلیم کرو وگرنہ تم کو زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔ اس طرح پھر دہشت گردی جنم لیتی ہے۔ اس سلسلے میں حکم

باری تعالیٰ ملاحظہ فرمائیے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے "دین میں کوئی زبردستی نہیں۔ ہدایت گمراہی سے الگ ہو چکی ہے۔"

دوسری جگہ ارشاد ہے کہ "اور کہہ دے کہ حق تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے تو جو چاہے قبول کرے اور جو چاہے انکار کرے۔" اس کی وضاحت سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:

ایمان اور کفران دو میں سے ایک کو اختیار کرنے پر کوئی زبردستی نہیں ہے۔ عقل وبصیرت والے اسے خود قبول کریں گے اور نافہم لوگ اس سے محروم رہیں گے۔ اسی لئے بار بار یہ واضح کیا گیا ہے کہ رسول کا کام لوگوں تک خدا کا پیغام پہنچا دینا ہے زبردستی منوانا نہیں۔ اب ذرا غور کریں کتنے واضح احکامات ہیں۔ ایک کافر کے ساتھ بھی زور زبردستی انتہا پسندی کے رویے کی اجازت چہ جائیکہ ایک مسلمان کو قتل کر دیا جائے۔

اب اس سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واقعہ بھی ملاحظہ ہو۔ ثمامہ بن اصالؓ کے رئیس تھے۔ یہ وہ قبیلہ ہے جو آخر تک سرکش رہا اور اسی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخر زمانہ میں مسلمہ پیدا ہوا تھا۔ ثمامہ اتفاق سے مسلمانوں کے ایک لشکر کے ہاتھ میں گرفتار ہو گئے اور مدینہ لا کر مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کھمبے میں باندھ دیئے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کے لئے تشریف لائے تو پوچھا کہ تمہاری کیا رائے ہے۔ جواب دیا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری رائے اچھی ہے اگر مجھے قتل کرو گے تو ایک خون والے کو قتل کرو گے اور اگر امان کرو گے تو ایک شکر گزار پر امان کرو گے اور اگر زرفدیہ چاہتے ہیں تو مانگو جو مانگو گے دیا جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ نہیں فرمایا پھر اسی طرح دوسرے دن سوال وجواب ہوا پھر تیسرے دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ثمامہ کو چھوڑ دو۔ لوگوں نے کھول دیا اور رسی سے کھل کر آزاد ہو گئے مگر سچائی کی زنجیر ان کے پاؤں میں پڑ گئی۔ مسجد نبویؐ کے قریب ایک نخلستان میں جا کر غسل کیا اور پھر مسجد میں آ کر کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔

اس واقع پر سلیمان ندوی لکھتے ہیں کہ کیا کسی کو زبردستی مسلمان بنانے کے لئے اس سے بہتر موقع مل سکتا تھا؟ بدر کے قیدی گرفتار ہو کر آئے لیکن ان سے یہ نہیں کہا گیا کہ تلوار یا اسلام۔ اسی طرح جنگ کے دوسرے قیدیوں کے ساتھ بھی یہی برتاؤ رہا۔ قرآن نے جنگ کے قیدیوں کے متعلق کہا: ترجمہ: "لڑائی ختم ہونے کے بعد ان قیدیوں کو امان دھر کر چھوڑ دو یا فدیہ لے کر چھوڑ دو" یہ ارشاد نہ ہوا کہ "تلوار یا اسلام" اب ذرا اور غور کریں انسان جذبات اور عقل کا مجموعہ ہے مگر انسان پر جذبات کبھی ایسا زوردار حملہ کرتے ہیں کہ بڑا سے بڑا عاقل بھی اس حملے کے زیر اثر آ جاتا ہے اور اس سلسلے میں غصہ ایک بہت بڑا محرک ہے اور خاص اس وقت جب میدان جنگ گرم ہو اور انسان اپنے دشمن پر پورا غلبہ پا لے اور تلوار چلانے والا ہو تو اس وقت رکنا تقریباً ناممکن ہو جاتا ہے مگر دیکھئے اسلام امن انتہا پسندی اور جذباتی موقع پر کتنی خوبصورت ہدایت دیتا ہے۔ ایک دفعہ ایک صحابیؓ نے پوچھا کہ لڑائی میں میرا حریف اپنی تلوار سے میرا ہاتھ اڑا دے اور جب میرے حملہ کی باری آئے تو درخت کی آڑ پکڑ کر کہے "میں مسلمان ہوتا ہوں" تو اے خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کیا کروں۔ اس کو قتل کر دوں؟ فرمایا! "نہیں اس کا قتل جائز

نہیں۔'' عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرا ہاتھ اس نے کاٹ ڈالا۔ فرمایا! '' پھر بھی اس کا قتل جائز نہیں کہ اگر تم نے اب اس کو قتل کیا تو وہ وہ ہو گیا جو تم اس کے قتل سے پہلے تھے اور وہ تم ہو جاؤ ہو وہ جو اس اقرار توحید سے پہلے تھا۔ یہ واقعہ خود اتنا مفصل ہے کہ اس کی وضاحت کی بھی ضرورت نہیں۔ اب حیرانگی ہے کہ اس امت کے لوگ اس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماننے والے مذہبی انتہا پسندی کا مظاہرہ کریں۔

تجاویز: 1- نظام تعلیم کو پرائمری سطح سے شعوری بنیادوں پر ترتیب دیا جائے اور ایک ایسا باشعور تعلیم یافتہ انسان بنایا جائے جو بات کو نظریاتی بنیادوں پر پرکھیں۔

2- جدید دور کے تقاضوں کو سمجھنے والے علماء کرام تقی عثمان، رضع عثمانی، ڈاکٹر اسرار جیسے لوگ ہی اسی کے لئے کتابیں لکھیں تا کہ جدید دور کا نوجوان دین کی صحیح روح کو سمجھ سکے۔

3- انتہا پسند علماء کی اس ذہن سازی کی جائے اور ان پر حکومتی چیک رکھا جائے۔ اس کے لئے ہر علاقے کے بڑے حکومتی افسر کو جیسے آئی جی، ڈی ایس پی، انسپکٹر وغیرہ کو پابند کیا جائے کہ وہ اپنے اپنے علاقے کی مساجد میں آغاز تقریر میں جائیں اور دیکھیں کہ ان کا خطاب کس قسم کا ہوتا ہے۔

4- درس نظامی میں جدید علوم کے ساتھ صاحب شعور علماء کرام کی کتب اور فکر کو بھی شامل کیا جائے تا کہ فرسودہ قفل زدہ اذہان پر ضرب کاری لگے اور ان کا شعور بلند ہو۔ ان علماء کرام میں سر فہرست ابوالحسن ندوی، حضرت سلیمان ندوی، شبلی نعمانی اور مولانا وحید الدین کی کتب شامل ہیں۔

حوالہ جات

(۱) مفتی رفیع عثمانی ''یورپ کے تین معاشی نظام'' طبع جدید ۱۹۹۷ء

(۲) ڈاکٹر اسرار جہاد فی سبیل اللہ ناشر مسکنہ مرکزی انجمن قدام القرآن

(۳) مسند احمد ج ۴/۱۳۰

(۴) صحیح بخاری باب جہاد

(۵) صحیح مسلم باب الایمان

(۶) حضرت ابوالحسن ندوی ''انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر'' ۲۱۰ سے ۲۱۳

(۷) مولانا محمد علی جوہر معرکہ مذہب وسائنس ص ۶۳۰

(۸) ابوالحسن ندویؒ مذہب وتمدن ص ۵۵ سے ۶۴ ناشر مجلس نشریات اسلام کراچی

(۹) مولانا وحید الدین ''مذہب اور جدید چیلنج'' ص ۱۸۰ سے ۱۹۰ ناظر مکتبہ الاشرفیہ

(۱۰) Early Law and Custom(xi) Legal Theory P.450

(۱۱) The Changing Law P.10 (101P-5)

(۱۲) سلیمان ندویؒ سیرۃ النبی جلد ۴ ص ۳۵۲ سے ۳۹۰ ناشر خیابان پریس لاہور

(۱۳) صحیح بخاری جلد دوئم

(۱۴) صلح مسلم کتاب الجہاد

(۱۵) جامع ترمذی ابواب الیسر

(۱۶) مستدرک حاکم جلد دوئم

(۱۷) مسند احمد بن حنبل جلد چہارم

(۱۸) ابن حشام جلد اول ذکر ہجرت حبشہ

(۱۹) مسلم جلد دوم باب قید و بند

(۲۰) بخاری جلد اول کتاب الیتم

(۲۱) اصابہ جلد اول تذکرہ حارث

(۲۲) ابو داؤد کتاب جہاد باب یسبح بالمام فی المہدو

(۲۳) اصابہ

(۲۴) استیعاب

(۲۵) مشکوۃ شریف کتاب الادب

(۲۶) آیت نمبر ۱۱۰ سورۃ بنی اسرائیل

(۲۷) الفرقان آیت نمبر ۶۷

(۲۸) ابن جریر

(۲۹) روح المانی

(۳۰) فتح الباری جلد ۱۱ ص ۲۵۶

(۳۱) کنز العمال جلد ثانی نمبر ۷

(۳۲) مسند بزاز

(۳۳) سلیمان ندویؒ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلد ۶ ص ۴۶۵ سے ۴۶۶

(۳۴) مولانا تقی عثمانی ''تقلید کی شرعی حیثیت'' ص ۱۵۶ سے ۱۶۰ ناشر مکتبہ دار العلوم کراچی ۱۴۔

دورِ حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اس کا خاتمہ، تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

قیصر محمود چودھری

حرف اول:

ابتداء ہے اللہ تعالیٰ کے بابرکت نام سے جو تمام ظاہری اور باطنی عالمین کا رب ہے۔ آغاز اس پروردگار کے نام سے کہ الفاظ جس کے حسن و قدرت اور رحمت و ربوبیت کے اظہار اور بیان سے قاصر اور مجبور ہیں، اور جس کی ذات ہمارے فہم و شعور، تخیل و تصور، اور زمان و مکان سے ماوراء ہے، جو اول بھی ہے، آخر بھی ہے، ظاہر بھی ہے، باطن بھی ہے، علیم بھی ہے، حکیم بھی ہے، حی بھی ہے، قیوم بھی ہے، اور جس کی رحمت اس کائنات کے ذرے ذرے پر محیط ہے۔

بعد از حمد و ثناء، سلام ہو اس ذاتِ اقدس پر جو محبوب خدا ہے اور باعثِ تخلیق کائنات بھی۔ لاکھوں درود و سلام ہوں تاجدار انبیاء، رحمت دو عالم، حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر کہ جن کی تشریف آوری کا اعلان ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء و مرسلین نے فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ہم نے حضور ﷺ کے ذکر کو بلند کر دیا۔[1] عرض یہ کرنا ہے کہ جس ذاتِ پاک کے ذکر کو خود اللہ تعالیٰ بلند فرما دیں اور جس پر اللہ تعالیٰ اور اس کے ان گنت فرشتے درود و سلام بھیجتے ہوں، اس ہستی کی شان میں کچھ عرض کرنا محبت ہوسکتی ہے کچھ کہنا عشق ہوسکتا ہے، کچھ تحریر کرنا عقیدت ہوسکتی ہے لیکن اس سے آپ کی سیرت کا احاطہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔

ام المومنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ قرآن حضور ﷺ کا اخلاق ہے[2]، اور حقیقت بھی یہی ہے کہ حضور ﷺ کی سیرت طیبہ کا ہر پہلو رشد و ہدایت کا منور و تاباں اور درخشندہ و روشن آفتاب ہے جس کی ضیا پاشیوں سے ایک عالم فیض یاب ہوا ہے اور قیامت تک ہوتا رہے گا۔ ہر دور میں صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین، اولیاء اللہ، علماء و مشائخ، مفسرین، محدثین، اور مفکرین نے انسانی شعور کے مطابق اور زمانی مسائل کے حل کے لئے سیرتِ اقدس سے راہنمائی اخذ کی ہے اور یہ سلسلہ تا قیامت چلتا رہے گا۔ عصر موجود میں دنیا کو انتہا پسندی بالخصوص مذہبی انتہا پسندی کا مسئلہ درپیش ہے۔ آئندہ سطور میں تعلیمات نبوی کی روشنی میں اس مسئلے کا جائزہ لیا جائے گا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حق اور سچ کو سپرد قلم کرنے کی توفیق عطا فرمائیں (آمین)۔

2- مذہبی انتہا پسندی

2.1- لغت کی روشنی میں انتہا پسندی کی تعریف:

آکسفورڈ ڈکشنری میں انتہا پسندی یعنی (Extremism) کی تعریف ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔

Tendency to be extreme: Disposition to go to extremes.

جبکہ انتہا یعنی Extreme کے یہ معنی بیان کیے گئے ہیں۔*

Outermost, farthest from the east, situated at either of the ends, (2) opposed to moderate, (3) sever or violent in the utmost degree.[۳]

جامع الغات، میں انتہا کے معانی ''آخیر'' انجام، خاتمہ، حد، نہایت، اور عروج، دیئے گئے ہیں۔[۴] جبکہ ترقی اردو بورڈ کراچی کی لغت کے مطابق ابتدائی منازل ترک کر کے انتہائی مدارج اختیار کرنا، یا حد سے تجاوز کرنا یا اعتدال سے گریز کرنا، انتہا پسندی ہے۔[۵]

2.2 قرآنی تعلیمات کی روشنی میں مذہبی انتہا پسندی کی تعریف:

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ''پاک ہے وہ ذات جس نے ہر چیز کو جوڑا جوڑا پیدا فرمایا۔ جنہیں زمین اگاتی ہے اور خود ان کے نفسوں کو بھی اور ان چیزوں کو بھی جنہیں وہ نہیں جانتے''۔[۶] اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کے جوڑے بنائے ہیں۔ ان میں وہ مخلوقات بھی شامل ہیں جو تا حال انسان کے احاطہ علم میں نہیں آسکیں۔ چنانچہ اس کائنات میں کوئی بھی مادی یا غیر مادی شے ایسی نہیں جس کی تخلیق جوڑوں کی شکل میں یعنی دو رخوں پر نہ ہو۔ پس ہر فکر و عمل کے دو رخ مقرر ہوئے یعنی دو انتہائیں قرار پائیں۔ اللہ تعالیٰ ان دو انتہاؤں کے درمیان عدل کا حکم دیتا ہے۔[۷] بعض علماء کرام نے عدل کا مفہوم یوں بیان کیا ہے کہ عدل کے معانی ہر معاملہ میں درمیانہ روی ہے۔ عقائد ہوں، عبادات ہوں، اخلاق ہوں، یا پھر معاملات حیات، ہر چیز میں افراط و تفریط سے دامن بچاتے ہوئے میانہ روی اور اعتدال کے راستے پر گامزن رہنا عدل ہے۔[۸] یعنی میانہ روی وہ حد یا راستہ ہے جس پر کار بند رہتے ہوئے ہی عدل و انصاف کے تقاضے پورے کیے جاسکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اعتدال اور حد سے تجاوز نہ کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں۔[۹] اب اگر کوئی انسان اعتدال کا راستہ اختیار نہیں کرتا تو لامحالہ وہ دو انتہاؤں میں سے کسی ایک انتہا کا انتخاب کرتا ہے۔ یہ طرز عمل ہی انتہا پسندی ہے اور اسی انتہا پسندی کا ایک جزو مذہبی انتہا پسندی ہے۔ چنانچہ مندرجہ بالا سطور کی روشنی میں مذہبی انتہا پسندی کی تعریف ان الفاظ میں کی جاسکتی ہے۔

''مذہبی معاملات میں اعتدال سے گریز کرتے ہوئے فکر و عمل کی دو انتہاؤں میں سے کسی ایک انتہا کا انتخاب ہی مذہبی انتہا پسندی ہے''۔

یہاں یہ بات قابل وضاحت ہے کہ انتہا پسندی محض مذہبی معاملات تک ہی محدود نہیں بلکہ سیاست، معیشت، اخلاق، معاملات، الغرض انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر گوشے میں اس کا مظاہرہ ہوسکتا ہے اور یہ انتہا پسندی مذہبی انتہا پسندی کے فروغ میں بالواسطہ اور بلا واسطہ بہت اہم کردار ادا کرسکتی ہے۔

2.3 مذہبی انتہا پسندی کی وضاحت:

موضوع کو تھوڑا سا آگے بڑھاتے ہوئے اسی بات کی وضاحت ایک اور زاویے سے کرتے ہیں۔

منظر اپنے وجود کے لئے زاویے کا محتاج ہوتا ہے۔ اگر زاویہ تبدیل ہو جائے تو منظر بھی بدل جاتا ہے۔ زاویے کا

انتخاب فرد کے رجحان، میلان اور صوابدید پر ہوتا ہے۔ چونکہ نظام فطرت میں سو فیصد یکسانیت مفقود ہے اس لئے تمام افراد کے رجحانات، اور میلانات ایک جیسے نہیں ہوسکتے۔ چنانچہ فطری طور پر زاویے سے زیادہ اہمیت اس بات کی ہے کہ منظور کون کیا ہے اور کیا ہے؟ لیکن مذہبی طور پر انتہا پسندانہ رویے میں منظور سے زیادہ زاویے کو اہمیت دی جاتی ہے۔ دوسرے فرد کے زاویے سے حقیقت کو دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش نہیں کی جاتی بلکہ اس کو اپنا زاویہ اختیار کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ یوں کہہ لیجئے کہ دوسروں پر اپنے نظریات و افکار مسلط کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ منظور سے زیادہ زاویے اور بنیادی مسائل سے زیادہ فروعی مسائل میں الجھا جاتا ہے۔ چنانچہ اختلاف رائے رحمت کی بجائے زحمت اور علمی نشو ونما کی بجائے فکری جمود کا باعث بن جاتا ہے۔ صرف اپنے آپ کو درست قرار دیتے ہوئے یہ نہیں سوچا جاتا کہ ہم دوسروں کو شعوری یا لاشعوری طور پر یکسر غلط قرار دے رہے ہوتے ہیں۔ صرف اپنے آپ کو جنتی قرار دینے کا مطلب یہی ہے کہ دوسرا دوزخی ہے۔ یہ صورت حال تعلیمات نبوی ﷺ اور اعتدال کے تقاضوں کے منافی ہے۔ اس صورت حال میں سب کچھ ہوسکتا ہے لیکن امت مسلمہ کے اتحاد و اتفاق کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا، مذہبی رویوں میں اعتدال اور میانہ روی کو فروغ حاصل نہیں ہوسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ امت مسلمہ میں مذہبی انتہا پسندی کو فروغ حاصل ہو رہا ہے۔

2.4 مذہبی انتہا پسندی اور امتِ مسلمہ:

اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو بہترین امت قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں ''ہم نے تمہیں امت وسط بنایا ہے تا کہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ رہو اور رسول تم پر گواہ ہو''۔[۱۰] اس آیت میں ایک طرف تو امت مسلمہ کی امامت کا بیان ہے تو دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو امت وسط، کے عظیم المرتبت خطاب سے سرفراز فرمایا ہے۔ مولانا مودودی لکھتے ہیں کہ ''امت وسط'' کا لفظ اپنے اندر اس قدر وسیع معنویت رکھتا ہے کہ کسی دوسرے لفظ کے ترجمے سے اس کا حق ادا نہیں کیا جاسکتا۔[۱۱] محمد کرم شاہ اسی آیت کی تفسیر میں رقم طراز ہیں کہ ایسی امت جس کے عقائد، شریعت، نظام اخلاق، سیاست، اور اقتصاد میں افراط وتفریط کا گزر نہیں بلکہ یہاں اعتدال ہے، توازن ہے اور موزونیت ہے۔[۱۲] الغرض، اعتدال ہی وہ صراط مستقیم ہے جس پر عمل پیرا ہو کر امتِ مسلمہ ''امت وسط'' کے منصب پر فائز ہوسکتی ہے اور اشاعتِ دین اور امامت کا فرض بطریق احسن انجام دے سکتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے کہ ''اپنے رب کے رستہ کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلائیں اور احسن طریقے سے ان سے مباحثہ کریں''۔[۱۳] اس حکم خداوندی پر اسی صورت میں صحیح عملدرآمد ہوسکتا ہے جب مذہبی معاملات میں انتہا پسندی کو بالائے طاق رکھ دیا جائے اور اپنے رویوں میں اعتدال، میانہ روی، صبر اور برداشت کو فروغ دیا جائے۔ مرقومہ بالا سطور سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ مذہبی انتہا پسندی کا امت مسلمہ سے کوئی تعلق نہیں۔ مزید یہ کہ انتہا پسندانہ روش پر چل کر اسلام کے لئے کوئی قابل ذکر خدمت انجام نہیں دی جاسکتی البتہ مذہبی انتہا پسندی امت مسلمہ کو ''امت وسط'' کے مقام سے ضرور گراسکتی ہے۔ یہ امر قابل افسوس ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس امت کو ''امت وسط'' قرار دیا تھا، آج مذہبی معاملات میں بھی انتہا پسندانہ روش پر کاربند ہے۔ قطع

یونیورسٹی میں مرکز برائے سنت وسیرت کے ڈائریکٹر جناب یوسف عبداللہ قرضاوی، جو الازہر یونیورسٹی قاہرہ کے فارغ التحصیل ہیں، اس ضمن میں یوں کہتے ہیں "پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا تھا کہ وہ ایک درمیانی راستہ لے کر آئے ہیں جو انتہاؤں سے حذر کرتا ہے۔ اسلامی دنیا کے کچھ حصوں میں ابھرنے والی حالیہ انتہا پسندی کی لہر اسلامی روح کے بالکل منافی ہے، چنانچہ یہ باقی نہیں رہے گی"۔[۱۴]

2.5 مذہبی انتہا پسندی کی وجوہات:

مذہبی انتہا پسندی کے فروغ میں مندرجہ ذیل وجوہات اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

☆ موجودہ سائنسی دور میں انسان کے لئے حقوق و فرائض اور دینی و دنیاوی تقاضوں کے درمیان اعتدال برقرار رکھنا بہت مشکل ہوگیا ہے۔ اگر اعتدال پر کاربند رہنے میں ناکامی کے ساتھ ساتھ فرد کا میلان مذہب کی طرف زیادہ ہو تو اس کے رویے میں مذہبی انتہا پسندی کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔

☆ معاشی استحصال سے جو فتنے اور فساد جنم لیتے ہیں۔[۱۵] ان میں سے ایک مذہبی انتہا پسندی ہے اور یہ خاص طور پر اس وقت رونما ہوتی ہے جب استحصالی قوتوں کا تعلق کسی دوسرے مکتبہ فکر یا مذہب سے ہو۔

☆ چونکہ عدل و انصاف کے فروغ کا مطلب اعتدال اور میانہ روی کا فروغ ہے اس لئے اگر معاشرے میں عدل و انصاف کے تقاضے بطریق احسن انجام پا رہے ہوں تو انتہا پسندی کا فروغ بہت مشکل ہوتا ہے۔ لیکن اگر عدل و انصاف ناپید ہو تو انتہاء پسند قوتوں کے لئے جائز اور بنیادی حقوق سے محروم افراد کو مذہبی انتہا پسندی کی طرف راغب کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

☆ مذہبی برتری کا حد سے بڑھا ہوا احساس بذات خود انتہا پسندی ہے۔ مذہبی تفاخر کے احساس میں مبتلا لوگ اپنے نظریات و افکار دوسرے مکاتب فکر کے سامنے پیش کرنے کی بجائے ان پر مسلط کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ صورت حال بالآخر مذہبی انتہا پسندی کے فروغ پر منتج ہوتی ہے۔

☆ تعقلی جمود (Stereotype) اور تعصب مختلف معاشرتی عوامل کی پیداوار ہوتے ہیں۔ یہ فطری نہیں بلکہ اکتسابی ہوتے ہیں اور ان کی تشکیل کسی ٹھوس بنیاد پر نہیں ہوتی۔[۱۶] جدید تحقیقات سے پتہ چلا ہے کہ تعقلی جمود اور تعصب لاشعوری بھی ہوتے ہیں۔[۱۷] تعقلی جمود شعوری ہوں یا لاشعوری، تشدد اور جارحیت کو جنم دیتے ہیں۔ مذہبی معاملات میں جمود اور تعصب مذہبی انتہا پسندی کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

☆ عصر موجود میں مذہبی انتہا پسندی زیادہ تر ان ممالک میں عفریت کی شکل اختیار کر چکی ہے جہاں جمہوریت اور جمہوری ادارے نہیں پنپ سکے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ غیر جمہوری معاشروں میں مختلف مکاتب فکر کے درمیان گروہی فاصلے جنم لیتے ہیں۔ گروہی فاصلوں سے غلط فہمیاں اور نفرتیں جنم لیتی ہیں۔[۱۸] مذہبی مکاتب فکر کے درمیان گروہی

فاصلوں سے مذہبی انتہا پسندی پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ غیر جمہوری معاشرے مذہبی انتہا پسندی کی تشکیل و ترویج کے لئے ایک نرسری ثابت ہوتے ہیں۔

☆ اگر مذہبی تعلیمات کی اشاعت ذاتی مفادات کے تابع ہو جائے تو اشاعت دین کا فرض اور مقصد ثانوی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ مزید یہ کہ کل کی بجائے ان اجزاء پر زیادہ زور دیا جاتا ہے جو ذاتی منفعت کا باعث ہوتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں ایک طرف تو عوام دین کے صحیح فہم کو سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں تو دوسری طرف مذہبی انتہا پسندی کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔

☆ یہ ایک حقیقت ہے کہ وطن عزیز کے طول و عرض میں قائم دینی مدارس نے دینی تعلیم کے فروغ میں بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ لیکن مذہبی انتہا پسندی کے فروغ میں کچھ مدارس کے کردار سے صرف نظر کرنا بھی ممکن نہیں۔ عام طور پر ہر مدرسہ کسی مکتبہ فکر سے مخصوص ہوتا ہے۔ چنانچہ طلباء کی دینی راہنمائی کے ساتھ ساتھ نامحسوس طریقے سے ان کے اذہان پر اپنے مخصوص نظریات کی چھاپ لگا دینا تو ایک عام سی بات ہے۔ مگر بعض اوقات تو یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ اشاعت اسلام سے زیادہ اپنے مسلک کی ترویج کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ یہ طرز عمل بھی مذہبی انتہا پسندی کو فروغ دیتا ہے۔

☆ اگر مذہبی عناصر کو دوسرے ممالک کی طرف سے کسی بھی نوعیت کی امداد ملتی ہو تو ان لوگوں کے حوصلے بڑھ جاتے ہیں اور وہ اپنے مسلک کی ترویج کے لئے شعوری یا لاشعوری طور پر انتہا پسندی کی طرف مائل ہوتے جاتے ہیں اور اس کے ردعمل میں مذہبی انتہا پسندی کے رجحان میں اضافہ ہوتا ہے۔

☆ نائن الیون کے بعد دہشت گردی کے نام نہاد جنگ کا آغاز کر کے امریکہ اپنے حواریوں کے ساتھ افغانستان کے بعد عراق کے معصوم عوام پر آتش و آہن کی بارش کر چکا ہے۔ کشمیر، فلسطین اور چیچنیا میں مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا ہے۔ ان حالات میں مسلم ممالک کی حکومتیں محض خاموش تماشائی کا کردار ادا کر رہی ہیں۔ عمل کا ردعمل ہو کر رہتا ہے۔ چونکہ مسلم ممالک کی حکومتیں اپنا جائز کردار نہیں ادا کر رہیں، اس لئے مجبوراً مسلم عوام کو اپنے حقوق اور مفادات کے تحفظ کے لئے میدان عمل میں اترنا پڑ رہا ہے۔ اس صورت حال میں مذہبی انتہا پسندی کا فروغ اور انتہا پسندانہ واقعات کا رونما ہونا ایک لازمی اور فطری امر ہے۔

3-عصرِ حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان

3.1 پاکستان میں انتہا پسندی کا رجحان:

اسلامی نظریاتی ریاست ہونے کے باوجود پاکستان میں انتہا پسندی کی جڑیں بہت گہری ہیں۔ حقائق ملاحظہ ہوں۔

یکم مارچ 1990ء سے یکم مارچ 2001ء تک مذہبی انتہا پسندی اور شدت پسندی کے واقعات میں صرف (مظفر گڑھ) پنجاب میں 5 درجن سے زائد افراد ہلاک ہوئے۔[19] 18 جنوری 1997ء کو لاہور میں ایک عدالت کے باہر بم دھماکے

میں ایک مذہبی تنظیم کے رہنما مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی اور 13 پولیس اہلکاروں سمیت 26 افراد جاں بحق ہو گئے ۔[۱۹] اگلے روز خانہ فرہنگ ایران نذر آتش کر دیا گیا۔ 1997ء میں مذہبی انتہا پسندی اور شدت پسندی کے واقعات میں 65 افراد ہلاک ہوئے۔ 11 جنوری 1998ء کو لاہور میں مجلس عزاء کے شرکاء پر نامعلوم افراد کی فائرنگ سے 37 افراد زخمی ہو گئے ۔[۲۰]

2001ء میں لاہور کی ایک عبادت گاہ میں موجود لوگوں پر فائرنگ سے 9 افراد ہلاک اور 8 زخمی ہو گئے۔[۲۱]

گزشتہ برس بھی وطن عزیز مذہب کے حوالے سے انتہا پسندانہ واقعات کی زد میں رہا۔ 8 جون کو کوئٹہ میں نامعلوم موٹر سائیکل سواروں نے جدید اسلحہ سے فائرنگ کر کے پولیس ٹریننگ سکول میں زیر تربیت ہزارہ قبیلے کے 12 پولیس اہلکاروں کو ہلاک اور 14 کو زخمی کر دیا۔[۲۲] اگلے روز پولیس اہلکاروں کی تعزیت کے لئے کوئٹہ جاتے ہوئے ڈی آئی جی سبی رینج عبدالعزیز بلو سمیت 4 افراد کو فائرنگ کر کے ہلاک کر دیا گیا۔[۲۳] 4 جولائی 2003ء کو پاکستانی تاریخ میں فرقہ وارانہ اور مذہبی انتہا پسندی کا سب سے بڑا واقعہ رونما ہوا۔ نامعلوم حملہ آوروں نے دن ایک بج کر چار منٹ پر خدا کے حضور سربسجود پر اندھا دھند اور وحشیانہ فائرنگ کر دی۔ اس سانحے میں 54 افراد جاں بحق اور 70 سے زائد زخمی ہو گئے۔ جنرل پرویز مشرف نے اس واردات میں فرقہ وارانہ انتہا پسندوں کے ملوث ہونے کا امکان ظاہر کیا۔[۲۵] 5 اکتوبر 2003ء کو اسلام آباد میں ایک مذہبی تنظیم کے سربراہ مولانا اعظم طارق ساتھیوں سمیت نامعلوم حملہ آوروں کی فائرنگ سے جاں بحق ہو گئے ۔[۲۶]

گزشتہ برس صدر جنرل پرویز مشرف پر تین قاتلانہ حملے ہوئے۔ 26 اپریل 2003ء کو کراچی میں بارود سے بھری گاڑی کی مدد سے جنرل مشرف کو ہلاک کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس سازش کے جرم میں کالعدم مذہبی تنظیم کے تین افراد کو گرفتار کیا گیا۔ 14 دسمبر 2003ء کو راولپنڈی میں ایک پل کو ریموٹ کنٹرول بم سے تباہ کر کے جنرل مشرف کو ہلاک کرنے کی ناکام کوشش کی گئی۔ اس حملے کے بعد صدر جنرل پرویز مشرف نے کہا تھا کہ یہ حملہ مذہبی شدت پسندوں کا کام ہو سکتا ہے۔ گیارہ روز بعد پچیس دسمبر کو صدر جنرل پرویز مشرف دو خودکش حملوں میں بال بال بچ گئے۔ اخباری اطلاعات کے مطابق 25 دسمبر کو صدر مشرف پر خودکش حملہ کرنیوالا ایک مبینہ ملزم ایک کالعدم مذہبی تنظیم سے تعلق رکھتا تھا۔[۲۷]

بدقسمتی سے وطن عزیز میں مذہبی انتہا پسندی ایک عفریت کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ مختلف مکاتب فکر کے درمیان صبر، برداشت، اور احترام کے جذبات مفقود ہو چکے ہیں۔ یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ کسی ایک مسلک سے تعلق رکھنے والے مسلمان اپنی مسجد میں دوسرے طبقہ فکر سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں کا داخلہ بند کر دیتے ہیں۔ ہر طبقہ صرف اپنے آپ کو حق پر اور راہ راست پر قرار دیتا ہے۔ محض فروعی اختلافات پر کلمہ گو مسلمانوں کو کافر اور بعض اوقات تو واجب القتل قرار دے دیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہم اپنے ہی وطن میں یعنی اسلامی جمہوریہ پاکستان میں کلاشنکوفوں کے سائے اور پولیس کے پہرے میں فریضہ نماز ادا کرنے پر مجبور ہو چکے ہیں۔

3.2 بھارت میں انتہا پسندی کا رجحان:

اگرچہ بھارت ایک سیکولر ملک ہونے کا دعویدار ہے تاہم حالات و واقعات کی روشنی میں بھارت ایک ایسے ملک کے

طور پر سامنے آتا ہے جہاں انتہا پسند ہندوؤں کو مذہبی انتہا پسندی کا مظاہرہ کرنے کے لئے سرکاری آشیرواد حاصل ہے۔ چند حقائق ملاحظہ ہوں:

بھارت میں انتہا پسند ہندوؤں کے ہاتھوں 20 کروڑ مسلمانوں 3 کروڑ عیسائیوں اور 35 کروڑ شودروں کی زندگی اجیرن ہوچکی ہے۔ 1990ء کے اوائل میں تاریخی بابری مسجد کو شہید کر دیا گیا۔ 93-1992ء میں بمبئی میں انتہا پسند ہندو تنظیم ''شیوسینا'' نے مسلمانوں کا قتل عام کیا۔[۲۸] 27 فروری 2002ء کو گجرات میں مسلم کش فسادات کی آگ بڑھک اٹھی جس میں انتہا پسند ہندوؤں نے درندگی اور بربریت کا بدترین مظاہرہ کیا۔ معصوم بچوں کو نیزوں پر چڑھا دیا گیا۔ چوراہوں میں خواتین کی عصمتیں پامال کی گئیں۔ میگھائی نگر میں 39 مسلمانوں کو زندہ جلا دیا گیا۔ ان فسادات میں 2 ہزار سے زائد مسلمان شہید ہوئے۔ املاک لوٹ لی گئیں، اور مسلمانوں کو ناقابل تلافی جانی اور مالی نقصان پہنچایا گیا۔[۲۹]

کشمیر میں مسلمان اکثریت میں ہیں اور پاکستان سے الحاق چاہتے ہیں۔ کشمیری عوام کی امنگوں اور اقوام متحدہ کی قرار دادوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے نہ صرف بھارت نے اپنا غاصبانہ قبضہ برقرار رکھا ہوا ہے بلکہ کشمیری مسلمانوں پر ظلم وستم کی انتہا بھی کر دی ہے۔ جنوری 1989ء سے 31 دسمبر 2002ء تک مقبوضہ کشمیر میں بھارتی فوج کے ہاتھوں 84850 شہادتیں واقع ہوئیں جن میں سے 626 افراد کو حراست کے دوران شہید کیا گیا۔ بھارتی فوج کے مظالم کی وجہ سے 21175 خواتین کا سہاگ اجڑ گیا جبکہ 103041 شہادتیں واقع ہوئیں جن میں سے 16267 افراد کو حراست کے دوران شہید کیا گیا۔ بھارتی فوج کے مظالم کی وجہ سے 21175 خواتین کا سہاگ اجڑ گیا جبکہ 103041 بچے یتیم ہوگئے۔ خواتین کی آبروریزی اور دست درازی کے 8997 واقعات رپورٹ ہوئے۔ 102430 افراد کو گرفتار کیا گیا اور 103920 عمارتیں تباہ کر دی گئیں اور یہ سلسلہ تاحال جاری ہے۔[۳۰]

انتہا پسند ہندوؤں کے ہاتھوں عیسائیوں کی جان و مال اور ان کی عبادت گاہیں بھی محفوظ نہیں۔ چند سال قبل ریاست اڑیسہ میں ایک آسٹریلوی ڈاکٹر کو دو بیٹوں سمیت زندہ جلا دیا گیا۔ جھابوا کے عیسائی مشن ہسپتال میں چند انتہاء پسند ہندوؤں نے 4 عیسائی نرسوں کی بے حرمتی کی۔ مدھیہ پردیش میں کیتھولک راہبہ کو بھری بس میں خنجر مار مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ جنوری 1999ء کے انڈیا ٹوڈے کے مطابق وشوا ہندو پریشد اور بجرنگ دل کے انتہا پسند غنڈوں نے نصف درجن چرچ نذر آتش کر دیئے۔[۳۱]

آپریشن بلیو سٹار سکھوں کے خلاف بھارتی حکومت کا بدترین انتہا پسندانہ اقدام ہے۔ 5 جون 1984 کو، گورو ارجن دیو کی سالگرہ کے دن، بھارتی فوج نے ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں کے ساتھ گولڈن ٹیمپل کے قریب اکال تخت پر حملہ کر دیا۔ مشرقی پنجاب کے دیگر 37 گوردواروں پر بھی عین اسی لمحے حملے کئے گئے۔ یہ آپریشن 72 گھنٹے جاری رہا۔ بھارتی فوج کی درندگی کا نشانہ بننے والوں میں عورتیں، بچے اور بوڑھے بھی شامل ہیں۔ سینکڑوں سکھ خواتین کو عصمت دری کے بعد قتل کر دیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ گولڈن ٹیمپل اور بعد ازاں کے واقعات کی وجہ سے اڑھائی لاکھ سکھ ہلاک ہوچکے ہیں۔[۳۲] ایسی ہی انتہا پسندانہ پالیسیوں کی وجہ سے بھارت کے دو سابق وزرائے اعظم (اندرا گاندھی اور راجیو گاندھی) قتل کئے جاچکے ہیں۔

3.3 اقوام عالم میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان:

اس موضوع کے تحت اگر چہ بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے تاہم مقالے کی گنجائش کو مدنظر رکھتے ہوئے صرف ان واقعات کو ضبط تحریر میں لایا جائے گا جو مذہب کی بنیاد پر مسلمانوں کے خلاف رونما ہوئے۔

بوسنیا میں سرب افواج نے مسلمانوں پر ظلم و بربریت کی انتہا کر دی، لیکن انسانی حقوق کی نام نہاد علمبردار مغربی دنیا محض اس لئے یہ سب کچھ خاموشی سے دیکھتی رہی کیونکہ سرب افواج کے ظلم وستم کا نشانہ بننے والے مسلمان تھے۔ بوسنیا میں اکثر اجتماعی قبریں دریافت ہوتی رہی ہیں۔ سرب افواج مسلمانوں کا قتل عام کرنے کے بعد ان کی لاشوں کو بلڈوزر سے کچل کر انہیں اجتماعی قبروں میں دفن کر دیتی، تاکہ انہیں آئندہ شناخت نہ کیا جاسکے۔ 2003ء کے وسط میں بوسنیا میں کئی ہزار مسلمانوں کی ایک اور اجتماعی قبر دریافت ہوئی جو چار میٹر چوڑی اور بیس میٹر لمبی تھی۔ [۴۳]

چیچنیا میں روس کے مسلم کش اقدامات کی وجہ سے ایک تہائی مسلمان آبادی ہلاک ہو چکی ہے۔ نیشنل سکیورٹی کونسل کی ایک رپورٹ کے مطابق تین لاکھ سے زائد چیچن مارے جا چکے ہیں۔ چیچنیا پر روس کے حملے سے پہلے چیچنیا کی آبادی دس لاکھ تھی جواب صرف تین لاکھ کے قریب رہ گئی ہے۔ کئی لاکھ افراد دوسرے ممالک میں پناہ گزین ہو چکے ہیں۔ [۴۴]

نائن الیون کو امریکہ کو بدترین انتہا پسندانہ واقعات کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن بغیر کسی ٹھوس ثبوت کے مسلمانوں کو ان واقعات کا ذمہ دار تسلیم کر کے ان کے خلاف کارروائیوں کا آغاز کر دیا گیا۔ نائن الیون کے واقعات کے بعد جلد ہی امریکی خفیہ اداروں نے 500 سے زائد اسلامی ویب سائٹوں کو تباہ کر دیا۔ 15 ستمبر 2001ء کو امریکہ میں عربوں کو نشانہ بنایا گیا۔ مساجد پر حملے کئے گئے۔ اسلامک سینٹرز اور کالجوں پر پٹرول بم پھینکے گئے۔ دیواروں پر مسلمانوں کے خلاف جذباتی اور اشتعال انگیز نعرے لکھے گئے۔ برطانیہ اور نیوزی لینڈ میں مسلمانوں کو گالیاں اور دھمکیاں دی گئیں۔ آسٹریلیا میں مسلم برقعہ پوش خواتین سے چھیڑ خانی کی گئی۔ فرانس کے تعلیمی اداروں میں مسلم خواتین کے حجاب پر پابندی عائد کر دی گئی۔ بوسٹن میں ایک مسجد پر پٹرول بم پھینکے گئے۔ میلبورن میں سکارف پہننے والی لڑکیوں کو ہراساں کیا گیا۔ [۴۵]

نائن الیون کے انتہا پسندانہ واقعات نے دنیا میں انتہا پسندی کی ایک نئی لہر کو جنم دیا ہے۔ یہ لہر دو مسلم ممالک کو اپنی لپیٹ میں لے چکی ہے۔ مقتدر قوتیں انتہا پسندی کے خاتمے کے نام پر انتہا پسندانہ اقدامات کر کے انتہا پسندی کو مزید ہوا دے رہی ہیں۔ دہشت گردی کے خلاف نام نہاد جنگ کا آغاز کر کے مسلمان ممالک کے معصوم شہریوں کو آگ اور خون کا غسل دیا جا رہا ہے اور انتہا پسندی کی ایک نئی فصل بوئی جا رہی ہے۔ عالمی سیاست کی بساط پر نئی صف بندیاں ہو رہی ہیں۔ واقعات کے رونما ہونے کی رفتار بہت تیز ہو چکی ہے۔ چنانچہ، تادم تحریر کچھ کہا نہیں جاسکتا کہ یہ سلسلہ کب، کہاں اور کس وقت ختم ہوگا۔

4- تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سیرت طیبہ

اللہ تعالیٰ رب العالمین ہیں [۴۶] اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمت اللعالمین ہیں۔ [۴۷] جس طرح اللہ تعالیٰ

کو ربوبیت تمام جہانوں پر محیط ہے اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت کی لہریں بھی عالموں اور جہانوں میں جاری وساری ہیں۔ اگر دنیا کے سب درخت قلم بن جائیں، سمندر روشنائی میں تبدیل ہو جائیں تو بھی رب العالمین کی قدرت اور ربوبیت کا بیان نہیں ہوسکتا۔[۳۸] اسی طرح فخر کائنات، رحمت للعالمین کی رحمت کا اظہار بھی قرطاس وقلم اور الفاظ سے ماوراء ہے۔ بقول شاعر ؎

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برائی کے بدلے میں برائی نہیں فرماتے تھے اور معاف فرما دیا کرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خندہ جبیں، نرم خو، اور مہربان طبع تھے۔ سخت مزاج اور تنگ دل نہ تھے۔[۳۹] ایک مرتبہ نصاریٰ کا ایک وفد نجران سے مدینہ حاضر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی مہانداری فرمائی۔ مسجد نبوی میں ان کو جگہ دی۔ ان کو اپنے طریقہ پر مسجد میں نماز پڑھنے کی اجازت بھی دے دی۔ جب عام مسلمانوں نے ان کو (عیسائیوں کو) اس کام سے روکنا چاہا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرما دیا۔[۴۰] آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اعلیٰ ظرفی اور رواداری کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی وہ ملعون شخص تھا جس نے نہ صرف مسلمانوں کے خلاف سازش کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا بلکہ ام المومنین حضرت عائشہؓ پر الزام لگانے میں بھی پیش پیش تھا۔ لیکن جب عبداللہ بن ابی کی وفات ہوئی تو (عام مسلمانوں کے نہ چاہنے کے باوجود) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھی اور اُسے اپنا قمیص مبارک پہنا کر دفن بھی کیا۔[۴۱]

کفار مکہ وہ لوگ تھے جنہوں نے ایذا رسانی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دی۔ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدترین دشمن تھے۔ یہ وہ بدزبان تھے جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شاعر وکذاب اور ساحر ومجنوں قرار دیا تھا۔ انہی سنگدلوں کی وجہ سے خاندان رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تین سال تک شعب ابی طالب میں محصور رہنا پڑا۔ انہی لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کی ناپاک سازش کی۔ مسلم مہاجرین کی جائیدادوں پر غاصبانہ قبضے کئے۔ حضرت حمزہؓ کو شہید کرکے ان کی لاش کی بے حرمتی کی۔ مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمرے کا ارادہ فرمایا تو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا اور اپنی شرائط پر صلح کا معاہدہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت اور دریا دلی کی اس سے بڑی مثال اور کیا ہوگی کہ فتح مکہ کے موقع پر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاتح تھے اور اہل مکہ مفتوح، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ساتھ جو سلوک چاہتے کر سکتے تھے۔ کفار مکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رحم وکرم پر تھے لیکن دریائے رحمت جوش میں آگیا اور آپ نے عام معافی کا اعلان کر دیا۔ آپکی رحمت اور عفو وکرم کو دیکھ کر ہندہ بے اختیار پکار اٹھی، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے خیمے سے مبغوض تر خیمہ کوئی میری نگاہ میں نہ تھا لیکن آپکے خیمے سے محبوب خیمہ میری نگاہ میں دوسرا نہیں۔[۴۲]

اللہ تعالیٰ عدل کا حکم دیتے ہیں اور انصاف کو پسند فرماتے ہیں۔[۴۳] خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

اپنی ظاہری حیات مبارکہ میں عدل وانصاف کی اعلیٰ وارفع مثالیں قائم فرمائیں ایک دفعہ مخزوم خاندان کی ایک عورت نے چوری کی۔ قریش کی عزت کے لحاظ سے لوگ چاہتے تھے کہ یہ عورت سزا سے بچ جائے۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب خاص تھے۔ لوگوں کے کہنے میں آکر حضرت اسامہؓ نے دربار رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس عورت کے لئے معافی کی درخواست کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غضب آلود ہوکر فرمایا کہ تم سے پہلے لوگ اسی لئے ہلاک ہوئے کہ وہ غرباء پر حد جاری کرتے تھے لیکن امراء سے درگزر کرتے تھے۔ اللہ کی قسم اگر فاطمہؓ بنت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چوری کی ہوتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا۔ [۴۴] آپ کی اسی انصاف پسندی کی وجہ سے ہی یہود، جو اسلام کے بدترین دشمن تھے، اپنے مقدمات آپ کی عدالت میں لاتے اور آپ ان کی شریعت کے مطابق ان کے تنازعات اور معاملات کا فیصلہ فرماتے۔ [۴۵]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تعلیمات میں اخوت، بھائی چارے، اتحاد، مساوات، میانہ روی اور اعتدال کا درس دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عصبیت کو خارج از اسلام قرار دیتے ہوئے قریشی وغیر قریشی، عربی وعجمی، فقیر وامیر، اور اسود واحمر کے تمام مصنوعی امتیازات مٹا دیئے۔ [۴۶] آپ نے بھائی چارے اور اسلامی معاشرے کی اساس خون، رنگ، نسل، زبان یا علاقائیت پر نہیں بلکہ عقیدۂ توحید پر رکھی۔ ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر ایمان لے آتا، اس برادری میں شامل ہو جاتا۔ اسلامی برادری کو آپ نے فرد واحد کی مانند قرار دیا کہ جب اس کی آنکھ دکھتی تو سارا جسم دکھتا ہے اور سر میں درد ہوتا تو سارا بدن اس تکلیف کو محسوس کرتا ہے۔ [۴۷] آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تفرقہ بازی اور باہمی جھگڑوں سے سختی سے منع فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ ہیں۔ ایک اور موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب دو مسلمان باہم تلوار لے کر مقابلہ کرتے ہیں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخی ہوتے ہیں۔ [۴۸] ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمان کے قتل کو کفر قرار دیا۔ [۴۹]

سیدنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مصنوعی امتیازات کو مٹانے اور مساوات کے فروغ کے لئے محض خطبوں پر ہی اکتفا نہیں کی بلکہ ان تعلیمات کو (مواخاۃ) اور میثاق مدینہ، کی شکل میں عملی طور پر نافذ کر کے بھی دکھایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ صرف تمام صحابہء کرام کے ساتھ یکساں سلوک فرماتے بلکہ اللہ تعالیٰ کا محبوب پیغمبر ہونے کے باوصف بھی دوسروں سے منفرد اور ممتاز ہونے کی کوشش نہ کرتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غرور اور تکبر کو ناپسند فرماتے ہوئے فرمایا کہ جس شخص کے دل میں رائی برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ [۵۰] چشم فلک شاہد ہے کہ مسجد نبوی کی تعمیر کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں کی طرح اینٹیں اور گارا اٹھا کر لاتے۔ غزوۂ احزاب کے موقع پر کفار کا مقابلہ کرنے کیلئے آپ نے صحابہ کرامؓ سے مشاورت کی اور حضرت سلمان فارسیؓ کی رائے کو پسند فرماتے ہوئے خندق کھودنے کا فیصلہ فرمایا۔ خندق کھودنے کے دوران (صحابہ کرام کے منع کرنے کے باوجود) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک عام مزدور کی طرح کام کرتے رہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چند صحابہ کرم کے ہمراہ میرے مکان پر تشریف لائے۔ میں نے بکری کا دودھ پیش کیا، مجلس کی ترتیب یوں تھی کہ حضرت ابوبکرؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بائیں جانب، حضرت عمرؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے سامنے اور ایک بدو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دائیں جانب بیٹھا ہوا تھا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دودھ نوش فرما لیا تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی طرف اشارہ کیا یعنی بقیہ ان کو عنائت ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ پہلے دائیں طرف والے کا حق ہے۔ یہ فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بچا ہوا دودھ بدو کو عنائت فرما دیا۔[۵۱]

فخر دو عالم نے میانہ روی کو پسند فرمایا اور اعتدال کی تلقین فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، تین چیزیں نجات دینے والی ہیں۔ اول، ظاہر اور باطن میں اللہ سے ڈرنا۔ دوئم، خوشی اور غم دونوں حالتوں میں میانہ روی اختیار کرنا۔ سوئم، امیری اور فقیری دونوں میں میانہ روی اختیار کرنا۔[۵۲] حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ دین میں آسانی ہے۔ جو شخص دین میں سختی کرتا ہے، دین اس پر غالب آجاتا ہے۔ پس میانہ روی اختیار کرو اور قوت کے موافق عمل کرو۔[۵۳] رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دینی اور دنیاوی تقاضوں میں میانہ روی کا درس دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میں یہودیت یا نصرانیت لیکر دنیا میں نہیں آیا میں آسان اور سہل ابراہیمی مذہب لیکر آیا ہوں۔[۵۴] ایک مرتبہ چند صحابہ کرامؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معمولات حیات کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کیلئے امہات المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان صحابہ کا خیال تھا کہ آپ دن رات عبادت کے سوا کچھ نہ کرتے ہوں گے۔ امہات المومنین سے حالات سنے تو معیار کے موافق نہ تھے۔ بولے کہ ہم کو آنحضرت سے کیا نسبت۔ ان کے سب گناہ تو اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیئے۔ پھر ایک صاحب نے کہا کہ میں رات بھر نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرے صاحب بولے میں عمر بھر روزہ رکھوں گا۔ تیسرے صاحب نے یوں کہا کہ میں کبھی شادی ہی نہ کروں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی یہ سب باتیں سن رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، خدا کی قسم، میں تم سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں۔ تاہم میں روزہ رکھتا ہوں۔ افطار بھی کرتا ہوں۔ نماز بھی پڑھتا ہوں۔ سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں اور جو شخص میرے طریقہ پر نہیں چلتا وہ میری جماعت سے خارج ہے۔[۵۵] الغرض، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات اور سیرت مقدسہ سے ہمیں زندگی کے تمام تقاضوں بشمول دینی اور دنیاوی تقاضوں کے درمیان اعتدال اور میانہ روی کا سبق ملتا ہے۔

تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہمیں رضائے الٰہی کے حصول کیلئے خدمت خلق کا درس بھی ملتا ہے۔ حضرت انسؓ اور حضرت عبداللہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کی مخلوق کا کنبہ ہے۔ پس بہترین شخص وہ ہے جو خدا کے کنبہ کے ساتھ احسان کرے۔[۵۶] ایک اور موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو لوگ خدا کی مخلوق پر رحم وشفقت کرتے ہیں رحمٰن ان پر شفقت کرتا ہے۔ تم زمین والوں پر رحم کرو تا کہ آسمان والا تم پر رحم کرے۔[۵۷] یعنی ہر قسم کے مفادات سے بالاتر ہو کر خدمت خلق کرنا اللہ تعالیٰ سے رابطے اور اس کی رحمت وشفقت کے حصول کا موثر ذریعہ ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر لحہ خدا کی یاد میں مصروف رہتے تھے۔[۵۸] آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے کبھی کوئی بات حق کے سوا نہیں نکلی۔[۵۹] آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری حیات مقدسہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی تھی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کوئی بات اپنی

طرف سے نہیں کہی۔[۱۰] الغرض اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا تجزیہ کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ کا محور و مرکز تھی اور رضائے الٰہی کا حصول ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر عمل کا مرکزی نکتہ تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوستی کی تو اللہ تعالیٰ کے لئے ۔تلوار اٹھائی تو اللہ تعالیٰ کے لئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بشری تقاضوں کی تکمیل فرمائی تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کے لئے۔

5-مذہبی انتہا پسندی کا خاتمہ تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں

مذہبی انتہا پسندی کے خاتمے کے لئے انفرادی اور اجتماعی سطح پر مندرجہ ذیل لائحہ عمل تجویز کیا جاتا ہے

5.1 انفرادی لائحہ عمل:

☆ امت کو اپنے نبی کی طرز فکر منتقل ہوتی ہے۔ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں سے ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمت للعالمین تھے۔سب سے پہلے ہمیں اپنے قول وعمل کا محاسبہ کرنا چاہئے اور کوشش کرنی چاہئے کہ ہمارا وجود جو دوسرے انسانوں کیلئے باعث زحمت نہیں بلکہ باعث رحمت ہو۔

☆ چونکہ اللہ تعالیٰ حد بندیوں سے ماوراء ہیں اس لئے خلاف ارضی کا منصب اس امر کا متقاضی ہے کہ انسان کی سوچ محدود نہ ہو۔اجتہادی اور فروعی معاملات میں اختلاف رائے ناگزیر ہے۔اتحاد امت کی خاطر اس اختلاف کو وجہ نزاع نہیں بننے دینا چاہئے۔اس مقصد کے حصول کے لئے ہمیں اپنے رویوں میں اعتدال، میانہ روی، صبر اور برداشت کو فروغ دینا ہوگا۔

☆ چونکہ ہدائت واضح ہو چکی اور دین میں کوئی جبر نہیں۔[۱۱] اس لئے ہمیں اپنا نقطہء نظر احسن طریقے اور حکمت کے ساتھ لوگوں کے سامنے ضرور پیش کرنا چاہئے، تاہم اپنے نظریات وافکار ان پر مسلط کرنے کی کوشش سے گریز کرنا چاہئے۔

☆ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر عمل کرتے ہوئے کوشش کرنی چاہئے کہ ہمارا ہر قول وعمل صرف اللہ کے لئے ہو۔ خاص طور پر مذہبی اور علمی امور میں کی جانے والی کاوشوں سے محض اپنی انا اور ذاتی خواہشات کی تسکین مطلوب نہیں ہونی چاہئے۔

☆ ذاتی مفادات سے بالاتر ہو کر خدمت خلق اللہ کی رحمت کے حصول کا موثر ذریعہ ہے۔اگر ہمارا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے معاشرے کے لئے زیادہ سے زیادہ مفید ثابت ہونے کی کوشش کرنی چاہئے۔

☆ علم شرف انسانیت بھی ہے اور تعصبات کو بھی ختم کرتا ہے۔ہمیں مذہبی انتہا پسندی کے خاتمے اور دینی ودنیاوی کامیابی کے لئے علم اور تحقیق وتفکر کو فروغ دینے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہئے۔

5.2 اجتماعی لائحہ عمل:

☆ علماء کرام، سیاستدانوں، اور سماجی شخصیات کو مذہبی انتہا پسندی کے نتائج وعواقب سے آگاہ کیا جائے اور انہیں مذہبی انتہا پسندی

کے سدباب اور رویوں میں اعتدال اور توازن کے فروغ کے لئے اہم اور موثر کردار ادا کرنے کے لئے قائل کیا جائے۔

☆ تمام مکاتیب فکر اور مسالک سے تعلق رکھنے والے علماء کرام پر مشتمل بورڈ بنایا جائے جو

a) مذہبی انتہاپسندی کے خاتمے کے لئے ایک ضابطہ اخلاق تشکیل دے اور حکومت اس ضابطہ اخلاق پر عملدرآمد کو یقینی بنائے۔

b) اس ضابطہ اخلاق پر عملدرآمد کا جائزہ لے اور حکومت کو اپنی سفارشات پیش کرے۔

☆ انتہاپسند مذہبی عناصر کی ہر ممکن حوصلہ شکنی کی جائے اور انتہاپسند مذہبی تنظیموں کو فنڈز کی فراہمی میں تعطل پیدا کیا جائے۔

☆ گروہی رابطوں سے نفرتیں اور فاصلے کم ہوتے ہیں۔ چنانچہ وقتاً فوقتاً سیمینارز اور اس نوعیت کی دیگر تقریبات کا باقاعدگی سے انعقاد کیا جائے جس میں تمام مکاتیب فکر کی شرکت کو یقینی بنایا جائے اور عوام میں بھی یکجہتی کے فروغ کے لئے ان تقریبات کی میڈیا پر کوریج کا خاص اہتمام کیا جائے۔

☆ حقیقت ہمیشہ غیر جانبدار ذہن پر آشکار ہوتی ہے۔ مسلکی مفادات کے تحت مطالعہ اسلام سے ذہن کی غیر جانبداریت ختم ہو جاتی ہے۔ علماء کرام کی معاونت سے ایسا مذہبی نظام تعلیم تشکیل دیا جائے جس میں قرآنی تعلیمات میں غیر جانبدارانہ تحقیق کے رجحان کی حوصلہ افزائی ہو۔ اس سے نہ صرف مذہبی انتہاپسندی کا خاتمہ ہوگا بلکہ امت مسلمہ کے اتحاد و اتفاق کا خواب بھی شرمندہ تعبیر ہو سکے گا۔

☆ ہم سب کو چاہئے کہ وطن عزیز میں جمہوریت اور جمہوری رویوں کے فروغ کے لئے اپنا اپنا کردار ادا کریں۔ اگر ملک میں جمہوریت اور جمہوری رویوں، مثلاً آزادئ اظہار، صبر اور برداشت کو فروغ ہوگا تو خود بخود مذہبی انتہاپسندی کی شدت میں کمی آتی جائے گی۔

انہی الفاظ اور اس شعر کے ساتھ اجازت چاہوں گا۔

مقام خویش اگر خواہی دریں دہر
بحق دل بند و راہ مصطفیٰ رو

وما علینا الا البلاغ

حواشی

۱۔ الانشراح، آیت ۴

۲۔ ابوداؤد، بحوالہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، علامہ شبلی نعمانی، جلد دوئم

۳۔ The Oxford English Dictionary, 2nd Edition, Clarendon Press, Volumes 5, page 618-9

۴۔ جامع اللغات جلد اول، ص ۲۹۹، ۱۹۸۹

۵۔ اردو لغت، جلد اول، ص ۹۰۰، ترقی اردو بورڈ کراچی، ۱۹۷۷

۶۔ یٰس، آیت ۳۶
۷۔ النحل، آیت ۹۰
۸۔ ضیاء القرآن، محمد کرم شاہ، جلد دوئم، ص ۵۹۶
۹۔ اعراف، آیت ۵۵، المائدہ، آیت ۴۲
۱۰۔ البقرہ، آیت ۱۴۳
۱۱۔ تفہیم القرآن، ابوالاعلیٰ مودودی، جلد اول، ص ۱۱۹
۱۲۔ ضیاء القرآن، محمد کرم شاہ، جلد اول
۱۳۔ النحل، آیت ۱۲۵
۱۴۔ روحانی ڈائجسٹ کراچی، ص ۳۳، فروری ۲۰۰۴
۱۵۔ ھود، آیت ۷۵
۱۶۔ تجرباتی نفسیات، ص ۲۰۸، اعتصام پبلشرز لاہور، ۱۹۸۹
۱۷۔How (un) Ethical are you, Harvard Business Review, Dec 2003, page 58
۱۸۔ تجرباتی نفسیات، ص ۲۰۷
۱۹۔ اخبار جہاں، ص ۱۵، ۲۰ تا ۲۶ اکتوبر
۲۰۔ روز نامہ جنگ لاہور، ۱۹ جنوری ۱۹۹۷
۲۱۔ روز نامہ جنگ لاہور، ۱۲ جنوری ۱۹۹۸
۲۲۔ اخبار جہاں، اداریہ، ۱۹ تا ۲۵ مارچ ۲۰۰۱
۲۳۔ روز نامہ جنگ لاہور، [illegible] جون ۲۰۰۳
۲۴۔ روز نامہ جنگ لاہور، ۱۰ جون ۲۰۰۳
۲۵۔ اخبار جہاں، ص ۱۰، ۱۴ تا ۲۰ جولائی ۲۰۰۳
۲۶۔ روز نامہ جنگ راولپنڈی، ۱۶ اکتوبر ۲۰۰۳
۲۷۔ روز نامہ جنگ، ۲۰۰۴، سنڈے میگزین
۲۸۔ مجلہ الدعوۃ، فروری ۱۹۹۹
۲۹۔ پندرہ روزہ جہاد کشمیر، ۱۶ مارچ ۲۰۰۳
۳۰۔ پندرہ روزہ جہاد کشمیر ۳۱ جنوری ۲۰۰۳
۳۱۔ مجلہ الدعوۃ، فروری ۱۹۹۹
۳۲۔ پندرہ روزہ جہاد کشمیر، ۳۱ جنوری ۲۰۰۳
۳۳۔ اخبار جہاں، ص ۱۰، ۴ تا ۱۰ اگست ۲۰۰۳
۳۴۔ اخبار جہاں ۲۸ ستمبر ۲۰۰۳۔ جہاد کشمیر ۳۰ نومبر ۲۰۰۳

۳۵۔ روز نامہ جنگ، سنڈے میگزین، ۴ جنوری ۲۰۰۴

۳۶۔ فاتحہ، آیت ۱

۳۷۔ الانبیا آیت ۱۰۷

۳۸۔ لقمن آیت ۲۷

۳۹۔ ترمذی شریف، شمائل ترمذی

۴۰۔ زادالمعاد

۴۱۔ بخاری شریف

۴۲۔ بخاری شریف، ذکر ہندو

۴۳۔ المائدہ ۴۲، النحل ۹۰

۴۴۔ بخاری شریف، کتاب الحدود

۴۵۔ سیرت النبی، علامہ شبلی نعمانی، ص ۳۰۸

۴۶۔ احمد، بیہقی، باب المفاخرہ والعصبیۃ

۴۷۔ مسلم

۴۸۔ سیرت النبی، شبلی نعمانی، ص ۸۔۴۷۷

۴۹۔ سیرت النبی، شبلی نعمانی، ص ۴۷۱

۵۰۔ صحیح مسلم

۵۱۔ بخاری شریف، بحوالہ سیرت النبی، ص ۳۳۴

۵۲۔ بیہقی بحوالہ سیرت النبی، ص ۳۰۸

۵۳۔ بخاری شریف

۵۴۔ مسند ابن حنبل، بحوالہ سیرت النبی، ص ۳۲۶

۵۵۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح

۵۶۔ بیہقی، باب شفقت ورحمت

۵۷۔ ابوداؤد، ترمذی

۵۸۔ بحوالہ سیرت النبی، شبلی نعمانی، ص ۲۶۱

۵۹۔ حدیث مبارکہ بحوالہ ضیاء القرآن، ص ۱۱، جلد پنجم

۶۰۔ نجم، آیت ۳،۴

۶۱۔ البقرۃ، آیت ۲۵۶

دورِ حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اس کا خاتمہ، سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں

مولانا عبدالکریم، خضدار

دہشت گردی ایک اصطلاح کے طور پر استعمال ہونے والا لفظ ہے۔ مختلف ماہرین علوم نے اس کی تعریف کرتے ہوئے الگ الگ عناصر شامل کئے ہیں۔ وقت اور مقام کے ساتھ ساتھ اس کے تعریفی الفاظ تبدیل ہوتے رہے ہیں لیکن ان میں ایک بات مشترک ہے وہ یہ کہ اس عمل میں تشدد اور تباہی کے ذریعے دہشت گردی کی جاتی ہے۔ ایک متفقہ مکتبہ فکر کے نزدیک یہ تعریف نہایت معقول نظر آتی ہے۔ دہشت کو برسرِ اقتدار گروپ کے خلاف بعض سیاسی، معاشی و معاشرتی نظریات تبدیل کرنے کے لئے دباؤ کے طور پر استعمال کئے جانے کا نام دہشت گردی ہے۔ اس میں تشدد کے استعمال کی دھمکی بھی ہے اور تشدد کا بھرپور استعمال بھی۔

دہشت گردی کا خاص مقصد یہ ہے کہ غیر قانونی سرگرمیوں اور کارروائیوں کے ذریعے ایک خاص علاقہ، ریاست یا ملک میں رہنے والے اقلیتوں کے اعتماد کو متزلزل کر دیا جائے تاکہ زیادہ تر لوگ جمہوری حکومتوں سے متنفر ہو جائیں۔ حتیٰ کہ دہشت گرد لوگوں کے مطالبات من وعن قبول نہ کر لئے جائیں۔

نیو انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کا مقالہ نگار اس بابت یوں تعریف کرتا ہے۔

دہشت گردی:

بلاشبہ آج پوری دنیا انفرادی دہشت گردی کی نذر ہے اور عالمی سطح پر ایک سازش کے تحت دہشت گردی کے ڈانڈے امت مسلمہ سے جوڑے جاتے ہیں اور پھر اسلام کے تصور جہاد کو دہشت گردی کی شکل قرار دیا جا رہا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ دہشت گردی کے متعلق اسلامی تعلیمات کو انٹرنیشنل سطح پر پھیلایا جائے اور تصور جہاد کا صحیح و جامع مقصد دنیا کے سامنے لایا جائے۔

انگریزی میں دہشت کیلئے لفظ (Terror) استعمال ہوتا ہے جس کا معنی ہے حد درجہ خوف، کسی شخص کو خوفزدہ کرنا اسی طرح دہشت گردی کیلئے استعمال ہونے والا لفظ (Terrorism) ہے جس کے معنی ہے تشدد اور ظلم دھمکی۔

''دہشت گردی سے مراد حکومت، عوام یا کسی فرد کے خلاف سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے باقاعدہ خوف و ہراس یا ناقابل تصدیق تشدد کے استعمال کا نام ہے۔ دہشت گردی سیاسی تنظیمیں اپنے قدامت پسندانہ اور رجت پسندانہ اہداف حاصل کرنے کے لئے کرتی ہیں۔ اسی طرح قوم پرست نسلی ولسانی گروپ انقلاب پسند گروہ اور خود حکومت کی خفیہ پولیس دہشت گردی

کا ارتکاب کرتی ہے۔"

دہشت گردی اور انتہا پسندی کا بیان کردہ ان تعریفوں اور اس کے مقاصد کے ضمن میں پیش کئے گئے نظریات سے واضح ہوتا ہے کہ دہشت گردی انسانی زندگیوں کی تباہی و بربادی، معصوم بچوں اور عورتوں کی جانوں کا ضیاع اور ان کی عصمت دری عمارات اور املاک کی آتشزدگی، جنسی تشدد، اغواء برائے تاوان کی وارداتوں اور مذہبی، فقہی اور ملکی اختلافات کی بناء پر گردن زدنی سے عبارت ہے۔

دہشت گردی اور انتہا پسندی کے راستے کا انتخاب کرنے والے کا تعلق سیاسی و مذہبی تنظیم اور نظریاتی مفاد اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کے پیچھے غیر ملکی ہاتھ ہوتا ہے تا کہ ملک میں پے در پے دہشت گردی کے واقعات سے مشتعل ہو کر وہاں کے عوام اپنے حکمران طبقہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔

اب آیئے دیکھئے کہ دہشت گردی کے متعلق دین فطرت کی کیا ہدایات اور تعلیمات ہیں۔

دہشت گردی اسلام میں:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْساً بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْفَسَادٍ فِى الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا.

ترجمہ: "جو کوئی کسی کی جان لے بغیر اس کے کسی کی جان لی ہو یا زمین میں فساد کیا ہو، اس نے گویا تمام انسانوں کا خون کیا۔"

اسلام کی نظر میں انسانی خون کی بڑی قدر و قیمت ہے اس سے سروکار نہیں کہ وہ مسلم ہے غیر مسلم، اسلام کبھی بھی کسی انسان کا خون جائز قرار نہیں دیتا بغیر کسی معقول اور جائز سبب کے۔ قرآن کہتا ہے کہ:

وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ نے جس جان کو حرام کیا ہے اس کو ناحق مت مارو۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حدیث مبارکہ ہے:

اول مایحاسب به العبد الصلوة و اول ما يقضى بين الناس يوم القيامة فى الدماء

ترجمہ: "قیامت والے دن آدمی سے جس چیز کا سب سے پہلے حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے اور لوگوں کے درمیان جس چیز کا سب سے پہلے فیصلہ کیا جائے گا وہ خون کے معاملات ہیں۔"

وطن عزیز میں ایک عرصے سے جاری دہشت گردی میں شروع شروع میں عام افراد کچھ عرصہ بعد عبادت میں مشغول افراد پھر مذہبی و سیاسی رہنما اور اس کے بعد عیسائیوں کے گھر جا گھر (چرچ) اور غیر ملکی سفیروں، مہمانوں اور ہنرمندوں کو اس

دہشت گردی کا سامنا کرنا پڑا۔

وطن عزیز میں غیر ملکیوں کی آمد، قیام اور تفویض کردہ کام باقاعدہ ایک معاہدہ کے بعد ہوتا ہے۔ وہ حکومت کی اجازت اور منشاء کے بغیر ایک دن بھی مزید قیام نہیں کر سکتے۔ پس معلوم ہوا کہ ان غیر ملکیوں کی دینی حیثیت معائد کی ہے اور اس بابت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان اظہر من الشمس ہے۔

من قتل معائداً لم یرح رائحة الجنة وان ریحھا لیوجد من سیرة اربعین عاما

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ:

جو شخص کسی معائد (غیر مسلم اور غیر ملکی) کو قتل کرے گا، اسے جنت کی بو تک نصیب نہ ہوگی جبکہ اس (جنت) کی خوشبو چالیس برس کی مسافت سے محسوس ہوتی ہے۔

چنانچہ قرآن عظیم اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات سے واضح ہوتا ہے کہ کسی انسان کو موجودہ دور کی مروجہ دہشت گردی سے تعبیر کرنا بالکل صحیح نظر آتا ہے۔ اسی لئے دین اسلام میں انسانی جان و مال کی حفاظت و احترام ایسے بنیادی حقوق ہیں جن سے کسی بھی انسان مسلم یا غیر مسلم کو محروم نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اسلام ان کا پورا احترام اور پاسداری کرتا ہے اور ان حقوق کو غصب اور قبضہ کرنے والوں کیلئے کڑی سزائیں اور سخت وعیدیں مقرر کرتا ہے کیونکہ وہ اگر ایسا نہ کرتا تو یہ ایک بڑا ظلم مانا جاتا۔

چونکہ دہشت گردی کے واردات میں قصداً عمداً اور ظلماً انسانی جان کو قتل کیا جاتا ہے لہٰذا اس فعل کی سزا بھی قتل کی نسبت سخت ہے، یہ سب اس لئے تاکہ اس وحشت، بربریت اور درندگی کا سدباب ہو۔

چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ:

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ

ترجمہ: ''جو لوگ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں ان کی سزا یہ ہے کہ انہیں قتل کیا جائے یا صلیب دیا جائے یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف اطراف سے قطع کر دیئے جائیں یا انہیں ملک بدر (جلاوطن) کیا جائے۔ یہ ان کیلئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

اسلام نے دہشت گردی میں قتل ہونے والے اور قصداً قتل ہونے والے میں فرق اور امتیاز نہیں رکھا۔

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ:

من قتل له قتیل فھو بخیر انظرین اما ان یفتدی واما ان یقتل

ترجمہ: ''جس کا کوئی آدمی قتل ہو جائے اسے دو باتوں کا اختیار ہے چاہے اس کا فدیہ لے چاہے قتل کرے۔''

دہشت گردی میں کسی انسان کا قتل قتل عمد کی مثل ہے۔ اس لئے اسلام نے جو قتل کی سزا قصاص رکھی ہے اس میں مسلم و

غیر مسلم کی کوئی تفریق نہیں کیونکہ قصاص کا حکم عام ہے۔

نفرت اور ناراضگی کے سیلاب کا رخ اسلام کی طرف کیوں؟

اہل مغرب میڈیا کے بل بوتے پر ہمہ وقت دین اسلام کے حاملین پر الزام لگا رہے ہیں کہ نعوذ باللہ دین اسلام اپنے پیروکاروں کو تشدد، قتل، تخریب اور جلاؤ گھیراؤ کی تعلیم دیتا ہے اور یہ کہ اسلام کو قتل و غارت کرنے والا اور خون بہانے والا مذہب قرار دیتے ہیں جو اپنے ماننے والے کو بھی خون ریزی پر اکساتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے سوا دوسرے تمام مذاہب کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ ان نام نہاد امن کے دعویداروں نے خود انسانیت کے خون ناحق سے کرہ ارض کو متعدد بار سرخ بنا دیا ہے۔

اپنے تاریخی اور سنگین جرائم پر پردہ پوشی کی فکر میں دین اسلام اور حاملین اسلام کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں اس لئے کہ دنیا کی اس نفرت اور ناراضگی کے سیلاب کا رخ اسلام کی طرف پھیر دیں۔ یہاں پر ایک مثال کے ذریعہ اس بات کی وضاحت کی جا رہی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خالد بن ولید کو بنی خذاعہ کی طرف بھیجا۔ انہوں نے ان کو اسلام لانے کی دعوت دے دی۔ بنی خذاعہ اچھی طرح یوں نہ کہہ سکے کہ ہم اسلام لائے بلکہ گھبراہٹ، عجلت اور رعب و دہشت کے باعث ان کے منہ سے یہ الفاظ نکلے کہ ہم "صابی" ہو گئے ہیں۔ خالد بن ولید نے ان کو قتل کرنا اور گرفتار کرنا شروع کیا اور ہر ایک مسلمان کا قیدی اسی کے سپرد کر دیا۔

اسی دوران ایک دن خالد بن ولید نے یہ حکم جاری کیا کہ ہر ایک مسلمان اپنے قیدی (جو کہ اس کی تحویل میں ہے) کو قتل کر دے، مار ڈالے۔ راوی حدیث عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ میں نے انکار کیا اور کہا کہ خدا کی قسم میں اپنے قیدی کو نہیں ماروں گا اور نہ میرے دوسرے ساتھیوں میں سے کوئی اپنا قیدی مارے گا جب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچے تو آپ سے یہ واقعہ بیان کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور دعا کی:

> اے خدا! خالد نے جو کچھ کیا، میں اس سے بری ہوں، میں اس سے بری ہوں۔ حضرت خالد بن ولید کے اس اقدام سے حضور ختمی المرتبت والرسالت نے بارگاہ ایزدی سے بری الذمہ کی دعا کی اور ایک طرح اس فعل اور عمل کی برملا مخالفت کا اظہار فرمایا۔

مخالفین اور معاندین اسلام کو درج بالا ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھل کر غور و فکر اور تدبر کا موقع فراہم کرتی ہے۔ الیس منکم رَجل الرشیدة

سچ تو یہ ہے:

دنیائے اسلام کے محققین اور اسکالرز کا یہ فرض ہے کہ وہ دنیا کو بتا دے کہ اسلام اور مسلمانوں کا بنیاد پرستی، انتہا پسندی اور دہشت گردی سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ تو خالص عیسائیوں اور یہودیوں کی دین ہے۔ اسلام تو زندہ اور ترقی پسند مذہب ہے

جس میں دنیا کو دنیا سے الگ نہیں کیا جا سکتا جو کچھ اس انداز میں باہم مربوط ہیں کہ اکائی کا رنگ لئے ہوئے ہیں۔

مذہب کوئی بھی ہو اس کی تعلیمات انسانوں کی ہلاکت و بربادی پر ابھارنے والی نہیں ہوتے۔ یہ تو بعد کے اضافے اور ٹانکے ہیں جو بالجبر مذہبی رنگ لئے ہوتے ہیں۔ ان تعلیمات کا اصل مذہب اور اس کی تعلیمات سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ یہ سب اضافہ وقت کے طالع آزما اقتدار پسند اور انسان دشمن قوتوں کے مذموم مقاصد کے حصول اور تکمیل کیلئے مذہبی رنگ میں رنگ دیئے ہیں۔ حقیقتاً دہشت گردی، تخریب کاری اور انتہا پسندی کی برائی کا کسی خاص مذہب عقیدہ اور گروہ سے تعلق نہیں ہوتا۔

تاریخ میں جھانکیں تو بلاتمیز مذہب و ملت متعدد معاشرے اس گناہ میں لتھڑے دکھائی دیتے ہیں۔ یہاں تک سیکولرازم کا ڈھونگ رچانے والے بھی اتنے ہی بلکہ کچھ زیادہ گناہگار نظر آتے ہیں۔ ہندوستان اور متعدد مغربی ممالک کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ ائرلینڈ، سربیا، بوسنیا، ہرزگوینا اور کروشیا میں کیا ہوا؟ آخر اسے کس کھاتے میں ڈالیں گے؟ یہ سب تو نام نہاد سیکولر معاشروں کا کیا دھرا ہے۔ مذاہب کا یا پھر ویٹیکن سٹی کے پوپ جان پال کا اس میں کوئی مشورہ شامل تھا؟ یا اب افغانستان کو تیا پانچا کرنے کے بعد عراق میں کشتوں کے پشتے کس مذہب کی مشاورت سے لگائے جا رہے ہیں۔ یہ سب کچھ ہوس زر اور تجارت کے لئے ہیں نہ کہ کسی نظریہ یا مذہب کی اشاعت اور پرچار کیلئے۔

انتہا پسندی اور استعمار پسندی کے خلاف اسلام میں جہاد:

اگر کوئی گروہ، فرقہ، جماعت یا حکومت جہانگیری و کشورکشائی کے شوق میں اندھی ہو جائے یا ملک گیری کی ہوس میں یا مال و اسباب کی لوٹ مار کی خواہش میں امن و امان کو خراب کرنے کی کوشش کرے جس سے کمزور قوموں کی آزادیاں سلب ہونے لگیں تو ایک اسلامی حکومت کو جہاد کرنا ناگزیر ہو جاتا ہے تاکہ وہ استعماریت کا سدباب کر سکے۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اور تم ان (فتنہ بازوں) سے لڑتے رہو، یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین صرف اللہ کیلئے ہو جائے۔''

پھر اگر وہ (فسادی) باز آئیں تو کسی پر زیادتی نہیں مگر ظالموں پر۔ آیۂ ذیل کی تفسیر میں شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی کہتے ہیں زیادتی سوائے ظالموں کے اور کسی پر نہیں یعنی جو افراد بدی سے باز آ گئے وہ اب ظالم نہ رہے تو اب ان پر زیادتی بھی مت کرو، ہاں جو فتنہ سے باز نہ رہیں ان کو شوق سے قتل کرو۔

ایسے مواقع پر بھی اسلام جہاد کی اجازت دیتا ہے تاکہ اسلام کے پیروکار پوری آزادی سے اپنے مذہب پر عمل پیرا ہو سکیں۔ دوسرے فلسفہ حیات کو زبردستی سے ان پر لاگو نہیں کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی اسلام اپنے ماننے والوں کو یہ اجازت دیتا ہے کہ وہ زبردستی اپنے افکار، نظریات اور فلسفہ حیات کو زبردستی دوسرے لوگوں کو پہنچائیں۔

اس کے برعکس انتہا پسندی اور دہشت گردی کا اصل مقصد عوام کو خوف و ہراس میں مبتلا کر کے سیاسی و معاشی فوائد حاصل کرنا ہوتا ہے چنانچہ یہ کہنا بالکل عین انصاف اور مناسب ہے کہ دہشت گردی نام ہے اخلاقی اقدار کو مٹانے کا اور انسانیت

سوز اور وحشیانہ اطوار کو زندہ کرنے کا کیونکہ اس قسم کے واقعات میں اکثر بوڑھے کم سن بچے اور بے گناہ عورتیں قتل و غارت کا شکار ہوتی ہیں۔

مذہبی انتہا پسندی کی ابتداء:

سیکوئی نامی ایک یہودی فرقہ ۷۹۸ء میں پہلی بار انتہا پسند گروپ کے طور پر منظر عام پر آیا۔ اس انتہا پسند یہودی گروپ نے دہشت گرد کارروائیوں کا آغاز کیا۔ اس گروہ نے چھوٹی سی تلوار کی طرح کا ایک مخصوص ہتھیار استعمال کیا جسے SICA کہا جاتا ہے۔ اس ہتھیار کو پرہجوم جگہوں پر اچانک استعمال کیا جاتا اور بعد ازاں حملہ آور بھگدڑ میں خود بھی روپوش ہو جاتا۔ ان یہودیوں نے عیسائی عبادت گاہوں کو نذر آتش کیا اور قیصر روم کے خلاف بغاوت کرتے ہوئے دہشت گرد کارروائیاں شروع کیں۔ یہ دہشت گردی اتنی بڑھی کہ ایک بار فلسطین کے بڑے شہر یروشلم کو پینے کا پانی فراہم کرنیوالی پائپ لائنوں کو بھی تباہ کیا گیا۔ یوں دہشت گرد کارروائیوں کا یہ سلسلہ فلسطین کے یہودیوں سے آگے بڑھی اور یورپ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اب یورپ میں بادشاہوں کے خلاف بغاوت کے لئے یہی دہشت گرد کارروائی ایک کامیاب ہتھیار کے طور پر استعمال ہوتی رہی۔ ۱۹۸۶ء میں تاریخ کا پہلا بم دھماکہ پھر ۱۹۰۵ء میں گورنر اسٹان برگ کا قتل ۱۹۱۰ء میں لاس اینجلس ٹائمز بلڈنگ میں بم دھماکہ اس کی بڑی اور واضح مثالیں ہیں۔

اس طرح ۱۹۹۱ء میں بننے والی تنظیم انارکسٹ انٹرنیشنل نے ۱۸۹۳ء میں فرانس کے رہائشی گھروں کو بم سے اڑا دیا۔ یہاں یہ بات بھی واضح ہو کہ خودکش اور فدائی حملوں کی بنیاد بھی ۱۸۹۴ء میں اسی تنظیم نے چیمبر آف ڈپٹیز میں خودکش بم دھماکے سے ڈالی۔ فرانسیسی صدر کارنٹ اور اسپین کے وزیر اعظم انتونیو کارنواس، آسٹریلیا کے فرماں روا ملکہ الزبتھ اور اٹلی کے بادشاہ امرتو دہشت گردی کی کارروائیوں کی بھینٹ چڑھے، اسی طرح زار روس کے خلاف بننے والی NORD DA NAYA VOLA نامی تنظیم نے دہشت گردی کی بڑی کارروائیاں کی ہیں اسی کے ساتھ ساتھ ۱۹۰۱ء میں ایک اور خوفناک تنظیم BOEYAYA نے سرکاری وزراء کے قتل سمیت متعدد کارروائیاں کیں۔ ۱۹۰۱ء سے ۱۹۱۱ء اس تنظیم نے ۲۰۰ سے زیادہ بڑی کارروائیاں کیں جن میں روسی گورنروں اور بونگی، بگز الوچ، وزیر داخلہ بلیف کے قتل سمیت اوپیرا ہاؤس پر حملہ بھی شامل ہیں الغرض ۱۸۹۰ء سے ۱۹۱۴ء، جنگ عظیم اول تک یورپ کی سرزمین دہشت گردی اور انتہا پسندی کے لئے جنت بن گئی تھی۔ مقام صد شکر ہے اس تمام عرصے میں ان کارروائیوں میں کوئی ایک بھی مسلم تنظیم یا شخصیت شامل نہیں تھی لیکن آج زبردستی اور میڈیا کے زور پر کرہ ارض پر جاری تخریب کاری کے لئے فقط مسلمان ذمہ دار ٹھہرائے جا رہے ہیں اور ہر طرف یہی واویلا اور شور مچ رہا ہے کہ مسلمان ہی تخریب کاری اور دہشت گردی کا موبائل مظہر ہے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ دہشت گردی کیا ہے اور کون دہشت گرد ہے؟؟؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تعلیم دی کہ اختلاف کو برداشت کیا جائے اور اختلاف کے ساتھ اتحاد کی جانب آگے بڑھا جائے۔

تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ

آؤ ان باتوں، قدروں اور نکات پر اتحاد کرتے ہیں جو کہ ہم میں مشترک ہیں۔

یہ تھا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اختلاف کے ساتھ اتحاد کی جانب بڑھنے کا طریقہ۔

لہٰذا پاکستان ہی نہیں جہاں جہاں مسلمانوں نے اس سے روگردانی کی نقصان اٹھایا اور اٹھا رہے ہیں۔ اس سلسلے کی سب سے بڑی نشانی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکی زندگی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مخالفین اسلام کے خلاف تشدد کی تلقین نہیں کی بلکہ اعلیٰ ترین اخلاقی قدروں کو تمام تر مخالفتوں کے باوجود معاشرے میں عام کیا خود بھی ظلم اور تشدد کو برداشت کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ اکرام نے بھی اسی راہ کو اپنایا۔

تاریخ گواہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ اس کا بہترین نمونہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑے سے بڑے اختلاف کو صبر وضبط اور حسن سلوک کے ذریعے حل کیا۔ بہتر تدبیر سے اور برائی کا بدلہ بھلائی سے دے کر دشمنوں کو دوست بنایا لیکن بدقسمتی سے پاکستان کا معاشرہ اور لوگوں کی زندگیوں میں تشدد اور عدم برداشت کی کیفیت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ تشدد، مار دھاڑ شہری اور دیہی زندگی کا حصہ بنتا جا رہا ہے۔ درسگاہیں، خانقاہیں اور عبادت خانے تشدد اور لڑائی جھگڑوں کا منظر پیش کر رہی ہیں۔ یہ اس تشدد کے زہر کا شاخسانہ ہے کہ کم فہم مذہبی رہنما اور نابالغ عقل سیاسی لیڈر معاشرے میں پھیلا رہے ہیں۔

انتہا پسندی وتشدد کے بڑھتے ہوئے رجحانات کا خاتمہ کیسے؟؟

سوال یہ ہے کہ مسلم معاشرے کو مذہبی وسیاسی تشدد کے بڑھتے ہوئے رجحانات کی جانب بڑھنے سے کس طرح روکا جائے۔ میری نظر میں اس مشکل کا حل اور واحد راستہ یہ ہے کہ ہم من حیث المجموع، من حیث القوم، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ حسنہ کو اپنے لئے رول ماڈل بنالیں۔ اس کے علاوہ اور کوئی دوسری منزل نہیں، دوسری راہ نہیں ہے۔

پاکستانی معاشرہ میں تشدد کے رجحانات:

ابھی وہ نسل بڑی تعداد میں موجود ہے جس کے سامنے ۱۹۴۷ء میں یہ ملک معرض وجود میں آیا پھر اس کے دو ٹکڑے ہوئے اور اس تنزل وشکست وریخت کی سب سے بڑی وجہ پرتشدد سیاست اور صبر وتحمل و برداشت کی اقدار کا کمزور سے کمزور تر ہو جانا تھا۔ اس کی پہلی مثال مشرقی پاکستان (حال بنگلہ دیش) کی صوبائی اسمبلی میں اسپیکر کو کرسیاں مار مار کر ہلاک کرنے کی ہے۔ یہی وہ سیاست میں پہلا پرتشدد عمل تھا کہ جس کا ردعمل بڑھ کر ملک کو توڑنے کا باعث بنا۔ اس سیاسی کلچر نے ان روایات کو شدید نقصان پہنچایا جن میں یہ تعلیم دی گئی تھی کہ حسن سلوک، ایثار اور صلح جوئی اعلیٰ ترین قدریں ہیں۔ اگر اس پر عمل کیا جاتا اور اختلافات کو گوارا کرتے ہوئے سیاسی رجحانات کو اسلام کی اخلاقی قدروں کے مطابق فروغ دیا جاتا تو آج کا پاکستان صحیح معنوں میں ایک فلاحی، اسلامی ریاست کی شکل اختیار کرتا۔

ٹکراؤ اور احتجاج کی طرز سے ہمارا معاشرہ غیر مستحکم ہو رہا ہے۔ امن و امان کی صورتحال بگڑ رہی ہے۔ جرائم بڑھ رہے ہیں، دینی اقدار زوال پذیر ہے، فرقہ بندی اور گروہی تعصب کی بناء پر یہ نسل نو ان سے بیزار اور باغی ہے۔ مخرب اخلاق چینلز اور فحش جرائد کیا کم تھے کہ انٹرنیٹ کا اضافہ ہوا۔ ان سب ذرائع سے معصوم بچوں کے اذہان بگڑ رہے ہیں اور اسی لئے نوجوان نسل میں تشدد کا رجحان بڑھ رہا ہے، محرومیاں اور غم و غصہ بڑھ رہا ہے۔ تمام مسلم دنیا میں ایک مثال بھی نہیں دی جاسکتی جہاں انسان کو وہ پیدائشی، بنیادی اور اسلامی حقوق حاصل ہوں جو کہ اس کی تعلیمات کا خاصہ ہے ہر جگہ آمریتوں اور غیر جمہوری قوتوں کا غلبہ ہے۔

تمام مسلم دنیا قرض، مراعات اور امداد غیر کے سہارے زندہ ہے اور یہی وہ چیز ہے جو قومی احتیاج کی دلیل ہوتی ہے اور پستیوں کا اعلان بنتی ہے۔

اب پوری ملت اسلامیہ کو اپنے وسائل موجودہ کو مجتمع کر کے علم کی بارگاہ میں نیاز مندانہ حاضر ہونا چاہئے۔ وقت کا تقاضا ہے کہ سائنسی علوم و تکنیکی علوم کے لئے محنت کی جائے۔ ایک مربوط تعلیمی نظام جوامت مسلمہ کے ہر گروہ کی کفالت کرے یہی وقت کی آواز ہے۔

اسلام دین امن و سلامتی ہے، دنیا کو پوری قوت سے باور کرانا چاہئے کہ یہ دین ہی اہل عالم کیلئے امن و سلامتی کا اعلان ہے۔ اس کی اساس ہی اسی پر ہے۔ ایمان میں امن، اسلام میں سلامتی تو اساسی طور پر موجود ہے پھر یہ ''الامین'' یعنی امن دہندہ نبی کا لایا ہوا دین ہے اور یہ بلاد امن یعنی امن والے شہر میں اولین مرکز کے طور پر نافذ کیا گیا ہے۔ دنیا کو پوری قوت سے یہ باور کرانا ہوگا کہ یہ دین ہی امن و سلامتی ہے۔ اس لئے کسی انتہا پسندی، تخریب کاری اور دہشت گردی سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

اور سب سے بڑی بات یہ کہ اس امن و سلامتی کے حوالے سے ہم تاریخ عالم میں ایک شاندار اور روایات کے حامل طویل تاریخ رکھتے ہیں۔ ہم فخریہ طور پر یہ بات دنیا والوں کو بطور مثال پیش کر سکتے ہیں کہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی بخش دعوت پر لبیک کہنے والوں نے کس طرح جزیرۃ العرب میں امن، سلامتی اور اخوت کے بیج بوئے تھے جو یورپ کی نشاۃ ثانیہ تک مسلسل اپنے پھل دیتے رہے اور ہم مسلمانوں سے بہتر کون جانتا ہے۔

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی آیت مذکورہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ''اللہ اور اس کے رسول'' سے جنگ کرنا، یا زمین میں فساد اور بدامنی پھیلانا، یہ دو لفظ ایسے ہیں جن میں کفار کے حملے، ارتداد کا فتنہ، رہزنی، ڈکیتی، ناحق قتل و نہب، مجرمانہ سازشیں اور مغویانہ پروپیگنڈا سب داخل ہو سکتے ہیں اور ان میں سے ہر جرم ایسا ہے جس کا ارتکاب کرنے والا ان چار سزاؤں میں سے کسی نہ کسی کا ضرور مستحق ٹھہرتا ہے۔

واخر دعوانا ان الحمد اللہ رب العلمین

مقالہ جات کے لئے درج ذیل میں سے استفادہ کیا گیا

(۱) القرآن (مائدہ آیت ۳۲)

(۲) القرآن (بنی اسرائیل آیت ۳۳)

(۳) القرآن (البقرہ ۱۹۳)

(۴) القرآن (المائدہ آیت ۳۴،۳۳)

(۵) سنن نسائی (تعظیم الام صفحہ ۸۲)

(۶) بلوغ الحرام (ابن حجر عسقلانی باب الجزیۃ)

(۷) صحیح البخاری جلد ۲ کتاب المغازی

(۸) تفسیر عثمانی (شبیر احمد عثمانی صفحہ ۱۴۶)

(۹) تفسیر عثمانی (شبیر احمد عثمانی صفحہ ۳۷)

(۱۰) اسلامی نظام کا تعزیرات (عبدالرحمٰن بن عبدالعزیز صفحہ ۲۳۵)

(۱۱) دہشت گردی انعام الرحمٰن سحری ۴۰ سنگ میل پبلی کیشنز لاہور

موجودہ دور میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اس کا خاتمہ تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں

پروفیسر سید عابد میر قادری سلطانی، کراچی

ارشاد ربانی ہے لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

(ترجمہ): بہ تحقیق تمہارے لئے بہترین نمونہ حیات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس میں ہے[1]۔

آج یہ پیغام الٰہی ہمارے لئے ہمیشہ سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔

خالق کائنات نے اپنا یہ پیغام ڈیڑھ ہزار برس قبل دنیا کی اس غیر متمدن اور تہذیب نا آشنا قوم کے لئے بھیجا تھا جو کسی بھی قسم کے اخلاق سے آشنا نہ تھی بلکہ وہاں کسی بھی قانون کا رواج نہ تھا حقوق کا کوئی تصور نہ تھا۔ فرائض کا شعور نہ تھا ہر شخص اپنی مرضی کا مالک و مختار تھا۔ پورا معاشرہ جرائم و مظالم کی آماجگاہ بن چکا تھا ہر طرف جنگل کا قانون نظر آتا تھا۔ گویا دیو استبداد پوری ستمگری کے ساتھ محو رقص تھا۔ بچیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دینا ان کے نزدیک تقاضائے غیرت تھا۔ اغوا، قتل، بدکاری، غارتگری، تشدد، شراب اور جوا غرض تمام جرائم جو ہر مردانگی سمجھے جاتے تھے ایک فرد کی دشمنی نسلاً بعد نسل جاری رہتی تھی غلام جانوروں سے بدتر زندگی بسر کرنے پر مجبور تھے غرض بھلائی اور خیر کی روشنی معدوم تھی اور صرف ظلمت شب کی طرح ہر طرف جہالت کے اندھیرے ہر طرف پھیلے ہوئے تھے ایسے میں ایک مصلح اور ہادی کا آنا رحمت خداوندی سے کم نہ تھا بلکہ دراصل وہ تو تاج رحمت سے مرصع کر کے ہی اس عالم آب و گل کی طرف بھیجا گیا۔ اپنی سیرت اور کردار کے وہ نقوش اجاگر فرمائے کہ پورے شہر میں صادق اور امین کے مقدس القاب سے شہرت پائی۔ جس کے اخلاق و کردار کے گن گائے جاتے رہے اس ہادی کو رحمۃ اللعالمین خاتم النبیین محمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام نامی اسم گرامی سے آج بھی تمام دنیا جانتی ہے اور ان کی تعلیمات اور سیرت مقدسہ کو تا قیامت بہترین نمونہ تسلیم کیا جاتا رہے گا۔

آج دنیا بھر میں پھر سے جہالت و بربریت کا وہی بلکہ اس سے بھی زیادہ بھیانک اندھیرا پھیلتا جا رہا ہے ہر طرف انسانیت سسک رہی ہے مظلومیت اپنی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے اور ظلم و تشدد کی کوئی حد ہی نہیں رہی اور یہ سب کچھ مذہب کے نام پر ہو رہا ہے۔ اس دہشت گردی اور انتہا پسندی کا محرک مذہبی اختلاف ہے ہر گروہ اپنے مذہبی افکار و نظریات کو مبنی بر حق اور دیگر مختلف نظریات کو باطل قرار دے کر بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کے درپے ہے۔ اس کے نتیجہ میں آج کسی کی بھی جان مال اور عزت و آبرو محفوظ نہیں ایک سیلاب بلا ہے جو ہر شے کو بہائے لئے جا رہا ہے۔ حق سننے، سمجھنے اور عمل کرنے کیلئے کوئی بھی آمادہ نظر نہیں آتا۔

اگر تاریخ پر نظر ڈالیں تو پتہ چلتا ہے کہ مذہبی انتہا پسندی جس کی بنیاد خود پسندی یا خود ساختہ نظریات پر ہے حضرت انسان کے ابتدائی دور سے ہی جاری ہے اور اس کی سب سے بڑی مثال ہابیل کا قتل ہے[2] کہ حضرت آدم کی شریعت سے انحراف

کر کے انہی کے ایک بیٹے نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا معلوم ہوا کہ مذہب سے انحراف ہی اس انتہا پسندی کا سبب ہے جسے مذہب ہی کے نام پر ہر دور میں جاری رکھا گیا۔ بخت نصر نے یہودیوں کے ساتھ یہی کیا پھر قوم یہود نے یہی کچھ نصاریٰ کے ساتھ کیا بلکہ حضرت عیسیٰ کو بھی نشانۂ ستم بنا ڈالا۔ مسلمانوں کے ساتھ مشرکین مکہ کی آویزش کی جڑ یہی مشرکین کی انتہا پسندی رہی ہے۔ یورپ میں ہلال وصلیب کی جنگیں مذہبی انتہا پسندی کا ہی شاخسانہ ہیں۔ مشرق میں روم وایران کی قدیم سپر پاورز کے ٹکراؤ کا سبب بھی یہی انتہا پسندی ہے۔ بھارت میں ہندو مسلم اسی آگ میں جل رہے ہیں، روس اور جرمنی میں یہودی کسی عذاب سے گزرے یہ ابھی کل ہی کی بات ہے نصف صدی قبل کی پھر اسرائیل کی ناجائز مملکت کا قیام اور عربوں کی حق تلفی اسی انتہا پسندی کی جیتی جاگتی حقیقت ہے اور اس کے نتیجہ میں وہاں آباد مسلمانوں اور نصاریٰ پر جو قیامت گزر رہی ہے یہ بھی دنیا پر روشن ہے۔ ان مظالم کی تفصیلات سے ذرائع نشر واشاعت بھرے پڑے ہیں، بوسنیا، افغانستان عراق کشمیر اور بھارت میں مسلمان جس ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں کیا یہ ڈھکی چھپی بات ہے؟ اور ابھی حال ہی میں بھارت کے صوبے گجرات میں مسلمانوں پر جو قیامت گزری ہزاروں مسلمان شہید کیے گئے ان کے مکانات دکانیں مساجد مقابر سب کچھ تباہ کر دیے گئے اور یہ سب کچھ مذہب کے نام پر ہوا۔ خود امریکا نے عراق تباہی کے وقت صلیبی جنگوں کا تسلسل قرار دیا اسے آپ کیا نام دینگے۔ بقول شاعر:

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

آج مغرب اپنے تمام وسائل وذرائع اس پروپیگنڈے پر مرکوز کیے ہوئے ہے کہ مسلمان دہشت گرد اور انتہا پسند ہیں بنیاد پرست ہیں اور ان سے بڑا خطرہ انسانی تہذیب کو اور کوئی نہیں وغیرہ وغیرہ۔ [۲]

اب ذرا اس بات کا جائزہ لیں کہ کیا واقعی ہم دہشت گرد ہیں؟ انتہا پسند ہیں؟ بنیاد پرست ہیں؟ مذہبی جنونی ہیں؟

سب سے پہلے لفظ مسلم پر غور کیجئے اس کے معنی ہیں تسلیم کرنے والا، مان لینے والا۔ سلامتی دینے والا۔ مسلمان کی تعریف خود خالق ومالک کل نے اپنی کتاب ہدایت میں بتا دی ہے کہ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَامُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

(ترجمہ): تم بہترین امت ہو جو نکالے گئے ہو لوگوں کو بھلائی کا حکم دینے کے لئے اور برائیوں سے روکنے کے لئے اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔ [۳]

ایک اور جگہ ارشاد ربانی ہے وَجَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ط، اور تمہیں ہم نے ایک ایسی امت بنایا جو لوگوں پر نگراں ہے۔ [۴] حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمان کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ۔ [۵]

(ترجمہ) مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ (کی برائی) سے مسلمان محفوظ رہیں''

قابل غور بات یہ ہے کہ وہ قوم جس کو اللہ کی طرف سے بھلائی پھیلانی اور برائی روکنے کی ذمہ داری سونپی گئی ہو اور

جس کے ایمان باللہ کی تصدیق فرمان الٰہی سے ہو رہی ہو جو ملت واحدہ کہی گئی ہو جس کی زبان اور ہاتھ کی ایذا سے دوسرا مسلمان محفوظ ہو وہ قوم دہشت گرد، انتہا پسند اور بنیاد پرست اور جنونی مذہبی گروہ کہنا کہاں تک درست ہے؟ کیا کائنات کا خالق ایک دہشت گرد، انتہا پسند اور جنونی قوم کو پسندیدہ دین کے پیروکار کی حیثیت دے سکتا ہے۔ وہ تو رحمٰن ہے، رحیم ہے۔

پھر اس کا بھیجا ہوا دین جبر و تشدد کا حامی کیونکر ہو سکتا ہے؟ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو خود بھی رؤف و رحیم بلکہ رحمۃ للعالمین ہوں کیا اس کی تعلیمات انتہا پسندی کے حق میں ہو سکتی ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں۔ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تبلیغی مشن کے آغاز پر مشرکین مکہ نے جو انتہا پسندی کے مذہبی جنون میں نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف سازشیں کیں وہ تمام دنیا جانتی ہے لیکن ان تمام ظالمانہ رویوں کے جواب میں رؤف و رحیم محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس عالی ظرفی اور اعلیٰ کردار کا مظاہرہ فرمایا وہ رہتی دنیا کے لئے مشعل راہ ہے یہ وہ رویہ تھا جس کے نتیجہ میں ان مشرکین کے دل انقلاب آشنا ہوئے اور وہ آخر کار دامن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آ گئے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام بنی نوع انسان کے ساتھ محبت اور احترام کے سلوک کی تعلیم دی کیونکہ تمام انسان ایک ہی باپ کی اولاد ہیں اور وحدت انسانی کا تقاضا بھی یہی ہے اسی وحدت کا ذکر اللہ تعالیٰ بھی فرما رہا ہے:

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً (ترجمہ): تمام انسان ایک ہی امت تھے۔[۶] یعنی سب لوگ ایک ہی گروہ تھے بعد میں الگ الگ ہو گئے۔

یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ اسلام ہی وہ دین ہے جس نے وحدت انسانی کی تعلیم دی جبکہ اس سے قبل انسان جغرافیائی نسلی، رنگی، لسانی اور نسبی تعصبات و تفریق کا شکار تھا اور باہمی آویزش انتہا کو چھو رہی تھی ایسے میں اسلام نے تمام انسان کو ایک اکائی قرار دیا اور گروہ بندی و عصبیت جاہلیہ کی جڑ پر کاری ضرب لگائی۔ ارشاد ربانی ہے:

يٰأَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ

(ترجمہ): اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا"۔[۷]

اسی بات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح ارشاد فرمایا:

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ اِنِّىْ اَشْهَدُ اَنَّ الْعِبَادَ كُلُّهُمْ اِخْوَةٌ

(ترجمہ): اے ہمارے پالنے والے اور ہر چیز کے پروردگار میں گواہی دیتا ہوں کہ سب لوگ آپس میں بھائی بھائی ہیں۔[۸]

اسی طرح نہ صرف وحدت انسانی بلکہ تمام مخلوق کے ساتھ بھی بھلائی کے پیغام کے حوالے سے یہ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی قابل توجہ ہے۔ اَلْخَلِقُ عَيَالُ اللهِ یعنی تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔[۹] یعنی کسی بھی مخلوق کو ایذا نہ پہنچائی جائے۔

سیرت طیبہ کے مطالعہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مظلوموں کی حمایت و ہمدردی کو اپنے لئے لازم فرما لیا تھا تاکہ ایسے واقعات کے سدباب کے لئے اقدامات ممکن ہو سکیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حلف الفضول

کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قدر مسرور اور مطمئن تھے کہ برملاً فرمایا ''اگر اسی طرح کے اور بھی معاہدے کئے جائیں تو مجھے ان میں شریک ہو کر خوشی ہوگی''۔

مختصر یہ کہ ظلم اور نفرتوں کے خاتمے کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ میں بے شمار واقعات ملتے ہیں جن سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جذبہ ہمدردی اور معاشرہ کی خیر و فلاح کا اظہار ہوتا ہے۔

ایک موقع پر فرمایا مجھے میرے رب نے نو باتوں کا حکم دیا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ وَالعَدْلُ فِیْ الرِّضَاءِ وَالغَضَب (ترجمہ) خوشی اور غصہ (ہر حالت) میں عدل کو اختیار کروں۔ [۱۰]

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبل بعثت عدل و انصاف اور مظلوموں کی حمایت و ہمدردی کے جذبے سے جس طرح عبداللہ بن جدعان کے گھر پر ہونے والے معاہدے میں شرکت اور پھر اس پر خوشی کا اظہار فرماتے ہوئے ایسے ہی اور معاہدوں میں شرکت کی خواہش کا اظہار فرمایا تھا کے بعد مدینۂ طیبہ میں مختلف قبائل کے ساتھ دوستی کے معاہدے فرمائے تا کہ بدگمانیاں پیدا نہ ہوں اور باہمی اعتماد قائم رہے اور کسی طرح بیرونی عناصر کو فضا خراب کرنے کا موقع نہ مل سکے۔

اسی طرح فتح مکہ کے بعد مختلف حکمرانوں کو جو خطوط لکھے گئے ان میں بھی خیر و فلاح کے کاموں میں باہمی تعاون کرنے اور برائیوں کو روکنے کیلئے باہمی اتحاد پر زور دیا گیا۔ [۱۱] ۶ھ میں بنی حمزہ کے ساتھ معاہدے میں بھی ان کے جان مال کے تحفظ اور ہر ایسے گروہ کے خلاف جو ان پر اچانک حملہ کرے مدد دینے کا وعدہ نمایاں ہے۔ [۱۲]

ان تمام معاہدات اور خطوط نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوستی اور حمایت کے بدلے میں اسلام قبول کرنے کیلئے دباؤ نہیں ڈالا تھا۔ گویا پیغام الٰہی کی ترجمانی فرمائی:

لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ۔ [۱۳] (ترجمہ) دین میں کوئی جبر نہیں۔ یہ بین المذاہب رواداری ہے۔

اس طرز عمل سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام کے مزاج میں دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے لئے نفرت و مخالفت نہیں بلکہ اتحاد بین المذاہب اور سب لوگوں کے ساتھ بھلائی کی تعلیم دی گئی ہے چنانچہ الہامی مذاہب انبیائے کرامؑ اور کتب سماوی کی تصدیق نہ صرف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی بلکہ ان پر یقین کرنے کو ایمان کا حصہ قرار دیا لیکن ان کی پیروی مسلمانوں پر اس لئے لازم نہیں کہ وہ کتب منسوخ ہو چکیں اور انبیائے ماسبق کی شریعتیں شرع محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنے پر منسوخ ہو چکیں۔ اب قیامت تک کتاب ہدایت تمام عالم کے لئے صرف قرآن مجید ہے اور پیروی کیلئے صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بہترین نمونہ ہے۔ الہامی مذاہب انبیائے ماسبق اور کتب سماوی پر ایمان لانے کا یہ رویہ تو ایک طرف اب غیر الہامی مذاہب کی طرف دیکھئے اسلام نے انکو بھی اہمیت دی اور ان کے بارے میں مخالفانہ رویہ سے روکا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

وَلَا تَسُبُّوْ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ

(ترجمہ): انکو برا بھلا نہ کہو جو غیر اللہ (بتوں یا مظاہر قدرت) کو پوجتے ہیں [۱۴]

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک فرمایا۔ اور ایسی مثالیں قائم فرمائیں کہ دنیا آج

بھی انگشت بدنداں ہے۔ چند مثالیں پیش کرتا ہوں۔

مدینہ طیبہ میں جب نجران کے عیسائیوں کا وفد آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحن مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں خیمے نصاب کروا دیے۔ انہوں نے عبادت کے لئے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہیں عبادت کی اجازت مرحمت فرما دی۔ انہوں نے عرض کی ہماری عبادت میں موسیقی بھی شامل ہے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اچھی طرح عبادت ادا کرو۔ [۱۵]

جب حبشہ سے عیسائیوں کا وفد مدینہ منورہ آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لئے بھی مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحن میں خیمے لگوا دیئے اور اس طرح تواضع فرمائی کہ کھانا کھلانے کے لئے ان کے ہاتھ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود دھلوائے۔ [۱۶]

رواداری اور احترام انسانیت کی روشن مثالوں میں سے یہ چند نمونے ہیں جن سے تحمل، بردباری، وسعت قلبی اعلیٰ ظرفی اور فراخ حوصلگی کی جھلک نمایاں نظر آتی ہے۔ کیا ایسی عملی تعلیم دینے والے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیروکار اس اسوۂ حسنہ کو اختیار نہیں کر سکتے؟ یقیناً امت نے اپنے آقا و مولا کے ہر سنت کو اختیار کیا۔

امیر المومنین سیدنا حضرت عمر فاروقؓ جب فاتحانہ شان سے بیت المقدس پہنچے تو وہاں کے عیسائی حکام نے شہر کی کنجیاں خود آگے بڑھ کر پیش کر دیں اور اپنے ساتھ لے کر شہر میں داخل ہوئے۔ جب امیر المومنینؓ نے نماز کی ادائیگی کے لئے چاہا تو انہوں نے کہا ہمارے گرجا میں نماز پڑھ لیں لیکن تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امین اور مبلغ حضرت عمرؓ نے منع فرما دیا کہ اگر میں نے ایسا کر لیا تو بعد میں آنے والے تمہارے کلیساؤں کو مسجد نہ بنانے لگیں۔ [۱۷]

سفر طائف کے موقع پر جب کفار کی ایذا رسانی سے تھک کر نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک پیڑ کے نیچے تشریف فرما تھے تو پہاڑوں کے فرشتے نے حضرت جبرئیل کے ساتھ حاضر ہو کر اجازت چاہی کہ اس بستی کے دونوں طرف واقع پہاڑوں کو ٹکرا کر ظالموں کا خاتمہ کر دیا جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرما دیا کہ اگر یہ میرے پیغام حق کو نہیں مانتے تو ان کی اولاد ضرور مانے گی۔ [۱۸]

کفار و مشرکین کے ساتھ حسن سلوک کا یہ ایک ہی واقعہ نہیں آپ کے راستہ میں کانٹے بچھانے اور سر اقدس پر کوڑا پھینکنے والی بڑھیا کے بیمار ہونے کی خبر سنی تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اس کی عیادت کو تشریف لے گئے۔

اس سے بڑا واقعہ فتح مکہ کے دن پیش آتا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دس ہزار مسلح جان نثاروں کے جلوس میں اس مکہ میں داخل ہوئے جہاں آٹھ سال پیشتر آپ کے قتل کی سازش ہوئی تھی لیکن آپ کے رب نے ہجرت کا حکم دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ایک جاں نثار کے ہمراہ رات ہی کو ہجرت فرما گئے۔ آج اسی مکہ کے مشرکین اپنے ایک ایک ظلم کو یاد کر کے فکر مند تھے کہ نہ جانے آج ہمارے ساتھ کیسا انتقام لیا جائے گا کہ اچانک صدائے جانفزا فضاؤں میں گونجی:

لَاتَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ۔ [۱۹]

''آج تم سے کوئی مواخذہ نہ ہوگا تم سب آزاد ہو۔''

خون کے پیاسوں کے لئے اتنا بڑا اعلان معافی نہ فضائے دہر نے پہلے کبھی سنا ہوگا نہ پھر دوبارہ سنے یہ ہے انتہا پسندی کے خلاف اسوۂ حسنہ۔

آج عالمی سطح پر مسلمانوں کو انتہا پسند اور دہشت گرد کہہ کہہ کر اپنے جرائم پر پردہ ڈالنے والے خود سب سے بڑے دہشت گرد اور انتہا پسند ہیں کیونکہ جھوٹ کو جس قدر شدت سے دہرایا جائے گا اسی قدر اس پر سچ کا گمان ہوگا۔ یہی آج ہمارے ساتھ ہو رہا ہے۔

صرف یہی نہیں بلکہ ہمارے خلاف ایسی سازشیں کی گئیں کہ ہماری اجتماعیت کو روبہ زوال کر دیا گیا۔ عہد خلافت صدیقی ہی میں فرقہ واریت کا جادو چل چکا تھا پھر اموی اور ہاشمی مناقشے سامنے آئے اور سبائی فتنہ پھیلتا چلا گیا۔ آج ہم فرقوں میں تقسیم ہو چکے ہیں اور ہر فرقہ اپنے علاوہ باقی کو باطل اور گمراہ قرار دیتا ہے جس کے نتیجہ میں ایک دوسرے کو کافر، بے دین، مشرک اور بدعتی کہتے ہوئے ان کو قتل تک کر دینے سے نہیں چوکتے اس کے نتیجہ میں ہم پوری دنیا میں بدنام ہیں کہ یہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ قتل و غارت کا بازار گرم رکھتے ہیں تو دیگر مذاہب کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔

اس کا بنیادی سبب ایک ہی ہے اور وہ ہے قرآن اور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات سے دوری اور اغماض۔ اگر آج ہم رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کو مشعل راہ بنا لیں تو گمراہی اور تباہی کے یہ گھٹا ٹوپ اندھیرے چھٹ سکتے ہیں۔ اتحاد و یگانگت کے غنچے چٹک سکتے ہیں۔

معاشرتی بگاڑ اور انارکی کے مختلف اسباب ہیں جس کی تان انتہا پسندی پر پہنچ کر ٹوٹتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی نشاندہی بھی فرما دی ہے۔ ایک موقع پر فرمایا۔

''غربت انسان کو کفر کے کنارے پر پہنچا دیتی ہے''۔

فتنہ و فساد اور دہشت گردی سے روکنے کیلئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر موقع پر امت کو توجہ دلائی ہے۔ ایک موقع پر فرمایا ''جو مسلمانوں کو لڑانے کے لئے نکلے اسکی گردن اڑا دو''۔ [۲۰]

خطبۂ حجۃ الوداع انسانی حقوق اور امن عالم کے لئے ایک جامع لائحہ عمل پیش کرتا ہے۔ اس میں سے چند منتخب حصے ملاحظہ ہوں فرمایا۔ لوگو! زیردست انسانوں کا خیال رکھنا، زیردست انسانوں کا خیال رکھنا، انہیں وہی کچھ کھلانا جو تم خود کھاؤ، انہیں وہی کچھ پہنانا جو تم خود پہنو''۔ [۲۱]

لوگوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کیلئے فرمایا۔ [۲۲]

''اے لوگو! بے شک تمہاری جانیں اور تمہارے اموال اور تمہاری عزتیں قیامت تک ایک دوسرے پر حرام کر دی گئیں جس طرح آج کے دن کی حرمت اور اس مہینہ کی حرمت تمہارے شہر میں برقرار ہے اسی خطبہ میں آگے چل کر مزید ارشاد فرمایا، خبردار! تم میرے بعد پلٹ کر پھر گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو۔ ایک جگہ ارشاد فرمایا، ایک مسلمان کا خون، مال اور آبرو دوسرے مسلمان پر حرام ہے''۔ [۲۳]

آج فرقہ واریت کے جنون میں انتہا پسند ایک دوسرے کو بڑی آسانی سے کافر کہہ دیتے ہیں بلکہ بعض عاقبت نااندیش وارثان محراب ومنبر اپنی شعلہ بیانی میں برملا غیر فرقہ کو کافر کہنے اور اپنے متبعین کو باور کرانے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں یہ کارروائی خفیہ نہیں ہوتی بلکہ برسرِ منبر بہترین پبلک ایڈریس سسٹم کے ذریعہ یہ زہر اگلا جاتا ہے پولیس کے اہلکار رپورٹیں بھی تیار کرتے ہیں لیکن کسی ایک دشمن دین وایمان پر ہاتھ ڈالنا تو کجا تنبیہ تک نہیں کی جاتی نہ کوئی روک ٹوک کی جاتی ہے کیونکہ ہمارے ہاں قانون تو بن جاتا ہے عملدرآمد نہیں کیا جاتا اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات کو پیش نظر رکھیں تو یہ نام نہاد وارثان بلکہ حقیقت میں یہ غاصبان محراب ومنبر اپنی اصلاح کر سکیں۔

مسلمان کو صرف کافر کہنا کتنا بڑا گناہ ہے اس حوالے سے یہ چند ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ملاحظہ ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" جب کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہہ کر پکارتا ہے تو ان دونوں میں سے ایک کافر ہو جاتا ہے" (یعنی کہنے والا)۔ [۲۵]

حضرت ثابت بن ضحاکؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا"۔ مومن پر لعنت بھیجنے کا گناہ مومن کو قتل کرنے کے برابر ہے۔ [۲۶]

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "مسلمان کو گالی دینے والا فاسق ہے اور مسلمان سے جنگ کرنا کفر ہے"۔ [۲۷]

ایک اور حدیث میں آتا ہے "مسلمانوں میں کامل ایمان اس کا ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں"۔ [۲۸]

کیا محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان واضح تعلیمات بلکہ تنبیہات کے بعد بھی ہمارے رویہ میں تبدیلی نہیں آ سکتی؟ اگر خدانخواستہ نہیں تو ذرا یہ فرمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیکھئے۔

"تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی تمام خواہشات میری لائی ہوئی شریعت کے مطابق نہ ہو جائیں"۔ [۲۹]

اگر آج کوئی یہ چاہے کہ فرقوں پر پابندی لگا کر فرقہ واریت پر قابو پایا جا سکتا ہے تو

ایں خیال است و محال است و جنوں

خدارا یہ نہ سمجھنا کہ میں فرقہ واریت کے حق میں ہوں نہیں بالکل نہیں لیکن اس کا مٹانا انسان کے بس کی بات نہیں۔ کیوں وجہ یہ ہے کہ یہ ازل ہی میں لکھدی گئی تھی جیسا کہ قرآن پاک لوح محفوظ پر ازل ہی میں لکھا جا چکا تھا۔ چنانچہ اس میں ہمیں کہا جا رہا ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

(ترجمہ): اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور فرقوں میں نہ بٹ جانا"۔ [۳۰]

یعنی علم الٰہی میں یہ بات تھی کہ فرقہ بندیاں بھی ہونگیں لہٰذا اس کے نقصان سے ملت اسلامیہ کو باخبر کر دیا جائے۔

پھر یہ کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس کے بارے میں خبر دے چکے ہیں کہ "میرے بعد میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائیگی لیکن صرف ایک گروہ ناجی ہوگا"۔

یہی وجہ ہے کہ ہر فرقہ خود کو فرقۂ ناجیہ (نجات یافتہ) کہتا ہے اور باقی فرقوں کو گمراہ اور کافر۔ جس کے نتیجہ میں ہم اس عذاب سے گزر رہے ہیں۔ فرقے تو رہیں گے لیکن عمل کی اصلاح کی جائے۔ ایک لطیف نکتہ سامنے آیا آخر میں اس کو عرض کرتا چلوں شائد موضوع کی مناسبت سے کوئی راہ عمل مل جائے۔

عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرشار ہستیوں کو اولیا اللہ کہا جاتا ہے۔ ایسی ہی ایک ہستی حضرت حاجی حافظ وارث علی شاہؒ کی بھی گزری ہے۔ ان سے کسی نے تہتر فرقہ والی حدیث کے حوالے سے دریافت کیا کہ فرقہ ناجیہ کی کیا شناخت ہوسکتی ہے؟

آپؒ نے فرمایا "ایک لفظ ہے حسد، اس کے اعداد کا مجموعہ بحسابِ ابجد بہتر (۷۲) ہوتا ہے۔ تہتر فرقوں میں سے بہتر فرقے وہ ہیں جو حسد میں مبتلا ہیں اور صرف ایک فرقہ حسد کی لعنت سے بچا ہوا ہے یہ لوگ سب کے لئے محبت ہمدردی اور جذبۂ خیر رکھتے ہیں یہی فرقۂ ناجیہ ہے۔"

دیکھا آپ نے کہ تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلاصہ کتنے بہتر انداز میں ایک ولی اللہ نے بتا دیا آج اسی جذبہ کو بیدار کرنے کی ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ مسلمانان عالم کے دامن پر مغربی استعمار کے لگائے ہوئے انتہا پسند ہونے کے الزامی دھبہ کو دور فرمائے اور ملت اسلامیہ کو باہم اتحاد و یکجہتی کی نعمت سے مالا مال فرمائے۔ آمین

اس مقصد میں کامیابی کیلئے جذبہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ضرورت ہے۔ مسلمان خود کو پوری طرح غلامی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں دیدیں۔ اقبال کے الفاظ میں ہمیں یہ پیغام بہت پہلے مل چکا ہے۔

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کردے
دہر میں اسم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجالا کردے

اللہ ہمارا حامی و ناصر ہو۔ آمین
بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حوالہ جات

۱۔ سورۃ الاحزاب

۲۔ سورۃ المائدہ

۳۔ سورۃ آل عمران آیت نمبر ۱۱۰

۴۔ سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۴۳

۵۔ حدیث مبارکہ

٦۔ سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۱۳

۷۔ سورۃ النساء آیت نمبر ۱

۸۔ حدیث مبارکہ

۹۔ بخاری و مسلم شریعت

۱۰۔ حدیث مبارکہ

۱۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیاسی زندگی (ڈاکٹر حمید اللہ)

۱۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیاسی زندگی (ڈاکٹر حمید اللہ)

۱۳۔ البقرہ آیت نمبر ۲۵٦

۱۴۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیاسی زندگی (حمید اللہ)

۱۵۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیاسی زندگی (حمید اللہ)

۱٦۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی (حمید اللہ)

۱۷۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاسی زندگی (حمید اللہ)

۱۸۔ سیرۃ النبی شبلی نعمانی

۱۹۔ سیرۃ النبی شبلی نعمانی

۲۰۔ موسوعۃ نضرۃ النعیم

۲۱۔ خطبۂ حجۃ الوداع

۲۲۔ خطبۂ حجۃ الوداع

۲۳۔ خطبۂ حجۃ الوداع

۲۴۔ خطبۂ حجۃ الوداع

۲۵۔ بخاری شریف و مسلم شریف

۲٦۔ بخاری شریف و مسلم شریف

۲۷۔ بخاری شریف و مسلم شریف

۲۸۔ بخاری شریف و مسلم شریف

۲۹۔ ترمذی شریف

۳۰۔ سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۰۳

''دورِ حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اُس کا خاتمہ تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں''

ڈاکٹر عبدالرزاق، جامشورو

سال ۲۰۰۴ء میں منعقدہ سیرت کانفرنس کا یہ موضوع نہ صرف مسلمہ امہ کی موجودہ حالات کے پیش نظر ایک نہایت اہم مسئلے کی صورت اختیار کر چکا ہے، بلکہ اس کا خاتمہ عصر حاضر کی اہم ضرورت اور دینی فریضہ بھی بن چکا ہے۔

انتہا پسندی ایک ایسی غلیظ حرکت ہے، جس سے ایک صحت مند معاشرے کی مسلمہ روایات کو ایسا شدید نقصان پہنچتا ہے، جس کی تلافی بغیر اس کے خاتمے کے ممکن نہیں، یہ ایسا رجحان ہے، جس سے انسانی ذہن تبدیل ہو جاتے ہیں، نگاہ کا زاویہ بدل جاتا ہے، عادات و اطوار، حقوق و فرائض کی قسمیں، خیر و شر کے معیارات، حلال و حرام کے پیمانے، اخلاقی قدریں، دستور و قانون غرض کہ تہذیب و تمدن کا ایک ایک ادارہ و شعبہ ایسا پلٹ جاتا ہے کہ ایک سرے سے دوسرے سرے تک شر و فتن کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا، اس قسم کے لوگ جذبات میں آ کر حقیقت پسندانہ عقلی سوچ کو چھوڑ کر اپنے جائز و ناجائز مطالبات و حقوق کے حاصلات کے لیے ایک بھیانک و غیر فطری منفی انداز اختیار کرتے ہیں، جس سے وہ مسائل و حقوق حل ہونے کے بجائے مزید الجھ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یہ ذہنی خلفشار انہیں قومی یکجہتی اور اجتماعی سوچ سے محروم بنا دیتا ہے اس طرح وہ نہ صرف اپنی ذات کے لیے خطرہ ہوتے ہیں بلکہ پورے معاشرے کو مستقل بڑے خطرت میں گھیر لیتے ہیں اور ان کی بدنامی کا باعث بھی بنتے ہیں۔

انگریزی زبان میں انتہا پسندی کے لیے Extremism کا لفظ استعمال ہوتا ہے، Extreme سے لیا گیا ہے امپیریل ڈکشنری میں اس کی لفظی معنی آخری کنارا یا آخری حد لکھی گئی ہے۔[۱] آکسفورڈ ڈکشنری میں اس کی معنی غیر معمولی، منفرد، نامناسب اور غیر متوازن بتائی گئی ہے۔[۲] اس معنی کی روشنی میں ہر غیر معمولی، منفرد، نامناسب اور غیر متوازن سوچ اور عمل انتہا پسندی کے زمرے میں آتا ہے، چاہے وہ کام اور سوچ سماجی، مذہبی، معاشرتی اور ثقافتی مفادات کے حصول کے لیے ہو اس مطب اور مفہوم کو سامنے رکھتے ہوئے ایک اور لغت میں اس کی لغوی میں معنی اس طرح بیان کی گئی ہے ''سیاسی، سماجی، ثقافتی تبدیلی کے لیے سخت اور ناقابل یقین اقدام اٹھانا انتہا پسندی ہے۔[۳] اس سلسلے میں مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ انتہا پسندانہ صورتحال اور رویہ نہایت سخت اور عام معمول کے بالکل برعکس ہوتا ہے[۴]

سماجی علوم کے ماہرین کے مطابق معاشرے میں انفرادی اور اجتماعی طور پر انتہا پسندی کے رجحانات تب جنم لیتے ہیں، جب معاشرے میں انسانی حقوق کی پائمالی، سیاسی و معاشی استحصال، مذہبی و لسانی برتری، سیاسی تشدد اور سماجی ناانصافی جیسی غیر اخلاقی اور غیر فطری روایات عام ہونا شروع ہو جاتی ہیں اس پس منظر میں سماجیات کی مشہور کتاب Introduction to Sociology" میں انتہا پسندی کی تعریف اس طرح بیان کی گئی ہے۔

''جب سماجی اخلاقیات کے اصول و اقدار اجتماعی بھلائی سے تبدیل ہو کر فرد یا کسی گروہ کے مادی نفع اور خود مطلبی کے دائرے تک محدود ہو جاتے ہیں اس وقت روایتی سماجی بناوٹ میں دراڑیں پڑنا شروع ہو جاتی ہیں، اجتماعی سوچ اور قومی یکجہتی کا رفتہ رفتہ خاتمہ ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اعلیٰ اقدار کے مقابلے میں مادی و ذاتی مفادات عزیز بن جاتے ہیں۔ اجتماعی سوچ اور قومی یکجہتی کا رفتہ رفتہ خاتمہ ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اعلیٰ اقدار کے مقابلے میں مادی و ذاتی مفادات عزیز بن جاتے ہیں، ایسے ماحول میں کچھ لوگ انفرادی اور کچھ گروہا پنے طور پر ردعمل کی نفسیات کا شکار ہو کر ایسے غیر متوقع اقدام اٹھاتیہیں، جس سے مخالف شخص یا گروہ کو جانی و مالی نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے۔[۵] دوسرے الفاظ میں معاشرہ کے اندر جب انفرادی یا اجتماعی طور پر ذاتی اور گروہی مفادات کے لیے کسی فریق ثانی کے حقوق کی پامالی اس حد کو پہنچ جائے کہ اس کو اس کے سد باب کی کوئی شکل نظر نہ آئے اور پہلا فریق اپنی طاقت کے بل بوتے پر دوغلی پالیسی اختیار کرے اور اپنی مرضی، منشا اور مفادات کے بنیاد پر اپنی زیادتی کو جائز قرار دینا شروع کرے، تو فریق ثانی کے اندر مایوسی کا پیدا ہونا قدرتی امر ہے، یہ مایوسی جب آخری حد کو پہنچتی ہے تو انتہا پسندی کا روپ اختیار کرتی ہے۔[۶]

اسلامی نقطہ نگاہ سے انتہا پسندی انسانی فطرت کے عین منافی ہے اللہ تعالیٰ ساری کائنات کے خالق و مالک ہے وہ مہربان، معاف کرنے والا اور بردبار ہے، یہی صفات اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر تحلیل کی ہیں چونکہ انسان کو اختیار بھی دیا گیا ہے، تاکہ اس کو آزمایا جائے اس اختیار کے بنا پر انسان فطرتی طور پر وہ کام کرتا ہے جو اسے خوشی پہنچاتے ہیں، اس لحاظ سے انسان کو یہ اختیار بھی حاصل ہے کہ وہ مندرجہ بالا صفات کی روشنی میں زندگی بسر کرے، یعنی رحیم، کریم اور بردبار بن کر یا ان کے برعکس ظالم، انتہا پسند یا متشدد بن کر۔

انتہا پسندی دراصل ایک ایسا غلط خیال ہے جس کی وجہ سے ایک انسان یا گروہ اپنی راہ کو ایسا مقدس اور صحیح سمجھتا ہے، جس طرح اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کو سمجھتا ہے، یعنی ایک انسان انتہا پسند تب بنتا ہے جب وہ نفسیاتی طور پر اس وہم و گمان میں مبتلا ہو جائے کہ صرف اس کی رائے ہی صحیح ہے، اس لیے دوسرے لوگوں کے لیے ضروری ہے صرف اس کی ہی رائے کو مقدس اور حق تسلیم کریں۔ ایک مرتبہ یہ وہم و گمان جب کسی انسان کیذہن میں پختہ ہو جاتا ہے تو وہ انسان ہر اختلاف رکھنے والے کو غلط اور ناقابل برداشت سمجھنے لگتا ہے، بلکہ یہاں تک اس کی سوچ پہنچ جاتی ہے کہ وہ اپنے ہر مخالف رائے رکھنے والے فرد یا گروہ کو گمراہ سمجھنے لگتا ہے اور اس کے لیے کفر کی فتویٰ لگانے سےبھی گریز نہیں کرتا بعض مرتبہ ایسی نفسیات میں مبتلا فرد اپنی رائے کو تسلیم کرانے کے لیے جلد بازی سے کام لیتا ہے اور مخالف فریق کیخلاف مسلح اور متشدد کارروائی کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے اور ساتھ ساتھ اپنی کارروائی کو جائز حق بھی سمجھنے لگتا ہے یہ وہ نقطہ ہے جہاں سے معاشرہ انارکی اور لاقانونیت کی بھینٹ چڑھ جاتا ہے اس نقطہ نظر کی روشنی میں اپنے ہر جائز و ناجائز مقصد کے لیے پرتشدد راہ اختیار کرنا انتہا پسندی ہے۔[۷]

تاریخی لحاظ سے ہر روز اور زمانے میں انتہا پسندی کے عوامل حالات کیا عتبار سے مختلف رہے ہیں اس لیے اس کی شکلیں بھی مختلف رہی ہیں، چونکہ انتہا پسندی ہر قسم کی ناانصافی کا ردعمل ہے اس لیے اس ردعمل کے شکار افراد یا گروہ قانونی و اخلاقی اصولوں کو بالائے طاق رکھ کر اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں ماہرین نفسیات کے مطابق اس قسم کے فرد اور گروہ سماجی اور اجتماعی

زندگی میں اپنے کو الگ سمجھنے لگتے ہیں اور یہ تصور کر لیتے ہیں کہ سماج میں ان کی کوئی حیثیت نہیں یہ لوگ اپنے آپ کو کنٹرول میں بھی نہیں رکھ سکتے اور اس حد تک بری سوچ میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ ان کو غلط عمل کرتے ہوئے شرمندگی بھی محسوس نہیں ہوتی۔ ان کا سینہ بھی حسد کا کارخانہ بن جاتا ہے۔[۵]

عصر حاضر میں عالمی طور پر مسلم امہ کو جن مشکلات و مسائل کا سامنا ہے اور نفسیاتی طور پر جو حالات ابھر کر سامنے آ رہے ہیں اس سے مسلمہ معاشرے سے منسلک کچھ افراد مایوسی کی اس حد کو پہنچ رہے ہیں۔ جس سے انتہا پسندانہ رجحانات کو فروغ ملنے کا اندیشہ پیدا ہو گیا ہے، حالانکہ اسلامی تعلیمات کی رو سے مایوسی کفر ہے اس کے علاوہ عصر حاضر میں ایک نئی طاقت ظہور میں آئی ہے، جس کو میڈیا کہا جاتا ہے۔ بدقسمتی سے آج کی پرنٹ اور الیکٹرک میڈیا دونوں یکسر غالب قوموں کے ہاتھ میں ہیں میڈیا کسی مسلمان فرد اور گروہ کے انفرادی رویے کو اسلام کے رویے کے طور پر پیش کر رہا ہے، جب کہ حقیقت میں اسلام کسی مسلمان یا مسلم گروہ کے انفرادی رویے کا نام نہیں ہے اس اصولی حقیقت کے برعکس میڈیا کے ذریعے چند مسلم افراد اور گروہوں کی مایوسانہ، نامناسب اور انتہا پسندانہ سوچ کو تمام مسلم امہ اور اسلام کی سوچ کے طور پر گویا اس طرح پیش کیا جا رہا ہے کہ جیسے واقعی پوری مسلم امہ اور ان کا مذہب اسلام ایک انتہا پسندانہ، وحشیانہ اور متشدد مذہب ہے۔ بدقسمتی سے یہ پروپیگنڈہ ایسے منظم اور مربوط ڈھنگ سے کی جا رہی ہے کہ مغربی دنیا کے سلیم الطبع افراد بھی اس جارحانہ پروپیگنڈہ کا شکار ہو رہے ہیں اور وہ بھی اسلام اور مسلمان کو انتہا پسند کے طور پر دیکھ رہے ہیں۔

درحقیقت یہ پروپیگنڈہ اسلام کے منصفانہ مطالعہ نہ ہونے کی وجہ سے اپنا اثر دکھا رہا ہے۔ اسلام کے متعلق اس غلط فہمی اور غلط بیانی کے ازالے کے لیے ضرورت ہے کہ مسلمانوں کے عمل کو اسلام سے جانچا جائے، لیکن بدقسمتی سے ان کے برعکس اسلام کو مسلمانوں کے عمل سے دیکھا جاتا ہے۔ یہ سراسر غیر منصفانہ رویہ اور سوچ ہے۔ دنیا میں کہیں بھی کوئی مسلمان انفرادی یا کوئی گروہ اپنے طور پر انتہا پسندی کی روش اختیار کیا ہوا ہے، تو اس کا ذمہ دار وہ شخص یا گروہ ہے، کسی بھی طرح تمام مسلمان اور اسلام اس کا ذمہ دار نہیں بن سکتا بلکہ اسلام کو اس سے کوئی تعلق نہیں، کسی مسلمان یا گروہ کا اسلامی تعلیمات سے انحراف اس بات کی دلیل نہیں کہ اسلام کے متعلق یکطرفہ رائے بنائی جائے۔

اس یکطرفہ صورتحال نے مسلم امہ کے ذی شعور طبقہ کو ایک عجیب و غریب قسم کی فکری دلدل میں مبتلا کر دیا ہے پوری مسلم امہ کو اس فکری اور ذہنی دلدل سے نکالنے کے لیے جراتمندانہ اقدام کی جتنی ضرورت آج سامنے آ رہی ہے، شاید ماضی میں پیش آئی ہو۔ اس لحاظ سے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ مسلم امہ کو عصر حاضر میں ماضی کے بنسبت فکری اور عملی رہنمائی کی جتنی ضرورت محسوس ہو رہی ہے، اتنی شاید کبھی نہیں رہی۔

آج کل مسلم امہ دوطرفی حملے سے دوچار ہے ایک طرف وہ طاقتیں ہیں جو سیاسی و معاشی برتری کے لیے، اپنی ناعلمی کی وجہ سے، جذبات کا شکار ہو کر، اسلام کی سچائی کو دنیا کے لوگوں کی نظروں میں مشتبہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور اپنی انتہا پسندانہ اور منافقانہ ذہانت سے الٹے پہلو نکال رہے ہیں، جس کے تجزیے سے عام آدمی قاصر ہے یہ صورتحال ملکی اور بین الاقوامی

سطح پر مسلمان اور اسلام کے مصائب میں روز بروز اضافے کا سبب بن رہی ہے۔

یہ ایک اٹل حقیقت ہے اور اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا، نہ ہی انکار کرتا ہے، کہ اسلام دنیا کے اعلیٰ ترین مذاہب میں سے ہے بلا مبالغہ ہر ایک فلسفی، ماہر مذہبیات اور مورخ اس حقیقت کا قائل ہے۔کوئی انسائیکلوپیڈیا، کوئی تاریخ عالم یا تاریخ مذاہب عالم اٹھا کر دیکھ لیجیے، اس میں آپ کو یہ امر تسلیم شدہ ملے گا کہ اسلام دنیا کا عظیم ترین مذہب ہے۔اس تمام تر حقائق کے باوجود وہ کیا اسباب ہیں، جن کی وجہ سے آج مسلم امہ اس دلدل سے نکلنے کی بجائے روز بروز جکڑتی جا رہی ہے۔ اسلام تو ایک کامل اور اکمل دین ہے اس کی تعلیمات کا مرکز ومنبع قرآن پاک اور تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ دوسرے الفاظ میں اسلام پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات اور آپ کے نمونہ حیات کا نام ہے۔آپ صرف ایک مصلح اور معلم اخلاق نہیں تھے، جس کا منتہائے نظر کچھ معاشرتی خرابیوں کو دور کرنا اور وقت کے اجتماعی نظام اور سیاسی ہیئت حاکم سے براہ راست تصادم کا خطرہ مول لیے بغیر اقدار کی بحالی ہوتا ہے۔آپ محض مفکر نہیں تھے، بس کا کام فکر کی انجمن میں کوئی عقلی شمع روشن کرنا ہو اور بس۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت حیات انسانی کے تمام گوشوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دائرہ عمل انسانی فلاح کے تمام دائروں پر محیط ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کا ہدف صرف مذہبی و اخلاقی ہی نہیں بلکہ تمدنی وسیاسی بھی تھا۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیغام معاشرے کی کسی ایک جزیا معاشرت کے کسی ایک یا چند پہلوؤں اور بہتری کے لیے نہ تھا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نصب العین اور مشن انسان کو اس کے اجتماعی نظام وتمدن سے الگ کر کے محض ایک فرد کی حیثیت سے نہیں بلکہ انسانی نظام اجتماعی کا ایک ایک پرزہ دے کر سارے نظام اجتماعی کو تبدیل کرنے اور دین الٰہی کے تابع کرنے کی سعی وکوشش تھا اور وہ بلاشبہ اپنے مشن میں کامیاب رہے۔

تاریخ اس امر کی گواہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اخلاقی زندگی اور اسلام کے ضابطہ اخلاق نے بنی نوع انسان پر جس قدر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں، اس قدر گہرے اثرات تاریخ میں کسی فلسفی، کسی نظام اور کسی شخصیت نے مرتب نہیں کیے اور یہ بات بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ آج بھی ہر مادی اور معنوی زوال کے باوجود اگر مسلمان اپنی قوت ایمانی کو محکم تر کر کے اور تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منصفانہ مطالعہ سے، محسن انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنے تعلق کو از سر نو استوار کر کے رزمگاہ حیات میں جادہ پیا ہوں، تو یقیناً موجودہ پستی سے نکل کر ان اعلیٰ بلندیوں کو دوبارہ حاصل کر سکتے ہیں، جو انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اسوہ حسنہ کی اتباع سے حاصل ہوئی تھیں۔

مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں یہ صاف طور پر واضح ہوتا ہے کہ عصر حاضر میں مسلم امہ کی موجودہ صورتحال میں نجات کا واحد حل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات میں ہی مضمر ہے، نہ کہ انتہا پسندانہ سوچ میں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات میں ہی مضمر ہے، نہ کہ انتہا پسندانہ سوچ میں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجتہ الوداع کے موقع پر واضح اور صاف الفاظ میں اعلان فرمایا تھا کہ "میں دو چیزیں آپ کے لیے چھوڑ کر جاتا ہوں، ایک قرآن اور دوسری اپنی اسوہ حسنہ اگر تم ان کا اتباع کرو گے تو کبھی بھی گمراہ نہیں ہونگے" قرآن اور حدیث تو ہماری ہدایت و رہنمائی کے لیے ہر وقت موجود ہے۔مشہور اسکالر سید

سلمان ندوی نے ''خطبات مدراس'' میں صاف طور علمی وعقلی دلائل سے وضاحت کی ہے کہ ''انسانی تاریخ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی شخصیت موجود نہیں، جن کی زندگی کا ہر لمحہ محفوظ ہو، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حیات طیبہ سے ہر وقت رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔[۱۱] اس لیے ہمارے لیے تعلیمات نبوی کی روشنی میں ہی اپنے تمام مسائل و حالات کا حل ڈھونڈنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اپنی دعوت شروع کی، اس وقت کی صورتحال سے ہر ذی شعور بخوبی واقف ہے کہ کس طرح کیکٹھن حالات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مشن شروع کیا کیا کیا حربے اور ہتھکنڈے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کو روکنے کے لیے بروئے کار نہیں لائے گئے۔ ان نامساعد حالات میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی دعوتی زندگی میں یکے بعد دیگر مختلف مراحل سے گزر کر کامیابی سے ہمکنار ہوئے اس کامیابی کا حصول خارق عادت یا معجزات پر نہیں تھا بلکہ یہ کامیابی خالص طبعی طریقے سے حاصل ہوئی۔[۱۲] آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسلام مخالف قوتوں کے ظلم و جبر سے تنگ آکر، کوئی انتہا پسندانہ اقدام اٹھاتے تو یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کامیابی کے اس معراج کو حاصل نہ کرتے، جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حاصل کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام تر مخالفتوں کے باوجود حکمت و بصیرت سے اعتدال کی راہ اختیار فرماتے رہے۔ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ ''ماخیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابین امدین الاحر ایسرھا[۱۳] یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب بھی دو معاملوں میں ایک کا انتخاب کرنا ہوتا تو ہمیشہ آسان معاملے کو اختیار فرماتے۔ قرآنی حکم ''مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَانَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا''[۱۴] کی تعمیل کرتے ہوئے ہمیں بھی جو معاملات پیش آرہے ہوں، انفرادی ہوں خواہ اجتماعی، تمام صورتوں میں ہمیشہ آسان پہلو کا انتخاب کرنا چاہیے۔ جب ایک طریقہ پرامن جدوجہد کا ہے اور دوسرا ٹکراؤ کا، ایک نزاع کا ہے دوسرا موافقت کا، ایک تشدد کا اور دوسرا صلح کا تو ہمیں ہر صورت میں وہ طریقہ اختیار کرنا چاہیے، جو نسبتاً سہل اور آسان ہو۔ تعلیمات نبوی کے مطالعے سے یہ بالکل صاف طور پر معلوم ہوتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر عمل ہمیشہ معتدل ہوتا تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے ''من عال من اقتصد'' یعنی جس نے میانہ روی اختیار کی وہ کامیاب رہا۔ دوسری جگہ آپ صلی اللہ وآلیہ وسلم نے فرمایا ''ما احسن القصد فی الغنی مااحسن القصد فی الفقر ما احسن القصد فی العبادہ'' یعنی کیا ہی اچھی ہے میانہ روی عبادت میں کیا ہی اچھی ہے میانہ روی غنیٰ میں اور کیا ہی اچھی ہے میانہ روی مفلسی میں[۱۴] لسان العرب میں قصد کی تشریح یہ کی گئی ہے کہ وہ درمیانی عمل، جس میں نہ افراط ہو اور نہ ہی تفریط[۱۵] مگر افسوس کہ ہم اس سنت کو چھوٹے اور معمولی امور میں تو اختیار کرتے ہیں، لیکن بڑے امور میں تامل سے کام لیتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی میں کعبۃ اللہ میں ۳۶۰ بت سجائے گئے تھے اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کعبۃ اللہ کی بتوں سے تطہیر کی مہم چلاتے اور اس لیے کسی بھی اپنے جانثار ساتھی کو اشارہ کرتے تو یقیناً اپنی جان پر کھیل کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی تعملی کو اپنی سعادت سمجھتا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس رویے کو کبھی بھی اختیار نہیں فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اپنی دعوت سے لوگوں کے دل و دماغ کے بدلنے کی جدوجہد کرتے رہے اور جب وہ وقت آیا تو نہ صرف کعبۃ اللہ بتوں سے پاک ہو گیا بلکہ اس وقت کی اکثریت کے ذہن بتوں کی پرستش سے پاک ہو گئے۔[۱۶]

مکی زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالف قوتیں اپنے تمام حربے استعمال کر چکیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کا اثر دن بہ دن بڑھتا گیا، تو انہوں نے مایوس ہوکر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ختم کرنے کا مشورہ کیا اس وقت ایک صورت یہ بھی ہوسکتی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دفاع کے لیے مسلمانوں کو متحدہ کر کے ان سے لڑتے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے الجھنا، اپنی مشن کے لیے رکاوٹ تصور کیا، اس لیے الجھنے کے بجائے ہجرت کو اختیار کیا اور تاریخ گواہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے شعور سے وقت اور حالات کا ادراک کرتے ہوئے جو یہ فیصلہ کیا، اس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تحریک کو پروان چڑھانے کے بہترین مواقع میسر آئے اسلامی فطرتی لحاظ سے دعوتی مذہب ہے اور دعوتی کام صرف پرامن حالات میں انجام دیا جاسکتا ہے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی پوری حیات طیبہ میں اپنے قول وفعل سے ہر وقت، ہر قیمت پر الجھنے سے بچنے کی حتی المقدور کوشش فرماتے رہے۔ مدینہ منورہ پہنچ کر بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس فطرتی اصول کے تحت، وہاں کے یہودیوں کے ساتھ دوستانہ معاہدہ کیا، جو اسلامی تاریخ کا ایک درخشاں دستاویز ہے اور ''میثاق مدینہ'' کے نام سے موسوم ہے [۱۷] اس معاہدے کی وجہ سے نہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے آپ کو بلکہ اپنے جانثار ساتھیوں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجمعین کو بھی نامساعد صورتحال سے محفوظ بنا دیا اور پرامن حالات کے سبب اپنی دعوت کو احسن طریقے سے موثر انداز میں جاری بھی رکھ سکے صرف یہاں تک نہیں بلکہ صلح کی پالیسی کو جاری رکھتے ہوئے تقریباً ڈیڑھ سال تک یہودیوں کے قبلہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز بھی ادا کرتے رہے۔

غزہ خندق کے موقع پر جب قبائل نے قریش مکہ کے ساتھ بارہ ہزار کی تعداد میں مسلح ہوکر مدینہ منورہ کی طرف پیش قدمی کی اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مقابلہ کی صورت میں اپنے بہت بڑے نقصان کا اندیشہ محسوس ہوا، اس لیے حضرت سلمان فارسی کے مشورہ کو قبول کیا اور خندق کھود کر، براہ راست مسلح ٹکراؤ سے بچنے کی تدبیر اختیار کر کے اعلیٰ بصیرت کا ثبوت مہیا کیا اس محاصرے کے دوران جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کی خبر لینے کے لیے، کسی جانثار اصحابی کو بھیجا تو اس کو اور باتوں کے علاوہ اس بات کی خاص تاکید فرمائی تھی کہ خبر گیری کے دوران ایسی ہر اس حرکت سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرنا، جس سے مخالف گروہ میں اشتعال کے بڑھنے کا کوئی موقع میسر آنے کا اندیشہ پیدا ہونے کا امکان ہو۔ [۱۸]

صلح حدیبیہ اسلامی تاریخ کا تابندہ باب ہے، جن حالات میں یہ صلح ہوئی اس دوران قریش کی طرف سے جس قدر ناپسندیدہ اور ناقابل برداشت رویے کا اظہار کیا گیا، کتب سیرت آج اس کی گواہی کے لیے پیش کیے جاسکتے ہیں۔ اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس صبر، استقلال اور برداشت کا مظاہرہ فرمایا، تاریخ انسانی اس قسم کے مثال پیش کرنے سے قاصر ہے ظاہر میں اس وقت یہ نتیجہ اخذ کیا گیا، یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کھلی ناکامی کے مترادف ہے لیکن بعد میں رہتی دنیا نے دیکھ لیا کہ کون ہارا اور کس کی جیت ہوئی۔ قرآن میں مسلمانوں کو ''فی دین اللہ افواجاً'' کی نوید سنائی گئی اور معاہدہ جسے شکست سمجھا جا رہا تھا، خالق کائنات نے اس کو ''فتح مبین'' قرار دیا۔ [۱۹] یہی معاہدہ فتح مکہ کا سبب بنا اس موقع پر بھی محسن انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی جذباتی رویے کے بجائے فراخدلی، درگزر، صلح وآشتی، عفو ورحمت کا مظاہرہ اپنے

شایان شان فرمایا، جس پر بلاشبہ آج تک مسلم امہ فخر کا برملا اظہار کرتی آرہی ہے۔[۱۶]

اس قسم کے سینکڑوں واقعات کتب سیرت وحدیث میں موجود ہے جن کی روشنی میں مسلم امہ کا ہر فرد انفرادی اور اجتماعی طور پر رہنمائی حاصل کرسکتا ہے لیکن افسوس اس بات کا ہے، ہم مسلمان ہونے کے ناطے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع میں کامیابی کے دعوے کے باوجود، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات سے اتنا دور نکل چکے ہیں کہ ان کی تعلیمات پر عمل کرنا حقیقی معنوں میں نتیجہ خیز نظر نہیں آتا۔ اس کا بنیادی سبب تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منصفانہ مطالعہ سے محرومی ہے انفرادی زندگی میں تو ہم اسوہ حسنہ کو اختیار کرتے ہیں لیکن اجتماعی مسائل میں اسے اختیار کرنے میں اپنی ذلت محسوس کرتے ہیں یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ جب وحی الاھی کو اپنا رہبر و رہنما ماننے والے مسلمان، تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے نیاز ہو کر غیر اسلامی قوموں کی طرح، عقل کو پیشوا بنا کر انکی روشنی میں انفرادی اجتماعی اور معاشرتی مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرتا ہے تو یہ عقل اس کو حیرانیت کے آخری منزل تک ایسا پہنچا دیتا ہے اور تباہی کے دھانے پر ایسا لا کر کھڑا کر دیتا ہے کہ اسے اپنی تباہی کے بچاؤ کی کوئی صورت نظر نہیں آتی ان عوامل کی وجہ سے مسلم معاشرہ زوال پذیر ہے پستی کے اس صورتحال نے باہمی اخوت والفت اور فضائل اخلاق سے کوسوں دور کر دیا ہے اغیار اس زبوں حالی کا مضحکہ اڑانے لگے ہیں۔ اس کا قدرتی اثر یہ ہو رہا ہے کہ امت مسلمہ کی نئی نسل اسلام کے ابدی پیغام سے بے بہرہ ہو کر، ردعمل کی نفسیات کا شکار ہو چکی ہے ردعمل کی نفسیات میں مبتلا انسان، مخالفانہ کارروائی کر کے معاملے کو مزید بگاڑ دیتا ہے اور وہ یقینی طور پر اس کو اپنے حق میں استعمال نہیں کرسکتا اس کے مقابلے میں ایمان والا جو تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رہنمائی حاصل کرتا ہے وہ جب اپنے خلاف کوئی صورتحال دیکھتا ہے، تو ٹھنڈے دل سے سوچ کر کارروائی کرتا ہے اور فریق ثانی کے اندر خطا کے احساس کو جگانے کی کوشش کرتا ہے فریق ثانی کے اندر چھپی ہوئی فطرت کو جگانا سب سے بڑی کامیابی ہے یہ کام وہ آدمی کرسکتا ہے جو ردعمل کی نفسیات سے مکمل طور پر خالی ہو اور یہ ہی تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نچوڑ ہے۔

مندرجہ بالا بحث سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ انتہا پسندانہ رویہ غیر فطرت غیر اسلامی اور غیر اخلاقی فعل ہے کسی بھی صورت میں مسلم امہ اور اسلام کے لیے مفید نہیں اسلامی تعلیمات کے عین منافی ہے اور اسلام اور تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بالکل اجنبی ہے۔ انتہا پسند آدمی تشدد کے ذریعے اپنا مقصد حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے جب کہ اسلام کا مقصد دل و دماغ کو بدلنا ہے دل و دماغ تشدد سے نہیں بدلتے، دل و دماغ کے بدلنے کا کام ناصحانہ طریقے سے کیا جاسکتا ہے نہ کہ انتہا پسندانہ رویوں سے اس لیے عصر حاضر میں انتہا پسندی کی آڑ میں تشدد کے روز افزاں رجحانات کے پس پردہ جو عوامل کارفرما ہیں ان کی نشاندہی کرنے اور خطرات سے عالم اسلام خصوصاً وطن عزیز کے باشعور عوام کو خبردار اور متنبہ کرنے کی ذمہ داری اہل علم و دانش پر عائد ہوتی ہے اور یہ عصر حاضر کا اہم تقاضا ہے۔

حوالہ جات

(1) John Ogilvie LL.D" The Imperial Dictionary", The Gresham Publishing Company, 1904, P232

(2) J.A Simpson and E.S.C Weiner" The Oxford English Dictionary", Clarendon Press, 1989, P-619

(3) Harper Collins,"B.B.C Dictionary" Collins Publishers 1993, P390

(4) I bid

(5) Mavis Hiltunen Biesanz John Biesanz, "Introduction to Sociology" (3rd ed), Prentice Inc, Englewood Cliffs, New Jersy, 1978, P-145-146

(6) I bid

۷۔ جسکانی لعل بخش ''سماجیات جو تعارف'' پاکستان اسٹڈی سینٹر سندھ یونیورسٹی جام شورو، سندھ، ۱۹۹۳ء، ص ۳۵۔۴۰

۸۔ ایضاً

۹۔ Akhter Hussain, "The Message of Muhammad" (SAS), Islamic Foundation, 1980, P-198

۱۰۔ سید سلمان ندوی ''خطبات مدراس'' (سندھی ترجمہ) دعوہ اکیڈمی اسلام آباد، ص ۶۵۔۵۰

۱۱۔ مارٹن لنگس ،،حیاۃ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' مترجم سید معین الدین احمد قادری، الفیصل غزنی اسٹریٹ، اردو بازار لاہور، ۱۹۹۴، ص ۴۲۔۴۰

۱۲۔ ''فتح الباری بشرح صحیح البخاری'' ۶، ص ۶۵۴

۱۳۔ سورۃ الحشر آیۃ ۷

۱۴۔ فتح الباری ۶، ص ۶۵۷

۱۵۔ لسان العرب، ۳، ص ۳۵۴

۱۶۔ قاضی محمد سلمان منصور پوری ''رحمۃ اللعالمین، (اول) شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، ص ۱۱۸

۱۷۔ محمد طفیل، ''نقوش رسولؐ نمبر'' جلد ۷، ادارہ فروغ اسلام لاہور، ۱۹۸۴، ص ۵۴۱

۱۸۔ مارٹن لنگس ''حیات سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' ص ۵۷۱

۱۹۔ پروفیسر راشدہ شعیب ''اسلامی نظام حکومت'' بک پروموٹرز اسلام آباد، ۱۹۹۵، ص ۱۶۲

۲۰۔ محمد صلاح الدین ''بنیادی حقوق'' ادارہ ترجمان القرآن لاہور، ص ۲۳۶

دورِ حاضر میں مذہبی انتہاء پسندی کا رجحان اور اس کا خاتمہ تعلیماتِ نبویؐ کی روشنی میں

اکرام الحق، اسلام آباد

نحمد و نصلی علی رسوله الکریم اما بعد

محمد مصطفیٰؐ پیشوا اور رہنماء خلق ۔ عالم ہیں
معزز ہیں، مقدس ہیں، معظم ہیں، مکرم ہیں
انہیں کے رنگ سے رنگِ گُلِ ہستی کی زینت ہے
انہیں کی بُو سے عطر آگیں بنی آدم کی طینت ہے

یہ جہان رنگ و بوجلوہ گاہ حیات ہے۔ گو نباتاتی اور حیوانی زندگی میں بھی بڑے دلکش اور دلربا مینا بازار سجے ہوئے ہیں لیکن انسانی زندگی میں جو رعنائیاں اور ندرت آفرینیاں ہیں، یہاں تخلیقی قوتوں کے جو سمندر موجزن ہیں وہ کسی دوسری جگہ نظر نہیں آتے۔ یہ انسان ہی ہے جس کو خلعت وجود بخشنے کے بعد اس کے خلاق نے فرمایا: "لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ" [۱] "یقیناً ہم نے انسان کو اچھی صورت میں پیدا کیا"۔ اس قدرت و طاقت والے نے عرش و فرش کائنات کی لامتناہی پہنائیوں کو لفظ "کُن" سے پیدا کیا، لیکن آدم خاکی کی آفرینش کا ذکر کیا تو فرمایا: "خَلَقْتُ بِيَدَيَّ" [۲] "میں نے اپنی قدرت کے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا"۔ علم اور عمل، فکر و تخلیق، تدبیر اور تعمیر کی جو بے پناہ صلاحیتیں اس پیکر خاکی میں ودیعت فرمائیں ان کا تذکرہ "نَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي" [۳] کے معنی خیز الفاظ سے کیا۔ اللہ تعالیٰ کی صفات حکمت، علی اور قدرت کا یہ شاہکار سب سے الگ تھلگ انفرادی زندگی بسر کرے، خلاق عالم کو یہ گوارہ نہ ہوا۔ ان صفات کی ودیعت فرمانے والے کے حضور فرط عقیدت سے جبین نیاز کون جھکاتا؟ حکمت الٰہی کا تقاضا ہے کہ انسان اجتماعی اور معاشرتی زندگی بسر کرنے، اپنے بنی نوع انسان سے استفادہ بھی کرے اور انہیں فائدہ بھی پہنچائے۔ دوسروں کے علوم و فنون سے رہنمائی بھی حاصل کرے اور اپنے فکر و نظر کے چراغ روشن کر کے شبستان وجود کو منور بھی کرے۔ وہ ماں باپ کا بیٹا بھی ہو اور اپنے بیٹے بیٹیوں کا باپ بھی۔ اس کے خاندان کے افراد اس کے لئے تقویت کا باعث ہوں۔ انبیائے کرام علیہم السلام اور بانیان مذاہب وضعیہ کی موجودہ سیرتوں کو وہ کونسا باب ہے جو تمام تر خالی اور سادہ ہے لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا یہی باب سب سے بڑا اور ضخیم ہے اور صرف یہی ایک معیار اس فیصلہ کے لئے کافی ہے کہ نبیوں کے سردار اور رسولوں کا خاتم کون ہو سکتا ہے۔ مفید نصیحتوں، میٹھی میٹھی باتوں اور اچھی اچھی نصیحتوں کی دنیا میں کمی نہیں، جس چیز کی ہے وہ کام اور عمل ہے۔ موجود مذاہب کے شارعوں اور بانیوں کی سیرتوں کے تمام صفحات پڑھ جاؤ، دلچسپ تھیوریاں، دلآویز حکایات ملیں گی، خطیبانہ بلند آہنگیاں ملیں گی، تقریر کا زور و شور اور فصاحت و بلاغت کا جوش نظر آئے گا۔ موثر

تمثیلیں تھوڑی دیر کے لئے خوش کر دیں گی، مگر جو چیز نہیں ملے گی وہ عمل، کام اور اپنے احکام و نصائح کو آپ برت کر اور کر کے دکھانا ہے۔[۴]

انسان کی عملی سیرت کا نام خلق (اخلاق) ہے۔ قرآن کے سوا اور کسی مذہب کے صحیفہ نے اپنے شارع کی نسبت اس بات کی کھلی شہادت نہیں دی کہ وہ اپنے عمل کے لحاظ سے بھی بدرجہا بلند انسان تھا لیکن قرآن نے صاف کہا اور دوست دشمن کے مجمع میں علی الاعلان کہا: ''وَ اِنَّ لَکَ لَاَجْرًا غَیْرَ مَمْنُوْنٍ وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ''[۵]

''اے محمد ﷺ بیشک آپ کی مزدوری نہ ختم ہونے والی ہے اور بیشک آپ بڑے (درجہ کے) اخلاق پر ہیں''۔

اخلاق کا اعلیٰ مرتبہ یہی ہے کہ جو کہے اس پر خود بھی عمل کرے اور اسی کی طرف قرآن پاک اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے جو بات کہتے ہیں وہ خود کیوں نہیں کرتے۔[۶] اقوام عالم کے عہد قدیم و جدید کے لیڈروں کی سوانح مطالعہ کریں تو یہ بات سامنے آئے گی۔ ایک کی سیرت اس صفت سے یکسر خالی ہے تو دوسرے کی سرتاپا معمور، قوت پا کر عفو اور حلم پیش کرنا بلند اخلاقی ہے، لیکن کسی معذور، مجبور یا کمزور کی خاموشی کی تعبیر عفو وحلم سے نہیں کی جا سکتی، ایک شخص نے کسی کو مارا نہیں، کسی کو قتل نہیں کیا، کسی کے ساتھ برائی نہیں کی کسی کا مال نہیں لوٹا، کوئی گھر نہیں بنایا، کچھ جمع نہیں کیا، لیکن یہ سب کی سب منفی اور سلبی خوبیاں ہیں۔ بتائیے کہ مارا تو نہیں لیکن کسی غریب و کمزور کی مدد بھی کی؟ کسی کو قتل نہیں کیا، لیکن کسی کو قتل ہونے سے بچایا بھی؟ کسی کے ساتھ برائی نہیں کی لیکن کسی کے ساتھ اچھائی بھی کی؟ کسی کا مال نہیں چھینا، لیکن کسی غریب و مسکین کو کچھ دیا بھی؟ اپنے لئے کوئی گھر نہیں بنایا لیکن کسی بے گھر اور بے خانماں کو پناہ بھی دی؟ اپنے لئے کچھ جمع نہیں کیا، لیکن دوسروں کو کچھ دیا اور دلایا بھی؟ دنیا کو یہ ثبوتی اور ایجابی خوبیاں درکار ہیں، اور انہی کا نام عمل ہے۔[۷] قرآن پاک گواہی دیتا ہے:

''فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ''[۸]

''(اے محمدؐ) اللہ کی مہربانی سے تمہاری افتاد مزاج ان لوگوں کے لئے نرم واقع ہوئی ہے اور اگر تم بدخو اور سخت دل ہوتے تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے''۔ ''دوسری جگہ ارشاد ہے: ''لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ''[۹] (تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر آئے ہیں، تمہاری تکلیف ان کو گراں معلوم ہوتی ہے اور تمہاری بھلائی کے بہت خواہشمند ہیں اور ایمان والوں پر نہایت شفیق اور مہربان ہیں)۔

انتہاء پسندی کا مفہوم:

نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ نے اپنی تعلیمات میں رواداری اور برداشت کو بنیادی اہمیت دی اور دوسروں کے عقائد اور نظریات کے احترام کا درس دیا جبکہ دور حاضر میں اسلام دشمن قوتوں نے اپنی مرضی کی ترجمانی کرتے ہوئے اسلام کو شدت پسندی کا مذہب اور مسلمانوں کو انتہا پسند قرار دے کر انہیں مذہبی اچھوت بنانے کی کوشش کی۔ مغرب کے اس رویئے کے تناظر میں انتہاء

پسندی کا اصل مفہوم جاننا ضروری ہے۔ اگر اس اصطلاح کو غیر جانبدارانہ سیاق وسباق میں دیکھا جائے تو اس پر علاقائی، سیاسی اور مذہبی حوالوں سے بحث کی جاسکتی ہے۔ یہ جان لینا عبث نہ ہوگا کہ انتہاء پسندی کے لفظ کو مشرق اور مغرب نے عیسائیت اور اسلام نے، یہودیت اور ہندومت نے اپنے خاص نظریاتی پس منظر میں استعمال کیا ہے۔

عہد حاضر میں انتہاء پسندی کا جائزہ لینے سے پہلے اس لفظ کے لغوی اور اصطلاحی مفہوم کا جائزہ لینا مناسب ہوگا۔ انتہاء پسندی کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے۔ اپنے مذہبی، سیاسی، قومی، معاشرتی اور ذاتی نظریات پر سخت اور بے لچک موقف رکھنے کو انتہا پسندی کہتے ہیں۔ انتہاء پسندانہ رویوں کی کئی مثالیں مذہبی اور سیاسی حلقوں میں تمام دنیا میں ملتی ہیں۔ مذہبی انتہاء پسندی دوسرے فرقوں کے مسالک اور دوسری قوموں کے مذاہب کے بارے میں حتمی معاندانہ رویے کو کہتے ہیں۔ اسلامی نقطہ نگاہ سے مذہبی تشدد پسندی کا ادراک اس کا متضاد الفاظ حلم یا تحمل سے واضح ہوسکتا ہے۔[۱۰]

تحمل کے لئے فارسی میں برداشت کا لفظ ہے۔ یہ لفظ ''بر'' اور ''داشت'' کا مرکب ہے۔ ''بر'' کا مطلب ''بوجھ'' اور ''داشت'' کا مطلب ''رکھنا'' ہے۔ برداشت کا لغوی مفہوم کسی بوجھ کو سنبھالنا ہوگا۔[۱۱] انتہاء پسندی کی ضد اعتدال پسندی ہے، عربی میں ''تحمل'' اور ''تسامح'' بھی مستعمل ہے اور انگلش میں "Tolerance" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اصطلاح میں اس سے مراد لوگوں کے آزادی عقیدہ کے حق کا عقلی اور عملی اعتراف ہے۔

برداشت (Tolerance) یا ''تسامح'' کے متضاد کے طور پر انتہاء پسندی اور عدم برداشت کا لفظ استعمال ہوتا ہے جس کے عربی میں ''اَلتَّطَرُّفِيَّة'' اور انگلش میں "Extremism" کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں جس کا مطلب کسی خاص موقف کا سختی سے ساتھ دینا، اس کے خلاف کسی قسم کی بات سننے سے سخت انکار کرنا اور اس موقف کے نہ ماننے والوں کو غلط سمجھنا ہے۔ عدم برداشت کے رجحان میں ایک انتہاء پسندی کا رویہ ہوتا ہے جس میں پسند کو تمام تر عیوب کے باوجود بہترین قرار دیا جاتا ہے اور ناپسند کو تمام تر خوبیوں کے باوجود بدترین قرار دیا جاتا ہے۔[۱۲] اعتدال انسان کے باطنی کمالات، اخلاق عالیہ اور اوصاف حسنہ میں ایسا عمدہ اور بلند ترین وصف ہے جو ایک تو اللہ کو بہت پسند ہے، دوسرے اخروی ثواب و درجات کے علاوہ بے شمار دینوی معاشرتی برکات اور بھلائیوں کا سرچشمہ ہے۔[۱۳] یہی وجہ ہے کہ شریعت اسلامیہ اور تعلیمات نبوی علی صاحبہا الصلوۃ والسلام میں اس کے بڑے فضائل اور تاکید بیان فرمائی گئی ہے۔ اس کے برعکس خدانخواستہ اگر کسی انسان میں قوت برداشت کا مادہ نہ تو فطری جبلی طور پر موجود ہو اور نہ وہ اس کے اکتساب کی کوشش کرے تو گویا وہ ہر قسم کی خیر سے محروم ہے۔[۱۴]

انتہاء پسندی جہاں ایک زبردستی اخلاقی عیب ہے[۱۵] وہاں بے شمار اخلاقی خرابیوں اور معاشرتی مفاسد کی جڑ بھی ہے جس کے نتیجے میں صرف اسی انسان کو نہیں بلکہ بسا اوقات پورے ملک وقوم اور سارے انسانی معاشرے کو مصائب و آلام سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ انتہاء پسندی کے بھیانک نتائج جو لوگوں کو بھگتنے پڑے، ان سے انسانی تاریخ بھری پڑی ہے۔ جس کی تفصیل کا یہ محل نہیں۔

انتہاء پسندی کا فلسفہ اور اس کے اسباب:

انسان چونکہ اللہ تعالیٰ کا نائب ہے اس لئے صفت خداوندی "حلم" کی ایک جھلک اس میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ خالق کائنات کی برداشت کا احاطہ کرنے والا کوئی پیمانہ وجود میں نہیں آ سکتا۔ حلم، اعتدال اور انتہاء پسندی کو علم نفسیات کی مختلف اصطلاحات کی مدد سے جانچنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ابتداء ہی سے انسان ان مشتعل احساساتی حالتوں کو سمجھنے کی کوشش کرتا رہا ہے جن کا تجربہ اسے اپنی روزمرہ زندگی میں ہوتا رہتا ہے۔ یونانیوں کا خیال تھا کہ چار مخصوص ہیجانی ردعمل ہیں:

(i) خوش مزاجی

(ii) پژمردگی

(iii) غصہ اور

(iv) ہیجان کی کمی (خوف)[۱۶] آخری تین انتہاء پسندی کی نشاندہی کرتے ہیں۔

ہر عمر کا انسان اپنے اردگرد کے ماحول میں اپنے جذباتی ہیجان کے مطابق ایک حد تک ڈھلنے کی کوشش کرتا ہے، جسے مطابقت کہتے ہیں۔[۱۷] لیکن ماحول جب اس کے مزاج اور سوچ پر اپنا نامناسب اثر ڈالنا چاہے تو انسان میں خبیث پیدا ہوتی ہے۔ یہیں سے عدم برداشت کا آغاز ہوتا ہے جس کا اظہار عمر کے مختلف ادوار میں مختلف طریقے سے کیا جاتا ہے۔ شیر خوارگی میں عدم برداشت کا مظاہرہ رو کر کیا جاتا ہے۔ رونے کا مطلب کسی خارجی یا داخلی محرک کا برداشت سے باہر ہو جانا ہے۔[۱۸] ضد کے بعد بچہ روٹھ جاتا ہے یا نیند کی آغوش میں چلا جاتا ہے یا بھوک کی کمی کا شکار ہو جاتا ہے اور بعض بچے جارحیت پر اتر آتے ہیں اور کھلونے وغیرہ توڑنے لگتے ہیں۔ شباب کی منازل میں ماہرین نفسیات کشمکش کے پیمانے سے انتہاء پسندی کو ناپتے ہیں۔ بچپن میں انسان کے سامنے صرف اپنی ذات ہوتی ہے جبکہ عمر کی اس نفسیاتی کیفیت میں انسانی ذہن تحفظات کا شکار ہوتا ہے جن میں کئی محرکات آپس میں متصادم ہوتے ہیں اور جب کوئی شخص اپنی ضروریات کی تسکین میں رکاوٹ سے دوچار ہو تو ذہنی و جذباتی کشمکش جنم لیتی ہے۔ جس کا اظہار غصہ، جھنجلاہٹ یا بعض اوقات شدید قسم کی عضویاتی تبدیلیوں کی صورت میں پیدا ہوتا ہے۔[۱۹] بعد از شباب کے مراحل میں انتہاء پسندی "ہیجان" کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ ہیجان ایک شدید قسم کا اضطراری تاثر ہے جو کردار، شعور اور احساس کو اپنی لپیٹ میں لیتا ہے۔[۲۰] اس کے نتائج میں بعض اوقات بڑی بڑی بیماریاں جنم لیتی ہیں۔ جن میں فشار خون کی کمی یا دل و دماغ کے امراض شامل ہیں۔

المختصر یہ کہ فرد کے کردار اور شعور پر حاجت کے اثرات بڑی حد تک مقررہ صورت میں تناؤ کے درجہ پر منحصر ہوتے ہیں۔ اگر تناؤ ایک بحرانی نقطہ جس کو Frustration Tolerance کہتے ہیں، سے بڑھ جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ فرد کا انطباق صورت حال کے تقاضوں سے نہیں ہو سکتا۔ ایسی تمام صورتوں میں فرد کی قوت برداشت سے باہر ہو جاتی ہیں، جن میں محرومی پیدا

کرنے والا زائد تناؤ، فرد کو مجبور کر دیتا ہے کہ صورتحال کا نامناسب ردعمل ظاہر کرے، جس کے نتیجے میں وہ روتا ہے، غیض وغضب کا اظہار کرتا ہے، زیادہ برائی والے کردار کی طرف رجعت کرتا ہے یا ذہنی امراض کی مختلف شکلوں میں سے کسی شکل میں ڈھل جاتا ہے۔ [۲۱]

انتہاء پسندی کے اسباب (Causes of Extremism)

☆ نسلی، لونی، لسانی، وطنی اور قومی برتری کا احساس۔

☆ دوسروں پر غلبہ حاصل کرنے کی خواہش یعنی حب تفوق (Urge to dominate)۔

☆ عدل وانصاف کا فوری نہ ملنا۔

☆ استحصالی نظاموں کی وجہ سے غربت، بیروزگاری اور احساس محرومی وغیرہ کا موجود ہونا۔

☆ اخلاقی اور مذہبی تعلیمات پر عمل نہ ہونا۔

☆ مذہبی برتری کا احساس اور اپنے نظریات ومعتقدات کو دوسروں پر مسلط کرنے کی کوشش کرنا۔

حیاتیات، نفسیات اور بشریات کے ماہرین تحقیق کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ہر بچہ فطری طور پر معصوم پیدا ہوتا ہے اس کی جبلت (instinct) میں دوسرے انسانوں کے ساتھ کسی قسم کی رقابت یا تعصب نہیں ہوتا، بعد میں ماحول (Environment) اس کے اندر مختلف قسم کے تعصبات اور احساسات پیدا کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ بعض لوگوں کے لئے محبت کے جذبات پیدا کر لیتا ہے اور بعض کے لئے نفرت۔ [۲۲]

اسی طرح یہ بات بھی تحقیق سے پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ رنگ، نسل، وطن اور قوم کے حوالے سے کسی انسان کی فطرت میں کوئی تعصب اور تفوق کا جذبہ نہیں پایا جاتا، بعد میں والدین اور ماحول اسے ان چیزوں پر فخر وغرور سکھاتے ہیں۔ نتیجۃً وہ دوسروں کو کمتر سمجھنے لگتا ہے اور یوں انسانوں کے اندر ''من دیگرم تو دیگری'' کے احساس کے تحت ایک دوسرے سے ٹکراؤ اور تصادم کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ [۲۳]

استحصالی نظاموں کی موجودگی کی وجہ سے تمام افراد اور اقوام کو انصاف نہیں ملتا یا دیر سے ملتا ہے، جس کی وجہ سے افراد اور اقوام میں احساس محرومی (Sense of deprivation) اور قنوطیت (Frustration) پیدا ہوتی ہے جو کہ مختلف معاشی و معاشرتی ناہمواریوں کو جنم دے کر آپس میں ٹکراؤ کی کیفیات کو جنم دیتی ہیں۔ اسی طرح ظلم اور عدم مساوات بھی معاشرے میں فساد کا سبب بنتے ہیں۔

صرف مادی وسائنسی ترقی اور مجرد قانون معاشرے کے مختلف افراد کے باہمی تعلقات کو درست نہیں کر سکتے بلکہ اس کے لئے افراد کے اندر اخلاقی تعلیمات کے ذریعے انقلاب ضروری ہے۔ ہماری مسائل کا حل سائنسی تجربہ گاہوں میں نہیں مل سکتا، ہمارے مسائل اخلاقی ہیں اور سائنس اخلاق کے دائرے میں کوئی دخل نہیں رکھتی۔ اپنی معاشرتی بیماریوں کو خدا کے بغیر حل کرنے

کے نتائج ہمارے سامنے آ چکے ہیں۔

☆ حسد:

انتہاء پسندی اور معاشرتی طوائف الملو کی کے اہم محرکات میں سے حسد بھی ہے۔اس لئے انتہاء پسندی کے اس محرک کے خاتمہ کے لئے پیغبر علیہ السلام نے مختلف مواقع پر اس کی مذمت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''اِیَّاکُمْ وَالْحَسَدَ فَاِنَّ الْحَسَدَ یَاکُلُ الْحَسَنَاتِ کَمَا تَاکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ'' [۲۴]

''تم لوگ حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو یوں کھا جاتا ہے جیسا کہ آگ لکڑیوں کو''۔

ایسے ہی ایک دوسرے موقع پر آپؐ نے ارشاد فرمایا: لَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَکُوْنُوْا عِبَادَاللّٰہِ اِخْوَانًا'' [۲۵]

یعنی ''تم آپس میں نہ تو حسد کرو، نہ کینہ رکھو اور تم اللہ کے بند بھائی بھائی بن جاؤ''۔

جبکہ قرآن نے بھی حاسد کے شر سے پناہ مانگنے کی تلقین کرتے ہوئے گویا حسد کی برائی کو بے نقاب کر دیا۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے: وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ'' [۲۶]

''اور حسد کرنے والے کی برائی سے (پناہ مانگتا ہوں) جب وہ حسد کرنے لگے''۔

تیرہویں صدی کے سقوط بغداد سے لے کر اکیسویں صدی کے سقوط بغداد تک عیسائیت کا اسلام کے خلاف تمام تر کردار حسد پر مبنی رہا۔ مشرق وسطیٰ، وسطی ایشیاء اور جنوبی ایشیاء میں تیل اور معدنی ذخائر پر مسلمانوں کی ملکیت امریکہ اور غیر اسلامی دنیا کو ہمیشہ کھٹکتی رہی جس کے نتیجے میں چاہے چیچنیا ہو یا بوسنیا، کشمیر ہو یا فلسطین، افغانستان ہو یا عراق، عیسائی دنیا کے اسلامی ممالک کی املاک کے بارے میں حسد نے آدھی دنیا کو جنگ کا نشانہ بنا دیا اور یہ مذہبی انتہاء پسندی کی بدترین مثال ہے۔

☆ انتہاء پسندی کا ایک سبب تکبر وغرور:

انتہاء پسندی کے رجحان کے اسباب میں سے ایک سبب تکبر بھی ہے، دنیا میں سب سے پہلے اس بداخلاقی کا مرتکب شیطان تھا کیونکہ جب اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو بارگاہ خداوندی کی طرف سے ملنے والی توقیر اور خلافت ارضی کے عظیم اعزاز کو دیکھا تو اس سے عظمت آدم علیہ السلام برداشت نہ ہو سکی اور اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہوئے تکبر کا مظاہرہ کیا اور کہا: ''انا خیر منہ'' [۲۷]

''کہ میں آدم سے بہترین ہوں''۔

گویا تکبر اور عدم برداشت کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ یہ تکبر ہی تھا کہ جس کی وجہ سے فرعون اور اس کے اعوان و انصار حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لائے کیونکہ ان لوگوں نے حضرت موسیٰ اور آپؑ کے ساتھیوں کو بنظر حقارت دیکھا اور تکبر کا ارتکاب کیا۔ ان کی اس کیفیت کی عکاسی قرآن نے یوں کی ہے کہ ''فَاسْتَکْبَرُوْا وَ کَانُوْا قَوْمًا عَالِیْنَ'' [۲۸] یعنی ''انہوں نے تکبر کا مظاہرہ کیا، وہ تھے بھی سرکش''۔

عدم برداشت کے رجحان کی خشت اول چونکہ تکبر ہی ہے اس لئے آپؐ نے تکبر سے اجتناب کی مختلف انداز سے مختلف

اوقات میں مذمت فرمائی ہے۔ پیغمبر علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: کہ جس شخص کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہوگا، وہ جنت میں داخل نہ ہوگا"۔ [۲۹] رسول خدا ﷺ دوزانو بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے۔ ایک بدو اس وقت موجود تھا۔ اس نے کہا کہ "بیٹھنے کا یہ طریقہ کیا ہے؟" فرمایا "خدا نے مجھ کو شریف بندہ بنایا ہے متکبر اور سرکش نہیں بنایا ہے"۔ [۳۰] دوسری جنگ عظیم سے لے کر اکیسویں صدی کے ابتدائی سالوں تک امریکہ نے طاقت کے خمار میں بے انتہاء تباہی کی ہے۔ اس نے دنیا کی سب سے بڑی طاقت ہونے کے زعم میں تیسری دنیا اور غریب ممالک کا بے دریغ استحصال کیا ہے۔ اپنے تکبر میں بے جواز اعذار کے ساتھ اس نے کمزور ممالک پر یلغار کی ہے لیکن اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو امریکہ اور دوسرے عیسائی ممالک کا نشانہ ہمیشہ اسلامی دنیا رہی ہے۔ ۱۹۴۸ء سے لے کر فلسطین اور کشمیر دونوں عیسائی دنیا کے تعصب اور انتہاء پسندی کا شکار رہے ہیں۔ اگرچہ بظاہر یہ دو آزادی کی تحریکیں ہیں جن پر سیاسی پس منظر میں بات کی جاتی ہے لیکن حقیقت میں یہ دونوں اسلامی تحریکیں ہیں جو عیسائی کلیسا کی ہٹ دھرمی اور مذہبی تعصب کی وجہ سے اقوام متحدہ کے بین الاقوامی پلیٹ فارم پر التواء اور لیت ولعل کا شکار رہی ہیں۔ مصر میں اخوان المسلمین کی تحریک بھی صلیب اور ہلال کی کشمکش کے نتیجے میں دبا دی گئی۔ اس طرح سے نام نہاد وسیع النظر اور آزاد خیال مغرب نے معاشی اور سیاسی چالوں کے روپ میں بدترین مذہبی انتہاء پسندی کا مظاہرہ کیا۔

پاکستان میں مذہبی انتہاء پسندی کا فروغ:

اعتدال، حلم و بردباری یا برداشت کے حوالے سے جب ہم اپنے گردوپیش کا جائزہ لیتے ہیں تو وطن عزیم کے قدیم طرز کے دینی مدارس اور جدید تعلیمی مراکز میں مناسب نظام تربیت نہ ہونے اور خانقاہوں، جن کا بنیادی مقصد ہی اصلاح نفس تھا، میں "عقابوں" کی جگہ "زاغوں" کے تصرف کی وجہ سے تزکیہ نفوس کی طرف بالکل توجہ نہ ہونے کے باعث ہر چھوٹا بڑا آدمی (الا ماشاء اللہ) اس عظیم اخلاقی وصف سے خالی نظر آتا ہے۔ مذہب، مسلک اور دین کے حوالے سے وطن عزیز میں انتہاء پسندی کے بڑھتے ہوئے رجحان نے جو افسوسناک، المناک، بھیانک اور تباہ کن صورتحال اختیار کر رکھی ہے اس کو دیکھئے تو محسوس ہوتا ہے کہ گویا ہمارا دین اسلام سے العیاذ باللہ کوئی تعلق ہی نہیں کیونکہ اسلام تو بڑے سے بڑے مخالف اور غیر مسلم کو بھی نہ صرف برداشت کرنے بلکہ اس کے ساتھ رواداری اور حسن سلوک کا حکم دیتا ہے۔ تاریخ کے اوراق ہمارے اسلاف کے ایسے بے شمار واقعات کا روشن باب ہے لیکن جدید اسلامی دنیا خاص طور پر ہمارا وطن عزیز پچھلے کچھ عشروں سے مذہبی عدم تحمل کا شکار رہا ہے۔ چند فروعی اختلافات اور غلط فہمیوں کی وجہ سے کتنے ہی معصوم لوگ مسجدوں اور محرابوں میں شہید کر دیئے گئے۔ اس مذہبی منافرت کے شعلوں نے گھروں، بازاروں اور تعلیمی اداروں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا جس کے نتیجے میں ہماری معاشرتی زندگی بہت حوالوں سے مفلوج ہو کر رہ گئی۔ اگر نبی محترم ﷺ کی رواداری کی تعلیمات پر عمل کیا جاتا اور اپنے مذہبی جذبات کو مثبت رخ دیا جاتا تو اس سے ہماری مجموعی قومی اور مذہبی زندگی پر بہت صحت مندانہ اثرات پڑتے۔

اقوام عالم میں انتہاء پسندی اور دہشت گردی کا فروغ:

تاریخ عالم انتہاء پسندی کے واقعات سے بھری پڑی ہے اور یہ انتہاء پسندی یہودیوں، عیسائیوں دونوں کی جانب سے

بکثرت ہوئی ہیں۔ یہ تاریخ وحشیانہ سزاؤں اور لرزہ خیز مظالم کی داستانوں سے لبریز ہے۔ انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا کے مطابق ۱۴۹۲ء میں سپین میں اسلامی سلطنت کا خاتمہ ہوا۔ ساڑھے تین لاکھ مسلمانوں کو مذہبی عدالت میں پیش کیا گیا۔ ان میں سے ۲۸۵۴۰ کو سزائے موت ملی اور ۱۲۰۰۰ کو زندہ جلا دیا گیا۔ بقول رابرٹ بریفو ڈیڑھ لاکھ کے قافلے میں سے ایک لاکھ مسلمانوں کو سپین میں قتل کر دیا گیا۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق لکھتے ہیں کہ "۱۶۱۰ء میں تمام مسلمانوں کو سپین چھوڑنے کا حکم دیا گیا۔ ۱۶۳۰ء میں ایک مسلمان بھی سپین میں باقی نہ رہا حالانکہ مسلمانوں نے قریباً پونے آٹھ سو سال حکومت کی۔[۴۱]

ولیم جان ڈر پر نے لکھا ہے کہ "اٹلی کے پادری آرنلڈ نے پوپ کے خلاف آواز اٹھائی تو انتہاء پسندی کی یہ حالت تھی کہ اسے ۱۱۵۵ء میں موت کی سزا سنائی گئی۔

انتہاء پسندی کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔ خون انسانی کی ارزانی کا اندازہ لگائیں۔

۱۔ ۱۰ء قبل از مسیح (یروشلم) ۴۰ ہزار اشخاص ذبح ہوئے۔

۲۔ ۱۱ء قبل از مسیح (یروشلم) ایک لاکھ...... ہزار اشخاص مارے گئے۔

۳۔ ۹۵ء قبل از مسیح (یروشلم) پانچ لاکھ یہودی مارے گئے۔

۴۔ ۷۰ء قبل از مسیح (یروشلم) گیارہ لاکھ یہودی مارے گئے۔

۵۔ ۳۶۔۳۶ قبل از مسیح (یروشلم) پانچ لاکھ ۸۰ ہزار یہودی ذبح ہوئے۔

مغربی اسکالرز نے دہشت گردی کی مندرجہ ذیل اقسام گنوائی ہیں مثلاً؟

۱۔ سیاسی دہشت گردی۔

۲۔ مذہبی دہشت گردی۔

۳۔ بین الاقوامی دہشت گردی۔

۴۔ اقوام میں آزادی کی تحریکیں۔

پال ولکنسن اور اے ایم سٹیوارٹ نے تو مسلمانوں کے جہاد کو بھی دہشت گردی کا نام دیا ہے۔ یہ ان کا انتہائی متعصبانہ نظریہ ہے۔[۴۲] انہوں نے اپنے مذہبی تعصب کی وجہ سے جہاد کی اپنی مرضی سے تشریح کی۔ مغرب کی سامراجی تاریخ مذہبی منافقت سے بھرپور ہے۔ سولہویں صدی سے لے کر انیسویں صدی کے اواخر تک مغربی عیسائی طاقتوں نے افریقہ اور ایشیاء میں جہاں جہاں اپنی نو آبادیاں قائم کیں وہاں جانے کا سب سے پہلا جواز انہوں نے عیسائیت کی روشنی پھیلانا پیش کیا۔ انہوں نے اپنے اس فرض منصبی کو White man's burden کی اصطلاح سے نوازا جبکہ اس تمام فلاحی منصوبے کے پس پردہ عیسائیت کا پرچار اور توسیع پسندانہ عزائم کارفرما تھے لیکن برطانیہ، امریکہ اور فرانس جیسی عیسائی طاقتوں نے دنیا کو ہمیشہ اپنا محسن چہرہ دکھایا۔ اسی مذہب تعصب کی وجہ سے آدھی دنیا برطانیہ کی اسیر رہی۔ اس انسانی جبلی کی طرف قرآن نے یوں دلالت کی ہے:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُم بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ[۴۳]

"خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب فساد پھیل گیا ہے تاکہ خدا ان کو ان کے بعض اعمال کا مزا چکھائے، عجب نہیں کہ وہ باز آ جائیں"۔

آج دنیائے اسلام نئے عالمی نظام کی زد میں ہے۔ عالم اسلام انڈونیشیا سے مراکش اور اندلس سے یمن تک عیسائیت، اشتراکیت، اشتمالیت، سوشلزم، لادینیت، افرنگیت، برہمنیت اور مغربی طاغوتی طاقتوں کے جال میں جکڑا ہوا ہے۔ مغرب کی یہودی لابی نے دنیائے عرب کی پیٹ میں اسرائیلی چھرا گھونپ دیا ہے۔ اہل مغرب آج برداشت اور حلم کے جذبے سے عاری نظر آتے ہیں۔ آج پھر وہ صلیبی ذہنیت کے ساتھ مسلمانوں کو دیکھ رہے ہیں۔ موجودہ دور میں مختلف ممالک میں چھڑی ہوئی جنگیں اسی جذبے کا اظہار ہے۔ بوسنیا میں مسلمانوں کی نسل کشی کا یہ سلسلہ صلیبی جنگوں کا ہی حصہ ہے۔ [۳۴]

طاقت کے نشے میں چور عیسائی مغربی طاقتوں نے یکے بعد دیگرے کئی اسلامی ممالک کو اپنی نفرت کا نشانہ بنایا ہے اس کی موجودہ مثال افغانستان اور عراق میں امریکہ کی might is right پالیسی سے عیاں ہے۔ آج مغرب اس واقعہ کی یاد تازہ کر رہا ہے جب یروشلم میں صلیبی سپاہیوں نے مسجد عمر میں گھس کر نہتے مسلمانوں کا قتل عام کیا تھا۔ ایک عینی شاہد لکھتا ہے کہ اس وقت دل ہلا دینے والے شور وغل میں کسی کی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ مسجد عمر کے صحن میں خون سواروں کے ٹخنوں اور گھوڑوں کی رکابوں تک پہنچ رہا تھا۔ ستر ہزار سے زائد مسلمانوں کو قتل کر دیا گیا۔ یہ تھی انتہاء پسندی کی ایک دلدوز داستان اس کے برعکس حضرت عمر رضی اللہ عنہ فلسطین کی فتح کے بعد جب شہر میں داخل ہوتے ہیں تو حکم دیتے ہیں کہ راہبوں پر تلوار نہ اٹھاؤ، عبادت گاہوں کو مسمار نہ کرو۔ آپؓ وہاں کے بشپ کے اجازت حاصل کر کے ان کے گرجے میں نماز ادا فرماتے ہیں۔ [۳۵]

عیسائیت کی تاریخ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رحم کی تعلیمات کی نفی کرتی ہے۔

عیسائیوں میں مذہبی انتہاء پسندی:

عیسائیت میں بھی انتہاء پسندی کا رجحان اپنے آغاز سے ہی ہے حالانکہ عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں عفو اور محبت کی تعلیم تک دی:

"کہ اگر کسی کے گال پر کوئی طمانچہ مارے تو دوسرا گال بھی اس کی طرف پھیر دے اور اگر کوئی کسی سے ایک جوتا مانگے تو دوسرا بھی اس کی طرف اتار دے"۔ [۳۶]

عیسائیت کی تاریخ اس کی نفی کرتی ہے۔ خاص طور پر پاپائیت کا دور ایسا دور ہے جو اپنے مخالفین کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں۔ جو شخص بھی علم وعرفان کی بات کرتا ہے تو اسے مقدس کلیسا کے منافی سمجھا اور عبرتناک سزائیں دیں۔ کوپرنیکلس، گلیلیو اور برونو وغیرہ کے ساتھ پوپ صاحبان کا ظالمانہ سلوک تاریخوں میں محفوظ ہے۔

عیسائیوں نے اپنے دور اقتدار میں مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک کیا وہ ان کی انتہاء پسندی کے رویے کی نشاندہی کرتا ہے، اندلس سے مسلمانوں کی حکومت تقریباً آٹھ سو سال سے قائم تھی جو کہ سقوط غرناطہ کے بعد ختم ہوگئی۔ لیکن حکومت کے خاتمے کے ساتھ مسلمانوں پر عرصہ حیات بھی تنگ کر دیا گیا۔ ظلم وسفاہ کی کا کوئی حربہ ایسا نہیں تھا جو ان پر آزمایا نہ گیا ہو۔ مسلمانوں کو جبراً

عیسائیت قبول کرنے پر مجبور کیا گیا۔ انکار کرنے پر بہت سوں کو تہ تیغ کیا گیا باقی ماندہ کو ملک بدر کیا گیا۔ ان میں سے بہت سے ایسے تھے جو بے چارے منزل مقصود تک نہ پہنچ سکے اور راستے ہی میں سرخ صلیبی سفاکوں نے انہیں تہ تیغ کر دیا۔ عربی زبان پر پابندی لگا دی گئی اور عربی زبان کی جتنی کتابیں جہاں کہیں ملیں انہیں ضبط کر لیا گیا اور اس طرح مسلمانوں کے علوم و فنون کے ایک روشن باب کا سرزمین اندلس سے خاتمہ ہوا۔[۳۷]

اسی طرح صلیبی جنگوں میں عیسائیت کا رویہ انتہاء پسندی پر مبنی تھا اگرچہ مسلمان حکمرانوں نے عیسائیوں کے مذہبی معاملات میں کبھی دخل نہ دیا تھا اور بعض عیسائی افسروں کو اعلیٰ سرکاری عہدے بھی ملتے تھے تاہم بعض متعصب پادریوں نے یورپ میں مسلمانوں کے مظالم کی فرضی داستانیں اور قصے بیان کر کے وہاں کے عیسائی باشندوں کو مسلمانوں کے خلاف اکسایا اور انہیں ترغیب دی کہ وہ بیت المقدس کو مسلمانوں کے قبضے سے چھین کر وہاں عیسائی سلطنت قائم کریں۔ ان دنوں عیسائیوں میں ایک خیال نیم مذہبی عقیدے کی صورت میں پھیلا کہ حضرت عیسیٰ اس روئے زمین پر نازل ہو کر ایک ہزار برس کے لئے ایک عیسائی سلطنت قائم کریں گے۔ ان کا خیال تھا کہ اس بینظیر دور کا آغاز مسلمانوں کو فلسطین سے نکالنے کے بعد شروع ہوگا چنانچہ مختلف عیسائی ممالک کے سپاہی مقدس فرض کی ادائیگی کے لئے کمر بستہ ہو گئے۔

۱۰۹۹ء میں عیسائی فوجوں نے بیت المقدس پر قبضہ کر کے وہاں مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کا قتل عام کر دیا۔ ستر ہزار مسلمان مسجد الاقصیٰ کے سامنے قتل کر دیئے گئے۔ عرب، ایران، عراق کے مسلمان اپنے اندرونی جھگڑوں کے باعث مسلمانوں کی امداد نہ کر سکے۔ کم و بیش نوے برس تک بیت المقدس پر عیسائیوں کا قبضہ رہا آخر سلطان صلاح الدین ایوبی نے ۱۱۸۷ء میں عیسائیوں سے بیت المقدس کو واپس چھین لیا۔

اس وقت سے ہم دیکھ رہے ہیں کہ دنیائے عیسائیت مسلمانوں کے وجود کو برداشت تک کرنے کے لئے تیار نہیں حالانکہ مسلمانوں نے اپنے دور اقتدار میں نہ صرف انہیں برداشت کیا بلکہ رواداری کا معاملہ بھی کیا لیکن اب یہ عیسائی طاقتیں نیو ورلڈ آرڈر کے تحت عالم اسلام کے ساتھ جو کچھ کر رہی ہیں سب پر واضح ہے۔ اپنے قبیح مفادات کی خاطر انہوں نے مسلمانوں کو ہراساں رکھنے کے لئے بنیاد پرست، دہشت گرد اور انتہاء پسند (Extremist) جیسی پروپیگنڈا اصطلاحات کو ایجاد کیا۔

ہندو میں مذہبی انتہاء پسندی:

ہندو ویسے تو فلسفہ آہنسہ کے پیروکار ہیں کہ کسی بھی ذی روح چیز کو تکلیف نہیں پہنچاتی۔ عملی طور پر دیکھا جائے تو ان کا یہ فلسفہ حیوانوں کے لئے تو ہے مگر انسانوں کے لئے ہرگز ہرگز نہیں۔ ایک طویل عرصہ تک مسلمان ہندوستان پر حکومت کرتے رہے۔ ہمیشہ ان کے ساتھ رواداری کا سلوک کیا، ان پر کسی قسم کا کوئی جبر نہیں تھا۔ محمد بن قاسم سے لے کر اورنگ زیب عالمگیر تک کے عروج کے ادوار میں بھی مسلمانوں نے نہ صرف انہیں برداشت کیا بلکہ انہیں بڑی مراعات اور اہم مناصب پر بھی ہمیشہ فائز رکھا۔ محمد بن قاسم نے ہندوؤں کے لئے جاگیریں وقف کیں اور برہمنوں کو بڑے بڑے عہدوں سے نوازا۔ صاحب ''آئینہ حقیقت نما''

لکھتے ہیں:

''محمد بن قاسم اور اس کے عہد کے مسلمان گورنروں نے ملک سندھ میں ہندوؤں کے مندروں کے لئے بڑی بڑی جاگیریں وقف کیں''۔

مورخین لکھتے ہیں کہ:

''محمد بن قاسم نے یہ تحقیق کرنے کے بعد کہ برہمن واقعی ایک معزز اور امور سلطنت سے واقف قوم ہے حکم دیا کہ برہمنوں کو سلطنت اسلامیہ کے عہدوں پر مامور کیا جائے چنانچہ محکمہ مال کا تمام انتظام برہمنوں کے سپرد کر دیا گیا۔ زر مال گذاری وصول کرنے کا حساب، خزانہ کی حفاظت کرنا، سب برہمنوں کے سپرد کر دیا گیا''۔ اور اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ محمد بن قاسم کے زمانہ سے لے کر آئندہ ہر زمانہ میں ملک سندھ کا مالی محکمہ برہمنوں کے ہاتھ میں رہا۔ برہمن محمد بن قاسم سے جس شخص کی سفارش کرتے، وہ اس کے مرتبے کو بلند کر دیتا تھا۔[۳۸]

غیر مسلموں کو مسلمان حکومت کے ہم صیغوں میں افسران کی حیثیت سے جگہ دی جاتی تھی اور انہیں بڑے بڑے عہدوں پر فائز کیا گیا تھا۔ چنانچہ لکھا ہے: ''جہانگیر کے توپ خانے کا افسر اعلیٰ راجہ بکر ماجیت تھا جو کہ پچاس ہزار توپچیوں کا افسر تھا اور تین ہزار توپیں ان کے زیر کمان تھیں۔ یہ راجہ بکر ماجیت کھتی تھا۔ اکبر کے زمانہ میں ترقی کرتا ہوا جیل خانہ کا داروغہ مشرقی سے خدمت دیوانی اور مرتبہ امرائی کو پہنچا تھا۔ فن سپاہ گری اور تدابیر جنگ خوب جانتا تھا''۔

یہ تاریخی حقائق اس حقیقت کو آشکارا کرنے کے لئے کافی ہیں کہ یہ اسلام اور سیرت رسول کی تعلیمات کا اثر تھا کہ مسلمان حکمرانوں نے غیر مسلموں کو برداشت کیا، کبھی بھی تنگ دلی سے کام نہ لیا۔ اس کے مدمقابل ہندو بنیوں کی انتہاء پسندی کو دیکھیں کہ جب بھی وہ اقتدار میں آئے، مسلمانوں کو برداشت نہ کر سکے۔ شدی اور سنگھٹن کی تحریکیں ان کی انتہاء پسندی کی مثالیں ہیں کہ مسلمانوں کو ہندو بنایا جائے اور مسلمانوں کے آثار کو ختم کیا جائے۔ حالیہ دور میں بابری مسجد کی شہادت اور گجرات میں مسلمانوں پر ڈھائے گئے مظالم ہندو مذہبی انتہاء پسندی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

انسانی مساوات کا اسلامی تصور:

قرآن پاک اور نبی اکرم ﷺ کی تعلیمات کا اگر غور سے مطالعہ کیا جائے تو کہیں بھی انتہاء پسندانہ رویئے کو پسندیدہ نہیں گردانا گیا۔ اس کے برعکس اعتدال پسندی، صبر، حلم اور عفو کی تعلیمات جابجا ملتی ہیں۔ موجودہ دور کے انسان کے جملہ مسائل کا حل متصادم رویوں کو ختم کرنے میں ہے۔ انفرادی، قومی، مذہبی اور بین الاقوامی سطح پر رجحانات میں تشدید اور مخاصمت کا تریاق اسلامی مساوات اور رواداری کے سنہرے اصولوں کی پابندی میں مضمر ہے۔ انسانیت پر اسلام کا یہ بڑا احسان ہے کہ اس نے وحدت انسانیت کا ایسا تصور دیا جو رنگ و نسل، لسانیت اور وطنیت کے تمام بتوں کو پاش پاش کر کے بھائی چارے کی مشترکہ اساس فراہم

کرتا ہے۔ وہ انسانوں کو ذہن میں یہ بات راسخ کرتا ہے کہ جس طرح سارے انسان ایک خدا کی مخلوق ہیں اسی طرح وہ ایک ماں باپ کی اولاد ہیں اور ان سب میں ایک ہی ماں باپ کا خون دوڑ رہا ہے۔ جس طرح ایک ماں باپ کی اولاد مختلف رنگ و روپ، مختلف قوت و صلاحیت اور مختلف عقل و ضمیر کے باوجود حقوق میں برابر ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے مساویانہ سلوک کرتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے اختلافات اور رنجشوں کے باوجود ایک دوسرے کے دکھ، درد اور خوشیوں میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ اسی طرح تمام دنیا کے انسانوں کو فرداً فرداً اور اجتماعی طوز پر ایسا ہی بننے کی کوشش کرنا چاہیے۔ آپؐ نے انسانوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ مرور زمانہ اور اختلاف ماحول کی وجہ سے اگرچہ وقتی طور پر رنگ و زبان میں فرق آ جاتا ہے، لیکن بنیاد سب کی ایک ہی ہے یعنی تمام حضرت آدمؑ کی اولاد ہیں اور انہیں مٹی سے بنایا گیا تھا پھر انسانوں کو یہ بتایا کہ وہ معرفت و شناخت کی انسانی کے لئے خاندان اور قبیلوں کی حد بندیاں قائم رکھ سکتے ہیں مگر انہیں کسی بھی عزت و ذلت، برتری و کمتری کا معیار نہیں بنا سکتے۔ عزت و ذلت اور برتری، کمتری کا معیار صرف ایک ہے اور وہ ہے تقویٰ اور پرہیزگاری والی زندگی، اس کے علاوہ پیغمبر اسلامؐ کی زبان صدق سے کئی مواقع پر بے جا انسانی تفریق اور مصنوعی تفاخر کو مٹانے کے لئے نہایت بلیغ اور موثر خطبے نکلے ہیں۔ حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: ''کسی عربی کو عجمی اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فوقیت نہیں اسی طرح سرخ و سفید رنگ والے کو کسی سیاہ فام پر اور کسی سیاہ فام کو کسی سرخ و سفید رنگ والے پر کوئی فوقیت نہیں سوائے تقویٰ کے''۔[۳۹] کُوْنُوا عِبَادَاللّٰهِ اِخْوَانًا (اللہ کے بندو بھائی بھائی بن جاؤ)[۴۰] آپؐ نے فرمایا: اَلْخَلْقُ عَیَالُ اللّٰهِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَی اللّٰهِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰی عُیَالِه''' ساری مخلوق خدا کی کفالت میں ہے (کنبہ کی طرح ہے) تو وہ شخص اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہوگا جو اس کے عیال کے ساتھ حسن سلوک کرے گا''۔[۴۱] ارشاد نبویؐ یہ ہے کہ: ''اَلصَّلٰوةُ وَاجِبَةٌ عَلَیْکُمْ خَلْفَ کُلِّ مُسْلِمٍ بِرًّا اَوْ فَاجِرًا''

(ہر نیک اور گناہگار مسلمان کے پیچھے (باجماعت) نماز پڑھنا تمہارے اوپر واجب ہے)

ایک اور حدیث میں ارشاد ہوا: صَلُّوْا خَلْفَ کُلِّ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ فِی رِوَایَةٍ خَلْفَ کُلِّ بِرٍّ وَ فَاجِرٍ (ہر کلمہ گو اور نیک و فاجر مسلمان کے پیچھے نماز پڑھ لو) قطع نظر مذہب و مسلک کے ایک دوسرے کا احترام کرنا اور تکفیر سے احتراز کرنا۔

اسی طرح ایک مسلک کے لوگوں کا دوسرے مسلک کے حامل لوگوں کو اپنی مسجد جو اصلاً سارے مسلمانوں کی مشترکہ عبادت گاہ ہوتی ہے، میں داخل نہ ہونے دینا جبکہ خود نبی اکرمؐ نے مشرکین تک کو مسجد کے اندر ٹھہرایا ہے چنانچہ مشہور حنفی فقیہ اور مفسر علامہ حصاص رازی آیت "اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ" الخ (سورۃ التوبہ آیت ۲۸) کے تحت لکھا: وَلَمْ یَکُنْ اَهْلُ الذِّمَّةِ مَمْنُوْعِیْنَ مِنْ هٰذِهِ الْمَوَاضِعِ"[۴۲] (ان مواضع (مساجد) میں اہل ذمہ کا داخلہ ممنوع نہیں ہے۔

اور اپنے اس خیال یا رائے کی تائید میں حضور اکرمؐ کے وفد قیس کو مسجد نبویؐ میں ٹھہرانے اور حضرت ابوسفیانؓ کے حالت کفر میں مسجد نبوی میں داخل ہوتے رہنے سے استدلال کیا ہے۔[۴۳] متشدد مذہبی لوگوں کا یہ رویہ ہے کہ جسے اپنے تراشیدہ یا اپنے سمجھے ہوئے اسلام کے راستے سے ذرا ہٹا ہوا پایا اس پر جھٹ کفر کا فتویٰ صادر کر دیا اور اس میں اتنی شدت یا غلو اختیار کیا کہ اسے کافر قرار دے دیا۔ اس پر مستزاد یہ کہ جو اسے کافر نہ مانے وہ بھی کافر۔ یہ سب کچھ عدم برداشت ہی کا کرشمہ ہے ورنہ اسلام

وہ مذہب ہے جو کافروں، مشرکوں اور منافقوں تک کے ساتھ ملاطفت، حسن سلوک اور شفقت کا برتاؤ کرتا ہے چنانچہ قرآن مجید کا واضح حکم ہے: لَا تَقُوْلُوا لِمَنْ اَلْقٰی اِلَیْکُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا" "جو کوئی تمہیں (مسلمان کا سا) سلام کرے اس سے یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں ہے"۔

اس آیت سے یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ اسلام کا یہ اصول ہے کہ فیصلہ ظاہر پر ہوگا، باطن پر نہیں۔ کسی مسلمانوں کو جذبات اور اشتعال میں آ کر کافر قرار دے دینا نازک معاملہ ہے چنانچہ ہمارے فقہاء کرام نے اس معاملے میں حد درجہ احتیاط برتتے ہوئے یہاں تک لکھا ہے کہ "اگر کسی مسئلہ یا آدمی میں ننانوے وجوہ کفر کے پائے جائیں اور ایک احتمال اسلام کا موید ہو تو مفتی اور قاضی کے لئے اولیٰ بلکہ لازم ہے کہ ایک مسلمان کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہوئے اس پر کفر کا فتویٰ نہ لگائے۔[۴۴]

انتہاء پسندی کے رجحانات کے سدباب کے لئے سیرت طیبہ یں صحیح حل موجود ہے۔ آنحضرتؐ کی تعلیم وتربیت کے زیر اثر افراد کے مابین منافرت کی بجائے اخوت پیدا ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے نعمت قرار دیتے ہوئے فرمایا:

"وَاذْکُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا " [۴۵]

(اور یاد کرو احسان، اللہ کا اپنے اوپر کہ تھے تم آپس میں دشمن پھر الفت دی تمہارے دلوں میں پھر ہو گئے اس کے فضل سے بھائی بھائی)

دوسرے مقام پر فرمایا: "وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّا اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ [۴۶]

(اور الفت ڈالی ان کے دلوں میں اگر آپ خرچ کر دیتے جو کچھ زمین میں ہے سب، نہ الفت ڈال سکتے ان کے دلوں میں لیکن اللہ نے الفت ڈالی۔ ان میں بے شک وہ زور آور ہے حکمت والا)

خوف وگھبراہٹ اور مصائب وشدائد کے مواقع پر دل ودماغ کو انتہاء پسندی کے اثرات سے محفوظ رکھتے ہوئے استقلال کا مظاہرہ کرنا، اخلاقی بلندی اور استحکام کی بناء پر ہی ممکن یہ۔ تعلیمات نبویؐ میں اس اخلاقی بلندی کا بطریق احسن اہتمام موجود ہے۔ انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے نامساعدت اور مصائب کو برداشت کرنے کی صلاحیت ودیعت کر رکھی ہے۔ اسی صلاحیت کو بروئے کار لانے کے لئے زبان نبویؐ نے اللہ تعالیٰ کا حکم یوں بیان فرمایا: "وَاصْبِرْ عَلٰی مَآ اَصَابَکَ اِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ" [۴۷]

(اور جو مصیبت آپ کو پیش آئے، اسے برداشت کرو، یہ بڑے عزم کی بات ہے)

نامساعدت اور ناموافقت میں اپنے آپ کو قابو میں رکھنا اور ایسی صورتحال کو برداشت کرنا اس لحاظ سے بڑی عنایت خداوندی ہے کہ اس بناء پر انسان کو اللہ کی معیت کا اعزاز حاصل ہوتا یہ۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے: "اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِیْن" [۴۸]

(بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے)

دوسری جانب سے پہنچائی گئی اذیت پر جذبات کا اشتعال اور آپے سے باہر ہونا عین ممکن ہے۔ یہ صورتحال ہی ناقابل

برداشت ہوتی ہے کہ مد مقابل کی گالی سن کر صبر کیا جائے یا طاقت رکھتے ہوئے اینٹ کا جواب پتھر سے نہ دیا جائے۔ اسی انتہاء پسندی کا مظاہرہ روزانہ ہوتا ہے اور گالی کا جواب گولی سے اور ایک قتل کے بدلے کئی قتل اکثر ہوتے ہیں۔ اس خونی دھارے کو روکنے کا موثر طریقہ کار نبوی تعلیمات میں موجود ہے، آپؐ نے وحی کے الفاظ یوں بیان فرمائے "والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس" ۴۹ (اور دبا لیتے ہیں غصہ اور معاف کر لیتے ہیں لوگوں کو)

مکہ کے جن لوگوں نے آپ کو قتل کرنے کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا اور آپؐ کے جملہ ساتھیوں کا عرصہ حیات تنگ کر کے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ایسے ظالموں کا ظلم برداشت کرتے ہوئے انہیں معاف کر دینا بے شک رحمت للعالمین کا ظرف ہی ہو سکتا ہے لیکن اس میں انسانیت کے لئے برداشت کا نمونہ بھی موجود ہے۔ آپؐ نے فتح مکہ کے موقع پر اپنے مخالفین اور ظلم کے پہاڑ توڑنے والوں کو ان الفاظ سے معافی کا مژدہ سنایا: "لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ" ۵۰ (تم سے آج کوئی باز پرس نہیں، اللہ تمہیں معاف کر دے اور وہ بہت رحم کرنے والا ہے)

سفر طائف میں اوباشوں نے آپ کو شدید جسمانی اذیت پہنچائی، اسے آپؐ نے جس صبر و تحمل سے برداشت کیا اس کی مثال ناممکن ہے۔ آپؐ نے اس موقع پر اللہ سے رجوع کرتے ہوئے دعا فرمائی: "الهم اليک اشکو ضعف قوتی و قلة حیلتی وهوانی علی الناس یا ارحم الرحمین انت رب المستضعفین و انت ربی الی من تکلنی؟" "الٰہی! اپنی کمزوری، بے سروسامانی اور لوگوں کی تحقیر کی بابت تیرے سامنے فریاد کرتا ہوں۔ تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ درماندہ اور عاجزوں کا مالک تو ہی ہے اور میرا مالک بھی تو ہی ہے، مجھے کس کے سپرد کر رہا ہے"۔ نبی کو اعتدال کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا: "وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا" ۵۱ "اے رسولؐ! تو اپنے پروردگار کے فیصلہ کا ثابت قدمی کے ساتھ منتظر رہ، کیونکہ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے"۔ "اَلصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّاءِ وَ حِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ" (صبر کرنیوالے سختی اور تکلیف اور جنگ کے دوران، یہی سچے لوگ ہیں اور یہی پرہیزگار ہیں) مزید حکم ہوا: "اِسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ" (اور نماز اور صبر کے ذریعے مدد طلب کرو) ۵۲ عفو و درگذر کے بارے میں حکم خداوندی ہے: "اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ" ۵۳ ارشاد نبویؐ ہے: "وما زاد الله رجلا یعفو الاعزا" (اللہ تعالیٰ عفو و درگذر کرنے والے کی عزت میں اضافہ کرتا ہے) انسان میں اعتدال کا مادہ اور اطمینان پیدا کرنے کا باعث ذکر الٰہی بھی ہے۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے: "اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ" ۵۴ (خوب سن لو کہ اللہ کے ذکر سے اطمینان ہی ہو جاتا ہے)

حسب ذیل ارشادات نبویؐ باہم محبت اور ایک دوسرے کو برداشت کرنے کی متقاضی ہیں۔ "لا یومن احد کم حتی یحب لاخیه ما یحب لنفسه" ۵۵ (تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے) "المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده" ۵۶ (مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں) "مثل المومنین فی توادهم و تراحمهم و تعاطفهم، مثل الجسد اذاشتکی منه عضو

تداعی له سائر الجسد بالسهر والحمی"[۵۷] (اہل ایمان کی مثال باہمی محبت، رحم ونرمی میں ایسی ہے جیسے ایک جسم، جب جسم کے کسی عضو کو تکلیف پہنچے تو پورا جسم بخار اور بے خوابی میں مبتلا ہو جاتا ہے)

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "من حمل علینا السلاح فلیس منا"[۵۸] (جس نے ہم پر ہتھیار اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں ہے) اس کے باوجود دوسروں پر اسلحہ سے حملہ آور ہونا، انتہاء پسندی کی ایک صورت ہے۔ دیگر احادیث مبارکہ میں بھی بردباری، تحمل، برداشت اور حلم کا درس دیا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ سباب المسلم فسوق و قتالہ کفر"[۵۹] (حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ "مسلمان کو گالی دینا گناہ اور اسے قتل کرنا کفر ہے") پس رسول اللہ کی تعلیمات کی روشنی میں مختلف گروہوں کا ایک دوسرے کو گالی دینا اور پھر مسلمانوں کا آپس میں قتل کفر قرار دیا گیا ہے۔

سورۃ بقرہ میں ارشاد ہے کہ "لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ" (دین میں جبر نہیں) چنانچہ غیر مسلموں کو زبردستی مسلمان بنانے کی اجازت نہیں۔ آپ نے عبادات مثلاً نماز، روزہ، حج وغیرہ میں تکالیف کو برداشت کرنے کا درس دیا۔ آپ نے تبلیغی مشن میں عقل وحکمت، موعظہ حسنہ، مجادلہ احسن، ذہنی انقلاب، قلبی تبدیلی، دلسوزی، عدم اکراہ اور نرم روی اور برداشت جیسے اصولوں کو سامنے رکھا۔ آپ نے ہمیشہ اقلیتوں کا خیال رکھا۔ مندرجہ ذیل مستشرقین نے بھی اسلام کے اقلیتوں کے بارے میں اعلیٰ تعلیم اور اعتدال پسندی کی تعریف کی ہے۔

i- Thomas patrick hughes, A Dictionary of Islam: Religious Toleration, pp.684-85

ii- W.F. Adeney, Encyclopaedia of Religion & Ethics. T.W. Arnold. Toleration (Muhammadan) pp.360-365.

iii- The Oxford Encyclopaedia of the Modern Islamic World, Vo1.iii, pp.1080113.

اسلام کی اعتدال پسندی کا غیر مسلموں کی طرف سے اعتراف:

آخر میں اس حوالہ سے کچھ غیر مسلم مفکرین کے خیالات بھی پیش خدمت ہیں:

جی سنگھ دار لکھتے ہیں:

"سبحان اللہ" کیا ٹھکانہ دریائے رحمت کی اس طغیانی کا یہ دریا امڈ اور ہر غلاظت اور عفونت گناہ کو بہائے لے گیا (رسول اللہ ﷺ) نے اپنے قتل کا قصد کئے والوں کو اپنی نور چشم کے قاتلوں کو اپنے چچا کا کلیجہ کھانے والوں سب ہی کو معافی دے دی اور قطعی معافی قتل عام دنیا کی تاریخوں میں اکثر سنتے تھے مگر

قاتلوں کی معافی نہ سنی تھی۔ [۱۰]

ایک یورپی دانشور آرتھر گلیمن (Arthur Gliman) فتح مکہ کے حوالے سے کہتا ہے:

''فتح مکہ کے موقع پر یہ بات آپؐ کے حق میں جائے گی کہ اس وقت جبکہ اہل مکہ کے ماضی کے انتہائی ظالمانہ سلوک پر آپ کو جتنا بھی طیش آتا، کم تھا اور آپؐ کی انتقام کی آگ بھڑکانے کے لئے کافی تھا مگر آپؐ نے اپنے لشکر و سپاہ کو ہر قسم کے خون خرابے سے روکا اور اپنے اللہ کی بندگی اور اطاعت کا مظاہرہ کیا، دوسرے فاتحین کے وحشیانہ طرز عمل کے مقابلے میں اسے انتہائی درجے کی شرافت اور انسانیت سے تعبیر کیا جائے گا''۔ [۱۱]

بی ایس رندھاوا ہوشیار پوری آپؐ کی رحمدلی، شفقت اور قوت برداشت کی داد دیتے ہوئے کہتا ہے:

''حضرت محمدﷺ کو جتنا ستایا گیا اتنا کسی ہادی اور پیغمبر کو نہیں ستایا گیا۔ ایسی حالت میں کیوں نہ محمد صاحبؐ کی رحمدلی اور شفقت اور مروت علی المخلوقات کی داد دوں، جنہوں نے خوظلم وستم کے پہاڑ اپنے سر اٹھا لئے مگر اپنے ستانے والے اور دکھ دینے والوں کو اف تک نہ کہا بلکہ ان کے حق میں دعائیں مانگیں، اور طاقت حاصل ہو جانے پر ان سے کوئی انتقام نہ لیا۔'' [۱۲]

جناب سوامی لکشمن لکھتے ہیں:

''مفسر راز حیات سرور عالمﷺ کے سوا تاریخ عالم کے تمام صفحات زندگی اس قدر صحیح تفسیر کرنے والی دوسری شخصیت عظمیٰ کے بیان سے خالی ہیں۔ وہ کونسی اذیتیں تھیں جو کفرستان عرب کے کافروں نے اپنے عقائد باطلہ کی حفاظت کے لئے اس بت شکن پیغمبر کو نہیں دیں۔ وہ کون سے انسانیت سوم مظالم تھے جو عرب کے درندوں نے اس رحم و ہمدردی کے مجسمے پر نہیں توڑے، وہ کونسے زہرہ گداز ستم تھے جو جہالت کے گہوارے میں پلنے والی قوم نے اپنے سچے ہادی پر روا نہیں رکھے، مگر انسانیت کے اس محسن اعظمﷺ کی زبان فیض ترجمان سے بجائے بددعا کے دعا ہی نکلی۔'' [۱۳]

مسٹر لال ہری چند فرماتے ہیں:

''بانی اسلام نے دشمنوں کی زبان سے اور ان کے ہاتھوں سے وہ ظلم برداشت کئے جن پر کمزور سے کمزور آدمی بھی بگڑ کھڑا ہوتا ہے۔ مگر بانی اسلام نے استعداد مقابلہ کے باوجود کبھی جواب میں زبان ہلانا یا ہاتھ اٹھانا پسند نہیں کیا''۔ [۱۴]

اور ماسٹر تارا سنگھ ان لوگوں کی کم عقلی پر حیران ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیغام کے پھیلانے میں تلواروں کا کمال سمجھتے ہیں''۔ [۱۵]

ایک ہندو سیرت نگار رانا بھگوان داس آپؐ کی رحمدلی اور قوت برداشت پر یوں تبصرہ کرتا ہے:

''فتح مکہ نے خون آشامی اور درندگی کو ختم کر کے اخلاص، محبت جاوداں اور امن و عافیت ذیشان کا مقدس دریا، کاش جنگ میں آگ و خون کا دریا پیدا کرنے والے فاتحین عالم جادہ محمد ﷺ پر گامزن ہوتے''۔ [۶۶]

رومانیہ کے دانشور کونسٹن ویرژن فتح مکہ ہی کے بارے میں کہتے ہیں:

''مروجہ قوانین کے مطابق پیغمبر اسلام ﷺ کو یہ حق حاصل تھا کہ شہر کے سارے مردوں کو تہہ تیغ کر ڈالیں، یا انہیں اپنا غلام بنالیں لیکن آپؐ نے اہل مکہ کے لئے عام معافی کا اعلان کر دیا اور حقیقت تو یہ ہے کہ پیغمبر اسلام کی بخشش نے اہل مکہ کو نئی زندگی عطا کی''۔ [۶۷]

اور آخر میں سویڈن کے مشہور مستشرق ٹور انڈرے (Torandrae) کی رائے دیکھئے وہ بھی پیغمبر اسلام ﷺ کی قوت برداشت اور عدم انتہاء پر رطب اللسان ہیں:

''غیر ضروری امور پر ذاتی توہین کو برداشت کرنے کا آپ کے حوصلے اور ہمت کی صفات بتاتی ہیں کہ آپؐ بے مثال اور منفرد اہلیت کے مالک تھے''۔

واقعہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کی سی ذہنی برتری رکھنے والا انسان زمام کار ہمیشہ اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے۔ خواہ اسے کبھی لمحہ بھر کے لئے مجبوراً جھکنا ہی کیوں نہ پڑے۔ [۶۸]

خلاصہ بحث:

انتہاء پسندی کے رجحان کے خاتمہ کے لئے تعلیمات پیغمبر ﷺ کے علاوہ اور کونسا طریقہ تربیت یا انداز تعلیم بہتر اور عمدہ ہو سکتا ہے۔ ذرا سوچیئے سہی! اگر اسلامی معاشرے کا ہر فرد انتہاء پسندی کے رجحان کو اپنے دل سے اکھاڑ پھینکے، تحمل اور رواداری جیسے عظیم اوصاف سے اپنے آپ کو متصف کرے اور اس کا ہر عمل اپنے مسلمان بھائی کی خیر خواہی کے جذبات سے معمور ہو اور بقائے باہمی کی بنیاد پر ایک دوسرے کے افکار و نظریات اور وجود کو برداشت کرنے کا رویہ زندگی کا ایک حصہ بن جائے، تو کیا ہمارا معاشرہ مستحکم بنیادوں پر استوار نہیں ہوگا، اور کیا اس سے امن و سلامتی کا وہ عہد ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ نہیں پائیں گے جو آج بھی پوری تاریخ میں اپنی مثال آپ ہے۔ انتہاء پسندی کے ان رجحانات کو ختم کر کے ہم نہ صرف اسلامی معاشرے میں پھیلی ہوئی افراتفری، بے چینی، بے راہ روی، افتراق و انتشار اور عداوت و عناد کی مسموم فضا کو ختم کر پائیں گے بلکہ اخوت و محبت کے وہ زمزمے بھی بہا سکیں گے جن سے مواخات کی یادیں تازہ ہو جائیں گی، اور اسلامی معاشرہ ''وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ'' [۶۹] (اور وہ اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں خواہ ان کو خود احتیاج ہی ہو) کا حسین مرقع بن جائے گا۔

انتہاء پسندی کے رجحان کے خاتمے کے بعد برداشت و رواداری کی فضا کے نتیجے میں ہماری خون آشام صبح و شام میں انقلاب برپا ہو جائے گا۔ اخوت و محبت کے نغموں سے معطر ہونے لگے گا اور قومی مفادات کا تحفظ بہتر انداز میں ہو سکے گا۔ وہی مفادات جو ہم سے متقاضی ہیں اندرونی و بیرونی دشمنوں کے خلاف سیسہ پلائی دیوار بن جانے کے، جو مطالبہ کرتے ہیں ہم سے

اپنی بقاء کی خاطر متحد ہو جانے کا، رواداری کے تصور کو قلب ونظر میں اتار کر ہی ہم علاقائیت، لسانیت اور صوبائیت کا تریاق فراہم کر سکتے ہیں۔ رواداری کی بدولت ہم رگ و پے میں اترنے والے فرقہ واریت کے زہر کا مداوا کر سکتے ہیں۔ ان زخموں پر مرہم رکھ سکتے ہیں جن کی وجہ سے آج ہمارے قومی جسد کا ایک ایک رواں خون کی آبشار کا روپ دھار چکا ہے۔

الغرض قومی اور بین الاقوامی سطح پر جب تک ہم انتہاء پسندی کے رجحانات کا قلع قمع نہیں کر لیتے۔ امت واحدہ کے تصور کو پیکر عمل میں ڈھالنا نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن دکھائی دیتا ہے۔ اور ویسے بھی ملکی وملی مفادات؛ حالات اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ تمام مسلمانان عالم من حیث القوم انتہاء پسندی کے ناسور کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں۔

بقول علامہ اقبالؒ:

یہی مقصود فطرت ہے، یہی رمز مسلمانی
اخوت کی جہانگیری، محبت کی فراوانی[۱۶]
ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوع انساں کو
اخوت کا بیان ہو جا، محبت کی زباں ہو جا[۱۷]

مصادر و مراجع

۱۔ سورۃ التین ۹۵۔۴

۲۔ سورۃ ص ۸۔۷۲

۳۔ سورۃ ص آیت نمبر ۷۵

۴۔ پیغمبر اخلاق مرتب پروفیسر ساجد الرحمٰن صدیقی ص ۴۹ ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد

۵۔ سورۃ القلم ۶۸۔۳۔۴

۶۔ سورۃ الصف ۶۱۔۱ آیت کا معنی بالمفہوم بیان کیا گیا ہے۔

۷۔ پیغمبر اخلاق پروفیسر ساجد الرحمٰن صدیقی ص ۵۲

۸۔ سورۃ آل عمران ۳۔۱۵۹

۹۔ سورۃ التوبہ ۹۔۱۲۸

۱۰۔ المفردات فی غریب القرآن مادہ حلم مطبوعہ مصر ص ۱۲۹

۱۱۔ نسیم اللغات نسیم امرہوی مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ۱۹۷۰ء ص ۴۵

۱۲۔ International Encyclopaedia of Social Sciences, Macmillan Company and the Free Press, 1968, Page 12/439

۱۳۔ مشکوۃ المصابیح باب الرفق والحیاۃ وحسن الخلق مطبوعہ کراچی

۱۴۔ صحیح مسلم مسلم بن حجاج القشیری باب فضل الرفق مطبوعہ ایچ ایم سعید کراچی ج ۲ ص ۳۲۲

۱۵۔ مشکوۃ المصابیح باب الرفق والحیاۃ وحسن الخلق

۱۶۔ فرزانہ اختر اساس نفسیات حصہ اول ص ۱۱۳ علمی کتب خانہ لاہور

۱۷۔ ایدون گیرکس بورنگ نفسیات کی بنیادیں ترجمہ: بلال احمد زبیری، شعبہ تصنیف وترجمہ کراچی یونیورسٹی کراچی ص ۵۶۹، ۱۹۶۹ء

۱۸۔ ہمارے بچے ظہور الحسن قریشی حصہ اول ص ۹۱ کتاب منزل لاہور ۱۹۵۹ء

۱۹۔ مبادیات نفسیات سید کرامت حسین جعفری ص ۳۱۹ ایم آر برادرز لاہور ۱۹۷۵ء

۲۰۔ نفسیات عبدالقادر چودھری ص ۲۰۸ مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور ۱۹۷۵ء

۲۱۔ نفسیات کی بنیادیں، ایڈن گریکس بورنگ ترجمہ: بلال احمد زبیری ص ۱۵۰، ۱۵۱

۲۱۔

۳۱۔ ایضاً ص ۶۷۴

۲۴۔ سنن ابوداؤد کتاب الادب باب فی الحسد

۲۵۔ صحیح بخاری کتاب الادب ما ینھی من الحاسد

۲۶۔ سورۃ الفلق

۲۷۔ سورۃ الاعراف آیت نمبر ۱۲ سورۃ ص آیت ۷۶

۲۸۔ سورۃ المومنون آیت ۴۶

۲۹۔ سنن ابوداؤد کتاب اللباس باب ماجاء فی الکبر

۳۰۔ سنن ابن ماجہ ابواب الزہد باب البراءہ من الکبریاء والتواضع ص ۳۱۸ طبع وفاقی وزارت تعلیم

۳۱۔ یورپ پر اسلام کے احسان ڈاکٹر غلام جیلانی برق ص ۸۷

۳۲۔ نقوش سیرت نمبر ج ۴ ص ۳۱۳

۳۳۔ سورۃ الروم آیت نمبر ۴۱

۳۴۔ نیوز ویک ۱۱ جنوری ۱۹۹۳ء

۳۵۔ الفاروق شبلی نعمانی ج ۱، ص ۱۷۴

۳۶۔ انجیل یوحنا

۳۷۔ الاسلام والحضارۃ الغربیۃ ج ۱ ص ۲۵۲

۳۸۔ آئینہ حقیقت نما ص ۲۵

۳۹۔ مسند احمد بحوالہ سیرت النبی شبلی نعمانی سید سلیمان ندوی مکتبہ مدینہ لاہور ج ۲، ص ۹۳

۴۰۔ بخاری شریف ایضاً ج ۶ ص ۱۶۱

۴۱۔ الحدیث بحوالہ اسلامی ثقافت ڈاکٹر نصیر احمد ناصر

۴۲۔ احکام القرآن للجصاص مطبوعہ مصر ص ۱۰۹ ج

۴۳۔ ایضاً

۴۴۔ البحر الرائق ابن النجیم حنفی دار الکتب العربیۃ بیروت ج ۵ ص ۱۲۴

۴۵۔ سورۃ آل عمران آیت ۱۰۳

۴۶۔ سورۃ انفال آیت ۶۳

۴۷۔ سورۃ لقمان آیت ۱۷

۴۸۔ سورۃ البقرہ آیت ۱۵۳

۴۹۔ سورۃ آل عمران آیت ۱۳۴

۵۰۔ سورۃ یوسف آیت ۹۲ حضرت یوسف علیہ السلام نے جن الفاظ میں اپنے بھائیوں کو معاف فرمایا تھا وہی الفاظ آپؐ نے دہرانے اور اعلان فرماتے ہوئے کہا: ''الیوم یوم المرحمۃ......اذھبوا فانتم الطلقاء (آج رحم کا دن ہے......جاؤ تم آزاد ہو)

۵۱۔ سورۃ طور آیت ۴۸

۵۲۔ سورۃ البقرہ آیت ۱۵۳

۵۳۔ سورۃ مومنون آیت ۹۶ سورۃ حم السجدۃ آیت ۳۴ ادفع بالتی ھی احسن

۵۴۔ سورۃ الرعد آیت ۲۸

۵۵۔ صحیح بخاری شریف حدیث ۵۳ صحیح مسلم شریف حدیث ۴۵ (بحوالہ احمد ریاض الصالحین)

۵۶۔ بخاری و مسلم بخاری حدیث ۵۰ مسلم حدیث ۴۰ بحوالہ ریاض الصالحین ص ۶۰۰ باب تحریم الظلم و الامر بالرد علی المظالم باب النھی عن الایذا طبع وزارت تعلیم اسلام آباد

۵۷۔ بخاری شریف حدیث ۳۶۷ مسلم حدیث ۲۵۸۶ بحوالہ ریاض الصالحین باب تعظیم حرمات المسلمین و بیان حقوقھم ص ۱۲۰

۵۸۔ مسلم حدیث ۱۰۱ بحوالہ ریاض الصالحین باب النھی عن الغش و الخداع طبع وزارت تعلیم اسلام آباد

۵۹۔ متفق علیہ بخاری حدیث ۳۸۷ مسلم حدیث ۶۴ بحوالہ ریاض الصالحین للامام یحیی بن شرف الدین النووی تحقیق و تخریج عبد العزیز رباح و احمد یوسف الدقاق مراجعہ شعیب الارنوط ص ۵۹۸ طبع وزارت تعلیم اسلام آباد

۶۰۔ جی سنگھ دارا رسول عربی ﷺ صفحہ ۱۱۸ سیرت اکیڈمی لاہور ۱۹۸۹ء

۶۱۔ Aurtur Gilman/The Saracenc, Page 184-185, London, 1887

۶۲۔ ماہنامہ مولوی دہلی ربیع الاول ۱۳۵۱ھ

۶۳۔ اخبار صحیفہ حیدر آباد دکن نومبر ۱۹۳۲ء

۶۴۔ ماہنامہ مدینہ انڈیا جولائی ۱۹۳۲ء

۶۵۔ اخبار امان دہلی ۷ جولائی ۱۹۳۲ء

۶۶۔ ڈاکٹر حافظ محمد ثانی روزنامہ جنگ کراچی ۳۰ دسمبر ۱۹۹۸ء

۶۷۔ سیارہ ڈائجسٹ عکس سیرت نمبر جون ۱۹۹۶ء

۶۸۔ مقالات سیرت رشید احمد جالندھری ۱۹۸۹ء وزارت مذہبی امور حکومت پاکستان اسلام آباد ص ۲۷۰

۶۹۔ بانگ درا علامہ محمد اقبالؒ

۷۰۔ بانگ درا علامہ محمد اقبالؒ

دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور تعلیمات نبویؐ کی روشنی میں

پروفیسر عبدالرزاق ابن حبیب قلات

الحمد اللہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد، اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم،

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ O

لوگوں کی کردار کی وجہ خشکی و سمندر (کرہ ارض) فتنہ وفساد کا شکار ہے تا کہ لوگوں کو ان کے کردار کا کچھ مزا چکھائے شاید وہ اس (فساد فی الارض) سے باز آ جائیں۔

گزشتہ تین صدیوں سے مسلم امہ نے اپنے حقوق کے تحفظ کیلئے مسلح جارحیت کا لائحہ عمل اپنایا ہے اور عوام الناس اسی طرز فکر پر کار بند ہیں۔قوم کے مذہبی اور سیاسی پیشواؤں نے اسی کو اختیار کرنے کی تلقین کی ہے اور عوام الناس پوری دلجمعی سے اس پر عمل پیرا ہیں۔اس کی روح یہ ہے کہ اگر ہم منتشر ہوں تو تشدد آمیز (خودکش) کارروائیوں کے ذریعے سے دنیا کو اپنے مسائل کی طرف متوجہ کریں اور اگر کچھ مجتمع ہوں تو جنگ و جدل سے اپنا حق حاصل کرنے کی جدوجہد کریں۔

یہ لائحہ عمل (مسلح جارحیت) اختیار کر کے ہم نے کیا کھویا اور کیا پایا ہے۔اس کی تفصیل فلسطین، کشمیر، افغانستان اور عراق کے موجودہ حالات میں دیکھی جاسکتی ہے۔تین صدیوں کے حوالے سے ہماری یافت و نایافت کی فہرست بندی کی جائے تو معلوم ہوگا کہ جو کچھ ہم نے حاصل کیا ہے وہ شکست و تنزل اور غربت و جہالت ہے اور جس سے محروم ہوئے ہیں وہ عظمت و رفعت اور علم و اخلاق ہے۔

مسلح جارحیت کے اس لائحہ عمل کو ہم نے ہمیشہ جہاد سے تعبیر کیا ہے اور اس طرح اپنے مزعومہ اقدامات کو یہ عنوان دے کر باقی دنیا کو پیغام دیا ہے کہ اسلامی شریعت خدانخواستہ جنگ و جدل کی علمبردار ہے۔

شرع مبین کی اصطلاح میں جہاں اقوام کے ظلم و جبر کے خلاف اسلامی ریاست کا مسلح اقدام ہے۔قرآن حکیم کی رو سے اس اقدام کیلئے قوت ایمانی کے ساتھ ساتھ مادی قوت کا حصول ناگزیر ہے مگر ہمارا طرز عمل ہمیشہ یہ رہا ہے کہ نہایت کمزور ایمان اور اسلحے کی قوت سے بالکل محروم ہونے کے باوجود "نصرت الٰہی" کے دعوے کے ساتھ میدان جنگ میں اترتے رہے ہیں۔

یہ سفاہت ہے (بقرہ) یا دین سے ناآشنائی، القصہ اس طرز عمل کا یہ نتیجہ نکلا ہے کہ ہم اپنے لاکھوں رجال کار کو جنگ و جدل کی بھینٹ چڑھا کر فارغ ہو چکے ہیں۔اس پر مستزاد یہ ہے کہ ہم نے علم و دانش، اصلاح و دعوت اور قومی تعمیر و ترقی کے دروازے بھی بند کر رکھے ہیں۔

چنانچہ اس وقت صورتحال یہ ہے کہ علم، اخلاق اور رزق کے معاملے میں مسلم امہ پر نہایت کسمپرسی کی حالت طاری ہے۔ ہم غربت کے اس مقام پر ہیں کہ ہماری اکثریت آبادی بنیادی ضروریات زندگی سے محروم ہے جہالت کی یہ سطح ہے کہ ان علوم سے بھی غافل ہو چکے ہیں جنہیں خود ہم نے وجود بخشا تھا۔ اخلاقی پستی کا یہ عالم ہے کہ بددیانتی، دھوکہ دہی، ملاوٹ اور قانون شکنی میں دنیا بھر میں ہمارا کوئی ثانی نہیں ہے۔ بے وقاری کی حالت یہ ہے کہ بین الاقوامی معاملات میں ہم پر کوئی قوم اعتماد کرنے کے لئے تیار نہیں ہے اور مظلومیت کا یہ عالم ہے کہ صحیح ہو یا غلط، ہر حال میں مجرم قرار پاتے ہیں اور سزا کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہماری اس حالت زار کی سب سے بڑی وجہ لائحہ عمل کی غلطی ہے۔ افغانستان اور عراق کے پے در پے سانحوں کے بعد ممکن ہے کہ ہم اس غلطی کا ادراک کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ اگر ایسا ہو جاتا ہے تو پھر ہمیں مسلح جارحیت کا لائحہ عمل ترک کر کے اخلاقی و دعوتی جارحیت کے نئے لائحہ عمل کو اختیار کرنا چاہئے۔ یہی وہ واحد راستہ ہے جسے اپنا کر کوئی کمزور اور مظلوم قوم اپنے لئے تعمیر و ترقی کے بند دروازے کھول سکتی ہے۔

پس چہ باید کرد؟:

اس سلسلے میں سب سے پہلے ہمیں اس حقیقت کا اعتراف کرنا چاہئے کہ ہم اگر چہ اپنی تعداد کے لحاظ سے دنیا کی چند بڑی اقوام میں شمار ہوتے ہیں مگر قوت اور استعداد کے لحاظ سے اقوام عالم میں ہمارا کوئی مقام نہیں ہے۔ دنیا کے سیاسی، اقتصادی اور سائنسی و تکنیکی منظر پر ہماری کوئی جگہ نہیں ہے اور نہ اس بات کا امکان ہے کہ مستقبل قریب میں کوئی جگہ پیدا ہو جائے۔ اس اعتراف حقیقت کے بعد ہمیں (امت مسلمہ کو) مسلح جدوجہد کے بجائے غیر مسلح طور پر اخلاقی و دعوتی جدوجہد کا آغاز کرنا چاہئے۔ ہم انفرادی اور اجتماعی اعتبار سے اعلیٰ اخلاقی و دعوتی معیار پر کھڑے ہو جائیں۔ قومی اور بین الاقوامی معاملات میں اخلاقی و دعوتی موقف اپنائیں اور اس کیلئے اگر مفادات (انا، رہبری اور لیڈرشپ) بھی قربان کرنے پڑیں تو اس سے دریغ نہ کریں۔ اگر فریق مخالف سے تشدد کا سامنا کرنا پڑے تو بھی صبر و استقامت کے ساتھ اس کا سامنا کریں۔ قرآن حکیم میں ارشاد باری ہے کہ بھلائی اور برائی دونوں یکساں نہیں۔ تم جواب میں وہ کہو جو اس سے بہتر ہو پھر تم دیکھو گے کہ تم میں اور جس میں دشمنی تھی اور وہ ایسا ہو گیا جیسے کوئی قریبی دوست (حم السجدہ)

آیۂ مذکورہ کے بارے میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے فرمایا:

امر الله المومنين بالصبر عند الغضب والحلم عند الجهل والعفو عند الاساءة فاذا فعلوا ذالك عصمهم الله من الشيطن و خضع لهم عد و هم كانه ولى حميم.[1]

اللہ نے اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ وہ غصہ کے وقت صبر کریں۔ کوئی جہالت کرے تو اس کو برداشت کریں۔ برائی کی جائے تو معافی اور درگذر کا طریقہ اختیار کریں۔ جب وہ ایسا کریں گے تو اللہ ان کو شیطان سے بچائے گا اور ان کے دشمن کو اس طرح جھکا دے گا کہ ان کا قریبی دوست بن جائے۔

لہٰذا مسلم امہ اپنے حقوق کی جدوجہد کو سرتاسر مظلومانہ نہ بنائیں اور ظالم کو یہ موقع نہ دیں کہ وہ پھر کسی بہانے ہم پر حملہ آور ہو سکے۔ اس مقصد کیلئے اگر تنازعات کو یکطرفہ طور پر بھی ختم کرنا پڑے تو اس سے دریغ نہ کریں۔ ہر طرح کے تعصب کو بالائے طاق رکھتے ہوئے آزادی، جمہوریت، مساوات اور انسانی ہمدردی کی تلقین کریں۔ مذہبی و سیاسی اختلافات کو برداشت کریں اور دوسروں کو بھی یہی طرز عمل اپنانے کی نصیحت کریں۔ یہ کام لگاتار کرتے رہیں تا آنکہ معاشرے میں موجود مذہبی تنگ نظری اور جنونی کیفیت ختم ہو جائے۔

یہ کام اتنا آسان بھی نہیں کہ فقط وعظ و تلقین سے انجام دیا جا سکے بلکہ ان مقاصد کے حصول کے لئے عصر حاضر کی اخلاقی بیداری سے بھی بھرپور فائدہ اٹھائیں، ان اداروں کی تعمیر و ترقی میں کردار ادا کریں جو دنیا میں انسانی حقوق کی آواز بلند کر رہے ہیں اور میڈیا کے تمام ذرائع کو پوری طرح بروئے کار لائیں۔

دعوتی و اخلاقی جارحیت، درحقیقت صبر و برداشت اور حکمت و دانش سے عبارت ہے۔ جب کوئی قوم کسی ظالم اور بالادست قوم کے مقابلے میں مجبور و بے بس ہو جب اس کے پاس دفاع کی معمولی طاقت بھی موجود نہ ہو جب اقوام عالم میں کوئی اس کی مدد کی ہمت نہ کر سکے اور جب دنیا میں کوئی ایسی عدالت بھی قائم نہ ہو جو اس پر ہونے والے ظلم کو قانون کی قوت سے روک سکے تو ایسی صورتحال میں واحد لائحہ عمل مسلح و جنونی جارحیت نہیں بلکہ دعوتی و اخلاقی جارحیت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جور و ستم کا مقابلہ اخلاق و کردار کی قوت سے کیا جائے۔

قومی وجود میں مذہبی جنونیت اور خودکش اقدام کے بجائے امن، آزادی استدلال، عدل، صلہ رحمی اور حق پرستی جیسی انسانیت کی مشترک اقدار کو مستحکم کیا جائے اور ان کی بناء پر انسان کے اجتماعی ضمیر کو آواز دی جائے۔ کوئی قوم اگر صبر و استقامت سے یہ آواز بلند کرتی رہے تو انسانیت کا اجتماعی ضمیر لازماً اس پر لبیک کہہ اٹھتا ہے اگر ضمیر انسانیت پھر بھی نہیں جاگتا تو عالم پروردگار اپنی آواز اس آواز میں شامل کر دیتا ہے۔ مظلوم کی دادرسی آسماں سے ہوتی ہے اور ظلم و جبر کی بساط بالآخر لپیٹ دی جاتی ہے۔ اس لئے کہ ملکوں اور قوموں کے عروج و زوال کے اصول فطری ہیں اور **و لن تجد لسنة الله تبديلا**.

عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ان الله لا يمحو السيئى بالسيئى ولكن يمحو السيئى بالحسن. ان الخبيث لا يمحو الخبيث.[۷۲]

اللہ برائی کو برائی کے ذریعہ نہیں مٹاتا بلکہ برائی کو بھلائی کے ذریعہ مٹاتا ہے۔ بری چیز کبھی بھی بری چیز کو نہیں مٹاتی۔

آیۃ اور حدیث اور صحابی رسول کی تشریح کو مدنظر رکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ موجودہ حالات میں ہم مسلمان جو کچھ کر رہے ہیں (مذہبی جنون و دہشت گردی) وہ سراسر شریعت اسلامی کے خلاف ہے۔ عرصہ دراز سے مسلمان ردعمل کا طریقہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ حالانکہ صحیح یہ ہے کہ وہ صبر، درگذر اور اعراض کا طریقہ اختیار کریں۔

مسلم امہ اپنے نیم خواندہ مذہبی رہنما اور نابالغ عقل سیاسی قیادت کے بتائے ہوئے نسخہ مسلح جدوجہد اور مذہبی جنونیت پر

پچھلے پچاس برس تک کم از کم پچاس ہزار بار عمل کر چکے اور ہمیشہ ناکام ہوئے لہٰذا اب خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقہ کا تجربہ کرنا چاہئے وہ یہ کہ مسلمان برائی کے بدلہ میں بھلائی کی روش اختیار کریں یعنی وہ شور اور ہنگاموں کا بدلہ خاموشی اور صبر وسکون سے دیں اور نفرت کے مقابلے میں محبت کا مظاہرہ کریں۔

رب جلیل نے اپنی دنیا کا جو نظام بنایا ہے اس میں برائی کا خاتمہ جوابی برائی سے نہیں ہوتا بلکہ اس کا خاتمہ اس طرح ہوتا ہے کہ برائی کے جواب میں بھلائی کی جائے۔ خدا کی اس دنیا میں صبر کی طاقت غصہ سے زیادہ ہے یعنی ادھر جہالت کے مقابلے میں برداشت زیادہ وزن رکھتی ہے۔

نرمی اور عمل کے طریقہ کی اہمیت حدیث میں مختلف طریقوں سے واضح کی گئی ہے مثلاً حدیث ذیل میں:

ان رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم قال ان اللہ تعالیٰ رفیق یحب الرفق و یعطی علی الرفق ما یعطی علی العنف وما لا یعطی علیٰ ماسواہ. ان الرفق لایکون فی شئی الازانہ ولا ینزع من شیئی الاشانہ...... من یحرم الرفق یحرم الخیر مہ. [۲]

ترجمہ: ''حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نرم ومہربان ہے اور نرمی ومہربانی کو پسند کرتا ہے۔ اللہ نرمی پر وہ چیز دیتا ہے جو وہ سختی پر نہیں دیتا اور نہ کسی اور چیز پر دیتا ہے۔''

نرمی چاہے جس چیز میں بھی ہو وہ اس کو زینت دے گی اور وہ جس چیز سے بھی اٹھ جائے وہ اس کو عیب دار بنا دے گی جو شخص نرمی سے خالی ہو وہ ہر بھلائی سے خالی ہو جائے گا۔

صبر و اعراض ایک اعلیٰ ترین حفاظتی تدبیر ہے اس تدبیر کے ذریعہ ہم فساد کے ہر بم کو یقیناً ناکارہ (Deffuse) کر سکتے ہیں۔ یہ حل ہم جہاد ہم غازی کا مصداق ہے اس کو اختیار کر کے مسلمان اپنا مسئلہ بھی حل کریں گے اور اسی کے ساتھ انہیں عبادت کا ثواب بھی حاصل ہوگا اس لئے کہ یہ حل خود رب ذوالجلال اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ہمیں بتایا گیا ہے۔

دین رحمت دین دہشت:

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ موجودہ زمانہ کے مسلم مہم جوؤں اور اسلام پسندوں نے اپنے سیاسی خیالات اور انقلابی طریقہ کار کے ذریعہ جس اسلام کا مظاہرہ (نمائش) کیا ہے وہ مبنی برتشدد اور سخت گیر انداز تبلیغ ہے۔ بعض انتہا پسند عناصر کے عاقبل نااندیشانہ افعال کے باعث دنیا کے سامنے اسلام اور مسلمانوں کی جو منفی تصویر پیش کی گئی ہے اس کا صحیح اور حقیقی رخ (امن سلامتی) پیش کیا جائے اور وقت آ گیا ہے کہ ہم دنیا کو بتا دیں کہ اسلام امن، محبت اور انسان دوستی کا درس دیتا ہے اور جو لوگ اسلام کا مقدس نام لے کر تخریبی کارروائیوں میں ملوث ہو رہے ہیں ان کے افعال کا اسلامی تعلیمات اور اقدار سے کوئی نسبت نہیں۔

دین اسلام کو اللہ تعالیٰ نے اہل علم کیلئے رحمت بنا کر بھیجا تھا مگر موجودہ مسلمانوں کی بے معنی بے ترتیب اور نامکمل لڑائیوں نے اسلام کو اہل عالم کی نظر میں دین بربادی اور دین دہشت بنا دیا ہے۔ دنیا یہ سمجھتی ہے کہ مسلمان گویا دیوانوں اور پاگلوں کا ایک گروہ ہے جو اپنے احمقانہ عقیدہ کے تحت سمجھتا ہے کہ لڑ کر مر جاؤ تو تم جنت میں جاؤ گے۔

اس لئے اگر اس کو کہیں سے ایٹم بم ہائیڈروجن بم یا کیمیائی اور حیاتیاتی بم ہاتھ آ جائیں تو وہ ان کو (کفار) لوگوں کے اوپر پھینک دے گا خواہ اس کے نتیجہ میں وہ خود بھی برباد (شہید) ہو اور ساری دنیا میں بربادی پھیلانے کا ذریعہ بنے۔

The Fundamentalists have no fear of death and will therefore show no such Rational when they get the Bomb.[4]

مغربی دانشوروں کا یہ ریمارک سراسر درست ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ موجودہ زمانہ میں کچھ کم فہم مفکرین اسلام نے اپنے خودساختہ نظریات کے تحت ہزاروں مسلم نوجوانوں کے اندر یہی مجنونانہ ذہن پیدا کر دیا ہے۔ اسلام دشمن رحمت و عافیت ہے مگر انقلابی اسلام کے ان علمبرداروں نے اس کو دین تخریب و دین دہشت بنا دیا ہے۔ کیسے عجیب ہیں وہ لوگ جو اسلام کی تخریب میں مصروف ہیں اور نادان یہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ اسلام کی تعمیر کے لئے جہاد فی سبیل اللہ کا عظیم کارنامہ انجام دے رہے ہیں۔

ان بے جاء کوششوں کے باعث آج کی دنیا میں مسلمان سب سے زیادہ پست اور حقیر اور مغلوب بلکہ مفتوح قوم بن گئے ہیں۔

آج دنیا میں مسلمانوں کے ۶۰ کے لگ بھگ بااختیار ممالک ہیں۔ مسلمانوں کی تعداد ساری دنیا میں سوا ارب کے قریب ہے۔ یہ تعداد ماضی کے کسی بھی دور کے مقابلے میں سب سے زیادہ ہے۔ مسلمانوں کے درمیان آج ہمیشہ سے زیادہ مسجدیں اور مدرسے ہیں۔ تاریخ اسلام میں کبھی بھی مسلم علماء اور سکالرز اتنی تعداد اور کثرت میں نہیں پائے گئے جتنے کہ آج علماء اور سکالرز موجود ہیں۔

قرآن اور احادیث اور دوسری اسلامی کتابیں آج اتنی زیادہ مقدار میں ہیں کہ ماضی میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام پر آج جتنے جلسے، جلوس اور سیمینار اور کانفرنسیں ہو رہی ہیں ان کی تعداد ساری انسانی تاریخ میں ہونے والے تمام جلسوں کی مجموعی تعداد سے بھی زیادہ ہے۔ آج مسلمان ایسے عظیم الشان اجتماعات ہر سال منعقد کر رہے ہیں جن میں ۲۵ لاکھ تک آدمی بیک وقت جمع ہوتے ہیں جبکہ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری اجتماع (حجتہ الوداع) میں جمع ہونے والے مسلمانوں کی کل تعداد بمشکل سوا لاکھ تھی۔ آج اسلامی نظام قائم کرنے کے نام پر اتنے ہنگامے، شور، نعرے اور چیخیں جاری ہیں کہ اگر تمام انبیاء علیہم السلام کی مجموعی آوازیں اکٹھا کی جائیں تو ان کی آوازیں اس کے مقابلے میں دب کر رہ جائیں گی۔ آج مسلمانوں کے پاس محط الرجال بھی نہیں۔ مسلم ہجوم نے آج بڑے بڑے مفکرین اسلام، حکیم الامت، رہبر شریعت، داعی انقلاب، امام انقلاب، مجاہد ملت، بطل حریت اور اکابرین ملت پیدا کر رکھے ہیں جن میں سے ہر ایک عہد آفرین شخصیت وصلاحیت کا مالک ہے اور ان میں ہر ایک کے متعلق ان کے معتقدین یہ اعلان کر رہے ہیں کہ ہمارے حضرت والا کے

فیض سے یاروتمام عالم اسلام جگمگایا ہے۔

یہ تمام چیزیں مسلم امہ کے پاس وافر مقدار میں موجود ہیں اس کے باوجود وہ ساری دنیا میں پست اور حقیر ہورہے ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ ان سب کے باوجود کوئی اور چیز ہے جو مسلمانوں کو عزت اور غلبہ کے مقام تک پہنچا سکتی ہے اور بدقسمتی یہ ہے کہ وہی چیز آج ان کے پاس موجود نہیں۔

اگر آپ اسلام کی مطلوبہ چیزوں کی فہرست بنا کر اس معاملے پر غور کریں تو آپ اس نتیجہ پر پہنچ جائیں گے کہ عصر حاضر میں یہاں اگر چہ تمام چیزیں موجود ہیں مگر ایک چیز ان کے درمیان سے مکمل طور پر غائب اور عنقاء ہے اور وہ دعوت الی اللہ ہے۔شومئی قسمت کہ جو چیز حذف ہوئی وہی اس حقارت وذلت کے معاملے میں اصل اہمیت رکھتی تھی۔

ہمیں ورق کہ سیاہ گشتہ مدعا این جاست:

اٹھارویں صدی کے بعد سے مسلمانوں کو دوسری قوموں کی طرف سے برابر ذلت اور ہزیمت کا تجربہ ہورہا ہے اس تلخ تجربہ نے مسلمانوں کے دلوں میں دوسری قوموں خصوصاً بالادست اور زبردست کیلئے نفرت پیدا کر دی وہ دوسری قوموں کو دشمن یا حریف کی نظر سے دیکھنے لگے۔اس کے نتیجہ میں یہ ہوا کہ دوسری قومیں مسلمانوں کیلئے محبت کا موضوع نہ رہیں۔

وہ صرف نفرت اور تعصب کا موضوع بن کر رہ گئیں۔یہی وہ اصل سبب ہے جس نے مسلمانوں سے داعیانہ جذبہ کو چھین لیا اوران کے درمیان دعوتی اور اخلاقی جارحیت کے عمل کو زندہ نہ ہونے دیا۔

دین رحمت کی پیغام رسانی کے لئے داعی کے اندر محبت وشفقت کا جذبہ ہونا ضروری اور لازمی ہے۔کوئی شخص ایسے لوگوں پر دعوت کے فرائض انجام نہیں دے سکتا جو اس کی نظر میں قابل نفرت بنے ہوئے ہوں۔

امت مسلمہ کا دنیا میں کیا مقام ومنصب ہونا چاہئے۔اس پر غور کرنا ضروری ہے۔لفظ اسلام کے معنی کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔یہ کثیر المعانی لفظ ہے ان میں ''امن وسلامتی'' اور ''اطاعت وفرماں برداری'' بھی شامل ہیں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(۱) وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ .

(۲) اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ.

امن اور استحکام کس قدر اہم اور پسندیدہ ہے اور فتنہ وفساد اللہ تعالیٰ کے نزدیک کتنے ناپسندیدہ ہیں اس کا اندازہ ذیل کی آیات واحادیث سے کیا جاسکتا ہے۔

وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا (الاعراف ۵۶)

یعنی جب دنیا میں معاملات کی سطح درست ہو تو تم اس میں گڑبڑی نہ ڈالو۔

وَ الْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ

اور شرارت قتل سے سخت تر ہے۔(البقرۃ ۱۹۱)

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

الخلق عیال اللّٰہ فاحب الخلق الی اللہ من احسن الی عیالہ [۷]

یعنی مخلوق گویا اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے پس جو اس کے عیال (یعنی مخلوق) کے ساتھ بھلائی کرتا ہے وہ اسے سب سے پیارا ہے۔

اسی لئے مسلمانوں کو ان سے نہ لڑنے والے اور صلح جو کافروں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے۔

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْآ اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ. (الممتحنة:۸)

اللہ تعالیٰ تم کو ان لوگوں کے ساتھ احسان اور انصاف کا برتاؤ کرنے سے منع نہیں کرتا جو تم سے دین کے بارے میں نہیں لڑتے اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

دھرتی پر تنوع اور رنگا رنگی کا اصول:

جس زمین پر ہم زندگی گذار رہے ہیں اس کا نظام تنوع اور رنگا رنگی کے اصول پر قائم ہے۔ بعینہ یہی تنوع انسانوں کے درمیان بھی مطلوب ہے۔ ہمیں انسانوں کے درمیان یہ مزاج بنانا چاہئے کہ وہ اختلاف کے باوجود متحد ہوں، وہ مختلف اور متنوع انسانوں کے ساتھ مل کر زندگی گزارنا سیکھیں۔ انسانی یک رنگی قائم کرنے کے لئے فرق کو مٹانا قدرت کے نظام تخلیق کے خلاف ہے۔ اس لئے وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔

اس دنیا میں بے حساب تنوع اور رنگا رنگی ہے اس تنوع پر سارا نظام چل رہا ہے۔ اس (Pattern) پیٹرن پر انسانوں کے پیدا کرنے والے نے انسانوں کے اندر بھی فرق اور تنوع رکھا ہے۔ اس تنوع کو باقی رکھنے میں ہی انسانیت کی ترقی اور کامیابی ہے اس تنوع کو ختم کرنا ایسا ہی ہے جیسے انسانوں کو یکساں اور مساوی قد کا بنانے کے لئے لوگوں کو نیچے اوپر سے تراش کر برابر کیا جانے لگے اور یہی وہ چیز ہے جو خدا کی اس زمین پر قرآن حکیم کے الفاظ میں غیر مطلوب عمل قرار پاتی ہے۔

لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا

زمین میں فساد نہ کرو اس کی اصلاح کے بعد۔

اور آگے فرمایا:

وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (البقرہ ۲۲۹)

کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی قائم کی ہوئی حدود کی خلاف ورزی کریں وہ اللہ کی نظر میں ظالم ہیں۔

جبکہ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں یہی بات اس طرح کہی گئی ہے:

وحد حدوداً فلا تعتدوھا

اور اللہ تعالیٰ نے (ہر معاملے میں) حدیں قائم کردی ہیں تو تم ان حدوں کی خلاف ورزی نہ کرو۔

یہ حدیں کیا ہیں یہ حدیں صحیح اور غلط کی حدیں ہیں یہی کہ آدمی کو صحیح کام کرنا ہے اور غلط کام کی طرف قدم نہیں بڑھانا ہے۔ اس کو اپنی ترقی اور کامیابی کیلئے سرگرم ہونے کی اجازت ضرور ہے مگر یہ اجازت ہرگز نہیں کہ وہ دوسرے کو نقصان پہنچانے کی قیمت پر اپنے لئے فائدہ حاصل کرے۔ کم ذہن اور نافہم لوگوں میں مذہبی جنونیت پیدا کر کے انہیں اپنی شخصی قیادت و سیادت کے حصول کیلئے لوگوں میں وحشت پھیلانے اور ہلاکت خیز کارروائی کرنے پر آمادہ کر دے۔

تصویر چمن:

اسلام کا غلط فہم رکھنے والے بعض گمراہ عناصر اس قسم کی منفی سرگرمیوں سے آخر اسلام کو کیا فائدہ پہنچا رہے ہیں۔ ہمارے خیال میں دین فطرت کے راستے کی مشکلات گمراہ عناصر کی کارروائیوں سے بڑھی ہیں، کم نہیں ہوئی ہیں۔ کیا بم دھماکوں اور ان کے نتیجے میں بے قصور لوگوں کو جانوں کے ضائع ہونے سے کسی کے دل میں اسلام اور مسلمانوں کے لئے کشادگی میں اضافہ ہوسکتا ہے؟

عالم انسانیت اور عالم اسلام کی بات نہیں کریں گے۔ فقط اپنے مملکت خداداد پر گذشتہ دو دہائیوں سے جاری دہشت گردی پر نظر رکھیں تو معلوم ہوگا کہ ملک کے چاروں صوبے اور تقریباً ہر بڑا شہر اس دوران مذہبی دہشت گردی کا شکار رہا جس کے نتیجے میں سینکڑوں جانیں ضائع ہوئیں اور بڑی تعداد میں لوگ اپاہج ہوئے۔ دھماکوں کے باعث املاک کو نقصان پہنچا اور ملک کا سیاسی، معاشی اور سماجی ڈھانچہ بری طرح متاثر ہوا۔

۱۴ دسمبر ۲۰۰۳ء کو اسلام آباد میں صدر مملکت کے کارواں کو جس طرح بم سے اڑانے کی کوشش کی گئی، وہ دہشت گردی اور دہشت گردوں کے منظم اور طاقتور ہونے کی ایک بڑی مثال قرار دی جاسکتی ہے۔ اسلام آباد ہی میں رکن قومی اسمبلی مولانا اعظم طارق کا قتل ۲۰۰۲ء میں کراچی میں امریکی کونسل خانے پر خودکش حملہ، فرانسیسی انجینئروں پر حملہ، اسلام آباد میں چرچ پر حملہ، بہاولپور میں غریب اور مفلوک الحال عیسائی کمیونٹی کے چرچ پر حملہ اور ۴ جولائی ۲۰۰۳ء کو کوئٹہ کی مسجد و امام بارگاہ کلاں اثناعشری کا واقعہ مذہبی دہشت گردی و جنونیت کا سب سے بڑا اور ہولناک واقعہ تھا جس میں ۷۰ سے زائد نمازیوں کو عین نماز جمعہ کے دوران سجدے کی حالت میں مسجد کے اندر گھس کر گولیوں اور بموں سے بھون ڈالا گیا۔

اس کثیر الجہتی دہشت گردی میں جہاں مذہبی و سیاسی قائدین، پولیس و سرکاری افسران و اہلکار نشانہ بنے وہاں مسجد و امام بارگاہوں، بسوں اور قبرستانوں تک کو بھی ہدف بنایا گیا۔ کلاشن کوفوں کے برسٹ چلانے سے لے کر خودکار دھماکوں اور خودکش حملوں تک کا سلسلہ بدستور جاری ہیں۔ صورتحال یہ ہے کہ کہیں نشانہ بنا کر فائرنگ کی جاتی ہے تو کہیں اندھا دھند برسٹ چلائے جاتے ہیں تو کہیں ریموٹ کنٹرول یا خودکش دھماکوں کے ذریعہ دہشت پھیلائی جاتی ہے۔

۱۱ ستمبر کے بعد عالمی منظر نامہ جس تیزی سے تبدیل ہوا اور جو ممالک براہ راست اور بالواسطہ طور پر اس سے متاثر

ہوئے ان میں وطن عزیز پاکستان سرفہرست ہے کہ روز افزوں اور کثیر الجہتی دہشت گردی سے دوچار ہے۔ پاکستان کا ایسا کون سا بڑا شہر ہوگا جو اس مذہبی دہشت گردی اور انتہا پسندی کی لپیٹ میں نہیں آیا اور معاشرے کا وہ کون سا طبقہ ہوگا جو اس وحشت و درندگی کا نشانہ نہ بنا ہو۔[۷] اس ملک میں تحفظ و سیکورٹی کے لحاظ سے صدر مملکت سے زیادہ کون سی شخصیت محفوظ و مامون ہوگا کہ ان پر بھی دھاڑے ایک مہینہ کے اندر دو مرتبہ خودکش قاتلانہ حملے ہوئے۔

بالواسطہ یا بلاواسطہ شریک جرم:

کرہ ارض کے مشرق و مغرب میں جاری مذہبی انتہا پسندی و دہشت گردی کا رجحان ایک منفی ردعمل کا طریقہ ہے اور ایسا طریقہ یقیناً قرآن اور سنت کے خلاف ہے۔ ایسے مواقع پر جبکہ مسلم امہ ناخواندہ اور پس ماندہ ہو تو اس دور اور حالت کیلئے قرآن حکیم اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعراض کا حکم دیا ہے۔[۸] نہ کہ جوابی طور پر الجھنے اور فتنہ بڑھانے کا۔[۹]

ان الفتنة نائمة لعن الله من ایقاضها

یقیناً فتنہ۔ سوئی ہوئی ہے پس اللہ کی لعنت ہو اس شخص پر جس نے سوئی ہوئی فتنہ کو جگا دیا۔

یہ بھی حق ہے کہ تخریب اور دہشتی کارروائی میں مسلمانوں کا ایک محدود طبقہ ہی ملوث ہوتا ہے مگر دوسرے مسلمان خاص طور پر مسلمانوں کا رہنما اور دانشور طبقہ بھی پوری طرح اس میں شریک ہے کیونکہ وہ ان کی مذمت نہیں کرتا بلکہ ان کی جوابی کارروائی کو جائز اور شہادت قرار دے کر ان کا لفظی و قولی دفاع کرتا ہے گویا کچھ افراد اگر براہ راست طور پر شریک ہیں تو بقیہ مسلمان خاموش رہ کر یا ان کے ساتھ اختلاف نہ رکھ کر بالواسطہ طور پر شریک قرار پاتے ہیں۔

تائید ایزدی یا خدا کی منشاء:

مسلم امہ عرصہ نصف صدی سے اس منفی، تخریبی دہشتی اور جوابی روش پر قائم ہیں اور وہ اس کو جہاد سمجھتے ہیں۔[۱۰] مگر اصل مسئلہ کا حل نہ ہونا بلکہ اس کا مزید بڑھتے رہنا (فلسطین، قبرص، کشمیر، افغانستان اور عراق کی مثالیں ہمارے سامنے کی ہیں)۔

یہ بڑھتے اور مزید ممالک کا اس کی لپیٹ میں آنے کا واضح مطلب یہ ثابت کرتا ہے کہ ان تمام ممالک میں ہم نے دشمن کے خلاف جس طریقہ سے ردعمل کا اظہار کیا، بے شمار کوششیں کی لیکن نتیجہ ہمیشہ کی مانند ہمارے حق میں نہیں تھا یہ امر ثابت کرتا ہے کہ وہ ہمارا ردعمل کا طریقہ خدا کی منشاء کے خلاف ہے۔[۱۱]

اگر ہمارا عمل خدا کی منشاء و مرضی کے مطابق ہوتا تو خدا کی مدد ضرور آتی اور مسئلہ کو حل کر دیتی مگر جان و مال کی بے پناہ ہلاکت کے باوجود اب تک اس معاملے میں خدا کی مدد نہیں آئی۔ یہی واقعہ یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہے کہ ہمارا یہ ردعمل کا انداز خدا تعالیٰ کے نقشہ کے مطابق نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اب آخری وقت آ گیا ہے کہ مسلمان اور ان کے رہنما اپنی اس روش کو مکمل طور پر بدل ڈالیں۔[۱۲] ورنہ اندیشہ ہے کہ صورتحال اور خراب ہو جائے اور حالات کلی طور پر ہمارے ہاتھ سے نکل جائے۔

حاصل کلام:

حدیث میں آتا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب اپنے اصحابؓ کو کسی قوم، گروہ یا برادری کی طرف بھیجتے تھے تو ان سے کہتے تھے کہ تم لوگوں کو بشارت دینا، نفرت نہ دلانا، تم آسانی کی بات کہنا، سختی کی بات نہ کہنا:

یسروا و لا تنفروا و یسروا و لا تعسروا.[۱۲]

اگر ہم بشارت اور یسر والے الفاظ بولیں تو سننے والے کے اندر امید اور حوصلہ والا ذہن بنے گا اور اس کے برعکس نفرت اور عسر کے الفاظ بولیں تو اس سے سننے والے کے اندر ناامیدی اور شکستگی کا مزاج پیدا ہوگا اور یہ معلوم ہے کہ دعوت کا عمل انتہائی خیر خواہی کا عمل ہے۔ بدقسمتی سے اس وقت مسلم امہ اپنی مدعو قوموں (غیر مسلم دنیا) کی زیادتیوں اور بعض ممالک پر جارحیت اور قبضہ کی بناء پر ردعمل کا شکار ہو کر ان کے (غیر مسلم دنیا کے) کے خلاف نفرت و عداوت کی نفسیات میں مبتلا ہو گئے ہیں۔

مدعو سے نفرت اور تعصب کرنا ایسا ہی ہے جیسے ڈاکٹر اپنے مریض سے نفرت کرنے لگے یا تاجر اپنے گاہکوں سے بیزار ہو جائے۔ ایسی صورتحال میں جو داعی اپنے مدعو کے بارے میں نفرت اور بیزاری میں مبتلا ہو جائے وہ کبھی مدعو کے اوپر اپنے داعیانہ ذمہ داری کو ادا نہیں کر سکتا۔ اسی لئے داعی کو اپنے مدعو کی زیادتیوں، ناانصافیوں اور برملا جارحیت کے باوجود صبر کا حکم دیا گیا ہے۔

وجعلنا منهم ائمه يهدون بامر نا لما صبروة[۱۳]

اس سے معلوم ہوا کہ امام (رہنمائے ہدایت بننے کے لئے صبر کی شرط کو پورا کرنا پڑتا ہے اور جو لوگ اس لازمی شرط کو پورا نہ کریں وہ امام ہدایت بننے کی توفیق پانے سے بھی محروم رہیں گے۔

اسلام کے پاس نظریہ ہے مگر مسلم امہ کے پاس آج مردان کار (رجل رشید) نہیں عہد حاضر میں یہی اسلام کا اصل مسئلہ ہے۔ آج سوا ارب مسلمانوں کی تعداد اس سرزمین پر زندگی گذار رہی ہیں مگر افسوس کہ یہ باشعور اور حدیث کے الفاظ میں ان یکون بصیراً بزمانه (اپنے زمانے کی بھرپور جان کاری لئے) نہیں۔ یہ فقط تقلیدی انسانوں کی بھیڑ ہے۔ آج کرنے کا اصل کام فقط یہ ہے کہ مسلمانوں کو شعوری معنوں میں مسلمان بنایا جائے۔ نفرت انتہا پسندی، دہشت اور درندگی نہ ماضی میں مسلم تاریخ میں جگہ پائی اور نہ آئندہ دین رحمت میں ان مذموم و مکروہ اعمال کا کوئی مقام ہوگا جس دن مسلم امہ اپنی حیثیت مرتبہ اور کنتم خير امة اخرجت لناس کا مطلب اور مقصد سمجھ جائے، اسی دن سے دین رحمت (اسلام) کی وہ نئی تاریخ بننا شروع ہو جائے گی جس کا آج زمین و آسمان کو سب سے زیادہ انتظار ہے۔

وما علينا الا البلاغ

مصادر و مراجع

(۱) القرآن
(۲) تفسیر ابن کثیر الجزء الرابع ص ۱۰۱

(۳) مشکاۃ المصابیح الجزء الثانی حس ۸۴۵

(۴) مشکاۃ المصابیح الجزء الثالث حس ۱۴۰۷

(۵) Abrain Hamilton Observer (10 March 02)

(۶) قفیہ عثمانی الاعراف صفحہ ۲۰۶

(۷) بیقہی شعب الایمان بحوالہ مشکاۃ کتاب الآداب فصل سوئم

(۸) سنڈے میگزین ۲۸ر دسمبر ۲۰۰۳ء

(۹) القرآن (الفتح ۲۔۱)

(۱۰) تجرید البخاری باب الفتن

(۱۱) کاروان ملت مولانا وحید الدین خان

(۱۲) تفہیمات حصہ اول جہاد فی سبیل اللہ

(۱۳) صدیق جدید ۱۳ر اکتوبر ۱۹۶۷ء "ایک مریضانہ ذہنیت"

(۱۴) مشکاۃ المصابیح جلد دوم/ ۱۰۹۹

(۱۵) القرآن (السجدہ: ۲۴)

(۱۶) تجرید البخاری (فراست المومن)

دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور تعلیمات نبویؐ کی روشنی میں اس کا حل

محمد عبدالعزیز خان چنیوٹ

(۱) ابتدائیہ:

دور حاضر میں ہم جن تکلیف دہ مسائل کا شکار ہیں ان میں سے اہم مسئلہ مذہبی انتہا پسندی کا رجحان ہے۔ اس رجحان کی وجہ سے پوری دنیا کے دانشور اور زعماء اس پر اپنی آراء اور اس کے حل کیلئے تجاویز پیش کر رہے ہیں مگر اس کا حقیقی حل وہی ہے جو آج سے چودہ صدیاں پہلے رسول اعظم پیغمبر انقلاب آقا نبی کریم ﷺ نے پیش کیا تھا اور زندگی کے تمام معاملات میں (خیر الامور اوسطھا) کو عملاً اپنانا ہوگا۔ اسلام نے مذہبی انتہا پسندی کے مقابلے میں مذہبی اعتدال پسندی کا درس دیا ہے مگر اس انتہا پسندی کا نتیجہ ہے کہ پوری دنیا تباہی کے دہانے پر پہنچ چکی ہے اور تہذیبی ٹکراؤ کا خطرہ پیدا ہو چکا ہے۔ مذہبی انتہا پسندی کی وجہ سے پوری دنیا میں مختلف نسلی، لسانی، مسلکی اور مذہبی گروہ اور جماعتیں آپس میں دست و گریبان ہیں۔ ہندوستان میں مسلمانوں پر پنڈتوں کا تشدد، اور عیسائیوں اور ہندوؤں کی باہمی چپقلش اور اسی طرح کوسوو میں سربوں کے ہاتھوں مسلمانوں کا قتل عام اور کشمیر میں بھارتی فوجیوں کی بربریت اور فلسطینیوں پر اسرائیل کے مظالم مذہبی انتہا پسندی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ یہ مذہبی انتہا پسندی ہی ہے جس کی وجہ سے روس نے افغانستان میں کئی سال جنگ کر کے سولہ لاکھ سے زیادہ مسلمانوں کا خون بہایا اور امریکا نے عراقی عوام پر بیالیس دنوں کی خلیجی جنگ کے دوران اٹھاسی ہزار ٹن سے زیادہ گولہ بارود گرا کر ہیروشیما کی تباہی کا ریکارڈ توڑ دیا۔ دوبارہ تباہ کن اسلحہ کا بہانہ بنا کر عراق کو تخت و تاراج کیا ہزاروں بے گناہ انسانوں کا خون بہانے اور ملک کے اکثر حصوں کو تباہ کرنے کے بعد امریکا اور اس کے اتحادیوں کو تسلیم کرنا پڑا کہ جن خدشات کی بنیاد پر ہم نے حملہ کیا تھا وہ درست ثابت نہیں ہوئے جس پر بین الاقوامی تنظیموں اور مبصرین کی رپورٹیں شاہد ہیں اور خود امریکا کے سابقہ اٹارنی جنرل ریمزے کلارک (Ramsey Clark) [۱] کے مطابق خلیجی جنگ کے دوران اور مابعد کے پانچ سالوں میں پانچ لاکھ افراد لقمہ اجل بن گئے اور اسی طرح یونیسیف (Unicef) کی رپورٹ کے مطابق پانچ سال سے کم عمر کے جو بچے ہلاک ہوئے ان کی تعداد تین لاکھ سے زیادہ ہے اس بے رحمی سفاکی اور انسانیت سوز مظالم پر ریمزے کلارک بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گیا کہ That is Crime against humantiy of enormous magnitude [۲] (یہ انسانیت کے خلاف بہت بڑا جرم ہے۔)

(۲) مذہبی انتہا پسندی کیا ہے:

مذہبی انتہا پسندی محض کسی مخصوص عقیدے یا عقائد کے مجموعے کا نام نہیں ان عقائد کی مخصوص تشریح اور اس کے حوالے

سے تشددانہ رویئے کا نام ہے آدمی شخص کوئی مخصوص عقیدہ رکھنے کی بنا پر بنیاد پرست نہیں بن جاتا بلکہ اس وقت انتہا پسند بنتا ہے جب وہ سمجھنے لگے کہ ☆ سچ وہی ہے جو اس کے پاس ہے ☆ اس کے علاوہ کہیں کسی کے پاس سچ نہیں ہوسکتا ☆ جو شخص میرے عقائد سے اختلاف کرتا ہے وہ جھوٹا اور کاذب ہے ☆ سچ جو میرے پاس ہے اس پر کسی قسم کی تنقید شک یا اعتراض کرنا جائز اور درست نہیں ☆ اس سچ کو بزور طاقت، سازش اور تشدد یا دہشت گردی کے ذریعے پھیلانا نہ صرف درست بلکہ لازم اور کار ثواب ہے ☆ اسے نہ ماننے والے جھوٹے گمراہ اور واجب القتل ہیں وغیرہ غیرہ۔[۳]

(۳) مذہبی انتہا پسندی کب اور کہاں سے شروع ہوئی:

مذہبی انتہا پسندی اور بنیادی پرستی کی اصطلاح اسلام اور مسلمانوں کے لئے وضع نہیں کی گئی بلکہ اس نے (مغرب) تو یہ ان مسیحی بنیاد پرستوں کیلئے بھی وضع نہیں کی تھی جن پر پہلے پہل اس اصطلاح کا اطلاق ہوا۔ حقیقتاً یہ اصطلاح خود ان لوگوں نے اپنے لئے (عیسائیوں) ایجاد اور استعمال کی تھی۔ اس تحریک کی ابتدا بیسویں صدی عیسوی کے دوسرے عشرے میں امریکا میں ہوئی[۴] اس کا مقصد امریکا میں مذہبی اور دنیاوی زندگی میں پیدا ہو جانے والے جدید رجحانات کی مخالفت تھا۔ تحریک کا آغاز ۱۸۷۲ء میں ہوا جب بپٹسٹ (Baptist) فرقے کے نیویارک شہر کے پادری جیمز انگلس نے نیاگرا بائبل کانفرنس کا اہتمام کیا۔ بپٹسٹ کے علاوہ اس میں کئی دوسرے فرقوں مثلاً پریزبی ٹیرین (Presbyterian) کے پادری بھی شامل تھے۔

(۴) ہندو مذہب میں انتہا پسندی:

بھارتیہ جنتا پارٹی، راشٹریہ سیوک سنگھ (جن سنگھ) شیوسینا وغیرہ خالصتاً ہندو مذہبی انتہا پسند جماعتیں ہیں لیکن ان کے انتہا پسند ہونے کی وجہ یہ نہیں کہ ان کے ارکان یہ عقائد رکھتے ہیں کہ رام چندر جی یا کرشن مہاراج خدا کے اوتار یا نبی تھے وید، پران، شاستر، گیتا وغیرہ مقدس اور الہامی کتب ہیں۔ کالی، درگا، گنیش جی وغیرہ مقدس دیوی دیوتا ہیں۔ آدمی بار بار جنم لیتا اور مرنے کے بعد پھر اس دنیا میں لوٹ آتا ہے وغیرہ۔ یہ عقائد تو دوسری جماعتوں میں شامل ہندو یا کسی بھی جماعت میں شامل نہ ہونے والے کروڑوں ہندو بھی رکھتے ہیں مگر وہ سب ہندومت کے پیروکار ہونے کے باوجود انتہا پسند نہیں ہیں اور نہ انہیں کوئی ایسا کہے گا مگر یہ جماعتیں (بھارتیہ جنتا پارٹی، شیوسینا وغیرہ) اور ان کے رہنماؤں اور ارکان اس لیے بنیاد پرست ہیں کہ ان کا دعویٰ ہے ☆ صرف ہندومت ہی سچا اور صادق دین ہے ☆ اس کے سچے اور صادق ہونے میں کسی قسم کے شبے کی کوئی گنجائش نہیں نہ اس کے عقائد پر کسی حوالے سے تنقید، شک، یا اعتراض کرنا جائز ہے ☆ ہندومت اور اس کے پیروکاروں کے علاوہ کہیں کسی کے پاس سچ نہیں نہ کوئی غیر ہندو سچا ہوسکتا ہے ☆ اس کے عقائد اور تعلیمات بزور طاقت پھیلانا چاہئے ☆ ہندومت اور اس کے پیروکاروں کے علاوہ کہیں کسی کے پاس سچ نہیں نہ کوئی غیر ہندو سچا ہوسکتا ہے ☆ اس کے عقائد اور تعلیمات بزور طاقت پھیلانا چاہئے ☆ ہندومت کو نہ ماننے والے (غیر ہندو) جھوٹے اور گمراہ ہیں اس لئے واجب القتل ہیں۔[۵]

(۵) مذہبی انتہا پسندی بین الاقوامی مسئلہ:

درج بالا عبارات کی روشنی میں یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ مذہبی انتہا پسندی کا آغاز مغرب سے ہوا اور اس کے بعد دیگر ممالک ہندوستان ، پاکستان ،ایران، افغانستان اور دنیا کے دیگر ممالک بھی اس کے اثرات سے محفوظ نہ رہے۔ اب ہم ان وجوہات کا جائزہ لیں گے جو مذہبی انتہا پسندی کا سبب بنتی ہیں۔

(۶) مذہبی انتہا پسندی کے اسباب(Causes of Extremist)

☆ اخلاقی اور مذہبی تعلیمات پر عمل نہ ہونا

☆ مذہبی برتری کا احساس اپنے نظریات،معتقدات کو دوسروں پر جبراً مسلط کرنے کی کوشش کرنا

☆ استحصالی نظاموں کی وجہ سے غربت، بے روزگاری اور احساس محرومی وغیرہ کا موجود ہونا

☆ عدل وانصاف کا فوری نہ ملنا

☆ دوسروں پر غلبہ حاصل کرنے کی خواہش یعنی جب تفوق(Urge to dominate)

☆ نسلی،لونی،لسانی، وطنی اور قومی برتری کا احساس

☆ چند مخصوص سیاسی اور مذہبی جماعتوں سے وابسطہ لیڈروں کی دین سے عدم واقفیت۔ حیاتیات ،نفسیات اوربشیریات کے ماہرین (Biologists Psychologists & Anthro pologists) لمبی تحقیق کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ہر بچہ فطری طور پر معصوم پیدا ہوتا ہے اس کی فطرت (Instinct) میں دوسرے انسانوں کے ساتھ کسی قسم کی رقابت یا تعصب نہیں ہوتا۔ بعد میں ماحول (Environment) اس کے اندر مختلف قسم کے تعصبات اور احساسات پیدا کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ بعض لوگوں کیلئے محبت کے جذبات پیدا کرلیتا ہے اور بعض کے لئے نفرت کے[۶] اسی طرح یہ بات بھی تحقیق سے پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ رنگ ونسل وطن اور قوم کے حوالے سے کس انسان کی فطرت میں کوئی تعصب اور تفوق کا جذبہ نہیں پایا جاتا بعد میں والدین اور ماحول اسے ان چیزوں پر فخر وغرور کرنا سکھاتے ہیں نتیجتاً وہ دوسروں کو کم تر سمجھنے لگتا ہے اور یوں انسانوں کے اندر'' من دیگرم تو دیگری'' کے احساس کے تحت ایک دوسرے سے ٹکراؤ اور تصادم کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔[۷] استحصالی نظاموں کی موجودگی کی وجہ سے تمام افراد اوراقوام کو انصاف نہیں ملتا یا دیر سے ملتا ہے جس کی وجہ سے افراد اوراقوام میں احساس محرومی(Sense of deprivation) اور قنوطیت (Frustration) پیدا ہوتی ہے جو کہ مختلف معاشی ومعاشرتی ناہمواریوں کو جنم دے کر آپس میں ٹکراؤ کی کیفیات کو جنم دیتی ہے۔[۸] اسی طرح ظلم اور عدم مساوات بھی معاشرے میں فساد کا سبب بنتے ہیں۔صرف مادی وسائنسی ترقی اور مجرد قانون معاشرے کے مختلف افراد کے باہمی تعلقات کو درست نہیں کر سکتے بلکہ اس کے لئے افراد کے اندر اخلاقی تعلیمات کے ذریعے انقلاب ضروری ہے جیسا کہ پروفیسر ارنلڈ ٹائن بی اپنے مضمون'' تاریخ جدید انسان کو متنبہ کررہی ہے'' میں لکھتے ہیں کہ ہمارے مسائل کا حل سائنسی تجربہ گاہوں میں نہیں مل سکتا ہمارے مسائل اخلاقی ہیں اور سائنس

اخلاق کے دائرے میں کوئی دخل نہیں رکھتی۔ اوراپنی معاشرتی بیماریوں کو خدا کے بغیر حل کرنے کے نتائج ہمارے سامنے آچکے ہیں آخر میں وہ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ دور حاضر کی سب سے بڑی ضرورت ایک فوق الطبعی ایمان ہے۔[9] مذہبی بنیادوں پر بھی انسانوں کے درمیان کشیدگی رہی ہے اوراس وجہ سے نہیں کہ مذہب یہ سکھاتا ہے بلکہ اس وجہ سے کہ جب کوئی قوم یا فرد یہ تصور کرتے ہوئے کہ حق اس کے پاس ہے اور حق کیلئے یہ ضروری ہے کہ اسے دوسروں پر مسلط کیا جائے اگر مخاطب نہ مانے تو اس پر تشدد کیا جائے اوراس سے بزور منوایا جائے۔ مذہب کے بارے میں یہ تصور آپس میں ٹکراؤ بلکہ جنگوں کو جنم دیتا ہے ایسا کئی بار تاریخ میں ہوا ہے اور اب بھی ہورہا ہے۔[10] مذہبی انتہاپسندی کے مذکورہ بالا اسباب کو ختم کرنے کیلئے اس وقت دنیا میں کوئی نظام موثر ثابت نہیں ہوا عالمی لیول پر سوشلزم کا بھی تجربہ ہوچکا، سرمایہ دارانہ نظام بھی آزمایا جاچکا، مغربی جمہوری نظام کے ثمرات کا بھی دنیا مشاہدہ کر چکی اور موجودہ مغربی تہذیب اور نیو ورلڈ آرڈر کے نتائج بھی سب کے سامنے ہیں اب صرف ایک ہی نظام رہتا ہے اور وہ ہے رحمت اللعٰلمین حضرت محمد ﷺ کا لایا ہوا ''دین اسلام'' جس کے بارے میں دنیا کے تمام دانشوروں اور انسانیت کے بہی خواہوں کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ ایسے وقت میں جب کہ اسلحہ کی قوت یا اقتصادی غلبہ کے نفرت انگیز دباؤ سے نسل انسانی اپنی پیاری آزادیاں گنواتی ہوئی معلوم ہوتی ہے اسلام ہی مستقبل میں انسانیت کی آزادی کے قلع کا آخری پشتہ ہے اور عالمی سیاست کی تنظیم نو کے لئے حقیقی طور پر بڑا مددگار ثابت ہوسکتا ہے۔[11]

(۷) مذہبی انتہا پسندی کی روک تھام کیلئے تجاویز:

- ☆ اقوام متحدہ کو ایسے ممالک کی جہاں مذہبی انتہاپسندی موجود ہے مدد کرنی چاہئے اور ایسے قوانین مرتب کرنے چاہئیں جو انتہا پسندی کو اعتدال پسندی میں بدل سکیں۔
- ☆ پوری دنیا میں کسی مذہب وملت کی عبادت گاہ میں جبراً مداخلت سے اجتناب کیا جائے
- ☆ مختلف مذہب واقوام کو اپنے مذہبی اصول متعین کرنے چاہئیں اور پھر ان کی پابندی کرنی چاہئے۔
- ☆ مذہبی اور مسلکی تہوار اپنی عبادت گاہوں کے اندر منانے چاہئیں دوسروں کی عبادت گاہوں یا املاک تک نہیں جانا چاہئے۔
- ☆ ملک کے اندر مختلف مسالک اور فرقوں میں پایا جانے والا اختلاف ختم کرنے کیلئے حکومتی سطح پر ایک علماء کا بورڈ تشکیل دینا چاہئے جو ایک متفقہ ضابطۂ اخلاق بنائے جس کی تمام مسالک وفرقے پابندی کریں۔

(۸) مذہبی اعتدال پسندی کے لئے اسلامی اصول وتصورات:

اسلام کی عطا کردہ تعلیمات اعتدال پسندی کی بنیاد نہ تو مخصوص چند مشترک مادی اغراض پر ہے نہ ہی ہنگامی اور عارضی حالات نے انہیں جنم دیا ہے نہ ان میں کسی خاص قوم یا ملک کی سیاسی یا معاشی بہبود پوشیدہ ہے بلکہ ان کا واضع یعنی رب العالمین وہ ہستی ہے جو تمام انسانوں کا خالق ہے اور وہ ان کی نفسیات سے کماحقہ واقف ہے اس لئے اس نے ان تعلیمات کی فطرت ہی ایسی بنائی ہے کہ وہ ہر انسان میں زندہ رہنے اور اندر رہنے دو کے جذبے کو پروان چڑھاتی ہے وہ زمان ومکان کی قید سے آزاد ہیں

وہ انسان کے دل و دماغ اور طرز عمل میں تنگ نظری کی بجائے وسیع النظری اور محدودیت کے بجائے آفاقیت پیدا کرتی ہے یہ نسل، لونی، وطنی، قولی اور طبقاتی منافرت کو مٹا کر عالمی اخوت اور انسانی مساوات کا سبق دیتی ہے یہ تمام انسانوں کو اللہ کا کنبہ قرار دے کر یہ باور کراتی ہیں کہ بہترین وہ ہے جو خدا کے کنبے کے ساتھ ہمدردی اور حسن سلوک کا مظاہرہ کرے پھر اس کے ساتھ یہ تعلیمات ایسی اخلاقی وقانونی ضمانتیں بھی عطا کرتی ہیں کہ اگر ان کو اپنایا جائے تو مذہب و مسلک کے اختلاف کے باوجود ان کے ذریعے قومی و بین الاقوامی سطح پہ اعتدال پسندی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور امن و بھائی چارگی کی فضا عام ہوتی ہے۔ آیئے حضورﷺ کی عطا کردہ تعلیمات اعتدال پسندی کا ذرا تفصیل سے جائزہ لیں اور دیکھیں کیسے وہ تعلیمات انسانوں کے اندر اعتدال پسندی کے جذبات پیدا کرتی ہیں اور ان تمام وجوہات کا کیسے خاتمہ کرتی ہیں جو نسل انسانی میں بغض وعناد اور تصادم کا باعث بنتی ہیں۔

(۹) وحدت انسانیت کا تصور اعتدال پسندی کی اساس:

انسانیت پر اسلام کا یہ بڑا احسان ہے کہ اس نے وحدت انسانیت کا ایسا تصور دیا جو رنگ ونسل لسانیت وطنیت کے تمام بتوں کو پاش پاش کر کے بھائی چارے کی مشترکہ اساس فراہم کرتا ہے وہ انسانوں کے ذہن میں یہ بات راسخ کرتا ہے کہ جس طرح سارے انسان ایک خدا کی مخلوق ہیں اسی طرح وہ ماں باپ کی اولاد مختلف رنگ وروپ مختلف قوت وصلاحیت اور مختلف عقل وضمیر کے باوجود حقوق میں برابر ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے مساویانہ سلوک کرتے ہیں چھوٹے چھوٹے اختلافات اور رنجشوں کے باوجود ایک دوسرے کے دکھ درد اور خوشیوں میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ اسی طرح تمام دنیا کے انسانوں کو فردا فردا اور اجتماعی طور پر ایسا ہی بننے کی کوشش کرنی چاہئے۔ آپﷺ نے انسانوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی مرور زمانہ اور اختلافات ماحول کی وجہ سے اگر چہ وقتی طور پر رنگ و زبان میں فرق آ جاتا ہے لیکن بنیاد سب کی ایک ہی ہے یعنی تمام حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور انہیں مٹی سے بنایا گیا تھا پھر انسانوں کو یہ بتایا کہ وہ معرفت وشناخت کی آسانی کے لئے خاندانوں اور قبیلوں کی حد بندیاں قائم رکھ سکتے ہیں مگر انہیں کسی طرح بھی عزت وذلت برتری وکمتری کا معیار ایک ہی ہے اور وہ ہے پرہیز گاری والی زندگی۔ اس کے علاوہ پیغمبر اسلامﷺ کی زبان صدق سے کئی مواقع پر بے جا انسانی تفریق اور مصنوعی تفاخر کو مٹانے کے لئے نہایت بلیغ اور موثر خطبے نکلے ہیں چنانچہ خطبہ حجتہ الوداع میں فرمایا ''کسی عربی کو کسی عجمی پر کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فوقیت نہیں اسی طرح سرخ وسفید رنگ والے کو کسی سیاہ فام پر اور کسی سیاہ فام کو کسی سرخ وسفید رنگ والے پر کوئی فوقیت نہیں۔''[۲۰]

کونوا عباداللہ اخوانا۔[۲۱]

اے اللہ کے بندوں بھائی بھائی بن جاؤ۔

الخلق عیال اللہ فاحب الخلق اللہ من احسن الیٰ عیانہ۔[۲۲]

ساری مخلوق خدا کی کفالت میں ہے (کنبہ کی طرح ہے)۔

تو وہ شخص اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہوگا جو اس کی عیال کے ساتھ حسن سلوک کرے گا۔ آپﷺ نے تمام

مصنوعی امتیازات (Artificial discrimination) مٹانے کے لئے صرف خطبوں پر ہی اکتفاء نہیں کیا بلکہ آپ نے ان تعلیمات کو "مواخات" اور میثاق مدینہ کی شکل میں عملی طور پر نافذ کر کے دکھایا۔ اس وقت دنیا میں ذات پات اور رنگ و نسل کی وجہ سے جو تفریق اور فساد موجود ہے اس کا واحد علاج تعلیمات نبوی ﷺ ہے۔ امریکا میں اس وقت سترہ لاکھ سے زیادہ افراد قید خانوں اور جیلوں میں بند ہیں۔ ۲۰ فیصد سے زیادہ قومیتوں یا نسلی اقلیتوں سے تعلق رکھتے ہیں اور آدھے سے زیادہ سیاہ فام ہیں [۱۵] اور اسی طرح کی ایک تحقیق سے پتہ چلا ہے کہ کسی سفید فام کی نسبت سیاہ فام کو سزائے موت کے امکانات پندرہ فیصد زیادہ ہیں اور یہ کہ نئی نسلی، علاقائی، اور معاشی حیثیت اس بات کا تعین کرتی ہے کہ کون سزائے موت پائے گا کون نہیں۔ [۱۶]

(۱۰) عصبیت کا خاتمہ درحقیقت انتہا پسندی کا خاتمہ:

حضور اکرم ﷺ نے صرف مثبت طور پر بھائی چارے اور مساوات کی تعلیم نہیں دی بلکہ منفی طور پر ہر طرح کی تنگ نظری اور عصبیتوں کا خاتمہ کیا تا کہ نسل انسانی عصبیتوں کی وجہ سے انتہاپسندی کا شکار نہ ہو آپ ﷺ نے عصبیت جاہلیہ کو رد کرتے ہوئے فرمایا:

مامنا من دعاالیٰ عصبیة لیس منا من قاتل عصبیة ولیس منامن مات علیٰ عصبیة۔

وہ شخص ہم میں سے نہیں جو تعصب کی دعوت دے وہ شخص بھی مسلمان نہیں جو عصبیت کی وجہ سے کسی سے لڑے وہ شخص ہم میں سے نہیں جو عصبیت پر مرے۔

کسی صحابیؓ نے پوچھا عصبیت کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ **ان تعین قومک علی الظلم** [۱۷] تو اپنی قوم کی ظلم پر مدد کرے۔ دوسری روایت میں ہے کہ

ان ینصر الرجل قومه علیٰ الظلم [۱۸]

یعنی عصبیت یہ ہے کہ آدمی ظلم میں اپنی قوم کی مدد کرے۔

پاکستان میں مختلف لسانی، نسلی اور صوبائی عصبیتیں بسا اوقات مذہبی انتہاپسندی کی بنیاد بنتی ہیں جس کا خاتمہ حضور ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرنے میں ہے۔

(۱۱) انتہاپسندی سے بچنے اور اعتدال اختیار کرنے کیلئے اخلاقی تعلیمات۔

اسلام اپنی اخلاقی تعلیمات کے ذریعے انسان کے دل و دماغ میں ہمہ گیری پیدا کرتا ہے اور اس کے داخل و خارج کو سنوار کر اس میں اعتدال پسندی پیدا کرتا ہے۔ اسلام اپنی تعلیمات کے ذریعے انسان کے دل میں خوف خدا اور آخرت کی جوابدہی کا یقین پیدا کر کے اسے عمل پر آمادہ کرتا ہے۔ اسلامی اخلاقیات کی ایک طویل فہرست ہے ان میں سے چند اہم عنوان یہ ہیں۔

☆ برائی کے مقابلے میں نیکی کرنا

☆ بدی کو معاف کرنا

☆ عفو و در گزر سے کام لینا

☆ رحم و کرم کرنا

☆ غصہ کو پی جانا

☆ نرمی سے بات کرنا

☆ معاملات میں بھی رفق و لطف کا اظہار کرنا

☆ صلح پسندی

☆ انسانی برادری کے ساتھ نیک سلوک کرنا

☆ دشمنوں کو معاف کرنا

ان تعلیمات میں کہیں بھی تنگ نظری کا شائبہ نظر نہیں آتا بلکہ جس طرح رب العالمین کی ربوبیت ساری مخلوق کے لئے عام ہے اسی طرح اسلام کی اخلاقی تعلیمات بھی ہمہ گیر ہیں۔ دوست دشمن سب اس میں برابر ہیں پھر اسلامی شریعت نے صرف محاسن اخلاق ہی کی تعلیم نہیں دی بلکہ ان رزائل سے بھی سختی سے منع کیا ہے جو انسانی تعلقات کے بگاڑ اور فساد کا موجب بنتے ہیں جیسے ☆ جھوٹ بولنا ☆ فخر و غرور کرنا ☆ کسی کو بلاوجہ برا کہنا ☆ بے ایمانی اور بدعہدی کرنا ☆ فساد برپا کرنا ☆ دوسروں کی حق تلفی کرنا ☆ بدگمانی کرنا ☆ کسی کو پیدائشی یا نسلی طور پر ذلیل سمجھنا ☆ تمسخر اڑانا ☆ معاملات میں بددیانتی کرنا وغیرہٗ۔ ان رزائل سے نہ صرف روکا گیا ہے بلکہ دنیا و آخرت میں ان کے برے نتائج سے آگاہ بھی کیا ہے اور آخرت میں ناکامی کا سبب بتایا گیا ہے۔ ان تمام اخلاقی تعلیمات میں سے چند محاسن و رزائل کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے

(۱۲) انتہا پسندی کے خاتمہ کے لئے میانہ روی اور بھلائی کرنا:

قرآن میں ارشاد خداوندی ہے" بھلائی اور برائی برابر نہیں تم برائی کا جواب اچھائی سے دو پھر تم دیکھو کہ تم میں اور جس میں دشمنی تھی ایسا ہو جائے گا جیسے دوست قرابت والا یہ بات اُس کو ملتی ہے جو صبر کرتے ہیں اور یہ بات اس کو ملتی ہے جو بڑے نصیب و قسمت والا ہوتا ہے۔[۱۹] دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ اُولٰئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ [۲۰]

"وہ برائی کو نیکی سے رفع کرتے ہیں ان کے لئے آخرت کا اچھا انجام ہے"

حضرت ابن عباسؓ نے اول الذکر آیت کی شرح ان الفاظ میں کی ہے:

امر الله المومن بالصبر عندالغضب الحلم عندالجهل والعفو عندالاساء ةفاذافعلوا ذلک عصمهم الله من الشيطن وخضع لهم عدوهم كانه ولى حميم۔[۲۱]

اللہ نے اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ غصہ کے وقت صبر کا، جہالت کے وقت برداشت کا اور برائی کے وقت

معافی کا معاملہ کریں جب ایسا کریں گے اللہ انہیں شیطان سے محفوظ کردے گا اور ان کے دشمن کو ان کیلئے جھکا دے گا گویا کہ وہ قریبی دوست ہو۔

حضور ﷺ کا فرمان ہے:

''ان الله لایمحوا السیئی ولکن یمحو السیئی باالحسن ان الخبیث لایمحواہ الخبیث''[۲۲]

اللہ برائی کو برائی کے ذریعے ختم نہیں کرتا بلکہ برائی کو بھلائی سے مٹاتا ہے بری چیز بری چیز کبھی نہیں مٹاتی۔

اور یہ بھی ارشاد رسول ہے:

''صل من قطعک واعف عمن ظلمک واحسن مناساء الیک''[۲۳]

حضور ﷺ کی زندگی صبر و برداشت اور برائی کے مقابلے میں بھلائی کرنے کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔ فتح مکہ کے دن جب بعض صحابہؓ نے یہ نعرہ لگایا کہ آج کشت وخون کا دن ہے آج دشمنوں کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا دن ہے۔ آپ ﷺ نے الیوم یوم الملحمۃ کی آواز سنی تو فرمایا ''الیوم یوم المرحمۃ'' آج رحم وکرم کا دن ہے اور اپنے جانی دشمنوں کو فرمایا ''اذهبوا افانتم الطلقاء'' جاؤ تم لوگ سزاؤں سے بری ہو۔[۲۴] عثمان بن طلحہ کو جو اس سے پہلے کعبہ کے کلید بردار تھے ان سے کنجی اپنے ہاتھ مبارک میں لے کر پھر واپس کردی اور فرمایا کہ ''الیوم یوم البر والوفاء'' آج کا دن نیکی اور وفا شعاری کا ہے۔[۲۵] اسی طرح خیبر میں آپ ﷺ کو زہر دینے والی یہودیہ کو معاف کیا۔ اور چچا حضرت حمزہؓ کے قاتل سے درگزر کیا اور ان کے کلیجے کو چبانے والی عورت ہندہ کو معاف کیا۔ طائف والوں نے آپ ﷺ پر پتھروں کی بارش کرکے لہولہان کردیا مگر آپ ﷺ نے ان کے حق میں رحمت وہدایت کی دعا کی۔ احد میں اپنے چہرے مبارک کو زخمی کرنے والوں کے حق میں دعائے خیر کی اور دشمن کے حق میں بددعا کے لئے کہا گیا تو فرمایا کہ میں دنیا میں زحمت کے لئے نہیں رحمت کیلئے آیا ہوں۔[۲۶] آج مسلمانوں کو یہ تعلیمات اپنانے کی اشد ضرورت ہے تاکہ معاشرے میں انتہا پسندی کی بجائے اعتدال پسندی کا دورہ ہو۔

(۱۳) لوگوں سے نرمی اور رحم کا برتاؤ:

معاملات اور بات چیت میں سختی اور درشتی سے کام نہ لیا جائے بلکہ نرمی اور سہولت اختیار کی جائے۔ تحمل اور نرمی کو قرآن واحادیث میں بڑی شدومد سے بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی نرم دلی کو اپنی رحمت قرار دیا ہے اور فرمایا کہ ''اگر آپؐ سخت دل اور تند خو ہوتے تو لوگ آپؐ سے تتر بتر ہو جاتے۔[۲۷] فرمان رسول ﷺ ہے کہ اللہ تعالیٰ نرم ومہربان ہے نرمی اور مہربانی کو پسند کرتا ہے اللہ تعالیٰ نرمی پر وہ چیز دیتا ہے جو سختی پر نہیں دیتا اور نہ کسی اور چیز پر دیتا ہے۔ نرمی جس چیز میں ہوگی تو اس کو زینت دے گی اور جس چیز سے بھی اٹھ جائے گی اس کو بدنما اور عیب دار بنادے گی۔ ''من یحرم الرفق یحرم الخیر کله'' جو خص نرمی سے خالی ہوگیا۔ وہ ہر بھلائی سے خالی ہوگیا[۲۸] اس طرح آپ ﷺ نے اس شخص پر آگ کو حرام قرار دیا جو لوگوں کے قریب ہو اور نرم اور آسان ہو۔[۲۹]

(۱۴) غیض وغضب کی جگہ حلم وبرباری:

غیض وغضب اور غصہ ایک سلبی اخلاقی قدر اور مزموم وناپسندہ فعل ہے کیونکہ اس کی وجہ سے بہت سے ظالمانہ اور بے دردی کے کام انسان سے سرزد ہوجاتے ہیں جن پر بعد میں اکثر پشیمانی اور ندامت ہوتی ہے۔ مذہبی انتہاپسندی کی وجہ کسی شخص میں غیض وغضب کا پایا جانا ہے لہٰذا تعلیمات نبوی ﷺ میں غصہ پر قابو پانے پر بڑا زور دیا گیا ہے۔ ایک اچھے مسلمان کی قرآن نے یہ تعریف بیان کی ہے "وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ" [۴۰] اور وہ غصہ کو پی جاتے ہیں۔ اور لوگوں کو معاف کرتے ہیں دوسری جگہ ہے "وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ" [۴۱] اور جب ان کو غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں۔ بخاری شریف کی روایت ہے کسی شخص نے عرض کیا "اوصنی" مجھے وصیت فرمائیں آپ ﷺ نے فرمایا "لاتغضب" غصہ نہ کر۔ اس شخص نے بار بار عرض کیا آپ ﷺ نے ہر مرتبہ فرمایا کہ غصہ نہ کر۔ [۴۲] لوگ عموماً غصہ نکالنے یا کسی سے انتقام میں انتہاپسندی کو بہادری سمجھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا "لیس الشدید بالصرعة انما الشدید الذی یملک عندالغضب" [۴۳] یعنی زور آور اور پہلوان وہ نہیں جو دوسرے کو پچھاڑ دے بلکہ پہلوان وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ کو قابو میں رکھے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص انتقام لینے پر قادر ہونے کے باوجود انتقام نہیں لیتا بلکہ معاف کر دیتا ہے اللہ اس کو اپنے سب بندوں سے زیادہ عزیز رکھتا ہے۔ [۴۴] یہ درست ہے کہ غصہ پینا تلخ گھونٹ ہے لیکن اس کی تلخی میں جو حلاوت ہے اور اس کی پینے میں جو خیر و برکت ہے وہ کسی مشروب میں نہیں آپ نے فرمایا اللہ کی رضا کے لیے غصے کے گھونٹ کو پینا سب سے افضل گھونٹ ہے غصہ ایک نفسیاتی مرض ہے جو ایمان کو خراب کر دیتا ہے۔ فرمان رسول ﷺ ہے "ان الغضب لیفسد الیمان کمایفسد الصبر العسل" یعنی غصہ ایمان کو ایسے خراب کر دیتا ہے جیسے ایلوا شہد کو خراب کر دیتا ہے۔ [۴۵] اس میں شک نہیں کہ غصہ ایک جبلی تقاضہ ہے لیکن اس پر قابو رکھنے سے انسان دنیا وآخرت میں عصائب وعذاب سے بچ جاتا ہے۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنی زبان کو بند رکھتا ہے اللہ اس کے عیب کی پردہ پوشی کرتا ہے اور جس نے اپنے غصے کو روکا اللہ قیامت کے دن اسے عذاب سے بچا لے گا ایک حدیث میں ہے "لاتغضب ولک الجنته" غصہ نہ کر تیرے لئے جنت ہے۔ [۴۶] قرآن عظیم میں نوے سے زیادہ مرتبہ صبر کا ذکر ہے۔ امام احمد بن حنبل کہتے ہیں نصف ایمان صبر اور نصف شکر ہے۔ [۴۷] ان تمام تعلیمات سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی تعلیمات کے ذریعے غصہ اور انتہاپسندی کو ختم کرنے کی کتنی ترغیبات دی ہیں کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ جانتے تھے کہ غصہ ہی تمام برائیوں کی بنیاد ہے اور صبر وتحمل اور اعتدال پسندی ایک اعلیٰ ترین حفاظتی تدبیر ہے اس تدبیر کے ذریعے انسان فساد کے بریم کو ناکارہ (Defuse) کر سکتا ہے۔ اور دنیا میں امن قائم ہوسکتا ہے۔

(۱۵) میدان جنگ میں بھی اعتدال پسندی کا حکم:

اسلام نے جنگ کی اجازت دوصورتوں میں دی ہے ایک یہ کہ مسلمانوں پر اس حد تک ظلم کیا جائے کہ وہ بنیادی حقوق سے محروم ہوجائیں [۴۸] (یعنی انسان کی مال وجان عزت ونسل دین اور فکر وعقل کا تحفظ نہ ہوسکے) دوسرے یہ کہ ان کے دین کو

مٹانے کی کوشش کی جائے۔ حضرت علیؓ کا قول جنگ کے سلسلے میں اسلام کی روح کو کامل طور پر ظاہر کرتا ہے۔

"ولقد کانت حربھم لاطمینان علیٰ امرین دیارھم من تعزوا دینھم من ان یطمس"[۹]

مسلمانوں کی دشمنوں سے جنگ دو باتوں کے اطمینان کیلئے ہوتی ہے ایک یہ کہ اُن کی بستیوں پر کوئی جنگ نہ مسلط کر دی جائے اور دوسرا یہ کہ ان کے دین کو مٹانے کی کوشش نہ کی جائے۔

لہٰذا اسلامی جنگ ظلم کے خاتمے، مظلوموں کی حمایت، معاشرے سے بدامنی ختم کرنے اور تمام مذاہب کے مقامات عبادت کی حفاظت کے لئے ہوتی ہے۔ [۴۰] حضورؐ کا اسوہ اور تعلیمات بھی اس پر شاہد ہیں کہ میدان جنگ میں پہلے مخالفین کو اسلام کی دعوت دی جاتی تھی اگر وہ قبول نہ کرتے تو جزیہ کی قبولیت کے ساتھ جنگ روک لی جاتی اور اگر یہ دونوں باتیں فریق مخالف قبول نہ کرتا تو پھر جنگ شروع کی جاتی کیونکہ

"لان الاسلام یدعو االیٰ السلام ولایقبل الاستسلام بالباطل والاستسلام فی الخضوع الباطل"[۴۱]

یعنی بے شک اسلام امن کا خواہاں ہے لیکن باطل کے سامنے جھکنا اور باطل کی تابعداری قبول نہیں کرسکتا۔

اس طرح اگر جنگ کے دوران بھی فریق مخالف صلح کیلئے تیار ہوجائے تو اس کی پیش کش قبول کرتے ہوئے صلح کر لینے کی ہدایت ہے۔ مدینہ منورہ میں ہجرت کے بعد فتنہ وفساد سے بچنے کیلئے یہود مدینہ سے معاہدۂ امن کرلیا اور بعد کی جتنی جنگیں ہوئیں وہ جارحانہ نہیں بلکہ یا تو دفاعی تھیں یا پھر اپنے دین وایمان اور مسلمانوں کو کسی طرح سے بچانے اور ان کے بنیادی حقوق کی حفاظت کے لئے تھیں۔ عام طور پر دنیا کی جنگوں میں کوئی ضابطہ اخلاق نہیں ہوتا بلکہ جنگ میں سب کچھ جائز سمجھا جاتا ہے لیکن اسلامی جہاد (قتال) نفسانیت یا توسیع پسندی کے لئے نہیں اس لئے جنگ کے دوران بھی اعتدال پسندی اور اخلاقی قدروں کے لحاظ کا حکم دیا اور ہر قسم کے ظلم سے منع کیا۔ بے حد سے تجاوز کرتے ہوئے بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ لوٹ مار اور مثلہ کرنے سے منع کیا گیا ہے سفراء اور قاصدوں کو امان دینے کا حکم دیا ہے۔ اسیروں سے نیک سلوک کی تلقین کی اور مخالفین کی دشمنی کی وجہ سے عدل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنے کا حکم دیا۔[۴۲]

اسلام کی ان تعلیمات رواداری واعتدال پسندی کی بدولت عہد نبوی کے کل غزوات وسرایا میں صرف ۲۵۹ مسلمان شہید ہوئے ۱۲۷ زخمی ہوئے مخالفین کے ۷۵۹ افراد مقتول ہوئے اور ۶۵۶۴ افراد قید ہوئے ۶۳۴۷ کے بارے میں صاف معلوم ہے کہ حضور رحمتہ اللعالمینؐ نے انہیں ازراہ لطف واحسان بلاکسی شرط کے آزاد کردیا۔[۴۳]

(۱۶) انتہا پسندی کا نتیجہ مسلمانوں کا آپس میں جنگ وجدال:

سطور بالا سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ حضورؐ کی تعلیمات افراد وتفریط سے پاک راہ اعتدال کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور بنی نوع انسان کو پرامن بقائے باہمی (Peacefull Mutual existence) کے اصول کے ذریعے ایک کنبہ بنانے کی صلاحیت رکھتی ہیں لیکن بدقسمتی سے آج مسلمان ان تعلیمات پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے بے اعتدالی کا شکار

ہو کر آپس میں ہی دست و گریباں ہیں۔ وہ امت جو ہر لحاظ سے نا قابل تقسیم وحدت تھی اور جسے بنیان مرصوص بن کر زمانے میں اسلام کے پیغام کو پوری انسانیت تک پہنچانا تھا آج وہ خود افتراق وانتشار کا شکار ہے۔ مسلمانوں کی مختلف جماعتیں اور گروہ مسلکوں کی بنیاد پر ایک دوسرے سے برسر پیکار ہیں۔ چھوٹے چھوٹے فروعی اور نقطۂ نظر کے اختلافات کی وجہ سے ایک دوسرے کے ساتھ غیر مسلموں والا سلوک شروع کر دیا ہے جو کہ انتہائی خطرناک ہے۔ کسی بھی معاملے میں اختلاف رائے کا ہونا کوئی مزموم چیز نہیں کیونکہ قدرت کے نظام میں سو فیصد یکسانیت (Monotony) محال ہے لیکن اختلاف رائے کو اتنا بڑھا لینا کہ باہمی نزاع اور جنگ وجدال تک پہنچ جائے یہ بہر حال مزموم اور ناپسندیدہ ہے۔ غیر منصوص احکام میں اختلاف رائے خود آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں آپس کی مجلس میں بھی ہوتا رہا۔ اور خلفائے راشدینؓ اور صحابہ کرامؓ کے عہد میں جب نئے نئے مسائل سامنے آئے جن کا ذکر قرآن وحدیث میں صراحتاً نہ تھا تو اختلاف رائے ہوا اور یہ اختلاف رائے عقل ودیانت کی بنا پر ناگزیر تھا۔[۴۴] لیکن یہ بات کبھی مستقل جھگڑوں اور ایک دوسرے کی تفسیق وتکفیر تک نہیں پہنچی جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے۔ ایک دفعہ حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ایک مسئلہ میں اختلاف ہو رہا تھا حضرت عمر فاروقؓ نے سنا تو غضب ناک ہو کر باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ افسوس رسول ﷺ کے اصحابؓ میں دو ایسے شخص جھگڑ رہے ہیں جن کی طرف لوگوں کی نظریں ہیں اور لوگ جن سے دین کا استفادہ کرتے ہیں۔ اور پھر دونوں اصحابؓ کے اختلاف کا فیصلہ یوں کیا کہ ''صدق ابنی فلم یعلی ابن مسعود'' یعنی صحیح بات وابیّ بن کعبؓ کی ہے مگر اجتہاد میں کوتاہی ابن مسعودؓ نے بھی کی۔[۴۵] حضرت فاروق اعظمؓ کے فیصلے سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اجتہادی مسائل اور اختلافات میں ایک قول صحیح وصواب ہوتا ہے اور دوسرا اگر چہ صواب نہیں ہوتا مگر ملامت اس پر بھی نہیں کی جا سکتی کیونکہ بخاری ومسلم میں عمرو بن العاصؓ سے ایک روایت ہے کہ جب کوئی اجتہاد کرے اور حکم ٹھیک ہو تو اس کو دو اجر ملتے ہیں اور جب اجتہاد میں غلطی ہو تو اس کو ایک اجر ملتا ہے۔[۴۶] دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ایسے اجتہادی مسائل میں اختلافات پر زور دینا اہل علم کے لئے مناسب نہیں جس سے ایک دوسرے پر ملامت یا نزاع وجدال کے خطرات پیدا ہوں۔ امام مالک کا قول ہے جھگڑا وجدال نور علم کو انسان کے قلب سے نکال دیتا ہے۔ کسی نے عرض کیا کہ ایک شخص جس کو سنت کا علم ہو گیا وہ حفاظت سنت میں جدال کر سکتا ہے، فرمایا نہیں۔[۴۸] اور بقول مولانا مفتی محمد شفیع اجتہادی وفروعی اختلافات کے ساتھ جو معاملہ آج کل کیا جا رہا ہے کہ اسی بحث مباحثہ کو دین کی بنیاد بنا لیا گیا ہے اور اس پر باہمی جنگ وجدال اور سب وشتم تک نوبت پہنچا دی گئی ہے یہ طرز عمل بلاشک وشبہ ''ولا تفرقوا'' کی کھلی مخالفت اور صحابہؓ وتابعینؒ کی سنت کے بالکل خلاف ہے۔ اسلاف امت میں کبھی کہیں بھی نہیں سنا گیا کہ اجتہادی اختلافات کی بنا پر اپنے سے مختلف نظریہ رکھنے والے پر اس طرح نکیر کیا گیا ہو۔[۴۹] آج حضور ﷺ کے علم کے وارثوں کو آپ ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے آپس میں رواداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے افہام وتفہیم پیدا کرنا ہوگی بمطابق ''وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعاً وَّلَا تَفَرَّقُوْا'' اور بزرگوں کے اس قول پر عمل کرنا ہوگا'' اپنے مسلک کو چھوڑو نہ اور دوسرے کے مسلک کو چھیڑو نہ''۔[۵۰] اس لئے آج علماء کرام کو فقہی وفروعی مسائل میں وسیع النظری کا ثبوت دیتے ہوئے اعتدال پسندی کو اختیار کرنا ہوگا اور اپنی تحریر وتقریر کے ذریعے امت کے اندر اتفاق واتحاد کی فضاء پیدا کرنا ہوگی اور اگر تنقید ضروری ہی ہو تو پھر

قرآنی حکم "وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ" [۵۱] کے قاعدے کے مطابق مخالفت کے معاملے میں عدل کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا ہوگا اور دوسروں پر تنقید کرتے وقت یہ بات متحضر رہے کہ رب اللعالمین کی عدالت میں ہر بات اور ہر دعوے کو ثابت کرنا پڑے گا کوئی ایسا دعویٰ جزم کے ساتھ نہ کیا جائے جسے شرعی اصولوں کے مطابق وہاں ثابت نہ کیا جا سکے۔[۵۲]

(۱۷) مذہبی انتہا پسندی کا ایک سبب باہمی تکفیر:

مسلمانوں کے درمیان افتراق وانتشار اور مذہبی انتہا پسندی کا بڑا سبب تکفیر کا فتنہ ہے یعنی فرقے یا مسلک کا دوسرے کو برداشت نہ کرتے ہوئے اس کے متبعین کو کافر قرار دے کر خارج از اسلام سمجھنا۔[۵۳] باہمی تکفیر کا یہ فتنہ اتنا وبائی ہے کہ جس کی زد سے آج کوئی مسلمان محفوظ نہیں کیونکہ ہر مسلمان کا کسی مسلک یا جماعت سے تعلق ہے جو دوسرے کے نزدیک نہ صرف یہ کہ کافر ہے بلکہ مباح الدم اور واجب القتل ہے۔ بعض مفتیوں کے ایسے فتوے بھی ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ جو شخص فلاں فرقے اور اس کے فلاں اشخاص کو کافر نہ سمجھے وہ بھی کافر ہے۔

ایسے ہی فتووں اور مناظروں کی وجہ سے امت مسلمہ اس وقت متحارب گروپوں میں تقسیم ہے اور اس مسئلہ کی وجہ سے امت کو جتنا نقصان پہنچا اور عالمی سطح پر مسلمانوں کی جتنی بدنامی ہوئی اتنی کسی اور مسئلہ کی وجہ سے نہیں ہوئی۔ بلکہ اس وجہ سے جدید تعلیم یافتہ طبقے کی علماء اسلام سے بعد کی کیفیت پیدا ہوئی ہے۔ یہی وہ فتنہ ہے جس کی وجہ سے آج امت کی پناہ گاہیں (عبادت گاہیں) محفوظ نہیں اور انہیں مسلمانوں کے معصوم خون کے ساتھ رنگین کیا جاتا ہے حالانکہ قرآن وحدیث سے جو ہدایات ملتی ہیں ان کے مطابق جو شخص ضروریات دین کا انکار نہ کرتا ہو اور قبلہ کی طرف نماز پڑھتا ہو اور جتنا بھی گنہگار اور کبائر کا مرتکب ہو اس کی تکفیر کسی طرح بھی جائز نہیں۔ مسلمان بڑی سے بڑی ناگوار بات بلکہ گالی تک برداشت کر لیتا ہے لیکن جب اسے کافر کہا جاتا ہے تو وہ کبھی برداشت نہیں کر سکتا یہی وجہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اس فتنہ کے سدباب کے لئے بڑی واضح تعلیمات عطا کی ہیں "عن انسؓ قال قال رسول اللهؐ ثلثة من اصل الایمان الكف عن من قال لااله الاالله ولا تكفره بذنب ولا تخرجه من الاسلام بعمل" [۵۴] حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تین چیزیں اصل ایمان ہیں ان کا ایمان سے گہرا تعلق ہے ایک یہ کہ جو شخص کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھتا ہو اس کے متعلق زبان کو روک رکھنا نہ کسی گناہ کی وجہ سے اس کی تکفیر کی جائے نہ کسی برے عمل کی وجہ سے اسے اسلام سے خارج کیا جائے۔ جو شخص کسی کو کافر کہے اس حال میں کہ وہ حقیقت میں کافر نہ ہو تو کفر کا فتویٰ تکفیر کرنے والے کی طرف لوٹ آئے گا۔ ایما رجل قال لاخیه یا کافر فقد باء بها احد بهما [۵۵] جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کو کافر کہے تو یہ قول دونوں میں سے کسی ایک پر ضرور پڑے گا۔ "لا یرمئی رجل رجلاً بالفسوق ولا یرمیه بالکفر الا رتدت علیه ان لم یکن صاحبه کذالک" [۵۶] جب کبھی ایک شخص دوسرے پر فسق یا کفر کی تہمت لگاتا ہے تو وہ تہمت اس پر لوٹ آئے گی اگر وہ شخص جس پر تہمت لگائی گئی تھی وہ درحقیقت کافر یا فاسق نہ ہو۔ "من دعی رجلاً

بالکفر اوقال عدو اللّٰہ ولیس کذالک الا حار علیہ" [۸۷] جو شخص کسی کو کافر یا دشمنِ خدا کہے جب کہ وہ شخص ایسا نہ تھا تو یہ قول خود قائل پر ضرور پڑے گا۔ من لعن مومنا فھو کقتلہ فمن قذف مومنا بالکفر فھو کقتلہ۔ [۸۹] جس نے کسی مومن پر لعنت کی اس نے گویا اسے قتل کیا اور جس نے کسی مومن پر کفر کی تہمت لگائی اس نے گویا اسے قتل کر دیا۔ اسی طرح فقہاء نے کفر کے حوالے سے یہ اصول بیان کیا ہے۔

"من قواعد اھل السنت والجماعۃ ان لا یکفر وا احد من اھل القبلتہ" [۹۰]

اہل السنّت والجماعت کے بنیادی قواعد میں سے ہے کہ اہل قبلہ کی تکفیر نہ کی جائے۔

اور امام ابو حنیفہؒ نے بھی یہی کہا ہے۔

"عن ابی حنیفتہ لا تکفر اھل القبلتہ بذنب" [۱۰۰]

کہ اہل قبلہ کی کسی گناہ کی وجہ سے تکفیر نہیں کی جا سکتی۔

اور اہل قبلہ سے کیا مراد ہے؟ اس کا جواب فقہاء نے یہ دیا ہے:

"واعلم ان اھل القبلتہ الذین اتفقوا علیٰ ماھومن ضروریات الدین کحدوث العالم و حسر الاجساد" [۱۱]

مفتی محمد شفیع صاحب نے اپنی کتاب 'جواھر الفقہ' میں ضابطہ کفر کے ذیل میں لکھا ہے اگر کسی خاص شخص یا کسی جماعت کے متعلق حکم بالکفر میں تردد ہو تو خواہ تردد کے اسباب میں علماء کا اختلاف ہو خواہ قرآئن کا تعارض ہو یا اصول کا غموض تو اسلم یہ ہے کہ نہ کفر کا حکم لگایا جائے نہ اسلام کا حکم اس کی نظیر وہ ہے جو اہل کتاب کی مشتبہ روایات کے متعلق احادیث میں وارد ہے۔ "لا تصدقوا اھل الکتاب ولا تکذبو ھم وقولوا امنا باللّٰہ وما انزل الینا" [۱۲] یعنی اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب اور کہو ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو اس نے اتارا ہم پر۔ روایات بالا سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مسئلہ تکفیر نہایت نازک مسئلہ ہے۔

بقول مولانا مودودیؒ اسلام میں کسی شخص یا گروہ کو کافر کہہ دینے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اس کے اعتقاد اور نیت پر حملہ کیا گیا بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اسلامی معاشرے اور اس کے ایک فرد یا چند افراد کے درمیان برادری' محبت' معاشرت اور باہمی تعاون کے جتنے رشتے تھے سب کاٹ دیئے گئے اور امت مسلمہ کے جسم سے ایک عضو یا متعدد اعضاء کو کاٹ کر پھینک دیا گیا۔ یہ فعل اگر خدا اور رسولؐ کے حکم کے مطابق ہو تو یقیناً حق ہے۔ اس صورت میں اس سڑے ہوئے عضو کو کاٹ کر پھینک دینا ہی اسلام کے ساتھ سچی خیر خواہی ہے لیکن اگر قانون الٰہی کی رو سے وہ سڑا ہوا نہ ہو محض ظلم سے کاٹ ڈالا ہو تو ظلم خود اس عضو سے بڑھ کر اس جسم پر ہو گا جس سے وہ کاٹا گیا ہو [۱۳] یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ نے اس دینی رشتہ کے احترام کی سخت تاکید کی ہے اور اس شخص کے بارے میں سخت عذاب کی دھمکی دی ہے جو امت کے افراد میں فتنہ و انتشار کا باعث بنے۔ [۱۴]

(۱۸) مذہبی رواداری اور تعلیماتِ نبوی ﷺ:

اسلام کے خلاف مغرب کے بے جا پروپیگنڈے کے بیان کرنے سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی حقیقی تعلیمات پیش کر دی جائیں جو دوسرے مذاہب اور اس کے ماننے والوں کے ساتھ مذہبی رواداری نے اور اعتدال پسندی کے حوالے سے ہیں۔ معاشرے میں فتنہ وفساد اور بگاڑ وانتشار کی ایک بڑی وجہ تنگ نظری اور تعصب ہے جب کہ حضور ﷺ نے جو تعلیمات دی ہیں وہ مذہبی انتہا پسندی، تعصب اور تنگ نظری کو ختم کر کے معاشرے کی تشکیل رواداری کے اصولوں پر کرتی ہیں۔ چونکہ حضور ﷺ اقوام عالم کے لئے رحمت بن کر آئے تھے اور اسلام بھی تمام قوموں کے لئے رحمت ہے۔ اس لئے مذہب کے حوالے سے آپ کی تعلیمات بڑی وسعت پر مبنی ہیں۔

حضور ﷺ سے قبل دین کے باب میں قطعاً آزادی نہ تھی بلکہ مذہب تبدیل کرنے کے لئے بڑی سختی برتی جاتی تھی۔ علامہ فرید نے لکھا ہے مذہب کے قبول کرنے پر مجبور کرنے میں بے رحمی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ جو لوگ انکار کرتے تھے وہ دہکتی ہوئی آگ کے حوالے کیے جاتے پھاڑنے والے حیوانات کے آگے ڈالے جاتے تھے یا ان کی دونوں ٹانگیں دو گھوڑوں کے پاؤں میں باندھ کر ان کو مختلف سمتوں میں چھوڑ دیتے تھے، تانبہ پگھلا کر ان پر ڈالتے تھے یا ان کو لگی آگ پر کئی روز تک رکھ دیتے تھے اور ان کی چربی پگھل پگھل کر بہہ جاتی تھی[۶۵] اسلام دنیا کا واحد دین ہے جس نے آ کر اعلان کیا کہ مذہب کے معاملے میں کوئی زبردستی اور جبر نہیں (لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ)[۶۶] کیونکہ ہدایت گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے اس لئے جو چاہے اسے قبول کرے اور جو چاہے انکار کرے (فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ)۔[۶۷]

(۱۹) مذہبی اعتدال پسندی اور تعلیماتِ نبوی ﷺ:

اسلام نے دیگر مذاہب کے ساتھ پر امن بقائے باہمی کا رشتہ قائم کرنے کے لئے اہل کتاب کو آگے بڑھنے کی دعوت یوں دی ہے "قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ"[۶۸] اے اہل کتاب آؤ ایسی بات کی طرف جو ہمارے تمہارے درمیان مشترک ہو اور ہم مل جل کر رہیں۔ بنیادی تعلیم کے ساتھ مذہب کی مختلف شکلوں میں رواداری اور اعتدال پسندی اختیار کرنے کا حکم دیا "لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ"[۶۹] ہر امت کے لئے عبادت کا ایک خاص طریقہ مقرر کیا ہے جس پر وہ چلتی ہے اس معاملے میں لوگ آپ سے جھگڑا نہ کریں دوسرے مذاہب کے پیشواؤں اور بزرگوں کو برا کہنے سے منع کیا گیا ہے۔[۷۰]

ان تمام آیات سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ سابقہ شریعتیں اصل شکل میں موجود ہیں یا اب بھی قابل عمل ہیں بلکہ ان آیات میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ آپ راہ راست پر ہیں آپ (مع مسلمانوں کے) اپنی شریعت کا اتباع کرتے ہوئے دوسروں کے ساتھ رواداری کا برتاؤ کریں دوسرے مذاہب سے اعتدال پسندی کا رویہ اپنائیں آپ کو صاف حکم دیا "اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ"[۷۱] آپ کا فرض صرف پیغام پہنچا دینا ہے "وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ"[۷۲] آپ ان پر کارساز نہیں "وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ"[۷۳]

آپ ان پر زبردستی کرنے والے نہیں "اِنَّمَآ اَنۡتَ مُذَكِّرٌ لَسۡتَ عَلَيۡهِمۡ بِمُصَيۡطِرٍ" [۷۴] آپ صرف ان کو نصیحت کرنے والے ہیں ان پر داروغہ نہیں "اَفَاَنۡتَ تُكۡرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِيۡنَ" [۷۵] کیا اے پیغمبرؐ آپ لوگوں پر زبردستی کریں گے کہ وہ ایمان لے آئیں۔

اسلام نے دوسرے مذاہب اوران کے مذہبی پیشواؤں اور عبادت خانوں کی حفاظت کا حکم دیا ہے:

"لا یهدم لهم بیعته ولا یمنعون من ضرب النواقیسن الافی اوقات الصلوٰة ولا من اخراج الصلبان فی یوم عیدهم" [۷۶]

یہودیوں اور عیسائیوں کے عبادت خانے نہ گرائے جائیں یہ لوگ ناقوس بجانے سے نہ روکے جائیں البتہ نماز کے اوقات مستثنیٰ رہیں گے اور اپنی عید کے دن صلیب نکالنے سے نہ روکے جائیں۔ نیز کسی پادری کو اس کے موقف سے کسی راہب کو اس کی رہبانیت سے کسی کاہن کو اس کی کہانت سے نہ ہٹایا جائے اور کسی پر کسی قسم کی سختی نہ کی جائے۔ [۷۷]

۱۷۱ھ خلیفہ ہارون الرشید کے زمانہ حکومت میں منہدم شدہ گرجوں کی تعمیر اس وقت کے سرکردہ علماء لیث بن سعد اور عبداللہ ابن لہیعہ وغیرہ کے مشورہ سے ہوئی۔ [۷۸] فقہ اسلامی میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ اگر کوئی مسلمان غیر مسلموں کے خنزیر یا شراب کو ضائع کردے تو اس کی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔ [۷۹] (حالانکہ یہ دونوں چیزیں اسلام میں حرام ہیں)

شام کی فتح کے پندرہ سال بعد حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایک پادری نے اپنے دوست کے نام خط میں لکھا یہ طائی (عرب) جنہیں خدا نے آج کل حکومت عطا فرمائی ہے اور وہ ہمارے مالک بن بیٹھے ہیں لیکن وہ عیسائی مذہب سے بالکل برسر پیکار نہیں بلکہ اس کے برخلاف وہ ہمارے دین کی حفاظت کرتے ہیں اور ہمارے گرجاؤں اور کلیساؤں کو جاگیریں عطا کرتے ہیں۔ [۸۰] ان تمام تصریحات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام نے دوسرے مذاہب کو جس قدر آزادی اور سہولتیں دی ہیں اور جس حد تک رواداری کا ثبوت دیا ہے اس کا عشرِ عشیر بھی اس وقت مہذب کہلانے والی قوموں کو حاصل نہیں۔

(۲۰) تعلیمات اعتدال پسندی......غیر مسلموں کے بارے میں:

اسلام کی تعلیمات اعتدال پسندی' مذہبی رواداری کا نتیجہ تھا کہ عباسیہ اور دیگر مسلمان حکمرانوں کے عہد میں مسلمان غیر مسلموں کے ساتھ پرامن طریقہ سے مل جل کر رہے اور کبھی بھی مذہبی اور تہذیبی ٹکراؤ کی نوبت نہیں آئی۔ لیکن اس وقت مسلمان ردعمل کے طور پر مختلف قسم کی تخریبی کارروائیوں اور مذہبی انتہا پسندی کے مرتکب ہورہے ہیں جس کی وجہ سے مغربی میڈیا اور مفکرین مغرب بے جا طور پر انہیں مذہبی انتہا پسند' دہشت گرد قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ اس تمام دہشت گردی اور مذہبی انتہا پسندی اور تخریبی کارروائیوں کے اصل ذمہ دار خود امریکہ اور اس کے حواری ہیں۔

کیونکہ اسلام کسی فرد یا گروہ کو اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ اسلامی یا غیر اسلامی ممالک میں غیر مسلموں کے جان و مال اور ان کے سفارتخانوں یا معاہد کو نقصان پہنچائیں کیونکہ فقہ کی اصطلاح میں ایسے تمام لوگ مستامن کہلاتے ہیں۔ [۸۱] اب بھی

شخص مستقل طور پر رہنے کا فیصلہ کرلے تو اسی کی حیثیت ذمی کی ہو جاتی ہے۔ حضورﷺ نے متامن اور ذمی کے حقوق کی بڑی تاکید کی ہے اور اگر کوئی مسلمان غیر مسلموں میں سے کسی کو قتل کر ڈالے تو ثبوت کے بعد قصاص میں اس مسلمان کو قتل کیا جائے گا اور اس طرح معاہد (متامن یا ذمی) کے قتل کے بارے میں آپؐ نے بڑے سخت عذاب کی وعید سنائی ہے:

''من قتل معاهد الم يرح رائحته الجنته وان ريحها ليوجد من ميسرة اربعين عاماً''[۸۲]

جس نے غیر مسلم معاہد کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو سے بھی محروم ہوگا حالانکہ اس کی خوشبو چالیس سال کی مسافت سے بھی محسوس ہوگی۔

دوسری روایت میں ہے کہ جس نے کسی معاہد پر ظلم کیا اس کے حقوق میں کمی کی یا اسکی طاقت سے زیادہ اس پر دباؤ ڈالا یا اس کی مرضی کے بغیر اس سے کوئی چیز لی تو قیامت کے دن میں خود اس کے خلاف مستغیث بنوں گا۔[۸۳] تمام علماء غیر مسلموں کے بارے میں متفقہ طور پر لکھتے ہیں

''ويجب كف الذئ و تحريم غيبته كا المسلم''[۸۴]

مسلمان کی طرح غیر مسلم کو تکلیف سے بچانا واجب ہے اور اس کی غیبت اسی طرح حرام ہے جس طرح مسلمانوں کی غیبت۔

یہ وہ تعلیمات ہیں جو رحمتِ دو عالم حضرت محمدﷺ نے انسانیت کو عطا فرمائیں جن پر عمل پیرا ہو کر تمام انسان مذہب و مسلک کے اختلافات کے باوجود اعتدال پسندی اور رواداری کر کے ایک کنبہ کی حیثیت اختیار کر سکتے تھے اور یہ دنیا امن و سلامتی کا گہوارہ بن سکتی ہے

(۲۱) بین الاقوامی سطح پر مذہبی انتہا پسندی کی وجوہات اور ان کا حل:

عالمی سطح پر سرد جنگ کے خاتمے اور دنیا پر امریکہ کا واحد سپریم پاور بننے کے بعد اس کے مفکرین نے دنیا کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ اب دنیا کے لئے صرف مغربی لادینی سرمایہ دارانہ جمہوری نظام (Western secular capitalistic democratic system) ہی بہترین نظام ہے اسے فرانسس فوکایاما نے[۸۵] (The end of history) تاریخ کے نام دیا لیکن دوسری طرف جب انہوں نے دیکھا کہ اسلام امریکہ اور دیگر یورپی ممالک میں تیزی سے پھیل رہا ہے اور اسلامی ممالک میں نفاذِ اسلام کی تحریکیں زور پکڑ رہی ہیں تب انہیں اسلام سے خطرہ محسوس ہوا اور مغربی دانشوروں نے ایک شوشا چھوڑا کہ مغربی تہذیب کو سوشلزم وغیرہ سے تو خطرہ نہیں رہا لیکن ایک تہذیب ایسی ہے جو مستقبل میں اس کے لئے خطرہ ثابت ہو سکتی ہے اور وہ ہے اسلامی تہذیب۔

حالانکہ اسلام یا اسلامی تہذیب ان کے لئے خطرہ نہیں بلکہ ان کا اپنا دیا ہوا غلط استحصالی نظام مستقبل کے لئے خطرہ ہے جس کی وجہ سے اس وقت بھی پوری دنیا معاشی بدحالی اور اختلاقی بے راہ روی کا شکار ہے جو کہ لازمی طور پر بدامنی اور فسادنی

الارض کا باعث ہے جس کی وجوہات درج ذیل ہیں۔

☆ مغربی سرمایہ دارانہ استحصالی نظام کی بدولت اس وقت دنیا میں ایک ارب تیس کروڑ افراد ایسے ہیں جن کو روزانہ ایک ڈالر سے کم میں گزارا کرنا پڑتا ہے اور روزانہ ۳۵ ہزار افراد غذا کی کمی اور قابل علاج بیماریوں کے ہاتھوں دم توڑ دیتے ہیں۔[۸۶] اقوام متحدہ کی رپورٹ کے مطابق اس وقت ۲۰ فیصد امیر ترین افراد دنیا کی تجارت، سرمایہ کاری اور بچتوں کے عامل ہیں۔[۸۷]

☆ یہ کہ مغرب نے دنیا کے تمام ممالک بشمول اسلامی ممالک میں بے جا مداخلت کر کے ان کے معاشی اور معدنی وسائل پر قبضہ کیا ہے اور عالمی اقتصادی پالیسیوں کو آئی ایم ایف (I.M.F) ورلڈ بنک اور ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن کے ذریعے اپنے کنٹرول میں لیا اور عرب ممالک کے تیل اور دولت پر ناجائز قبضہ کیا۔

☆ کویت اور سعودی عرب کی حفاظت کے بہانے اپنے ہزاروں فوجیوں کو عرب کی سرزمین پر رہنے کا جواز فراہم کیا۔

☆ یہ کہ مشرق وسطیٰ میں اسرائیل کا ناسور پیدا کر کے مسلمانوں کے لئے ایک مستقل خطرہ کھڑا کر دیا اور پھر اپنے دوہرے معیار کے تحت اسرائیل وغیرہ کے لئے انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں اور اقوام متحدہ کی قرار دادوں کے علی الرغم مراعات جاری رکھیں[۸۸] جب کہ اسلامی ممالک میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے نام پر مداخلت کی اور ظالمانہ پابندیاں لگا کر اپنے خلاف نفرت اور غصے کے جذبات پیدا کئے۔ امریکہ کے عراق اور افغانستان پر حملوں نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور اپنے خلاف رائے عامہ کو مزید ہموار کیا۔

☆ مغربی میڈیا اور اس کے دانشوروں نے مسلمانوں کو اشتعال انگیز ناموں بنیاد پرست (Fundamentalist)، دہشت گرد (Terrorist)، جنونی (Fanatics)، انتہا پسند (Extremist) وغیرہ سے منسوب کر کے اپنے خلاف مسلمانوں کے غصے کی لہر میں مزید اضافہ کیا۔[۸۹]

☆ اس طرح امریکی کانگرس نے ''مذہبی مواخذے سے آزادی'' کے نام سے ایک بل منظور کر کے امریکی صدر کو دیگر ممالک میں بے جا مداخلت کا جواز فراہم کرنے کی کوشش کی۔ نتیجتاً ۷۷ ممالک میں مذہبی آزادی کی نگرانی اور اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے نام پر مداخلت شروع کر دی۔[۹۰] جب کہ امریکہ میں انسانی حقوق کا حال تمام دنیا سے بدتر ہے[۹۱] اور جرائم کی شرح تمام ممالک سے زیادہ ہے۔

ان تمام ناانصافیوں اور غلط پالیسیوں کی وجہ سے غریب اقوام اور مسلمانوں کے اندر مغرب کے خلاف غصے اور نفرت کے جذبات پیدا ہوں اور انتہا پسندی کا شکار ہو کر چند انتہائی اقدامات کے مرتکب ہوں تو ذمہ دار مغرب کا استحصالی نظام ہے نہ کہ غریب عوام اور مسلمان (اگرچہ اسلام ردعمل کی صورت میں بھی بے گناہ انسانوں کے قتل عام کی اجازت نہیں دیتا)۔

ان تمام حقائق کی روشنی میں ضرورت اس امر کی ہے کہ امریکہ اور دیگر مغربی اقوام اسلام کے امن وسلامتی والے نظام کو خطرہ کی بجائے سمجھنے کی کوشش کریں اور دنیا میں جو مذہبی انتہا پسندی کا واویلا ہے اس کی اصل تہہ تک پہنچ کر اسے دور کرنے کی

کوشش کریں اور جیسے اسلام نے اپنے ہزار سالہ دور اقتدار میں تمام مذاہب کے ساتھ اعتدال و رواداری کا سلوک کیا اسی طرح آج مغرب کو اسلام اور دیگر مذاہب اور تہذیبوں کو برداشت کرنے کی ضرورت ہے[۹۲]

آج امت مسلمہ کو اپنی صفوں میں اتحاد و اتفاق پیدا کرتے ہوئے تعلیمات نبویؐ پر عمل کرتے ہوئے یہ ثابت کرنا ہوگا کہ اسلام میں مذہبی انتہا پسندی کی کوئی گنجائش نہیں اور اسلام کے متعلق مغرب کے پھیلائے ہوئے شکوک و شبہات کا رد بھی ضروری ہے۔ مواصلاتی انقلاب اور دیگر جدید سہولتوں نے تمام دنیا کو ایسی بستی (Global village) کی شکل دے کر اس کام کو مزید آسان بنا دیا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلمان ایمان و تقویٰ اور اعتدال رواداری کی صفات سے آراستہ ہو کر تمام دنیا کے سامنے عملی طور پر اسلام پیش کریں۔

اللہ رب العزت تمام مسلمانوں کو مذہبی انتہا پسندی کی لعنت سے بچا کر آقائی کریم رحمت دو عالم ﷺ کی امن و آشتی سے مزین تعلیمات اعتدال پسندی اور رواداری کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

تمت بحمد اللہ

هذا هوا المرام .... واللہ اعلم بحقیقةِ الکلامُ

وصلی اللہ علی النبیّ الکریم و علیٰ آلہ وَاصحابہ اجمعین

حوالہ جات

۱۔ Ramsey Clark Impaect International (Vol,25, No 9, Sep, 995) بحوالہ ماہنامہ میثاق اکتوبر ۱۹۹۸ء مدیر ڈاکٹر اسرار احمد، مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور صفحہ ۵۸

۲۔ ایضاً صفحہ ۵۹

۳۔ از ہر منیر۔ بنیاد پرستی کیا ہے؟ اظہار سنز اردو بازار لاہور، صفحہ ۱۶

۴۔ از ہر منیر۔ بنیاد پرستی کیا ہے؟ اظہار سنز اردو بازار لاہور، صفحہ ۴

۵)۔ از ہر منیر۔ بنیاد پرستی کیا ہے؟ اظہار سنز اردو بازار لاہور، صفحہ ۱۸،۱۷

۶۔ Ruch, F.L Psychology and Life (Scott, Foresman and company, New York) p.680

۷۔ Psychology of Racial Conflict, p.674

۸۔ Psychology and Life by Zambardo 9th edition 1975, p. 624

۹۔ پروفیسر خورشید احمد۔ اسلامی نظریہ حیات۔ صفحہ نمبر ۱۰۱،۱۰۲

۱۰۔ رحمان مذنب۔ تہذیب وتمدن اور اسلام۔ ۱۹۹۳ء صفحہ ۳۹۱

۱۱۔ رحمان مذنب۔ تہذیب وتمدن اور اسلام۔ ۱۹۹۳ء صفحہ ۳۹۰

۱۲۔ مسند احمد بحوالہ سیرت النبیؐ۔ شبلی نعمانی وسید سلیمان ندوی مکتبہ مدنیہ لاہور ج ۲ ص ۹۳ (۱۳) بخاری شریف بحوالہ سیرت النبیؐ ج ۲ ص ۱۶۱

۱۴۔ الحدیث بحوالہ اسلامی ثقافت۔ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر

۱۵۔ روزنامہ مشرق ۱۴ مارچ ۱۹۹۹ء مضمون ''امریکہ میں انسانی حقوق کی حالت زار'' مشرق سروس

۱۶۔ روزنامہ نوائے وقت ۲۲ مارچ ۱۹۹۹ء مضمون ''حقوق انسانی کا تحفظ اور امریکہ'' محمد آصف شیخ

۱۷۔ ابوداؤد بحوالہ اربعین نووی مؤلفہ امام یحیٰ شرف الدین النووی۔ نعمانی کتب خانہ اردو بازار لاہور

۱۸۔ ابن ماجہ بحوالہ نمبر ۱۴

۱۹۔ حم السجدہ نمبر ۳۴۔۳۵

۲۰۔ الرعد نمبر ۲۲

۲۱۔ ابن کثیر جلد نمبر ۴ صفحہ نمبر ۱۰۱۔ قدیمی کتب خانہ اردو بازار کراچی

۲۲۔ مشکوٰۃ الجزء الثانی صفحہ ۴۴۸ بحوالہ کاروان حیات۔ مولانا وحید الدین خان فضلی سنز لمیٹڈ اردو بازار کراچی صفحہ نمبر ۱۸۵

۲۳۔ الحدیث بحوالہ معارف القرآن مولانا مفتی محمد شفیع مکتبہ دارالعلوم کورنگی کراچی جلد نمبر ۲ صفحہ نمبر ۱۹۰

۲۴۔ مولانا مجیب اللہ ندوی۔ اسلام کے بین الاقوامی اصول وتصورات۔ مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور ۱۹۹۰ء صفحہ ۶۴

۲۵۔ ایضاً

۲۶۔ سارے واقعات کی تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو سیرت النبیؐ شبلی نعمانی جلد نمبر ۴

۲۷۔ آل عمران ۱۵۹

۲۸۔ مشکوٰۃ المصابیح الجزء الثالث بحوالہ کاروان ملت صفحہ نمبر ۱۵۹

۹۲۔ ترمذی بحوالہ سیرت النبیؐ جلد نمبر ۴ صفحہ ۲۳۷

۳۰۔ آل عمران ۱۳۴

۳۱۔ الشوریٰ ۳۷

۳۲۔ بخاری شریف بحوالہ اربعین نووی صفحہ ۱۱۴س

۳۳۔ بخاری ومسلم بحوالہ اربعین نووی صفحہ ۱۱۵

۳۴۔ الحدیث

۳۵۔ بیہقی بحوالہ مظاہر حق

۳۶۔ اربعین نووی صفحہ ۱۱۷

۳۷۔ قاضی سلیمان منصور پوری۔ رحمتہ اللعالمینؐ۔ پروگریسو بک سینٹر اردو بازار لاہور جلد ۳ صفحہ نمبر ۳۴۱

۳۸۔ موافقات شاطبیؒ جلد ۴ صفحہ نمبر ۲۲

۳۹۔ العلاقات الدولتہ صفحہ ۵۱ بحوالہ بالا صفحہ ۱۴۸

۴۰۔ مفہوم قرآنی آیات سورۃ الحج ۳۹۔۴۰

۴۱۔ ایضاً

۴۲۔ سیرت النبیؐ جلد ا صفحہ ۳۴۰ اور الجہاد فی الاسلام مصنف مولانا مودودیؒ صفحہ ۲۴۴ اور ۱۲۴

۴۳۔ قاضی سلیمان منصور پوری، اسوہ حسنہ، مسلم پبلی کیشنز اردو بازار لاہور صفحہ ۳۶

۴۴۔ ماہ نامہ تدریس القرآن اگست ۹۸ء صفحہ ۵ زیر نگرانی جمعیت تعلیم القرآن (ٹرسٹ) عالمگیر روڈ کراچی (علامہ ابن قیم کی کتاب اعلام الموقعین کے حوالہ سے یہ بات لکھی ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے درمیان ۱۰۰ مسائل میں اختلاف تھا)۔

۴۵۔ جامع العلم جلد ۲ صفحہ ۸۴ بحوالہ وحدت امت مصنفہ مفتی محمد شفیع مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور ۱۹۸۰ء صفحہ ۱۷

۴۶۔ ایضاً

۴۷۔ مولانا سرفراز خان صفدر۔ تبلیغ اسلام۔ مکتبہ صفدریہ نزد نصرت العلوم گوجرانوالہ ۱۹۹۴ء صفحہ ۴۹

۴۸۔ مفتی محمد شفیع۔ معارف القرآن جلد ۲ صفحہ ۱۴۴

۴۹۔ ایضاً

۵۰۔ یہ قول مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ہے جو کہ دراسات اسلامیہ (قاضی مجیب الرحمٰن) سے لیا گیا ہے

۵۱۔ المائدہ نمبر ۸

۵۲۔ دوسروں پر تنقید کے حوالہ سے احتیاط و تثبت کے لئے ملاحظہ ہو جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی کتاب۔ میرے والد میرے شیخ اور ان کا مزاج و مزاق۔ صفحات ۱۱۳ تا ۱۳۴ ادارۃ المعارف کراچی نمبر ۱۴

۵۳۔ باہمی تکفیر کے سلسلے میں مزید تفصیل ملاحظہ ہو مولانا محمد تحسین کا کتابچہ۔ مسئلہ ایمان و کفر قرآن و حدیث کی روشنی میں۔ صفحہ ۶۷ تا ۱۲۷ تنظیم اسلامی پاکستان لاہور ۱۹۹۷ء

۵۴۔ سنن ابی داؤد جلد ا صفحہ ۳۴۳ بحوالہ نمبر ۵۳ صفحہ ۷

۵۵۔ صحیح بخاری بحوالہ تفہیمات حصہ دوم۔ مولانا مودودیؒ اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور ۱۹۸۱ء صفحہ ۱۸۱

۵۶۔ ایضاً

۵۷۔ صحیح مسلم بحوالہ مذکورہ بالا

۵۸۔ صحیح بخاری بحوالہ مذکورہ بالا

۵۹۔ شرح عقائد نسفیہ بحوالہ جواہر الفقہ، مفتی محمد شفیع صاحب ادارۃ المعارف کراچی نمبر ۱۴ جلد نمبر ا صفحہ ۳۰

۶۰۔ جواہر الفقہ جلد ا صفحہ ۳۱

۶۱۔ ایضاً صفحہ ۳۳

۶۲۔ ایضاً صفحہ ۶۳

۶۳۔ مولانا مودودیؒ۔ تفہیمات حصہ دوئم صفحہ ۱۸۱ تا ۱۸۲

۶۴۔ امت مسلمہ میں فتنہ و انتشار پھیلانے پر اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے عذاب کی وعیدوں کیلئے ملاحظہ ہو ڈاکٹر اسرار احمد کی کتاب۔ امت مسلمہ کیلئے سہ نکاتی لائحہ عمل۔ میں طبع شدہ تقریر حضرت مولانا محمد یوسفؒ (حضرت جی) بن مولانا محمد الیاسؒ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۶۵۔ المدینہ و الاسلام بحوالہ انعام یافتہ مضامین وزارت مذہبی امور ۱۹۸۷ء صفحہ نمبر ۴۱

۶۶۔ البقرہ ۲۵۶

۶۷۔ الکہف ۲۹

۶۸۔ آل عمران ۲۴

۶۹۔ الحج ۲۷

۷۰۔ الانعام ۱۰۸

۷۱۔ الشوریٰ ۴۸

۷۲۔ الشوریٰ ۶

۷۳۔ سورۃ ق ۴۵

۷۴۔ الغاشیہ ۲۲

۷۵۔ یونس ۹۹

۷۶۔ کتاب الخراج امام ابو یوسف" صفحہ ۱۴۳ بحوالہ اسلام اور جدید دور کے مسائل مولانا تقی امینی صفحہ نمبر ۳۳۵

۷۷۔ ایضاً

۷۸۔ ایضاً

۷۹۔ رد المختار جلد نمبر ۳ صفحہ نمبر ۲۷۳ بحوالہ اسلامی ریاست میں ذمیوں کے حقوق۔ مولانا مودودی صفحہ ۱۶

۸۰۔ عہد نبویؐ کا نظام حکمرانی۔ بحوالہ اسلام اور جدید دور کے مسائل صفحہ ۳۳۷

۸۱۔ مجیب اللہ ندوی۔ اسلام کے بین الاقوامی اصول و تصورات صفحہ ۱۲۰

۸۲۔ الحدیث تفسیر ابن کثیر جلد دوئم صفحہ ۱۹۳

۸۳۔ ابو داؤد کتاب الجہاد بحوالہ الجہاد فی الاسلام مولانا مودودیؒ ادارہ ترجمان القرآن لاہور صفحہ ۲۷۶

۸۴۔ بحوالہ الجہاد فی الاسلام صفحہ ۲۸۶

۸۵۔ بحوالہ نکسن کی کتاب ورائے امن ۱۹۹۱ء

۸۶۔ تہذیبوں کا ٹکراؤ و تصادم امریکی مبصر Samoel P Huntington ۱۹۹۳

۸۷۔ Esposito John,L The Islamic Threat Myth or Reality Oxford Univeristy Press New Yark 1992.p.175

۸۸۔ Esposito, The Islamic Threat Myth or Reality , P . 196

۸۹۔ Ibid

۹۰۔ ملاحظہ ہو سہ ماہی الشریعہ ایڈیٹر مولانا زاہد الراشدی صاحب مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ اکتوبر ۱۹۹۸ صفحہ نمبر ۴۷

۹۱۔ ملاحظہ ہو حوالہ نمبر ۱۵ و ۱۶

۹۲۔ Press Review Feb, 96,p.47

دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اس کا خاتمہ تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

محمد رضا تیمور وہاڑی

علوم وفنون کی بیش بہا ترقی نے انسان کے مختلف چیزوں کے بارے میں رویوں کو بہت متاثر کیا ہے۔ خاص طور پر معاشرتی علوم میں بے انتہا غور وخوض نے انسانی رویوں کو کسی ایک جہت میں پہنچنے کو انتہائی پیچیدہ عمل بنا دیا ہے۔ معاملہ تاریخ، سیاسیات اور قانون وغیرہ تک محدود ہوتا تو شاید کوئی خاص سنگین صورت حال جنم نہ لیتی کیونکہ یہ وہ علوم ہیں جن سے ہم روزمرہ کے معاملات کو طے کرتے ہیں اور یہ ایسی چیزیں ہیں جو کسی ملک یا قوم کو ایک مشترکہ پلیٹ فارم مہیا کرتی ہیں لیکن ان میں سے ہر علم کے پیچھے اس کا فلسفہ اور اس سے متعلق انسانی نفسیات ایسے پوشیدہ حقائق ہیں جن کا معاملہ کسی دو آدمیوں کے متعلق بھی یکساں ہونا محال ہے۔ اس سلسلہ میں کسی بھی انسان کا ماحول، خاص طور پر اس کے رویوں کی شکل پذیری میں بہت زیادہ اثر انداز ہوتا ہے۔ انہی رویوں میں سے ہم نے مذہبی انتہا پسندی کا جائزہ لینا ہے اور پھر ان تعلیمات کی روشنی میں، جنہیں ہم انسانیت کی فلاح کا ضامن سمجھتے ہیں اس کے حل کے لئے سفارشات بھی مرتب کرنی ہیں۔ بحث کا آغاز ہم انتہا پسندی کے فلسفہ سے کرتے ہیں۔

انسانی رویوں میں انتہا پسندی کا دائرہ عمل:

انتہا پسندی (Extremism) نام ہے احساسات، معاملات، نظریات، شخصیات یا اثرات میں اعتدال کی راہ سے ہٹ کر کسی ایک انتہا کو اختیار کر لینے کا اور اس سے بہتر کسی قسم کے امکان یا وقوع کو تسلیم نہ کرنے کا۔[1] یاد رہے کہ اگر کوئی ٹھوس بنیاد پر بہتری کے صرف امکان کو تسلیم نہ کرے تو اسے انتہا پسندی نہیں کہیں گے۔ اس کا دائرہ عمل انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں تک محیط ہے۔ سیاست، مذہب، معاشرت الغرض زندگی کے تمام معاملات میں ہم انتہا پسندی کا مختلف صورتوں میں مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ اس کی بنیادوں کو تین اہم فکروں میں تلاش کیا جا سکتا ہے۔ ان میں سے ایک فکر انسان کے ملکیتی جذبے سے متعلق ہے یعنی دنیا کا سرمایہ دارانہ نظام۔ فلاں زمین میری ہے فلاں کارخانہ میرا ہے اور ان سے وابستہ لوگ، اس حوالے سے، میری مرضی کے پابند ہیں۔ ملکیت چند روپوں کی ہو یا کسی بڑی فیکٹری کی، سب کو یہ سوچ دامن گیر ہوتی ہے۔ دوسری فکر نسلی تفاخر سے متعلق ہے۔ ذاتوں اور قبیلوں کا ایک دوسرے پر برتری جتانا اور پہلی فکر کی طرح معاشرے کے تمام طبقات میں پائی جاتی ہے اور تیسری فکر انسان کی روحانیت سے متعلق ہے یعنی مذہب۔ جب انسان اپنی پہچان کسی خاص عقیدہ (Dogma) سے وابستہ کر دیتا ہے تو اس سے وابستہ رہنا اور دوسروں کو اس سے وابستہ کرنا اس کی بہت بڑی خواہش بن جاتی ہے اور اس سلسلہ میں وہ دوسروں کے عقائد و نظریات کو ذرہ بھر بھی برداشت کرنے کو تیار نہیں ہوتا۔ باقی دو فکروں کی طرح یہ بھی معاشرے کے تمام طبقوں کے لئے یکساں

ہے۔ آخری دو فکروں سے شخصیت پرستی جنم لیتی ہے جو معاشرے کے کم ذات اور بے عمل لوگوں کا بہت بڑا سہارا ثابت ہوتی ہے۔ یہ تینوں فکریں مل کر سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے راہ ہموار کرتی ہیں اور اس طرح سے دنیا کی مختلف قومیتیں ملکیتی اور مذہبی استحقاق (Monopoly) کو بنیاد بنا کر ایک دوسرے سے دست و گریباں نظر آتی ہیں۔ مختصر یہ کہ انتہا پسندی کا دائرہ عمل زندگی کے تمام پہلوؤں اور معاشرے کے تمام طبقوں پر محیط ہے۔

انسانی رویوں میں مذہب کا دائرہ عمل:

مذہب انسان کی روحانی تربیت کا سامان پیدا کرتا ہے اس لئے کہ وہ اپنے روزمرہ کے معاملات میں اعتدال اور خوبی کی راہ کو اپنائے تاکہ اس کے ہاتھ کسی دوسرے کا استحصال نہ ہو سکے اور معاشرے میں امن اور سکون قائم رہے۔ اس لحاظ سے انسانی زندگی پر مذہب کا دائرہ عمل بھی بہت وسیع ہے لیکن صرف فکری حوالے سے کیونکہ ہر شخص یہ دعویٰ تو ضرور کرتا ہے کہ وہ فلاں مذہب کا پیروکار ہے لیکن جہالت یا ہٹ دھرمی کے باعث عملی طور پر وہ اس دعویٰ سے تہی دامن نظر آتا ہے۔ اگر وہ اپنے اس دعویٰ کا کچھ پاس رکھتا بھی ہو تو پھر بھی اس کا عمل چند عبادات سے بمشکل ہی آگے بڑھ پاتا ہے تقریباً ہر دور میں معاشرے کی اکثریت ہمیں اسی چیز کا شکار نظر آتی ہے جو کہ مذہب کا مقصود نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مذہب معاشرتی زندگی کے احکامات میں معاشرے کے استحقاقی گروہ (Monopolists) کے مفادات کی ضمانت فراہم نہیں کرتا بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے کہ معاشرے کے استحقاقی گروہ اپنے وجود کو خطرہ محسوس کرتے ہوئے مختلف حیلوں اور تاویلوں سے مذہب کی عملی شکل کو نمودار ہونے سے روکے رکھتے ہیں۔ گو اسلام کے متعلق ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ اس کی تعلیمات قیامت تک کے لئے راہ ہدایت ہیں لیکن اپنی حقیقی روح کے ساتھ اسلام کی عملی شکل کا مظاہرہ ہمیں صرف خیر القرون کے مختصر سے دور میں ہی دکھائی دیتا ہے۔ اس سے قبل اور اس کے بعد سے لے کر اب تک مذہب، معاشرے کی غالب اکثریت کے بیشتر معاملات میں، اپنی عملی شکل میں مفقود نظر آتا ہے۔

مذہب اور انتہا پسندی:

ایسا تو ہرگز نہیں کہ کسی مذہب کی اصل تعلیمات انتہا پسندی کا درس دیتی ہوں بلکہ ہر مذہب اکثر و بیشتر رواداری اور اعتدال کی راہ سجھاتا ہے۔ یاد رہے کہ یہ بات ہم مذہب کے اخلاقی پہلو کے حوالے سے کر رہے ہیں، نہ کہ اعتقادی پہلو کے حوالے سے کیونکہ انتہا پسندی کا معاملہ اخلاقیات کے زمرے میں آتا ہے۔ ہم بیان کر رہے تھے کہ مذہب انتہا پسندی کی تعلیم نہیں دیتا لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ انسانی تاریخ میں انتہا پسندی کی سب سے مضبوط بنیاد مذہب ہی ٹھہرا۔ سادہ لفظوں میں یہ کہہ لیں کہ مذہب کی آڑ میں انتہا پسندی کے رویوں کو پھلنے پھولنے میں کافی مدد ملی۔ کسی علاقہ پر قبضہ کو آسان بنانے کا سب سے موثر حربہ یہی نظر آتا ہے کہ وہاں کے مخالف مذہب لوگوں کو نشانہ بنایا جائے، انہیں قتل یا جلاوطن کر کے ان کی افرادی قوت کو کم کیا جائے اور وہاں اپنے ہم مذہب لوگوں کو بسایا جائے حالانکہ مختلف مذاہب کے پیروکاروں کے درمیان نمایاں فرق عقائد اور عبادات کا ہوتا ہے جبکہ ان کے روزمرہ کے معمولات تقریباً ایک ہی ڈگر پر چل رہے ہوتے ہیں۔ اسلام کی ابتدائی ڈیڑھ دو صدیوں کو بڑی حد

تک اس تجزیہ سے مستثنیٰ قرار دیا جاسکتا ہے اور اس کے بعد سے تو مسلمان بھی اسی شمار میں آتے ہیں اور گذشتہ دو صدیوں کا معاملہ تو بدترین صورتحال میں شمار ہوتا ہے۔

مذہبی انتہا پسندی کے حوالے سے نکتہ جو ہم واضح کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ باوجود اس امر کے کہ مختلف مذاہب کے لوگ اپنے اعمال میں یکساں نظر آتے ہیں لیکن ایک دوسرے سے لڑنے کے لئے وہ اکثر و بیشتر مذہب کو ہی بیچ میں لیکر آتے ہیں۔ اس افتراق کو کم کرنے کے لئے یورپ نے بظاہر مذہب کو چھوڑ کر قومیت (Nationalism) کو قوموں کی پہچان بنایا، جو کہ انتہا پسندی کا ہی ایک مظہر ہے لیکن مذہبی انتہا پسندی سے وہ پھر بھی اپنا دامن نہ چھڑا سکے۔ مشرقی تیمور میں، جغرافیہ ایک ہونے کے باوجود، عیسائی ریاست کا قیام اس بات کا ایک بین ثبوت ہے۔ علاوہ ازیں سیکولرازم کا دعویدار امریکہ جب ''دہشت گردی'' کے خلاف جنگ کا آغاز کرتا ہے تو اس کا صدر بے اختیار اپنے بیان میں ہزار سال پرانے کروسیڈز کا ذکر چھیڑ بیٹھتا ہے۔[۲]

اس مسئلہ کی نفسیات یہ ہے کہ اپنے سیاسی مفادات کی جنگ پر جب کوئی مذہب کا لیبل لگا لیتا ہے تو وہ اپنے ہم مذہبوں کی زیادہ سے زیادہ حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے کیونکہ عوام کو مذہبی جوش بہت جلد چڑھ جاتا ہے اور جب انہیں ہوش آتا ہے تو خواص اپنا کام کر چکے ہوتے ہیں۔ ۴۷ء میں سکھوں کی انتہا پسندی کا محرک یہی کچھ تھا۔

مذہبی انتہا پسندی کے اسباب:

مذہب کے نام کو مفادات کے حصول کے لئے استعمال کرنا بلاوجہ نہیں بلکہ مذہبی انتہا پسندی کے اسباب بذات خود مذہب کے اندر سے بھی برآمد ہوتے ہیں، جسے ہم مذہب کی معنوی تحریف کا نتیجہ بھی قرار دے سکتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں کسی بھی مذہب کا حقیقی پیغام چند نسلوں تک ہی محدود نظر آیا ہے۔ اس کے بعد اس پیغام کی تبلیغ پر چند لوگوں کا استحقاق قائم ہو جاتا ہے اور وہ اس کی تشریح و تفسیر کے ذمہ دار تسلیم کر لئے جاتے ہیں جبکہ معاشرے کی اکثریت اپنے عمل میں اس استحقاقی گروہ کی تقلید اختیار کر لیتی ہے۔ جب یہ تقلید ایک لمبے عرصہ تک کسی معاشرہ میں کارفرما رہتی ہے تو مذہب، رسم و رواج کا مجموعہ نظر آنے لگتا ہے جس میں خود ساختہ رسومات بھی آسانی سے راہ پا لیتی ہیں اور انہیں بھی مذہب کا حصہ تصور کیا جانے لگتا ہے۔ ان لگے بندھے اصولوں کی پیروی معاشرے کے غالب طبقے کے بہترین مفاد میں ہوتی ہے اس لئے وہ اس رواجی نظام کے خلاف کسی قسم کی مزاحمت کو پسند نہیں کرتے اور یہی رویہ مذہبی انتہا پسندی کے مظہر کے طور پر سامنے آتا ہے۔

اسلام کا معاملہ اس لحاظ سے مختلف ہے کہ اس کا کوئی کلیسا نہیں اور اسے اپنے پیروؤں کو انتہا پسندی سے دور رکھنے کے لئے آخری انحصار انہی کی رائے عامہ پر کرنا پڑتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اسلام نے تحصیل علم کو ہر کس و ناکس کے لئے ضروری قرار دیا ہے۔[۳] تاکہ کوئی استحقاقی گروہ انہیں کسی انتہا کی طرف ہانک کر نہ لے جا سکے گو اصول و قواعد کا اصل منبع قرآن و حدیث ہی ہیں لیکن ان کے مطالب کو رائے عامہ پر جیسے پیش کیا جائے گا وہ انہیں اسی طرح سے اپنائیں گے۔

اس بحث کو ہم اب قرآن و حدیث کے حوالے سے سمجھتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں غور وخوض کرنے پر بہت زور دیا ہے۔ قرآن کو بار بار پڑھتے رہنے کی ایک بڑی مصلحت یہ ہے کہ اس پر غور وخوض جاری رکھا جائے جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اس میں بے شمار امکانات ہیں جس سے انسان علمی مسائل اخذ کر سکتا ہے۔ جیسا کہ بیان ہوا:

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ط وَ كَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ۝ (الکہف۔۵۴)

اس بات میں تو کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تعلیمات وقوعی ہیں لیکن مذکورہ آیت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے بڑے لطیف پیرائے میں اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ تعلیمات الٰہیہ میں اتنی وسعت ہے کہ اس سے ہر زمانہ اور ہر جگہ کے لئے سفارشات کو اخذ کیا جا سکتا ہے اور اس طرح سے اس رویے کی مذمت کی گئی ہے جس کے زیر اثر افراد کسی رائے کے وقوع سے اس قدر تمسک اختیار کر لیتے ہیں کہ اس سے بہتر رائے کے نہ صرف امکان کو رد کر دیا جاتا ہے بلکہ ایسی امکانی رائے کے وقوع پر اس کی مخالفت بھی کی جاتی ہے اور اسی باعث انسان کو جھگڑالو قرار دیا گیا اور وہ اکثر چیزوں میں جھگڑا کرتا نظر آتا ہے اور جھگڑالو پن انتہا پسندی کا ہی ایک مظہر ہے۔

انہی امکانی تعلیمات کے استنباط کیلئے شریعت نے فقہ کی راہ سجھائی ہے۔ شریعت کے باقی احکامات کی طرح یہ حکم بھی ہر زمانہ کے لئے ہے تاکہ ہر زمانہ کے مسائل کے مطابق قرآن وحدیث سے احکام کا استنباط کیا جا سکے لیکن المیہ یہ بنا کہ مسلمان اسلام کے اس اصول سے کماحقہ مستفید نہ ہو سکے اور خیر القرون کے زمانہ کے بعد مسلم دنیا کی غالب اکثریت نے فقہ کے عمل کو جاری رکھنے سے ہاتھ کھینچ لیا۔

تابعین کرام نے جس طرح سے فقہ کے عمل کو مسلسل بنانے کا حق ادا کیا اس کا اندازہ اس امر سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ کہ امام ابوحنیفہ کے شاگردوں میں سے قاضی ابو یوسف اور امام محمد الشیبانی نے اپنے استاد سے دو تہائی مسائل پر اختلاف کیا ہے [۴] جس کا واضح مطلب یہ ہوا کہ صرف ایک نسل کے شریعت میں غور وخوض نے امام ابوحنیفہ جیسے مجتہد کے استنباطی مسائل کی حیثیت کو چیلنج کر دیا تھا لیکن اس کے بعد مسلمانوں میں تقلید کی روش نے مسئلہ کو اتنا گھمبیر کر دیا کہ بجائے اس کے کہ وہ براہ راست قرآن وحدیث سے مسائل کے احکامات کو اخذ کرتے انہوں نے انہی ماخوذ مجموعوں پر ہمیشہ کیلئے اکتفا کر لیا جو اپنے استنباط ہونے کے ایک نسل بعد ہی اپنی اہمیت کھو بیٹھے تھے۔ [۵] اور آج ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کی فقہ کو سینکڑوں سالوں سے صرف چار گھروں تک محدود کر دیا گیا۔ ایسا یقیناً ہوا کہ ائمہ اربعہ سے لے کر اب تک بے شمار علماء نے شریعت کے مسائل کی تشریح وتفسیر کی لیکن ان کا دائرہ یا تو ان چار فکروں کی چاردیواری تک محدود رہا اور اگر کسی نے انہیں پھلانگنے کی کوشش کی تو مسلم دنیا کے تقلیدی مزاج نے ان کی فکر کو ہرگز بھی پنپنے نہ دیا۔ [۶] یہ ہماری فقہ، وہ تمہاری فقہ ہے۔ ہم اپنی فقہ سے ہٹنے کو تیار نہیں چاہے تمہاری فقہ صحیح ہی کیوں نہ ہو تو کیا پھر اس چیز کا اس کے سوا کوئی اور نتیجہ نکل سکتا تھا کہ یہ ہماری مسجد ہے اور وہ تمہاری؟

یہ معاملہ تو مذہبی تعلیمات کا تھا، مسلمانوں کے حکومتی زوال کی بنیادی وجہ بھی یہی تقلیدی روش تھی کیونکہ یہ روش ان حکمرانوں کے حق میں بہت مفید ثابت ہوا کرتی تھی جو اپنے ظلم یا نااہلی سمیت رعایا کے سروں پر مسلط رہنا چاہتے تھے اور ازمنہ

وسطیٰ میں جمعہ کے خطبہ میں حکمرانوں کا نام ایک بہت بڑا مذہبی جواز تھا، اور یہ وہ مذہبی جواز تھا جس کی ہمیں حدیث سے کوئی نظیر ہاتھ نہیں آتی۔[۷]

اس روش کے متوازی ایک مسئلہ اور چل نکلا اور وہ تھا تصوف۔ فقہ کی قائم و دائم سخت شریعت سے نالاں لوگ تصوف کی رواداری میں سکون حاصل کرتے لیکن یہاں انہیں ضعیف الاعتقادی کا عارضہ لاحق ہو جاتا جس سے شریعت کے ظاہری اعمال ان کے لئے کوئی خاص حیثیت نہ رکھتے۔[۸] ضعیف الاعتقادی سے قطع نظر تصوف کی یہ رواداری بھی کوئی صحت مندانہ رجحان پیدا نہ کر سکی اور خانقاہی نظام اپنے اندر ایک سلطنت بن گیا جس میں صوفیانہ نظام کی تقلید نے دنیاوی سلطنت کے تمام عواقب ظاہر کر دیئے۔[۹] نتیجتاً آج صوفیانہ عقائد کے حامل لوگ بھی اپنی فکر میں تقلید کا شکار ہیں اور اپنے نظریات سے ایک بالشت بھی ہٹنے کو تیار نہیں جو کہ انتہا پسندی کا مظہر ہے۔

مذہبی انتہا پسندی......عہد ماضی اور عہد حاضر کا فرق:

ہمارا موضوع ہے ''مذہبی انتہا پسندی کا بڑھتا ہوا رجحان'' اور اس حوالے سے یہ بہت عجیب محسوس ہوتا ہے کہ روشن خیالی کے اس دور میں انتہا پسندی کا کیا امکان ہو سکتا ہے لیکن اس کا تجزیہ کرنے سے ہمیں اس بات سے اتفاق کرنا پڑے گا کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے اس دور میں مذہبی انتہا پسندی ایک خطرناک شکل اختیار کرتی جا رہی ہے۔ اس بحث کو ہم عہد ماضی اور عہد حاضر کے تقابل کی بحث میں سمیٹنے کی کوشش کرتے ہیں۔

عہد قدیم اور ازمنہ وسطیٰ کے بادشاہوں کی جنگیں مذہب کو ساتھ لے کر لڑی جاتی تھیں کیونکہ اپنی رائے عامہ کا مکمل تعاون حاصل کرنے کے لئے یہ ایک موثر حربہ ہوا کرتا تھا۔[۱۰] ازمنہ وسطیٰ کی صلیبی جنگیں اس سلسلہ کی بدترین مثال ہیں۔ جنگ میں فتح کے بعد مخالف قوم یا مخالف مذہب کے لوگوں کی جانوں اور املاک پر تصرف کرنے کے لئے بھی مذہب کو آلہ جواز بنایا جاتا تھا۔ رومیوں اور ساسانیوں کی طویل جنگیں، آریاؤں کا ہندوستان پر تصرف اور مفتوح اقوام کا قتل عام عہد ماضی میں انتہا پسندی کی واضح مثالیں ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ عہد قدیم اور ازمنہ وسطیٰ کی بادشاہت کی سب سے بڑی خصوصیت، اس کا مقدس طاقتوں کی تائید کا دعویدار ہونا تھا [۱۰] اور اس چیز کو حکومتی پروپیگنڈے کے ذریعے باقاعدہ رائے عامہ پر باور کرایا جاتا اور اس چیز میں جو بادشاہ جتنا زیادہ کامیاب رہتا وہ اتنی ہی زیادہ رائے عامہ کی تائید کا مستحق ٹھہرتا۔ ازمنہ وسطیٰ کی مسلم سلطنت بھی اس چیز سے مستثنیٰ نہ تھی۔[۱۱]

عہد قدیم میں دنیا کا ایک خطہ البتہ ایسا ہے جسے مذہبی رواداری کی مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے، وہ ہے ہندوستان کے بدھ مت کا دور عروج۔ محمد بن قاسم کے حملے کے وقت ہندوستان کے معاشرے کی حالت مذہبی رواداری کے حوالے سے اتنی سلجھی ہوئی تھی کہ ایک گھر میں ایک بھائی ہندو تھا تو دوسرا بدھ۔[۱۲] لیکن بدلتے ہوئے حالات میں بدھوں کے اس رواداری کے ساتھ انتہا پسندانہ تمسک کا نتیجہ یہ نکلا کہ بدھ مت کو اپنے پنپنے کی جگہ سے دیس نکالے کا سامنا کرنا پڑا۔

ازمنہ وسطیٰ میں مذہبی انتہا پسندی کے حوالے سے مسلم سلطنت کا مطالعہ بہت دلچسپ ہے۔ اس چیز سے انکار نہیں کہ خیر القرون کے زمانہ کے بعد مسلمانوں نے بھی دین کو سیاسی پشت پناہی کے لئے استعمال کیا لیکن مفتوح قوموں کے حوالے سے تقریباً تمام مسلم حکمرانوں کا معاملہ مذہبی رواداری پر مشتمل تھا۔ سپین میں مسلمانوں نے عیسائیوں کو امن و امان دیا اور ان کا یہی طرز عمل آٹھ صدیوں بعد ان کے لئے وبال جان بن گیا کہ جب سلطنت کی باگ ڈور عیسائیوں کے ہاتھ آئی تو ان کی مذہبی انتہا پسندی نے سپین کی سرزمین پر کسی مسلمان کا زندہ رہنا گوارا نہ کیا۔ سندھ کا معاملہ اس سے بھی زیادہ سلجھا ہوا نظر آتا ہے کہ محمد بن قاسم نے فتح کے بعد تمام انتظام مقامی لوگوں کے ہاتھ میں ہی رہنے دیا۔ [۱۳] اس کا ایک باعث یہ بھی تھا کہ ہندو معاشرہ یورپ کے عیسائیوں کی نسبت مہذب اور کم سرکش تھا۔ ظہیر الدین بابر نے گورانا سنگرام کے ساتھ جنگ کو جہاد کا نام دیا [۱۴] لیکن ہندوستان پر قبضہ کے بعد جب عبدالقدوس گنگوہی نے اسے یہ ہدایت کی کہ ہندوانہ رسومات پر پابندی عائد کر دی جائے تو اس نے اس طرف کوئی توجہ نہ دی حالانکہ عبدالقدوس گنگوہی کے ساتھ بابر کو بہت عقیدت تھی۔ [۱۵] یہ چیز بجا طور پر ان کے دین کی تعلیم تھی جو ایک صحت مندانہ رجحان تھا۔ اسی رجحان کی بدولت حجاج بن یوسف کے اجماع کرانے پر فقہا نے یہ فتویٰ دیا تھا کہ ہندوؤں کو مشابہ اہل کتاب قرار دیا جائے۔ [۱۶] حالانکہ اس کے بعد بھی کئی مواقع پر اور دور حاضر میں بھی ہندوؤں کو قتل کرنے یا لونڈی غلام بنانے کی ہی بات ہوتی رہی ہے جو کہ واضح طور پر ابتداء میں قائم شدہ ایک رائے کی اندھی تقلید کا اثر ہے۔ یہ معاملہ حکومتی حوالے سے تھا، علمی حوالے مسلمان سائنس دانوں نے سائنسی علوم میں جو بیش بہا تحقیقات کیں ان کا سب سے بڑا محرک بھی ان کے دین کی تعلیم تھی کہ کائنات میں زیادہ سے زیادہ غور و فکر کیا جائے لیکن اس دین میں جب تقلید نے جمود پیدا کر دیا تو اس کا اثر ان علوم پر بھی پڑا اور رہی سہی کسر منگولیا اور سپین کے وحشیوں نے پوری کر دی۔ مسلم حکومتوں کے تحت قائم مسلمانوں کی قائم کردہ درس گاہیں ایک لمبے عرصہ تک علم کو روشنی کی طرح پھیلاتی رہیں، اس میں تو کوئی دوسری رائے ہے نہیں لیکن یورپی اقوام کے عروج اور زندگی کے ہر شعبہ میں ان کے جدید طریقوں نے مسلم دنیا کے سینکڑوں سال پہلے کے فرسودہ نظام کے لئے کوئی جگہ باقی نہ چھوڑی اور اس حقیقت کے باوجود بھی مسلم دنیا کے اپنے پرانے نظام سے تمسک کی روش نے انہیں ذلت و پستی کے گہرے گڑھے میں گرا دیا اور وہ ہنوز اس ذلت کو ذلت تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔

عہد حاضر:

یہ عہد ماضی کا ایک مختصر جائزہ تھا اب ہم عہد حاضر کو دیکھتے ہیں۔ عہد حاضر میں مسلم قومیت کو بدستور ذلت کا سامنا ہے۔ غیر مسلم اقوام اگرچہ ہر قسم کے علوم و فنون میں بہت ترقی کر گئی ہیں اور انہوں نے اپنی تہذیب کو باقاعدہ دنیا کے سامنے اجاگر کروایا ہے لیکن مسلمانوں کے ساتھ معاملہ میں ان کو ان کا سیکولرازم دامن گیر نہیں رہتا اور وہ بدستور اسے مذہب کی آنکھ سے ہی دیکھتے ہیں، گو ظاہری طور پر وہ اس کی نفی ہی کریں۔ مشرقی تیمور کا ذکر ہم اس سے پیشتر کر چکے جبکہ مسلم دنیا کے تنازعات اپنے شروع ہونے سے ابتک جوں کے توں قائم ہیں۔ کشمیر، فلسطین، بوسنیا اور چیچنیا اس کی زندہ مثالیں ہیں۔ عہد ماضی کی نسبت اس

مذہبی انتہا پسندی میں شدت اس حوالے سے پائی جاتی ہے کہ اب صرف کسی خطہ زمین پر قبضہ کا مسئلہ نہیں بلکہ مغرب نے جو تہذیب قائم کی ہے جس میں بہت سی خامیاں بھی پائی جاتی ہیں، وہ اسے ساری دنیا پر مسلط کر دینا چاہتے ہیں اور مسلم دنیا کو بڑی حد تک اپنے رنگ میں رنگنے کے باوجود وہ اس سے خائف ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کہیں وہ آفاقی نظام مسلمانوں کے ذہنوں میں سر نہ اٹھالے جس نے چودہ صدیاں قبل چشم زدن میں دنیا کے کونوں کو سمیٹ لیا تھا۔ سوویت یونین نے اس سلسلہ میں اپنی بھرپور کوشش کی کہ کمیونزم کو دنیا پر پھیلا دے لیکن اس میں بھی انتہا پسندی کا جذبہ کارفرما تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ایک انقلابی نظام ہونے کے باوجود کمیونزم ایک مذہب کی شکل اختیار کر گیا۔ ؎ اب وہی کام امریکہ کر رہا ہے۔ یہاں ایک دلچسپ نکتہ کی طرف اشارہ کرتے چلیں کہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مغرب کا سارا ڈر مسلمانوں کو اسی انتہا پسندی کے باعث ہے جو انہوں نے اپنائی ہوئی ہے اور اسی چیز کو مغربی تہذیب اپنی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ خیال کرتی ہے لیکن مسلمانوں کی یہ انتہا پسندی ایک رکاوٹ ہونے کے باوجود کوئی موثر طرز عمل بہر حال نہیں۔

علمی حوالے سے بات کریں تو مغرب کا نظام کافی سلجھا ہوا نظر آتا ہے کہ وہاں علوم کے سلسلے میں اظہار رائے کی مکمل آزادی ہے اور یہی سبب ہے کہ وہاں کسی کو اسلام قبول کرنے میں کسی رکاوٹ کا سامنا نہیں ہے لیکن مسلم دنیا کی حالت اس حوالے سے بہت مایوس کن ہے۔ وہ مسلمان جو کبھی یونانی اور ہندوستانی فلسفہ کو نہ صرف پڑھنے کی اجازت دیتے تھے بلکہ خود اپنی سرپرستی میں ان کے تراجم عربی اور فارسی میں کروایا کرتے تھے آج وہ اپنے علمی نظریہ میں بہت محدود نظر آتے ہیں۔ درس نظامی میں عباسی دور کا فلسفہ اور منطق تو بدستور چلا آ رہا ہے لیکن دور جدید کا فلسفہ کسی طرح بھی قابل قبول نہیں۔ یہ تو مذہبی طبقہ کا حال ہے، سائنس اور ٹیکنالوجی پڑھنے والوں کا حال کچھ اس سے زیادہ بہتر نہیں۔ دین کے علم کو ہم نے اسلامیات لازمی اور جمعہ کے خطبہ تک محدود کر رکھا ہے۔ جدید علوم پڑھنے والے مذہب کی بحث سے جان چھڑانے کے لئے اس سے ویسے ہی کنارہ کش ہو جاتے ہیں اور اپنی مذہبی حالت کو خوشی اور مرگ کی رسومات تک محدود کر دیتے ہیں جبکہ جو کوئی دین کے ساتھ اس سے کچھ بڑھ کر تعلق رکھنے کا خواہاں ہوتا ہے وہ اپنے محدود علم اور اپنے قریبی عالم یا پیر سے ابدی تمسک کی بدولت فرقہ پرستی اور تقلید کے اندھے کنویں میں گر جاتا ہے اور دین اور دنیا کے معیارات کو الگ الگ قائم کئے ہوئے ہے۔ خطرناک صورتحال عقائد کے معاملہ میں بنی ہوئی ہے۔ گو وہ عہد حاضر کے ساتھ مخصوص نہیں لیکن قابل غور اس حوالے سے ہے کہ دور حاضر میں تعلیم کا عام ہونا بھی اس کا سد باب نہ کر سکا جنہیں ہم پڑھے لکھوں میں شمار کرتے ہیں وہ ضعیف الاعتقادی میں بڑی دور کی گمراہی میں پڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔

ان لوگوں سے قطع نظر وہ لوگ جو واقعتاً دین کو خلوص دل سے سمجھنا اور اس پر عمل کرنا چاہتے ہیں وہ بھی کسی نہ کسی طرح سے انتہا پسندی کے المیہ کا شکار ہیں۔ ایسی جماعتیں جو دینی ہونے کو ساتھ ساتھ سیاسی بھی ہیں وہ دین کو اپنی سیاست کے مطابق اختیار کئے ہوئے ہیں جو جماعتیں تبلیغی مقاصد کے لئے قائم ہوئی ہیں وہ ہر مسئلہ کا مداوا تبلیغ میں خیال کرتے ہیں جو جہاد کی جانب راغب ہیں وہ تمام مسائل تلوار سے حل کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں مختلف افراد نے دین کے مختلف کونوں کو

سنبھال کر اسی پر اکتفا کئے بیٹھے ہیں اور کسی متفقہ روش کو قائم کرنے کی کوئی کاوش نظر نہیں آتی۔ عہد ماضی کی نسبت سے یہی ہے وہ شدت کہ لوگ پڑھے لکھے ہیں جدید تعلیم سے آراستہ ہیں، میڈیا کی بدولت دنیا کے حالات سے آگاہ ہیں لیکن اپنے اپنے خول میں رہ کر مسائل کا حل کرنا چاہتے ہیں اور دوسرے سے تعاون کو تیار نہیں۔ اس کا واحد سبب اپنے اپنے مذہبی نظریات سے مقلدانہ تمسک ہے جو انہیں انتہا پسندی کے دائرہ سے باہر نہیں آنے دیتا۔ اس سلسلہ میں شخصیت پسندی کو بہت کچھ دخل ہے۔ لوگ جس شخصیت میں کچھ اچھائی دیکھ کر اس سے تمسک اختیار کر لیتے ہیں اس کی ہر صحیح غلط رائے کو جواز دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

عہد حاضر میں کسی مسئلہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق سفارشات مرتب کرنا ایک احتیاط طلب کام ہے اگر اس میں کسی جگہ ہم حالات و واقعات کے تناظر سے کسی چیز کو نظر انداز کر دیں تو معاملہ شاید انتہا پسندی کی طرف چلا جائے لہٰذا جب ہم مسئلہ ہی انتہا پسندی کا اٹھا رہے ہیں تو اس بابت تو احتیاط کا تقاضا مزید بڑھ جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں ہم اس سے پیشتر بیان کر آئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں بے شمار امکانات رکھے ہیں اور لامحالہ طور پر اس نے ان امکانات کے پیش نظر اپنی تعلیمات میں بھی امکانی صورتیں رکھی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اور تعلیمات میں بھی ہمیں یہ امکانات جابجا نظر آتے ہیں اور دور حاضر کے مسائل کے حل کے لئے ان امکانی صورتوں کی جانب بھی توجہ کرنی پڑے گی۔

حدیث کے مطابق عرش الٰہی پر یہ الفاظ لکھے ہوئے ہیں کہ **رحمتی سبقت غضبی**[۱۸]

جبکہ پیغمبر انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ارشاد ہوا:

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ (الانبیاء۔۱۰۷)

اللہ رب العزت کی یہ رحمت تمام جہانوں کے لئے ہے اور اسی لحاظ سے اسلام کی تعلیمات جہاں عالمگیر ہیں وہاں ابدی بھی۔ اس کے بے شمار دلائل میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اسلام کی تعلیمات جس طرح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عملی نمونہ کے ساتھ مزین ہیں اور اپنی اصل شکل میں ہمارے پاس موجود ہیں اس کی کوئی دوسری نظیر پیش نہیں کی جا سکتی اگرچہ ہمارا ایمان ہے کہ باقی انبیاء کی زندگیاں بھی تعلیمات الٰہیہ کے مطابق ہی ہوں گی لیکن ان کے بہت کم حالات آج دنیا کو معلوم ہیں۔[۱۹] لہٰذا ایسی تعلیمات کا لوگوں کو انتہا پسندی کی طرف راغب کر دینا بعید از امکان ہے۔ بات ہو رہی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت کی تو یہ رحمت جتنی وسیع ہے اسی قدر اس رحمت سے صادر ہونے والی تعلیمات اپنے معنوں اور عمل میں وسعت کی حامل ہیں۔ اسے ہم ایک روایت کے ذریعے سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظہر اور عصر کو اور مغرب اور عشاء کو مدینہ میں بغیر خوف اور بارش کے جمع کیا۔ ابن عباسؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت

کیا کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ امت کو حرج (سختی) نہ ہو۔[۲۰]

امام نوویؒ اس بارے میں رقم طراز ہیں:

یہ سب روایتیں صحیح ہیں اور مسلم میں آ چکی ہیں اور علماء کی اس میں کئی تاویلیں ہیں اور کئی مذہب ہیں اور ترمذی نے اپنی کتاب کے آخر میں کہا ہے کہ میری اس کتاب میں کوئی حدیث ایسی نہیں جس کو ساری امت نے چھوڑ دیا ہو مگر ابن عباسؓ کی حدیث مدینہ میں دو نمازیں جمع کرنے کی بغیر خوف اور بینہ کے اور حدیث قتل شارب خمر کی جو چوتھی مرتبہ شراب پیوے اور ترمذی کا یہ قول کہ جو شارب خمر کے باب میں ہے ٹھیک ہے کہ اجماع کی رو سے وہ منسوخ ہو چکی ہے، رہی ابن عباسؓ کی یہ حدیث، اس کے عمل ترک کرنے پر اجماع نہیں ہوا۔[۲۱]

ہماری مروجہ فقہ میں تو اس چیز کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی گئی کہ اس حدیث پر کچھ بھی غور و فکر کیا جائے لیکن اہل حدیث مکتبہ فکر جو براہ راست حدیث میں غور و فکر کا قائل ہے، ان کا عمل بھی اس پر نظر نہیں آتا۔ اس کا باعث یہ ہے کہ دین کے حوالے سے امت کا مزاج ہی اس طرح کا بن گیا ہے کہ وہ شروع کے محدثین اور فقیہوں کی قائم کردہ آراء سے آگے بڑھ جانا ایک بے جا جسارت تصور کرتے ہیں۔ تقلید کی یہ بحث تو اس سے پیشتر ہو چکی ہم اس حدیث سے حاصل ہونے والی تعلیم پر توجہ دیتے ہیں۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو عمل بیان کیا گیا ہے، اس کے ساتھ واضح طور پر اس کی حکمت بھی بیان کی گئی ہے کہ یہ امت کی آسانی کیلئے ہے۔ اب یہاں تاویل کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے؟ آیئے اب مسئلہ کے حاصل کلام کی طرف کہ کیا آج کے مصروف دور میں، خاص کر ان دنوں میں جب دن کا دورانیہ کم ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ عمل امت کو آسانی فراہم نہیں کر رہا؟ اور اگر اس پر عمل نہیں کرنا ہوتا تو پھر امت پر آسانی کے بیان کے کیا معنی؟

یہ ہے ایک خصوصی مطالعہ اور موضوع کے حوالے سے اس کا مقصود یہ ہے احکامات اور اعمال میں سختی کا تدارک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات میں موجود رخصتوں کو رائج کر کے کیا جا سکتا ہے جیسا کہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دو کاموں میں اختیار دیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے زیادہ آسان کام کو اختیار کیا بشرطیکہ وہ گناہ کا کام نہ ہوتا اگر وہ گناہ کا کام ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے زیادہ اس کام سے دور بھاگنے والے تھے۔[۲۲] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ معاملہ اپنی ذات کے بارے میں تھا جس میں استثنائی صورتیں بھی موجود ہیں جس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا اور آخرت میں سے آخرت کو اپنے لئے پسند فرمایا[۲۳] جبکہ رخصت کا کام دنیا کو پسند کرنا تھا۔ یہی معاملہ نمازوں کے بارے میں تھا کہ جمع صلوٰتین کو اپنے طریقے میں ضرور رکھا لیکن مداومت نماز پنجگانہ پر ہی فرمائی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کی ہر طرح سے رہنمائی کے لئے عزیمت اور رخصت دونوں کو اپنے عمل سے ظاہر کیا لیکن وہ لوگ جو عزیمت اختیار کریں انہیں دوسروں کے لئے آسانی پیدا کرنے کی ہدایت کی گئی لہٰذا اصل مسئلہ سوچ کی انتہا پسندی کا ہے، جب وہ اعتدال پر آئے گی تو معاملات بھی اعتدال پر آئیں گے اور دین کا معاملہ جو آج کل سخت بنا ہوا ہے، وہ

آسان ہو جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں کہ دین کو آسان بنایا گیا ہے اور اس میں مشکل نہیں لہٰذا ارشاد ہوا:

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (الحج۔ ۷۸)

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انتہا پسندی کے عنصر کے خاتمے کے لئے نرمی کے رویوں کے فروغ دینے کی کوشش کی اور شاید اسی لئے یہ بات فرما دی، ''جس چیز میں بھی نرمی ہوتی ہے وہ اسے زینت دار بنا دیتی ہے اور جس سے یہ نکال لی جاتی ہے اسے عیب دار بنا دیتی ہے''۔[۲۴] اور حقیقت میں یہی وہ رویہ ہے جو معاشرے میں حسن پیدا کرتا ہے جبکہ انتہا پسندی سے اصلاح احوال کے ضمن میں کوئی مثبت نتیجہ پیدا نہیں کیا جا سکتا اور اس بات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لفظوں میں پرویا:

بے شک اللہ تعالیٰ نرمی کرنے والا ہے، نرمی کو پسند فرماتا ہے اور نرمی پر جو کچھ وہ عطا فرماتا ہے وہ سختی پر اور اس کے علاوہ کسی چیز پر عطا نہیں فرماتا۔[۲۵]

اور آخر میں وہ روایت ہے جو خاص طور پر مبلغین اور ذمہ داران کے لئے زیادہ اہمیت کی حامل ہے:

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''آسانی کرو، سختی نہ کرو، خوشخبری دو اور نفرت مت دلاؤ۔''[۲۶]

سیاست، معاشرت اور عبادات کے معاملات کو اس طرح سے سلجھایا جا سکتا ہے لیکن عقائد کے معاملات میں ایسی کسی روش کو اپنانا، گویا دین کا حلیہ بگاڑنے کے مترادف ہیں۔ اس کے باوجود اسلامی تعلیمات کی خوبی یہ ہے کہ یہاں انتہا پسندی کے مقابلہ میں حکمت اختیار کرنے کی تعلیم دی گئی ہے لہٰذا ارشاد ہوا:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ (النحل۔ ۱۲۵)

ہم بیان کر آئے ہیں کہ عقائد کے بنیادی معاملات میں بڑی شدید قسم کی انتہا پسندی دیکھنے میں آتی ہے۔ تعلیمات نبویہ میں اس چیز کا سد باب جو ہمیں نظر آتا ہے وہ اس طرح سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کی تعلیم و تربیت کی طرف خاص توجہ دی ہے لہٰذا اس سلسلہ میں عقائد کے جو مسائل قرآن و حدیث میں بیان ہوئے ہیں انہیں عام فہم بنا کر عمومی تعلیم میں شامل کرنے کی ضرورت ہے۔ خاص طور پر قرآن مجید کے مطالعہ کو زیادہ سے زیادہ کیا جائے کیونکہ قرآن عقائد کے معاملات کو شرح و بسط کے ساتھ بیان کرتا ہے اور اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات بہت واضح ہیں لہٰذا فرمایا:

بلغو عني ولو آية (مسلم)

لیکن ساتھ ہی تنبیہ فرما دی کہ جس شخص نے مجھ سے جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔ (بخاری) اور یہ بھی کہ کسی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ جو کچھ سنے اسے بلا تحقیق بیان کر دے۔ (مسلم)

دوسرا معاملہ اس سلسلہ میں شخصیت پرستی کا ہے۔ اس معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اپنی ذات کے حوالے سے امت کو تعلیم دی۔ وہ صحابہؓ کو اپنے بارے میں کسی قسم کا غلو کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے لہٰذا فرماتے کہ میری اس

قدر مبالغہ آمیز مدح نہ کیا کرو جس قدر نصاریٰ ابن مریمؑ کی کیا کرتے ہیں، میں تو خدا کا بندہ اور اس کا فرستادہ ہوں [۲۷]۔ اسی طرح سے قیس بن سعدؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں حیرہ گیا، وہاں لوگوں کو دیکھا کہ رئیس شہر کے دربار میں جاتے ہیں تو اس کے سامنے سجدہ کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں واقعہ بیان کیا اور عرض کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سجدہ کیا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے زیادہ مستحق ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تم میری قبر پر گذرو تو سجدہ کرو گے؟'' کہا نہیں! تو فرمایا کہ جیتے جی بھی سجدہ نہیں کرنا چاہئے [۲۸]۔ یہ معاملہ تھا تعظیم کا جس سے تعلیم دینا یہ مقصود تھی کہ کسی شخص کو برگزیدہ مان کر اس کی تعظیم میں غلو نہ کیا جائے کجا یہ کہ اس کے اعمال و افعال کے پیچھے لگا جائے بجز حکم الٰہی کی اطاعت میں فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِکَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا۔ (النساء۔۵۹)

غیر مسلموں سے رواداری:

اس معاملہ میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات بہت عمدہ ہیں۔ یہاں دو حوالوں کے ذریعے ایک لطیف نکتہ کی طرف اشارہ کرنا چاہوں گا کہ اسلام چونکہ دنیا کے تمام انسانوں اور قیامت تک کے زمانوں کے لئے ہے، اس لئے اسلام کے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہونے کے بعد تمام دنیا کے انسان قیامت تک کے لئے ایک قوم تصور ہوں گے البتہ ان کی آگے مزید تقسیم مسلمین اور غیر مسلمین میں کر دی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں ایک روایت تو وہ ہے کہ جب احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زخمی ہوئے تو انہوں نے کہا کہ وہ قوم کیا فلاح پا سکتی ہے جو اپنے پیغمبر کو زخمی کرتی ہے [۲۹]۔ یہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشرکین کو باوجود نظریہ کے تصادم کے اپنی قوم کہا اور اللہ نے اس کی تردید نہیں فرمائی بلکہ اتنا کہنے پر اکتفا کیا لیس لک من الامر شیءٍ

اس معاملہ کو باقی انبیاء کے حوالے سے بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ گذشتہ قومیں ساری کی ساری اپنے نبیوں پر ایمان نہیں لاتی تھیں لیکن پھر بھی انہیں اپنے نبی کی طرف ہی منسوب کیا جاتا تھا لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بعد سے تمام دنیا کے لوگوں کو اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کہا جائے تو شاید غلط نہ ہو اس شرط کے ساتھ کہ مسلم اور کافر کی تفریق کو ملحوظ رکھا جائے۔

اس نکتہ کو اٹھانے سے مقصود یہ ہے کہ کفر کے اصلاح کے لئے متعصبانہ یا انتہا پسندانہ رویہ اختیار کرنے سے گریز کیا جائے۔ اس سلسلہ میں قرآن ہماری اس طرح سے رہنمائی کرتا ہے کہ قرآن پڑھتے ہوئے ہم بہت کے مذاہب کے حالات سے آگاہ ہوتے ہیں اور اسی طرح ان کے عقائد کا بھی ذکر کیا گیا ہے خواہ یہ ذکر ان کی تردید کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو۔ حتیٰ کہ ایک رائے کے مطابق بدھ مت کا ذکر بھی بڑے لطیف پیرائیہ میں کر دیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا:

وَالتِّيْنِ وَ الزَّيْتُوْنِ وَ طُوْرِ سِيْنِيْنَ وَ هٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ

یہاں چار شخصوں کا ذکر آیا ہے۔ زیتون سے حضرت عیسیٰؑ کی طرف اشارہ ہے جن کو جبل زیتون سے بہت قریبی تعلق

رہا ہے اور سینا سے حضرت موسیٰؑ کی طرف اشارہ کیا گیا جہاں خدا نے انہیں تورات عطا فرمائی۔ "ھذا البلد الامین" یعنی محفوظ شہر سے مراد مکہ معظمہ ہے لیکن والتین سے کیا مراد ہے۔ مفسرین اس ضمن میں مختلف انبیاء کی طرف اشارہ کرتے ہیں لیکن ان کی زندگی انجیر سے کوئی خاص تعلق نہیں رکھتی تھی جبکہ مناظر احسن گیلانی کے مطابق گوتم بدھ کے ماننے والوں کا متفقہ بیان ہے کہ گوتم بدھ کو جنگلی انجیر کے نیچے نروان حاصل ہوا تھا۔[۳۹] اگر اس بات کو درست تسلیم کر لیا جائے تو اس پر مزید یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ شاید اس وجہ سے ہے کہ مذہبی رواداری میں اسلام کے سب سے قریب بدھ مت ہی ہے۔

لہٰذا قرآن مجید کو پڑھنے والے کا فریضہ یہ بھی ہوگا کہ تفسیر یا دوسرے وسائل کے ذریعے سے ان مختلف ادیان کے متعلق اپنی معلومات میں اضافہ کرے۔ ایسی معلومات اس کے لئے تبلیغ دین کے سلسلہ میں بھی کارآمد ہو سکتی ہیں اور دوسرے مذاہب کے لوگوں سے مناظرے کے وقت بھی اور یہ معاملہ مزید قوت پکڑ جاتا ہے جب ہم اس سلسلہ میں تعلیمات نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی موجود پاتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ وہ خواب میں دو انگلیاں چوس رہے ہیں، ایک سے تو شہد نکل رہا اور دوسری سے دودھ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''قرآن مجید اور تورات دونوں سے استفادہ کر سکو گے۔'' چنانچہ بعد میں انہوں نے سریانی زبان کی بھی تعلیم پائی اور بائبل کا ترجمہ سریانی زبان میں پڑھتے[۴۰]۔ یہ بات لازماً ہے کہ تورات پڑھنے پر حضرت عمرؓ کو زجر کیا گیا تھا لیکن ایک تو وہ بات شروع کے زمانہ کی تھی جب ابھی مسلمانوں کا شعور اتنا پختہ نہ ہوا تھا گو حضرت عمرؓ کے بارے میں یہ گمان نہیں کیا جا سکتا لیکن اس سے دوسرے لوگوں کو روکنا مقصود ہو سکتا تھا جو وہاں موجود تھے۔

اسی طرح بعض دفعہ یہودی جھگڑنے کی نیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مسائل دریافت کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے پہلے انہیں تورات ہی کی طرف متوجہ کرتے اور خاص اس مقصد کیلئے کہ یہود تورات کے معاملہ میں غلط بیانی نہ کر سکیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زید بن ثابتؓ کو عبرانی سیکھنے کو کہا تاکہ وہ ان کی تصدیق یا تکذیب کر سکیں تو زید بن ثابتؓ نے عبرانی کو سیکھا۔[۴۱] بحث کا مقصود یہ ہوا کہ علمی حوالے سے غیر مسلموں سے ایک قریبی تعلق کا ہونا عین تعلیمات نبویہ کے مطابق ہے کیونکہ اس سلسلہ میں انتہا پسندی کوئی نفع ہرگز نہیں دے سکتی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کی بات کر لیں تو غیر مسلموں سے رواداری کے ضمن میں سب سے پہلے تو عبداللہ بن ابی کا معاملہ ہے کہ جب ایک مسئلہ پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اجازت دیجئے میں اس منافق کی گردن اڑا دوں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''لوگ چرچا کریں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ساتھیوں کو قتل کر دیتا ہے۔''[۴۲] اسی طرح جب کبھی مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان کوئی معاملہ پیش آتا تو مسلمانوں کی بلاوجہ جنبہ داری نہ فرماتے۔ ایک دفعہ ایک یہودی نے آکر شکایت کی ''محمد! دیکھو ایک مسلمان نے مجھے تھپڑ مارا''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مسلمان کو اسی وقت بلا کر زجر فرمایا۔[۴۳]

جہاد اور انتہا پسندی:

رہا معاملہ مسلمانوں کی گذشتہ اور موجودہ صدی کی جہادی تحریکوں کا، اس سلسلہ میں تعلیمات نبویہ ان مجاہدین کو اپنی روش سے ہٹا دینے کا براہ راست حکم اپنے اندر نہیں رکھتیں کیونکہ جہاد کی یہ روش انتہا پسندی کی بجائے مغربی استعماریت کا ردعمل ہے البتہ تعلیمات نبویہ بالواسطہ طور پر ان کا حل اس طرح سے پیش کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی حکمرانوں کے لئے بھی اپنے اندر ایک مکمل نمونہ رکھتی ہے تو اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلم حکمرانوں کو یہ راہ عمل بتاتا ہے کہ اس استعماریت کے خلاف اپنی پوزیشن کو مضبوط کریں تاکہ معاملات وہ جنگ کے ہوں یا صلح کے، حکومتوں کے درمیان طے پائیں اور عوام اس میں کودنے پر مجبور نہ ہوں چونکہ مذہب کی نمائندگی حکومت کی نسبت رائے عامہ سے زیادہ ہوتی ہے اس لئے عوام کے براہ راست ٹکراؤ سے حرف مذہب پر آتا ہے۔

حرف آخر:

سختی اور انتہا پسندی کے حوالے سے ہم نے مختلف زاویوں سے تعلیمات نبویہ کا جائزہ پیش کیا۔ اس کو سامنے رکھ کر دور حاضر میں انتہا پسندی کے رجحان کو روکنے کے لئے ہم بڑی ٹھوس اور وزنی سفارشات کو مرتب کر سکتے ہیں بلکہ ایسا مسلسل علمی حلقوں کی طرف سے کیا بھی جا رہا ہے۔ میں انہیں ضرور قلمبند کرتا لیکن حقیقت حال کو بیان کر کے میں اپنے موضوع کو سمیٹتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ ایسی سفارشات کا دائرہ پڑھنے پڑھانے اور لکھنے لکھانے تک ہی محدود ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کام ارباب اختیار کا ہے کیونکہ حکومت ہی ایسی چیز ہے جو معاملات کو مرکزیت بخش سکتی ہے جبکہ عوام اس سلسلہ میں مجبور ہیں کیونکہ اگر وہ اصلاح احوال کو خلوص دل سے چاہتے بھی ہوں تو ان کے لئے ایک مشترکہ لائحہ عمل کا قیام، کم از کم پاکستان کے معاشرے کے حوالے سے، ممکن نہیں۔ ان سفارشات سے معاشرے کے جن گروہوں پر زد آتی ہے وہ ان کے اپنی منزل تک پہنچنے میں ایک بہت بڑی رکاوٹ ہیں۔ یہ بات ہم شروع میں بھی کر چکے ہیں کہ اسلام کا کوئی کلیسا نہیں اور اپنے اصولوں کی پاسداری کے لئے اسے مسلم رائے عامہ پر ہی اکتفا کرنا پڑتا ہے جو کہ کمزور ہے اور مسلسل غصب حقوق کے عمل سے کسی چیز کو نافذ کرنے کی اہل نہیں رہی اور اسلامی علوم کے ایک طالبعلم کی حیثیت سے ہم صرف اپیل کر سکتے ہیں کہ امت مسلمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے رویوں سے انتہا پسندی کو ختم کرنے کی کوشش کرے۔

حوالہ جات

(۱) لفظ Extreme کے تحت عبارت۔ آکسفورڈ انگلش ڈکشنری، جلد ۳ (لندن: آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، ۱۹۷۸ء)

(۲) روزنامہ جنگ لاہور، ۱۵ اکتوبر ۲۰۰۱ء

(۳) ہمارے پیش نظر وہ روایت ہے کہ طلب العلم فریضة علی کل مسلم گو اس کی صحت میں بعض محققین نے جن میں علامہ ناصر البانی قابل ذکر ہیں کچھ خامی کو بیان کیا ہے لیکن طالب علم کے حوالے سے دیگر آیات و احادیث سے اسے تقویت پہنچتی ہے۔

(۴) شبلی نعمانی، سیرت النعمان (لاہور: ایم ثناء اللہ خان، سن ندارد) ص۔ ۱۳۰

(۵) جب علمائے متقدمین نے چار دبستان ہائے فقہ کو بہ حیثیت مساوی راسخ الاعتقاد تسلیم کرلیا تو اس کے یہ معنی تھے کہ انہوں نے بن کہے یہ بھی تسلیم کرلیا کہ مقدس آیات قرآنی کی تقسیم میں اختلاف آراء کی گنجائش موجود ہے مگر علمائے متاخرین کے فکر میں کافی شدت پیدا ہوگئی۔ ملاحظہ کیجئے، اشتیاق حسین قریشی، برصغیر پاک و ہند کی ملت اسلامیہ، مترجم: ہلال احمد زبیری (کراچی: کراچی یونیورسٹی، ۱۹۸۹ء) ص۔ ۲۳۶

(۶) سنیوں کی مروجہ رائے یہ تھی کہ بعد کے زمانہ کا اجتہاد چار مسلمہ دبستانوں کی چار دیواری سے باہر نہیں جانا چاہئے۔ اس کے علاوہ ایک دبستان کے پیروؤں کو دوسرے دبستان کے فتاویٰ سے اخذ نہیں کرنا چاہئے۔ ایضاً، ص۔ ۲۳۷

(۷) آئی ایچ قریشی، سلطنت دہلی کا نظم و نسق، مترجم: ہلال احمد زبیر (کراچی: کراچی یونیورسٹی ۱۹۶۴ء) ص۔ ۱۱

(۸) آئی ایچ قریشی کا دگر اعتقادی (Heterodoxy) کے متعلق بحث کا ایک نکتہ۔ اشتیاق حسین قریشی، برصغیر پاک و ہند کی ملت اسلامیہ، ص ۱۶۵

(۹) اس سلسلہ میں ڈاکٹر مبارک علی نے اپنی کتاب میں "تصوف کی روحانی سلطنت" کے باب کے تحت مدلل بحث کی ہے کہ کس طرح سے ہر سلسلہ کے مرید اپنی اپنی خانقاہوں سے چپٹے اپنے شیخ کے تصور میں زندگیاں بسر کر رہے تھے اور کس طرح سے ان کا دربار، ایک دنیاوی دربار سے مماثلت رکھتا تھا۔ ملاحظہ کیجئے ڈاکٹر مبارک علی، المیہ تاریخ (لاہور: پروگریسو پبلشرز ۱۹۹۳ء) ص۔ ۴۹ تا ۶۱

(۱۰) اکبر نے جو دینی اور دنیاوی معاملات کو ایک محضر کے ذریعے اپنے ہاتھ میں لے لیا تو یہ کوئی نئی بات نہیں تھی اس حوالے سے آئی ایچ قریشی رقم طراز ہیں۔

Tere was nothing revolutionary in this principle, because it had always been accepted. see,Ishtiaq Hussain Qureshi, The Administration of the Mughal Empire, p.32

(۱۱) عباسیوں نے مملکت اسلامیہ پر اپنی خلافت کو ضعیف روایتوں کے ذریعے اس حد تک پھیلایا کہ ہندوستان کے دور دراز ملک میں عباسی خلافت کے خاتمے کے چالیس سال بعد تک سکے اور خطبوں میں اسی کا نام رہا۔ ملاحظہ کیجئے، قریشی، سلطنت دہلی کا نظم و نسق۔ ص۔ ۲۹

(۱۲) سید سلیمان ندوی، عربوں کے سندھ سے تعلقات (اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن ۱۹۸۵ء) ص۔ ۲۴۳

(۱۳) ایضاً، ص۔ ۳۰۴

(۱۴) صباح الدین عبدالرحمٰن، عہد مغلیہ۔ مسلمان و ہندو مورخین کی نظر میں، (اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن ۱۹۹۲ء) ص۔ ۶۴

(۱۵) ایضاً، ص۔ ۳۳۲

(۱۶) ڈاکٹر مبارک علی، حوالہ سابقہ، ص۔ ۱۱

(۱۷) اس سلسلہ میں لارڈ نارتھ بور کے کیمونزم کے برے میں الفاظ ہماری تائید کرتے ہیں کہ

Even Communism is sometimes loosely called a religion, regardless of its origin and tendencies, and of the fact it is no more than ■ construction of the mind. Lord Northbore, Religion in the Modern World (Lahore: Suhail Academy, 1999)p.1

(۱۸) سید سلیمان ندوی، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جلد چہارم (لاہور: الفیصل ناشران و تاجران کتب، ۱۹۹۱ء) ص۔ ۴۱۵، بحوالہ بخاری

(۱۹) سید سلیمان ندوی نے اپنے خطبات میں شرح وبسط کے ساتھ تاریخیت، جامعیت اور عملیت کے حوالے سے ثابت کیا ہے کہ کس طرح سے آج صرف محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ہی ان تمام حوالوں سے اپنانے کے قابل ہے۔ ملاحظہ کیجئے، سید سلیمان ندوی، خطبات مدارس (لاہور: ادارہ اسلامیات ۱۹۸۳ء)

(۲۰) امام نووی، شرح صحیح مسلم، مترجم: علامہ وحید الزمان جلد دوم (لاہور: نعمانی کتب خانہ ۱۹۸۱ء) ص۔۲۲۳

(۲۱) ایضاً، ص۔۲۲۶

(۲۲) حافظ صلاح الدین یوسف، دلیل الطالبین، ترجمہ وفوائد ریاض الصالحین از ابوزکریا یحیٰی بن اشرف النووی (لاہور: دار السلام، ۱۹۹۷ء) ص۔۵۴۳

(۲۳) حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے وقت خروج حضرت حسینؓ کو یہ کہہ کر روکنے کی کوشش کی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ نے اختیار دیا دنیا اور آخرت میں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخرت کو پسند فرمایا لہٰذا آپ ان کی پیروی کیجئے اور خروج کی راہ کو ترک کر دیجئے۔ ملاحظہ کیجئے، ابن کثیر، البدائیہ والنہائیہ، مترجم: اختر فتح پوری (کراچی: نفیس اکیڈمی، ۱۹۸۹ء) ص۔۱۰۳۴

(۲۴) حافظ صلاح الدین یوسف، دلیل الطالبین، ص۔۵۴۰

(۲۵) ایضاً

(۲۶) ایضاً، ص۔۵۴۱

(۲۷) شبلی نعمانی، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جلد دوم (لاہور: الفیصل ناشران وتاجران کتب ۱۹۹۱ء) ص۔۲۰۱

(۲۸) ایضاً، بحوالہ بخاری

(۲۹) ایضاً، جلد اول، ص۔۲۳۰

(۳۰) ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا ''عہد نبوی میں نظام تعلیم'' پر لیکچر، مجلہ علم القرآن، کراچی پارہ ۲۰، دسمبر ۱۹۹۱ء ص۔۲۲۳۵

(۳۱) ایضاً، ص۔۲۲۳۶

(۳۲) ایضاً، ص۔۲۲۳۵

(۳۳) شبلی نعمانی، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جلد دوم، ص۔۲۰۱

(۳۴) ایضاً

دورِ حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اس کا خاتمہ، تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں

محمد نسیم خان، ضلع مانسہرہ

عصر رواں میں ایک مظہر ملکی و بین الاقوامی حالات میں بگاڑ اور فساد کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ یہ مظہر مذہبی انتہا پسندی کا مظہر ہے۔ یہ کسی ایک مذہب یا ملت تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ رجحان تمام مذاہب کے افراد میں کم یا زیادہ کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ عالمی میڈیا چند مخصوص عزائم کو سامنے رکھتے ہوئے اسلامی انتہا پسندی کو زیادہ نمایاں کر رہا ہے اور باقی مذاہب کے لوگوں میں موجود انتہا پسند تنظیموں اور افراد سے چشم پوشی کر رہا ہے۔ انتہا پسندی کا رجحان کیوں فروغ پذیر ہے اور اس مسئلے کے حل کے ضمن میں تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا رہنمائی مل سکتی ہے؟ اس پر بعد میں بات کریں گے۔ پہلے ہم یہ دیکھیں گے کہ انتہا پسندی ہے کیا؟

مذہبی انتہا پسندی کیا ہے؟

انتہا عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے: اخیر، حد، انجام، خاتمہ وغیرہ۔ انتہا پسندی کا مطلب ہے انتہا پسند کرنا۔[1]

انتہا پسندی کیلئے انگریزی زبان میں 'Extremism' کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ پاکٹ اوکسفرڈ ڈکشنری میں Extreme کے درج ذیل مفاہیم لکھے گئے ہیں:

(1) of a high or highest degree (2) Outermost (3) Things at either end (4) Ut most last[2]

میریم ویبسٹر ڈکشنری 'Extreme' لفظ کا مفہوم یہ بیان کرتی ہے:

(1) Very great or intense (2) Very severe or drastic (3) Going to great length or beyond normal limits.[3]

اسی ڈکشنری میں Extremism کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے۔

(1) Advocacy of extreme political measures (2) Redicalism[4]

پاکٹ اوکسفرڈ ڈکشنری میں ریڈیکل ازم (Redicalism) کی وضاحت کیوں کی گئی ہے:

(1) Fundamentalism

(2) Advocacy of thorough reforms

(3) Holding Extreme political views [5]

مذہبی انتہا پسندی کے مظہر کیلئے مغربی حلقوں میں بہت سی اصطلاحات استعمال ہو رہی ہیں جن میں زیادہ مشہور فنڈا منٹلزم، ٹیررازم، ریڈیکل ازم، bigotry، جنونیت (Fanaticism) ہیں۔

مغربی میڈیا اور دانشوروں کے ہاں فنڈا منٹلزم (Fundamentalism) کی اصطلاح مذہبی انتہا پسندی کیلئے بہت زیادہ استعمال ہو رہی ہے۔

فنڈا منٹلزم کی اصطلاح بنیادی طور پر ایک عیسائی تحریک کیلئے وضع کی گئی تھی جس کا آغاز انیسویں صدی کے آخر میں امریکہ میں ہوا۔ جدید سائنس و فلسفہ کی وجہ سے بہت سے عیسائی عقائد کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا ہو رہے تھے۔ عیسائیوں کو جدید سائنس و فلسفہ کے اثرات سے محفوظ رکھنے کے لئے اس تحریک کا زور اس بات پر تھا کہ عیسائیت کے بنیادی عقائد پر کامل یقین پیدا کیا جائے۔ اس مقصد کے لئے وہ بائبل کی لفظی تشریحات کرتے تھے اور ہر ہر لفظ پر یقین رکھنے کو لازمی قرار دیتے تھے۔ اس لئے اس تحریک کو فنڈا منٹلزم کا نام دیا گیا۔ [6] Wikipedia ویب سائٹ پر فنڈا منٹلزم کی تعریف یوں کی گئی ہے:

Fundamentalism is a movement through which the adherents (of a religion) attempt to rescue religious identity against absorption into modern, western culture.....(it is) the assertion of a separate identity based upon the fundamental or founding principles of the religion. [7]

آج کل مغربی میڈیا میں یہ اصطلاح اپنے پس منظر سے ہٹ کر استعمال ہو رہی ہے۔ کیرن آرم سٹرانگ اپنے مضمون 'The True, Peaceful face of Islam' میں فنڈا منٹلزم کے تصور کی یوں وضاحت کرتا ہے:

"........the militant form of piety often known as fundamentalism erupted in every major religion as a rebelion against modernity. [8]

باؤلڈر کولوراڈو ''اسلامک فنڈا منٹلزم'' میں اسلامی بنیاد پرستی کے تصور کی تشریح ان الفاظ میں کرتا ہے:

اسلامی بنیاد پرستی ایسی تعلیمات کا نام ہے جو قرآن کی لفظی تشریحات پر مبنی ہیں۔ اسلام کی بنیاد قرآن پر ہے اس لئے یہ ناگزیر ہے کہ تمام مسلمان قطع نظر اس کے کہ ان کا مسلک فرقہ یا مذہبی وابستگی کیا ہے، قرآن کو خدا کی طرف سے نازل کردہ غلطی سے مبرا سمجھتے ہیں۔ اس لئے تمام مسلمانوں کو بنیاد پرست سمجھا جا سکتا ہے۔'' [9]

کیبلے (Kibble) جدت پسندوں (Modernist) اور بنیاد پرستوں کے درمیان فرق یوں بیان کرتا ہے:

"....... Modernist Muslims interpret the Islamic faith in terms of modern knowledge while revivalist, sometimes called fundamentalists, call for the

restoration of traditional Islamic ideas. The modernist tend to accept western scientific & political ideas such as evolution, democracy and emancipation of women & interpret the Quran and Muslim traditions to accommodate those ideas. [۱۰]

مقصود آفتاب احیائیوں (Revivalists) اور بنیاد پرستوں کے درمیان فرق کرتے کہتا ہے کہ احیائی وہ ہیں جو اسلامی آئیڈیل کی واپسی کے خواہاں ہیں اور بنیاد پرست وہ ہیں جن کی قرآن کی لفظی تشریحات ملٹری ایکشن کا تقاضا کرتی ہیں۔

بی۔ ایس برمیسٹر انتہا پسندی اور بنیاد پرستی کے درمیان ان الفاظ میں امتیاز کرتا ہے:

When examining the differences betwen fundamentalism and extremism, as manifested in the terror tactics used by many extremist groups, it is well to note that whilst fundamentalism is based on the basic tenents of the Quran, the extremists based much of their belief system on the contents of the Sharia or Islamic law. [۱۲]

بی۔ ایس برمیسٹر کہتا ہے کہ اسلامی بنیاد پرست تحریکوں میں اسلامی بنیادی عقائد اور عبادات پر اتنا زور نہیں دیا جاتا جتنا کہ اسلامی قانون کے شدت کے ساتھ نفاذ کے لئے حکومت کے قیام کی ضرورت پر توجہ مرکوز کی جاتی ہے...... اسلامی شدت پسند سماجی اور سیاسی حقوق کیلئے بڑے زور وشور سے مطالبہ کرتے ہیں اور اس مطالبہ میں شدت ان گروہوں کی انتہا پسندانہ کارروائیوں سے آ گئی ہے۔ [۱۳]

مغربی میڈیا میں انتہا پسند مسلمانوں کے مقابلہ میں اعتدال پسند مسلمانوں (Moderate Muslims) کی اصطلاح ان لوگوں کیلئے استعمال کی جاتی ہے جو سیاست میں انسانی حقوق کا خیال رکھتے ہوں اور سیاست اور مذہب کی دوئی کے قائل ہوں۔ [۱۴]

ایک مصری عالم دین شیخ احمد کفتارو (Kuftaro) فنڈامنٹلزم کے مغربی تصور کی وضاحت ان الفاظ میں کرتے ہیں:

The West persisted on branding with fundamentalism every thing that is narrow minded, which does not accept dialogue, whose advocates struggle hard to drag people back to stereotype thought, vision & living to which an earlier generation was committed. [۱۵]

شیخ احمد کفتارو اس وضاحت کے بعد کہتے ہیں کہ فنڈامنٹلزم کا یہ تصور یہودی، عیسائی اور ہندو بنیاد پرستوں پر زیادہ چسپاں ہوتا ہے اور اسلامی بنیاد پرستی پر یہ لیبل لگانا درست نہیں ہے کیونکہ اسلامی شریعت ارتقائی نوعیت کی ہے اور ہر زمانہ اور ہر جگہ قابل اطلاق ہے اور اسلام کی بنیاد سے تعلق رکھنے والوں کے سر یہ روایتی (Stereotype) فکر تھونپنا درست نہیں ہے انہوں نے سابق مصری صدر انور سادات کی ایک مغربی صحافی کے ساتھ گفتگو کا حوالہ دیا ہے۔ انور سادات نے صحافی کو کہا کہ ہمارے لئے

خطرہ کی بات غیر بنیاد پرستی ہے۔ اسلامی بنیاد پرست اسلامی اصولوں کی ترقی پذیر نوعیت اور لچک سے پوری آگاہی رکھتے ہیں اور وہ اسلامی تعلیمات جیسے محبت، برداشت، Benovelance وغیرہ سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ اس لئے اسلامی بنیاد پرست کسی ملک کے لئے کوئی بوجھ ثابت نہیں ہو سکتے۔[۱۶]

علامہ یوسف القرضاوی نے انتہا پسندی کے تصور کی وضاحت کے سلسلہ میں بھی بڑی متوازن اور معتدل روش اپنائی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ انتہا پسندی ایک اضافی (Relative) تصور ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کسی شخص کے بارے میں انتہا پسندی، اعتدال اور دینی معاملات میں سستی کا لیبل لگانے کے سلسلہ میں ہمیں یہ دیکھنا پڑے گا کہ یہ لیبل لگانے والا کسی درجہ میں خود معیار تقویٰ کا حامل ہے اور جس معاشرہ میں وہ رہ رہا ہے اس کی حالت کیسی ہے۔ ایک مذہبی معاشرہ میں دینی معاملات میں معمولی سستی یا بے اعتنائی کو بھی گوارا نہیں کیا جائے گا۔ دوسری طرف ایک ایسا شخص جس کا علم اور اسلام سے وابستگی کم درجہ کی ہے اور اس کی پرورش ایسے معاشرہ میں ہوئی ہے جہاں شریعت سے روگردانی عام ہو اور اللہ کی منع کی ہوئی چیزوں پر عمل کیا جاتا ہو تو وہ اسلام سے معمولی وابستگی کو بھی انتہا پسندی سمجھے گا۔ ایسا شخص نہ صرف دوسروں کو ہدف تنقید بنائے گا بلکہ کئی اسلامی تعلیمات کی سندیت کو بھی چیلنج کرے گا اور حلال وحرام کے متعلق بھی حجت بازی کرے گا۔ وہ کہتے ہیں کہ اسلام کی بنیادوں سے دوری کی وجہ سے اور غیر مسلم تصورات حیات سے متاثر ہونے کی وجہ کئی لوگ اسلام کی محکم تعلیمات یا اسلامی شریعت کے نفاذ اور اسلامی ریاست کے قیام کے مطالبہ کو انتہا پسندی کے مظاہر سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگ ایک نوجوان کو داڑھی رکھے ہوئے یا لڑکی کو حجاب میں دیکھ کر انہیں انتہا پسندی کی علامت سمجھتے ہیں۔ حتیٰ کہ عام نیکیوں کے حکم اور برائیوں سے منع کرنے کو بھی انتہا پسندی کی ایک صورت اور شخصی آزادی میں مداخلت تصور کرتے ہیں۔[۱۷]

موجودہ عالمی تناظر میں انتہا پسندی (Extremism) کی اصطلاح زیادہ تر ان کارروائیوں کے لئے استعمال ہوتی ہے جن کا نشانہ یا تو مغربی اہداف ہوتے ہیں یا مختلف مذاہب کے لوگ ایک دوسرے کے خلاف کرتے ہیں۔ اس قسم کی کارروائیوں کے لئے دہشت گردی (Terrorism) کی اصطلاح بھی آج کل عالمی میڈیا میں بہت زیادہ استعمال ہو رہی ہے لیکن اس اصطلاح کی صحیح صحیح تعریف کا تعین بھی مشکل ہے کیونکہ ایک ملک یا گروہ جس کارروائی کو دہشت گردی کا نام دیتا ہے اسے دوسرا ملک یا گروہ آزادی کی جدوجہد یا ذاتی دفاعی اقدام کا نام دیتا ہے۔ یوں یہ اصطلاح بھی ایک اضافی (Relative) اصطلاح بن جاتی ہے تاہم اس اصطلاح کی وضاحت بھی ہم مغربی اور اسلامی سکالرز کے حوالہ سے کر دیتے ہیں تاکہ بحث میں آسانی ہو۔ امریکن ہیری ٹیج ڈکشنری آف دی انگلش لینگویج (American Heritage Dictionary of the English Language) کے مطابق دہشت گردی کا مفہوم یہ ہے:

The unlawful use or threatened use of force or voilence by a person or an organized group against people or property with the intension of intimidating or coercing societies or government, often for ideological or

political reasons. [۱۸]

ایک ویب سائٹ پر دہشت گردی کی وضاحت یوں کی گئی ہے:

Terrorism is the calculated use of voilence or the threat of violence against the civilian population, usually for the purpose of obtaining political or religious .... Typical terrorist actions include assasinations, kidnapping, bombing lynching, hijacking, ransom killings etc. [۱۹]

ترکی کے مشہور سکالر ہارون یحییٰ کہتے ہیں کہ دہشت گردی کی تعریف کرتے ہوئے درج ذیل خصوصیات کو سامنے رکھنا چاہئے۔

1- ایک ملک پر جب کوئی دوسرا ملک قبضہ کرتا ہے تو مقبوضہ ملک آزادی کیلئے جدوجہد کرنے میں حق بجانب ہے لیکن جب مقبوضہ ملک عام آبادی کو نشانہ بناتا ہے تو وہ مزاحمت کے قانون حق کو ختم کر دیتا ہے اور دہشت گردی کا آغاز ہو جاتا ہے۔

2- اگر جنگ کی حالت نہ ہو اور پھر بھی فوجی یا سرکاری اہداف کو نشانہ بنایا جائے تو یہ بھی دہشت گردی کے ذیل میں آئے گا کیونکہ اس سے امن کی حالت خراب ہوتی ہے۔ اسی طرح وہ تمام حملے خواہ جنگ کی حالت میں کئے جائیں لیکن ان کا ہدف سویلین ہوں تو اس عمل کو بھی دہشت گردی کہا جائے گا۔ [۲۰]

اسلامی لٹریچر میں مذہبی انتہا پسندی کے مظاہر کی وضاحت کیلئے غلو (Excessiveness) تشدید (Strictness, austerity) اور تنطع (Transgressing meticulous religiosity) کی اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں۔ [۲۱] ان اصطلاحات کی وضاحت ہم آگے چل کر کریں گے۔

مذہبی انتہا پسندی کی وجوہات ومحرکات

(Causes and Motives of Religious Extremism)

مذہبی انتہا پسندی کی وجوہات ومحرکات بہت سے ہیں۔ کچھ تو ایسے محرکات ہوتے ہیں جو خود انتہا پسند کے اندر موجود ہوتے ہیں کچھ معاشرہ فراہم کرتا ہے اور کچھ کا تعلق بین الاقوامی حالات وواقعات کے ساتھ ہوتا ہے۔

ذیل کی سطور میں ہم انتہا پسندی کے محرکات وجوہات کی وضاحت کریں گے۔

مذہبی محرکات ووجوہات:

مذہبی انتہا پسندی کے محرکات میں سے ایک محرک مذہبی ہے۔ بعض اوقات مذہبی انتہا پسندی کا مظاہرہ ایک ایسا شخص کرتا ہے جو مذہب کے بارے میں کم علم رکھتا ہوتا ہے۔ وہ اپنے تیئں یہ خیال کرتا ہے کہ وہ دین کے متعلق کماحقہ جانتا ہے حالانکہ وہ مکمل علم نہیں رکھتا ہوتا۔ ایسا شخص دین کی منشاء اصلی روح اور مقاصد سے نابلد ہوتا ہے۔ اس طرح وہ دین کے اہم ترین اجزاء کو

چھوڑ کر معمولی معاملات پر زیادہ زور دیتا ہے اور دین کی مکمل شکل کی اہمیت سے آگاہ نہیں ہوسکتا۔ وہ اجزاء کے کل کے ساتھ تعلق یا محکم و متشابہات کے تعلق سے بھی آگاہ نہیں ہوسکتا۔ ایسے شخص کا سارا زور شواہد کے بجائے محض تصورات پر ہوتا ہے۔ علامہ ابو الاسحاق شاطبی نے اپنی کتاب الاعتصام، میں اس پر روشنی ڈالی ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ امت کے اندر بدعت کے فروغ پانے اور اندرونی خلفشار اور ٹوٹ پھوٹ کے پیچھے کم علم شخص کے مزعومہ دعوے اور تکبر کام کر رہا ہوتا ہے۔ وہ دعویٰ کرتا ہے کہ اُسے دین کے بارے میں مکمل علم ہے اس لئے تمام بڑے چھوٹے دینی معاملات میں وہ اپنی رائے اور اجتہادات بیان کرنے کا پورا حق رکھتا ہے اس طرح وہ دین میں بدعات کو فروغ دیتا ہے۔ ایک حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اسی خطرہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اللہ لوگوں کے دلوں سے علم نہیں اٹھاتا بلکہ یہ اس وقت ان سے چلا جاتا ہے جب ان کے درمیان صاحب علم نہیں رہتا اور لوگ جاہلوں کو اپنا امام بنا لیتے ہیں جو بغیر علم کے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں۔'' یوں وہ خود بھی گمراہ ہوتے ہیں اور دوسرے لوگوں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔

جاہلیت کا اظہار مختلف شکلوں میں ہوتا ہے۔ ایک شکل یہ ہے کہ مذہبی احکامات کی منشاء اور اصل کو جانے بغیر ان کی لفظی تشریحات کی جائیں جیسا کہ صدیوں پہلے ظاہر یہ فرقہ کے لوگ کرتے تھے۔ آج کے ظاہر یہ بھی شریعت کے مقاصد و منشا کو جانے بغیر لفظی تشریحات پر زور دے رہے ہیں۔ علمی کھوکھلے پن اور مذہبی شعور سے عاری ہونے کی بناء پر کچھ لوگ امت کے گھمبیر مسائل کو چھوڑ کر فروعی اور معمولی معاملات کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں۔ یہ لوگ اپنی انتہا پسندی کی وجہ سے ان چیزوں کو بھی حرام قرار دیتے ہیں جن کیلئے ان کے پاس قرآن و سنت میں کوئی سند موجود نہیں ہے۔ اس سلسلہ میں علامہ یوسف القرضاوی کہتے ہیں کہ اگر اسلامی فقہ میں کسی معاملہ کے متعلق دو آراء ہوں۔ ایک کے مطابق یہ معاملہ مباح ہے اور دوسری کے مطابق مکروہ تو انتہا پسند دوسرے رائے پر ہی عمل کرے گا۔ اسی طرح اگر ایک رائے میں کوئی چیز مکروہ ہے اور دوسری میں حرام تو انتہا پسند دوسری رائے کو ترجیح دے گا۔ اسی طرح اگر ایک رائے میں آسانی کا راستہ ہو اور دوسری میں مشکل کا تو انتہا پسند مشکل رائے کو ترجیح دے گا۔

مذہبی وجوہات میں سے یہ بھی ہے کہ انتہا پسند ماضی میں بھی اور آج بھی محکم آیات و احکامات کو چھوڑ کر متشابہات پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ ماضی میں خارجیوں نے متشابہات میں پڑ کر اپنے علاوہ تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیا اور خلیفہ چہارم حضرت علیؓ کے ساتھ جنگ کی اور ان کے حکم تسلیم کرنے کے فیصلہ کی مخالفت کی (انہوں نے قرآنی آیت ''حکم صرف اللہ کے لئے ہے'' کی غلط تشریح کی)۔ آج کے انتہا پسند بھی اسی غلطی کا شکار ہو کر ایک دم کفر کے فتوے صادر کر دیتے ہیں اور مخالفین کے خون کو حلال قرار دے دیتے ہیں۔

مذہبی انتہا پسندوں کے ہاں دینی سطحیت پائی جاتی ہے اور وہ دین کے صحیح شعور سے عاری ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے دین کو جو سمجھ حاصل کی ہے وہ مستند علماء سے حاصل نہیں کی ہوئی ہے۔ انہوں نے محض دینی لٹریچر کا مطالعہ کر کے خود ہی

نتائج اخذ کر دیے ہیں اور انہیں کوئی ایسا ذریعہ میسر نہیں آیا جو ان کے اخذ کردہ نتائج کے صحیح یا غلط ہونے کا جائزہ لیتا۔ ان لوگوں کی تنقیدی آراء تک رسائی کبھی ہوئی نہیں اس لئے وہ اپنی روش پر قائم رہتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ مکالمہ کی اہمیت سے آگاہ ہی نہیں ہوتے اور نہ تنقیدی آراء سننا گوارا کرتے ہیں۔ وہ اپنی آراء دوسروں پر زبردستی مسلط کرتے ہیں۔

مذہبی وجوہات میں یہ بھی شامل ہے کہ ان لوگوں کو سنن الٰہی کا شعور بھی حاصل نہیں ہے۔ کائنات میں ہر جگہ ہمیں تدریج وارتقاء کا عمل کارفرما نظر آتا ہے۔ یہ سنن انسانی سماج اور زندگی پر بھی لاگو ہوتے ہیں۔ یہاں بھی جو اصلاح، بہتری اور تبدیلی کا عمل ہوگا وہ تدریج وارتقاء کے ساتھ تکمیل تک پہنچے گا اور اس کے لئے صبر آزما حوصلہ اور جدوجہد کی ضرورت ہے۔ یہ جلد بازی، بے صبری اور تشدد کے سہارے پایہ تکمیل تک نہیں پہنچا جا سکتا۔ سنت وسیرت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس حقیقت پر گواہ ہیں۔[۲۲]

مذہبی وجوہات میں یہ بات بھی شامل ہے کہ دوسرے مذاہب میں بھی مذہبی انتہا پسندی کو فروغ حاصل ہوا ہے۔ اس کے ردعمل کے طور پر مسلمانوں میں بھی کچھ گروہ پیدا ہو گئے ہیں جو انتہا پسندی کا جواب انتہا پسندی سے دے رہے ہیں۔ انڈیا اور اسرائیل میں جو کچھ ہمیں نظر آتا ہے وہ اسی حقیقت کا غماز ہے۔

سیاسی ومعاشرتی وجوہات ومحرکات:

مذہبی انتہا پسندی کے رجحان کو تقویت دینے میں بہت سے سیاسی اور معاشرتی عوامل نے بھی کردار ادا کیا ہے۔

نو آبادیاتی دور کے بعد مشرق وسطیٰ میں عرب قومیت اور عربوں کی برادری کا تصور سامنے آیا لیکن ایک ایسے دور میں جب آزادی، ترقی اور سوشلزم کے نعرے گونج رہے تھے عرب قومیت کے تصور نے عربوں کے درمیان اتحاد وہم آہنگی میں کوئی کردار ادا نہ کیا۔ پان عربسٹ (Pan Arabist) تصور کی موت سے جو خلاء پیدا ہوا اسے اسلامی نظریہ نے پر کیا۔ اس کے علاوہ جو لبرل حکومتیں جدیدیت کی علمبردار تھیں اور ترقی کے مغربی نظریات پر ایمان رکھتی تھیں وہ بھی عام آدمی کی معاشی حالت بہتر کرنے میں ناکام رہیں۔ امیر اور غریب کے درمیان معاشی تفاوت بڑھتا گیا اور ان حکومتوں کو اشرافیہ کے مفادات کا تحفظ کرنے والی حکومتیں سمجھا جانے لگا۔[۲۳]

امریکہ کے ''ادارہ امن'' (Peace Institute) میں اسلامی انتہا پسندی کی وجوہات جاننے کیلئے ایک کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ اس کانفرنس کے نتائج سے سیاسی وجوہات پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ کانفرنس میں کہا گیا:

> ''مذہبی انتہا پسندی کے ابھرنے کی کوئی ایک وجہ نہیں ہے۔ سب سے اہم وجہ یہ ہے کہ اسلامی ممالک میں سیکولر حکومتیں اچھی حکومت اور معاشی ترقی کا مقصد حاصل کرنے میں ناکام رہی ہیں۔''[۲۴]

اس کانفرنس میں مصطفیٰ کمال نے کہا:

Another prime factor is the failure of many governments in the Muslim world to address the over whelming challenges of economic changes over

the last century .... The state has abondoned ■ large section of the populace. [۲۵]

اس سلسلہ میں John Esposito کہتا ہے:

Modernization has not led to the triumph of secular political and economic ideologies. Liberal nationalism, Arab nationalism and socialism, capitalism and Marxism, have, infact come to be viewed (by Muslims) as the sources of Muslim political economic failures. [۲۶]

اسلامی ممالک کے اندر بحیثیت مجموعی جمہوری قدروں اور انسانی قدروں اور اظہار رائے کی آزادی کی صورت حال انتہائی خراب رہی ہے۔ کئی ایک ممالک میں اسلام پسندوں کو سختی سے کچلا گیا جہاں اسلام پسند جمہوری راستے سے اقتدار میں آ کر تبدیلی کیلئے کام کرنا چاہتے تھے وہاں بھی انہیں فوجی اور آمرانہ طریقوں سے روکا گیا نتیجتاً بیلٹ Ballot کے بجائے بلٹ (Bullet) کا راستہ کھلا چھوڑ دیا گیا۔ الجیریا کی مثال ہمارے سامنے ہے وہاں پر اسلامی جماعت کے الیکشن میں کامیابی کے امکانات کو دیکھتے ہوئے دوسرے مرحلہ کے انتخابات نہ ہونے دیئے گئے اور بہانہ یہ بنایا گیا کہ اسلام پسند اقتدار میں آ کر جمہوریت ختم کر دیں گے ان سے پہلے یہ فریضہ مقتدر قوتوں نے خود ہی سرانجام دے دیا اور اسلام پسندوں کو تشدد کے راستہ پر ڈال دیا۔

معاشرتی عوامل بھی انتہا پسندی کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ اسلامی معاشروں میں سماجی انصاف کا فقدان ہے۔ بے روزگاری عام ہے۔ دولت کا نظام غیر منصفانہ ہے۔ عام آدمی اور حکمرانوں اور بیوروکریسی کے معیار زندگی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ آبادی کی اکثریت غربت کی لکیر (Poverty Line) سے نیچے رہ رہی ہے۔ مقتدر حلقوں میں کرپشن اور Kick Back کے ذریعے دولت سمیٹنے کی دوڑ لگی ہوئی ہے۔ ٹیکس کے ظالمانہ طریقوں نے عوام کا جینا مشکل بنا دیا ہے۔ احتساب کے نظام سے بڑی مچھلیاں ہمیشہ بچ جاتی ہیں۔ بڑے بڑے سیاستدانوں اربوں روپے کے قرضے حاصل کر کے ہڑپ کر جاتے ہیں لیکن ان کو پوچھنے والا کوئی نہیں ہے۔

''اسلامی معاشروں میں اسلامی اخلاقی تعلیمات سے روگردانی کا چلن عام ہے۔ شریعت کی منع کی ہوئی چیزوں کو فروغ دیا جاتا ہے اور مغربی ثقافت کی ترویج میں ہمارا میڈیا بڑی سرگرمی سے کام کر رہا ہے۔ ان حالات میں اسلام کے نام لیواؤں میں آزردگی (Resentment) اور دکھ کے جذبات پیدا ہونا ایک لازمی امر ہے۔ [۲۷] وہ چاہتے ہیں کہ اسلامی معاشروں کی حالت کو درست کیا جائے اور اس سلسلہ میں کچھ لوگ مثبت کاموں کی طرف توجہ دیتے ہیں اور کچھ منفی سرگرمیوں کی طرف۔ منفی سرگرمیاں انتہا پسندی کا مظہر ہیں۔

فلسفیانہ اور نفسیاتی وجوہات

انتہا پسندی کے فروغ کے پیچھے فلسفیانہ اور نفسیاتی وجوہات بھی کارفرما ہیں۔ ترکی کے مشہور دانشور ہارون یحییٰ نے انتہا

پسندی کے ایک مظہر دہشت گردی (Terrorism) کی فلسفیانہ اور نفسیاتی وجوہات اور بنیادوں کی تلاش کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ دہشت گردی کے پیچھے سماجی ڈاروزم (Social Darwinism) اور مادہ پرستی (Materialism) کا فلسفہ کام کر رہا ہے۔ اس فلسفہ کی رو سے زندگی جدوجہد (Struggle) سے عبارت ہے جس میں طاقتور کو ہی رہنے کا حق ہے۔ کمزور کی قسمت میں مٹ جانا ہی لکھا ہوا ہے۔ انسان اور کائنات سب اتفاق (Chance) کی پیداوار ہیں اس لئے کوئی انسان اپنے اعمال کے لئے کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہے۔ (انسان حیوان کی ترقی یافتہ شکل ہے)۔ یہ تصورات انسان کو بہیمانہ (Animalistic) زندگی گزارنے کی طرف راغب کرتے ہیں جس میں ظلم، تشدد اور جارحیت کو جائز سمجھا جاتا ہے جو شخص سماجی ڈاروزم اور مادہ پرستی سے متاثر ہوتا ہے وہ تشدد ہی کو اپنے مقاصد حاصل کرنے کا واحد راستہ سمجھتا ہے۔ اس نظریہ کو دنیا کے تمام ممالک اور اقوام میں یکساں مقبولیت حاصل ہے (کیونکہ پوری دنیا کے جو تعلیمی نظام ہیں ان کے ذریعے ڈاروزم اور مادہ پرستی کی تعلیم یکساں طور پر دی جارہی ہے اور مذہبی تعلیمات کی روشنی میں ان کا تنقیدی جائزہ بہت کم لیا جارہا ہے)۔ جو لوگ مذہب کے نام پر دہشت پسندانہ کارروائیوں میں ملوث ہیں وہ بھی دراصل ڈاروزم سے متاثر ہیں، مذہب کا محض نام ہی استعمال کر رہے ہیں جو شخص مذہب کے اخلاقی نظام سے متاثر ہوگا وہ قطعاً تشدد کی کسی قسم کی حمایت نہیں کرے گا کجا وہ کسی اعلیٰ مقصد کے حصول کے لئے دوسروں کے قتل کو روا رکھے گا۔ تشدد پسند نظریات جیسے فاشزم، نسلی منافرت، کمیونزم وغیرہ تمام ان ہی غلط تصورات سے تقویت حاصل کرتے ہیں۔

ایک نفسیاتی معالج فلپ کارڈ اپنے مضمون "Terrorist View us as targets" میں نفسیاتی بنیادوں پر دہشت گردی کی Roots تلاش کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ تحقیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ دہشت گردی اپنے ہدف کو اشیاء (Things & Objects) یا اعداد و شمار (Statistics) کی شکل میں دیکھتا ہے جو ہلاکتوں کی شکل میں نظر آتی ہیں۔ وہ اپنے ''شکار'' کو بطور انسان اپنے تجربہ میں نہیں لاتا۔ وہ انسانوں کو آسانی اور احساس سے عاری سرد مہری سے قتل کرنے کے لئے انہیں (انسانوں کے بجائے) اہداف (Targets) سمجھتا ہے...... دہشت پسندوں کی زیادہ دلچسپی قتل عام کے نتائج میں ہوتی ہے نا کہ قتل عام کے تجربہ میں...... وہ انسانوں کو اس لئے قتل کرتے ہیں کہ اس طرح وہ اپنے مقصد تک جلد اور براہ راست پہنچ سکتے ہیں دہشت گرد دوسروں کی موت پر تاسف کا ہلکا سا بھی احساس نہیں رکھتا۔ اس کے برعکس وہ جتنے زیادہ افراد کو قتل کرتا ہے وہ اتنا ہی اپنے آپ کو کامیاب سمجھتا ہے اور اس بات پر خوشی محسوس کرتا ہے۔

ہارون یحییٰ اس نفسیات کا تعلق ڈاروزم اور مادہ پرستانہ نظریات کے ساتھ جوڑتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

This passionate attachment to violence goes deeper beyond political ideologies and in fact stems from an underlying misconception about human nature.[۴۸]

معاشی محرکات و وجوہات

مغربی دنیا اور امریکہ کی نظریں کافی عرصہ سے اسلامی دنیا کے وسائل (خصوصاً) تیل کے وسائل پر جمی ہوئی ہیں۔ اسی

محرک کی وجہ سے انہوں نے اسلامی ممالک میں اپنی فوجوں کو لا کر ڈیرے ڈال لئے ہیں۔ عراق کے خلاف موجودہ کارروائی کے پیچھے بھی یہ محرک کام کر رہا تھا۔ امریکی اور مغربی فوجوں کی اسلامی ممالک میں موجودگی اور عملی طور پر ان کے وسائل پر قبضہ کی صورتحال عرب دنیا میں ایک ردعمل پیدا کر رہی ہے اور اسلام پسندوں کی ان ممالک کے خلاف کارروائیوں کیلئے معقول جواز فراہم کر رہی ہے۔

رچرڈ نکسن کہتا ہے کہ مشرق وسطیٰ کا تیل جدید صنعت کیلئے خون حیات کی حیثیت رکھتا ہے اور خلیج فارس کے سمندر کے راستے اس خون حیات تک رسائی کا ذریعہ ہیں۔ ایک دوسری کتاب میں وہ لکھتا ہے کہ چونکہ اگلے پچیس سالوں تک مشرق وسطیٰ ممکن طور پر دنیا کے لئے واحد تیل کا ذریعہ ہوگا اس لئے ہمارے پاس اس کے سوا کوئی دوسرا متبادل نہیں ہے کہ ہم اس علاقہ میں موجود رہیں۔[۲۹]

امریکہ کے سابق ڈیفنس سیکرٹری نے ''مشرق قریب کی پالیسی کے ادارہ'' میں خلیج میں امریکی افواج کی موجودگی کی وضاحت کرتے ہوئے کہا:

Given the enormous resources that exist in that part of the world, & given the fact that those resources are in decline elsewhere, the value of those resources is only going to rise in the years ahead and the U.S and our major partners cannot afford to have those resources controlled by somebody who is fundamentally hostile to our interest.[۳۰]

امریکی اور مغربی سیاستدان جب عوام سے مخاطب ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ مشرق وسطیٰ کے لوگ حاسد ہیں اس لئے وہ ہم سے نفرت کرتے ہیں لیکن ان ممالک کے اپنے ادارے ان کو کیا بتاتے ہیں وہ بھی ذرا دیکھ لیں۔ ۱۹۵۸ء میں امریکی صدر آئزن ہاور نے اپنے ادارہ نیشنل سیکورٹی کونسل سے یہ سوال کیا کہ وہ (مشرق وسطیٰ کے لوگ) ہم سے کیوں نفرت کرتے ہیں؟ این ایس سی (NSC) نے جواب دیا:

"They believe that the United states is seeking to protect its interest in near East oil by supporting the status quo and opposing political or economic progress.[۳۱]

آگے چل کر اسی رپورٹ میں جو NSC نے صدر امریکہ کو دی لکھا گیا:

''کہ ہم مطلق العنان حکمرانوں کو سپورٹ کرتے ہیں تا کہ مشرق وسطیٰ سے تیل حاصل کیا جا سکے۔'' (اس لئے ان سے نفرت کی جاتی ہے)[۳۲]

خالد بن سعید نے اپنی کتاب Western Dominance & Political Islam میں اسلام پسندوں اور مغربی ممالک کے درمیان تناؤ اور ٹکراؤ کی وجوہات پر یوں روشنی ڈالی ہے۔

Islamists define their goals as establishing an alternative political system challenging western control over Muslim lands and resources in the middle East. Therefore, socio-political Islam in this sense cannot play an accommodative or subordinate role to western hegemony as current regimes in the area do.[۳۳]

نوم چومسکی نے اپنے ایک مضمون جو کہ گارڈین اخبار میں شائع ہوا Drain the Swamp and there will be no more mosquitoes میں لکھا ہے کہ ۱۱ ستمبر کے واقعات کے بعد عرب دنیا میں جو سروے کیا گیا اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جو وجوہات آئزن ہاور کے زمانہ میں امریکہ سے نفرت بارے موجود تھیں وہ آج بھی اسی طرح درست ہیں۔[۳۴]

اسلامی ممالک تمام کے تمام تیسری دنیا(Third world) کے ممالک سے تعلق رکھتے ہیں۔ ورلڈ بینک کی ۱۹۹۵ء کی رپورٹ کے مطابق مشرق وسطیٰ کا علاقہ ترقی کی رفتار کے لحاظ سے Sub-Saharan افریقہ سے بھی پیچھے ہے۔ مشرق وسطیٰ میں اوسطاً شرح ترقی 0.9 فیصد ہے جبکہ پوری دنیا کی اوسط 3.2 فیصد ہے۔ پچھلے دس سالوں میں حقیقی جی ڈی پی (GDP) فی کس کے حساب سے 2 فیصد نیچے آگئی ہے۔ اس کمی کی وجوہات میں گرتی ہوئی تیل کی قیمتیں، خلیج کی دو جنگیں اور عالمی تجارت کی شرح نمو میں کمی شامل ہیں۔ پچھلے دس سالوں میں خلیج کی عالمی تجارت میں اضافہ 0.9 فیصد (اوسطاً) تھا جبکہ عالمی تجارت کی اوسط شرح نمو 3.9 فیصد رہی۔ تخمینوں کے مطابق اگلے دس سالوں میں مشرق وسطیٰ دنیا میں سب سے کم رفتار سے ترقی کرے گا کی پیش گوئی کی گئی ہے۔[۳۶]

ایسے مایوس کن حالات جن میں معاشی استعماریت نے مسلمانوں کی معیشت کو اپنے شکنجے میں لیا ہوا ہو تو استعماریت سے نجات کیلئے مسلم نوجوان جدوجہد پر مجبور نہ ہوں گے تو اور کیا کریں گے۔ اس پر مسلمان ممالک کی معاشی پالیسیاں بھی جلتی پر تیل کا کام کر رہی ہیں۔ پچھلی دو دہائیوں سے کھلی منڈی کی معیشت کے اقدامات جیسے نجکاری کا عمل، اعانتوں میں کمی کی پالیسی، (Subsidies reduction) کا اطلاق، حکومتی خدمات کی فراہمی میں کمی اور بے روزگاری کا بڑھنا وغیرہ عوامل کی وجہ سے عوام میں (Resentment) بہت زیادہ بڑھی ہے۔[۳۶]

اسرائیلی انتہا پسندی اور اس کی پشت پناہی

عالمی میڈیا اسلامی انتہا پسندی کو تو بڑھا چڑھا کر پیش کرتا ہے لیکن اسرائیل کی ریاستی دہشت گردی اور صیہونی انتہا پسندی سے پہلو تہی کی جاتی ہے۔ امریکہ اور مغربی ممالک کی طرف سے اسرائیل کو مکمل پشت پناہی حاصل ہے۔ وہ سویلین فلسطینی آبادی کے خلاف بدترین مظالم روا رکھ رہا ہے اور فلسطین کے مسئلہ کے باعزت اور پروقار حل سے پہلو تہی کر رہا ہے۔ وہ ان کو ان کے حق خود ارادیت سے محروم رکھ رہا ہے۔ ایسے بدترین حالات میں فلسطینیوں کے پاس اسرائیل کے خلاف جدوجہد کرنے کے سوا کوئی اور راستہ نہیں رہ جاتا۔ شیخ احمد کفتارو اس ضمن میں کہتے ہیں:

When it talks about religious extremism in the Middle East the world media forgets that zionist extremism exercises the most atrocious violence and persecution towards the Palestinians withunt losing its position as the spoilt child of the west. This zoinist extremism is behind the birth of what is called Islamic Fundamentalism. [۲۷]

ایلن سی براؤن فیلڈ اپنے مضمون (Growth of Religious Extremism in Isreal threatens the peace process) میں لکھتا ہے کہ اسرائیلی اور امریکی یہودی انتہا پسند فلسطینیوں کے ساتھ کسی طرح کی بھی Settlement کی بھرپور مخالفت کر رہے ہیں۔ یہودی انتہا پسند ربی (Rabbis) اسرائیل کی سرزمین کے کسی حصہ کو بھی فلسطینیوں کے حوالہ کرنے کو یہودی قانون کی خلاف ورزی قرار دے رہے ہیں۔ [۲۸]

اگر فلسطینیوں کی خود مختار ریاست کے قیام میں اسرائیل رکاوٹیں کھڑی نہ کرے اور مقبوضہ علاقوں کو خالی کر دے تو دونوں طرف خون خرابے کو بند کیا جا سکتا ہے۔

اس سلسلہ میں اسرائیل کی ملٹری انٹیلی جنس کے سابق سربراہ کی تجویز بڑی مناسب ہے۔ Yeoshaphat Harkabi نے تجویز کیا:

To offer an honourable solution to the Palestinians respecting their right of self-determination, that is the solution of the problem of terrorism. When the swamp disappears, there will be no more mosquitoes. [۲۹]..

نوم چومسکی اسرائیلی انٹیلی جنس کے سابق سربراہ کی تجویز کا حوالہ دینے کے بعد کہتے ہیں:

If we insist on creating more swamps, there will be more mosquitoes with awesome capacity for destruction. [۳۰]

تہذیبی و ثقافتی وجوہات

بعض لوگ انتہا پسندی کے بڑھنے کے پیچھے ثقافتی و تہذیبی عوامل کے کردار کی بات کرتے ہیں۔ ان لوگوں میں سیموئیل پی ہنٹنگٹن کا نام بہت نمایاں ہے۔ سیموئیل پی ہنٹنگٹن کہتا ہے کہ کمیونزم کے خاتمہ کے بعد یہ مغالطہ مغرب میں عام ہو گیا تھا کہ مغرب کا جمہوریت لبرل ازم کا نظریہ فتح پا چکا ہے۔ اس لئے آفاقی طور پر درست بھی ہے۔ مغرب اور خاص طور پر امریکہ یقین کی حد تک تصور کرتے ہیں کہ غیر مغربی لوگوں کو مغربی جمہوریت، فری مارکیٹ، محدود حکومت، انسانی حقوق، قانون کی حکمرانی...... جیسی اقدار کو اختیار کرنا چاہئے...... غیر مغربی ثقافتوں کا غالب رجحان ان اقدار سے اختلاف برتنے کا ہے۔ مغرب جسے آفاقیت قرار دیتا ہے۔ باقی دنیا اس کو سامراجیت کہتی ہے۔" [۳۱]

ہنٹنگٹن یہ لکھنے کے بعد کہ ساری ایشیائی ثقافتوں میں ایک نشاۃ ثانیہ ہو رہی ہے اور مقامیت میں اپنی شناخت ڈھونڈی

جا رہی ہے۔ اسلام اور اسلامی احیاء کے متعلق لکھتا ہے:

"......مسلمان اسلام کو تشخص، معنویت، استحکام، جواز، ترقی اور قوت کے سرچشمے مانتے ہوئے اس کی طرف کثیر تعداد میں رجوع کر رہے ہیں۔ ان کے لئے اسلام امید کا بھی سرچشمہ ہے جو اس نعرے کی صورت میں ظاہر ہو رہی ہے "اسلام ہر مسئلے کا حل ہے۔" اسلام کا یہ احیاء مغرب سے تعلقات کا ایک نیا مرحلہ ہے۔ یہ مغربی نظریات کی بجائے اسلام میں مسائل کا حل تلاش کرنے کی ایک کوشش ہے۔ اسلامی احیاء جدیدیت کو تو قبول کرتا ہے لیکن مغربی ثقافت کو مسترد کر دیتا ہے اور جدید دنیا میں زندگی کے رہنما کی حیثیت میں اسلام سے دوبارہ وابستگی چاہتا ہے۔"[۲۲]

سیموئیل کا کہنا ہے کہ مستقبل کی تاریخ تین گروپوں کے درمیان تنازعہ سے عبارت ہے۔ مغربی یونیورسل ازم، اسلامی شدت پسندی اور چین۔ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ مستقبل کی جنگیں سماجی گروہوں کے درمیان نہیں ہوں گی (جیسے امیر اور غریب یا معاشی بنیادوں پر تشکیل پانے والے دوسرے گروہ) بلکہ ثقافتی وحدتوں سے تعلق رکھنے والے مختلف گروہوں کے درمیان تنازعات اٹھ کھڑے ہوں گے۔[۲۳]

سیموئیل پی ہننگٹن کے خیالات و افکار پر مغرب و مشرق میں بہت زیادہ بحث و مباحثہ ہوا ہے اسلام اور مغرب کے تنازعہ کے حوالہ سے بھی بہت سے لوگوں نے سیموئیل کے بیان کردہ خیالات سے اتفاق نہیں کیا۔ کہا یہ جاتا ہے کہ چونکہ مغربی اور امریکی اجارہ داری (hegemony) کے راستہ میں اسلامی ممالک حائل ہو رہے ہیں اس لئے اسے تہذیبی تصادم کا رنگ دیا جا رہا ہے۔ عراق پر حملہ سے پہلے پوری دنیا میں جنگ کے خلاف مظاہرے ہوئے۔ اسلامی دنیا کے مقابلہ میں مغرب اور امریکہ میں احتجاج کی شدت زیادہ تھی اور ان ممالک میں جنگ کے خلاف جو نعرے زیادہ مشہور تھے وہ یہ تھے:

No Killing for Oil.

No Blood for Oil.

ان مظاہروں نے دو چیزوں کو واضح کیا: (۱) تہذیبوں کے درمیان تصادم نہیں ہو رہا کیونکہ اگر ایسی بات ہوتی تو مغربی ممالک میں مسلمان ملک کے خلاف حملہ کی صورت میں مظاہرے نہ ہوتے۔ (۲) اسلام اور مغرب کی جنگ بنیادی طور پر معاشی عوامل کی وجہ سے ہو رہی ہے جو مغرب لگنے والے نعروں سے واضح ہے۔

سطور بالا میں میں نے سیاسی اور معاشی عوامل پر کافی تفصیل سے بات کی ہے۔ سیاسی عوامل میں جابر، کرپٹ اور غیر فعال حکومتوں کی حمایت کے خلاف بھی مغربی دنیا کے لئے خفگی اور خلش کے جذبات پروان چڑھ رہے ہیں اور سب سے بڑھ کر مشرق وسطیٰ میں اسرائیلی مظالم کی پشت پناہی اہم عامل کے طور پر کام کر رہی ہے۔

ایک سیمینار میں خود ہننگٹن نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ امریکہ کے کچھ عالمی مفادات ہیں اور وہ دنیا کے مختلف علاقوں میں ان مفادات کیلئے سرگرم عمل ہے اس لئے علاقائی طاقتوں کے ساتھ تنازعات پیدا ہو رہے ہیں۔ اسی سیمینار میں

ہنٹنگٹن نے یہ بھی کہا کہ اسلامی کمیونٹی کی امریکہ سے ناراضگی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ ان کی جابر حکومتوں کی حمایت کرتا ہے۔
اس نے یہ تسلیم کیا کہ امریکہ Global hegemony کے راستہ کی طرف جا رہا ہے لیکن ابھی وہاں پہنچا نہیں ہے۔[۴۴]

شکاگو یونیورسٹی کی Lisa Wadeen اپنے مضمون: Beyond Crusades:
Why Samuel (and Bin Ladin) are wrong? میں بھی اسلامی Resentment کے پیچھے
معاشی و سیاسی عوامل کو کارفرما قرار دیا ہے۔ وہ کہتی ہے:

Possible sources of 'blow b ack' include the widely shared views that U.S serves as proxy for Israel, is responsible for the decade of sanctions against Iraqis, shores u p corrupt d ictators, stationed t roops in Saudi Arabia specifically..... current global economic arrangements are also implicated in beliefs about US imperial progects..... [۴۵]

مذہبی انتہا پسندی اور اس کا حل تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں

سطور بالا میں ہم نے مذہبی انتہا پسندی کے مسئلہ کی وجوہات ومحرکات پر مغربی اور اسلامی تناظر میں سیر حاصل بحث کی ہے۔ اب ہم اس مسئلہ کے حل کے سلسلہ میں تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں بحث کریں گے۔

اس مسئلہ کے حل کے سلسلہ میں ہمیں مختلف سطحوں پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ کچھ چیزیں تو ایسی ہیں جن کا تعلق مسلم معاشروں، حکومتوں اور افراد سے ہے اور کچھ چیزوں کا تعلق مختلف ممالک اور عالمی اداروں سے ہے جب تک ان تمام سطحوں پر کام نہیں ہوگا مسئلہ کے حل کی طرف خاطر خواہ پیش رفت ممکن نہ ہوگی۔

1- میانہ روی اور اعتدال کی تعلیمات، اسلام کا پیغام:

اسلام انسانوں کو صراط مستقیم کی طرف دعوت دیتا ہے۔ صراط مستقیم افراط وتفریط سے پاک راستہ ہے۔ یہ متوازن، میانہ رو اور غلو سے پاک شاہراہ ہے۔ یہ تشدد سے مبرا ہے۔

صراط مستقیم اختیار کرنے والے لوگ عقائد، عبادات، معاملات، جنگ، صلح، نفرت، محبت غرضیکہ ہر معاملہ میں میانہ روی اور اعتدال کی روش اپناتے ہیں۔

قرآن حکیم میں امت مسلمہ کو امت وسط کہا گیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

''اور اسی طرح ہم نے کیا تم کو امت وسط تا کہ تم ہو گواہ لوگوں پر اور رسول تم پر ہو گواہ۔'' (۱۴۳:۲)

علامہ عبدہٗ اس آیت کریمہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اسلام نے افراط وتفریط سے ہٹا کر دین فطرت کی صراط مستقیم کی طرف انسانیت کی راہ نمائی کی۔ اس نے بتایا کہ انسان جسم وروح دونوں کا مجموعہ ہے۔ دونوں کے جائز حقوق کی ادائیگی اور ان کے صحیح نشوونما سے

ہی انسانیت کی تکمیل ہو سکتی ہے۔ انسان کامل وہی ہے جو اپنے نفس کا، اپنے خاندان کا، اپنے بنی نوع انسان کا اور اپنے خدا کا حق اپنی اپنی جگہ ادا کرے۔ اس اصول پر اس نے جو جماعت تیار کی اس کو امت وسط کے لقب سے نوازا۔"[۴۶]

علامہ یوسف القرضاوی مذکورہ آیت کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

The Muslim Ummah is a nation of justice and moderation; it witnesses every deviation from the straight forward path in this life and in the horeafter. Islamic texts call upon Muslims to exercise moderation and to reject all kinds of extremism: ghuluw (غلو), tanattu (تنطع) and tashdid. [۴۷]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **خیر الامور اوسطھا** (بہترین کام میانہ روی کے ہیں)۔[۴۸]

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: بے شک نیک سیرت، نیک طریقہ اور میانہ روی نبوت کے اجزاء کا پچیسواں حصہ ہیں۔ مذہبی انتہا پسندی غلو فی الدین کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔ سابقہ امتوں کی ہلاکت اور بربادی میں غلو نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ امت مسلمہ کو ہدایت کی گئی ہے کہ غلو سے بچو ورنہ ہلاکت میں پڑ جاؤ گے۔[۵۰] مولانا امین احسن اصلاحی قرآنی آیت یا اھل الکتاب **لا تغلوا فی دینکم علی اللہ الاالحق** کی تفسیر یوں بیان کرتے ہیں: غلا یغلو کے معنی بڑھنے، زیادہ ہونے، متجاوز ہونے کے ہیں جس طرح مذہب کے معاملہ میں تفریط بہت بڑا جرم ہے۔ اسی طرح یہ افراط بھی بہت بڑا فتنہ ہے۔ اس سے مذہب کا وہ مزاج جو سراسر اعتدال ہے بالکل درہم برہم ہو جاتا ہے۔ یوں تو اس غلو میں تمام اہل مذاہب مبتلا ہوئے یہاں تک کہ ہم مسلمان بھی جن کو عدل وقسط پر قائم رہنے کی سب سے زیادہ تاکید ہوئی ہے اس فتنہ میں مبتلا ہو گئے۔[۵۱]

حجتہ الوداع کے موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مزدلفہ پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابن عباسؓ کو شیطان کو کنکریاں مارنے کے لئے چند پتھر اکٹھے کرنے کو کہا۔ ابن عباسؓ نے چند چھوٹے چھوٹے کنکر اکٹھے کئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا کہ یہ مناسب ہیں اور اسی طرح کے چھوٹے پتھروں کے ساتھ شیطان کو مارو۔ پھر فرمایا دین میں غلو سے بچو۔" امام ابن تیمیہ کا کہنا ہے کہ غلو سے اجتناب کا حکم عقائد، عبادات، لیکن دین سب پر لاگو ہوتا ہے اور چونکہ عیسائی عقائد وعمل میں غلو کا مظاہرہ کرتے تھے اس لئے قرآن میں انہیں نصیحت کی گئی کہ اپنے دین میں حد سے نہ بڑھو۔[۵۲]

ایک اور موقع پر فرمایا (اسلام کا) دین آسان ہے اور دین میں جو کوئی سختی کرے گا تو دین اس پر غالب آجائے گا اس لئے بیچ بیچ کی چال چلو۔[۵۳]

ایک حدیث میں فرمایا: "ہلاک ہو گئے وہ لوگ جو تنطع میں پڑ گئے۔" امام نوویؒ تنطع میں پڑنے والوں سے مراد یہ لیتے ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے قول وعمل میں حد سے بڑھ جاتے ہیں۔[۵۴]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کو عبادات کے ضمن میں بھی انتہا پسندی سے منع کیا۔ انس بن مالک

روایت کرتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادات کے متعلق دریافت کیا جب انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادات کے متعلق بتایا گیا تو انہوں نے انہیں ناکامی تصور کیا۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ وہ ساری ساری رات عبادت کرے گا۔ دوسرے نے کہا کہ وہ پورے سال روزے رکھے گا اور افطار نہ کرے گا۔ اللہ کے رسولؐ ان کے پاس آئے اور کہا کہ خدا کی قسم میں آپ لوگوں سے زیادہ اللہ کا مطیع ہوں اور اس کا خوف رکھتا ہوں پھر بھی میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، میں سوتا بھی ہوں اور قیام لیل بھی کرتا ہوں اور میں نے عورتوں سے شادی بھی کی ہے۔ پس وہ ہم میں سے نہیں جو میری سنت کی پیروی نہ کرے۔[۵۵]

2- دین اسلام کی تعلیمات سختی (Strictness) اور مشکلات سے پاک ہیں:

دین اسلام کی تعلیمات سیدھی سادی اور آسان ہیں۔ ان میں سختی اور مشکلات نہیں ہیں۔ دین اسلام انسانوں کیلئے آسانیاں پیدا کرتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقاصد بعثت مین سے ایک مقصد لوگوں کے بوجھ اتارنا ہے اور انہیں مشکلات سے بچانا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

''وہ لوگ جو پیروی کرتے ہیں اس رسول کی جو نبی امی ہے کہ جس کو وہ لکھا ہوا توریت اور انجیل میں بھی پاتے ہیں وہ انہیں نیک کام کرنے کا حکم کرتا ہے اور برائی سے منع کرتا ہے۔ وہ ان کیلئے حلال کرتا ہے، پاک چیزوں کو اور حرام کرتا ہے اور ان پر سے اتارتا ہے ان کے بوجھ اور وہ طوق جو ان پر تھے۔ (۷:۱۵۷)[۵۶]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''لوگوں کیلئے معاملات میں آسانی پیدا کرو اور مشکل نہ بناؤ''۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ چاہتا ہے کہ اس کی آسانیوں کو قبول کیا جائے اور وہ اپنی نافرمانی کو ناپسند کرتا ہے۔''[۵۷] جب کبھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دو چیزوں میں سے انتخاب کرنا ہوتا تو وہ ہمیشہ آسان چیز کا انتخاب کرتے اگر وہ چیز گناہ کی چیز نہ ہوتی[۵۸]

عبادات کے معاملہ میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کی مشکلات کا بہت خیال رکھتے۔ جب کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھاتے تو نماز میں مختصر قرأت کرتے تا کہ مقتدیوں کیلئے آسانی رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرامؓ کو بھی تلقین کی کہ جب آپ میں سے کوئی جماعت کی اقتدا کرے وہ اسے مختصر رکھے کیونکہ مقتدیوں میں کمزور، بوڑھے اور بیمار بھی ہوتے ہیں۔ ابو مسعود انصاری روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور کہا کہ میں فجر کی نماز سے رہ جاتا ہوں کیونکہ فلاں اس کو لمبی کر دیتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سن کر بہت ناراض ہوئے اور کہا آپ میں سے کچھ لوگ اچھے کاموں کے لئے بھی ناپسندیدگی پیدا کر دیتے ہیں۔[۵۹]

ان تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ان مذہبی انتہا پسندوں کیلئے غور وفکر کا کافی سامان موجود ہے جو ہر معاملہ میں تشدد (Strictness) کے قائل ہوتے ہیں اور دوسروں کے لئے بھی سختی کو پسند کرتے ہیں۔ دینی معاملات میں جہاں آسانی

سے فائدہ اٹھانے کا موقع ہوتا ہے اس سے نہ خود فائدہ اٹھاتے ہیں اور نہ دوسروں کو اجازت دیتے ہیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاذ بن جبل کو یمن روانہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں نصیحت کی: آسانی پیدا کرنا، دشواری نہ پیدا کرنا، خوش رکھنے والی باتیں کرنا، نفرت دلانے والی باتیں نہ کرنا۔"[۱۰]

قرآن حکیم میں سفر اور بیماری کی حالت میں روزہ کی قضا کی رخصت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ آپ کے لئے آسانی چاہتا ہے اور وہ آپ کو مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتا (۱۸۵:۲)

علامہ یوسف القرضاوی دینی معاملات میں شدت پسندی سے اجتناب کی تعلیم دیتے ہوئے کہتے ہیں: "آج کے دور میں اگر ایک مسلمان واجبات کی پابندی کرتا ہے اور سخت قسم کی محرکات سے اجتناب کرتا ہے تو اسے اسلام کے دائرہ سے نہیں نکالنا چاہئے، اسے اس وقت تک اسلام کا علم بردار سمجھنا چاہئے جب تک اس کی وفاداری اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قائم ہو۔"[۱۱]

سنن الٰہی سے آگاہی

ایک دور وہ تھا جب اسلامی معاشروں کا پورا نظام اللہ کے دین کے مطابق تشکیل پایا ہوا تھا پھر مسلمان معاشروں پر زوال طاری ہوا اور ایک ایک کر کے تمام ادارے ختم ہو گئے اور آج ہماری معیشت، تجارت، عدلیہ کا نظام، سیاست، تعلیمی نظام وغیرہ تمام شعبے اسلامی تعلیمات سے خالی ہو گئے ہیں۔ ان معاشروں کو موجودہ حالت تک پہنچنے میں بھی صدیوں کا عرصہ لگا ہے۔ ہر مسلمان کی خواہش بھی ہے اور دین کا تقاضا بھی ہے کہ ہمارے معاشروں میں اسلام واپس لایا جائے اور ہماری ساری کی ساری زندگی اللہ کے احکامات کے مطابق تشکیل پائے لیکن جس طرح خرابی کی مکمل حالت تک پہنچنے میں کافی عرصہ لگا ہے اسی طرح درست حالت کو دوبارہ بحال کرنے میں بھی یقیناً وقت صرف ہوگا۔ یہ کام نہ تو راتوں رات ہو سکتا ہے اور نہ جلد بازی میں الٹے سیدھے اقدامات سے ہم پرانی حالت کو واپس لا سکتے ہیں۔ اس ضمن میں ہمیں سنن الٰہی اور سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رہنمائی حاصل کرنی چاہئے۔

پہلی بات یہ ہے کہ کائنات میں ہر جگہ تدریج اور ارتقاء کا عمل کارفرما نظر آتا ہے۔ اس کائنات کی تخلیق بھی تدریجاً ہوئی ہے۔ اللہ کیلئے یہ مشکل نہ تھا کہ وہ 'کن' کہتا اور سب کچھ تخلیق ہو جاتا۔ قرآن حکیم کے مطابق اللہ نے اس کائنات کی تخلیق چھ ادوار میں کی۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہر چیز کو پختگی کی حالت تک پہنچنے میں کچھ وقت لگتا ہے۔ فصل اس وقت کاٹی جاتی ہے جب تیار ہوتی ہے۔ کچی فصل اور پھل اگر استعمال کئے جائیں تو وہ فائدہ دینے کی بجائے نقصان پہنچاتے ہیں۔ یہ سنن الٰہی انسانی سماجوں پر بھی لاگو ہوتے ہیں۔ ان کو تبدیل ہونے یا کرنے میں بھی صبر آزما جدوجہد تسلسل کے ساتھ درکار ہوتی ہے۔ عظیم کاموں کے نتائج بھی کچھ وقت کے بعد ہی اپنی مکمل شکل میں ظاہر ہوتے ہیں۔ ایک نسل کی کوششیں دوسری یا تیسری نسل میں جا کر بار آور ہوتی ہیں

مگر چیزیں اپنے فطری عمل کے ذریعے بارآور ہوں تو اس میں کوئی نقصان نہیں ہے۔ [۶۲]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ہمارے لئے ایک بہترین نمونہ ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیرہ سال تک مکہ میں گزارے ایک ایسی حالت میں کہ خانہ کعبہ میں طواف کر رہے ہیں اور ۳۶۰ بت وہاں پڑے ہوئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیکھ رہے تھے کہ ان بتوں کو ہٹانے کا وقت ابھی نہیں آیا کیونکہ مسلمانوں کی قوت ابھی کمزور تھی (آج کا کوئی جذباتی لیڈر ہوتا تو کمانڈو ایکشن کے ذریعے بتوں کو تباہ کروا دیتا اور دوسرے دن وہ نئے بت لا کر رکھ دیتے)۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ کفار کے ذہنوں سے کفر و شرک کو مٹا دیا جائے۔ اس لئے انہوں نے تیرہ سال تک توحید کی تعلیم جاری رکھی اور ان کے دلوں اور ذہنوں کو تبدیل کرنے کی کوشش کی۔ (حق کی دعوت کیلئے بڑی مستقل مزاجی اور صبر و استقامت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی لئے سورۃ العصر میں واتواصوا بالحق کے ساتھ واتواصوا بالصبر بھی آیا ہے)۔ کفار مکہ کے مظالم کے خلاف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کو صبر اور برداشت کی تلقین کرتے۔ جب مظالم کی انتہا ہو گئی تو کچھ لوگوں نے جوابی کارروائی کی اجازت طلب کی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت نہ دی کیونکہ ابھی جوابی کارروائی کیلئے مناسب وقت نہیں پہنچا تھا۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ پہنچے اور وہاں اسلامی ریاست قائم کر کے قوت و طاقت حاصل کی تو پھر مسلمانوں کو جوابی کارروائی کی اجازت دی گئی پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں فتح مند داخل ہوئے اور بتوں کو توڑ رہے تھے اور کہہ رہے تھے جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔ [۶۳]

دین کی تکمیل تیئس سال میں تدریجاً ہوئی ہے۔ ایک دم ہی تمام احکامات نازل نہیں ہوئے۔ پہلے ذہنوں کو تیار کیا گیا پھر برے کاموں کی نفرت جاگزین کی گئی اور آخر میں ان کاموں کو حرام قرار دیا گیا۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ پہلے وہ آیات نازل ہوئیں جن میں جنت و دوزخ کا تذکرہ تھا جب لوگوں نے اسلام قبول کرنا شروع کیا تو پھر حلال و حرام کے متعلق وحی آئی اگر پہلے شراب کی اور زنا کی ممانعت کی آیات نازل ہوتیں تو لوگ زنا اور شراب نوشی نہ چھوڑتے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے خلافت کی تشکیل خلافت راشدہ کے طریقوں کے مطابق کی۔ ان کا بیٹا ایک پر جوش اور پر خلوص مسلمان تھا۔ ایک دفعہ اس نے کہا کہ ابا جان آپ اصلاحات کیوں جلدی نافذ نہیں کرتے۔ خدا کی قسم میں پرواہ نہیں کرتا کہ حق کیلئے آپ یا میں ہلاک ہو جائیں۔ حضرت عمرؒ نے جواب دیا: ''میرے بیٹے جلد بازی نہ کرو۔ اللہ نے قرآن حکیم میں شراب کی دو دفعہ مذمت کی ہے اور تیسری دفعہ اسے حرام قرار دیا ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر میں تمام سچائی کو لوگوں پر ایک ہی دفعہ زبردستی نافذ کر دوں تو وہ اسے فوراً رد کر دیں گے اور اس سے فتنہ پیدا ہو سکتا ہے۔'' [۶۴]

حضرت حباب بن ارتؓ نے کفار کے ہاتھوں جو مصائب برداشت کرنے پڑتے تھے ان کیلئے اللہ سے مدد مانگنے کی درخواست کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سابقہ امتوں کی حق کیلئے تکالیف کا تذکرہ کیا اور کہا کہ اسلام کو غلبہ حاصل ہوگا لیکن آپ لوگ جلد باز ہیں۔ [۶۵]

قرآن حکیم میں متعدد آیات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نصیحت کی گئی ہے کہ کفار کے لئے عذاب مانگنے میں

جلدی نہ کریں اور پہلے پیغمبروں کا تذکرہ کیا گیا کہ کس طرح انہوں نے حق کیلئے تکالیف برداشت کیں اور کس طرح انہوں نے صبر و استقامت اور مستقل مزاجی سے حق کے لئے جدوجہد کی۔ [۶۶]

انہی چیزوں کو سامنے رکھتے ہوئے علامہ یوسف القرضاوی اسلام نظام حیات کی واپسی کے لئے کام کرنے والوں کو ان الفاظ میں رہنمائی فراہم کرتے ہیں:

Those who call for the return to the Islamic way of life and the establishment of the Islamic state must take into consideration the necessity of gradation for the realization of their goals, taking into account the sublimity of the goals, their own means and potentiality, and the mulitiplicity of impediments. [۶۷]

تکفیر بازی اور دہشت گردی تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منافی ہیں

مذہبی انتہا پسندی کا ایک مظہر یہ ہے کہ کچھ لوگ اپنی مزعومہ تشریحات اسلام کی بنیاد پر کسی خاص گروہ یا فرقہ کو اسلام کے دائرہ سے نکال دیتے ہیں اور اس گروہ کی جان، مال، عزت اور آبرو کی پامالی کو جائز قرار دے دیتے ہیں۔ ابتداء میں میں نے ماضی سے خارجیوں کی مثال دی تھی۔ آج بھی کچھ گروہ مسلمانوں کی تکفیر بازی کو اپنا شعار بنائے ہوئے ہیں اور ان کے قتل کو حلال سمجھتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دی ہوئی ہدایات و تعلیمات اور فقہاء امت کی تشریحات سے اس رَوش کی مذمت معلوم ہوتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جب کبھی ایک شخص دوسرے شخص پر فسق یا کفر کی تہمت لگائے گا تو وہ تہمت اسی پر پلٹ آئے گی اگر وہ شخص جس پر تہمت لگائی گئی ہے درحقیقت کافر یا فاسق نہ ہو۔'' [۶۸]

ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''تین چیزیں اصل ایمان سے ہیں اور ان کا ایمان کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ ایک یہ کہ جو شخص کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھتا ہو اس کے متعلق زبان کو روک رکھنا، نہ کسی گناہ کی وجہ سے تکفیر کی جائے اور نہ کسی برے عمل کی وجہ سے اس کو اسلام سے خارج کیا جائے۔ [۶۹] ایک اور حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ وہ شہادت دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں جب وہ ایسا کر دیں تو مجھ سے اپنی جانیں بچا لیں گے۔ الا یہ کہ اسلام کا کوئی حق ان کے خلاف قائم ہو اور ان کا حساب اللہ عز وجل کے ذمہ ہے۔ [۷۰] ایک اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بھی اس ضمن میں واضح ہدایات موجود ہیں۔ انصار میں سے ایک صاحب ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے راز میں بات کر رہے تھے۔ اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے با آواز بلند فرمایا ''کیا وہ شخص لا الہ الا اللہ کی شہادت نہیں دیتا ہے۔ انصاری نے عرض کیا ''جی ہاں! یا رسول اللہ'' مگر اس کی شہادت کا اعتبار نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا وہ محمد صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ کا رسول نہیں مانتا؟'' انہوں نے پھر عرض کی جی ہاں وہ اقرار تو کرتا ہے مگر اس کے اقرار کا اعتبار نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر فرمایا کیا وہ نماز نہیں پڑھتا؟ انہوں نے عرض کی جی ہاں پڑھتا ہے مگر اس کی نماز کا کوئی اعتبار نہیں۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''ایسے لوگوں کو قتل کرنے سے اللہ نے مجھے منع کیا ہے۔''[۱]

جو شخص بھی ضروریات دین یا لوازمات ایمان کو مانتا ہے وہ قانونی و شرعی طور پر مومن و مسلم ہے اور کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اسے مسلمانوں کی جماعت سے نکالے اور اسے واجب القتل اور مباح الدم قرار دے۔ لوازمات دین کا ذکر متعدد آیات و احادیث میں آیا ہے جیسے آیہ بر (۲:۱۷۷) اور حدیث جبریل وغیرہ۔[۲]

تکفیر مسلم کے سلسلہ میں مفتی محمد شفیع صاحب نے بڑی اچھی بات کہی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ علماء امت کی تصریحات کے مطابق اگر کسی شخص کے کلام کے تمام احتمالات میں سے کوئی ایک ضعیف احتمال بھی ایسا ہو جس کے معنی کفر پر محمول نہ ہوتے ہوں بلکہ عقائد حقہ کے مطابق ہو جاتے ہوں تو مفتی پر واجب ہے کہ اسی احتمال ضعیف کو اختیار کر کے اس کے مسلمان ہونے کا فتویٰ دے۔ اسی طرح اگر کوئی مسلمان کسی ایسے عقیدہ کا قائل ہو جائے جو آئمہ اسلام میں سے اکثر لوگوں کے نزدیک کفر ہو لیکن بعض آئمہ اس کے کفر ہونے کے قائل نہ ہوں تو اس کفر مختلف فیہ سے بھی کفر کا حکم کرنا جائز نہیں۔[۳]

غیر مسلم اقلیتوں پر زیادتی تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روگردانی ہے

مذہبی انتہا پسندی کا ایک مظہر یہ ہے کہ اسلامی ممالک میں رہنے والی غیر مسلم اقلیتوں پر ظلم کیا جائے، ان کی عبادت گاہوں کو نقصان پہنچایا جائے اور ان کو اپنی مذہبی عبادات و رسومات ادا کرتے ہوئے خون میں نہلا دیا جائے۔ یہ چیزیں تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روگردانی کے مترادف ہیں اگر کسی جگہ مسلمانوں کو کوئی غیر ملکی طاقت ہلاک کرتی ہے یا کسی اور مذہب کے انتہا پسند مسلمانوں کی عبادت گاہوں کو نقصان پہنچاتے ہیں تو اس کا بدلہ اسلامی ملک کے اندر رہنے والے غیر مسلموں سے لینا شریعت اسلامی کی ہدایات کے منافی ہے۔

پہلی اسلامی ریاست کے قیام کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ میں رہنے والی غیر مسلم اقوام کے ساتھ ایک میثاق کیا جسے میثاق مدینہ کہا جاتا ہے۔ میثاق مدینہ کے مطابق بنو عوف کے یہود مسلمانوں کے ساتھ مل کر ایک امت ہوں گے۔ یہود اپنے دین پر عمل کریں گے اور مسلمان اپنے دین پر۔ خود ان کا بھی یہی حق ہوگا اور ان کے غلاموں اور متعلقین کا بھی جو طاقت اس معاہدہ کے کسی فریق سے جنگ کرے گی سب اس کے خلاف آپس میں تعاون کریں گے۔ اس معاہدے کے سارے شرکاء پر مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہنگامہ آرائی اور کشت و خون حرام ہوگا۔[۴]

نجران، یمن میں عیسائیوں کا شہر تھا۔ ان لوگوں سے جو معاہدہ کیا گیا اس میں طے کیا گیا کہ نجران اس کے حلقہ کے لوگ اللہ کے جوار اور رسول اللہ کی ذمہ داری ہیں۔ ان کے اموال، جانیں، منصب، ان کی عبادت گاہیں وغیرہ سب محفوظ رہیں گی۔ کسی پادری کو اس کے موقف سے کسی راہب کو اس کی رہبانیت سے کسی کاہن کو اس کہانت سے ہٹایا نہ جائے گا اور نہ کسی قسم کی سختی یا تنگی

کی جائے گی اور نہ کوئی دوسرا ان پر حملہ آور ہو سکے گا۔[۷۵]

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد صدیق اکبرؓ نے اس معاہدہ کو بحالہ باقی رکھا اور مزید توثیق کیلئے ایک نیا عہد نامہ لکھ کر دیا جس میں بھی لوگوں کی جان و مال، مذہب، خصوصیات، عبادت گاہوں، عبادتوں کو بدستور تحفظ فراہم کیا گیا۔ جب حضرت عمرؓ کے دور میں اہل نجران نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی تو انہیں عراق و شام کی طرف منتقل کیا گیا لیکن زمین کے بدلہ میں زمین دی گئی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صدیق اکبرؓ کے معاہدہ کی پاسداری کا عہد کیا گیا اور ان کی حفاظت کی ذمہ داری مسلمانوں کی ذمہ داری قرار دی گئی اور ان کے خلاف ظلم کرنے والے کے خلاف مسلمانوں کو مدافعت کرنے کا حکم دیا گیا اور دو سال تک سرکاری ٹیکس سے معافی دے دی گئی۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے ادوار میں بھی ان کے ساتھ کیئے گئے اولین معاہدوں کی پاسداری کی گئی۔[۷۶]

فقہ اسلامی میں یہ تصریح کی گئی ہے کہ اگر کوئی مسلمان غیر مسلموں کے خنزیر یا شراب کو ضائع کر دے تو اس کی قیمت ادا کرنی پڑے گی حالانکہ اسلام میں یہ دونوں چیزیں انتہائی حرام ہیں۔[۷۷]

یہ اسلامی تعلیمات کا آغاز تھا کہ بعد کے ادوار میں خلفاء وسلاطین نے مذہبی رواداری کو حکومتی پالیسی کے طور پر اپنایا اور غیر مسلم رعایا کی فلاح و بہبود کے لئے ہر ممکن اقدامات کیئے اگر برداشت کی پالیسی نہ اپنائی جاتی اور جبر و اکراہ کو روا رکھا جاتا تو آج اسلامی حکومتوں کے مراکز کے اندر غیر مسلم آبادیاں موجود نہ ہوتیں۔ حضرت عمرؓ کے دور میں ایک پادری نے اپنے ایک دوست کو ایک خط لکھا جو مسلمانوں کی غیر مسلموں کے بارے میں رواداری کی پالیسی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ پادری نے لکھا:

> یہ طائی (عرب) جنہیں خدا نے آج کل حکومت عطا فرمائی ہے وہ ہمارے بھی مالک بن گئے ہیں لیکن یہ عیسائی مذہب سے بالکل برسرپیکار نہیں ہیں بلکہ اس کے برخلاف وہ ہمارے دین کی حفاظت کرتے ہیں اور ہمارے گرجاؤں، کلیساؤں کو جاگیریں عطا کرتے ہیں۔[۷۸]

اسلامی اخلاقی تعلیمات کی حکمرانی سے دہشت گردی کا خاتمہ ممکن ہے

اسلامی اخلاقی تعلیمات میں دہشت گردی، قتل و غارت گری اور خودکش حملوں کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ یہ طریقے اگر کسی گروہ میں پائے جاتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اسلام کی اخلاقی تعلیمات سے آگاہی نہیں رکھتا اور غیر مسلم تنظیموں اور گروہوں کے طریقوں کی نقالی کر رہا ہے اور غیر مسلم نظریات جیسے فاشزم، Racism اور ڈاروزنم وغیرہ سے متاثر ہے۔ اسلام کی پاکیزہ تعلیمات میں تو جنگ کے میدان میں بھی اخلاق کا دامن ہاتھ سے چھوڑنے کی اجازت نہیں ہے۔

دہشت گردی فساد فی الارض کی مختلف اقسام میں سے ایک انتہائی گھناؤنی قسم ہے۔ ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اور جو لوگ اللہ کا عہد توڑتے ہیں مضبوطی کے بعد اور اس چیز کو قطع کرتے ہیں جس کو اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں ان پر اللہ کی لعنت ہے اور ان کے لئے برا ٹھکانا ہے (۱۳:۲۵)۔ ایک اور جگہ فرمایا ''اور زمین میں

اس کی اصلاح کے بعد خرابی پیدا نہ کرو اور اسے خوف اور امید سے پکارو۔ بے شک اللہ کی رحمت نیک کام کرنے والوں کے قریب ہے۔'' (۷:۵۶)۔ ایک دوسرے مقام پر فرمایا: ''اسی سبب سے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھا کہ جو کوئی قتل کرے ایک جان کو بلا عوض جان کے یا فساد کرنے کے ملک میں تو گویا قتل کر ڈالا اس نے سب لوگوں کو اور جس نے زندہ رکھا ایک جان کو تو گویا زندہ کر دیا سب لوگوں کو۔ اور ان کے پاس ہمارے رسول کھلے ہوئے حکم لا چکے ہیں پھر بھی بہت سے لوگ اس کے بعد بھی زمین میں زیادتیاں کرتے ہیں۔'' (۵:۳۲) اس آیت کریمہ میں نہ صرف مسلمانوں کیلئے غور وفکر کا سامان ہے بلکہ تمام اہل کتاب کیلئے درس عبرت پوشیدہ ہے اور اپنے اعمال کا جائزہ لینے کا موقع ہے کہ کیا وہ رسولوں کے احکامات سے روگردانی کر کے اپنے مقاصد کے حصول کیلئے صحیح راستہ کا انتخاب کئے ہوئے ہیں؟

اس سے اگلی آیت کریمہ میں دہشت گردی اور فساد فی الارض کیلئے سزائیں تجویز کی گئی ہیں۔

ارشاد خداوندی ہے ''یہی سزا ہے ان کی جو لڑائی کرتے ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور ملک میں فساد برپا کرنے کو دوڑتے ہیں کہ ان کو قتل کیا جائے یا سولی چڑھائے جائیں یا ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے کاٹے جائیں یا دور کر دیئے جائیں اس جگہ سے۔ یہ ان کی رسوائی ہے دنیا میں اور آخرت میں ان کیلئے بڑا عذاب ہے۔'' (۵:۳۳) ایک اور مقام پر قرآن نو منافقین کا ذکر کرتا ہے جو خدا اور مذہب کے نام پر اکٹھے ہوتے ہیں لیکن ان کا حقیقی مقصد فساد فی الارض برپا کرنا ہوتا ہے۔ وہ اللہ کے ایک پیغمبر کو قتل کرنے کے لئے خدا کی قسمیں اٹھاتے ہیں۔ قرآن حکیم ان کو ذکر یوں کرتا ہے:

''اور تھے شہر میں نو شخص کہ خرابی کرتے زمین میں اور اصلاح نہ کرتے۔ بولے کہ آپس میں قسم کھاؤ اللہ کی کہ البتہ رات کو جا کر پڑیں گے ہم اس پر اور اس کے گھر پر پھر کہہ دینگے اس کے دعویٰ کرنے والے کو ہم نے نہیں دیکھا جب تباہ ہوا اس کا گھر اور بے شک ہم سچ کہتے ہیں۔ انہوں نے ایک فریب بنایا اور ہم نے بھی بنایا ایک فریب اور ان کو خبر نہ ہوئی (۲۷:۴۸۔۵۰)''۔

اس آیت کریمہ میں قرآن نے ایک ایسے واقعہ کا ذکر کیا ہے جس میں چند لوگ ایک منصوبہ مذہب کے نام پر بناتے ہیں اور اللہ کی قسمیں بھی اٹھاتے ہیں وہ اپنے تئیں تو ایک ایسا کام کرنے جا رہے تھے جو بڑا مذہبی تھا لیکن درحقیقت وہ مذہبی اخلاقیات کے برعکس کام تھا۔ ان کے کام کے ذریعے زمین میں اصلاح کے بجائے فساد پیدا ہو رہا تھا۔ اسی لئے قرآن حکیم نے اس کی مذمت کی ہے جن لوگوں کے دل میں خدا خوفی ہو اور انہیں محاسبہ اخروی کا ڈر ہو وہ قطعاً فساد فی الارض کے کام نہیں کریں گے کیونکہ اللہ نے ایسے کاموں سے منع کیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

''انسانوں میں کوئی تو ایسا ہے جس کی باتیں دنیا کی زندگی میں بہت بھلی معلوم ہوتی ہیں اور اپنی نیک نیتی پر وہ بار بار خدا کو گواہ بناتا ہے مگر حقیقت میں وہ بدترین دشمن حق ہوتا ہے۔ جب وہ پلٹتا ہے تو زمین میں اس کی ساری دوڑ دھوپ اس لئے ہوتی ہے کہ فساد پھیلائے، کھیتوں کو غارت کرے اور نسل انسانی کو تباہ کرے حالانکہ اللہ (جسے وہ گواہ بنا رہا تھا) فساد کو ہرگز پسند نہیں کرتا اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ

سے ڈر، تو اپنے وقار کا خیال اسے گناہ پر جما دیتا ہے۔ ایسے شخص کے لئے تو بس جہنم کافی ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔(۲: ۲۰۵۔۲۰۶)"۔

اللہ سے محبت کرنے والے لوگ اچھے کاموں کی طرف دوڑتے ہیں اور اللہ کو فسادی لوگ نہیں پسند آتے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"بھلائی کر جیسے اللہ نے تجھ سے بھلائی کی اور زمین میں فساد نہ چاہ۔ اللہ فسادیوں کو پسند نہیں کرتا۔ (۲۸: ۷۷)"۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ وہ کون سی اخلاقی قدریں ہیں جو قرآن انسانوں کو تعلیم کرتا ہے جو زمین کو دہشت و تشدد پسندی سے نکال کر امن وسکون کے راستہ پر ڈال سکتی ہیں۔

کفار نے جب مسلمانوں کو کعبہ کی زیارت سے روک دیا تو مسلمانوں میں یہ خیال پیدا ہوا کہ جن کافر قبیلوں کے راستے اسلامی مقبوضات کے قریب سے گزرتے ہیں ان کو ہم بھی حج سے روک دیں گے اور زمانہ حج میں ان کے قافلوں پر چھاپے مارنے شروع کر دیں گے اس پر اللہ نے انہیں اس ارادہ سے باز رکھا۔ فرمایا: "اور دیکھو ایک گروہ نے جو تمہارے لئے مسجد حرام کا راستہ بند کر دیا ہے تو اس پر تمہارا غصہ تمہیں اتنا مشتعل نہ کر دے کہ تم بھی ان کے مقابلہ میں ناروا زیادتیاں کرنے لگو۔ نہیں جو کام نیکی اور خدا ترسی کے ہیں ان میں سب سے تعاون کرو اور جو گناہ اور زیادتی کے کام ہیں ان میں کسی سے تعاون نہ کرو، اللہ سے ڈرو، اس کی سزا بہت سخت ہے۔(۵:۲)

قرآن ہمیں نصیحت کرتا ہے کہ اگر آپ سے کوئی زیادتی کرے تو اس کا بدلہ اتنا ہی لینے کا آپ کو حق ہے لیکن اگر معاف کر دو اور تحمل و برداشت کا مظاہرہ کرو تو یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

"اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے پھر جو کوئی معاف کرے اور صلح کرے سو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔ بے شک اللہ کو ظلم کرنے والے پسند نہیں ہیں اور جو کوئی بدلہ لے اپنے مظلوم ہونے کے بعد سو ان پر کچھ الزام نہیں، الزام تو ان پر ہے جو ظلم کرتے ہیں لوگوں پر اور زمین میں ناحق فساد برپا کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے اور البتہ جس نے تحمل کیا اور معاف کیا بے شک یہ کام ہمت کے ہیں۔ (۴۲: ۴۰۔۴۳)۔

قرآن کہتا ہے کہ اگر برائی کے مقابلہ میں نیکی کی جائے تو وہ بڑے دوررس نتائج کی حامل ہوتی ہے۔ فرمایا:

"اور برابر نہیں نیکی اور بدی۔ جواب میں وہ کہہ جو اس سے بہتر ہو پھر تو دیکھ لے کہ تجھ میں اور جس میں دشمنی تھی گویا دوستدار ہے قرابت والا (۴۱: ۳۴)۔ جو لوگ برائی کے جواب میں بھلائی کرتے ہیں ان کے لئے اللہ کے ہاں دوہرا اجر ہے (۲۸: ۵۴)۔

ایک اور جگہ فرمایا:

''برائی کے مقابلہ میں وہ جواب دو جو اچھا ہے (۲۳:۹۶)''۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی بھی ہمیں دہشت گردی کے عذاب سے نجات حاصل کرنے کے سلسلہ میں کافی رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زندگی میں ان لوگوں کو بھی معاف کر دیا جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیتیں دینے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔ فتح مکہ کے دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گروہ قریش کو مخاطب کر کے فرمایا: ''جاؤ! تم سب آزاد ہو۔''[۷۹]

عثمان ابن طلحہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''عثمان! یہ اپنی کنجی تھامو! آج بھلائی اور وفائے عہد کا دن ہے۔''[۸۰] حضرت حذیفہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم ہر ایک کے پیچھے نہ چلو۔ تم کہتے ہو کہ اگر لوگ تمہارے ساتھ بھلائی کریں گے تو ہم بھی کریں گے اور اگر ظلم کریں گے تو ہم بھی کریں گے۔ یہ نہیں بلکہ اپنے آپ کو پرسکون رکھو۔ لوگ تمہارے ساتھ بھلائی کریں تو بھلائی کرو اور اگر برائی کریں تو بھی ظلم نہ کرو۔[۸۱] آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ کے لئے جو اصول وضوابط عطاء کیے ہیں وہ بھی دہشت گردی اور انتہائی پسندی کے خاتمہ کے سلسلہ میں بڑے مددگار ثابت ہو سکتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ ''خدا کے قانون کی پاسداری کرتے ہوئے جنگ کرو۔ بوڑھوں، عورتوں اور بچوں کو نہ چھیڑو۔ ان کی حالت درست کرو اور ان کے ساتھ مہربانی سے پیش آؤ۔[۸۲] ایک اور حدیث میں فرمایا: ''(جنگ کے دوران) بچوں کو قتل نہ کرو جو لوگ عبادت گاہوں میں عبادت کر رہے ہیں ان کو نہ چھیڑو، عورتوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کرو، درختوں کو نہ کاٹو اور نہ آگ لگاؤ، مکانات کو تباہ نہ کرو۔''[۸۳] حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جیش اسامہ کو ہدایات دیتے ہوئے فرمایا: ''لوگوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر مثلہ نہ بنانا، چھوٹے بچوں کو قتل نہ کرنا، ایسے بوڑھوں کو قتل نہ کرنا جو لڑ نہیں سکتے، عورتوں کو کچھ نہ کہنا...... کھانے بھر کی ضرورت سے زائد جانور ذبح نہ کرنا، تم لوگوں کا گذر ایسے لوگوں پر ہوگا جنہوں نے اپنے آپ کو گرجوں میں عبادت کیلئے وقف کر رکھا ہے ان کو ان کے حال پر چھوڑ دینا۔''[۸۴] نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک معرکہ میں کسی عورت کو مقتول پایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سخت ناراض ہوئے اور مجاہدین کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا میں نے تم لوگوں کو عورتوں کو قتل کرنے سے نہیں روکا؟ یہ تو تم سے لڑ نہیں رہی تھی۔''[۸۵]

لبنان کے بعض شرپسندوں نے وہاں کے عامل عبداللہ بن عباس کے خلاف بغاوت کر دی۔ وہ ان سے لڑے اور انہیں شکست دی۔ اس بغاوت میں کچھ ذمی بھی شریک تھے۔ عبداللہ نے باغیوں کو جلاوطنی کی سزا دینے کے ساتھ ساتھ ان کے اہل ذمہ کو بھی جلاوطن کر دیا جو اس بغاوت میں شریک نہ تھے۔ اس پر امام اوزاعی نے جو عبداللہ کو خط لکھا وہ آج کے حالات میں بھی راہنمائی فراہم کرسکتا ہے۔ آپ نے لکھا بعض کو اپنے وطن سے نکال دیا ہے اور ان جلاوطن لوگوں میں سے کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو باغیوں کے ساتھ کسی قسم کا تعاون نہیں کر رہے تھے۔ آپ بتائیں کہ ایک خاص آدمی یا گروہ کے گناہ کے عوض آپ عوام الناس کو کس اصول کے مطابق سزا دے رہے ہیں؟ آپ ان لوگوں کو ان کے ملک اور جائداروں سے نکال رہے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے ''وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی......'' اس خط کے بعد والی لبنان نے ان لوگوں کو اعزاز واکرام سے اپنے گھروں کو لوٹا

دیا۔[۵۶]

آج مسلمانوں کے اندر انتہا پسند غیر مسلموں کے طور طریقوں کی نقالی کرتے ہوئے خودکش حملوں کے ذریعے تباہی پھیلاتے ہیں۔ ان حملوں میں بہت سے بے گناہ اور معصوم لوگ بھی نشانہ بنتے ہیں۔ اس طرح خودکش حملہ کرنے والے قتل ناحق کے مرتکب ہوتے ہیں۔ خودکشی کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے۔ صحیح بخاری میں ایک واقعہ کا ذکر ہے جس میں ایک شخص جہاد میں زخمی ہو گیا تھا اور وہ جلد مرنا چاہتا تھا اس لئے اس نے تلوار اپنے سینے میں اتار کر خودکشی کر لی۔ اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہنمی قرار دیا۔ ایک صحابی نے حیرانگی کا اظہار کیا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ایک آدمی ایک ایسا فعل کرتا ہے جو لوگوں کو جنتی لوگوں کا کام نظر آتا ہے لیکن وہ اصل میں جہنمیوں کا کام ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک کام لوگوں کو جہنمیوں کا نظر آتا ہے حالانکہ وہ جنتیوں کا کام ہوتا ہے۔''[۵۷]

خودکش حملوں کے مذہبی اخلاقیات سے متصادم ہونے کے متعلق ہارون یحییٰ لکھتے ہیں:

Carrying out suice attacks, and causing the deaths of thousands of innocent people while doing so, is a total violation of Islamic morality .... The only people who can do such things are those who have a mistaken perception of religion.... are under the influence of atheist ideologies. [۵۸]

امت مسلمہ کی اجتماعی ذمہ داریاں اور تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جہاد و قتال فی سبیل اللہ بنیادی طور پر ایک اسلامی ریاست کا فریضہ ہے۔ ماضی میں جب بھی اسلامی ریاستیں کمزور ہوئیں اور اندرونی اور بیرونی دشمنوں کی یلغار کا مقابلہ کرنے کی قوت و ہمت کھو گئیں اور مسلمان عوام کے مفادات، عزت، جان، مال اور آزادی کا تحفظ کرنے میں ناکام ہوئیں تو اس مقصد کے لئے مسلمان عوام میں سے مختلف گروہوں اور افراد نے اپنے طور پر کوششیں کیں۔ ہندوستان میں مرہٹوں کی یورش کو ختم کرنے کے لئے حضرت شاہ ولی اللہ نے احمد شاہ ابدالی کو مدد کیلئے پکارا۔ سکھوں کے بڑھتے ہوئے مظالم کے خلاف اور مسلمانوں کی آزادی کیلئے سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید نے جدوجہد کی۔ تاتاریوں کی یلغار کے خلاف امام ابن تیمیہ نے کوششیں کیں۔ انگریزوں کے خلاف شاہ عبدالعزیز نے جہاد کا فتویٰ دیا۔ فرانسیسی تسلط کے خلاف بومدین، بن باللہ اور بوضیاف کے ساتھ شیخ عبدالحمید بن بادیس اور شیخ بشیر الابراہیمی نے مسلح جدوجہد کی۔[۵۹] روسی جارحیت کے خلاف علماء اور عوام نے مل کر جدوجہد کی (بعد میں اسلامی ممالک اور دوسرے ممالک بھی اس جدوجہد میں اپنے اپنے مقاصد کے حصول کے لئے شامل ہو گئے)۔ موجودہ حالات میں دنیا بھر میں مسلمان ظلم و ستم کا شکار ہیں۔ چیچنیا، بوسنیا، کشمیر، فلسطین، عراق، افغانستان ہر جگہ مسلمان یا تو ریاستی دہشت گردی کا شکار ہیں یا نسلی، مذہبی منافرت کا نشانہ بن رہے ہیں۔ ان حالات میں اسلامی ممالک اپنے فرائض ادا کرنے میں ناکام ہوئے ہیں تو مختلف افراد اور گروہ مسلح جدوجہد پر مجبور ہوئے ہیں۔

ایک اور خطرناک صورتحال جو سامنے آ رہی ہے کہ امریکہ اور مغربی ممالک سرد جنگ کے خاتمہ کے بعد ایک نئے

استعمار کی صورت میں دنیا کو بالعموم اور اسلامی دنیا کو بالخصوص للکار رہے ہیں۔ ایک ایک کر کے اسلامی ممالک پر قبضہ کر رہے ہیں۔ اس استعمار کا مقابلہ افراد اور گروہوں کے بس کی بات نہیں ہے۔ اسلامی ریاستوں کو اسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں مشترکہ طور پر کوششیں کرنا پڑیں گی۔ اسلامی ریاستیں اگر نیٹو کی طرح ایک مشترکہ دفاعی فورس تشکیل دیں تو اس نئی استعماری قوت کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔ اس سلسلہ میں قرآن وحدیث کی تصریحات بڑی واضح ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

''اور تیاری کرو ان کی لڑائی کے واسطے جو کچھ جمع کر سکو قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے کہ اس سے ڈراسکو اللہ کے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو اور ان کے علاوہ دوسروں کو جن کو تم نہیں جانتے ہو اللہ ان کو جانتا ہے اور جو کچھ تم خرچ کرو گے اللہ کی راہ میں وہ پورا ملے گا تم کو۔'' (۸:۶۰)

ایک دوسری جگہ فرمایا:

''لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں اور ڈرتے نہیں کسی کے الزام سے۔'' (۵:۵۴)

ایک اور مقام پر ریاست کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس یوں دلایا گیا:

''اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے جنگ نہیں کرتے جو دعا کر رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں ان ظالم باشندوں کی بستی سے نکال اور ہمارے لئے اپنے پاس سے ہمدرد پیدا کر اور ہمارے لئے اپنے پاس سے مددگار کھڑے کر۔'' (۴:۷۵)

عقبہ بن عامر فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ دشمنوں کے لئے جتنی قوت فراہم کر سکتے ہو کرو یقیناً ای قوت ہے، ای قوت۔''[۹۰] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ گھوڑوں کی پیشانیوں میں برکت ہے۔''[۹۱] حضرت عمر بن العاص نے فرمایا ''انتم فی رباط دائم'' (یادرکھو تم ہمیشہ پہرے پر ہو یعنی تمہیں ہمیشہ اپنے دشمنوں سے چوکنا رہنے کی ضرورت ہے)۔ مسلمانوں کا ماضی اور حال دونوں گواہ ہیں کہ جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات ہوتی ہے۔

اگر اسلامی ریاستیں اپنے فرائض ادا کرنے کے قابل ہو جائیں تو نہ تو افراد اور گروہوں کو جہاد کرنے کی ضرورت ہے اور نہ جہاد فساد فی الارض میں تبدیل ہوگا۔

مسلم دنیا کو نئی استعماریت سے بچانے کیلئے عالم اسلام اور اس کے دشمنوں کے درمیان خوف کا توازن (Balance of Terror) قائم کرنا ضروری ہے پھر کوئی عالم اسلام کو تر نوالہ سمجھ کر اس پر اپنا تسلط قائم نہیں کر سکے گا۔

داخلی محاذ پر انقلابات اور انتہا پسندی کے مظاہر سے کس طرح نجات حاصل کی جاسکتی ہے؟ اس سلسلہ میں مولانا ابوالحسن نے جو حالات و واقعات کا تجزیہ کر کے اور اسباب وعلل پر روشنی ڈال کر علاج تجویز کیا ہے وہ اس سوال کا انتہائی مناسب جواب ہے۔ آپ لکھتے ہیں:

''اس صورت حال کو کوئی فوجی طاقت، کوئی تعزیر اور سزا اور کوئی احتساب ونگرانی روک نہیں سکتی...... اہل دین کو خوش کرنے کے لئے کچھ منصوبے، بین الاقوامی اسلامی کانفرنسیں اور سیمینار جن سے ان ملکوں کی اسلام سے دلچسپی کا وقتاً فوقتاً اعلان کیا

جاتا رہتا ہے۔ محدود ادارے اور دینی مظاہر اس انقلاب اور بغاوت کا راستہ نہیں روک سکتے۔ اس کا واحد راستہ یہ ہے کہ حقائق و واقعات کا جرأت و دور اندیشی اور صحیح دینی روح اور دینی بصیرت کے ساتھ سامنا کیا جائے اور ملک میں دین کی صحیح تعلیم کے مطابق ہمہ گیر، صالح اور ضروری تبدیلی کیلئے صدق دل اور اخلاق کے ساتھ کوشش کی جائے۔ جن اصلاحات کا نفاذ اور جن اسکیموں کا آغاز ضروری ہے ان کے آغاز میں دیر نہ کی جائے۔ اسلام قرآن اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں اور اسلامی حدود کے مطابق معاشرہ میں مساوات اور انصاف قائم کیا جائے، اہل ملک کی خوشحالی اور فارغ البالی کیلئے ضروری قدم اٹھائے جائیں، کم از کم جمہور کے ہر فرد کیلئے امکانی حد تک ضروریات زندگی کا بندوبست ہو۔ اس بے جاء اسراف اور حد سے بڑھتی ہوئی فضول خرچی کو ختم کیا جائے...... نظام تعلیم کو نئے سرے سے اس طرح ڈھالا جائے کہ وہ اسلام کے عقائد و اصول اور عصر جدید کے تغیرات اور علوم و وسائل کے ساتھ ہم آہنگ ہو اور دونوں کے تقاضے پورے کرتا ہو اور نئی نسل میں ایک طرف ایمان و یقین اخلاقی قوت استقامت اور خود اعتمادی و خودداری اپنے دین پر غیر متزلزل یقین اور اس کے لئے قربانی کا جذبہ دوسری طرف قوت ایجاد فکری استقلال بلند ہمتی اور اولو العزمی پیدا کرے...... اس انتشار اور بغاوت سے بچنے کے لئے عوام میں دینی روح، طاقت و ایمان، اخلاقی حس اور اسلامی شعور پیدا کرنا ہوگا، اس ذہنی انتظار اور بے دلی اور بغاوت کے جراثیم کا خاتمہ کرنے کے لئے ان کے اسباب و علل کا مکمل ازالہ، حالات کی عمومی اصلاح اور سیرت و کردار میں تبدیلی کی ضرورت ہے...... مغرب سے وہ لینا ہوگا جو اسلامی ممالک اور معاشرہ کیلئے مفید اور اس کے عقیدہ سے ہم آہنگ ہے اور بجائے خود کوئی عملی اور ایجابی افادیت رکھتا ہے اور قوم و ملک کو مضبوط کر سکتا ہے۔ [۹۳]

آخری بات اصلاح، تبدیلی اور ریفارمز کے علمبرداروں کو یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ ہم اللہ کے ہاں کبھی بھی سرخرو نہیں ہو سکتے جب تک ہم دین کی روشنی میں ہر قدم نہ اٹھائیں گے۔ اسلام سے ہٹا ہوا ہر راستہ گمراہی ہے اور اس امت کی اصلاح اسی طریقہ کے مطابق ہوگی جس طریقہ کے مطابق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفاء راشدین نے اصلاح اور تبدیلی کا کام کیا۔

اسوہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا کر ہی ہم انتہا پسندی کے تمام مظاہر سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔

ماخذ و مراجع

(۱) فیروز اللغات (۱۹۶۷ء) فیروز سنز لمیٹڈ لاہور ص ۸۷

(۲) پاکٹ اوکسفرڈ ڈکشنری CD ROM

(۳) Marian Webster Dictionary C.D Rom

(۴) ایضاً

(۵) پاکٹ اوکسفرڈ ڈکشنری

(۶) محمد فاروق خان، ڈاکٹر (۱۹۹۶ء) اکیسویں صدی اور پاکستان۔ المورد ادارہ علم و تحقیق لاہور ص ۳۳۲۔۳۳۹

(۷) Wikipedia com

(۸) کیرن آرم سٹرانگ The True Peacefull Face of Islam، ٹائم میگزین الیکٹرانک ایڈیشن اکتوبر ۲۰۰۱ء

(۹) Col. B.S. Burmeister. Fundamentalism-overor underrated as a threat to (South

African) National Security- www.Sullivan Country

(۱۰) ایضاً

(۱۱) ایضاً

(۱۲) ایضاً

(۱۳) ایضاً

(۱۴) Muktadar Khan, Who are the Moderate Muslims?-www.Islamfor today.com

(۱۵) Sheikh Ahmed Kuftaro- The Best way out of Religious Extremism-www.kuftaro.org

(۱۶) ایضاً

(۱۷) Yousaf Alqaradawi, Islamic Awakening between Rejection and Extremism-www.wponline.org

(۱۸) American Heritage Dictionary CDROM

(۱۹)

(۲۰) Harun Yahya, Only Love Can Defeat Terrorism-www.harunyahya.com

(۲۱) Alqardawi,op.cit

(۲۲) ایضاً

(۲۳) www.

(۲۴) www.usip.org

(۲۵) ایضاً

(۲۶) www.Islamonline.net

(۲۷) Yousaf Alqaradawi, محولہ بالا

(۲۸) Harun Yaya, محولہ بالا

(۲۹) www.Islamonline.net

(۳۰) ایضاً

(۳۱) Iraq, Propaganda and why do they Hate us-www.news from babylon.com

(۳۲) ایضاً

(۳۳)www.Islamonline.net

(۳۴) Noam Chomsky, Drain the Swamp and there will no more Mosqiutoes www.guardian.co.uk

(۳۵) External and Internal Antecedents to the -www.Islamonline.net

(۳۶) Lisa Wadeen-Beyond the crusades: why Samuel (and Bin Ladin) are Wrong-www.conconflicts.ssrc.org

(۳۷) Kuftaro, محولہ بالا

(۳۸) www.pacificnews.org

(۳۹) محولہ بالا Noam Chomsky,

(۴۰) ایضاً

(۴۱) سیموئیل پی ہنٹنگٹن (ترجمہ وتلخیص عبدالمجید طاہر (۲۰۰۲ء)، تہذیبوں کا تصادم، بیکن بکس ملتان ص ۱۲۸

(۴۲) ایضاً، ص ۸۵_۸۶

(۴۳) ایضاً

(۴۴) Erin Brown (Staff writer of Hoya) Samuel H.Addresses Future of International order- www.thoya.com/news

(۴۵) محولہ بالا Lisa Wadeen,

(۴۶) قاضی زین العابدین (   ) قاموس القرآن، دارالاشاعت کراچی ص ۶۳۵

(۴۷) محولا بالا Alqaradawi,

(۴۸) فرحت عزیز، دین ودنیا میں اعتدال وتوازن، ماہنامہ میثاق ۵۳ (۱)، ص ۴۷ (جنوری ۲۰۰۴ء)

(۴۹) ایضاً، ص ۵۳

(۵۰) محولہ بالا Alqaradawi,

(۵۱) امین احسن اصلاحی (۱۹۸۳ء) تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن لاہور، جلد ۱، ص ۴۳۴_۴۳۵

(۵۲) محولہ بالا Alqaradawi,

(۵۳) امام بخاری (۱۹۸۵ء) بخاری شریف مترجم، مکتبہ رحمانیہ لاہور جلد ۱، ص ۱۲۲

(۵۴) محولہ بالا Alqaradawi,

(۵۵) ایضاً

(۵۶) ایضاً

(۵۷) ایضاً

(۵۸) ایضاً

(۵۹) ایضاً

(۶۰) ابن ہشام (X) سیرت النبی کامل، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، جلد دوم ص ۲۷۷ (ترجمہ غلام رسول مہر)

(۶۱) محولہ بالا Alqaradawi,

(۶۲) ایضاً

(۶۳) ایضاً

(۶۴) ایضاً

(۶۵) Alam CDRom-Sahihbukhari Hadith No.809

(۶۶) (17-16:38),(47:22),(88:21)

(۶۷) محولہ بالا Alqaradawi,

احیائی تحریکوں میں اگر تشدد کا رجحان پروان چڑھ جائے تو اس کے کیا بھیانک اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اس کو جاننے کیلئے

ملاحظہ ہوں: میثاق (ماہنامہ) کا شمارہ مئی ۱۹۹۳ء جس میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اپنے مضمون ''احیائی تحریکوں میں تشدد اور دہشت گردی کا رجحان...... اسلام اور مسلمانوں کیلئے سب سے بڑا خطرہ'' میں بڑی فکر انگیز باتیں کی ہیں اور اپریل ۱۹۸۷ء کے میثاق کے شمارہ میں عبدالبدیع صقر کا مضمون ''الاخوان المسلمون...... یہ تحریک کامیابی سے ہمکنار کیوں نہیں ہوئی'' بھی بڑا چشم کشا ہے۔

(٦٨) مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی، تفہیمات (حصہ دوم)، اسلامک پبلیکیشنز لاہور ص ۱۸۱

(٦٩) مولانا محمد طاسین، ماہانامہ میثاق اگست ۱۹۹۷ء ص ۳۸

(٧٠) ایضاً

(٧١) مودودیؒ، محولہ بالا

(٧٢) مولانا محمد طاسین محولہ بالا

(٧٣) مولانا مفتی محمد شفیع (۱۴۱۹ ہجری) جواھر الفقہ، مکتبہ دار العلوم کراچی، جلد اول ص ۳۵

(٧٤) صفی الرحمان مبارک پوری (۱۹۹۷ء) الرحیق المختوم، المکتبہ السلفیہ، لاہور ص ۲۶۳-۲۶۴

(٧٥) مولانا تقی امینی (x) اسلام کا زرعی نظام، احسن اکیڈمی، کراچی ص ۶۴-۶۸

(٧٦) ایضاً

(٧٧) ایضاً، ص ۳۳۶

(٧٨) ایضاً، ص ۳۳۷

(٧٩) ابن ہشام، محولا بالا، جلد دوم ص ۴۸۹

(٨٠) ایضاً

(٨١) شبلی نعمانی اور سید سلیمان ندوی، سیرت النبی جلد ۶ ص ۵۹

(٨٢) Harun Yahya, Islam denounces Terrorism, www.harunyahya.com

(٨٣) ایضاً

(٨٤) ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی (ترجمہ سید معروف شاہ شیرازی (۱۹۸۰ء) اسلامی تہذیب کے چند درخشاں پہلو، اسلامک پبلیکیشنز لاہور ص ۱۴۲

(٨٥) ایضاً، ص ۱۴۶

(٨٦) ایضاً، ص ۱۴۷-۱۴۸

(٨٧) Alam CDRom,Sahih Albukhari, Hadith No 5.514

(٨٨) Harun Yahya, Islm Denounces Terrorism, www.harunyahya.com

(٨٩) ماہنامہ الشریعہ، مئی جون ۲۰۰۱ء، ۱۲، (۶،۵) ص ۱۳

(٩٠) اسرار عالم (۱۹۹۹ء) یا ساری الجبل، اسلامک ایجوکیشن سروسز (ذکی انٹرپرائز کراچی) ص ۵۱

(٩١) ایضاً

(٩٢) مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (x) مسلم ممالک میں اسلامیت و مغربیت کی کشمکش مجلس نشریات اسلام کراچی، ص ۵۱-۵۲

''دورِ حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اُس کا خاتمہ تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں''

قاضی محمد مطیع الرحمان، ہری پور

اسلامی معاشرہ کی بنیاد ایسی اخوت اور محبت پر رکھی گئی تھی جس کی نظیر تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔ ہر وہ شخص جس نے اسلام قبول کرلیا وہ دوسرے مسلمان کا بھائی بن جاتا تھا۔ اسلامی معاشرہ میں کہیں بھی اجنبیت کا احساس نہیں ہوتا تھا رنگ ونسل اور زبان کی غیریت بھی اس بھائی چارے کی راہ میں مخل نہیں رہتی تھی۔

ربِّ کائنات نے امت مسلمہ پر جو احسانات اور انعامات فرمائے ہیں ان کا شمار محال ہے۔ قرآن حکیم نے ارشاد باری نقل فرمایا اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ [۱] ''بلاشبہ اہل ایمان تو آپس میں بھائی بھائی ہیں'' اور پھر رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ [۲] فرما کر ان کی پہچان بتائی کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھی، رفیق اور مددگار ہوتے ہیں یعنی ان کا آپس میں برتاؤ محبت والفت بھرا ہوتا ہے۔ کہیں فرمایا ''وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَھُمَا ج فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰھُمَا عَلَی الْاُخْرٰی فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْٓءَ اِلٰٓی اَمْرِ اللّٰهِ ج فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَھُمَا بِالْعَدْلِ'' [۳] اور اگر اہل ایمان میں سے دو گروہ آپس میں لڑ جائیں تو ان کے درمیان صلح کراؤ پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے۔ پھر اگر وہ پلٹ آئے تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرا دو''۔ اور کہیں اتحاد واتفاق کا سبق یوں دیا۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ص وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ج [۴]

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔ سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو اور اللہ کیا اس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اس نے تمہارے دل جوڑ دیے اور اس کے فضل وکرم سے تم بھائی بھائی بن گئے۔

نبیؐ نے فرمایا المؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضا ثم ثبت من اصابعه [۵] یعنی مسلمان مسلمان کے لیے عمارت کی طرح ہے جس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو قوت پہنچاتا ہے۔ پھر آپ نے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں پیوست کر کے بتایا۔ گویا اسلامی اخوت کو نبیؐ نے ایک محکم ومضبوط عمارت سے تعبیر فرمایا۔ ایک اور فرمان نبیؐ ہے عن انسؓ عن النبیؐ قال لا یؤمن احد کم حتی یحب لاحیه مایحب لنفسه [۶] یعنی ''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (کامل مومن) نہیں بن سکتا جب تک اپنے مومن بھائی کے لیے بھی وہی کچھ پسند نہ کرے جو اپنے لیے کرتا ہے۔

مذکورہ بالا آیات ربانی اور احادیث مقدسہ سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمان بھائی کی خیر خواہی اس کی جان مال اور آبرو کی

حفاظت کرنا دوسرے مسلمان کا فریضہ ہے۔ یہ اس پر احسان نہیں ہے۔ اگر دو مسلمان بھائی کسی وجہ سے ناراض ہو جائیں تو تین دنوں سے زیادہ قطع تعلق کرنا حرام قرار دیا گیا۔ اور زیادہ اجر کا مستحق وہ پاتا ہے جو دوسرے بھائی کو سلام کرنے میں پہل کرتا ہے۔

اسلام نے تو کسی ذمی کافر پر بھی ظلم کرنا یا اسے نقصان پہنچانا مسلمان کے لیے باعث عذاب قرار دیا ہے۔

☆ اسلام میں سختی اور تکلیف پہنچانے کی اجازت نہیں۔ [۷]

☆ اسلام میں نہ ضرر ہے نہ نقصان پہنچانا ہے۔ جس نے نقصان پہنچایا اللہ اس کو نقصان میں مبتلا کرے گا اور جس نے کسی کو مشقت میں ڈالا اللہ تعالیٰ اسے مشقت میں مبتلا کرے گا۔ [۸]

☆ زمین والوں پر رحم کرو اللہ تعالیٰ تم پر مہربانی فرمائے گا۔ [۹]

☆ جو دھوکا دے وہ ہم میں سے نہیں۔ [۱۰]

☆ ظلم قیامت کے دن اندھیروں کا سبب ہوگا۔ [۱۱]

☆ جو زمین بمقدار ایک بالشت بھی کسی کی غصب کرے گا۔ قیامت کے دن زمین کے ساتوں طبقوں تک اتنا حصہ توڑ کر اس کے گلے میں پھندا ڈالا جائے گا۔ [۱۲]

☆ جو دیدہ دانستہ کسی ظالم کے ساتھ اسے مدد دینے چلا وہ اسلام سے نکل گیا۔ [۱۳]

☆ ایک عورت جہنم میں گئی (صرف) ایک بلی کے سبب کہ اس نے اسے باندھے رکھا تھا بلی کو نہ خود کھانا دیا نہ اسے چھوڑا کہ زمین کا گرا پڑا یا جو جانور اس کو ملتا کھا لیتی۔ [۱۴]

احادیث نبویؐ میں اتنی کثرت سے ایسے مضامین ہیں جو ایک عام ذہن والے کو بھی یہ بآسانی باور کروا دیتے ہیں کہ دین اسلام کی تعلیمات و ہدایات میں انسانی زندگی کے لیے وہ بہترین رہنمائی ہے جو ہدایت خوشگوار اور خوش حال، پرامن اور پرمسرت زندگی کی ضمانت ہے۔ وہ دین جو نماز کے لیے وضو میں مسواک پر زیادہ اجر سناتا ہے تاکہ منہ سے بدبو تک نہ آئے اور مسجد میں ساتھ کھڑے ہونے والے دوسرے نمازی کو کراہت محسوس نہ ہو، وہ دین جو حلال جانور کو بھوکا پیاسا ذبح کرنے سے منع کرتا ہے۔ وہ دین جو رہ گزر سے کانٹے دور کرنے پر ثواب بتاتا ہے۔ تاکہ راہ چلنے والوں کو دشواری نہ ہو۔ وہ دین جو جانور کی جان محض تلف کرنے کے لیے شکار کو پسند نہیں کرتا اور کسی جان کا بھی مثلہ کرنے (صورت و حلیہ بگاڑنے) کی سختی سے ممانعت کرتا ہے۔ وہ دین جو کسی عزت، جان اور مال کے ناحق معمولی سے نقصان کو گناہ بتاتا ہے، وہ دین جو غیبت کو زنا جیسی برائی سے زیادہ سخت بتاتا ہے، وہ دین جو انسانی زندگی کی اتنی واضح اہمیت بیان کرتا ہے کہ جس نے ایک جان بچائی گویا اس نے تمام لوگوں کو بچا لیا اور جس نے ناحق ایک جان کو مارا گویا اس نے سب کو مارا اس پاکیزہ اور سلامتی والے دین سے مذہبی انتہا پسندی کا تصور ہرگز ہرگز وابستہ نہیں کیا جا سکتا۔

اسلام کی نظر میں ایک ایسی امت کا قیام ضروری ہے جو نہ صرف محبت و اخوت کے جذبات سے سرشار ہو متحد اور یک جان ہو بلکہ اس میں وہ صفات موجود ہوں جو زندہ رہنے اور قیادت کرنے کے لیے بنیادی اہمیت رکھتی ہیں۔ قرآن کریم نے

مطلوبہ صفات کو متعدد مقامات پر بیان فرمایا مثلاً

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ۝ اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ۝ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ط هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۝

''یقیناً فلاح پائی ایمان والوں نے جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں لغویات سے اعراض کرتے ہیں۔ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اپنے فروج کی حفاظت کرتے ہیں۔ اپنی امانتوں اور عہد و پیمان کو پورا کرتے ہیں یہی لوگ وہ وارث ہیں جو میراث میں فردوس پائیں گے۔''[۱۵]

مذکورہ بالا وہ اجتماعی اخلاق ہیں جو عباد الرحمان بننے میں مدد دیتے ہیں قرآن مقام عبدیت کو اہل ایمان کے لیے سب سے اعلیٰ مقام قرار دیتے ہوئے اس صفت کی بناء پر خیر امۃ اور قائم با القسط، عادل اور خلیفۃ اللّٰہ فی الارض سے تعبیر کرتا ہے۔ انسانوں کا ایک دوسرا گروہ جو ضابطہ اخلاق اور جادۂ عدل سے ہٹ کر خالق کائنات کے عطا کردہ عقل و شعور کو بالائے طاق رکھتے ہوئے بغاوت، سرکشی، ضد اور ہٹ دھرمی کو اختیار کر لیتا ہے یہ گروہ اہل ایمان کی مخالفت پر کمربستہ ہو جاتا ہے اور مالی منفعت کی خاطر ان کو ایک دوسرے کے مقابل لا کھڑا کرتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اہل ایمان اخلاقی مقام پر فائز ہونے کے باوجود کبھی رنگ کبھی نسل، کبھی زبان اور فقہی اختلاف میں پڑ کر منتشر ہو جاتے ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے اخوت، رواداری اور عدل کے علمبردار اہل ایمان فرقہ پرستی، منافرت اور باہمی جنگ و جدال کا شکار ہو جاتے ہیں۔

مذہبی انتہا پسندی سے مراد

انتہا کے معنی اخیر، حد، خاتمہ اور انجام کے ہیں۔ انتہا پسند کسی کام یا چیز کی انتہا چاہنے والے کو کہتے ہیں جبکہ مذہبی انتہا پسندی کسی فرد کے مذہب کے بارے میں اس کے نظریہ، خیال، تصور اور رائے پر شدت اختیار کرنا ہے ایسے افراد اپنے مذہبی، مسلکی، فقہی اور فروعی نظریات کے اس قدر زیر اثر آ جاتے ہیں اور انہیں اس قدر حق سمجھنے لگتے ہیں کہ اس کے خلاف کسی معمولی اختلاف اور رائے کو بھی سننا برداشت نہیں کر سکتے۔ مسجدیں اور مدرسے الگ ہو جاتے ہیں دور حاضر میں اس فتنے کا دور دورہ ہے۔ فرقہ واریت کو ہوا دی جاتی ہے دوسروں پر طعن و تشنیع، گالی گلوچ، زبانی و تحریری ہتک آمیز رویہ اختیار کیا جاتا ہے۔ ایک دوسرے کے بزرگوں کی شان میں گستاخی کی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ مسجدوں اور امام بارگاہوں کو خون سے رنگین کیا جاتا ہے۔ اور اس فعل کو بھی جواز کا فتویٰ دے دیا جاتا ہے۔ گویا باہمی نفرت، تصادم اور خون خرابے کے سوا کوئی شغل نہیں ہوتا۔

تفرقہ بازی:

اب ان گزارشات کے بعد آیئے سمجھیں کہ قرآن کی روشنی میں تفرقہ کیا چیز ہے کیا یہ محبوب و مقصود ہے یا مردود و مکروہ

ہے۔قرآن مجید نے بیس سے زائد مقامات پر اس کا ذکر فرمایا ہے۔مثلاً فرمایا وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ط ’’اور تم لوگ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے باہم تفریق کر لی اور واضح احکام آجانے کے بعد باہم اختلاف کر لیے‘‘ کہیں اس علم کو رد کیا جو شوہر اور بیوی کے درمیان فرق ڈلوادے۔

فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ ط

سورہ الشوریٰ میں تفرقہ بندی کو ایک منفی اور سلبی عمل قرار دیتے ہوئے اقامت دین کی جدوجہد کے ذریعے تفرقہ رکھنے والی ذہنیت کو دور کرنے کی تعلیم دی گئی۔یہاں سے یہ اصول بھی نکلا کہ اقامت دین کرنے والی تحریکات کا ذہن فرقہ پرستی کا نہیں بلکہ دین کے حوالے سے امت مسلمہ کو جوڑنے کا ہوگا چنانچہ فرمایا اَنْ اَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ ط ’’یعنی قائم کرو اس دین کو اور اس میں متفرق نہ ہو جاؤ‘‘۔

واضح ہوا کہ اسلام تفرقہ بندی اور آپس میں تقسیم ہو کر جتھہ بندی کرنے کی مکمل طور پر مذمت کرتا ہے۔قرآن حکیم کی رو سے گروہ بندی وانتشار موجب عذاب الٰہی ہے۔اس کے برعکس قرآن مجید کی رو سے مسلمانوں میں اخوت کی قدروقیمت تو دنیا کی تمام دولت اور خزانوں سے بھی کہیں زیادہ ہے یہ اللہ تعالیٰ کا خصوصی انعام ہے جس کا اظہار یوں فرمایا۔’’اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں باہمی محبت والفت پیدا فرمادی، اگر آپ دنیا کی تمام دولت بھی خرچ کر دیتے پھر بھی ان کے دلوں میں اخوت پیدا نہ کر سکتے۔لیکن اللہ تعالیٰ نے (اپنی رحمت خاص سے) مسلمانوں میں اخوت پیدا کر دی۔[۱۷]

اختلاف برائے اختلاف:

نبیؐ اختلاف برائے اختلاف سے منع فرمایا۔آپؐ کا ارشاد ہے لاتختلفوا فتختلف قلوبکم [۱۸] یعنی اختلاف برائے اختلاف سے بچو، ورنہ تمہارے دل بھی اختلاف ومنافرت کا شکار ہو جائیں گے۔‘‘ صحابہ کرامؓ بھی خوب جانتے تھے کہ اختلاف برائے اختلاف کا نتیجہ کبھی بھی بہتر نہیں ہوتا۔بلکہ اس کا نتیجہ ہمیشہ شر ہی کی صورت میں برآمد ہوتا ہے۔جیسا کہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں ’’الخلاف شر‘‘ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں میں ایک دن دوپہر کے وقت آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔آپ کو دو اشخاص کی آواز سنائی دی جو ایک دوسرے سے ایک آیت کے بارے میں اختلاف کر رہے تھے۔نبیؐ غصے کی حالت میں باہر تشریف لائے اور فرمایا۔’’تم سے پہلے کی امتیں کتاب اللہ میں اختلاف کرنے کی وجہ سے ہلاک وبرباد ہوئی تھیں‘‘ [۱۹]

فقہی آراء میں اختلاف:

جہاد اسلام تفرقہ بازی اور اختلاف برائے اختلاف کی مذمت کرتا ہے۔وہاں وہ قرآن وحدیث پر غور وخوض کرنے کے بعد خلوص نیت سے مختلف تعبیرات اور فقہی آرا قائم کرنے کی مخالفت کبھی نہیں کرتا۔بلکہ قرآن حکیم اس محبوب ومطلوب قرار دیتا ہے۔قرآن کریم ہر مسلمان مرد اور عورت کو حکم دیتا ہے کہ وہ دین کا کم از کم اتنا علم حاصل کر لے کہ حلال وحرام میں فرق محسوس ہو سکے۔حدیث مبارکہ بھی حکم دیتی ہے کہ ’’حلال واضح ہے اور حرام واضح ہے‘‘۔اس لیے اس واضح حلال وحرام کا علم اور اس کی

روشنی میں مشتبہ کو معلوم کرنے کے لیے تفقہ اختیار کرنا ہوگا۔ قرآن کریم جگہ جگہ اپنے ماننے والوں کو تفکر و تدبر و تفہیم پر ابھارتا ہے اور چاہتا ہے کہ معاملے میں تحقیق و جستجو کرنے کے بعد ایک موقف اختیار کیا جائے۔ ایک موقف پر مطمئن ہونے سے قبل مقدور بھر بحث و مباحثہ کر لیا جائے۔ چنانچہ مشاورت کو فریضہ قرار دیتے ہوئے یہ حکم دیتا ہے کہ اپنے تمام معاملات میں مشاورت کرو اور جب قلب و ذہن ایک مقام پر مطمئن ہو کر یکسو ہو جائیں تو پھر عزالامور کے ساتھ اللہ پر توکل کر کے اس پر عمل پیرا ہو جاؤ۔

اب غور کرنے کی بات یہ ہے کہ کیا ہر مشورہ، ہر تحقیق اور ہر تعبیر لازمی طور پر اجماع کی شکل اختیار کر لے گی۔ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ پورے خلوص نیت، علمی عبور اور جائزے اور تجزیے کے بعد ایک سے زائد آراء و مسالک یکساں طور پر دین کے دائرے میں ہوں۔ جیسے کہ صحابہؓ کی اس جماعت کے ساتھ پیش آیا جسے نبیؐ نے حکم دیا تھا کہ فلاں مقام کی طرف جاؤ اور نماز عصر وہاں جا کر ادا کرو صحابہؓ کی ایک جماعت نے کِتَاباً مَّوْقُوتاً پر عمل کرتے ہوئے راستہ میں ہی نماز عصر ادا کر لی۔ جبکہ دوسری جماعت نے شارع کی ہدایت کے مطابق وہاں پہنچ کر نماز ادا کی۔ معاملہ جب نبی تک پہنچا تو آپؐ نے کسی کی گرفت نہ فرمائی۔

ارشاد خداوندی ہے يَآيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب تم نماز کیلئے اٹھو تو چاہیے کہ اپنے منہ اور ہاتھ کہنیوں تک دھولو، سروں پر ہاتھ پھیر لو اور پاؤں ٹخنوں تک دھولیا کرو''۔[۲۱] یہاں مسح کے حوالہ سے ایک سے زائد تعبیرات پائی جاتی ہیں۔ اور علمائے امت نے کسی ایک ہی تعبیر پر اصرار نہیں کیا۔ غزوہ بدر، احزاب اور پھر صلح حدیبیہ کے موقع پر خود نبیؐ نے دیگر ساتھیوں سے مشورہ کر کے مختلف امور نمٹائے۔

صحابہؓ کی آراء میں اختلاف:

صحابہ کرامؓ کی رائے میں بھی بعض اوقات اختلاف ہو جاتا مگر وہ خلوص کے رشتے میں بندھے رہتے ایک دوسرے سے تعاون و اتحاد قائم رہتا۔ اکٹھے اٹھتے بیٹھتے اور باہم نماز ادا فرماتے وہ اختلاف مذموم ہے جس میں ذاتی یا جماعتی اغراض پوشیدہ ہو صحابہؓ کے بعد چاروں آئمہ میں سینکڑوں اختلاف رائے موجود تھا مگر ایک دوسرے کے لیے ان کے دلوں میں ہمیشہ احترام و اکرام رہتا۔ انہوں نے کبھی بھی دوسروں کے مسلک کو باطل نہیں کہا۔ وہ ملت میں مذہبی تعصب کو قطعی ہوا نہ دیتے تھے۔ وہ امت محمدی کو جوڑنے والے تھے توڑنے والے ہرگز نہ تھے۔

مذہبی انتہا پسندی کے اسباب

ا۔ غیر ملکی ایجنسیوں کا کردار:

عالمی سطح پر امت مسلمہ کے اختلافات، باہمی دشمنی اور آپس کے خون خرابے اور تشدد و قوت کی کہانیاں جب بار بار نظروں سے گزرتی ہیں تو غیر ہی نہیں اپنوں کو بھی یقین سا آ جاتا ہے کہ مسلمانوں کے باہمی اختلافات کے بارے میں جو کچھ دکھایا

جا رہا ہے وہ سچ ہے۔ دراصل مغربی اقوام عالم اسلام میں دو چیزیں دیکھنا ہرگز پسند نہیں کرتیں۔ پہلی چیز کہ کسی ملک میں نظریاتی انقلاب آئے اور اسلامی نظام حیات کا عملی نفاذ ممکن ہو۔ اور دوسری یہ کہ کوئی اسلامی ملک مضبوط دفاع کا حامل ہو۔ مضبوط دفاع سے ان کی مراد جغرافیائی حدود کے تحفظ کے علاوہ سیاسی و معاشی استحکام بھی ہے۔ اس سلسلہ میں اہل مغرب اپنی ہر کوشش کے ذریعے نہ صرف اسلام کو عالمی سطح پر بدنام کرنے کیلئے ڈیڑھ ہزار سال پرانی تہذیب کا نمائندہ مذہب ثابت کرنے میں کوشاں ہے بلکہ اسے جدید دنیا کے سامنے مہلک اور ناقابل قبول بنا کر رکھ دینے پر بھی تلا ہوا ہے۔ اس کیلئے وہ بے شمار حربے استعمال کر رہا ہے۔ جن میں سے اہم حربہ مذہبی انتہا پسندی بھی ہے جس کو اچھال کر عالمی میڈیا پر اسلام کو بدنام کیا جاتا ہے۔

۲۔ سلامتی کے دین میں دہشت گردی:

اسلام عالمی امن و سلامتی کا دین ہے اور ایک مسلمان کا صرف اور صرف امن عالم کی ذمہ داری سونپتے ہوئے ظلم کے خاتمے کے لیے تلوار اٹھانے کا حکم دیتا ہے۔ مگر بدقسمتی سے آج اپنے ہی گھر میں مسلمان غیر محفوظ ہیں۔ امت مسلمہ پر جہاں غیر مسلم قوتیں بری طرح جھپٹ رہی ہیں۔ وہاں اس کا جسم علاقائی، نسلی، قومی، مذہبی اور گروہی فرقہ بندیوں سے لخت لخت ہو چکا ہے۔ یوں جو تلوار ظلم کے خاتمے کے لیے ظالم کے خلاف اٹھنا تھی آج وہ اپنوں کا گلا کاٹنے میں مصروف ہے۔ اسی صورت حال کو دیکھتے ہوئے علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا: دین ملا فی سبیل اللہ فساد

دینی مدارس:

ہمارے مدارس دینیہ میں بڑی حد تک مشترک نصابی کتب کے باوجود بعض اداروں میں ایک جامد اور متشدد مسلکیذ ہن تعمیر ہوتا ہے۔ یہاں سے فارغ ہونے والے طلبہ کچھ مخصوص مسلکی مسائل سے اس قدر وابستہ ہو جاتے ہیں کہ ہر اختلاف رکھنے والا فردان کے لیے گمراہ خیال کیا جاتا ہے۔ نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ ان میں سے بعض آئمہ و علماء نہ صرف اپنے علاوہ دوسرے مسلک کے حاملین کے خون کو بھی حلال قرار دے دیتے ہیں بلکہ عین حالت صلوٰۃ و قیام اللیل، حتیٰ کہ ماہ رمضان میں حملہ آور ہونے کو بھی جہاد سمجھتے ہیں اور ایسے افعال کو مسلکی فتح مندی کے رنگ میں پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ اور اس کے رسولؐ نے تو مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا ہے۔ انہیں رحماء بینھم کا مصداق قرار دیا ہے۔ حضرت علیؓ نے ان خوارج کا خون بھی مباح قرار نہیں دیا تھا جو عملاً ریاست سے باغی ہو گئے تھے۔

معلومات کی کمی:

اختلاف کی ایک بڑی وجہ دوسروں کے عقائد کے بارے میں معلومات کی کمی بھی ہے۔ غیر مصدقہ معلومات پر بھروسا کر کے دوسروں کے عقائد و نظریات پر طعن و تشنیع کیا جاتا ہے جبکہ اصل حقائق کی تحقیق نہیں کی جاتی۔

فتاویٰ کی فراوانی:

ہر فارغ التعلیم اپنے آپ کو مقام افتاء و قضاء پر بٹھا دیتا ہے اور بہت سے معاملات میں فیصلے کرنے لگتا ہے۔ وہ ایسے

بہت سے معاملات میں جن میں فیصلے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے بلا کسی تردد کے اپنا فتویٰ صادر کر دیتا ہے۔ وہ یہ بھول جاتا ہے کہ نبیؐ نے ایک جلیل القدر صحابی کو مخاطب فرماتے ہوئے یہ بات کیوں فرمائی تھی کہ کیا تم نے فلاں شخص کو قتل کرنے سے پہلے اس کے دل کو چیر کر دیکھ لیا تھا۔ کہ اس میں ایمان تھا یا نہیں؟ صحابی (سربراہ لشکر) نے یہ سمجھا کہ وہ شخص محض جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھ رہا ہے اور اس کے قتل سے ہاتھ نہ روکا۔ نبیؐ نے اس کے اس عمل کو پسند نہ فرمایا۔ دور حاضر میں غیر مصدقہ معلومات کی بناء پر کس قدر جلد فتویٰ صادر کیے جاتے ہیں۔

سیاسی وجہ:

مختلف مسالک رکھنے والے افراد بعض اوقات مختلف سیاسی جماعتوں سے وابستہ ہوتے ہیں۔ پھر وہ اپنے مسلکی اختلافات کو سیاسی وابستگی کی روشنی میں دیکھتے ہیں اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ ہمارے ہاں مسلکی تشدد عموماً سیاسی عناصر کے مفادات کی روشنی میں ہوتا ہے۔

مذہبی انتہا پسندی کے خاتمہ کیلئے تجاویز:

اب آیئے یہ دیکھیں کہ مذہبی انتہا پسندی کو کیسے ختم کیا جا سکتا ہے۔ اس کے حل کے لیے کون کون سے ممکنہ اقدامات کیے جا سکتے ہیں۔ نیز اس سلسلہ میں ہمیں سیرت طیبہ سے کیا روشنی ملتی ہے۔

۱۔ اس پیچیدہ اور الجھے ہوئے مسئلے کے حل کے لیے پہلا کام خود نوعیت مسئلہ کا تعین و تجزیہ ہے۔ تمام مسالک کے نمائندے مل کر معروضی طور پر ایک تجزیاتی عمل کے ذریعے مسئلے کا تعین کریں۔ کہ اصل سبب کیا ہے۔ اس کے محرکات کیا ہیں۔ اور اس کی جڑیں کہاں تک پہنچتی ہیں۔

۲۔ نبیؐ نے مسلمانوں کو ایک جسم کی مانند قرار دیا ہے۔ ایک حصے کو تکلیف پہنچے تو پورا جسم تکلیف محسوس کرتا ہے۔ جسم پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ مختلف اعضاء کا اپنا اپنا تشخص ہوتا ہے کام بھی الگ الگ ہوتا ہے لیکن باہم متصادم نہیں۔ بلکہ وحدت اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ اس حدیث سے سبق حاصل کیا جائے تو مسلکی اختلاف کو بنیاد بنا کر باہم دست و گریبان ہونے کی مکمل نفی کی گئی ہے۔

۳۔ مختلف مسالک کے بزرگان کو عزم کرنا ہوگا کہ وہ اپنے مسلک کو مزید بدنام نہ ہونے دیں گے۔ اس سلسلہ میں منفی کردار ادا کرنے والوں کی حوصلہ شکنی کرنا ہوگا۔ ابلاغ عامہ کو بھی ایک تعمیری رخ پر چلنا ہوگا اور اطلاعات کے ذریعے سنسنی پھیلا کر اپنے مذموم کاروبار کو چمکانے کی جگہ ان اداروں اور افراد کو عوام کے سامنے بے نقاب کرنا ہوگا۔ جو مذہبی انتہا پسندی کی پشت پناہی کر رہے ہیں۔

۴۔ یہ بات باور نہیں کی جا سکتی کہ ایک مسلک کے سربراہ تو ایک متوازن الفکر معروف عالم دین ہوں۔ لیکن اسی مسلک کا ایک عسکری تربیت یافتہ گروہ بھی ہو جو جہاں جب چاہے شب خون مارنے کیلئے تیار ہو۔ ظاہر ہے کسی مسلکی سربراہ کی رائے کیخلاف

ایسے افراد کا کوئی کام کرنا عقل نہیں مان سکتی۔ گویا مسالک کیسر براہان کو عوامی سطح پر امن کے قیام، انسانی جان کے احترام اور قتل و غارت گری کے خاتمے کے لیے اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔

۵۔ بدقسمتی سے فرقہ واریت کے باعث چند اختلافات کو ملت اسلامیہ کے مذہبی منظر پر اس طرح پھیلا دیا گیا ہے گویا کہ اس امت میں کوئی قدر مشترک سرے سے ہے ہی نہیں۔ مختلف مکاتب فکر کے درمیان مشترک پہلوؤں کو اجاگر کرکے باہمی میل ملاپ سے اور رواداری کے باعث غلط فہمیاں دور کی جاسکتی ہیں اور سختی کو بھی کم کیا جاسکتا ہے۔ اصل جھگڑا جزئیات اور تعبیر میں ہوتا ہے ورنہ کتاب وسنت پر تو سبھی متفق ہیں۔

۶۔ فقہی مسالک کے جید علماء مستقل فورم کی شکل میں ایک ساتھ بیٹھ کر ریڈیو اور ٹی وی پر اپنے اپنے مسلک ماننے والوں کو مخاطب کرتے ہوئے امن عامہ کے قیام، نفرتوں کے خاتمے اور اخوت وحق کے قیام کے لیے اپنی مخلصانہ رائے دیں اور اپنے پیروکاروں کو دوسروں کی عزت کرنے کی تاکید کریں۔ تو مذہبی انتہا پسندی میں خاطر خواہ کمی واقع ہوسکتی ہے۔

۷۔ اگر موجودہ انتہا پسندی ذہن رکھنے والے فرقہ کو ہی معیار نجات بنالیا جائے تو پھر قرون اولیٰ کے مسلمانوں کا کیا بنے گا۔

۸۔ وسعت نظری اور خلوص نیت سے کام لیا جائے تو درج ذیل باتوں پر اتحاد کرکے انتہا پسندی کا خاتمہ کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ قرآن وسنت

۲۔ تعلیمات متفق علیہ

۳۔ تعاون علی البر

۴۔ غلبہ اسلام کی بحالی

۵۔ فواحش ومنکرات کے خلاف جہاد

۶۔ بین الاقوامی سطح پر دعوت اسلام کا کام

۷۔ دین کا تقریباً 3/4 حصہ جس پر سرے سے کوئی اختلاف نہیں

علاوہ ازیں انتہا پسندی کو معاشرے سے ختم کرنے کیلئے چند درج ذیل اصولی باتوں کو اپنانا ہوگا۔

۱۔ غلط امتیازات کو ختم کرکے خدا پرستی کو شعار بنایا جائے۔

۲۔ اخلاقی ضابطوں کا خیال رکھا جائے۔

۳۔ کسی کی تحریر وتقریر پر فتویٰ لگانے سے پیشتر یہ تحقیق کرلی جائے کہ قائل کا منشا کیا ہے۔

۴۔ غیبت سے مکمل طور پر پرہیز کیا جائے۔

۵۔ تنقید برائے اصلاح کا رویہ اپنایا جائے۔

۶۔ مجدد وصوفیاء کے کام کو پیش نظر رکھا جائے۔

۷۔ علمی اختلافات علماء تک محدود رہنے چاہیں۔ عوامی جذبات کو نہ ابھارا جائے۔

۸۔ باہم دست وگریباں دیکھنے والے شرپسند عناصر کی ریشہ دوانیوں سے باخبر رہنا چاہیے۔

۹۔ نظام مساجد کی اصلاح کی جائے تاکہ آئمہ معاش کے مسئلہ پر کسی کے زیر اثر نہ ہوں۔

۱۰۔ اختلافی مسائل کی حتی الامکان اچھی تاویل کی جائے۔

۱۱۔ فرقہ واریت اور انتہا پسندی کے باعث پڑھا لکھا طبقہ دین سے ہی بیزار ہوتا چلا جا رہا ہے جبکہ نبی کی امت کو جوڑنے اور اس کی خیر چاہنے ہی میں خدا کی خوشنودی شامل ہے۔

آج ایک طرف امت مسلمہ کی وحدت کا شیرازہ شیعہ، سنی، دیوبندی اور وہابی کی صورت میں نزاع کی آخری گھڑیاں گزار رہا ہے۔ دین متین کے محافظ علماء منبر ومحراب کے تقدس کو پامال کر رہے۔ اس صورت حال میں کسی دوسرے سے بھلائی کی توقع عبث ہوگی کیونکہ

؎ جب مسیحا دشمن جاں ہو تو کیا ہو زندگی   کون راہ بتلا سکے جب خضر بہکانے لگے

وہ ادارے اور خانقاہیں جہاں سے اتحاد ملت کی صدا بلند ہونی چاہیے تھی وہاں سے افتراق ملت کا شور وغوغا برپا ہو رہا ہے۔ افسوس کہ

؎ چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

جبکہ دوسری طرف کچھ سازشی ہاتھ علمی اور فقہی اختلاف کو ہوا دے رہے ہیں تاکہ یہ باہم لڑتے رہیں اور ان کی لڑائی ملت اسلامی کو متحد نہ ہونے دے آج مسلم امہ کا یہ حال ہے کہ روئے زمین کی آبادی میں چوتھائی ہماری آبادی ہے۔ قدرتی وسائل کے ذخائر سب سے زیادہ مسلم ممالک کے قبضہ میں ہیں۔ افرادی قوت سب سے زیادہ محنتی اور جفاکش ہمارے پاس ہے۔ سب سے زیادہ بہادر اور سرفروش فوجیں ہماری ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ منتشر اور باہم ایک دوسرے کے دشمن بھی ہم ہیں۔ اسلام جس نے ہمیں اس وقت بنیان مرصوص بنا دیا تھا۔ جب ہم سب سے زیادہ قلیل التعداد اور بے وسائل تھے۔ اس وقت ہم نے دنیا کی دونوں سپر طاقتوں کو ختم کر دیا تھا۔ لیکن آج ہم وسائل کے باوجود ظالم قوتوں کے سامنے دم نہیں مار سکتے۔ ہمارے حکمران اپنے اقتدار کے تحفظ کے لیے انہی قوتوں کا سہارا ڈھونڈتے ہیں۔

غرضیکہ دین اسلام کی سربلندی، فرعونیت، طاغوتیت، سامراجیت اور استحصالیت کے بتوں کو پاش پاش کرنے اور امت مسلمہ کے کھوئے ہوئے وقار کو دوبارہ بحال کرنے کی خاطر اتحاد واتفاق، برداشت اور صلح کل ناگزیر ہے۔ اس شعر پر ختم کرتا ہوں۔

وہ دیکھو گھوم رہے ہیں خزاں کے ہرکارے
چمن بچاؤ غم آشیاں کا وقت نہیں

حوالہ جات

۱۔ الحجرات ۲۶:۱۰

۲۔ الفتح ۲۶:۲۹

۳۔ الحجرات ۴۹:۲۶

۴۔ آل عمران ۳:۱۰۲

۵۔ بخاری و مسلم

۶۔ متفق علیہ

۷۔ ابن ماجہ

۸۔ مسند احمد

۹۔ ابوداؤد

۱۰۔ مسلم

۱۱۔ بخاری

۱۲۔ مسلم

۱۳۔ جامع صغیر

۱۴۔ بخاری

۱۵۔ المومنون ۱۸۔۱۔۱۱

۱۶۔ الشوریٰ ۲۵: ۱۳

۱۷۔ الانفال ۱۰: ۶۳

۱۸۔ بخاری کما جامع صغیر

۱۹۔ الاحکام لابن حزم (ترجمان القرآن)

۲۰۔ المائدہ ۶:۶

دور حاضر میں مذہبی انتہا پسندی کا رجحان اور اس کا خاتمہ تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں

پروفیسر محمد عبدالجبار شیخ، سیالکوٹ

توسط و اعتدال کا نبوی پیغام انتہا پسندوں کے نام

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ (سبا:۲۸)

اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام کائنات انسانی کے لئے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر لیکن اکثر لوگ آپ کو جانتے نہیں۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا، لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ (الانعام ۱۱۵)

ترجمہ: تیرے رب کی بات صدق اور عدل پر تمام ہوئی اس کی باتوں کو تبدیل کرنے والا کوئی نہیں

ہمارے رسول حضرت محمد ﷺ خاتم النبیین بن کر تشریف لائے کہ آپ کے سایہ عاطفت میں ایک معتدل اور آفاقی نظام دنیا والوں کو ملا جو ہر عصر اور ہر دور کے لئے رہبر و رہنما ہے جس کے اندر افراط و تفریط سے ہٹ کر ہر زمانے کے واسطے اور ہر زاویہ زندگی کے لئے مکمل اور جامع اصول موجود ہے کہ جس میں مذہبی انتہا پسندی کی کوئی گنجائش نہیں اس واسطے دین اسلام صرف عصر حاضر کے لئے ہی نہیں بلکہ ابد تک ہر عصر اور ہر دور کے لئے ہے کیونکہ اس دین کے لانے والے حضور سرور کائنات ﷺ خود اعتدال پسند اور جامع ترین شخصیت کے مالک ہیں کہ جن کی ہمہ جہت جامعیت اور عظمت کو غیر مسلم مفکرین نے بھی تسلیم کیا ہے۔

جیسا کہ ڈرہم یونیورسٹی کے تقابل ادیان اور تصوف کے استاد پروفیسر آر ڈبلیو آسٹن نے اپنے ایک مضمون میں جس کا حوالہ جناب الطاف گوہر نے اپنی کتاب *The Challenge of Islam* میں صفحہ ۶۸ پر دیا ہے۔ کہتے ہیں:

"He is the arch type or norm of humanity par excellence, hence in whom all aspects of being unique (unite) at the centre are in perfect harmony and balance."

یہی وجہ ہے کہ آپ کو خاتم النبیین ہونے کے لحاظ سے جملہ علوم نبوت بدرجہ اتم حاصل ہوئے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی تحقیق و تشریح کے مطابق جملہ علوم نبوت اور کمالات نبوی آپ ﷺ کو عطا کیے گئے یہ کمالات توسط و اعتدال رشد و ہدایات، علم و حکمت، تدبیر منزل سیاست مدن، آداب ملک داری یہ وہ کمالات ہیں جو عطیہ ایزدی ہیں اکتسابی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سوشیالوجی کے جدید نامور ماہرین ان کمالات کو (Charismatic) کا نام دے کر اسے محیر العقول سمجھتے ہیں۔ دراصل ان علوم کی دریافت کے لئے وہ آنکھ اور دل مطلوب ہے جو علم ظاہری سے نہیں نور ایمان سے منور ہو۔ رحمۃ للعالمین کے مصنف قاضی سلیمان منصور

پوری نے اپنی کتاب کی جلد سوم میں صفحہ ۹۲ پر حضورﷺ کی سیرت طیبہ سے ۴۶ سوانحی شواہد پیش کیے ہیں جن میں آپ کے کمالات نبوت آپکی آفاقی رشد و ہدایت اور خیر خواہی کے ثبوت ملتے ہیں جہاں سے ہمیں واضح طور پر میانہ روی اور اعتدال پر مبنی اسلامی نظام کی تشکیل اور اقدار انسانی کی تعمیر کے لئے بے بہا خزانے میسّر ہیں۔ جن کا انتہا پسندی کے ساتھ دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں۔ اس بنا پر اسلامی اجتماعی فکر یا فلسفہ زندگی مربوط خیالات سے ہم آہنگ پختہ عقائد ونظریات پر مبنی جامع اور مکمل نظام ہے جو انسانیت کے تمام تر مسائل کو کشادہ دلی اور وسیع النظری سے طے کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اس نظام کی تشکیل صرف اس وقت ہی ممکن ہوگی جب ہر فرد کے فکری پس منظر میں قادر مطلق اور مالک ارض والسماء کے لازوال اقتدار اعلیٰ اور حاکمیت کا تصور عقیدہ وایمان کی بنیاد ہو کہ جس سے ہر فرد کے افعال واعمال اور اجتماعی رویوں کی ترتیب ہو سکے اور فطرت سلیمہ کے عین مطابق انتہا پسندی سے پاک انسان کے معیاری اجتماعی تشخص کی تشکیل ہو۔

اس مقصد کی خاطر نبی آخرالزمان حضرت محمدﷺ نے زندگی کے جو ازلی اور ابدی اصول کائنات انسانی کو عطا فرمائے ہیں اُن میں مذہبی انتہا پسندی کے رجحانات کی مکمل طور پر حوصلہ شکنی کی گئی ہے کیونکہ وہ ہر لحاظ سے مکمل اور جامع اوصاف سے مزین اور مرصع ہیں۔

خاتم النبیینﷺ کے پیغام آخرین یعنی دین اسلام سے پیشتر مذاہب مبعوثہ نے اور جدید دور کی ترقی یافتہ نظریات نے اگرچہ اپنے اپنے انداز میں اس زاویہ نظر پر بحث کی ہے اور انسانی کردار کی تعمیر وتشکیل کے لئے متعدد دساتیر بھی تجویز کیے ہیں لیکن وہ مرور زمانہ کے ساتھ ناکامیوں سے ہمکنار ہوئے اور صحیح معنوں میں انسانی انتہا پسندانہ افکار پر مشتمل ہونے کی بنا پر انسان کے فطری تقاضوں کو پورا کرنے سے قاصر رہے۔

مثال کے طور پر دنیا نے اسلام سے پہلے یکے بعد دیگر دو اصولوں کی بنیاد پر معاشرے کو ترتیب دیا ایک انتقام کا قانون اور دوسرا عفو ودرگذر کا اصول۔ حضرت موسیٰؑ کی شریعت جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت کی شریعت تھی۔ اُنہوں نے یہ کبھی نہیں کہا ''اے بنی اسرائیل برے لوگوں کو معاف کردے'' (توریت سفر خروج)

اس کے برعکس حضرت عیسیٰؑ نے کہا کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے تو دوسرا گال بھی اس کی طرف پھیر دینا، جو تیرا کرتہ لے تو اسے اپنا چوغہ بھی دے دینا (انجیل ۳۸:۵) انہوں نے یہ کبھی نہیں کہا کہ شریروں اور بدکاروں کو ان کے اعمال کی سزا دینا کہ آسمان کی بادشاہت کی طرح زمین میں بھی امن وامان ہو۔ لیکن حضرت عیسیٰؑ کے بعد محسن انسانیت حضرت محمد مصطفیٰﷺ تشریف لائے تو آپﷺ نے افراط وتفریط سے ہٹ کر توسط واعتدال کا راستہ اختیار فرمایا اور انتہا پسندی چھوڑ کر صراط مستقیم کی فطری اور حقیقی راہ پر چلنے کی ہدایت فرمائی۔ آپ نے حکم دیا کہ ''برائی کا بدلہ ہمیشہ نیکی سے دو'' (قرآن ۹۶:۲۳) ''عاقبت کا گھر ان لوگوں کے لئے ہے جو برائی کو نیکی سے دفع کرتے ہیں'' (قرآن ۱۳:۲۴) ''جو تم پر ظلم کرے تم بھی اس قدر اس پر ظلم کرنا'' (۱۹۴:۲) نیز آپﷺ نے فرمایا کہ نیکی اور بدی برابر نہیں۔ بدی کو نیکی سے دور کرو کہ اس سے وہ شخص جس کو تم سے عداوت ہے تمہارا دوست بن جائے گا۔ (۳۴:۴۱)

دوسری طرف آپ ﷺ نے معاشرے کے استحکام اور تحفظ کی خاطر جرائم کے سدِ باب کے لئے سخت رویہ اختیار فرمایا کیونکہ ایسی برائیاں بھی ہیں جن کا ارتکاب تو ایک شخص کرتا ہے مگر اس کے اثرات پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں جیسا کہ قتل، ڈاکہ زنی، ریپ اور چوری ایسے جرائم کو معاف کرنے کا کوئی جواز نہیں۔ اس لیے فرمایا کہ جس نے کسی کو ناحق قتل کیا یا زمین میں فساد برپا کیا تو گویا اس نے ساری انسانیت کو قتل کر دیا اور جس نے ایک کو زندہ بچالیا گویا اس نے ساری انسانیت کو زندگی بخشی پھر فرمایا کہ ''یاد رکھو کہ اللہ کے دین کو نافذ کرتے وقت تمہیں مجرم پر ترس نہ آنے پائے۔'' ورنہ پورا معاشرہ ایک جرم سے متاثر ہوگا۔

عفو و درگزر اخلاقی طور پر ایک فرد کا بہترین وصف ہے لیکن جہاں پر قانون کی حدوں سے تجاوز کیا جائیگا کہ پورا معاشرہ خطرے میں پڑ جائے گا وہاں عفو گناہ عظیم ہوگا۔ اس واسطے فرمایا: ''ولکم فی القصاص حیاة یا اولی الالباب'' کہ انسانی زندگی بقا اور اس کا تحفظ قصاص یعنی بدلے لینے میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور سرور کائنات ﷺ جہاں پر رؤف و رحیم کی صفات کے ساتھ رافت و رحمت کا سراپا بن کر تشریف لائے وہاں پر وہ بشیر و نذیر تھے تا کہ خوشخبری دینے کے ساتھ ڈرانے کا فریضہ منصبی انجام دے کر اصلاح انسانیت کا اہتمام کریں اور معاشرے میں فساد پھیلانے والوں کو راہِ راست پر لایا جا سکے۔

اس واسطے حضرت محمد ﷺ نے اپنے پیش رو تمام مذاہب اور تہذیبوں کو جو الگ الگ دنیا والوں کے لئے بے کار تھیں اعتدال کے ساتھ اس طرح ترتیب دیا کہ سب کے محاسن یکجا جمع کر دیئے، اس بنا پر اسلام انفرادی سطح پر رحمت و شفقت اور عفو و درگزر کا حامی ہے اور اجتماعی اور سیاسی اعتبار سے عدل و انصاف اور نفاذِ قانون کا داعی ہے۔

ان اصولوں پر تشکیل پانے والا انسانی تشخص ایک فرد سے لیکر معاشرے اور جماعت تک ہر لحاظ سے مکمل اور جامع ہے کہ جسے صحیح معنوں میں فطرتِ سلیمہ کے عین مطابق معیاری اسلامی تشخص کہا جا سکتا ہے۔

اس نظام کی تشکیل و تعمیر کی خاطر اسلام غور و فکر کی نسبت عمل پر زیادہ زور دیتا ہے جس کے لئے اس کا طریق کار متوازن اور متعدل عملی اصولوں کا مرقع ہے توحید و رسالت کے دو اہم اصول اس عملیت کی فکری اساس ہیں۔

کلمہ طیبہ کا ترانہ حق ان دونوں سے عبارت ہے۔ توحید جہاں پر بندے کا رشتہ خدا سے جوڑتی ہے وہاں پر رسالت بندوں کے باہمی تعلقات کو اُستوار کرتی ہے۔ توحید اسلامی کی عمودی جہت کی نشاندہی کر رہی ہے۔ تو رسالت اس کی افقی جہت کی علامت ہے یہ دونوں جہتیں ایک دوسرے کی ضد اور مخالف نہیں بلکہ ایک دوسرے کی معاون اور مددگار ہیں۔ کہ ہر دو سے مؤمن کے ایمان و یقین کی تکمیل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایمان سے غافل ہو کر بندوں کے حقوق ادا نہیں کیے جا سکتے اور نہ ہی بندوں کے حقوق کی حق تلفی سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا حصول ممکن ہے۔ اس واسطے توحید و رسالت دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہیں۔ توحید کی غایت تقویٰ اور خوف خدا ہے جبکہ رسالت سے تزکیہ و تربیت کے ذریعہ اکرام مسلم اور احترامِ آدمیت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

تقویٰ عفو و درگزر اور رحمدلی اور انکساری کا مصدر ہے جبکہ اکرام مسلم اور احترام آدمیت سے انسانوں کو معاشرتی اور اجتماعی

زندگی میں توازن و اعتدال اور عدل و احسان کا ثمر ملتا ہے۔

بندوں کو بندوں سے رشتہ جوڑنے کیلئے ضروری ہے کہ تقویٰ اور احترام آدمیت کی جملہ اقدار کو معاشرے میں اس طرح نافذ کر دیا جائے کہ ایک پاکیزہ اصلاحی تشخص اور مربوط و متوازن طریق تمام معاشرے وجود میں آجائے۔ جس کی خصوصیات نبی کریم ﷺ نے اپنے خطبہ حجۃ الوداع میں اس طرح بیان فرمائیں۔ ارشاد ہے۔

انما دماء کم و اموالکم و اعراضکم حرام علیکم کحرمتیومکم هذا فی شہر کم هذا فی بلدکم هذا

قریش کے لوگو! تمہارے خون مال، اور عزتیں ایک دوسرے پر ہمیشہ کیلئے اس طرح حرام ہیں جیسے کہ آج کا یہ عزت والا دن تمہارے اس عزت والے مہینے میں اور تمہارے اس عزت والے شہر میں پھر فرمایا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ اے لوگو ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد اور ایک ہی عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہیں جماعتوں اور قبیلوں میں اس لئے بانٹ دیا تا کہ تم پہچانے جا سکو۔ خدا کی نظروں میں سب سے بہتر بزرگی والا اور عزت والا وہی ہے جو خدا سے زیادہ ڈرنے والا ہو، اس واسطے نہ کسی عربی کو عجمی پر کوئی فوقیت حاصل ہے اور نہ ہی عجمی کو عربی پر، نہ گورا کالے سے افضل ہے اور نہ ہی کالا گورے سے، ہاں عزت اور فضیلت کا اگر کوئی معیار ہے تو وہ صرف تقویٰ ہے۔

اس بنا پر تعلیمات نبوی کا منتہائے مقصود یہ ہے کہ اسی فلسفہء حیات کو انسانوں میں اجاگر کیا جائے جو حضور ﷺ کے بتلائے ہوئے ابدی منشور کے عین مطابق ہو جو مذہبی انتہا پسندی کے تمام تر رجحانات سے مبرا و ممتاز ہو جس کے تحت اُسی دستور زندگی کو نافذ کرنے کی سعی کی جا سکے جس کے نتیجے میں خودارادیت، عدلِ اجتماعی اور اخوت کے تین بنیادی اصول معاشرے میں کارگر ہو سکیں۔

جبر و کراہ کے بغیر خودارادیت یا نیت عمل، انسان کی تمام تر معاشرتی اخلاقی اور دینی اقدار کی اساس ہے۔ لَآ إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ اور أَفَأَنتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ کے ضابطہ کار کے تحت انسان کی خودمختار رائے کی اہمیت واضح کی گئی تا کہ إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ کی بنیاد پر انسان کو حیوانات سے ہٹ کر اپنے اعمال کا ذمہ دار ٹھرایا جائے کیونکہ جبر و اکراہ سے نہ تو اخلاقی جدّ و جہد کا تصور بروئے کار لایا جا سکتا ہے اور نہ ہی نیکی بدی، سزا و جزا اور دوزخ و جنت کے نظریات عملی زندگی میں با مقصد ہو سکتے ہیں اس واسطے فرمایا کہ وهدينا السبّيل اما شا كرا واِمّا كفورا کہ ہم نے شکر اور کفر کے وہ راستے بتا دیئے ہیں۔ تا کہ انسان دونوں میں سے جونسا راستہ چاہے اپنی نیت اور ارادے سے اختیار کرے اس لیے اختیار رائے اور حق خودارادیت سے مراد اسلام میں ہر قسم کی غلامی سے نجات ہے چاہے افراد کی غلامی ہو، جماعت کی یا خود اپنی اغراض و خواہشات کی۔ اسلام میں اس کا نام اخلاص اور فکر صحیح ہے۔ اس بنا پر ضروری ہے کہ ہر اس غلامی سے نجات حاصل کی جائے جو خدا کی اطاعت شریعت کی پابندی، اسوۂ حسنہ کی پیروی اور ضبطِ نفس کی راہ میں حائل ہو کیونکہ اعلیٰ سیرت اور بلند کردار کے حامل افراد فکر صحیح پر مبنی ہر طرح کی غلامی سے آزاد ہو سکتے ہیں۔

پھر حق خودارادیت اور عدل اجتماعی میں چولی دامن کا ساتھ ہے انہیں ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا کیونکہ حقوق و

فرائض کا توازن ان کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ جب تک ملت کے تمام افراد کو منصفانہ طریقہ سے بلا امتیاز رنگ ونسل یکساں مواقع حاصل نہ ہوں وہ صحیح معنوں میں اپنی معاشرتی ذمہ داریوں سے عہدہ برآنہیں ہو سکتے اور نہ ہی انتہاپسندی سے پاک توسط اعتدال پرمبنی معاشرہ تعمیر کر سکتے ہیں۔ اس واسطے خودارادیت کا دوسرا اہم پہلو اجتماعی زندگی میں عدل کی عملداری ہے۔ اسلام Rule of justice کا حامی ہے شریعت اسلام میں شاہ وگدا سب برابر ہیں امیر وغریب، حاکم اور رعایا سب کے لئے ایک ہی ضابطہ ہے۔ پھر عدل اجتماعی کی بنیاد انسان کے مادّی احوال پر نہیں بلکہ روحانی تموّل یعنی تقویٰ کے میرٹ پر رکھی گئی ہے۔ ان اکرمکم عند الله اتقاکم کے تحت اسی روحانی تموّل اور میرٹ یعنی تقویٰ کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسجد ہو یا خلیفہ وقت کا دربار یا عید کا تہوار امیر وغریب دونوں شانے سے شانہ ملائے ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھتے ہیں، مصافحہ کرتے ہیں اور گرم جوشی سے بغل گیر ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان میں عزت وتکریم کا معیار مادی دولت گروہی تعصب یا نسلی امتیاز نہیں مگر معیار صرف یہ ہے کہ ان کے دل کس قدر خدا کے خوف اور ڈر سے معمور ہیں اور ان کے ذہن ودماغ میں حسن نیت اور فکر صحیح کی کتنی روشنی موجود ہے۔ پھر معاشرتی زندگی میں حسن نیت اور خودارادیت کے ساتھ ساتھ اخوت اور بھائی چارے کا جذبہ پیدا کرنا بھی ازبس ضروری ہے کیونکہ یہ جذبہ قومی وحدت ویگانگت کی دلیل ہے اور اسی سے ملت کی معتدل حیئت اجتماعی کی تشکیل ہوتی ہے اور قوم کے افراد یہ محسوس کرتے ہیں کہ تمام انسان آدم کی اولاد ہیں سب آپس میں بھائی بھائی ہیں اور ایک دوسرے کے بہی خواہ اور غم خوار، اس لئے فرمایا کہ الدین النصحة دین خیر خواہی کا نام ہے۔

یہ ہے وہ فلسفہ حیات جسے اسلام عملی زندگی میں نافذ کرنا چاہتا ہے اور یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيْهِمْ کے ارشاد بلیغ کے ذریعہ اس کی تعلیم وتربیت کا اہتمام کیا گیا ہے۔ اس واسطے اسلام میں تعلیم کی غایت صرف معاشرے میں اچھے شہری بنانا ہی نہیں بلکہ تقویٰ پر مبنی زندگی کی اعلیٰ اقدار کو نافذ کرنا بھی مقصود ہے۔ جس سے ایک طرف انسان میں انسانیت نکھرتی ہے اور دوسری طرف وہ یاس وحزن اور خوف کی آلائشوں سے نجات حاصل کرتا ہے جس کے بعد اجتماعی زندگی میں زبان، رنگ ونسل کے سارے افتراقات مٹ جاتے ہیں اور فکر صحیح، عدل وانصاف اور اخوت محبت کا بول بالا ہوتا ہے اور پھر ایسا متوازن اور معتدل مثالی معاشرہ معرض وجود میں آتا ہے جس میں حقوق الحق، حقوق العباد اور حقوق النفس کے تحفظ کی ضمانت دی جاتی ہے۔ جس کے بعد انسان کے روپ میں کوئی خونخوار بھیڑیا بھی حقوق انسانی کا خون کر کے انسانیات کو پامال نہیں کر سکتا اور معاشرہ صحیح معنوں میں امن وسلامتی کا گہوارہ بن جاتا ہے۔

مسجد نبوی ﷺ کے جلو میں صفہ کے چبوترے پر قائم ہونے والی سب سے پہلی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کا نصب العین یہی تھا کہ تعلیمات نبوی ﷺ کے تحت اخلاق اور تربیت وتزکیہ کا ایسا نظام نافذ کیا جائے جسکے ذریعہ سے انسانی اقدار کی شعاعیں پورے عالم کو منور کر دیں کیونکہ انسان کا صرف جسمانی طور پر معرض وجود میں آنا ہی کافی نہیں جب تک کہ انسان کو انسان نہ بنا دیا جائے اور تقویٰ کے جوہر بے پایاں کے ذریعے اسے نکھرتی ہوئی انسانیت سے معمور نہ کر دیا جائے مطمح نظر یہ ہے کہ جسمانی پیدائش اور نشوونما کے ساتھ انسان کا روحانی اور اخلاقی طور پر جنم لینا بھی انتہائی ناگزیر ہے یہ فرض صرف علماء، دانشور اور

اسلامی علوم کے ماہرین ہی انجام دے سکتے ہے کہ حضور سرور کائنات واسلام کی پہلی یونیورسٹی کی پہلے ریکٹر اور منتظم تھے ارشاد فرمایا بعثت معلما کہ ...نا کر مبعوث کیا گیا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ معلّمی پیشہ نہیں بلکہ ایک منصب اور مقام ہے جس پر ایک استاد کو ہی فائز کیا جاتا ہے نیز ارشاد فرمایا العلماء ورثۃ الانبیاء علماء انبیاء کے وارث ہیں یعنی جو مقام و مرتبہ انبیاء کو اپنے اپنے دور میں ملا وہی منصب و مقام اب نبوت رسالت کی تکمیل کے بعد نبوت کے وارثوں یعنی علماء اساتذہ اور اسلامی معلّمین کو حاصل ہو رہا ہے۔ چنانچہ علماء کا فریضہ منصبی ہے کہ وہ امت کو تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں ہر قسم کی انتہا پسندی سے بچنے کی تلقین فرمائیں اور اس طرح ہم سب اپنے مالک کو راضی کر لیں۔

کیونکہ انسانی زندگی میں بندوں کے لئے اپنے مالک کی خوشنودی اور اس کی رضا کا حصول صادق وامین کی تعلیمات کا مقصود و مطلوب ہے۔ اسی لیے حقوق الحق، حقوق العباد اور حقوق النفس کی پاسداری اور حفاظت کی عمارت ان ہی تعلیمات کی بنیادوں پر اُستوار ہوتی ہے۔ تزکیۂ نفس اور تہذیب الاخلاق اسی عمارت کی تعمیر و تزئین کا نام ہے اس واسطے مذہبی انتہا پسندی کے تمامتر رجحانات سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے اور امت کو توسط واعتدال کی راہ پر چلانے کے لئے علماء اور سکالروں کو آگے آنا چاہیے۔ تاکہ وہ میانہ روی اور انصاف کا نبوی پیغام اقوام عالم کو پہنچا کر اپنے اسلامی فریضہ سے سبکدوش ہو سکیں۔

خطبۂ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور سرور کائنات ﷺ نے تکمیل دین اور اتمام نعمت کا جو عظیم اعلان فرمایا تھا اس کا مقصد یہی تھا کہ دین اسلامی کی تکمیل سے خالق کائنات کی بات فطری حقائق اور عدل وانصاف پر مکمل اور تمام ہوئی جو ابد تک کے لئے اٹل اور انمٹ ہے اور جسے کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔ اس واسطے ہر قسم کی انتہا پسندی کے خاتمہ اور اس سے نجات کی راہ صرف یہی ہے کہ دنیا خاتم النبیین کے لائے ہوئے آخری اور روشن دین متین پر جمع ہو جائے جو انسانیت کی فطری اور حقیقی ضرورت ہے۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

قومی سیرت کانفرنس

۱۴۲۵ھ/۲۰۰۴ء

مقالاتِ سیرت

"دورِ حاضر میں انتہا پسندی کا رجحان اور اُس کا خاتمہ تعلیماتِ نبویؐ کی روشنی میں"

وزارتِ مذہبی امور، زکوٰۃ وعشر،
حکومت پاکستان